اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ يَقُوۡمُ الۡاَشۡهَادُ ۝٥٢

یقیناً ہم اپنے رسولوں کی اور اُن کی جو ایمان لائے اِس دنیا کی زندگی میں بھی مدد کریں گے
اور اُس دن بھی جب گواہ کھڑے ہوں گے۔ (سورۃ المؤمن ۵۲)

واقفین زندگی کے ساتھ
الٰہی تائیدات و نصرت کے
ایمان افروز واقعات

ڈاکٹر افتخار احمد ایاز

لندن

نام کتاب	:	واقفین زندگی کے ساتھ الٰہی تائیدات ونصرت کے ایمان افروز واقعات
مصنف	:	ڈاکٹرافتخاراحمدایاز۔امیر جماعت احمدیہ برطانیہ(1997-2001)
سن اشاعت	:	2012ء
تعداد	:	1000
کمپوزنگ وتزئین	:	خورشیداحمدخادمؔ۔قادیان
پبلشر	:	ڈاکٹرسعدیہ ایاز،لندن۔یو.کے 00-44-2088790985

انتساب

یہ سعیٔ نا تمام ان واقفین زندگی کے نام نامی سے معنون کرتا ہوں جو اس آیت کریمہ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴿۱۶۳﴾(الانعام) کے روشن ستارے تھے۔ اُنہوں نے اپنی زندگیوں میں وقف زندگی کا نہایت جامع اور بلیغ مثالی نمونہ پیش کیا اور ساری جماعت احمدیہ کیلئے ہمیشہ ہمیش کیلئے مشعل راہ بن گئے۔ میدان عمل میں اُنہوں نے اپنی قربانیوں سے ثابت کر دیا کہ ایک سچے مومن کی فلاح اور کامیابی زندگی وقف کرنے میں ہی ہے۔ انہوں نے عملاً اپنی زندگیوں کا ایک ایک لمحہ اور اپنی طاقت کا ایک ایک ذرہ دین کی خاطر قربان کر دیا اور احمدیت کو دنیا کے کناروں تک پہنچانے کیلئے ایک ایسی زرخیز زمین تیار کر دی جس پر شیریں پھلوں سے لدے سرسبز باغ آج ہمیں ہر طرف نظر آ رہے ہیں اور پھیلتے چلے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قربانی اور وقف زندگی کا جذبہ زندہ رکھنے کی ہمیں اور ہماری نسلوں کو توفیق عطا فرماتا رہے اور ہماری اولادیں اس مبارک گروہ میں شامل ہو کر احمدیت کی فتح کے عظیم الشان سفر کی جلد تکمیل کا باعث بنیں تاہم حقیقی رنگ میں اپنی زندگیوں کا مقصد حاصل کرنے والے ہوں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ﴿۲۰۸﴾ (البقرہ) انسانوں میں سے وہ اعلیٰ درجہ کے انسان ہیں جو خدا کی رضا میں کھوئے جاتے ہیں۔ وہ اپنی جان بیچتے ہیں اور خدا کی رضا کو حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا کی رحمت ہے۔

❁

❁مکتوب مبارک❁

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَ عَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

لندن

3-2-12

مکرم افتخار احمد ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی طرف سے ان واقفین زندگی کی فہرست موصول ہوئی جنہیں آپ نے اپنی کتاب ''واقفین زندگی کے ساتھ الٰہی تائید ونصرت کے ایمان افروز واقعات'' میں شامل کیا ہے۔اللہ کرے کہ یہ کتاب قارئین کے لئے ازدیاد ایمان اور علم وعرفان کا موجب ہو۔اللہ تعالیٰ آپ کی ہمیشہ مدد اور نصرت فرمائے اور آپ کے سب کاموں میں برکت عطا فرماتا رہے۔آمین

والسلام

خاکسار

خلیفۃ المسیح الخامس

❁مکتوب مبارک❁

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ وَعَلٰی عَبْدِہِ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالنّاصر

لندن

11-2-12

مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کی کتاب ”واقفین زندگی کے ساتھ الٰہی تائیدات اور نصرت کے واقعات“ موصول ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کاوش میں برکت ڈالے اور یہ کتاب جہاں واقفین زندگی کے لئے دعاؤں کا ذریعہ بنے وہاں میدان عمل میں موجود واقفین زندگی اور آئندہ آنے والے واقفین زندگی کے لئے پاک مشعل راہ ہو۔ اللہ تعالیٰ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خلافت احمدیہ کے جھنڈے تلے ایسے بےنفس اور پاک سیرت واقف زندگی عطا فرماتا رہے جو دین کی خاطر ہر قربانی کے لئے ہر وقت تیار رہنے والے ہوں اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک اسلام کا جھنڈا تمام دنیا پر لہرا نہ دیں۔

اللہ تعالیٰ آئندہ آنے والے واقفین کو بھی تعلق باللہ کا ایک خاص مقام عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

خاکسار

مرزا مسرور احمد

خلیفۃ المسیح الخامس

بسم اللہ الرحمن الرحیم　　نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم　　و علیٰ عبدہ المسیح الموعود

فہرست مضامین

Unitech Publications Qadian
Distt. Gurdaspur, Punjab (INDIA)
00-91-9815617814 , 9872341117
Printed in India at : Printwell, Amritsar.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہٖ الکریم وعلیٰ عبدہٖ المسیح الموعود

اظہار تشکر

اَنِ اشْکُرْ لِلّٰہِ ؕ وَمَنْ یَّشْکُرْ فَاِنَّمَا یَشْکُرُ لِنَفْسِہٖ ۚ (لقمٰن:۱۳)

’’اللہ کا شکر ادا کرو اور جو بھی شکر ادا کرے تو وہ محض اپنے نفس کی بھلائی کیلئے ہی شکر ادا کرتا ہے‘‘

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ

ھوالناصر

اللہ تعالیٰ کے شکر کے جذبات سے لبریز دِل کے ساتھ یہ کلمات تشکر لکھ رہا ہوں۔اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم اور احسان ہے کہ اس نے کتاب ’’واقفین زندگی کے ساتھ الٰہی تائیدات و نصرت کے ایمان افروز واقعات‘‘ کی اشاعت کی توفیق عطا فرمائی۔الحمد للہ رب العالمین۔اپنی کتاب ’’وقف زندگی کی اہمیت اور برکات‘‘ میں چند بزرگ واقفین زندگی کے میدان جہاد میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور قبولیت دعا کے ایمان افروز واقعات شامل کئے تھے جو خاص طور پر پسند کئے گئے اور تحریک ہوئی کہ اس موضوع پر ایک الگ کتاب مرتب کی جائے جو نہ صرف ایمان کی تقویت کا باعث ہو بلکہ ہر دل میں خوشی خوشی اپنے رب کے حضور اپنی زندگیاں پیش کرنے کی تڑپ پیدا کرے اور آخری دم تک صدق و وفا کے ساتھ اس عہد پر قائم رکھے اور اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضلوں ،تائیدات ،نصرت اور نعماء کا حقدار بنائے اور یہ سلسلہ ہماری نسلوں میں جاری وساری رہے۔آمین۔

شکر کے اس موقع پر اُن سب واقفین زندگی کی یادیں، جو آج ہم میں موجود نہیں ہیں،تازہ ہو رہی ہیں اور اُن کی روشن کی ہوئی قندیلیں دنیا سے جہالت اور ظلمتوں کے اندھیرے دور کرتی چلی جارہی ہیں۔ اُن کی قربانیاں ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔اللہ تعالیٰ اُن کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے۔ آمین۔

میں اُن سب واقفین زندگی کا احسان مند ہوں اور اُن کیلئے قارئین کرام سے دعا کی درخواست کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کی زینت کیلئے اپنے واقعات بھجوائے۔اللہ تعالیٰ سبکو اپنی تائید و نصرت اور قبولیت دعا کا نشان بنائے اور اُن کی قربانیوں کو بے شمار فتوحات اور شیریں ثمرات سے نوازے۔اللہ تعالیٰ اُن کی صحتوں اور عمروں میں بے انتہا برکت دے اور ہم اُن کے علم و عرفان اور روحانی فیضان سے مستفیض ہوتے رہیں۔آمین۔میں اُن سب احباب کا بے حد ممنون ہوں جنہوں نے اس کتاب کی ترتیب اور کمپوزنگ میں مدد کی۔خاص طور پر برادرم مکرم حبیب الرحمٰن زیروی صاحب طاہر فاؤنڈیشن ربوہ کا احسان مند ہوں کہ اُن کی نگرانی میں اس کتاب کا مسودہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے اور دین و دنیا میں اقبال و ظفر سے ممتاز کرے۔آمین۔

آخر میں پھر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ سب کام اُس کی مدد سے ہی ہوتے ہیں۔اور یہ کام بھی اس کی ہی تائید اور نصرت سے ہوا ہے۔دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس ادنیٰ کاوش کو قبول فرمائے اور اس کتاب کی اشاعت کے اعلیٰ مقاصد احسن رنگ میں پورے ہوں۔آمین۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم

خاکسار

افتخار احمد ایاز

پیش لفظ

از محترم مرزا غلام احمد صاحب
ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ پاکستان

مکرم افتخار احمد ایاز صاحب نے چند سال قبل وقف زندگی کی اہمیت اور برکات کے موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ اب انہوں نے اس موضوع کو آگے بڑھاتے ہوئے واقفینِ زندگی کے حوالے سے ان برکات اور آسمانی افضال کا تذکرہ کیا ہے۔ جن برکات اور اللہ کے فضلوں کا ہر زندگی وقف کرنے والا اپنی روزمرہ کی زندگی میں مشاہدہ کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ تجربہ کرتا ہے۔ شائد ہی جماعت احمدیہ میں کوئی ایسا واقفِ زندگی ملے جس نے خدا تعالیٰ کے فضلوں اور اس کی رحمتوں کو اپنے اوپر نازل ہوتے نہ دیکھا ہو۔ چھوٹی چھوٹی باتوں میں بھی اور بڑے بڑے معاملات میں بھی۔ اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں بھی اور اپنی ذاتی اور گھریلو زندگی میں بھی اور صرف یہ نہیں کہ خدا کے دین کی خاطر اپنی زندگی بسر کرنے کا وعدہ کرنے والا شخص خود یا اس کی بیوی اور اس کے بچے اور اس سے تعلق رکھنے والے دوست احباب ہی یہ بات دیکھ سکتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس شخص کے ساتھ خدا کا کوئی خاص معاملہ ہے۔ بلکہ بسا اوقات اس سے لاتعلق لوگ بھی اس بات سے آگاہ ہو جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جب کوئی شخص خدا تعالیٰ کی خاطر ایک قدم بھی اٹھاتا ہے تو اس کو بھی خدا تعالیٰ قبول فرما کر اس سے کہیں بڑھ کر بدلہ عطا فرماتا ہے۔ بات یہ ہے کہ خدا بہت غیور ہے اور اپنی خدائی کے لئے حد درجہ غیرت رکھتا ہے اس لئے اگر کوئی اس کی خاطر ایک نہایت درجہ معمولی اقدام کرتا ہے تو چونکہ اپنے اوپر کسی کا احسان رکھنا خدا کی غیرت کے خلاف ہوتا ہے اس لئے وہ ایسے شخص کو اپنے ایسے فضلوں سے نوازتا ہے جو شخص مذکور کے اقدام سے کئی گنا زیادہ ہوتے ہیں۔

جب خدا کی یہ سنت عام لوگوں کے ساتھ ہے جو کبھی کبھی کسی خاص وقت میں کوئی نیکی خدا کی خاطر کرتے ہیں تو پھر وہ لوگ جو اپنی ساری زندگی اپنی عمر کا ہر لمحہ اور اپنے تمام قویٰ اور تمام طاقتیں خدا کے لئے وقف کر دینے کا عہد کرتے ہیں اور عملاً اس عہد پر پورا اترنے کی جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ اور جن

کے مدنظر اِس ساری جد و جہد سے صرف خدا کی رضا کا حصول ہوتا ہے ان کو خدا کس طرح چھوڑ سکتا ہے؟

مکرم افتخار احمد ایاز صاحب نے اپنی اس نئی کتاب میں بہت سے ایسے احباب کا تذکرہ کیا ہے۔ جنہوں نے خدا کی خاطر زندگیاں وقف کرنے کا عہد کیا اور پھر ساری زندگی اس عہد کو نباہنے میں گزار دی۔ ان واقفین کرام پر اور ان کے اہل و عیال پر خدا تعالیٰ کے جو فضل اور رحمتیں نازل ہوئیں اس کا ایک مختصر سا تذکرہ اس کتاب میں ملتا ہے۔

خدا تعالیٰ ان کی تحریر میں تاثیر بخشے اور کتاب کا پڑھنے والا اس سے نیک اثر قبول کر کے جہاں اس کتاب میں مندرج واقفین زندگی اور انکی اولاد کے لئے دعا کرے۔ وہاں خدا کرے کہ اس کتاب کو پڑھ کر زیادہ سے زیادہ نئے احباب کو بھی واقفین زندگی کے خوش نصیب گروہ میں شامل ہونے کی توفیق ملے آمین!

آخر میں ایک بات مکرم افتخار صاحب کی خدمت میں۔ وہ یہ کہ بہت بہتر ہوتا اگر افتخار صاحب یہ کتاب انگریزی زبان میں تحریر کرتے کہ اس طرح احمدیت میں نئے داخل ہونے والے اور مغربی ممالک میں پرورش پانے والے احمدی بھی اس سے مستفید ہو سکتے!

والسلام

خاکسار

مرزا غلام احمد

ناظر دیوان صدر انجمن احمدیہ پاکستان

پیش لفظ

حبی فی اللہ محترم بزرگوارم حکیم محمد دین صاحب صدر صدر انجمن احمدیہ بھارت

۞

وقف زندگی اسلام کا خلاصہ ہے جسے ایک مومن کی روح قرار دیتے ہوئے اس کیلئے اس میں خوف و حزن سے نجات اور ابدی راحت کی ضمانت عطا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

بَلٰی ۚ مَنۡ اَسۡلَمَ وَجۡهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحۡسِنٌ فَلَهٗۤ اَجۡرُهٗ عِنۡدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ﴿۱۱۳﴾ (البقرہ)

کہ جس نے خود کو کامل طور پر اللہ کے سپرد کر دیا، وہی حقیقی محسن ہے۔ اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ نہ اس کو خوف ہوگا اور نہ حزن۔ اس کیلئے تو بس ابدی راحت اور دائمی خوشی ہے۔ اسی بناء پر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وقف زندگی میں مجھے اس قدر راحت محسوس ہوتی ہے کہ:

''میرا دل کرتا ہے کہ میں خدا کی راہ میں قربان کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں۔ پھر اس کی راہ میں جان نذر کروں پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر اس کی خاطر جان فدا کر دوں۔''

جماعت احمدیہ میں گذشتہ سو سال سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں ایسے خوش نصیب افراد ہیں جو وقف زندگی کی نعمت سے متمتع ہو کر اس کا فیض پا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو یہ خوش نصیبی عطا کرے اور ہماری اولاد در اولاد کو خلافت احمدیہ کے زیر سایہ یہ روحانی نعمت عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب کی یہ کاوش قابل ستائش ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب افراد جماعت کو وقف زندگی کے تقاضے احسن رنگ میں پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور مکرم ڈاکٹر صاحب کو اپنے خاص فضلوں اور رحمتوں سے نوازے اور نمایاں خدمات سلسلہ عالیہ احمدیہ کی توفیق عطا فرماتا رہے۔ آمین۔

خاکسار

حکیم محمد دین

(حکیم محمد دین)

صدر صدر انجمن احمدیہ بھارت

مارچ 2011ء

پیش لفظ

محترم منیر الدین صاحب شمس ایڈیشنل وکیل التصنیف لندن

''واقفین زندگی کے ساتھ الٰہی تائیدات ونصرت کے ایمان افروز واقعات'' پر مشتمل کتاب مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب امیر جماعت یوکے (1997-2001) کی کاوش ہے۔ ابتدائی حصہ میں آپ نے خدا تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء کرام علیہ السلام، خلفاء، بزرگان دین واولیاء کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے اپنی تعلیم، تبلیغ اور عملی نمونہ سے دنیا کو خالق حقیقی کی پہچان کرائی ہے۔ کتاب کا یہ حصہ آب حیات ہے۔ دوسرے حصہ میں انہی برگزیدہ ہستیوں کے نقوش پر بعض واقفین زندگی کے واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

زندگی وقف کرنے کی روایت کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پھر سے زندہ فرمایا ہے اور خلفاء احمدیت نے اس میں استحکام بخشا ہے۔ اب یہ واقفین زندگی جماعت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں جن میں سے کچھ مربیان کرام، کچھ مبلغین، کچھ معلمین، کچھ ڈاکٹر صاحبان، کچھ اساتذہ سکول، کچھ مترجمین اور کچھ مختلف جماعتی دفاتر میں خدمات پر مامور ہیں اور سب خلیفہ وقت کی ہدایات پر عمل پیرا ہیں اور نظام الٰہی کا حصہ ہیں۔ اور یہی نظام نو ہے۔

وقف پھولوں کی سیج ہرگز نہیں ہے۔ یہ ایک کٹھن راہ ہے جس میں صبر و استقامت دکھانے کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ یہ سفر دعا، درود اور استغفار سے طے ہوتا ہے۔ اس میں زادِ راہ صرف اور صرف خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو نازک پاؤں والے پھسل جاتے ہیں اور ابتلاء آ جاتا ہے۔ وقف کرنا گویا خدا سے دوستی کرنا ہے۔ وفا کا یہ مقدس عہد نبھانا دنیا وآخرت کو سنوار دیتا ہے۔ ایک واقف زندگی جب میدان میں تبلیغ وتربیت کے جہاد میں مصروف ہوتا ہے تو وہ اپنے ظرف اور تعلق باللہ کے مطابق خدا کی تائید ونصرت کا وارث بن جاتا ہے۔ اس کے ساتھ خدا کا سلوک اعجازی ہوتا ہے۔ جو اس راہ میں پاک نیت، پختہ عزم اور ایمان ویقین کے ساتھ نکلتے ہیں وہ سرخرو ہوتے ہیں۔ ان کا اپنا ایمان بھی بڑھتا ہے اور دوسرے لوگ بھی ان سے مل کر راحت وسکون محسوس کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی برکت کا سلسلہ بڑھتا چلا جاتا ہے اور یہ اس کتاب کے دوسرے حصہ میں واقعات اور مثالوں سے عیاں ہے۔ جماعت احمدیہ

میں اب وقف نو کی تحریک بھی انقلاب انگیز تحریک ہے۔ یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرچم کو بلند کرنے کا موجب ہوں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔

خلافت احمدیہ واقفین زندگی کی رہنمائی اور اُن سے خدمت لینے میں بنیادی رول ادا کرتی ہے۔ جو واقفین خلیفہ وقت کی محبت اور دعا کو ساتھ لے کر چلتے ہیں وہ کامیاب و کامران ہوتے ہیں اور اپنی اس کٹھن راہ کو طے کر جاتے ہیں اور انعام یافتہ لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اور اسلام کی نشاۃ ثانیہ میں ممد ثابت ہوتے ہیں۔

ہاں جماعت احمدیہ میں بہت سے ایسے خدمت گزار بھی ہیں جو وقف کی روح کے ساتھ بڑے لگاؤ سے جماعت کی خدمت کرتے ہیں اور وہ بھی حقیقی واقف زندگی کی فہرست میں آتے ہیں۔ ان میں بھی بہت سے ایسے ہوتے ہیں جو صاحب رویاء وکشوف ہوتے ہیں اور جماعت کے وقار اور سربلندی کا باعث ہیں۔ ان ہی کی وجہ سے جماعت ایک زندہ جماعت کہلاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسے مخلص حقیقی واقفین زندگی کو جماعت کے پھیلانے اور اسلام کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے اور خلیفہ وقت کی دعاؤں کے وارث ہوں اور صحیح رنگ میں اس کے سلطان نصیر ثابت ہوں۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 1944 میں ایک خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ تو گزر چکا۔ اس وقت آپ کے صحابہؓ اور خلفاء کا زمانہ ہے۔ مگر کچھ عرصہ بعد جگہ جگہ تلاش کی جائے گی لیکن کوئی صحابی نہیں ملے گا۔ اس وقت اس بات کو غنیمت سمجھا جائے گا کہ کوئی ایسا فرد مل جائے جس نے ان صحابہ کو دیکھا ہو یا ان سے ملاقات کی ہو۔ لیکن یہ وقت بھی چلا جائے گا اور ایسے افراد بھی نہ مل سکیں گے تا کہ ان سے برکات حاصل کی جا سکیں۔

ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں جو پہلے زمانہ کو تو نہ پا سکے لیکن اس زمانہ کو پایا ہے جس میں ابھی بھی بہت سے احباب موجود ہیں جنہوں نے صحابہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا زمانہ پایا اور ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا تھا، ایک وقت آئے گا کہ ہم اس زمانہ اور موقع کو بھی کھو دیں گے اور حسرت سے یاد کیا کریں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس وقت کی قدر کی جائے اور بجائے کھوئے ہوئے وقت پر حسرت کرنے کے، جو ہمیں مل ہی نہیں سکتا، جو موجود ہے اس کی قدر کریں اور برکات سے پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام، کہ جن کی راہ تکتے تکتے کروڑوں ہی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، کے نمائندہ کی حیثیت سے ہم میں اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ کے طور

پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ذات بابرکات موجود ہے۔خدا کرے کہ ہم اس نعمت کی قدر کرنے والے ہوں اور آپ کے دامن سے اپنے آپ کو اس طرح وابستہ کرنے والوں میں سے ہو جائیں کہ یکجان دو قالب ہو جائیں اور ان تمام برکات کو سمیٹنے والے اور جذب کرنے والے بن جائیں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے۔

زیر نظر کتاب میں مذکورہ حالات و واقعات یقیناً ہم سب کیلئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ان نیک نمونوں کو اپنانے اور ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتا چلا جائے تا کہ ہم بھی اس کے مقربین میں شمار کئے جانے کے لائق ٹھہر سکیں۔آمین۔

اللہ تعالیٰ جبی فی اللہ مکرم و محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب کو اپنے فضلوں سے نوازتا رہے جنہوں نے بڑی محنت اور لگن کے ساتھ مختلف ایمان افروز واقعات و حالات جمع کر کے انہیں اس کتاب میں شامل فرمایا ہے تا کہ قارئین کے ازدیاد ایمان کا باعث ہوں اور قارئین ان سے استفادہ کر سکیں۔اللھم آمین۔

خاکسار

منیر الدین شمس

منیر الدین شمس

(ابن خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین شمس صاحب)

(نائب امام مسجد فضل لندن (1973-1980)

وامیر و مبلغ انچارج کینیڈا (1980-1985)

حال ایڈیشنل وکیل التصنیف، لندن

8 مارچ 2012ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہٖ الکریم وعلیٰ عبدہ المسیح الموعود

عرض حال

صاف دل کو کثرت اعجاز کی حاجت نہیں

اک نشاں کافی ہے گر دل میں ہو خوفِ کردِگار

جب بھی دنیا میں کوئی امام الزمان پیدا ہوتا ہے تو اس کے ذریعہ انتشار روحانیت نفخ کرتا ہے اور اِس کی انفاخ قدسیہ کی طرف ہزاروں سعید روحیں کھنچی چلی آتی ہیں اور پھر یہ سعید روحیں امام الزمان سے اکتساب فیض کرتے ہوئے لاکھوں انسانوں تک یہ نور آگے منتقل کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ مسیح موعود و مہدی معہود آخر الزمان سیدنا حضرت اقدس مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب دنیا میں کوئی امام الزمان آتا ہے تو ہزارہا انوار اس کے ساتھ آتے ہیں اور آسمان میں ایک صورت انبساطی پیدا ہو جاتی ہے اور انتشار روحانیت اور نورانیت ہو کر نیک استعدادیں جاگ اٹھتی ہیں پس جو شخص الہام کی استعداد رکھتا ہے اس کو سلسلہ الہام شروع ہو جاتا ہے اور جو شخص فکر اور غور کے ذریعہ سے دینی تفقہ کی استعداد رکھتا ہے اس کے تدبّر اور سوچنے کی قوت کو زیادہ کیا جاتا ہے اور جس کو عبادات کی طرف رغبت ہو اس کو تعبد اور پرستش میں لذت عطا کی جاتی ہے۔ اور جو شخص غیر قوموں کے ساتھ مباحثات کرتا ہے اس کو استدلال اور اتمام حجت کی طاقت بخشی جاتی ہے۔ اور یہ تمام باتیں درحقیقت اسی انتشار روحانیت کا نتیجہ ہوتا ہے جو امام الزمان کے ساتھ آسمان سے اترتی اور ہر ایک مستعد کے دل پر نازل ہوتی ہے۔ اور یہ ایک عام قانون اور سنت الٰہی ہے جو ہمیں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی رہنمائی سے معلوم ہوا اور ذاتی تجارب نے اس کا مشاہدہ کرایا ہے مگر مسیح موعود کے زمانہ کو اس سے بھی بڑھ کر ایک خصوصیت ہے اور وہ یہ ہے کہ پہلے نبیوں کی کتابوں اور احادیث نبویہ میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کے ظہور کے وقت یہ انتشار نورانیت اس حد تک ہوگا کہ عورتوں کو بھی الہام شروع ہو جائے گا اور نابالغ بچے نبوت کریں گے

اورعوام الناس روح القدس سے بولیں گے اور یہ سب کچھ مسیح موعود کی روحانیت کا پرتو ہوگا جیسا کہ دیوار پر آفتاب کا سایہ پڑتا ہے تو دیوار منور ہو جاتی ہے اور اگر چونہ اور قلعی سے سفید کی گئی ہو تو پھر تو اور بھی زیادہ چمکتی ہے۔ اور اگر اس میں آئینے نصب کئے گئے ہوں تو ان کی روشنی اس قدر بڑھتی ہے کہ آنکھ کو تاب نہیں رہتی۔ مگر دیوار دعویٰ نہیں کر سکتی کہ یہ سب کچھ ذاتی طور پر مجھ میں ہے۔ کیونکہ سورج کے غروب کے بعد پھر اس روشنی کا نام ونشان نہیں رہتا۔ پس ایسا ہی تمام الہامی انوار امام الزمان کے انوار کا انعکاس ہوتا ہے۔''

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۴۷۴، ۴۷۵)

آج کا یہ ہمارا دور خوش قسمت ترین دور ہے۔ یہ وہ دور ہے جس میں پیشوایان مذاہب کی اور خاص طور پر خاتم الانبیاء، خاتم المرسلین حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق آخری زمانہ کا منجی مسیح ومہدی ظاہر ہوا۔ وہ موعود اقوام عالم ظاہر ہوا جس کی انتظار میں ہزاروں بلکہ کروڑوں لوگ اس دنیا سے گزر گئے مگر ان کی اس امام سے ملنے اور اس امام کے دور کو پانے کی خواہش پوری نہ ہو سکی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جنہوں نے اپنی نسلوں کو وصیت کی کہ جب وہ امام آخر الزمان ظاہر ہو تو انہیں ہمارا اسلام پہنچائیں۔

خوشا نصیب کہ ہم نے وہ زمانہ پایا اس مسیح کو پایا اس امام کو دیکھا، اس کے ماننے والے صحابہ کا دور دیکھا اس کی جماعت میں داخل ہونے والے ربانی علماء اور بزرگان سلسلہ کا دور دیکھا اور مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ہم نے سینکڑوں مجاہدین احمدیت کے ساری دنیا میں میدان تبلیغ میں پیدا کردہ انقلابات اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کئے۔ ہم سینکڑوں کے ایمان افروز واقعات اور نیم شبانہ دعاؤں کے کرشمات کے عینی شاہدین میں شامل ہوئے۔ میدان عمل کے اِن مجاہدین، مبلغین، مربیان اور واقفین زندگی کی بیاضوں میں بیسیوں ایسے ایمان افروز واقعات مسطور ہیں جو یقیناً ہر داعی الی اللہ کے لئے مشعل راہ ہیں۔ وہ عظیم الشان لوگ جو دنیا میں کروڑوں انسانوں میں سے بہترین انسان ہیں کیونکہ اُنہوں نے حضرت مہدی آخر الزمان کے انتشار روحانیت سے فیض حاصل کیا اور ہزاروں کی زندگیوں کو پہلے با اخلاق بنایا پھر با خدا اور خدا نما زندگیوں کے نمونے میں تبدیل کر کے رکھ دیا۔

یہ وہ لوگ تھے اور ہیں کہ جن کے سوانح حیات اور کارناموں کے لئے اگر روحانی دنیا میں کوئی ایوارڈ نامزد کیا جائے تو ایک ارب نوبیل پرائز بھی ان کے روحانی نعماء کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جماعت احمدیہ عالمگیر کا دور قیامت تک ممتد کیا جا چکا ہے اور کل کائنات کے لئے اب یہی مژدہ ہے کہ :

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''وہ لوگ جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زمانہ میں خدمات کی ہیں۔ایسی ہستیاں ہیں جو دنیا کے لئے تعویذ اور حفاظت کا ذریعہ ہیں۔ یہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہزاروں نشانات کا چلتا پھرتا ریکارڈ تھے۔ نہ معلوم لوگوں نے کس حد تک ان ریکارڈوں کو محفوظ کیا ہے مگر بہرحال خدا تعالیٰ کے ہزاروں نشانات کے وہ چشم دید گواہ تھے۔ ان ہزاروں نشانات کے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ اور آپ کی زبان اور آپ کے کان اور آپ کے پاؤں وغیرہ کے ذریعے ظاہر ہوئے .... ایک ایک صحابی جو فوت ہوتا ہے وہ ہمارے ریکارڈ کا ایک رجسٹر ہوتا ہے۔............ اگر ہم نے ان رجسٹروں کی نقلیں کر لی ہیں تو ہمارے لئے خوشی کا مقام ہے اور اگر ہم نے ان کی نقلیں نہیں کیں تو یہ ہماری بدقسمتی کی علامت ہے۔''

(خطبہ جمعہ از الفضل قادیان ۲۸/اگست ۱۹۴۱ء)

پس آج ہمارے لئے نیک بختی کا دور ہے کہ ہمیں ان بزرگان کے کارنامے دستیاب ہیں۔سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین دراصل حقیقی معنوں میں ابتدائی مبلغین کرام تھے۔ ہر صحابی کے حالات زندگی کیا مطبوعہ اور کیا غیر مطبوعہ سینکڑوں ایمان افروز واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔اسی طرح مبلغین کرام اور مربیان سلسلہ احمدیہ کے میدان عمل کے ادوار بھی تائیدات الٰہی، قبولیت دعا، خوارق عادت نشانات اور ایمان افروز واقعات سے بھرپور ہیں۔

نام نیک رفتگان ضائع مکن
تا بماند نیکت برقرار

حقیقت یہ ہے زندہ مذہب وہی مذہب ہوتا ہے جس میں زندہ خدا کے زندہ نشانات ہر زمانے میں پائے جاتے ہوں اور اسلام کا خدا اب بھی کلام کرتا ہے جیسے پندرہ سو سال پہلے کرتا تھا۔ وہ اب بھی اپنے پیاروں

کوکشوف اورالہامات اورقبولیت دعا کےنشانات دکھلا کرراہنمائی فرماتا ہے۔

مبلغین کرام کی سوسالہ تاریخ اس بات پر شاہد ناطق ہے کہ تائیدات الٰہیہ اور دعاؤں کی قبولیت کے نشانات کا سلسلہ تا قیامت جاری و ساری رہے گا۔ ہم خلافت رابعہ میں متعدد بار سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے خطبات و خطابات میں اور اب خلافت خامسہ میں بیسیوں مبلغین کے تائید ایزدی کے واقعات سن چکے ہیں جو یقیناہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جنت کی زندگی یہی ہے کہ دین کی خدمت کرکے دُکھی دنیا کی زندگیوں میں روحانیت اور تعلق باللہ کا انقلاب برپا کردیا جائے اور یہ جبھی ممکن ہے جب ہماری اپنی زندگی محض للہ گزر رہی ہو۔

اس کتاب میں بطورنمونہ بعض واقعات، مشاہدات اور تاثرات کا ذکر کیا گیا ہے تا ہر احمدی ان بزرگان کے اسلوب پرعمل پیرا ہوکر دین کی خدمات کرنے کی سعادت میں ایک قیامت خیز انقلاب پیدا کرنے والا بنے۔اے خداتوایسا ہی کر۔آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

والسلام خاکسار

افتخار احمد ایاز-لندن

مقدمۃ الکتاب

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کا وعدہ کہ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا (المومن:52)
ترجمہ: ہم اپنے رسولوں کی اور ان پر ایمان لانے والوں کی اس دنیا میں بھی ضرور مدد کریں گے۔ ایک یقینی اور حتمی وعدہ ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ بھلا اگر خدا کسی کے دل میں مدد کا خیال نہ ڈالے تو کوئی کیونکر مدد کر سکتا ہے۔ اصل بات یہی ہے کہ حقیقی معاون و ناصر وہی پاک ذات ہے جس کی شان نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ وَنِعْمَ الْوَکِیْل ہے۔ دنیا اور دنیا کی مددیں ان لوگوں کے سامنے کَالْمَیِّتِ ہوتی ہیں''۔ یعنی ایک مردے کی طرح ہوتی ہیں ''اور وہ مردہ کیڑے کے برابر بھی حقیقت نہیں رکھتی ہیں''۔

(ملفوظات جلد اول صفحہ 107-108 مطبوعہ 2003ء ربوہ)

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ناصر اور نصیر ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے اس صفت کے تحت اپنے انبیاء سے سلوک کے اور مشکل وقت میں دشمن کے خلاف اِن کی مدد کے جو نظارے دکھائے ہیں اُن میں ایک ذکر حضرت نوحؑ کا بھی ہے کہ حضرت نوحؑ کی پکار پر اللہ تعالیٰ نے کس طرح اِن کی دُعا کو قبول کیا اور ظالموں سے نجات دلائی۔ قرآن کریم میں آتا ہے:

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ۝ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

(الانبیاء:77-78)

ترجمہ: اور نوح کا بھی ذکر کر جب قبل ازیں اس نے پکارا تو ہم نے اسے اس کی پکار کا جواب دیا اور اسے اور اس کے اہل کو ایک بڑی بے چینی سے نجات بخشی اور ہم نے اس کی اُن لوگوں کے مقابل مدد کی جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلا دیا تھا۔ یقیناً وہ ایک بڑی بدی میں مبتلا لوگ تھے پس ہم نے ان سب کو غرق کر دیا۔

جس طرح حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے کشتی کے ذریعہ سے بچایا تھا اور اُن کی دُعا قبول کرتے ہوئے ان کے مخالفین کو غرق کیا تھا۔ اس زمانے میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کوبھی اللہ تعالیٰ نے طاعون کا نشان دے کر فرمایا کہ :

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا۔ (ھود:38)

اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ ؕ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ ۚ

(الفتح:11)

ترجمہ: ہماری آنکھوں کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا۔

ترجمہ: جولوگ تجھ سے بیعت کرتے ہیں یہ خدا کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ پر۔

یہ الہام ہوا جو قرآنی آیات ہیں۔ اس پر آپؑ نے کشتی نوح تحریر فرمائی اور اس میں اپنی تعلیم بیان فرمائی کہ جو اس پر ایمان لائیں گے اور اس تعلیم پر عمل کریں وہ محفوظ رہیں گے۔ اسی طرح آپؑ نے فرمایا جو آپ کا گھر ہے جو بظاہر اینٹوں اور گارے کا گھر ہے، جو اس دار میں پناہ لے گا وہ محفوظ رہے گا۔ تو یہ آپؑ سے اللہ تعالیٰ کا مدد کا وعدہ تھا اور جب وبا پھوٹی تو ایک دنیا نے دیکھا کہ احمدی محفوظ رہے اور بڑی شان سے یہ وعدہ اور یہ الہام پورا ہوا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب مخالفین نے آگ میں جلانے کی کوشش کی تو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی کس طرح مدد فرمائی اور مخالفین کی تمام تدبیریں کس طرح ناکام ونامراد ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ اس تعلق میں فرماتا ہے:

قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ○ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ○ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ○ (الانبیاء:69-71)

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ انہوں نے کہا اس کو جلا ڈالو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنے والے ہو۔ ہم نے کہا اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر اور انہوں نے اس سے ایک چال چلنے کا ارادہ کیا تو ہم نے ان کو کلیۃً نامراد کر دیا۔

پھر حضرت موسیٰؑ کے بارے میں آتا ہے کہ:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ○ وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ○ وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ○ (الصّٰفّٰت:115-117)

اور یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون پر بھی احسان کیا تھا اور اُن دونوں کو اور اُن کی قوم کو ہم نے بہت بڑے

کرب سے نجات بخشی تھی اور ہم نے ان کی مدد کی۔ پس وہی غالب آنے والے بنے۔

یہ جو واقعات اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائے ہیں یہ اس لئے ہیں کہ اس آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بھی یہ نظارے دکھائے جائیں گے بشرطیکہ وہ اس تعلیم پر عمل کرنے والے ہوں۔ **اگر فرعون پیدا ہوں گے تو فرعونوں کے سر کچلے جائیں گے۔ آج اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت یہ نظارے دیکھ رہی ہے۔** اگر مسیح موعودؑ کے مخالف مسلمانوں نے بھی یہ نظارے دیکھنے ہیں تو انہیں بھی اپنے آپ کو کامل اور مکمل مومن بنانا ہوگا، تب یہ نظارے نظر آئیں گے۔ پس فرعونوں پر غالب آنے کے لئے اپنی حالتوں پر غور کرنا ہوگا، دیکھنا ہوگا کہ کہاں کہاں کمیاں ہیں اور جو کمی ہمیں نظر آتی ہے وہ یہی ہے کہ زمانے کے مسیح کا انکار کر رہے ہیں۔ جب تک موسیٰ کے ساتھ نہیں جڑیں گے فرعونوں پر غلبہ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے نظاروں کی معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں نظر آتی ہے، آپؐ کی ذات میں ہمیں نظر آتی ہے جس کے بے شمار واقعات ہیں۔

ایک مثال تو ہجرت کے وقت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسا معجزہ دکھایا جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ قرآن کریم نے اس واقعہ کا یوں ذکر فرمایا ہے کہ:

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ (التوبۃ:40)

ترجمہ: اگر تم اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ بھی کرو تو اللہ پہلے بھی اس کی مدد کر چکا ہے جب اسے ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا وطن سے نکال دیا تھا اس حال میں کہ وہ دو میں سے ایک تھا۔ جب وہ دونوں غار میں تھے اور وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کر یقیناً اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پس اللہ نے اس پر اپنی سکینت نازل کی اور اس کی ایسے لشکروں سے مدد کی جن کو تم نے کبھی نہیں دیکھا اور اس نے ان لوگوں کی بات نیچی کر دکھائی جنہوں نے کفر کیا تھا۔ اور بات اللہ ہی کی غالب ہوتی ہے اور اللہ کامل غلبہ والا اور بہت حکمت والا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں کہ:

"دشمن غار پر موجود ہیں اور مختلف قسم کی رائے زنیاں ہو رہی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس غار کی

تلاشی کرو کیونکہ نشانِ پا یہاں تک ہی آ کر ختم ہوجاتا ہے لیکن ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ یہاں انسان کا گزر اور دخل کیسے ہوگا۔ مکڑی نے جالا تنا ہوا ہے، کبوتر نے انڈے دیئے ہوئے ہیں۔ اس قسم کی باتوں کی آوازیں اندر پہنچ رہی ہیں اور آپؐ بڑی صفائی سے ان کو سن رہے ہیں'' یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ بھی سن رہے تھے۔ ''ایسی حالت میں دشمن آئے ہیں کہ وہ خاتمہ کرنا چاہتے ہیں اور دیوانے کی طرح بڑھے آئے ہیں لیکن آپؐ کی کمال شجاعت کو دیکھو کہ دشمن سر پر ہے اور آپؐ اپنے رفیق صادق صدیقؓ کو فرماتے ہیں۔ یہ الفاظ بڑی صفائی کے ساتھ ظاہر کرتے ہیں کہ آپؐ نے زبان ہی سے فرمایا کیونکہ یہ آواز کو چاہتے ہیں اشارہ سے کام نہیں چلتا''۔ یعنی یہ فقرہ بولا تو یقیناً آپؐ نے اونچی آواز میں بولا ہوگا اور کہا ہوگا کیونکہ اشارے سے تو کام نہیں چلتا۔ فرمایا کہ ''باہر دشمن مشورہ کر رہے ہیں اور اندر غار میں خادم و مخدوم بھی باتوں میں لگے ہوئے ہیں۔ اس امر کی پروا نہیں کی گئی کہ دشمن آواز سن لیں گے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر کمال ایمان اور معرفت کا ثبوت ہے۔ خدا تعالیٰ کے وعدوں پر پورا بھروسہ ہے'' کہ اللہ تعالیٰ مدد فرمائے گا۔''

(بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام زیر سورۃ التوبہ آیت 40، جلد 2 صفحہ 628)

پھر اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر کے موقع پر کس طرح آپ کی دعاؤں کو سنا اور مدد فرمائی اور بہت تھوڑے سے مسلمانوں کے ذریعے سے جن کے پاس پوری طرح اسلحہ بھی نہیں تھا یا یوں کہنا چاہئے کہ ایک لحاظ سے تقریباً نہتے تھے، تربیت یافتہ اسلحے سے لیس جنگجو کفار کو شکست دلوائی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○

(آل عمران:124)

اور یقیناً اللہ بدر میں تمہاری نصرت کر چکا ہے جبکہ تم کمزور تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تا کہ تم شکر کرسکو۔ (ماخوذ از خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 02/جون 2006ء)

آپؐ کی زندگی میں آپؐ کے دعویٰ نبوت کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ دشمن ہر موقع پر آپؐ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا رہا اور جیسا کہ تمام انبیاء سے ہوتا چلا آیا ہے دشمن کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ ابتدا میں ہی نبی کو نقصان پہنچا کر یا اس کی جماعت کو نقصان پہنچا کر ختم کر دیا جائے یا ایسی صورت حال پیدا کرنے کی کوشش کی جائے جس سے نبی کا دعویٰ جھوٹا ہونے کا خیال لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوجائے اور سب سے

بڑھ کر یہ کوشش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپؐ کے زمانے میں ہوئی۔ آپؐ کے ماننے والوں پر سختیاں کی گئیں، آپؐ پر بے انتہا ظلم کئے گئے، آپؐ کا سوشل بائیکاٹ کیا گیا جس کی وجہ سے آپؐ کے خاندان کو، اور آپؐ کو اور آپؐ کے ماننے والوں کو شعب ابی طالب میں ان ظلموں سے بچنے کے لئے جانا پڑا اور وہاں تقریباً تین سال تک رہے۔ وہاں خوراک کا کوئی ایسا ذخیرہ تو تھا نہیں۔ کچھ عرصہ بعد بھوک اور پیاس کی سختیاں سب کو، بچوں کو اور بوڑھوں کو اور عورتوں کو برداشت کرنی پڑیں۔ بھوک اور پیاس سے بچے، بڑے سب بیقرار تھے۔ حالت یہ تھی کہ ایک صحابی نے رات کے وقت چلتے ہوئے اپنے پاؤں کے نیچے آنے والی کسی نرم چیز کو اٹھا کر کھالیا کہ اپنی بھوک مٹا سکیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مجھے آج تک نہیں پتہ لگا کہ مَیں نے کیا کھایا تھا۔ بہرحال تین سال بعد اللہ تعالیٰ نے ایسا انتظام فرما دیا کہ بائیکاٹ کا معاہدہ جو قریش کے بعض قبائل نے کیا تھا اور جس کی وجہ سے آپؐ کو اپنے خاندان سمیت شعب ابی طالب کی گھاٹی میں جانا پڑا اور وہاں جا کے رہنا پڑا۔ یہ معاہدہ کعبہ کی دیوار پر لٹکایا گیا تھا تا کہ ہر ایک قبیلے کو پتہ لگ جائے اور کوئی خلاف ورزی نہ کرے۔

اس معاہدے کے بارے میں ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابو طالب سے فرمایا کہ مجھے میرے خدا نے بتایا ہے کہ جو معاہدہ کعبہ کی دیوار پر لٹکایا گیا ہے وہ تمام کا تمام کیڑے نے کھالیا ہے اور صرف خدا کا نام اس پر باقی رہ گیا ہے۔ چنانچہ ابو طالب نے خانہ کعبہ جا کر قریش کے بڑے بڑے سردار جو وہاں بیٹھے ہوئے تھے ان سے کہا کہ اس طرح میرے بھتیجے نے مجھے بتایا ہے۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے دیکھ لیتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ اس معاہدے کو دیکھنے گئے تو اس کی حالت بالکل وہی تھی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی تھی۔ چنانچہ اس پر جو نرم دل سرداران قریش تھے انہوں نے کہا اب بہت ہو چکی اس لئے قطع تعلقی اب بند ہونی چاہئے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت ہی تھی جس کی وجہ سے معاہدہ اس طرح ختم ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ پانچ موقعے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہایت نازک پیش آئے تھے جن میں جان کا بچنا محالات سے معلوم ہوتا تھا۔ اگر آنجناب درحقیقت خدا کے سچے رسول نہ ہوتے تو ضرور ہلاک کئے جاتے۔ ایک تو وہ موقعہ تھا جب کفار قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کیا اور قسمیں کھالی تھیں کہ آج ہم ضرور قتل کریں گے۔ دوسرا وہ موقعہ تھا جب کہ

کافر لوگ اس غار پر مع ایک گروہ کثیر کے پہنچ گئے تھے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابوبکرؓ کے چھپے ہوئے تھے۔ تیسرا وہ نازک موقعہ تھا جبکہ اُحد کی لڑائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے تھے اور کافروں نے آپ کے گرد محاصرہ کرلیا تھا اور آپؐ پر بہت سی تلواریں چلائیں مگر کوئی کارگر نہ ہوئی۔ یہ ایک معجزہ تھا۔ چوتھا وہ موقعہ تھا جب کہ ایک یہودیہ نے آنجناب کو گوشت میں زہر دے دیا تھا اور وہ زہر بہت تیز اور مہلک تھا اور بہت وزن اس کا دیا گیا تھا۔ پانچواں وہ نہایت خطرناک موقعہ تھا جبکہ خسرو پرویز شاہ فارس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لئے مصمم ارادہ کیا تھا اور گرفتار کرنے کے لئے اپنے سپاہی روانہ کئے تھے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان تمام پُرخطر موقعوں سے نجات پانا اور ان تمام دشمنوں پر آخرکار غالب ہو جانا ایک بڑی زبردست دلیل اس بات پر ہے کہ درحقیقت آپ صادق تھے اور خدا آپؐ کے ساتھ تھا''۔

(چشمۂ معرفت۔ روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 263-264 حاشیہ)

شعب ابی طالب کی قید سے باہر آنے کے کچھ عرصے بعد ہی حضرت ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ انتقال کر گئے۔ ان دو شخصیتوں کا قریش مکّہ کو کچھ تھوڑا بہت لحاظ تھا۔ ابو طالب کے بزرگ ہونے کی وجہ سے اور حضرت خدیجہؓ ایک مالدار عورت تھیں، کافی اثر و رسوخ تھا۔ ان کی وفات کے بعد تو سب قریش اس بات پر قائم ہو گئے تھے کہ اب تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر صورت میں ختم کرنا ہے کیونکہ اب ہم مزید برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ تمام سرداروں نے مل کر فیصلہ کیا کہ ہم تمام سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ قتل میں شامل ہوں گے تاکہ بنی ہاشم کے لئے کسی بدلے کی صورت نہ بن سکے اور وہ بدلہ نہ لے سکیں۔ تمام سرداروں کے مقابلے پر آنا اُن کے لئے مشکل ہوگا۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سازش کا پتہ لگ گیا۔ چنانچہ آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے اذن سے ہجرت کا فیصلہ کیا۔ اس قتل کی سازش کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود نے فرمایا ہے کہ یہ بڑا سخت موقع تھا جب قریش نے آپؐ کے گھر کا محاصرہ کرلیا تھا۔ تمام سردار قریش تلواریں تانے کھڑے تھے لیکن بے وقوفوں کو یہ پتہ نہیں تھا کہ انہوں نے جس منصوبہ بندی کے تحت ایک دوسرے کی مدد کرتے ہوئے (تاکہ کسی پر الزام نہ آئے) جس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ تو سب سے زیادہ اس نبی کی حفاظت اور نصرت فرماتا ہے۔ بیسیوں واقعات ان کفار کی نظر میں پہلے بھی گزر چکے تھے۔ وہ اس بات کے خود بھی گواہ تھے لیکن پھر بھی ان کو عقل نہ تھی۔

ابوجہل جواس سارے پروگرام کا سرغنہ تھا وہ بھول گیا تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ایک تاجر کا حق دلوانے کے لئے ابوجہل کے دروازے پر گئے تھے تو کیا نظارہ اس نے دیکھا تھا کہ آپؐ کی مدد کے لئے دوخونخوار اونٹ آپ کے دائیں بائیں کھڑے تھے تا کہ وہ آپؐ کو کوئی نقصان نہ پہنچا سکے۔تو اس کی وجہ سے اس نے آپؐ کے کہنے کی فوراً تعمیل بھی کی اور اس تاجر کا قرضہ بھی دے دیا۔ بہرحال جب منصوبہ بندی کر کے یہ سب لوگ آپؐ کے دروازے کے باہر گھیرا ڈال کر کھڑے تھے اور گھیراؤ کیا ہوا تھا تو آپؐ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو لوگوں کی امانتیں دے کر ان کو یہ ہدایت دے رہے تھے کہ ان کو واپس لوٹا کر صبح آ جانا اور تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ تا کہ کفار اگر دیوار پر سے جھانکیں اور دیکھیں تو یہی سمجھیں کہ مَیں لیٹا ہوا ہوں اور آپؐ ہجرت کے لئے تیاری کرنے لگے۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو یہ بھی فرمایا کہ دشمن تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکے گا۔ یہ یقین تھا آپؐ کو نہ صرف اپنی ذات کے بارے میں بلکہ اپنے ماننے والوں کے بارے میں بھی کہ یہ سچے ایمان والے ہیں۔ پھر آپؐ بڑے آرام سے ان دشمنوں کے درمیان سے ہی نکل گئے۔ نہ کوئی خوف اور نہ فکر کہ باہر دشمن کھڑا ہے اگر پکڑا گیا تو کیا ہوگا۔ آپؐ کو حضرت ابوبکرؓ بھی راستے میں مل گئے (جن سے پروگرام پہلے ہی طے تھا) اور آپؐ ان کو ساتھ لے کر غار ثور کی طرف چل پڑے۔ وہاں پہنچ کر حضرت ابوبکرؓ نے غار کو اچھی طرح صاف کیا تمام سوراخوں کو اچھی طرح بند کیا جو غار میں تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اب آپ اندر تشریف لے آئیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور بے فکر ہو کر حضرت ابوبکرؓ کی ران پر سر رکھ کر سو گئے۔کوئی اور ہو تو فکر سے ایسے حالات میں نیند اڑ جاتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ شامل حال رہنے کا اس قدر یقین تھا کہ کسی قسم کی فکر کا کوئی شائبہ تک نہ پیدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے بھی کس طرح نصرت فرمائی۔فوراً مکڑی کو حکم دیا کہ غار پر جہاں درخت لگا ہوا تھا اس کے اوپر جالا بُن دو اور کبوتر کو حکم ہوا کہ گھونسلہ بھی بنا دو اور انڈے دے دو۔تو اللہ تعالیٰ نے یہ حفاظت اور نصرت کے جو فوری سامان فرمائے تھے یہ غیر معمولی نشان تھا۔

قریش جب تعاقب کرتے ہوئے غار کے قریب پہنچے تو وہاں پہنچ کر دیکھ رہے تھے کہ پاؤں کے نشان تو یہاں تک آ رہے ہیں اور اکثر نے کہا کہ یہاں آ کر یا تو ان لوگوں کو زمین نگل گئی ہے یا آسمان پر چڑھ گئے ہیں۔ یہ لوگ اتنا قریب تھے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے شدید گھبرا گئے تھے۔لیکن آپؐ نے فرمایا: لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (التوبۃ:40) کوئی فکر نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔تو یہ دوسرا موقع تھا

جب دشمن قریباً آپ کے سر پر پہنچ گیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کی مدد پر اتنا یقین تھا کہ کوئی پرواہ نہیں کی۔

پھر تیسرا واقعہ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان کیا ہے وہ اُحد کی لڑائی کا ہے۔ یہ ایسا موقع ہے کہ اللہ اپنے خاص بندوں کے ساتھ یہ سلوک کرتا ہے ورنہ اُس وقت جو حالات تھے وہ ایسے تھے کہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کوئی دنیا دار اس سے بچ کر نکل سکے۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی غلطی کی وجہ سے جب جنگ کا پانسہ پلٹا اور کفار نے دوبارہ حملہ کیا تو ایک افراتفری کا عالم تھا۔ اُس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد صرف چند جاں نثار صحابہ رہ گئے تھے۔ لیکن کفار کے بار بار کے حملے جو ایک ریلے کی صورت میں ہوتے تھے وہ بھی اتنے سخت ہوتے تھے کہ یہ چند لوگ بھی سامنے کھڑے نہیں رہ سکتے تھے، ایک طرف، ہٹ جاتے تھے اس وجہ سے تتر بتر ہو جاتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ جاتے تھے۔ اس موقع پر تیروں کی بارش بھی آپؐ پر ہوئی جو صحابہ میں سے زیادہ تر حضرت طلحہؓ نے اپنے ہاتھ پر لی۔ اور تلواروں سے بھی حملے ہوئے اور اسی موقعے پر جب صحابہ اِدھر اُدھر ہوئے تو اس وقت جو بھی تلوار یا تیر آتا تھا اللہ تعالیٰ اس سے بچا لیتا تھا تاہم دو پتھر دشمن کے پھینکے ہوئے آپؐ کو لگے اور آپؐ زخمی ہو گئے۔ لیکن دشمن کی جو کوشش تھی کہ آج مسلمانوں کو مکمل طور پر شکست کا سامنا کرنا پڑے، آپؐ کو قتل کرنے کی بھی نعوذ باللہ کوشش تھی جو ناکام ہوئی۔

پھر قرآن کریم میں ذکر آتا ہے: حنین کی جنگ میں جب مسلمانوں کو اپنی تعداد دیکھ کر یہ خیال ہوا کہ اب ہم بہت بڑی تعداد میں ہو گئے ہیں، بارہ ہزار کا لشکر ہے کون ہم پر غالب آ سکتا ہے۔ کیونکہ اس لشکر میں نئے آنے والے مسلمان بھی شامل تھے لیکن ان نئے آنے والوں میں ایمان کی کمزوری بھی تھی۔ شروع میں ایک حملے کے بعد ایسی حالت پیدا ہوئی کہ شکست کی صورت پیدا ہونی شروع ہو گئی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر اپنے وعدے کے مطابق کہ میرا لشکر ہی غالب آتا ہے اپنی نصرت فرماتے ہوئے ان بدلے ہوئے مخالف حالات کو مسلمانوں کے حق میں بدل دیا۔ یہاں اللہ تعالیٰ یہ بتانا چاہتا تھا کہ تمہاری اکثریت یا تمہاری عقل یا تمہاری طاقت غالب نہیں آئے گی بلکہ ہر غلبہ میری نصرت کا مرہون منت ہے اس لئے ہمیشہ مجھ سے ہی مدد مانگو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا جہاں تک سوال ہے اللہ سے مدد مانگتے ہوئے آپؐ کی دعا کا تو

ہمیشہ یہ حال رہتا تھا جس کی حالت ہمیں جنگ بدر کے واقعہ میں نظر آتی ہے کہ کس طرح تڑپ تڑپ کر آپ اللہ سے نصرت مانگ رہے تھے۔ آخر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو یہ کہنا پڑا کہ آپؐ کو اتنی فکر کیوں ہے۔ اللہ کا آپ سے وعدہ ہے کہ وہ ہمیشہ آپ کی تائید ونصرت فرمائے گا۔ تو بہر حال جنگ حنین میں یہ مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری تھی جس کا نتیجہ شروع میں مسلمانوں نے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ثُمَّ اَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَتَهٗ عَلٰى رَسُوۡلِهٖ وَعَلَى الۡمُؤۡمِنِيۡنَ وَاَنۡزَلَ جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا وَعَذَّبَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ‌ؕ وَذٰ لِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِيۡنَ۞ (التوبہ:26)

پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر اپنی سکینت نازل کی اور ایسے لشکر اُتارے جنہیں تم دیکھ نہیں سکتے تھے اور اس نے ان لوگوں کو عذاب دیا جنہوں نے کفر کیا تھا اور کافروں کی ایسی ہی جزا ہوا کرتی ہے۔

اور چوتھا واقعہ جس کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک یہودیہ نے ہلاک کرنے کی خوفناک سازش کی تھی۔ وہ زہر دینا تھا جس کی کافی مقدار آپؐ کو دی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور اس منصوبے کو ظاہر کر دیا۔

روایت میں ذکر آتا ہے کہ ایک یہودی سردار کی بہن نے آپؐ کو ایک بھنی ہوئی ران پیش کی اور اس پر اچھی طرح زہر لگا دیا۔ آپؐ صحابہؓ کے ساتھ بیٹھ کر اس کو کھانے لگے۔ لیکن آپؐ نے جب منہ میں لقمہ ڈالا تو فوراً پتہ لگ گیا۔ آپؐ نے فوراً کہا کہ اس کو چھوڑ دو۔ اس یہودیہ کو بلایا گیا۔ تو اس نے تسلیم کیا اور پھر وہ کہنے لگی کہ آپؐ کو کس نے بتایا ہے؟ آپؐ نے گوشت کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اس نے۔ پھر آپؐ نے اس سے پوچھا تمہارا اس سے مقصد کیا تھا۔ تم کیا چاہتی تھی؟ ہمیں کیوں ہلاک کرنا چاہتی تھی؟ تو کہتی ہے کہ میرا خیال تھا کہ اگر آپؐ اللہ کے نبی ہیں، رسول ہیں تو اس زہر سے آپؐ کو کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس زہر سے محفوظ رکھے گا اور اگر نہیں تو ہماری جان چھوٹ جائے گی۔

(ابوداؤد کتاب الدیات باب فی من سقی رجلا)

تو بہر حال اس زہر کا اثر جو تھا وہ بشری تقاضے کے تحت ایک انسان پر جو ہونا چاہئے وہ آپؐ پر تھوڑا سا ہوا۔ آپؐ کے گلے پر اثر رہا لیکن اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی مدد فرماتے ہوئے ایک تو پہلے آپؐ کو آگاہ کر دیا کہ یہ زہر ہے۔ پھر باقی جو اس کے خطرناک نتائج ہو سکتے تھے اس سے بھی محفوظ رکھا۔

پھر پانچواں واقعہ جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ذکر کیا ہے۔ یہ بھی بڑا عظیم واقعہ ہے

کہ بادشاہِ وقت کے مقابل پر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی کس طرح مدد فرمائی۔ اس کا ذکر یوں ملتا ہے کہ یہودیوں نے ایک دفعہ کسریٰ کے پاس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت کی۔ سازشیں تو کرتے رہتے تھے کہ کسی طرح آپؐ کو نقصان پہنچائیں۔ اور کچھ نہیں تو یہ طریقہ آزمایا گیا کہ عرب میں ایک نبی پیدا ہوا ہے اور وہ طاقت پکڑ رہا ہے اور کسی وقت تمہارے خلاف بھی جنگ کرے گا۔ وہ بھی بہرحال کچھ ٹیڑھا سا انسان تھا۔ اس نے یمن کے گورنر کو حکم بھیجا کہ اس طرح مَیں نے سنا ہے کہ عرب میں ایک شخص ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے، تم اسے فوراً پکڑ کر گرفتار کرو اور گرفتار کر کے میرے پاس بھجوا دو۔ چنانچہ گورنر نے دو آدمی بھیجے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ تم کوئی سختی نہ کرنا۔ بادشاہ کو دھوکہ لگا ہے ورنہ عربوں میں کیا طاقت ہے کہ وہ کسریٰ کے مقابل پر کھڑے ہوں۔ اس کو کیا پتہ تھا کہ ایک وقت ان میں وہ طاقت آنے والی ہے۔ لہٰذا جب یہ لوگ مدینہ پہنچے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپؐ نے فرمایا کہ کس طرح آئے ہو؟ انہوں نے بادشاہ کا پیغام دیا کہ آپ کے خلاف یہ شکایتیں بادشاہ کو پہنچی ہیں جس کی وجہ سے اس نے کہا ہے کہ آپؐ کو گرفتار کر کے اس کے سامنے پیش کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھیک ہے دو تین دن انتظار کرو پھر جواب دوں گا۔ انہوں نے کہا ٹھیک ہے، انتظار کر لیتے ہیں لیکن یہ ہم بتا دیں کہ آپ کسی غلط فہمی میں نہ رہیں۔ ایسا نہ ہو کہ آپؐ جواب نہ دیں اور پھر بادشاہ غصے میں آ کر حملہ آور ہو جائے۔ اگر ایسا ہو گیا تو عرب کی خیر نہیں وہ پھر اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا۔ بہت طاقتور بادشاہ ہے۔ تیسرے دن آپؐ نے فرمایا کہ آج رات میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار ڈالا ہے۔ جاؤ اور اپنے گورنر کو بھی اطلاع کر دو۔

خیر وہ یمن آئے اور انہوں نے گورنر سے کہا کہ انہوں نے تو ہمیں یہ جواب دیا ہے۔ گورنر بہرحال سمجھ دار تھا۔ اس نے کہا کہ اگر اس نے ایران کے بادشاہ کو یہ جواب دیا ہے تو کوئی بات ہو گی اس لئے تم بھی انتظار کرو۔ چنانچہ وہ انتظار کرتے رہے اور دس بارہ دن گزرنے کے بعد نئے بادشاہ کا خط ملا کہ پہلے بادشاہ کی سختیوں کو دیکھ کر ہم نے سمجھا کہ ملک تباہ ہو رہا ہے اس لئے فلاں رات کو ہم نے اس کو قتل کر دیا تھا۔ یہ وہی رات تھی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا تھا کہ آج میرے خدا نے تمہارے خدا کو مار دیا ہے۔ اور اس نے یہ بھی لکھا کہ سب سے میری اطاعت کا عہد لو اور یہ بھی پیغام دیا کہ پہلے بادشاہ نے عرب کے ایک آدمی کو پکڑنے کے لئے جو حکم بھیجا تھا اس کو منسوخ کر دو۔

یہ چیز ایسی تھی جس کو دیکھ کر فوراً اس گورنر کے دل میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک تعلق پیدا ہوا اور اسلام کا دل میں ایک رعب پیدا ہوا اور کہا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہو گیا۔

تو اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ کس طرح مدد فرماتا رہا ہے۔

(ماخوذ از خطبہ جمعہ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز 23/جون 2006ء)

اللہ تعالیٰ کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہر قدم پر تائید و نصرت کا سلوک نظر آتا ہے اور یہ سب اس سچے عشق کی وجہ سے ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تھا۔ آپؑ فرماتے ہیں: ''ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اسی نبی کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں اسی بزرگ نبی کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں''۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 119)

پھر آپؑ فرماتے ہیں:

''جو شخص اس زمانے میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے وہ بلاشبہ قبر میں سے اُٹھایا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی اس کو بخشی جاتی ہے نہ صرف خیالی طور پر بلکہ آثار صحیحہ صادقہ اس کے ظاہر ہوتے ہیں اور آسمانی مددیں اور سماوی برکتیں اور روح القدس کی خارق عادت تائیدیں اس کے شامل حال ہو جاتی ہیں اور وہ تمام دنیا کے انسانوں میں سے ایک منفرد انسان ہو جاتا ہے''۔

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد نمبر 5 صفحہ 221)

پس اس زمانے میں یہ منفرد انسان جس کے ساتھ اس تعلق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی تائیدات اور نصرتیں شامل حال رہیں اور ہر ہر قدم پر اللہ تعالیٰ نے جو غیر معمولی اور خارق عادت نشانات دکھائے وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں اور جیسا کہ آپؑ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنی نصرت کے جو بھی نظارے دکھائے اور جو آج تک دکھاتا چلا جا رہا ہے یہ سب کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی وجہ سے ہے۔ اللہ تعالیٰ

نے اپنے اس مسیح ومہدی سے اپنی نصرت کا وعدہ کرتے ہوئے الہاماً فرمایا کہ: ’’پاک محمد مصطفیٰؐ نبیوں کا سردار۔ خدا تیرے سب کام درست کر دے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ ربّ الافواج اس طرف توجہ کرے گا۔ اس نشان کا مدّعا یہ ہے کہ قرآن شریف خدا کی کتاب اور میرے منہ کی باتیں ہیں۔ جناب الٰہی کے احسانات کا دروازہ کھلا ہے اور اس کی پاک رحمتیں اس طرف متوجہ ہیں۔ وہ دن آتے ہیں کہ خدا تمہاری مدد کرے گا۔ وہ خدا جو ذوالجلال اور زمین اور آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، تمہاری مدد کرے گا۔‘‘

پھر یہ انگریزی کا الہام ہے کہ:

"The days shall come when God shall help you".

’’یعنی وہ دن آتے ہیں کہ خدا تمہاری مدد کرے گا‘‘۔

اور پھر آگے ہے کہ:

The Glory be to this Lord God maker of earth and heaven.’’

حمد وثنا اس مالک خدا کے لئے جس نے زمین وآسمان بنایا‘‘۔

(براہین احمدیہ حصہ چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 623 بقیہ حاشیہ درحاشیہ نمبر 3)

سب سے پہلے تو ایک ایسا نشان ہے جس کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ’’اور منجملہ نشانوں کے ایک نشان خسوف وکسوف رمضان میں ہے۔ کیونکہ دارقطنی میں صاف لکھا ہے کہ مہدی موعود کی تصدیق کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ایک نشان ہوگا کہ رمضان میں چانداور سورج کو گرہن لگے گا۔ چنانچہ وہ گرہن لگ گیا اور کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ مجھ سے پہلے کوئی اور بھی ایسا مدعی گزرا ہے کہ جس کے دعویٰ کے وقت میں رمضان میں چاند اور سورج کا گرہن ہوا ہو۔ سو یہ ایک بڑا بھاری نشان ہے جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ظاہر کیا۔‘‘

گرہن تو لگتے رہے لیکن کبھی بھی ایسا موقع نہیں آیا کہ اُس وقت کوئی دعویٰ موجود ہو۔

اب چانداور سورج گرہن پر اس وقت کے علماء تو یہ بحث کرتے رہے، اس روایت کے بارے میں بھی کہ اس کے بعض راوی کمزور ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: ’’یہ حدیث ایک پیشگوئی پر مشتمل تھی جو اپنے

وقت پر پوری ہوگئی۔ پس جبکہ حدیث نے اپنی سچائی کو آپ ظاہر کردیا تو اس کی صحت میں کیا کلام ہے"۔

(انجام آتھم۔روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 293-294)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے خطبہ جمعہ 23 جون 2006ء میں فرماتے ہیں:

"بہت پرانی بات ہے۔ غالباً 1966ء کی۔ میں سرگودھا کے علاقے میں وقف عارضی پر گیا تو ایک دور دراز گاؤں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں ایک بہت بوڑھی عورت ملیں۔ جب ہم نے اپنا تعارف کرایا کہ ربوہ سے آئے ہیں، احمدی ہیں تو انہوں نے بتایا کہ مَیں بھی احمدی ہوں اور ہم لوگ چاند سورج گرہن کو دیکھ کر اس زمانے میں احمدی ہوئے تھے۔ یہ کہتی ہیں مَیں چھوٹی تھی اور میرے والدین اس وقت ہوتے تھے تو اس علاقے میں بالکل جنگل میں، دیہات میں، دیہاتی ان پڑھ لوگ بھی چاند سورج گرہن کا نشان دیکھ کر احمدی ہوگئے۔ تو اللہ نے بہت سوں کو اس زمانے میں بھی اس نشان سے ہدایت دی تھی۔"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ: "**میری تائید میں خدا تعالیٰ کے نشانوں کا ایک دریا بہہ رہا ہے**"۔ (حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 199)

آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"مَیں نے زلزلے کی نسبت پیشگوئی کی تھی جو اخبار الحکم اور البدر میں چھپ گئی تھی کہ ایک سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ جو بعض حصہ پنجاب میں ایک سخت تباہی کا موجب ہوگا۔ اور پیشگوئی کی تمام عبارت یہ ہے زلزلہ کا دھکا۔ **عَفَتِ الدِّيَارُ مَحِلُّهَا وَمَقَامُهَا**۔ چنانچہ وہ پیشگوئی 4/اپریل 1905ء کو پوری ہوئی"۔

پھر فرمایا کہ: "مَیں نے پھر ایک پیشگوئی کی تھی کہ اس زلزلے کے بعد بہار کے دنوں میں پھر ایک زلزلہ آئے گا۔ اس الہامی پیشگوئی کی ایک عبارت یہ تھی۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"۔ چنانچہ 28 فروری 1906ء کو وہ زلزلہ آیا اور کوہستانی جگہوں میں بہت سا نقصان جانوں اور مالوں کے تلف ہونے سے ہوا"۔

پھر فرماتے ہیں کہ: "پھر مَیں نے ایک اور پیشگوئی کی تھی کہ کچھ مدت تک زلزلے متواتر آتے رہیں گے۔ ان میں سے چار زلزلے بڑے ہوں گے اور پانچواں زلزلہ قیامت کا نمونہ ہوگا۔ چنانچہ زلزلے اب تک آتے ہیں اور ایسے دو مہینے کم گزرتے ہیں جن میں کوئی زلزلہ نہیں آجاتا۔ اور یقیناً یاد رکھنا چاہئے کہ بعد اس کے سخت زلزلے آنے والے ہیں۔ خاص کر پانچواں زلزلہ جو قیامت کا نمونہ ہوگا۔ اور خدا نے مجھے

مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ یہ سب تیری سچائی کے لئے نشان ہیں''۔

(حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 231)

ہر ملک میں دیکھ لیں آج کل زلزلے آ رہے ہیں، آفتیں آ رہی ہیں، (ایڈز) بیماری کی وجہ سے موتیں ہو رہی ہیں۔اب لاکھوں تک پہنچ چکی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے آپؑ کی تائید ونصرت میں علمی نشان بھی ہیں۔ایک مضمون لکھوایا جس میں قرآن کریم کے معجزات آپ نے بیان فرمائے اور پہلے سے اعلان فرما دیا کہ کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اور پھر دنیا نے دیکھا کہ کس شان سے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرماتے ہوئے آپ کی مدد فرمائی اور الہام کے مطابق تسلیم کیا گیا کہ یہ مضمون بالا رہا۔ اپنوں اور غیروں نے اس کی تائید ونصرت الٰہی کی گواہی دی۔جس کا بہت پہلے آپ نے اعلان فرما دیا تھا۔ایک اخبار اس زمانے میں تھا جرنل وگوہر آصفی کلکتہ سے۔اس نے لکھا کہ غرض اس جلسہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ:

''صرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان تھے جنہوں نے اس میدانِ مقابلہ میں اسلامی پہلوانی کا پورا حق ادا فرمایا ہے''۔

پھر کہتا ہے کہ ''اگر اس جلسے میں حضرت مرزا صاحب کا مضمون نہ ہوتا تو اسلامیوں پر غیر مذاہب والوں کے روبرو ذِلّت وندامت کا قشقہ لگتا۔مگر خدا کے زبردست ہاتھ نے مقدس اسلام کو گرنے سے بچا لیا۔ بلکہ اُس کو اِس مضمون کی بدولت ایسی فتح نصیب فرمائی کہ موافقین تو موافقین، مخالفین بھی فطرتی جوش سے کہہ اٹھے کہ یہ مضمون سب پر بالا ہے، بالا ہے''۔صرف اس قدر نہیں ''بلکہ اختتام مضمون پر حق الامر معاندین کی زبان پر یوں جاری ہو چکا کہ اب اسلام کی حقیقت کھلی اور اسلام کو فتح نصیب ہوئی''۔

(روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 17۔زیر تعارف کتاب 'اسلامی اصول کی فلاسفی' مطبوعہ لندن)

پھر ایک علمی معجزہ جس میں اللہ تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت شامل حال تھی خطبہ الہامیہ تھا۔اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''11/اپریل 1900ء کو عید اضحیٰ کے دن صبح کے وقت مجھے الہام ہوا کہ آج تم عربی میں تقریر کرو۔ تمہیں قوت دی گئی اور نیز یہ الہام ہوا۔ كَلَامٌ أُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ كَرِيْمٍ۔یعنی اس کلام میں خدا کی طرف سے فصاحت بخشی گئی ہے.........۔تب مَیں عید کی نماز کے بعد عید کا خطبہ عربی زبان میں

پڑھنے کے لئے کھڑا ہو گیا اور خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ غیب سے مجھے ایک قوت دی گئی اور وہ فصیح تقریر عربی میں فی البدیہہ میرے منہ سے نکل رہی تھی کہ میری طاقت سے بالکل باہر تھی۔ اور مَیں نہیں خیال کر سکتا کہ ایسی تقریر جس کی ضخامت کئی جزو تک تھی ایسی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ بغیر اس کے کہ اوّل کسی کاغذ میں قلمبند کی جائے کوئی شخص دنیا میں بغیر خاص الہام الٰہی کے بیان کر سکے۔ جس وقت یہ عربی تقریر جس کا نام خطبہ الہامیہ رکھا گیا لوگوں میں سنائی گئی اس وقت حاضرین کی تعداد شاید دوسو کے قریب ہوگی۔ سُبحان اللہ اس وقت ایک غیبی چشمہ کھل رہا تھا۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں بول رہا تھا یا میری زبان سے کوئی فرشتہ کلام کر رہا تھا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کلام میں میرا دخل نہ تھا۔ خود بخود بنے بنائے فقرے میرے منہ سے نکلتے جاتے تھے اور ہر ایک فقرہ میرے لئے ایک نشان تھا...... یہ ایک علمی معجزہ ہے جو خدا نے دکھلایا اور کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا''۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 375-376)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں: ''اس بندہ حضرت عزّت سے اسی کے فضل اور تائید سے اس قدر نشان ظاہر ہوئے ہیں کہ اس تیرہ سو برس کے عرصہ میں افراد امت میں سے کسی اور میں ان کی نظیر تلاش کرنا ایک طلب محال ہے۔...........تمام وہ لوگ جو اس امت میں قطب اور غوث اور ابدال کے نام سے مشہور ہوئے ہیں۔ ان کی تمام زندگی میں ان کی نظیر ڈھونڈو پھر اگر نظیر مل سکے تو جو چاہو کہو۔ ورنہ خدائے غیور اور قدیر سے ڈر کر بے باکی اور گستاخی سے باز آ جاؤ''۔

(تریاق القلوب۔ روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 336)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''میرے لئے بھی پانچ موقعے ایسے پیش آئے تھے جن میں عزت اور جان نہایت خطرہ میں پڑ گئی تھی۔

(1) اوّل وہ موقع جبکہ میرے پر ڈاکٹر مارٹن کلارک نے خون کا مقدمہ کیا تھا۔

(2) دوسرے وہ موقعہ جبکہ پولیس نے ایک فوجداری مقدمہ مسٹر ڈوئی صاحب ڈپٹی کمشنر گورداسپور کی کچہری میں میرے پر چلایا تھا۔

(3) تیسرے وہ فوجداری مقدمہ جو ایک شخص کرم الدین نام نے بمقام جہلم میرے پر کیا تھا۔

(4) وہ فوجداری مقدمہ جو اسی کرم دین نے گورداسپور میں میرے پر کیا تھا۔

(5) پانچویں جب لیکھرام کے مارے جانے کے وقت میرے گھر کی تلاشی لی گئی اور دشمنوں نے

ناخنوں تک زور لگایا تھا تا مَیں قاتل قرار دیا جاؤں۔مگر وہ تمام مقدمات میں نامراد رہے''۔

(چشمۂ معرفت۔روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 263 حاشیہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے مقدمے کے بارے میں اپنی کتاب تریاق القلوب میں فرماتے ہیں کہ:

''29 جولائی 1897ء کو مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک صاعقہ مغرب کی طرف سے میرے مکان کی طرف چلی آتی ہے اَور نہ اس کے ساتھ کوئی آواز ہے اور نہ اس نے کچھ نقصان کیا ہے بلکہ وہ ایک ستارہ روشن کی طرح آہستہ حرکت سے میرے مکان کی طرف متوجہ ہوئی ہے اور مَیں اس کو دور سے دیکھ رہا ہوں۔اور جبکہ وہ قریب پہنچی تو میرے دل میں تو یہی ہے کہ یہ صاعقہ ہے مگر میری آنکھوں نے صرف ایک چھوٹا سا ستارہ دیکھا جس کو میرا دل صاعقہ سمجھتا ہے۔پھر بعد اس کے میرا دل اس کشف سے الہام کی طرف منتقل کیا گیا اور مجھے الہام ہوا کہ مَاھٰذَا اِلَّا تَھْدِیْدُ الْحُکَّامِ یعنی یہ جو دیکھا اس کا بجز اس کے کچھ اثر نہیں کہ حُکام کی طرف سے کچھ ڈرانے کی کارروائی ہوگی اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوگا۔......پھر یہ الہام ہوا کہ:

صادق آں باشد کہ ایام بلا　　　　مے گزارد با محبت باوفا

یعنی خدا کی نظر میں صادق وہ شخص ہوتا ہے کہ جو بلا کے دنوں کو محبت اور وفا کے ساتھ گزارتا ہے۔

پھر اس کے بعد میرے دل میں ایک اور موزوں کلمہ ڈالا گیا لیکن نہ اس طرح پر کہ جو الہام جلی کی صورت ہوتی ہے بلکہ الہام خفی کے طور پر دل اس مضمون سے بھر گیا''یعنی دل میں خیال تھا کہ الہام ہے اور وہ یہ تھا:

گر قضا را عاشقے گردد اسیر　　　　بوسد آں زنجیر را کز آشنا

یعنی اگر اتفاقاً کوئی عاشق قید میں پڑ جائے تو اس زنجیر کو چومتا ہے جس کا سبب آشنا ہوا۔''

پھر آپؑ اس مقدمے کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:''یہ مقدمہ اس طرح پیدا ہوا کہ ایک شخص عبدالحمید نام کو بعض عیسائیوں نے،جو ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک سے تعلق رکھنے والے تھے،سکھلایا کہ وہ عدالت میں یہ اظہار دے کہ اس کو مرزا غلام احمد نے یعنی اس راقم نے (حضرت مسیح موعودؑ اپنے بارے میں فرماتے ہیں) قادیان سے اس غرض سے بھیجا ہے کہ تا ڈاکٹر کلارک کو قتل کردے۔اور نہ صرف سکھلایا بلکہ دھمکی بھی دی کہ اگر وہ ایسا اظہار نہیں دے گا تو وہ قید کیا جائے گا۔اور ایک یہ بھی دھمکی دی کہ اس کا فوٹو لے کر اس

کو کہا گیا (اس کی تصویر کھینچی گئی اور کہا گیا) کہ اگر وہ بھاگ بھی جائے گا تو اس فوٹو کے ذریعہ سے پھر پکڑا جائے گا۔ چنانچہ اس نے مجسٹریٹ ضلع امرتسر کے سامنے یہ اظہار دے دیا اور وہاں سے میری گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری ہوا‘‘۔

پھر فرمایا:

’’اور وہ حکم جو 7/اگست 1897ء کو مجسٹریٹ ضلع امرتسر نے اس مقدمے کے بارہ میں دیا تھا وہ یہ ہے ’’مَیں نے وارنٹ جاری کرنا روک دیا ہے کیونکہ یہ مقدمہ میرے اختیار میں نہیں ہے۔ اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ جب صاحب بہادر مجسٹریٹ ضلع امرتسر یکم اگست 1897ء کو میری گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کر چکے تو ان کو 7/اگست 1897ء کو یعنی حکم سے 6 دن کے بعد ہدایات مذکورہ بالا غور کرنے سے پتہ لگا کہ اس حکم میں غلطی ہوئی۔ اور انہوں نے سمجھا کہ میرے اختیار میں نہیں تھا کہ مَیں ایک ایسے ملزم کی گرفتاری کے لئے جو غیر ضلع میں سکونت رکھتا ہے وارنٹ جاری کرتا۔ تب انہوں نے اپنے حکم وارنٹ کو جو عدالت سے نکل چکا تھا اس طرح پر روکنا چاہا کہ 7/اگست 1897ء کو صاحب مجسٹریٹ ضلع گورداسپور کے نام تار دی کہ ہم سے وارنٹ کے اجراء میں غلطی ہوئی ہے، وارنٹ کو روک دیا جائے۔ لیکن اگر وہ وارنٹ درحقیقت یکم اگست 1897ء کو جاری ہو جاتا تو اتنی مدت بعد یعنی 7 اگست 1897ء کو اس کو روکنا ایک فضول امر تھا کیونکہ ان دونوں ضلعوں میں تھوڑا ہی فاصلہ تھا۔ مدت سے اس وارنٹ کی تعمیل ہو چکتی۔ اور گرفتاری کی ذلت اور مصیبت ہمیں پیش آ جاتی۔ لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت ایسی ہوئی کہ اب تک ہمیں بھید معلوم نہیں کہ وہ وارنٹ باوجود چھ دن گزر جانے کے عدالت مجسٹریٹ ضلع گورداسپور میں پہنچ نہ سکا‘‘۔

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ’’اب جب ایک نظر سے انسان اُن الہاموں کو دیکھے جن کو ابھی ہم لکھ آئے ہیں جن میں رحمت اور نصرت کا وعدہ ہے اور دوسری طرف اس بات کو سوچے کہ کیونکر عدالت امرتسر کا پہلا وار ہی خالی گیا۔ تو بیشک اس کو اس بات پر یقین آ جائے گا کہ یہ خدا تعالیٰ کا تصرف تھا تا وہ اپنے الہامی وعدہ کے موافق اپنے بندہ کو ہر ایک ذلّت سے محفوظ رکھے کیونکہ گرفتار ہو کر عدالت میں پیش کئے جانا اور ہتھکڑی کے ساتھ حکام کے سامنے حاضر ہونا یہ بھی ایک ذلّت ہے جس سے دشمنوں کو خوشی پہنچتی ہے‘‘۔

آپؑ فرماتے ہیں کہ:

’’دوسرا نشان خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ ظہور میں آیا کہ صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ضلع گورداسپور یعنی

کپتان ایم ڈبلیو ڈگلس صاحب کے دل میں خدا تعالیٰ نے ڈال دیا کہ اس مقدمہ میں وارنٹ جاری کرنا مناسب نہیں۔ بلکہ سمن کافی ہوگا۔لہٰذا انہوں نے 9/اگست 1897ء میرے نام ایک سمن جاری کیا۔تو پہلے جو وارنٹ جاری ہوا تھا وہ صرف ایک پیشی ہوگئی کہ آ کر وضاحت کر دیں اور مولوی اس خوشی میں تھے کہ وارنٹ جاری ہو چکا ہے اوران کا خیال تھا کہ امرتسر کی عدالت میں ہی ہے۔ریل پر جاتے بھی تھے کہ جا کے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذلت دیکھیں۔لیکن یہ بات ان کو نصیب نہ ہوسکی۔ بلکہ ایک رنج دہ نظارہ دیکھنا پڑا۔اور وہ یہ کہ جب مَیں صاحب مجسٹریٹ ضلع کی کچہری میں حاضر ہوا تو وہ نرمی اور اعزاز سے پیش آئے اور اپنے قریب انہوں نے میرے لئے کرسی بچھوا دی۔ اور نرم الفاظ سے مجھ کو یہ کہا کہ گو ڈاکٹر کلارک آپ پر اقدام قتل کا الزام لگاتا ہے مگر مَیں نہیں لگاتا۔خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یہ ڈپٹی کمشنر ایک زیرک اور دانشمند اور منصف مزاج مجسٹریٹ تھا۔اس کے دل میں خدا نے بٹھا دیا کہ مقدمہ بے اصل اور جھوٹا ہے اور ناحق تکلیف دی گئی ہے۔اس لئے ہر ایک مرتبہ جو مَیں حاضر ہوا وہ عزت سے پیش آیا اور مجھے کرسی دی۔اور جب مَیں اس کی عدالت سے بری کیا گیا تو اس دن مجھ کو عین کچہری میں مبارکباد دی۔اور اس کے مقابلے پر جو مولوی صاحب ذلّت دیکھنا چاہتے تھے ان کا کیا حال ہوا؟انہوں نے وہاں پہنچ کے کرسی مانگی تو اس کو انکار ہو گیا۔اور صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر نے ان کو جھڑک دیا اور کہا کہ تمہیں کرسی نہیں مل سکتی۔یہ تو رئیس ہیں اور ان کا باپ کرسی نشین تھا اس لئے ہم نے کرسی دی۔سو جو لوگ میری ذلّت دیکھنے کے لئے آئے تھے ان کا یہ انجام ہوا''۔

دوسرا مقدمہ جس کا ذکر آپؑ نے کیا ہے مولوی محمد حسین بٹالوی کی درخواست پر ڈوئی صاحب کی عدالت میں پیش ہوا تھا جبکہ اس کی رپورٹ اور درخواست بھی مولوی محمد حسین کی طرف سے دلوائی گئی تھی کہ آپ مجھے قتل کروانا چاہتے ہیں۔اور اس کی بنیاد ایک مباہلہ کا چیلنج بنایا۔ بہرحال حکومتی مشینری کی بھی بہت سی گواہیاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خلاف وہاں پیش کی گئیں۔پولیس نے بڑی کوشش کی اور اس مقدمے کے لئے ہر جگہ جا کے اتنا شور مچایا گیا کہ مولوی صاحب نے جیب میں چاقو رکھا ہوتا تھا وہ لوگوں کو دکھاتے تھے اور بھڑکاتے تھے۔ مقدمے کی فیس کے لئے لوگوں سے پیسے بھی اکٹھے کئے گئے۔ بڑی رقم اکٹھی ہوگئی۔اور پھر اس میں مدد کے لئے ہندو اور عیسائی بھی آ گئے۔مگر حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کو ان سب باتوں کے باوجود کوئی فکر نہ تھی۔ آپؑ نے ایک احمدی کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ: ’’یہ آخری ابتلاء ہے جو محمد حسین کی وجہ سے پیش آ گیا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے راضی ہیں اور ہم خوب جانتے ہیں کہ وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ مخالفوں نے اپنی کوششوں کو انتہا تک پہنچا دیا ہے اور خدا تعالیٰ کے کام فکر اور عقل سے باہر ہیں‘‘۔

(مکتوبات احمدیہ جلد پنجم حصہ اول مکتوب نمبر 65 صفحہ 25 بار اول بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 39 مطبوعہ 2003ء ربوہ)

اس مقدمے میں بھی دشمن نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بتا دیا تھا کہ آپ کی بریت ہوگی۔ فیصلہ سننے کے لئے حضرت اقدسؑ ساتھ کثیر تعداد میں اپنے احباب کے ساتھ گورداسپور تشریف لے گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب بھی خوش تھے کہ آج ہمارا حریف عدالت کے کٹہرے میں مجرم قرار پائے گا اور انہیں فتح عظیم حاصل ہوگی مگر جیسا کہ آپؑ کو قبل از وقت بتایا گیا تھا اب وہ پتھر دل حاکم آپؑ کی دعا کی برکت سے ایک منصف اور عادل کی شکل میں بدل چکا تھا۔ چنانچہ اس نے حضرت اقدس کی شائستہ اور متین تحریرات کے مقابل پر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور ابو الحسن تبتی کے دشنام آلود اشتہارات دیکھے اور وہ ہکا بکا رہ گیا۔ اور اس نے پولیس کا بڑی محنت سے بنایا ہوا مقدمہ خارج کر دیا۔ اور مسٹر جیم ڈوئی نے مقدمہ خارج کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ وہ گندے الفاظ جو محمد حسین اور اس کے دوستوں نے آپ کی نسبت شائع کئے آپ کو حق تھا کہ عدالت کے ذریعہ سے اپنا انصاف چاہتے اور چارہ جوئی کراتے۔ اور وہ حق اب تک قائم ہے۔ مسٹر ڈوئی، عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر محمد حسین بٹالوی کو فہمائش کر رہے تھے کہ آئندہ وہ تکفیر اور بدزبانی سے باز رہیں۔

پھر تیسرا مقدمہ کرم دین جہلمی صاحب کے ساتھ تھا۔ اس کا بھی ایک لمبا اور تکلیف دہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جولائی 1902ء میں اپنی ایک تصنیف نزول المسیح لکھ رہے تھے اس دوران مولوی کرم دین ساکن بھیں نے حضرت مسیح موعود اور حضرت حکیم فضل دین صاحب کے نام خطوط لکھے کہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی کتاب سیف چشتیائی، دراصل مولوی محمد حسین فیضی کا علمی سرقہ ہے۔ مولوی کرم دین صاحب نے اس امر کے ثبوت میں حضرت مسیح موعودؑ کو کارڈ بھی ارسال کیا جو پیر صاحب موصوف نے ان کے نام گولڑہ میں بھیجا تھا اور جس میں پیر صاحب موصوف نے محمد

حسن صاحب فیضی کے نوٹوں کا اپنی کتاب میں درج کرنے کا اعتراف کیا تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کتاب نزول المسیح لکھ رہے تھے۔حضور علیہ السلام کو یہ خط پہنچے جو حضور نے اپنی کتاب میں درج کر دیئے۔اسی طرح ایڈیٹر اخبار الحکم نے اس بنا پر 17 ستمبر کو ایک مضمون شائع کیا جس میں ان خطوط کی نقول درج کر دیں۔ جب یہ خط شائع ہو گئے تو مولوی کرم دین صاحب مُکر گئے کہ مَیں نے تو یہ نہیں لکھا اور یہ سب خطوط جعلی ہیں۔ نیز لکھا کہ مرزا صاحب کی نعوذ باللہ اہلیت کی آزمائش کے لئے مَیں نے اسے دھوکہ دیا ہے۔اور خلاف واقعہ خطوط لکھے اور لکھوائے اور ایک بچے کے ہاتھ سے نوٹ لکھوا کر محمد حسین فیضی کے نوٹ ظاہر کئے۔اور آگے کہا کہ مرزا صاحب کا تمام کاروبار معاذ اللہ مکر وفریب ہے اور آپؑ اپنے دعویٰ میں کذّاب اور مفتری ہیں۔

مولوی کرم دین صاحب نے اسسٹنٹ کمشنر جہلم کے پاس عدالت میں ایک مقدمہ کر دیا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ،عبداللہ صاحب کشمیری اور شیخ یعقوب علی صاحب تراب کے نام ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کر دیا کہ میرے بہنوئی مولوی محمد حسن فیضی کی سخت توہین کی گئی ہے۔اس مقدمہ پر حضور علیہ السلام اور دوسرے رفقاء کے نام وارنٹ جاری ہو گئے اور عدالت میں پیشی کی تاریخ پڑ گئی۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر مقدمہ دائر ہونے کی خبر پر مخالف اخبارات نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔ چنانچہ لاہور کے اخبار پنجاب سماچار نے لکھا کہ مرزا قادیانی صاحب پر نالش ہے۔اس کا طرز تحریر بھی جہاں تک پڑھا ہے ملک کے لئے کسی طرح مفید نہیں بلکہ بہت دلوں کو دکھانے والا ہے۔اگر عدالت نالش کو سچا سمجھے تو مناسب ہے کہ سزا عبرت انگیز دیوے تا کہ ملک ایسے شخصوں سے جس قدر پاک رہے ملک اور گورنمنٹ کے لئے مفید ہے۔(تاریخ احمدیت جلد 2 صفحہ 260 تا263 مطبوعہ 2003ء ربوہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِس مقدمہ کے باعث جہلم کا لمبا سفر کرنا پڑا۔اس سفر کی تفصیل آپؑ یوں بیان فرماتے ہیں:

’’جب مَیں 1904ء میں کرم دین کے فوجداری مقدمہ کی وجہ سے جہلم میں جا رہا تھا۔تو راہ میں مجھے الہام ہوا اُرِیْکَ بَرَکَاتٍ مِنْ کُلِّ طَرَفٍ یعنی ہر ایک پہلو سے تجھے برکتیں دکھلاؤں گا۔اور یہ الہام اسی وقت تمام جماعت کو سنا دیا گیا بلکہ اخبار الحکم میں درج کر کے شائع کیا گیا۔اور یہ پیشگوئی اس طرح پر پوری

ہوئی کہ جب مَیں جہلم کے قریب پہنچا تو تخمیناً دس ہزار سے زیادہ آدمی ہوگا کہ وہ میری ملاقات کے لئے آیا اور تمام سڑک پر آدمی تھے۔ اور ایسے انکسار کی حالت میں تھے کہ گویا سجدے کرتے تھے اور پھر ضلع کی کچہری کے ارد گرد اس قدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ حکام حیرت میں پڑ گئے۔ گیارہ سو آدمیوں نے بیعت کی اور قریباً دوسو عورت بیعت کر کے اس سلسلے میں داخل ہوئی اور کرم دین کا مقدمہ جو میرے پر تھا خارج کیا گیا۔ اور بہت سے لوگوں نے ارادت اور انکسار سے نذرانے دیئے اور تحفے پیش کئے‘‘۔ فرماتے ہیں کہ: ’’اور اس طرح ہم ہر ایک طرف سے برکتوں سے مالا مال ہو کر قادیان میں واپس آئے اور خدا تعالیٰ نے نہایت صفائی سے وہ پیشگوئی پوری کی‘‘۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 263-264)

پھر فرماتے ہیں کہ: ’’کرم دین جہلمی کے اس مقدمہ فوجداری کی نسبت پیشگوئی ہے جو اس نے جہلم میں مجھ پر دائر کیا تھا۔ جس پیشگوئی کے یہ الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے تھے رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِيْ وَانْصُرْنِيْ وَارْحَمْنِيْ اور دوسرے الہامات بھی تھے جن میں بریت کا وعدہ تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس مقدمہ سے مجھ کو بری کر دیا‘‘۔ (حقیقۃ الوحی۔ روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 224)

جہلم کے مقدمے کی کڑی یہ بھی ہے کہ گورداسپور میں کرم دین صاحب نے ایک مقدمہ کیا۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ: ’’کرم دین نام ایک مولوی نے فوجداری مقدمہ گورداسپور میں میرے نام دائر کیا اور میرے مخالف مولویوں نے اس کی تائید میں آتما رام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت میں جا کر گواہیاں دیں اور ناخنوں تک زور لگایا اور ان کو بڑی امید ہوئی کہ اب کی دفعہ ضرور کامیاب ہوں گے اور ان کو جھوٹی خوشی پہنچانے کے لئے ایسا اتفاق ہوا کہ آتما رام نے اس مقدمہ میں اپنی نافہمی کی وجہ سے پورا غور نہ کیا اور مجھ کو سزائے قید دینے کے لئے مستعد ہو گیا۔ اُس وقت خدا نے میرے پر ظاہر کیا کہ وہ آتما رام کو اس کی اولاد کے ماتم میں مبتلا کرے گا۔ چنانچہ یہ کشف مَیں نے اپنی جماعت کو سنا دیا اور پھر ایسا ہوا کہ قریباً بیس پچیس (20-25) دن کے عرصہ میں دو بیٹے اس کے مر گئے۔ اور آخر یہ اتفاق ہوا کہ آتما رام سزائے قید تو مجھ کو نہ دے سکا۔ اگرچہ فیصلہ لکھنے میں اس نے قید کرنے کی بنیاد بھی باندھی مگر اخیر پر خدا نے اس کو اس حرکت سے روک دیا لیکن تاہم اس نے سات سو روپیہ جرمانہ کیا‘‘۔ اس کی الگ تفصیل ہے کہ عدالت میں کس طرح جرمانہ ہوا۔ بہرحال فرماتے ہیں کہ ’’پھر ڈویژنل جج کی عدالت سے عزت کے ساتھ مَیں بری کیا گیا اور کرم دین پر سزا قائم رہی اور میرا جرمانہ واپس ہوا۔ مگر آتما

رام کے دو بیٹے واپس نہ آئے۔ (حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 124-125)

پھر پانچواں واقعہ جو آپؑ نے بتایا وہ لیکھرام کا واقعہ ہے۔ اس کے متعلق پیشگوئی تھی اس کے مطابق وہ کیفر کردار تک پہنچا۔ جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی انتہا کی ہوئی تھی۔ آخر اللہ تعالیٰ کی پکڑ نے، اپنے پیارے نبی کی غیرت نے اس کو پکڑا اور اس کی تمام تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتائی کہ مَیں اس کو پکڑوں گا اور کس طرح اس کا انجام ہوگا۔ آپ نے اس بارے میں پیشگوئی فرمائی اور باوجود تمام تر حفاظتی تدابیر کے کوئی اس کو بچا نہ سکا۔ اس کے قتل کے بعد حکومت کے کارندوں نے بھی کوششیں کیں اور لوگوں نے بڑا شور مچایا اور آپ پر الزام لگایا گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق آپؑ کی ہر لحاظ سے یہاں بھی بریت فرمائی۔ آپؑ کے گھر کی تلاشی بھی لی گئی لیکن پولیس کے ہاتھ کچھ نہ آیا۔ اور اس قتل کے بعد تو آریوں کے جذبات بڑے سخت مشتعل ہو گئے تھے۔ ہر طرف آگ لگ گئی تھی۔ پولیس بڑی کوشش کر رہی تھی کہ مجرم کو پکڑے۔ اس شخص کا جس نے قتل کیا تھا حلیہ بھی اشتہار میں دیا گیا لیکن ایک آدمی جو اس حلیہ کا پکڑا گیا تو لیکھرام کی بیوی نے کہا: نہیں، یہ وہ نہیں، وہ کوئی کشمیری تھا۔ ایک احمدی کو بھی پکڑا گیا۔ بعد میں وہ بھی رہا کر دیئے گئے۔ پکڑ دھکڑ کے علاوہ تلاشیاں بھی ہوئیں۔

اس ضمن میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر کی بھی تلاشی ہوئی۔ جب پولیس نے تلاشی لینی تھی تو افسروں کے آنے سے چند منٹ پیشتر آپ ''سراج منیر'' کی ایک کاپی پڑھ رہے تھے۔ جس میں یہ مضمون تھا کہ لیکھرام کے قتل سے آپؑ پر ویسا ہی ابتلا آیا جیسے مسیح علیہ السلام کے دشمنوں نے خود بھی ایذا رسانی کی کوششیں کی تھیں اور گورنمنٹ کے ذریعہ سے بھی تکلیف دی تھی۔ مگر میرے معاملے میں تو اب تک صرف ایک پہلو ہے۔ کیا اچھا ہوتا کہ گورنمنٹ کی دست اندازی کا پہلو بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اچانک سپرنٹنڈنٹ پولیس گورداسپور اور انسپکٹر میاں محمد بخش (جس نے پہلے بھی کئی کوششیں کی تھیں) اور کچھ ہیڈ کانسٹیبلز اور پولیس کی بھاری نفری نے آکر حضرت مسیح موعودؑ کے گھر کو گھیر لیا۔ اس سے پہلے حضرت میر ناصر نواب صاحب نے پولیس کے آنے کی خبر کہیں سے سن لی تھی۔ وہ سخت گھبرائے ہوئے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں جا کر بڑی پریشانی کے عالم میں عرض کی کہ پولیس گرفتاری کے لئے آ رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مسکرائے اور فرمایا میر صاحب! دنیا دار لوگ خوشیوں میں سونے چاندی کے کنگن

پہنا کرتے ہیں، ہم سمجھ لیں گے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لوہے کے کنگن پہن لئے۔ پھر ذرا تامّل کے بعد فرمایا'' مگر ایسا نہ ہوگا کیونکہ خدا تعالیٰ کی اپنی گورنمنٹ کے مصالح ہوتے ہیں (اپنے طریقے ہیں اللہ تعالیٰ کی گورنمنٹ کے)۔ جب پولیس نے آ کر دروازہ کھٹکھٹایا تو آپ نے کام بند کر دیا اور فوراً جا کر دروازہ کھول دیا۔ پھر وہ جو سپرنٹنڈنٹ پولیس تھے۔ انہوں نے ٹوپی اتار کر کہا کہ مجھے حکم آ گیا ہے کہ مَیں قتل کے مقدمے میں آپ کے گھر کی تلاشی لوں۔ تلاشی کا نام سن کر آپ کو اس قدر خوشی ہوئی جتنی اس ملزم کو ہوسکتی ہے جسے کہا جائے کہ تیرے گھر کی تلاشی نہیں ہوگی۔ چنانچہ حضور نے فرمایا کہ آپ اطمینان سے تلاشی لیں اور مَیں مدد دینے میں آپ کے ساتھ ہوں۔ اس کے بعد آپ اسے دوسرے افسروں سمیت مکان میں لے گئے اور پہلے مردانہ اور پھر زنانہ مکان میں تمام بستے (بیگ) وغیرہ ان کو دکھائے۔ ایک بیگ جب کھولا تو اس میں وہ کاغذات برآمد ہوئے جو پنڈت لیکھرام نے نشان نمائی کے لئے اپنے قلم سے حضور کے نام لکھے تھے۔ بہرحال بڑی دیر تک تلاشی جاری رہی۔ بعض تالے پرانے تھے، چابیاں گم گئی تھیں تو ٹرنک توڑ کر بھی تلاشی لی گئی لیکن ان کو کچھ نہیں ملا اور تلاشی کے دوران آپ کے چہرہ مبارک پر کسی قسم کی فکر و تشویش نہیں تھی۔ قطعاً کوئی آثار ہی نہیں تھے۔ بلکہ آپ بڑے مطمئن اور خوش تھے۔ حضور کے گھر کی تلاشی کے بعد جو مہمان خانہ تھا، آگے پریس تھا، حضرت خلیفہ اول ؓ کا گھر تھا اس کی بھی تلاشی لی گئی۔ الماریاں وغیرہ دیکھی گئیں یہاں تک کہ پتھر کی سل جو گندم پیسنے کے لئے تھی وہ بھی کھول کھال کے دیکھی گئی۔ بہرحال ان کو کچھ نہیں ملا اور ناکام ونامراد واپس چلے گئے''۔

(تاریخ احمدیت جلد 1 صفحہ 599 تا 601 مطبوعہ 2003ء ربوہ)

اپنے پیاروں کیلئے اللہ تعالیٰ کی یہ مدد اور نصرت ان کے اس دنیا سے اپنے مالک حقیقی کے پاس چلے جانے سے ختم نہیں ہو جایا کرتی بلکہ ان کی جماعتوں سے بھی اللہ تعالیٰ یہ سلوک رکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا کہ: ''سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے''۔

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305)

ہم نے دیکھا کہ یہ بات کس طرح سچ ثابت ہوئی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت کی رِدا پہنا کر مخالفین کی جھوٹی خوشیوں کو پامال کر دیا اور مومنین پھر ایک ہاتھ پر اکٹھے ہو گئے۔

پھر خلافت ثانیہ کے وقت میں ہم نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی کس طرح مدد ونصرت فرمائی۔ اندرونی اور بیرونی مخالفین کی کوششوں اور خواہشوں کو پامال کر کے احمدیت کی کشتی کو ایک نوجوان لیکن اولوالعزم پسرِ موعود کی قیادت میں آگے سے آگے بڑھاتا چلا گیا اور جماعت کو ترقیات پر ترقیات دیتا چلا گیا۔ اور دنیا کے بہت سے ممالک میں اللہ تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت کی بدولت احمدیت کا جھنڈا اسی خلافت ثانیہ میں لہرایا گیا۔

پھر خلافت ثالثہ میں انتہائی سخت دور آیا اور دشمن نے جماعت کو، افراد جماعت کو مایوس اور مفلوج کرنے کی کوشش کی اور اپنے زُعم میں جماعت کے ہاتھ کاٹ دیئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت وفضل سے جماعت کے قدم کو پیچھے نہیں ہٹنے دیا۔ یہ قدم آگے ہی آگے بڑھتا چلا گیا بلکہ ایک دنیا نے دیکھا کہ مخالفین کے نہ صرف ہاتھ کٹے بلکہ گردنیں بھی اڑا دی گئیں اور یہ کسی انسان کا کام نہیں ہے بلکہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے نظارے ہیں۔

پھر خلافت رابعہ کے دَور میں مخالفین نے خیال کیا کہ اب ہم نے ایسا داؤ استعمال کیا ہے یا مخالفین کے ایک سرغنے نے خیال کیا کہ اب مَیں نے ایسا داؤ استعمال کیا ہے کہ اب جماعت احمدیہ ہر طرف سے بندھ گئی ہے، اس کے لئے کوئی راستہ نہیں ہے اور یہ اپنی موت آپ مرجائے گی۔ لیکن جیسا کہ بے شمار الہامات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وعدہ فرمایا تھا کہ مَیں تیری مدد کروں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس خلیفۂ راشد کی بھی اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی اور دشمن اپنی تمام تر تدبیروں اور مکروں کے باوجود نظام خلافت کو مفلوج اور ختم کرنے میں ناکام ونامراد ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق کہ ''مَیں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا'' (تذکرہ صفحہ 260 ایڈیشن چہارم مطبوعہ ربوہ) ایسے راستے کھلوائے اور اس طرح مدد فرمائی کہ دشمن بیچارہ دانت پیستا رہ گیا۔

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد مخالفین اس امید پر تھے کہ شاید اب یہ انتہا ہو چکی ہے اس لئے شاید اب جماعت کا زوال شروع ہو جائے گا لیکن بے وقوفوں کو یہ پتہ نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ کے منصوبے کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جس مسیح الزمان کو اپنی تائید ونصرت کے وعدوں کے ساتھ اس زمانے میں بھیجا ہے وہ نصرت نہ مخالفین کی خواہشوں سے ختم ہونی ہے، نہ ان کی کوششوں سے ختم ہونی ہے، انشاء اللہ۔ یہ

نصرت کے وعدے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس پیاری جماعت سے وابستہ ہیں۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ اور دنیا کی کوئی طاقت اس میں روک نہیں بن سکتی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی قیادت میں ہم اللہ تعالیٰ کی نصرت کے وعدے ہر قدم پر، ہر روز دیکھ رہے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی مدد کے نظارے دکھاتا ہے۔ جس کا اس نے ہم لوگوں سے وعدہ کیا ہوا ہے جو اس کی تعلیم پر عمل کرنے والے ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنے والے ہیں۔ اور جن کو اپنے نمونے قائم کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید فرمائی ہے اور حکم دیا ہے کہ نمازوں کو قائم کرو، مالی قربانیوں میں آگے بڑھو اور اللہ تعالیٰ کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اللہ اور رسول اور نظام خلافت کی مکمل اطاعت کرو۔ تو پھر دیکھو گے کہ تمہیں بھی اللہ تعالیٰ ہر قدم پر اپنی تائید و نصرت کے نظارے دکھائے گا۔ اور جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور پھر آپؐ کے خلفائے راشدین کے زمانے میں ہمیں تاریخ یہ نمونے دکھاتی ہے، بتاتی ہے۔ مسیح محمدی کے ماننے والوں میں بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت کے نظارے ہم دیکھتے ہیں۔

انوار الٰہیہ کے نزول کا یہ سلسلہ واقفین سلسلہ عالیہ احمدیہ کی زندگیوں میں اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ایمان افروز واقعات کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جسے دیکھ کر انسانی عقلیں دنگ رہ جاتی ہیں۔ اس کتاب میں مرکوزہ واقعات نہ صرف روحانیت بلکہ حضرت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ کی صداقت کی ایک ایسی تجلی ہیں جس کی بدولت معبود حقیقی اور اسلام کا حسین و جمیل چہرہ دوبارہ روشن ہو گیا ہے۔ اور قبولیت دعا کے ایسے نشانات اور خوارق کی بارش ہو رہی ہے جس سے ہزاروں لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی اور پا رہے ہیں اور آسمان روحانیت کی رفعتوں میں پرواز کرنے لگے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری وساری ہے اور جاری وساری رہے گا۔ یہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افاضہ روحانیت کی برکت سے واقفین زندگی کے ذریعہ ہونے والے اُس انتشار روحانیت کی مثالیں پیش کی جارہی ہیں جو آپ کے غلاموں کے وجودوں میں ظاہر ہوئیں اور اب تک ہو رہی ہیں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی عظیم۔

حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا

(بلند اخلاق، اعلیٰ روحانیت اور غیر معمولی مقامِ توکل)

از

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ

۞

حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَھَا اپریل ۱۹۵۲ء میں فوت ہوئی تھیں اس عرصہ میں مجھے کئی دفعہ اُن کی سیرت کے متعلق کچھ لکھنے کی خواہش پیدا ہوئی مگر ہر دفعہ جذبات سے مغلوب ہوکر اس ارادہ کو ترک کرنا پڑا۔ اب بعض احباب کی تحریک پر ذیل کی چند مختصر سی سطور لکھنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ **وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُسْتَعَانُ**.

حضرت اماں جان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ اُن کی شادی خاص الٰہی تحریک کے ماتحت ہوئی تھی اور دوسرا امتیاز یہ حاصل ہے کہ یہ شادی ۱۸۸۴ء میں ہوئی اور یہی وہ سال ہے جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ مجدّدیت کا اعلان فرمایا تھا اور پھر سارے زمانۂ ماموریت میں حضرت امّاں جان مرحومہ مغفورہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی رفیقہ حیات رہیں اور حضرت مسیح موعود انہیں انتہاء درجہ محبت اور انتہاء درجہ شفقت کی نظر سے دیکھتے تھے اور ان کی بے حد دلداری فرماتے تھے کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ زبردست احساس تھا کہ یہ شادی خدا کے خاص منشاء کے ماتحت ہوئی ہے اور یہ کہ حضور کی زندگی کے مُبارک دور کے ساتھ حضرت اماں جان کو مخصوص نسبت ہے۔ چنانچہ بعض اوقات حضرت اماں جان بھی محبت اور ناز کے انداز میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کہا کرتی تھیں کہ میرے آنے کے ساتھ ہی آپ کی زندگی میں برکتوں کا دور شروع ہوا ہے۔ جس پر حضرت مسیح موعود مُسکرا کر فرماتے تھے کہ ''ہاں یہ ٹھیک ہے'' دوسری طرف حضرت اماں جان بھی حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق کامل محبت اور کامل یگانگت کے مقام پر فائز تھیں اور گھر میں یُوں نظر آتا تھا کہ گویا دو

سینوں میں ایک دِل کام کر رہا ہے۔

حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاقِ فاضلہ اور آپ کی نیکی اور تقویٰ کو مختصر الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔مگر اس جگہ میں صرف اشارہ کے طور پر نمونۃً چند باتوں کے ذکر پر اکتفاء کرتا ہوں۔آپ کی نیکی اور دینداری کا مقدم ترین پہلو نماز اور نوافل میں شغف تھا۔ پانچ فرض نمازوں کا تو کیا کہنا ہے۔حضرت اماں جان نمازِ تہجد اور نمازِ ضحیٰ کی بھی بے حد پابند تھیں اور انہیں اس ذوق وشوق سے ادا کرتی تھیں کہ دیکھنے والوں کے دل میں بھی ایک خاص کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی بلکہ ان نوافل کے علاوہ بھی جب موقع ملتا تھا نماز میں دِل کا سکون حاصل کرتی تھیں۔میں پوری بصیرت کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی یہ پیاری کیفیت کہ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِي فِي الصَّلٰوةِ (یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) حضرت اماں جان کو بھی اپنے آقا سے ورثے میں ملی تھی۔

پھر دُعا میں بھی حضرت اماں جان کو بے حد شغف تھا۔اپنی اولاد اور دوسرے عزیزوں بلکہ ساری جماعت کے لئے جسے وہ اولاد کی طرح سمجھتی تھیں بڑے دردوسوز کے ساتھ دعا فرمایا کرتی تھیں اور اسلام اور احمدیت کی ترقی کے لئے ان کے دِل میں غیر معمولی تڑپ تھی۔

اولاد کے متعلق حضرت اماں جان کی دعا کا نمونہ اِن اشعار سے ظاہر ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے حضرت اماں جان کے جذبات کی ترجمانی کرتے ہوئے اُن کی طرف سے اور گویا انہی کی زبان سے فرمائے۔خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے آپ عرض کرتے ہیں:

کوئی ضائع نہیں ہوتا جو ترا طالب ہے کوئی رسوا نہیں ہوتا جو ہے جو یاں تیرا
آسماں پر سے فرشتے بھی مدد کرتے ہیں کوئی ہوجائے اگر بندہ فرماں تیرا
اس جہاں میں ہی وہ جنت میں ہے بے ریب وگماں وہ جو ایک پختہ توکل سے ہے مہماں تیرا
میری اولاد کو تو ایسی ہی کردے پیارے دیکھ لیں آنکھ سے وہ چہرہ نمایاں تیرا
عمر دے رزق دے اور عافیت وصحت بھی سب سے بڑھ کر یہ کہ پاجائیں وہ عرفاں تیرا

اپنی ذاتی دعاؤں میں جو کلمہ حضرت اماں جان کی زبان پر سب سے زیادہ آتا تھا وہ یہ مسنون دعا تھی کہ:
يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ ”یعنی اے میرے زندہ خدا اور اے میرے زندگی بخش آقا! میں تیری رحمت کا سہارا ڈھونڈتی ہوں۔“

یہ وہی جذبہ ہے جس کے ماتحت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ شعر فرمایا کہ :

تری رحمت ہے میرے گھر کا شہتیر
مِری جاں تیرے فضلوں کی پنہ گیر

جماعتی چندوں میں بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیتی تھیں اور تبلیغ اسلام کے کام میں ہمیشہ اپنی طاقت سے بڑھ کر چندہ دیتی تھیں۔تحریک جدید کا چندہ جس سے بیرونی ممالک میں اشاعت اسلام کا کام سرانجام پاتا ہے۔اس کے اعلان کے لئے ہمیشہ ہمہ تن منتظر رہتی تھیں اور اعلان ہوتے ہی بلاتوقف اپنا وعدہ کے ساتھ ہی نقد ادائیگی بھی کر دیتی تھیں اور فرمایا کرتی تھیں کہ زندگی کا اعتبار نہیں وعدہ جب تک ادا نہ ہو جائے دِل پر بوجھ رہتا ہے۔دوسرے چندوں میں بھی یہی ذوق وشوق کا عالم تھا۔

صدقہ وخیرات اور غریبوں کی امداد بھی حضرت اماں جان نَوَّرَ اللهُ مَرْقَدَهَا کا نمایاں خُلق تھا اور اس میں وہ خاص لذت پاتی تھیں اور اس کثرت کے ساتھ غریبوں کی امداد کرتی تھیں کہ یہ کثرت بہت کم لوگوں میں دیکھی گئی ہے جو شخص بھی اُن کے پاس اپنی مصیبت کا ذکر لے کر آتا تھا حضرت اماں جان اپنے مقدور سے بڑھ کر اُس کی امداد فرماتی تھیں اور کئی دفعہ ایسے خفیہ رنگ میں مدد کرتی تھیں کہ کسی اور کو پتہ تک نہیں چلتا تھا۔اسی ذیل میں اُن کا یہ بھی طریق تھا کہ بعض اوقات ان کے گھروں پر بھی کھانا بھجوا دیتی تھیں۔ایک دفعہ ایک واقف کار شخص سے دریافت فرمایا کہ کیا آپ کو کسی ایسے شخص (احمدی یا غیر احمدی مسلم یا غیر مسلم) کا علم ہے جو قرض کی وجہ سے قید بھگت رہا ہو (اوائل زمانے میں ایسے سِول قیدی بھی ہوا کرتے تھے) اور جب اس نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا کہ تلاش کرنا میں اُس کی مدد کرنا چاہتی ہوں تا قرآن مجید کے اِس حکم پر عمل کرسکوں کہ معذور قیدیوں کی مدد بھی کارِثواب ہے۔

قرض مانگنے والوں کو فراخ دِلی کے ساتھ قرض بھی دیتی تھیں مگر یہ دیکھ لیتی تھیں کہ قرض مانگنے والا کوئی ایسا شخص تو نہیں جو عادی طور پر قرض مانگا کرتا ہے اور پھر قرض کی رقم واپس نہیں کیا کرتا۔ایسے شخص کو قرض دینے سے پرہیز کرتی تھیں تا کہ اس کی یہ بُری عادت ترقی نہ کرے مگر ایسے شخص کو بھی حسبِ گنجائش امداد دے دیا کرتی تھیں۔ایک دفعہ میرے سامنے ایک عورت نے اُن سے کچھ قرض مانگا۔اُس وقت اتفاق سے حضرت اماں جان کے پاس اس قرض کی گنجائش نہیں تھی۔مجھ سے فرمانے لگیں ''میاں! (وہ اپنے بچوں کو اکثر میاں کہہ کر پکارتی تھیں) تمہارے پاس اتنی رقم ہو تو اسے قرض دے دو۔یہ عورت لین

دین میں صاف ہے۔'' چنانچہ میں نے مطلوبہ رقم دے دی اور پھر اس غریب عورت نے تنگ دستی کے باوجود عین وقت پر اپنا قرضہ واپس کر دیا جو آج کل کے اکثر نوجوانوں کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

حضرت اماں جان نَوَّرَ اللہُ مَرْقَدَھَا کو اسلامی احکام کے ماتحت یتیم بچوں کی پرورش اور تربیت کا بھی بہت خیال رہتا تھا۔ میں نے جب سے ہوش سنبھالا اُن کے سایہ عاطفت میں ہمیشہ کسی نہ کسی یتیم لڑکی یا لڑکے کو پلتے دیکھا اور وہ یتیموں کو نوکروں کی طرح نہیں رکھتی تھیں بلکہ اُن کے تمام ضروری اخراجات برداشت کرنے کے علاوہ اُن کے آرام وآسائش اور اُن کی تعلیم وتربیت اور ان کے واجبی اِکرام اور عزت نفس کا بھی بہت خیال رکھتی تھیں۔ اس طرح ان کے ذریعہ بیسیوں یتیم بچے جماعت کے مفید وجود بن گئے۔ بسا اوقات اپنے ہاتھ سے یتیموں کی خدمت کرتی تھیں۔ مثلاً یتیم بچوں کو نہلانا۔ ان کے بالوں میں کنگھی کرنا کپڑے بدلوانا وغیرہ وغیرہ۔ مجھے یقین ہے کہ حضرت اماں جان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بشارت سے انشاء اللہ ضرور حصہ پائیں گی کہ اَنَاوَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کَھَاتَیْنِ۔'' یعنی قیامت کے دن میں اور یتیموں کی پرورش کرنے والا اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح کہ ایک ہاتھ کی دو انگلیاں باہم پیوست ہوتی ہیں۔''

مہمان نوازی بھی حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے اخلاق کا طُرّہٴ امتیاز تھا۔ اپنے عزیزوں اور دوسرے لوگوں کو اکثر کھانے پر بُلاتی رہتی تھیں اور اگر گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تھی تو اُن کے گھروں میں بھی بھجوا دیتی تھیں۔ خاکسار راقم الحروف کو علیحدہ گھر ہونے کے باوجود حضرت اماں جان نے اتنی دفعہ اپنے گھر سے کھانا بھجوایا ہے کہ اس کا شمار ناممکن ہے اور اگر کوئی عزیز یا کوئی دوسری خاتون کھانے کے وقت حضرت اماں جانؓ کے گھر میں جاتی تھیں تو حضرت اماں جان کا اصرار ہوتا تھا کہ کھانا کھا کر واپس جاؤ۔ چنانچہ اکثر اوقات زبردستی روک لیتی تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مہمان نوازی اُن کی رُوح کی غذا ہے۔

عیدوں کے دن حضرت اماں جان کا دستور تھا کہ اپنے سارے خاندان کو اپنے پاس کھانے کی دعوت دیتی تھیں اور اس بات کا بھی خیال رکھتی تھیں کہ فلاں عزیز کو کیا چیز مرغوب ہے اور اس صورت میں حتی الوسع وہ چیز ضرور پکواتی تھیں۔ جب آخری عمر میں زیادہ کمزور ہوگئیں تو مجھے ایک دن حسرت کے ساتھ فرمایا کہ اب مجھ میں ایسے اہتمام کی طاقت نہیں رہی میرا دل چاہتا ہے کہ کوئی مجھ سے رقم لے لے اور میری طرف سے کھانے کا انتظام کر دے۔

وفات سے کچھ عرصہ قبل جب کہ حضرت اماں جان بے حد کمزور ہو چکی تھیں اور کافی بیمار تھیں مجھے ہماری بڑی ممانی صاحبہ نے جو اُن دنوں میں حضرت اماں جان کے پاس اُن کی عیادت کے لئے ٹھہری ہوئی تھیں

فرمایا کہ آج آپ یہاں روزہ کھولیں۔ میں نے خیال کیا کہ شاید یہ اپنی طرف سے حضرت اماں جان کی خوشی اور اُن کا دل بہلانے کے لئے ایسا کہہ رہی ہیں چنانچہ میں وقت پر وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ بڑے اہتمام سے افطاری کا سامان تیار کر کے رکھا گیا ہے۔ اُس وقت ممانی صاحبہ نے بتایا کہ میں نے تو اماں جان کی طرف سے اُن کے کہنے پر آپ کو یہ دعوت دی تھی۔

حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا میں بے حد محنت کی عادت تھی اور ہر چھوٹے سے چھوٹا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں راحت پاتی تھیں۔ میں نے انہیں اپنی آنکھوں سے بارہا کھانا پکاتے۔ چرخہ کاتتے، نواڑ بُنتے، بلکہ بھینسوں کے آگے چارہ تک ڈالتے دیکھا ہے۔ بعض اوقات خود بھنگنوں کے سر پر کھڑے ہو کر صفائی کرواتی تھیں اور ان کے پیچھے لوٹے سے پانی ڈالتی جاتی تھیں۔ گھر میں اپنے ہاتھ سے پھُولوں کے پودے یا سیم کی بیل یا دوائی کی غرض سے گلو کی بیل لگانے کا بھی شوق تھا اور عموماً انہیں اپنے ہاتھ سے پانی دیتی تھیں۔

مریضوں کی عیادت کا یہ عالم تھا کہ جب کبھی کسی احمدی عورت کے متعلق یہ سنتیں کہ وہ بیمار ہے تو بلا امتیاز غریب و امیر خود اس کے مکان پر جا کر عیادت فرماتی تھیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق تسلی دیا کرتی تھیں کہ گھبراؤ نہیں خدا کے فضل سے اچھی ہو جاؤ گی۔

اِن اخلاقِ فاضلہ کا یہ نتیجہ تھا کہ احمدی عورتیں حضرت اماں جان پر جان چھڑکتی تھیں اور ان کے ساتھ اپنی حقیقی ماؤں سے بھی بڑھ کر محبت کرتی تھیں اور جب کوئی فکر کی بات پیش آتی تھی یا کسی امر میں مشورہ لینا ہوتا تھا تو حضرت اماں جان کے پاس دوڑی آتی تھیں۔ اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں کہ حضرت اماں جان کا مبارک وجود احمدی مستورات کے لئے ایک بھاری ستون تھا بلکہ حق یہ ہے کہ اُن کا وجود محبت اور شفقت کا ایک بلند اور مضبوط مینار تھا جس کے سایہ میں احمدی خواتین بے انداز راحت اور برکت اور ہمت اور تسلی پاتی تھیں۔

مگر غالباً حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَھَا کے تقویٰ اور توکل اور دینداری اور اخلاق کی بلندی کا سب سے زیادہ شاندار اظہار ذیل کے دو واقعات میں نظر آتا ہے۔ جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعض اقرباء پر اتمامِ حجت کی غرض سے خدا سے علم پا کر محمدی بیگم والی پیشگوئی فرمائی تو اُس وقت حضرت مسیح موعود نے ایک دن دیکھا کہ حضرت اماں جان علیحدگی میں نماز پڑھ کر بڑی گریہ وزاری اور سوز و گداز سے یہ دعا فرما رہی ہیں کہ خدایا تو اس پیشگوئی کو اپنے فضل اور اپنی قدرت نمائی سے پورا فرما۔ جب وہ دعا سے فارغ ہوئیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن سے دریافت فرمایا کہ تم یہ دعا کر رہی تھیں اور

تم جانتی ہو کہ اس کے نتیجہ میں تم پر سُوکن آتی ہے؟ حضرت اماں جان نے بے ساختہ فرمایا:

''خواہ کچھ ہو مجھے اپنی تکلیف کی پرواہ نہیں۔ میری خوشی اسی میں ہے کہ خدا کے منہ کی بات اور آپ کی پیشگوئی پوری ہو۔''

دوست سوچیں اور غور کریں کہ یہ کس شان کا ایمان اور کس بلند اخلاق کا مظاہرہ اور کس تقویٰ کا مقام ہے کہ اپنی ذات اور راحت اور ذاتی خوشی کو کلیۃً قربان کر کے محض خدا کی رضا کو تلاش کیا جارہا ہے! اور شاید منجملہ دوسری باتوں کے یہ اُن کی اِسی بے نظیر قربانی کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اِس مشروط پیشگوئی کو اُس کی ظاہری صورت سے بدل کر دوسرے رنگ میں پورا فرما دیا۔

پھر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی (اور یہ میری آنکھوں کے سامنے کا واقعہ ہے) اور آپ کے آخری سانس تھے تو حضرت اماں جان نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَھَا وَرَفَعَھَا اَعْلیٰ عِلِّیِّیْنَ آپ کی چار پائی کے قریب فرش پر آ کر بیٹھ گئیں اور خدا سے مخاطب ہو کر عرض کیا کہ:۔

''خدایا! یہ تو اَب ہمیں چھوڑ رہے ہیں مگر تو ہمیں نہ چھوڑیو۔''

یہ ایک خاص انداز کا کلام تھا جس سے مراد یہ تھی کہ تو ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا اور دل اس یقین سے پُر تھا۔ اللہ اللہ! خاوند کی وفات پر اور خاوند بھی وہ جو گویا ظاہری لحاظ سے اُن کی ساری قسمت کا بانی اور اُن کی تمام راحت کا مرکز تھا توکل اور ایمان اور صبر کا یہ مقام دنیا کی بے مثال چیزوں میں سے ایک نہایت درخشاں نمونہ ہے۔

مجھے اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ بے حد پیارا اور مضبوطی کے لحاظ سے گویا فولادی نوعیت کا قول یاد آ رہا ہے۔ جو آپؓ نے کامل توحید کا مظاہرہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ نفسی) کی وفات پر فرمایا کہ:

اَلَا مَنْ کَانَ یَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ کَانَ یَعْبُدُ اللّٰہَ فَاِنَّہٗ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ۔

''یعنی اے مسلمانو! سُنو کہ جو شخص محمد رسول اللہ کی پرستش کرتا تھا وہ جان لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں مگر جو شخص خدا کا پرستار ہے وہ یقین رکھے کہ خدا زندہ ہے اور اس پر کبھی موت نہیں آئے گی۔''

بس اِس سے زیادہ میں اِس وقت کچھ نہیں کہنا چاہتا۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ وَاَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی عَبْدِکَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

❁❁

حضرت الحاج حافظ مولانا نورالدین صاحب
خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ

آپ قریباً ۱۲۵۸ ہجری بمطابق ۱۸۴۱ء بھیرہ ضلع شاہپور میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد کا نام حافظ غلام رسول صاحب ہے۔ بھیرہ ہی میں آپ نے عربی فارسی اور اردو تعلیم حاصل کی۔ ۱۸۵۸ء میں نارمل سکول راولپنڈی میں داخلہ لیا اور سند حاصل کی۔ پنڈ دادن خان کے سکول میں چار برس تک بطور ہیڈ ماسٹر کام کیا اور چار برس بعد وہاں سے نوکری چھوڑ کر واپس بھیرہ تشریف لائے اور عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی نیت سے رامپور اور لکھنؤ وغیرہ کے سفر پر چل کھڑے ہوئے لکھنؤ میں حکیم علی حسن صاحب سے دو برس رہ کر طبی تعلیم کی تکمیل کی۔ پھر ہندوستان کی مختلف علمی درسگاہوں سے استفادہ کرتے ہوئے بالآخر مکہ معظّمہ میں ڈیڑھ برس تک رہنے کے بعد مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ وہاں ایک عرصہ تک قیام کرنے کے بعد پھر مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور وہاں سے علم و عرفان کی دولت اور زیارت حرمین شریفین اور حج اور عمرہ سے فارغ ہو کر واپس وطن تشریف لے آئے۔ قریباً ۱۸۷۶ء سے لے کر ۱۸۹۱ء تک آپ مہاراجہ جمّوں اور کشمیر کے شاہی طبیب رہے۔ ۱۸۸۴ء سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ تعلق ارادت قائم ہوا۔ جو روز بروز بڑھتا چلا گیا اور ۲۳/ مارچ ۱۸۸۹ء کو سب سے پہلے آپ نے لدھیانہ میں شرف بیعت حاصل کیا۔ اس کے بعد تو فدائیت کا یہ عالم رہا کہ تمام بیعت کنندگان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آگے ہی آگے بڑھتے چلے گئے اور ۲۶/ مئی ۱۹۰۸ء کو حضرت اقدس علیہ السلام کے وصال پر سب جماعت نے آپ کو بالاتفاق حضور علیہ السلام کا خلیفہ منتخب کیا اور نہایت کامیابی اور کامرانی کے ساتھ اپنا چھ سالہ دور خلافت پورا کر کے ۱۳/ مارچ ۱۹۱۴ء کو اپنے مولائے حقیقی کے حضور حاضر ہو گئے۔ انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ آپ کے چند ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

دعویٰ نبوّت حضرت اقدسؑ کے بارے میں لطیف جواب

ابھی آپ کی خدمت میں کتاب ''فتح اسلام'' نہیں پہنچی تھی کہ کسی مخالف کے پاس کسی نہ کسی طرح پہنچ

گئی۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ دیکھو! اب حکیم نورالدین کو (حضرت) مرزا صاحب سے علیحدہ کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ وہ آپ کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ مولوی صاحب! کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں! اس نے کہا کہ اگر کوئی نبوّت کا دعویٰ کرے تو پھر! آپ نے فرمایا تو پھر ہم دیکھیں گے کہ وہ صادق اور راستباز ہے یا نہیں! اگر صادق ہے تو بہر حال اس کی بات کو قبول کرلیں گے۔ آپ کا جواب سن کر وہ بولا۔ واہ مولوی صاحب آپ قابو ہی نہ آئے۔ (حیات نور صفحہ ۱۵۹)

حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کا طرزِ عمل دربارہ مباحثات

مولوی محمد حسین بٹالوی کی خواہش مباحثہ

حضرت اقدسؑ سے مولوی محمد حسین بٹالوی نے مباحثہ کی طرح ڈالنا چاہی۔ حضرت اقدس اسے پسند نہیں فرماتے تھے۔ کیونکہ مباحثات میں ایک طرح کی ضد پیدا ہوجاتی ہے جس کی وجہ سے بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خوفِ خدا کو مدنظر رکھ کر قبول حق کے لئے تیار ہوں اس لئے جب مولوی صاحب نے حضور کی خدمت میں بمقام لدھیانہ مباحثہ کے لئے چٹھی لکھی تو آپ نے انہیں لکھا کہ مباحثہ تحریری ہو اور اس میں مخصوص علماء کے علاوہ ہر مذاق اور طبیعت کے افراد ہوں اور اگر مباحثہ کے بعد مباہلہ بھی ہوجائے تو بہتر رہے گا۔ نیز لکھا کہ آج کل میری طبیعت چونکہ علیل رہتی ہے۔ اس لئے تاریخ آپ مقرر کریں۔ اس سے مجھے بھی اور اخویم مولوی نورالدین صاحب کو بھی اطلاع دیں تا اگر خدانخواستہ میری طبیعت زیادہ علیل ہوجائے تو مولوی صاحب موصوف حسب منشاء اس عاجز کے مناسب کاروائی کرسکیں لیکن افسوس ہے کہ ان ایام میں پھر یہ مجوزہ جلسہ نہیں ہوسکا۔ (حیات نور صفحہ ۱۶۱)

حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ کی صحت پر قسم

میاں خدا بخش صاحب اور میاں غلام رسول صاحب پٹواری نے حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الاوّل کی خدمت میں لکھا کہ ''چونکہ آپ کے تقویٰ وطہارت پر ہم کو پورا یقین ہے اس لئے آپ حلفیہ اپنی دستخطی یہ تحریر کر کے بھیج دیں کہ مرزا صاحب موصوف وہی مہدی و مسیح موعود ہیں جن کی بابت ہمارے نبی آخر الزمان جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی ہے اور بے شمار احادیث میں جن کا ذکر ہے تو ہم محض اسی بنا پر سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوجاویں گے۔ صرف آپ کے جواب کا انتظار ہے۔ ورنہ قیامت

کے دن آپ ذمہ وار ہوں گے کہ سچائی آپ نے ظاہر نہ کی؟ آپ نے جواب میں لکھا:۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمدًا عبدہ ورسولہ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر یہ چند حروف لکھتا ہوں کہ مرزا غلام احمد پسر مرزا غلام مرتضیٰ ساکن قادیان ضلع گورداسپور اپنے دعویٰ مسیح ومہدی و مجددیت میں میرے نزدیک سچا تھا۔ اس کے دعاوی کی تکذیب میں کوئی آیت قرآنیہ اور کوئی صحیح حدیث کسی کتاب میں نہیں دیکھی۔ (حیات نور صفحہ ۴۵)

جماعت تیار کرنا آسان نہیں

سردار محمد عجب خان صاحب سے کسی شخص نے حضرت مسیح موعودؑ کی نبوت کے متعلق ملاقات کی اور عرض کی اگر حضور مسیح ومہدی کا دعویٰ نہ فرمائیں اور امام، مجدد، مصلح اور ریفارمر کی پوزیشن اختیار کر لیں تو ہم سب آپ کے ساتھ ہیں۔

حضور نے فرمایا: مولوی صاحب! اگر میں کسی منصوبہ سے کام کرتا تو بیشک ایسا کرتا مگر میں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی کرنے والا ہوں۔

اس کے بعد آپ نے مستفسر حکیم صاحب کو مخاطب کر کے لکھا کہ حکیم صاحب! میں نے حضرت سید محمد صاحب مجتہد العصر لکھنو، مولوی محمد مفتی صاحب اور سید حامد حسین صاحب کو دیکھا ہے۔ بڑے لائق لوگ تھے۔ مگر عامل بالقرآن مخلصین کی جمات تیار نہ کر سکے آپ بھی ماشاء اللہ عالم فاضل ہیں اور طبیب بھی ہیں۔ اسلام کا درد بھی آپ کے دل میں ہے مگر فرمایئے کس قدر جمعیت آپ کے ماتحت کام کرتی ہے؟

ادھر ہمیں دیکھو! ہمارے ماتحت اللہ تعالیٰ کے فضل سے شیعہ، خوارج، نیچری، وہابی، مقلد، غیر مقلد، پیر پرست، گدی نشین، علماء اور عوام سبھی قسم کے لوگ کام کرتے ہیں۔ ہم ہرگز! اخفا اور چرب زبانی سے کام نہیں لیتے۔ خان صاحب نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کو تشیع میں غلو تھا۔ حضرت صاحب سے ملے تو آپ نے فرمایا۔ ''میاں تبرّا اور تعزیہ پرستی دوامر تشیع کے ہمیں ناپسند ہیں۔ باقی جو چاہو کرو۔''

اس پر وہ درہم برہم ہوئے مگر آخر جماعت میں داخل ہو گئے۔ ہندوؤں مسیحیوں کو میں گن نہیں سکتا ہوں کہ کس قدر ہماری جماعت میں آئے۔ اس کے بعد آپ نے انہیں لکھا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے سنیوں، شیعوں اور خوارج کی کتابیں نہیں پڑھیں کیا ان میں کوئی ایسا ریفارمر گزرا ہے جس نے پابند صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ جماعت تیار کی ہو۔ ہماری جماعت کو دیکھئے۔ چار لاکھ سے زیادہ ہے اور اب بلاد

یورپ، امریکہ، چین، جاپان اور آسٹریلیا میں بھی پہنچ چکی ہے آپ دیکھیں گے کہ تھوڑے عرصہ کے اندر اندر ہی اللہ تعالیٰ ہمیں کس قدر کامیابیوں سے نوازتا ہے کیا یہ حضرت مرزا صاحب کا کمال نہیں؟ کوئی ہے جو تائیدایزدی میں آپ کے ساتھ مقابلہ کر سکے؟ (حیات نور صفحہ ۲۶۸)

مذہبی معاملات میں آپ کی دلیری

''ایک مرتبہ مہاراجہ کشمیر نے مجھ سے کہا کہ کیوں مولوی جی! تم ہم کو کہتے ہو کہ تم سُور کھاتے ہو۔ اس لئے بے جا حملہ کر بیٹھتے ہو۔ بھلا یہ تو بتلاؤ کہ انگریز بھی سُور کھاتے ہیں وہ کیوں اس طرح ناعاقبت اندیشی سے حملہ نہیں کرتے۔ میں نے کہا کہ وہ ساتھ ہی گائے کا گوشت بھی کھاتے رہتے ہیں۔ اس سے اصلاح ہو جاتی ہے۔ سن کر خاموش ہی ہو گئے اور پھر دو برس تک مجھ سے کوئی مذہبی مباحثہ نہیں کیا۔'' (حیات نور صفحہ ۱۷۵)

آپ کی حاضر جوابی

آپ حاضر جواب بھی غضب کے تھے۔ یہاں صرف ایک واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے فرمایا کرتے تھے:

وہاں (کشمیر میں) ایک بوڑھے آدمی تھے۔ انہوں نے بہت علوم وفنون کی حدود یعنی تعریفیں یاد کر رکھی تھیں۔ بڑے بڑے عالموں سے کسی علم کی تعریف دریافت کرتے وہ جو کچھ بیان کرتے یہ اس میں کوئی نہ کوئی نقص نکال دیتے کیونکہ الفاظ تعریفوں کے یاد تھے۔ اس طرح ہر شخص پر اپنا رُعب بٹھانے کی کوشش کرتے۔

''ایک دن سرِ دربار مجھ سے دریافت کیا کہ مولوی صاحب! حکمت کس کو کہتے ہیں؟ میں نے کہا کہ شرک سے لے کر عام بداخلاقی تک سے بچنے کا نام حکمت ہے۔ وہ حیرت سے دریافت کرنے لگے کہ یہ تعریف حکمت کی کس نے لکھی ہے۔ میں نے دہلی کے ایک حکیم سے جو حافظ بھی تھے اور میرے پاس بیٹھے تھے۔ کہا کہ حکیم صاحب! ان کو سورۂ بنی اسرائیل کے چوتھے رکوع کا ترجمہ سنا دو۔ جس میں آتا ہے ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰى رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ۔ پھر تو وہ بہت ہی حیرت زدہ ہوئے۔ (حیات نور صفحہ ۱۷۶،۱۷۵)

تناسخ پر ایک خاموش مباحثہ

آپ کی آمد کی خبر سن کر کچھ آریہ آپ سے ملنے کے لئے آئے جن میں سے ایک پلیڈر تھا جس نے دعویٰ

کیا تھا کہ مولوی صاحب کو میں چند منٹ میں تناسخ کے مسئلہ پر گفتگو کر کے ہرا دوں گا۔ جب وہ لوگ بیٹھ گئے تو ان میں سے ایک نے کہا کہ مولوی صاحب! یہ پلیڈر صاحب آپ سے تناسخ کے متعلق گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ نے اپنی جیب سے دو روپے نکالے اور پلیڈر کے سامنے رکھ دیئے اور کہا کہ جناب! پہلے ان دونوں روپوں میں سے ایک روپیہ اٹھالیں۔ بعد ازاں میں آپ سے بات کروں گا۔ پلیڈر صاحب جو بحث کرنے آئے تھے یہ دیکھ کر خاموش ہو کر بیٹھ گئے اور ان روپوں کو دیکھنا شروع کیا۔ اسی حالت خاموشی میں آدھ گھنٹہ کے قریب گذر گیا۔ حاضرین نے کہا کہ آپ دونوں صاحب تو خاموشی کی زبان میں مباحثہ کر رہے ہیں ہم پاس یونہی بیٹھے ہیں۔ اگر کچھ بولیں تو ہمیں بھی فائدہ ہو۔ پلیڈر نے کہا کہ میں تو مشکل میں پھنس گیا۔ اگر ان روپوں میں سے ایک اٹھالوں تو یہ سوال کریں گے کہ تم نے دونوں میں سے ایک کیوں اٹھایا۔ دوسرے کو کیوں نہ اٹھایا؟ یا ایک کو دوسرے پر بلاوجہ ترجیح کیوں دی۔ اس اعتراض کے بعد تناسخ کی تائید میں میرا یہ اعتراض باطل ہو جائے گا کہ خدا نے ایک امیر اور ایک کو غریب کیوں بنایا۔ یہ مجھ سے پوچھیں گے کہ تم ایک روپیہ کو اٹھا سکتے ہو اور دوسرے کو چھوڑ سکتے ہو تو پھر خدا کیوں ایک کو بڑا اور دوسرے کو چھوٹا نہیں کر سکتا۔ یہ کہہ کر پلیڈر نے رخصت چاہی اور کہا کہ وہ پھر کسی وقت آئیں گے مگر یہ وعدہ نہ پورا ہونا تھا، نہ ہوا۔ (حیات نور صفحہ ۲۷۸، ۲۷۹)

سیدنا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ

(1899 - 1965ء)

خودنوشت حالات زندگی

ڈلہوزی کا ایک واقعہ

مَیں ابھی نوجوان تھا قریباً بیس سال کی عمر تھی کہ میں تبدیلی آب وہوا کے لئے ڈلہوزی گیا۔ وہاں ایک مشہور پادری آئے ہوئے تھے جن کا نام غالباً فرگوسن تھا۔ انہوں نے سینکڑوں عیسائی بنا لئے تھے اور وہ پہاڑ پر بھی اپنے ٹریکٹ تقسیم کرتے اور عیسائیت کی تعلیم پھیلاتے رہتے تھے کچھ مسلمان جو غیرت مند تھے وہ مولویوں کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اس فتنہ کا مقابلہ کریں مگر انہوں نے جواب دیا کہ ہم سے تو مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ آخر وہ میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ چلیں اور اُن سے بات کریں ہم لوگ بڑے شرمندہ ہیں۔

مَیں ابھی چھوٹی عمر کا ہی تھا۔ اور میری دینی تعلیم ایسی نہ تھی لیکن مَیں ان کے کہنے پر تیار ہو گیا اور ہم چند آدمی مل کر ان کی کوٹھی کی طرف چل پڑے وہاں جا کر مَیں نے اُن سے کہا کہ پادری صاحب! مَیں آپ سے کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں اس وقت ہم میز پر بیٹھے ہوئے تھے اور میرے سامنے ایک پنسل پڑی ہوئی تھی۔ مَیں نے کہا فرمایئے اگر یہ پنسل اُٹھانے کی ضرورت ہو اور آپ اس وقت مجھے بھی آواز دیں کہ آؤ اور میری مدد کرو۔ اپنے ساتھیوں کو بھی آوازیں دینی شروع کریں۔ اپنے بیرے کو بھی بلائیں۔ اپنے باورچی کو بھی بلائیں۔ اپنے اردگرد کے ہمسائیوں کو بھی بلائیں اور جب سارا محلہ اکٹھا ہو جائے تو آپ اُن سے یہ کہیں۔ کہ یہ پنسل میز پر سے اُٹھا کر میرے ہاتھ میں دے دو تو وہ آپ کے متعلق کیا خیال کریں گے؟ کہنے لگے اس کا کیا مطلب ہے؟ میں نے کہا مطلب خود بخود آ جائے گا۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ یہ بات

معقول ہوگی اور اگر آپ ایسا کریں تو لوگ آپ کے متعلق کیا سمجھیں گے؟ کہنے لگا پاگل سمجھیں گے۔ مَیں نے کہا اب یہ بتایئے کہ باپ خدا میں اکیلے دنیا کو پیدا کرنے کی طاقت تھی یا نہیں؟ کہنے لگا تھی۔ میں نے کہا بیٹے خدا میں اکیلے دنیا کو پیدا کرنے کی طاقت تھی یا نہیں؟ کہنے لگا تھی۔ میں نے کہا۔ رُوح القدس خدا میں اکیلے دنیا کو پیدا کرنے کی طاقت تھی یا نہیں؟ کہنے لگا تھی۔ میں نے کہا۔ پھر یہ وہی پنسل والی بات ہوگئی کہ تینوں میں ایک جیسی طاقت ہے اور اس کام کے کرنے کے قابل ہیں۔ مگر تینوں بیٹھے وقت ضائع کر رہے ہیں حالانکہ وہ اکیلے اکیلے بھی دنیا کو پیدا کر سکتے تھے۔ مَیں نے کہا آپ یہ بتائیں کیا دنیا میں کوئی کام ایسا ہے جو باپ خدا کر سکتا ہے۔ اور بیٹا خدا نہیں کر سکتا۔ یا بیٹا خدا کر سکتا ہے اور روح القدس خدا نہیں کر سکتا۔ یا رُوح القدس خدا کر سکتا ہے اور باپ خدا نہیں کر سکتا یا بیٹا خدا کر سکتا اور باپ خدا نہیں کر سکتا؟ کہنے لگا کوئی نہیں۔ میں نے کہا پھر جھگڑا کیا ہے اگر دو خدا فارغ بیٹھے رہتے ہیں تو یہ بڑی مصیبت ہے کہ وہ کام تو کر سکتے ہیں مگر فارغ بیٹھے وقت ضائع کر رہے ہیں اور اگر ایک کام کو تینوں مل کر کرتے ہیں حالانکہ ان تینوں میں سے ہر ایک اکیلا اکیلا بھی وہ کام کر سکتا ہے تو یہ جنون کی علامت ہے۔ اس پر وہ گھبرا کر کہنے لگا۔ کہ عیسائیت کی اصل بنیاد کفّارہ کے مسئلہ پر ہے تثلیث کا مسئلہ تو ایمان کے بعد سمجھ میں آتا ہے مَیں نے کہا جب تک تثلیث سمجھ میں نہ آئے انسان ایمان نہیں لا سکتا۔ اور جب تک ایمان نہ لائے تثلیث سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ تو یہ تو دَورِ تسلسل ہو گیا۔ جس کو تمام منطقی ناممکن قرار دیتے ہیں اس پر وہ کہنے لگا کہ آپ مجھے معاف کریں کفارے پر بات کریں۔ (تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۲۲۔ ۲۳)

گناہ سے نفرت دلانے کا ایک واقعہ

انسانی فطرت بھی بعض چیزوں کو گناہ قرار دیتی ہے بغیر اس کے کہ شریعت انسان کی رہنمائی کرے۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے کہ ایک چور آپ کے پاس علاج کے لئے آیا۔ آپ نے اسے نصیحت کی کہ تم لوگوں کا مال لوٹ لیتے ہو یہ بہت بری بات ہے تمہیں اس قسم کی حرام کمائی سے بچنا چاہیئے اس نصیحت کو سن کر وہ کہنے لگا۔ واہ مولوی صاحب آپ نے بھی مولویوں والی ہی بات کی۔ بھلا ہمارے جیسا بھی کوئی حلال مال کماتا ہے۔ آپ تو تھوڑی دیر نبض پر ہاتھ رکھ کر فیس وصول کر لیتے ہیں اور ہم سردی کے موسم میں ٹھٹھرتے ہوئے اور اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھے ہوئے جاتے ہیں کس طرح ہمیں پولیس کا ڈر ہوتا ہے کس طرح قدم قدم پر ہمیں پکڑے جانے کا خوف ہوتا ہے مگر ہم تمام مصیبتوں کو برداشت کرنے

کے بعد جاتے ہیں اور اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال کر روپیہ لاتے ہیں بھلا ہم سے زیادہ حلال کمائی اور کس کی ہوسکتی ہے؟ آپ فرماتے تھے یہ سن کر میں نے جھٹ اُسے اور باتوں میں لگا دیا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد اس سے پوچھا کہ تم چوری کس طرح کرتے ہو؟ وہ کہنے لگا ہم سات آٹھ آدمی ملکر چوری کرتے ہیں ایک گھر کی ٹوہ لگانے والا ہوتا ہے جو بتاتا ہے کہ فلاں گھر میں اتنا مال ہے ایک سیدہ لگانے کا مشاق ہوتا ہے ایک باہر کھڑا پہرہ دیتا رہتا ہے دو آدمی گلی کے سروں پر کھڑے رہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص ادھر آئے تو وہ فوراً بتا دیں ایک آدمی اندر جانے والا ہوتا ہے اور ایک آدمی اچھا لباس پہن کر دور کھڑا ہوتا ہے جس کے پاس تمام مال ہم جمع کرتے جاتے ہیں تا کہ اگر کوئی دیکھ بھی لے تو شبہ نہ کرے بلکہ سمجھے کہ یہ کوئی شریف آدمی ہے جو اپنا مال لئے کھڑا ہے باقیوں نے اپنے جسم پر تیل ملا ہوا ہوتا ہے اور وہ لنگوٹ باندھ کر اپنی اپنی ڈیوٹی ادا کر رہے ہوتے ہیں۔ پھر ایک سُنار ہوتا ہے جس کو ہم تمام زیورات دے دیتے ہیں وہ سونا گلا کر ہمیں دے دیتا ہے اور ہم سب آپس میں ملکر تقسیم کر لیتے ہیں۔ جب وہ یہاں تک پہنچا تو حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ فرماتے تھے میں نے کہا اگر وہ سُنار سارا مال لے جائے اور تمہیں کچھ نہ دے تو پھر تم کیا کرو؟ اس پر وہ بے اختیار کہنے لگا کیا وہ اتنا بے ایمان ہو جائے گا کہ دوسروں کا مال کھا جائے؟ میں نے کہا معلوم ہوتا ہے تمہاری نگاہ میں بھی ایمان اور بے ایمانی میں کچھ فرق ضرور ہے۔ اور تمہاری فطرت سمجھتی ہے کہ فلاں فعل بے ایمانی ہے اور فلاں فعل نیکی ہے۔

لاہور میں ایک پادری سے گفتگو

مجھے یاد ہے مَیں چھوٹا تھا سترہ اٹھارہ سال میری عمر ہوگی کہ مَیں لاہور گیا۔ اور مجھے شوق پیدا ہوا کہ میں کسی پادری سے گفتگو کروں۔ لاہور کا سب سے بڑا پادری جو بعد میں مشنری کالج سہارنپور کا پرنسپل مقرر ہو گیا تھا۔ میں اس سے ملنے چلا گیا۔ اور مَیں نے اُس سے یہی سوال کیا کہ پہلے لوگ کس طرح نجات پاتے تھے؟ وہ کہنے لگا وہ بھی مسیحؑ پر ایمان رکھتے تھے۔ اور اس ایمان کی وجہ سے ہی انہوں نے نجات پائی۔ مَیں نے کہا اگر مَیں کہہ دوں کہ مجھ پر ایمان لاکر انہوں نے نجات پائی ہے تو پھر اس کا کیا حل ہوگا؟ وہ کہنے لگا پیشگوئی بھی تو ہونی چاہئے۔ مَیں نے کہا یہ ٹھیک ہے آپ یہ بتائیں کہ مسیحؑ کے متعلق کونسی پیشگوئی تھی؟ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیشگوئی پیش کی۔ میں نے کہا آپ ابراہیم علیہ السلام کی ساری پیشگوئیاں نکال لیں اگر ان میں ایک طرف یہ ذکر آتا ہے کہ میں اسحاقؑ کی اولاد کو یوں برکت دوں گا تو ساتھ ہی

اسماعیل کی اولاد کا بھی ذکر ہے۔ اگر آپ کا یہ حق ہے کہ آپ اس پیشگوئی کو مسیحؑ پر چسپاں کریں تو ہمیں کیوں یہ حق حاصل نہیں کہ ہم اس پیشگوئی کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں کر لیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے؟ پھر میں نے کہا پہلے آپ میرے اس سوال کا جواب دیں کہ کفارہ کی بنیاد اس بات پر ہے کہ مسیح خدا کا بیٹا تھا اگر وہ ابراہیمؑ کا بیٹا تھا تو کفارہ نہیں ہوسکتا۔ میرے اس سوال پر اس نے بڑے چکر کھائے حالانکہ وہ پچپن ساٹھ سال کی عمر کا تھا۔ آخر گھنٹہ بھر کی بحث کے بعد وہ ہاتھ جوڑ کر کہنے لگا مجھے معاف فرمائیں۔ یونانی میں ایک مثل ہے۔ کہ ہر بیوقوف سوال کرسکتا ہے مگر جواب دینے کے لئے عقلمند انسان چاہئے گویا اس نے مجھے بیوقوف بنایا۔ اور اپنے متعلق کہا کہ میں اتنا عقلمند نہیں کہ ہر بیوقوف کا جواب دے سکوں۔ میرا ابھی اس وقت جوانی کا زمانہ تھا۔ مَیں بھلا کب رُکنے والا تھا مَیں نے کہا مجھے بڑا افسوس ہے مَیں آپ کو عقلمند سمجھ کر ہی آیا تھا تو مسیحؑ اگر ابراہیمؑ کی اولاد میں سے تھا تو کفارہ ہوجاتا اور اگر وہ خدا کا بیٹا تھا تو ابراہیمؑ کی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔ گویا دونوں صورتوں میں اعتراض پیدا ہوتا ہے ایک صورت میں مسیحؑ کفارہ نہیں بن سکتا اور دوسری صورت میں ابراہیمؑ کی پیشگوئی پوری نہیں ہوتی۔

(تفسیر کبیر جلد چہارم صفحہ ۵۶۔۵۷)

مَیں نے اوپر لاہور کے ایک پادری کا ذکر کیا ہے جو بعد میں سہارنپور مشنری کالج کا پرنسپل ہوگیا۔ میری اس سے جو گفتگو ہوئی اس کا ایک حصہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اب گفتگو کا دوسرا حصہ بیان کرتا ہوں۔

اس پادری کا نام غالباً وُڈ تھا۔ مَیں نے اس سے کہا۔ پادری صاحب! آپ یہ بتائیں کہ ٹھنڈے پانی اور گرم پانی کو اگر آپس میں ملائیں تو کیا ہوگا۔ وہ کہنے لگا پانی سمویا جائے گا۔ کچھ گرم پانی کی گرمی کم ہوجائے گی۔ اور کچھ سرد پانی کی سردی کم ہوجائے گی۔ ایک درمیانی سی کیفیت پیدا ہوجائے گی۔ مَیں نے کہا اب یہ بتایئے شیطان پہلے آدم کے پاس گیا تھا۔ یا حوا کے پاس؟ کہنے لگا حوّا کے پاس مَیں نے کہا شیطان کا مقصود کیا تھا۔ کیا حوا کو بگاڑنا مقصود تھا یا آدمؑ کو بگاڑنا مقصود تھا؟ کہنے لگا شیطان کا مقصود تو آدم کو بگاڑنا تھا مَیں نے کہا جب آدم مقصود تھا تو وہ براہِ راست آدم کے پاس کیوں نہیں گیا۔ راستے میں چکر کاٹنے کی اُسے کیا ضرورت تھی۔ اس نے کہا وہ براہ راست آدم کے پاس اس لئے نہیں گیا کہ اُس نے سمجھا حوا کمزور ہے اور میں آسانی سے ورغلا لوں گا اس کے بعد آدم کو یہ حوا خود بخود ورغلا لے گی۔ میری ضرورت نہیں رہے گی۔ مَیں نے کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ حوا آدم سے کمزور تھی۔ کہنے لگا ہاں۔ میں نے کہا جب حوا آدم سے کمزور تھی اور

گناہ کا ارتکاب پہلے اُسی نے کیا۔ اور اُسی نے آدم کو ورغلایا تو وہ وجود جو صرف حوا سے پیدا ہوا وہ بے گناہ کس طرح ہو گیا؟ مَیں نے کہا آپ گرم اور ٹھنڈے پانی کی مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے یوں سمجھ لیں کہ آدم کی مثال ٹھنڈے پانی کی سی تھی اور حوا کی مثال گرم پانی کی سی تھی۔ ان دونوں کے ملنے سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ لازماً اتنی گنہگار نہیں ہو سکتی جتنی وہ اولاد گنہگار ہو سکتی ہے جو صرف حوا سے پیدا ہوئی۔

پس مسیحؑ جو حوا سے پیدا ہوا وہ دوسرے لوگوں کی نسبت زیادہ گنہگار تھا۔ کہنے لگا۔ کیا مٹی میں سے سونا نہیں نکلتا؟ میں نے کہا ہمارا اور آپ کا سارا جھگڑا ہی یہی ہے اگر مٹی میں سے سونا نکل سکتا ہے تو پھر آدمؑ کو آپ بے شک گنہگار کہیں مگر ساتھ ہی یہ بھی مانیں کہ اس کی اولاد نیک ہو سکتی ہے ضروری نہیں کہ وہ گنہگار ہی ہو۔ اب جو میں نے اس طرح پکڑا تو کہنے لگے مٹی میں سے سونا نہیں نکلتا۔ سونے میں سے سونا نکلتا ہے۔ آدم چونکہ گنہگار تھا اس لئے اس کی اولاد بھی ضرور گنہگار ہو گی وہ نیک نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ سونے میں سے سونا نکلتا ہے مَیں نے کہا تو پھر حوا کا بیٹا دوسروں سے زیادہ گنہگار ماننا پڑے گا۔ کیونکہ حوا آدم سے زیادہ گنہگار تھی۔ اس نے نہ صرف خود درخت کا پھل کھایا بلکہ آدم کو بھی کھلایا اور اس طرح وہ دوہری گنہگار بنی۔ اس پر وہ پھر جھنجلا کر کہنے لگا۔ مٹی کی کان میں سے سونا نہیں نکلتا۔ کان مٹی کی ہوتی ہے مگر اندر سے سونا نکل آتا ہے میں نے کہا تو پھر آدمؑ کے متعلق بھی یہی نظریہ تسلیم کر لیں کہ گو وہ گنہگار تھا۔ مگر اس کی اولاد میں سے ایسے لوگ بھی پیدا ہو سکتے ہیں جو نیک ہوں اور ہر قسم کے عیوب سے پاک ہوں۔

مدعی نبوت کے بارے میں ایک اعتراض کی وضاحت

سید احمد نور صاحب کابلی جو ۱۹۵۶ء سے پہلے فوت ہو چکے ہیں نبوت کا دعویٰ کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک دوست ان کے پاس گئے تو واپس آ کر مجھے کہنے لگے کہ اُن کی اور باتوں کا جواب تو مجھے آ گیا ہے لیکن ایک دلیل کو مَیں ردّ نہیں کر سکا اور وہ یہ کہ انہوں نے کہا تم لوگ مجھے پاگل کہتے ہو حالانکہ قرآن شریف میں یہ لکھا ہے کہ جتنے نبی اور رسول آئے سب کو لوگ پاگل کہا کرتے تھے پس تمہارا مجھے پاگل کہنا میری صداقت کی دلیل ہے میرے جھوٹے ہونے کی دلیل نہیں مَیں نے ان سے کہا کہ یہ تو بالکل سیدھی بات تھی نبی کو اس کے دعویٰ کے بعد محض اس کے دعویٰ کی وجہ سے لوگ پاگل کہتے ہیں لیکن سید احمد نور صاحب سے کہئے کہ آپ نے تو ابھی دعویٰ بھی نہیں کیا تھا کہ ہم آپ کو رسیوں سے باندھا کرتے تھے۔ پس ایک پاگل کا اپنے آپ کو نبی کہنا اور چیز ہے اور نبی کو لوگوں کا پاگل کہنا بالکل اور چیز ہے۔ اگر تو نبوت کے دعویٰ کے بعد

لوگ انہیں پاگل کہنے لگ جاتے پہلے وہ دماغی لحاظ سے بالکل ٹھیک ہوتے تو کچھ دلیل بھی تھی لیکن انہیں تو دعویٰ سے پہلے ہی کئی دفعہ جنون کی وجہ سے رسیوں سے باندھا جا چکا ہے۔تو یہ دلیل بھی غلط استعمال ہونے لگ گئی ہے۔اسی طرح ایک نبی کی صداقت کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ اس کی سابق زندگی اتنی شاندار ہوتی ہے کہ ہر قسم کے حالات میں سے گزرنے کے باوجود لوگ اس کی زندگی کو بالکل بے عیب پاتے ہیں اِرد گرد کے لوگ آتے ٹٹولتے ہیں۔ایسے حالات گزرتے ہیں جب جھوٹ کے بغیر اس کی نجات کی کوئی صورت نہیں ہوتی مگر پھر بھی وہ جھوٹ نہیں بولتا اور لوگوں پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ شخص نیک اور راستباز انسان ہے لیکن عام آدمیوں کی زندگیاں نمایاں نہیں ہوتیں۔بیسیوں چور ہوتے ہیں لیکن لوگوں کو معلوم نہیں ہوتا کہ وہ چور ہیں بیسیوں جھوٹے ہوتے ہیں مگر چونکہ ان کے حالات لوگوں کے سامنے نہیں آتے۔اس لئے وہ مخفی رہتے ہیں پس یہ آیت صرف انبیاء ہی اپنے اوپر چسپاں کر سکتے ہیں وہ لوگوں کو چیلنج دیتے ہیں کہ تم نے ہماری زندگیوں کو دیکھا۔تم نے ہمارے حالات کو دیکھا۔تم نے ہمارے اخلاق وعادات کی جستجو کی مگر تم نے یہی دیکھا کہ ہم جھوٹ بولنے والے نہیں۔پس جب ہم انسانوں پر جھوٹ نہیں بولتے تو یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ہم خدا پر جھوٹ بولنے لگ جائیں۔

میاں نظام الدین صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے متعلق واقعہ

ہماری جماعت کے ایک دوست میاں نظام الدین صاحب کا ایک مشہور واقعہ ہے جو مَیں نے بارہا سنایا ہے کہ وہ ابھی بیعت میں شامل نہیں تھے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اگر میں قرآن کریم کی سو آیتیں ایسی نکلوا کر لے آؤں جن سے حیات مسیح ثابت ہوتی ہو تو کیا آپ مان جائیں گے کہ حضرت عیسیٰ زندہ ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔سو آیتوں کا کیا سوال ہے آپ ایک آیت ہی پیش کر دیں تو میں ماننے کے لئے تیار ہوں۔انہوں نے کہا کہ میں دس آیتیں تو ضرور لا کر آپ کو دکھاؤں گا اور یہ کہہ کر خوش خوش مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کے پاس گئے تا کہ قرآن سے ایسی آیتیں نکلوا لائیں۔مولوی محمد حسین صاحب ان دنوں لاہور میں تھے۔حضرت خلیفہ اولؓ فرماتے تھے کہ اس مسئلہ کا قرآن سے فیصلہ ہونا چاہئے اور مولوی محمد حسین صاحب یہ کہتے تھے کہ حدیثیں بھی شامل ہونی چاہئیں۔آخر بڑی بحث اور ردّ وکد کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ نے مان لیا کہ بخاری بھی شامل کر لی جائے۔مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو فخر کرنے کی بہت عادت تھی۔حضرت خلیفہ اولؓ نے جب ان کی اتنی

بات مان لی کہ بخاری سے بھی تائیدی رنگ میں ثبوت پیش کیا جا سکتا ہے تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ مسجد میں بیٹھ کر انہوں نے لاف زنی شروع کر دی کہ مولوی نورالدینؓ نے یوں دلیل دی اور میں نے اسے یوں پکڑا۔ اس نے اس طرح کہا اور میں نے اسے اس طرح گرایا۔ اتنے میں میاں نظام الدین صاحب بھی وہاں جا پہنچے اور کہنے لگے مولوی صاحب ان بحثوں کو چھوڑ یئے۔ میں مرزا صاحب کو منوا کر آیا ہوں کہ اگر میں قرآن سے دس آیتیں ایسی نکلوا کر لے آؤں جن سے حیات مسیح ثابت ہوتی ہو تو وہ اپنے عقیدہ کو ترک کر دیں گے آپ مہربانی فرما کر مجھے جلدی سے ایسی دس آیتیں قرآن سے لکھ دیں تا کہ میں مرزا صاحب کے سامنے پیش کروں۔

مولوی صاحب جو فخر و مباہات سے کام لے رہے تھے اور بار بار کہہ رہے تھے کہ میں نے مولوی نورالدینؓ کو یوں رگیدا اسے اس طرح پکڑا اور اس طرح گرایا۔ ان کے تو یہ بات سنتے ہی حواس اڑ گئے اور جوش میں کہنے لگے تجھے کس پاگل اور جاہل نے کہا تھا کہ تو اس معاملہ میں دخل دیتا۔ میں دو مہینے بحث کر کر کے مولوی نورالدین کو حدیث کی طرف لایا تھا تو پھر اس مسئلہ کو قرآن کی طرف لے گیا ہے۔ یہ اتنا گندہ فقرہ تھا کہ میاں نظام الدین صاحب جو اپنے دل میں اسلام سے محبت رکھتے تھے اسے برداشت نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر تک حیرت سے ان کا منہ دیکھتے رہے اور پھر کہنے لگے۔ مولوی صاحب اگر یہی بات ہے تو پھر جدھر قرآن ہے ادھر ہی میں ہوں۔ چنانچہ وہ وہاں سے واپس آئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت میں شامل ہو گئے۔

دورانِ سفرِ حج کا ایک عجیب وغریب واقعہ

اسی طرح میں جب حج کے لئے گیا تو ہمارے ایک رشتہ دار جو ہمارے نانا جان مرحوم کی ہمشیرہ کے بیٹے تھے اور اس لحاظ سے ہمارے ماموں تھے اور بھوپال کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اور ان کے ساتھ ہی ایک اور شخص نے جو بھوپال کے رہنے والے تھے اور نواب جمال الدین خاں صاحب کے نواسے تھے اور جن کا نام خالد تھا۔ ہمارے خلاف سخت شورش شروع کر دی اور لوگوں کو یہ کہہ کر بھڑکانا شروع کر دیا کہ یہ لوگ کفر پھیلاتے ہیں اور ساتھ ہی مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کو (جو اس سال حج کو گئے تھے) مباحثہ کے لئے آمادہ کرنا شروع کیا اور ان کی غرض یہ تھی کہ اس طرح ان کا اعلان کثرت سے ہوگا اور مباحثہ ہوا تو لوگ جوش میں آ کر انہیں قتل کر دیں گے۔ گورنمنٹ کو انہوں نے یا ان کے ساتھیوں نے توجہ دلائی کہ ان

کے خلاف فوری کارروائی کرے اور اس فتنہ کو بڑھنے سے روکے۔ لیکن ہمیں ان کی اس اشتعال انگیزی کا کوئی علم نہ تھا۔ میں ایک دن ایک عرب عالم مولانا عبدالستار کبتی کو جو شریف مکہ کے بیٹوں کے استاد تھے۔ تبلیغ کے لئے گیا وہ بہت ہی شریف الطبع آدمی تھے۔ عقیدۃً وہابی تھے مگر اپنے آپ کو وہابی ظاہر نہیں کرتے تھے بلکہ حنبلی ظاہر کرتے تھے۔ انہوں نے باتوں باتوں میں اپنے متعلق خود ہی بتایا کہ میں ہوں تو اہل حدیث لیکن یہاں اہل حدیثوں کو چونکہ لوگ سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لئے میں اپنے آپ کو ظاہر نہیں کرتا۔ تعلیم کا کام بھی میں مفت اس لئے کرتا ہوں تا کہ شریف کے خاندان کی امداد حاصل رہے۔ اس پوزیشن میں ہونے کی وجہ سے کوئی شخص میرے خلاف شرارت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ آدمی بڑے شریف تھے۔ میں ان کو کافی دیر تک تبلیغ کرتا رہا۔ جاتی دفعہ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے مجھے ایک کتاب کے متعلق فرمایا تھا کہ اس کا عرب ممالک سے پتہ لگانا۔ انہیں بھی کتابوں کا شوق تھا۔ میں نے ان سے اس کتاب کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ کتاب میرے پاس تو نہیں لیکن حلب کے کتب خانہ میں موجود ہے۔ جب میں تبلیغ سے فارغ ہوا تو وہ کہنے لگے۔ آپ نے مجھے تو تبلیغ کر لی ہے اور آپ کی باتیں بھی معقول ہیں لیکن میرے سوا اور کسی کو آپ تبلیغ نہ کریں ورنہ آپ کی جان کی خیر نہیں۔ لوگ بہت جوش میں ہیں۔ اگر آپ نے تبلیغ کی تو خطرہ ہے کہ آپ پر کوئی شخص حملہ نہ کر بیٹھے یا حکومت ہی آپ کو قید نہ کر دے۔ میں نے اس پر تعجب کا اظہار کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ کو معلوم نہیں آپ کے خلاف بعض لوگوں نے یہاں اشتہار شائع کیا ہے اور لوگ سخت جوش میں بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے کہا کس نے وہ اشتہار شائع کروایا ہے؟ تو انہوں نے کہا ایک تو اس اشتہار کے محرک فلاں مولوی صاحب ہیں۔ میں نے کہا کہ وہ تو میرے ماموں ہیں اور کون صاحب ہیں؟ انہوں نے کہا دوسرے بھوپال کے ایک رئیس ہیں جن کا نام خالد ہے۔ ان دونوں نے آپ کے خلاف اشتہار دیا ہے یا دلوایا ہے اور لکھا ہے کہ اگر انہیں اپنے دعاوی کی صداقت پر یقین ہے تو مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے مباحثہ کرلیں۔ مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی بھی ان دنوں وہیں تھے اور ہمارے ماموں کا یہ خیال تھا کہ مکہ میں چونکہ باقاعدہ حکومت کوئی نہیں۔ اس لئے اگر مباحثہ ہوتو لوگ انہیں مار ڈالیں گے اور اس طرح ایک کانٹا نکل جائے گا۔ مولانا عبدالستار صاحب کبتی فرمانے لگے۔ میں نے مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی سے کہا ہے کہ کہیں جوش میں مباحثہ نہ کر بیٹھنا کیونکہ یہاں احمدیوں کی اتنی مخالفت نہیں جتنی وہابیوں کی ہے۔ اس لئے لوگوں کو کیوں خوا ہمخواہ اپنے خلاف

اشتعال دلاتے ہو۔ احمدیوں کے خلاف کسی کو اشتعال آیا یا نہ آیا۔ تمہارے خلاف تو لوگ ضرور بھڑک اٹھیں گے۔ اس لئے وہ تو شائد اس ڈر سے مقابلہ نہ کریں کہ کہیں شورش زیادہ نہ ہو جائے مگر آپ کسی اور کو اب تبلیغ نہ کریں۔ ایسا نہ ہو کہ آپ کو کوئی نقصان پہنچ جائے۔ میں نے کہا۔ آپ کس کی طرف سے زیادہ خطرہ سمجھتے ہیں؟ انہوں نے ایک عالم کا نام لیا کہ اسے تو بالکل تبلیغ نہ کرنا۔ میں نے کہا۔ میں تو اسے ایک گھنٹہ تبلیغ کر کے آ رہا ہوں۔ وہ حیران ہو کر بولے پھر کیا ہوا؟ میں نے کہا تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد وہ غصہ اور جوش کی حالت میں کہہ دیتے تھے کہ نہ ہوئی تلوار ہمارے قبضہ میں ورنہ تمہارا سر اڑا دیتا۔ غرض وہ ہمارے ماموں اور بھوپال کے رئیس ہمارے خلاف لوگوں کو خوب بھڑکاتے رہے لیکن ادھر حج ختم ہوا اور ادھر مکہ میں ہیضہ پھوٹ پڑا جو اتنا شدید تھا کہ لوگ گلیوں میں مردوں کو پھینک دیتے تھے۔ دفن کرنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا تھا۔ یہ دیکھ کر نانا جان گھبرا گئے اور انہوں نے کہا کہ ہمیں جلدی واپس چلنا چاہیئے۔ چنانچہ ہم نے واپسی کی تیاری شروع کر دی اور آخری ملاقات کے لئے نانا جان صاحب مرحوم اپنی بہن اور بھانجہ سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر گئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ جب ہم وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک جنازہ پڑا ہے لوگ جمع ہیں اور تدفین کی تیاری ہو رہی ہے۔ نانا جان نے ان لوگوں سے پوچھا کہ یہ کس کا جنازہ ہے۔ لوگوں نے ہمارے ماموں کا نام لیا کہ ان کا انتقال ہو گیا ہے۔ منیٰ سے واپس آئے تھے کہ ہیضہ کا حملہ ہو گیا اور تھوڑی دیر میں ہی فوت ہو گئے۔ ایک کا تو یہ حال ہوا۔

جب ہم جدّہ پہنچے تو جدّہ کے انگریزی قونصل خانہ میں بھی ہمارے ننھیال کے ایک رشتہ دار ہیڈ کلرک تھے۔ بھوپال کے جس رشتہ دار کا میں نے ذکر کیا ہے۔ وہ تو نانا جان مرحوم کے رشتہ داروں میں سے تھے اور یہ نانی اماں صاحبہ مرحومہ کے رشتہ داروں میں سے تھے یہ ایک عجیب بات ہے کہ جتنے نانی اماں کی طرف سے تھے وہ بالعموم محبت کرنے والے تھے (مگر اب حالات وہ نہیں رہے) یہ غالباً ان کی خالہ کے لڑکے تھے اور ہم سے بہت محبت کرتے تھے۔ ٹکٹ چونکہ کم تھے اور لوگ جلدی واپس ہونا چاہتے تھے اس لئے ٹکٹ ملنے میں سخت دشواری تھی ہم نے ان سے کہا کہ ٹکٹوں کا جلدی انتظام کر دیں تا کہ ہم پہلے جہاز پر واپس ہو سکیں۔ انہوں نے جہاز دان کمپنی کے دفتر میں مجھے بٹھا دیا اور میں اس کی کھڑکی کے قریب بیٹھ گیا۔ یہ کھڑکی بہت اونچی تھی اور وہاں ہاتھ بمشکل اونچا کر کے آ سکتا تھا۔ اتنے میں ایک نوجوان جو دبلے پتلے سفید رنگ کے تھے۔ اس کھڑکی کے نیچے آئے۔ انہوں نے مجھے بیٹھے ہوئے دیکھ کر خیال کیا کہ شائد میں کمپنی کا

ملازم ہوں۔ چنانچہ مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ یہاں کیوں بیٹھے ہیں؟ میں نے کہا کہ آپ کا اس سے کیا مطلب؟ انہوں نے کہا میرا مقصد یہ ہے کہ کیا آپ کمپنی میں کام کرتے ہیں۔ میں نے کہا میں کمپنی میں کام نہیں کرتا کہنے لگے تو کیا کمپنی سے کوئی اور تعلق ہے؟ میں نے کہا کمپنی سے کسی قسم کا تعلق نہیں۔ وہ کہنے لگے پھر آپ کمپنی کے دفتر میں بیٹھے کیوں ہو۔ میں نے کہا۔ میرے ایک عزیز مجھے یہاں بٹھا گئے ہیں اور وہ خود ٹکٹوں کی خرید کا انتظام کر رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے کہا ہمارا قافلہ تیس بتیس عورتوں اور مردوں پر مشتمل ہے اور اس وقت سخت مصیبت کا سامنا ہے مگر ہمیں سب سے زیادہ فکر عورتوں کا ہے۔ ہیضہ کی وجہ سے عورتیں تو پاگل ہو رہی ہیں۔ اگر آپ دس بارہ ٹکٹ خرید دیں تو ہم عورتوں کو یہاں سے نکال دیں۔ مردوں کے ساتھ جو گزرے گی۔ گزر جائے گی میں نے کہا عورتیں اکیلی کس طرح جائیں گی۔ اس پر وہ کہنے لگے کہ اگر آپ دو چار اور ٹکٹ لے دیں تو کچھ مرد بھی ان کے ساتھ جا سکیں گے اور آپ کی یہ بڑی مہربانی ہو گی میں نے کہا ٹکٹوں کی خرید کے ساتھ میرا کوئی تعلق تو نہیں مگر میں کوشش کرتا ہوں وہ فوراً پیچھے پلٹ کر گئے اور واپس آ کر ایک تھیلی روپوں کی انہوں نے مجھے پکڑا دی جب میرے وہ عزیز اس کمرہ میں آئے تو میں نے ان سے کہا۔ ماموں ان لوگوں کی حالت بہت قابلِ رحم ہے۔ آپ ان کو بھی ٹکٹ لا دیں۔ وہ اس وقت کسی بات پر چڑے ہوئے تھے کہنے لگے کیا میں کوئی ایجنٹ ہوں کہ ٹکٹ لاتا پھروں۔ میں نے کہا یہ رحم کا معاملہ ہے۔ آپ ضرور کوشش کریں اور اگر ان کے لئے نہیں تو کم از کم میری خاطر ہی کچھ ٹکٹ لا دیں۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس دفتر میں چلے گئے اور میں نے سمجھا کہ یہ کچھ مدد نہ کر سکیں گے مگر تھوڑی ہی دیر میں وہ غالباً سترہ ٹکٹ لے کر واپس آئے اور میرے ہاتھ میں ٹکٹ پکڑا دیئے۔ میں نے وہ ٹکٹ اور باقی روپے کھڑکی میں سے ان صاحب کو پکڑوا دیئے اور وہ لے کر چلے گئے۔ شائد دوسرے ہی دن جب میں جہاز پر سوار ہونے کے لئے گیا تو مجھے کچھ دیر ہو گئی تھی جہاز چلنے ہی والا تھا۔ وہ نوجوان جہاز کے دروازہ پر ہی مجھے ملے اور کہنے لگے آپ نے اتنی دیر لگا دی جلدی کریں جہاز تو چلنے والا ہے چنانچہ انہوں نے مزدوروں پر زور دے کر جلد جلد میرا اسباب جہاز میں رکھوایا اور پھر بڑی ممنونیت کا اظہار کیا کہ آپ نے بڑا احسان کیا جو ہمیں ٹکٹ لے دیئے۔ ورنہ ہمارا سوار ہونا بالکل ناممکن تھا۔ میں نے کہا آپ کی تعریف؟ کہنے لگے میرا نام خالد ہے اور میں نواب جمال الدین خان صاحب کا نواسہ ہوں۔

اب سوچو! وہ صاحب جو مجھے مکہ میں بحث مباحثہ میں ڈال کر مروانے کے موجب ہو رہے تھے جب

انہیں میرے نام کا پتہ لگا ہوگا تو وہ کس قدر شرمندہ ہوئے ہوں گے کہ میں نے ان سے کیا سلوک کرنا چاہا تھا اور انہوں نے مجھ سے کیا سلوک کیا۔ چنانچہ اس کے بعد انہوں نے جہاز پر میری کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ بھوپال کی جماعت کی یہ رپورٹ ہے کہ وہ جماعت کے دوستوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے بعد سارے سفر میں وہ میرے ممنون احسان رہے اور اصرار کرتے رہتے تھے کہ ان کے ساتھ کھانا کھایا جائے یا چائے پی جائے۔

الہامات حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک اعتراض کا جواب

ہم نے دیکھا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر لوگ ہمیشہ یہ اعتراض کیا کرتے تھے کہ آپ ان باتوں پر زور دیتے ہیں کہ مجھے یہ الہام ہوا ہے مگر اور امور کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ آپ اس کے جواب میں فرمایا کرتے تھے کہ سارے نقائص اور عیوب خدا تعالیٰ سے بُعد کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں اگر لوگوں کو خدا تعالیٰ کی ذات کے متعلق یقین پیدا ہو جائے۔ تو ان سے گناہ سرزد نہ ہوں۔ میں لوگوں کے سامنے خدا تعالیٰ کے تازہ بتازہ الہامات اور اس کے نشانات معجزات کو بار بار اس لئے پیش کرتا ہوں کہ ان کے دلوں میں خدا تعالیٰ کے متعلق یقین پیدا ہو جائے۔ جس دن ان کے دلوں میں سچا یقین پیدا ہوا اور انہوں نے مجھے مان لیا تو یہ عیوب آپ ہی آپ دور ہو جائیں گے۔ غرض جب تک لوگ نبوت کی کھلی مخالفت نہیں کرتے۔ جزئیات کی طرف زیادہ توجہ دلائی جاتی ہے اور انہیں کہا جاتا ہے کہ تم میں یہ بھی نقص ہے۔ وہ بھی نقص ہے مگر جب وہ کھلے بندوں نبی کی مخالفت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب وہ کہتے ہم اس نبی کو اور اس نبی کے ماننے والوں کو کچل کر رکھ دیں گے اس وقت ان کے نقص کو جو بنیادی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے کلام پر ایمان میں کمی اسے سامنے رکھ کر اس کی اصلاح پر زور دیا جاتا ہے اور اس میں باقی تمام جزئیات کی اصلاح آ جاتی ہے۔

اجتہادی غلطی پر مباحثہ

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے موضوع پر مباحثہ شروع ہوا۔ مناظرہ کے دوران مخالف مولوی صاحب نے کہا۔ مرزا صاحب نے یہ جو یہ کہا ہے نبیوں سے بھی اجتہادی غلطی ہونے کا امکان ہے اور اس کے ثبوت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اَسْرَعُكُنَّ لُحُوْقًا بِیْ اَطْوَلُكُنَّ یَدًا جو آپؐ نے

اپنی مرض الموت میں فرمایا پیش کیا ہے یعنی حضور کی بیویوں کے اس سوال پر کہ حضور کے بعد سب سے پہلے کون سی بیوی وفات پائے گی؟ حضور کا یہ فرمان جو تم میں سے لمبے ہاتھوں والی ہے اور حضور کی ازواج مطہرات کا آپ کے سامنے سرکنڈا منگوا کر اپنے ہاتھ ناپنا اور حضرت سودہ بنت زمعہ کے ہاتھوں کا لمبا نکلنا اور آپؐ کے بعد پہلے دوسری بیوی حضرت زینب ام المساکین کا وفات پانا اور لمبے ہاتھوں سے مراد سخاوت کرنے والی بیوی مراد ہونا تھا۔

مخالف مولوی نے یہ اعتراض کیا کہ مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ بیویوں کے آپ کے روبرو سرکنڈا منگوا کر ہاتھ ناپے لیکن حضورؐ نے منع نہیں فرمایا۔ حالانکہ ہاتھ آپؐ کے سامنے نہیں ناپے گئے بلکہ بعد میں کسی وقت ناپے گئے۔ مرزا صاحب نے کیسے لکھ دیا اور کس لفظ سے استدلال کیا کہ بیویوں نے آپؐ کے سامنے اپنے ہاتھ ناپے تھے۔ حدیث میں اس کی صراحت موجود نہیں۔ اس پر حافظ غلام رسول صاحب جو ہماری طرف سے مناظر تھے مجھے فرمانے لگے کہ اس کا کیا جواب ہے تو میں نے مخالف مولوی صاحب کو بلند آواز سے کہا کہ آپ حدیث پڑھیں۔ میرے اصرار پر ایک مولوی نے حدیث پڑھی۔ میں نے کہا حدیث میں جو **فَجَعَلْنَ** کے الفاظ ہیں ان سے ثابت ہوتا ہے ہاتھ ناپنے کا فعل حضور کے سامنے حضور کی زواج مطہرات نے سرانجام دیا کیونکہ ف کا عمل عربی میں تاکید اور فوری طور پر عمل کرنے کے لئے آتا ہے اگر ہاتھ حضور کے سامنے نہ ناپے جاتے اور بعد میں یہ کام ہوتا تو **ثُمَّ جَعَلْنَ** کے الفاظ ہوتے۔ جب میں نے اس دلیل کو شرح و بسط سے بیان کیا اور صرفی نحوی قواعد کے ماتحت اس کا ثبوت دیا تو مخالف مولوی میدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور احمدیت کی نمایاں فتح ہوئی اور سب احمدی بہت خوش ہوئے۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک**۔

حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ

(ولادت 1909ء، وفات 1982ء)

ولادت باسعادت

حضرت مرزا ناصر احمد (خلیفہ المسیح الثالثؒ) کی پیدائش الٰہی نوشتوں کے مطابق ۱۵ اور ۱۶ر نومبر ۱۹۰۹ء کی درمیانی شب کو قادیان ضلع گورداسپور (پنجاب) ہندوستان میں ہوئی اس موقع پر قادیان سے شائع ہونے والے اخبار ''الحکم'' نے ۱۸ نومبر ۱۹۰۹ء میں یہ خبر دی:

ساقیا آمدن عید مبارک بادت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے صاحبزادہ والاتبار مرزا محمود احمد کے مشکوئے معلیٰ میں ۱۵ر نومبر کی رات کو جس کی صبح ۱۶ر نومبر ہے، بیٹا عطا فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس مولود مسعود کو اپنے مقدس جد امجد کے کمالات واخلاق کا پورے طور پر وارث بنائے اور بفضلہٖ ذیل الہامات کا مصداق ہو۔

۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء بوقت شام انا نبشرك بغلام حليم۔ ہم تجھے ایک حلیم لڑکے کی خوش خبری دیتے ہیں۔

۹ر اکتوبر ۱۹۰۷ء ساهب لك غلاماً ذكيا۔ رب هب لى ذرية طيبة انا نبشرك بغلام اسمه يحيى

۳۱ر اکتوبر ۱۹۰۷ء انا نبشرك بغلام حليم۔ ينزل منزل المبارك۔

مظهر الحق والعلا حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور حضرت سیدہ ام ناصر محمودہ بیگم نوراللہ مرقدھا کے آپ فرزند اکبر تھے آپ کا وجود اپنے آباء واجداد اور والدین کی دعاؤں کا ثمرہ تھا۔

چونکہ آپ کی دادی حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ نے آپ کو بچپن ہی سے اپنی آغوش محبت میں لے کر اپنا بیٹا بنالیا تھا اس لئے آپ ہمیشہ انہیں ہی اپنی ماں سمجھتے تھے۔

آپ کی حقیقی والدہ جو خواتین مبارکہ میں اُم ناصرؓ کے نام سے معروف ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مخلص صحابی حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدینؓ کی بڑی صاحبزادی تھیں۔ام ناصرؓ کا اصل نام رشیدہ بیگم تھا حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ شادی کے بعد حضرت اماں جان نے ان کا نام تبدیل کر کے محمودہ بیگم رکھ دیا لیکن حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کی ولادت کے بعد وہ ام ناصر کے نام سے معروف ہوئیں۔

حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین لاہور کے رہنے والے تھے اور رڑکی میں ملازم تھے۔اس لئے حضرت مصلح موعودؓ کا نکاح رڑکی میں ہوا۔حضرت مصلح موعودؓ ۲/اکتوبر ۱۹۰۲ءکو حضرت مولوی نورالدینؓ اور بعض اور صحابہ کے ہمراہ قادیان سے رڑکی پہنچے۔حضرت مولوی نورالدینؓ نے صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محموداحمدؓ کا نکاح حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کی صاحبزادی رشیدہ بیگم کے ساتھ ایک ہزار روپے مہر پر پڑھا۔حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین کے بھائی مخالف تھے اس لئے وہ اس نکاح میں شامل نہ ہوئے۔ ۵/اکتوبر ۱۹۰۲ءکو یہ قافلہ واپس قادیان پہنچا۔تقریب رخصتانہ اکتوبر ۱۹۰۳ء کے دوسرے ہفتے میں آگرہ میں عمل میں آئی جہاں تبدیل ہو کر حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدینؓ میڈیکل کالج میں پروفیسر تھے۔

حضرت سیدہ ام ناصرؓ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے بڑی بہو ہونے کا شرف حاصل ہے حضرت مصلح موعودؓ کی زیادہ تر اولاد ان ہی میں سے ہوئی۔حضرت سیدہ ام ناصرؓ بہت سی خوبیوں کی حامل تھیں نہایت درجہ خدا رسیدہ،غریب پرور اور ہمدرد خلائق خاتون مبارکہ تھیں۔نیکیوں اور قربانیوں میں ان کا مقام بہت بلند تھا۔''الفضل'' اخبار جاری کرنے کے لئے انہوں نے اپنے مقدس خاوند کو دو قیمتی زیور پیش کر دیئے اور اسی سرمایہ سے یہ اخبار جاری ہوا۔

حضرت ام ناصرؓ اور حضرت مصلح موعودؓ کی رفاقت کا زمانہ پچپن چھپن سالوں تک پھیلا ہوا ہے۔ان کا انتقال ۳۱/جولائی ۱۹۵۸ءکو مری میں ہوا اور ربوہ میں تدفین عمل میں آئی۔ ان کا مزار حضرت ام المومنین نصرت جہاں بیگمؓ کے پہلو میں احاطہ خاص بہشتی مقبرہ ربوہ میں ہے۔

حضرت مرزا ناصر احمدؓ کے والد حضرت مصلح موعود مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ ۱۲/جنوری ۱۸۸۹ءکو الٰہی

پیشگوئیوں کے مطابق پیدا ہوئے۔ ۲۵ سال کی عمر میں سیدنا حضرت حکیم مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اولؓ کی وفات کے اگلے روز ۱۴ / مارچ ۱۹۱۴ء کو خلافت ثانیہ کے مسند پر متمکن ہوئے اور ایک انقلابی اور نہایت ہی کامیاب نصف صدی پر پھیلا ہوا دورِ خلافت مکمل کر کے ۸ / نومبر ۱۹۶۵ء کو فوت ہوئے۔

حضرت اماں جانؓ کی آغوشِ محبت میں پرورش

الٰہی وعدوں کے مطابق چونکہ آپ نے بھی بڑے ہو کر حمایت دین اسلام کی جدوجہد میں جماعت احمدیہ کی قیادت کرنی تھی اور اپنے جد امجد کے ان انوار کو جن کی ان کے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی تھی دنیا میں پھیلانا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت بچپن ہی سے آپ کو آپ کی دادی حضرت ام المومنین سیدہ حضرت نصرت جہاں بیگم المعروف حضرت اماں جانؓ نے اپنی گود میں لے لیا۔ وہ آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کی روشنی میں اپنے چوتھے بیٹے مبارک احمد کا نعم البدل اور اپنا (پانچواں) بیٹا خیال فرماتی تھیں حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ وہ مقدس خاتون تھیں جن کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کی عظیم بشارتوں کے ماتحت شادی کی جن کے ذریعے اس مبارک نسل کا سلسلہ چلا جس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے ان الفاظ میں فرمائی تھی:

ینزل عیسی ابن مریم الی الارض فیتزوج و یولد له۔ (مشکوٰۃ)

ترجمہ: عیسیٰ ابن مریم نزول فرمائیں گے۔ وہ شادی کریں گے اور اُن کی اولاد ہوگی۔

دراصل حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب کو بہت بچپن سے ہی آپ کی دادی حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگمؓ نے اپنے پاس رکھ لیا تھا۔ چنانچہ اس بارہ میں آپ کی بہن صاحبزادی سیدہ ناصرہ بیگم صاحبہؓ بیان فرماتی ہیں کہ:

”............ میرے بھائی ہمارے گھر سے حضرت اماں جان نور اللہ مرقدھا کے گھر برائے پرورش و تربیت منتقل ہو گئے۔ کبھی بچپن میں زیادہ بیمار ہوتے تو امی جان مرحومہ کے پاس بھیج دیئے جاتے ورنہ حضرت اماں جان کی زیر تربیت اور ان کی نگرانی میں رہے“۔

آپ کی زندگی کے مختصر کوائف درج ذیل ہیں:

❁ 24 / فروری 1917ء کو آپ کے ختم قرآن پر آمین کی تقریب منعقد ہوئی۔

❁ 17 / مارچ 1922ء کو آپ نے حفظِ قرآن کریم مکمل کیا۔

❁ جولائی 1929ء میں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے ''مولوی فاضل'' کی ڈگری حاصل کی۔

❁ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے 2/جولائی 1934ء کو آپ کا نکاح صاحبزادی منصورہ بیگم صاحبہ بنت حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کے ساتھ پڑھا۔

❁ 6/ستمبر 1934ء کو آپ اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہوئے اور 1938ء میں واپس تشریف لائے۔

❁ 1939ء تا 1944ء آپ پرنسپل جامعہ احمدیہ رہے۔

❁ 1944ء میں آپ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج بنائے گئے اور 1965ء تک رہے۔

❁ 1939ء تا 1949ء آپ مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر اور 1949ء تا 1954ء خدام الاحمدیہ کے نائب صدر رہے۔

❁ 1954ء تا 1965ء آپ مجلس انصار اللہ کے صدر رہے۔

❁ 1959ء میں آپ افسر جلسہ سالانہ مقرر ہوئے اور نومبر 1965ء تک یہ عظیم خدمت بجالاتے رہے۔

❁ 1955ء تا نومبر 1965ء آپ بطور صدر صدر انجمن احمدیہ خدمات بجالاتے رہے۔

❁ 9/نومبر 1965ء کو آپ خلیفۃ المسیح الثالث منتخب ہوئے۔

بچپن میں محبت الٰہی کے جلوے

معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے ساتھ بچپن سے اللہ تعالیٰ کا سلوک امتیازی تھا۔ جہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کی مقدس دادی حضرت اماں جانؓ، آپ کے بزرگ والد مصلح موعودؓ اور آپ کی والدہ حضرت ام ناصرؓ کو نہایت محبت اور لگن کے ساتھ آپ کی پرورش اور تربیت کرنے کی توفیق بخشی وہاں آپ کے بچپن سے ہی محبت الٰہی کے جلوے نظر آتے ہیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ بھی براہ راست آپ سے پیار کرتا تھا اور آپ کے منہ سے نکلی ہوئی ہر بات کو پورا کرتا تھا۔ آپ کے والد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس قسم کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں جس سے پتہ لگتا ہے کہ کس طرح آپ کے منہ سے نکلی ہوئی بات اللہ تعالیٰ پوری فرماتا تھا۔ فرمایا:

''مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ دریا پر گیا۔ بھائی عبدالرحیم صاحب جو میرے استاد رہے ہیں اور

کچھ اور دوست میرے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ جب ہم کشتی میں بیٹھے دریا کی سیر کر رہے تھے تو میرے لڑکے ناصر احمد نے اپنے بچپن کے لحاظ سے کہا کہ ابا جان اگر اس وقت ہمارے پاس مچھلی بھی ہوتی تو بڑا مزہ آتا۔ میں نے کہا لوگ کہتے ہیں کہ پانیوں میں خواجہ خضر کی حکومت ہے۔ اگر خواجہ خضر کوئی مچھلی ہماری طرف پھینک دیں تو تمہاری یہ خواہش پوری ہو سکتی ہے۔ جب میں نے یہ فقرہ کہا تو بھائی عبدالرحیم صاحب جھنجھلا کر کہنے لگے کہ آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ اس سے بچے کی عقل ماری جائے گی۔ میں نے کہا ہمارے خدا میں تو سب طاقتیں ہیں وہ چاہے تو ابھی مچھلی بھجوا دے۔ میں نے یہ فقرہ ابھی ختم ہی کیا تھا کہ یکدم پانی کی ایک لہر اٹھی اور ایک بڑی سی مچھلی کود کر ہماری کشتی میں آ گری۔ میں نے کہا۔ دیکھ لیجئے خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت نمائی کر دی اور ہمارے دل میں جو خواہش پیدا ہوئی تھی وہ اس نے پوری کر دی۔ خواجہ خضر بے شک وفات پا چکے ہیں مگر ہمارا خدا جو ہمارا خالق اور مالک ہے اور سمیع الدعا ہے وہ تو زندہ ہے اور وہ ہمارے جذبات کو جانتا ہے اس نے اس خواہش کو دیکھا اور میری بات کو پورا کر دیا''۔

(حیات ناصر جلد صفحہ 46-47)

مسکراتے ہوئے گرفتاری پیش کرنا

آپ کی صاحبزادی امتہ الشکور صاحبہ بیان کرتی ہیں:

''جب ۱۹۵۳ء کے فساد ہوئے تو ایک دن صبح ہی صبح فوج رتن باغ لاہور (جہاں ہمارا قیام تھا) پہنچ گئی۔ فجر کی نماز کا وقت ہو رہا تھا۔ فرمانے لگے۔ ان سے کہو انتظار کریں۔ میں نماز پڑھ کر آیا۔ امی ان دنوں بیمار تھیں اور ہسپتال داخل تھیں۔ فوج کے آنے کی خبر بالکل پرسکون انداز میں اس طرح سنی جیسے پہلے ہی جانتے تھے۔ خیر فوج نے تلاشی وغیرہ لی صرف ایک چھوٹا سا پرانا تاریخی خنجر اسے ملا جو کہ امی کو جہیز میں ملا تھا اور حجتہ اللہ حضرت نواب محمد علی خان صاحب مرحومؓ کے آباؤ اجداد کے وقت کا چلا آ رہا تھا۔ اس پر ابا کو لے گئے۔ بہت کڑا وقت تھا۔ ابا نے کہا۔ میں کپڑے بدل لوں تو چلتا ہوں۔ فوج والا کمرے کے دروازہ پر کھڑا رہا۔ میں حلمی۔ (میری بہن امتہ الحلیم) اور میرے بھائی انس اور چھوٹا بھائی فرید ہم ایک لائن میں کھڑے تھے۔ آنکھوں سے آنسو، دل کی عجیب حالت۔ ہمارے پاس آئے سب کو ملے پھر میرے

چہرے پر تھپکی دے کر بولے "مسکراؤ مسکراؤ" وہ پہلا سبق تھا جو مشکل وقت میں مسکرانے کا ابا نے دیا۔ آپ بھی مسکرا رہے تھے ہمیں بھی مسکرانے کا کہہ رہے تھے"۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 171)

تلاشی کے دوران ایک معجزہ

۱۹۷۹، ۱۹۸۰ء کے زمانے کی بات ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے اسلام آباد میں مغرب وعشاء کی نمازوں کے بعد مجلس عرفان میں اپنی گرفتاری کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس وقت آپ لاہور میں تھے صاحبزادہ مرزا لقمان احمد پیدا ہونے والے تھے اور آپ اپنی بیگم سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کو ہسپتال داخل کروا کر آئے۔ تہجد کی نماز پڑھ کر تکیے پر سر رکھا ہی تھا کہ الہاماً بتایا گیا کہ گرفتاری ہونے والی ہے اور اس سے چند ہی لمحوں کے بعد ملٹری آ گئی اور اس نے تلاشی لینا چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ جب وہ آپ کی شیروانی کی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے لگے جو الماری میں کھونٹی کے ساتھ لٹک رہی تھی تو اس کی ایک جیب میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ کا ایک خط تھا جس میں اگرچہ کوئی ایسی بات نہیں تھی جس سے کوئی خطرہ لاحق ہوتا لیکن آپ پسند نہیں کرتے تھے کہ وہ خط کی تلاشی لینے والا افسر پڑھے۔ جب تلاشی لینے والے افسر نے ایک جیب کی تلاشی لی اور اپنا ہاتھ دوسری جیب میں ڈالنا چاہا جس کے اندر خط تھا تو شیروانی جیسے گھوم گئی اور اس کا ہاتھ پھر پہلی جیب میں چلا گیا اور اس طرح دو تین مرتبہ ہوا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت سے وہ خط ان کے ہاتھ نہ لگا۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 171-172)

قید کے دوران ایک معجزہ

آپ کے بڑے صاحبزادے مرزا انس احمد صاحب روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک مرتبہ بیان فرمایا کہ قید کر کے جس کمرے میں پہلے پہل آپ کو رکھا گیا وہ بہت تنگ تھا اور اس میں بالکل ہوا نہیں آتی تھی۔ آپ نے دل میں دعا کی کہ اے اللہ! ہم تیری رضا پر راضی ہیں لیکن اگر اس وقت ذرا ہوا چل پڑے تو گرمی کی شدت کم ہو اور آپ کو کچھ نیند آ جائے۔

آپ فرماتے ہیں کہ دل میں یہ دعا کرنے کی دیر تھی کہ ہوا چلی اور اگرچہ کمرہ ہر طرف سے بند تھا لیکن اس کا اثر کمرے کے اندر بھی ہوا اور آپ کو نیند آ گئی۔ اس واقعہ کا ذکر آپ نے خود بھی بعض مواقع پر کیا۔ چنانچہ مستورات سے خطاب کرتے ہوئے جلسہ سالانہ ۱۹۶۹ء پر فرمایا:

''میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ جب ایک موقع پر ظالمانہ طور پر ہمیں بھی قید میں بھیج دیا گیا۔ گرمیوں کے دن تھے اور مجھے پہلی رات اس تنگ کوٹھڑی میں رکھا گیا جس میں ہوا کا کوئی گزر نہیں تھا اور اس قسم کی کوٹھڑیوں میں ان لوگوں کو رکھا جاتا ہے جنہیں اگلے دن پھانسی پر لٹکایا جانا ہو۔ زمین پر سوتا تھا۔ اوڑھنے کے لئے ایک بوسیدہ کمبل تھا اور سرہانے رکھنے کے لئے اپنی اچکن تھی۔ بڑی تکلیف تھی۔ میں نے اس وقت دعا کی کہ اے میرے رب! میں ظلم کر کے، چوری کر کے، کسی کی کوئی چیز مار کر یا غصب کر کے یا کوئی اور گناہ کر کے اس کوٹھڑی میں نہیں پہنچا۔ میں اس جگہ اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ جہاں تک میرا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ میں تیرے نام کو بلند کرنے والا تھا۔ میں اس جماعت میں شامل تھا جو تو نے اس لئے قائم کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی محبت دلوں میں پیدا کی جائے۔ میرے رب! مجھے یہاں آنے سے کوئی تکلیف نہیں، مجھے کوئی شکوہ نہیں، میں کوئی گلہ نہیں کرتا، میں خوش ہوں کہ تو نے مجھے قربانی کا ایک موقع دیا ہے اور میری اس تکلیف کی میری اپنی نگاہ میں بھی کوئی حقیقت اور قدر نہیں ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں اس جگہ جہاں ہوا کا گزر نہیں سو نہیں سکوں گا۔ میں یہ دعا کر رہا تھا اور میری آنکھیں بند تھیں۔ میں بلا مبالغہ آپ کو بتاتا ہوں کہ مجھے ایسا محسوس ہوا کہ میرے نزدیک ایک ائیر کنڈیشنر لگا ہوا ہے اور اس سے ایک نہایت ٹھنڈی ہوا نکل کر پڑنی شروع ہوئی اور میں سو گیا۔ غرض ہر دکھ کے وقت، ہر مصیبت کے وقت میں جب عظیم منصوبے بنائے گئے ان اوقات میں اللہ تعالیٰ کا پیار آسمان سے آیا اور اس نے ہمیں اپنے احاطہ میں لے لیا اور ہمیں تکلیفوں اور دکھوں سے بچایا اور اسی لذت اور سرور کے سامان پیدا کئے کہ دنیا اس سے ناواقف ہی نہیں اس کی اہل بھی نہیں ہے''۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 173-174)

قید کے دوران آپ کا مثالی کردار

۱۹۵۳ء کے مارشل لاء کے دوران لاہور سے جن احمدی مجاہدین کو گرفتار کیا گیا تھا ان میں مکرم محمد بشیر صاحب زیروی بھی تھے وہ لکھتے ہیں:

''جب ہمیں میڈیکل ہوسٹل کے نیلا گنبد کے بڑے گیٹ پر کھلے کیمپ سے جیل بھیجنے کے لئے اکٹھا کیا گیا تو وہاں اس عاجز کی ملاقات میاں صاحب سے ہوئی۔ وہاں سے ہمیں ایک ٹرک پر بٹھا کر جیل کی طرف لے گئے۔ حضرت میاں ناصر احمد صاحب نے ٹرک میں بیٹھتے ہی بلند آواز میں قرآنی دعا لا الٰہ الا انت سبحانك انی کنت من الظلمین کا ورد شروع کر دیا جس سے دلوں میں سکینت واطمینان کی

لہر دوڑنا شروع ہوگئی۔

حضرت میاں شریف احمد صاحب ہم سب میں بڑے تھے اور صحت کے لحاظ سے بھی کمزور مگر حوصلہ کے اعتبار سے ازحد مضبوط و مستحکم، کہ جب ہمارے چہروں کو پریشان یا ہمیں اضطراب سے دعائیں کرتے دیکھتے تو فوراً ہماری دلی گھبراہٹ کو بھانپ جاتے اور حضرت میاں ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سے فرماتے۔ یہ بچے تو مجھے دل چھوڑتے معلوم ہوتے ہیں ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب ہمیں اپنے مخصوص انداز میں ہر آنے والے وقت کے لئے تیار کرتے رہتے مجھے ان کی یہ ادا کبھی نہیں بھولے گی کہ جب ہم میں سے ایک نوجوان نے اپنے بیان میں کسی قدر جھوٹ ملایا تو حضرت میاں شریف احمد صاحب بیتاب ہوگئے۔ اس کے بعد آپ بار بار فرماتے کہ ''اب یہ سزا سے نہیں بچ سکتا۔ اس نے اپنا ثواب بھی ضائع کرلیا'' اور پھر ہم میں سے ایک ایک سے مل کر فرماتے۔

''بیٹا ہم خدا کی خاطر یہاں آئے ہیں۔ یہ ہمارے ایمانوں کی آزمائش ہے۔ اگر ہم آزمائش میں پورے نہ اترے تو (ہم) جیسا بدنصیب کوئی نہ ہوگا اور اگر اس آزمائش میں کامیاب ہوگئے تو اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہوں گے۔ اگر ہم نے جھوٹ بولا تو اس کی نصرت سے محروم ہوجائیں گے۔ خواہ کتنی بڑی سزا مل جائے مگر سچ کا دامن کسی صورت میں بھی نہیں چھوڑنا''

حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت تو اسی لمحہ میں ہمارے ساتھ ہوگئی تھی جب مارشل لاء حکام کے ذہن میں خیال بھی گزرا ہوگا کہ اب گرفتاریوں میں توازن قائم رکھنے کے لئے جماعت احمدیہ کے افراد کو بھی پکڑا جائے بلکہ یہ جسارت بھی کہ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر بھی ہاتھ ڈالا جائے............جیل میں پہلی رات نہایت ہی کرب میں گزری۔ صبح ہوئی، ہمیں ان کوٹھڑیوں سے باہر نکالا گیا۔ ہم ضروری حاجات سے فارغ ہوکر اللہ تعالیٰ کے حضور سربسجود ہوئے اور باہر اپنے کمبل بچھا کر بیٹھ گئے حضرت میاں ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے میری اداسی دیکھ کر فرمایا۔ سورۃ ملک یاد ہے؟ فرمایا سناؤ چنانچہ اس عاجز نے سورۃ ملک سنائی۔ پھر فرمایا۔ کوئی خواب آئی ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضور آئی ہے۔ فرمایا۔ سناؤ۔ چنانچہ میں نے عرض کیا کہ ''حضور میں نے دیکھا ہے کہ ہمارے لئے ایک ریلوے لائن تیار ہوئی ہے جس کے بائیں پہلو سے ایک چھوٹی سی لائن تیار ہوئی ہے جیسے کہ ٹرالی وغیرہ کے لئے ہوتی ہے۔ وہ صرف میرے لئے ہے اس کے آگے بھی مین لائن ہے اس کے ساتھ کچھ لوگ پگھلا ہوا مزید لوہا دائیں جانب چمٹا رہے ہیں۔''

یہ سنتے ہی آپ نے فرمایا کہ آپ توانٹیروگیشن Interrogation میں ہی رہا ہوجائیں گے مگر اس سے آگے آپ خاموش ہو گئے ...... اتنے میں ناشتے کا وقت ہو گیا چنانچہ جیل سے ہمارا ناشتہ آ گیا جو ابلے ہوئے چنوں کا تھا۔ میں نے ان چنوں کی طرف کچھ ترچھی سی نگاہوں سے دیکھا کہ اب ہمیں یہ کھانے ہوں گے۔ حضرت میاں صاحب فوراً میرے چہرے کے تاثرات ہی سے میرے دل کی کیفیت اور میرا تردد بھانپ گئے اور فوراً ان کو چادر پر ہاتھ سے بکھیرنے کے بعد انہیں خود مزے مزے لے لے کر کھانا شروع کر دیا۔ آپ کھاتے بھی جاتے تھے اور فرماتے بھی جاتے تھے ''بشیر صاحب دیکھئے یہ تو بے حد لذیذ ہیں''۔ اللہ! اللہ! آپ نے ہمیں کس کس طرح تکلیف کے ان دنوں کو حوصلہ اور بشاشت سے گزارنے کے آداب سکھائے۔ ان کا ہاتھ دسترخوان کی طرف بڑھ جانے کے بعد بھلا کس کی مجال تھی جو نہ کھاتا...... غالباً اسی دن کی دوپہر سے حضرت اقدس کے گھر سے کھانا شروع ہو گیا جو اس قدر ہوتا تھا کہ ہم سب سیر ہو کر کھا لیتے تو پھر بھی بچ جاتا تھا...... یہاں بھی ہماری دلجوئی مدنظر رہی۔ کھانا آتا تو آپ سارا کھانا میرے سپرد فرما دیتے اور فرماتے ''ساقی صاحب اسے تقسیم کریں'' اور خود میرے گھر سے آیا ہوا کھانا لے بیٹھتے کہ میں تو یہ کھاؤں گا۔ جو نہایت ہی سادہ ہوتا تھا...... میرے اصرار کے باوجود میرا وہ سادہ سا کھانا حضور خود تناول فرماتے اور رتن باغ سے آیا ہوا کھانا ہم کھاتے .... حضور پرنور اور حضرت صاحبزادہ میاں شریف احمد صاحب جب تک ہمارے پاس رہے ایک لمحہ کے لئے بھی ہمیں اداس اور غمگین نہیں ہونے دیا اور ہمیں واقعات سنا سنا کر ہمارے حوصلے بلند فرماتے رہے گویا جیل میں بھی ہر روز مجلس علم وعرفان جمی رہیں۔

ایک دن مجھے پریشان سا دیکھ کر نہایت ہی بے تکلفی سے فرمانے لگے...... ''تمہیں پانچ سال قید ہوگی ...... عرض کیا ...... ''میرے حق میں اس پاکیزہ منہ سے تو کلمہ خیر ارشاد فرمائیں'' فرمانے لگے ''میرا مطلب ہے think of the worst جیل میں میں نے آپ کو ایک لمحہ کے لئے بھی پریشان نہیں پایا بلکہ یوں محسوس ہوتا تھا کہ جیل میں اس مرد بحران کی صحت روز بروز بہتر ہو رہی ہے۔ میں نے ایک دن عرض کیا کہ چونکہ میری گرفتاری اچانک اور غیر متوقع تھی ...... میری بھوک پیاس ختم ہوگئی لہٰذا ناشتہ بھی نہ کر پایا .... فرمایا ''جب مجھے گرفتار کیا گیا تو میں نے پہلے نہایت ہی اطمینان سے غسل کیا پھر سیر ہو کر ناشتہ کیا کیونکہ ایسے وقتوں میں مجھے خوب بھوک لگتی ہے اس کے بعد کپڑے تبدیل کئے'' ......

ہر وقت خوش رہتے اور ہمیں خوش رکھنے کی کوشش فرماتے اور ہمارے ذہنوں میں یہ احساس پیدا کرتے

رہتے کہ یہ آزمائش اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔اس میں کامیابی کے بعد ہم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کی بے شمار بارشیں ہوں گی لہٰذا ہمیں استقلال کے ساتھ اور دعاؤں کے ساتھ ان لمحات کو مسکراتے ہوئے گزارنا چاہئے............

جمعہ کا دن تھا۔ اس دن میری انٹیروگیشن (Interrogation) تھی اور حضرت میاں صاحبان کی ٹرائیل (trial) تھی۔اس عاجز کی پردہ پوشی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سامان فرمایا کہ اسی کار میں جس میں آپ کو سنٹرل جیل سے بورسٹل جیل میں لایا گیا اس عاجز کو بھی لایا گیا۔راستے میں حضور ہدایات دیتے رہے کہ کسی سے بھی فضول باتیں نہیں کرنی بلکہ کوشش کریں کہ کسی سے کوئی بات ہی نہ ہو نیز استغفار پر زور دیں گویا اپنے سے زیادہ میری فکر تھی......اس عاجز کو حضرت میاں صاحبان کی معیت میں بہتر (۷۲) گھنٹے سے زیادہ ہی رہنے کا موقع ملا اور میں نے آپ کو بہت قریب سے خوب خوب ہی دیکھا۔ ہر لمحہ اور ہر آن ان کی رفاقت ہمارے ایمانوں میں اضافہ کا باعث بنی رہی اور آج تک میرے دل ودماغ پر **کالنقش فی الحجر** ہے......

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دن خواب میں ظاہر فرما دیا تھا۔عین اسی کے مطابق یہ عاجز تو انیٹروگیشن (Interrogation) ہی میں رہائی پا گیا اور حضرت میاں صاحبان چند ماہ بعد رہا ہو گئے“۔

(حیات ناصر جلد اول صفحہ 174-175)

سیاہ بادل برس نہ سکا

چوہدری محمد علی صاحب سابق پرنسپل تعلیم الاسلام کالج ربوہ لکھتے ہیں:

”اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور احسانوں کے بھی عجیب عجیب معجزے دیکھے۔ جب ہال کا لنٹل (Lintel) پڑنے والا تھا اور کثیر مقدار میں سیمنٹ اور مصالحہ بھگو کر تیار کیا جا چکا تھا تو سیاہ بادل اٹھا اور گھر کر چھا گیا۔آپ نے ہاتھ اٹھا کر بادل کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا جس کا مفہوم یہ تھا کہ یہ غریب جماعت کی خرچ کی ہوئی رقم ہے۔اگر تو برسا تو یہ رقم ضائع ہو جائے گی۔جا یہاں سے چلا جا۔دراصل آپ کی اللہ کے حضور یہ ایک رنگ میں فریاد تھی جو قبول ہوئی اور جس طرح ابر آیا تھا اسی طرح چلا گیا“۔

(حیات ناصر جلد اول صفحہ 189)

امتحانی پرچہ کشفی طور پر دکھایا جانا

آپ نے اپنی خلافت کے دوران ایک بار بیان فرمایا کہ ان دنوں اگرچہ آپ بطور پرنسپل تو اپنی ذمہ داریاں پوری طرح ادا کر لیتے تھے لیکن غیر معمولی جماعتی مصروفیات اور حضرت مصلح موعودؓ کے تفویض کردہ کاموں کی وجہ سے اپنی کلاس کو پورا وقت نہ دے سکتے تھے اور اس طرح پورا سلیبس ختم نہیں ہو سکتا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ دعا کے نتیجے میں اکثر اوقات ایسا ہوتا کہ آپ کو رؤیا میں اس سال کا یونیورسٹی کا پرچہ نظر آجاتا اور آپ کلاس کو بتائے بغیر ان سوالات پر مشتمل جامع نوٹس تیار کر کے چند لیکچروں میں اس مضمون کے متعلقہ حصے پڑھا لیتے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ آپ کے مضمون میں کلاس کا نتیجہ ہمیشہ باقی مضامین سے بہتر ہوتا۔ آپ کے شاگرد صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب اس امر کے چشم دید گواہ ہیں۔ اس ضمن میں وہ اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۵۸، ۱۹۵۹ء کے سال غیر معمولی دینی مصروفیت کی وجہ سے آپ اپنی بی۔اے کی کلاس کو سیاسیات کے مضمون کا پورا کورس ختم نہ کروا سکے اور اس دوران سالانہ امتحان شروع ہو گیا۔ سیاسیات کے پرچے سے تقریباً دو روز قبل آپ نے ان کو ایک کاغذ پر تین سوالات لکھ کر بھجوائے اور ان کے جوابات بھی ٹائپ کروا کر بھجوائے اور فرمایا کہ یہ بھی پڑھ لینا اور باقی کلاس کے لڑکوں کو بھی بتا دینا۔ صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے ایک سوال مارشل لاء کی حکومت میں اور آئینی حکومت میں صدر مملکت کے اختیارات کے بارے بھی تھا اور ۱۹۵۸ء کے مارشل لاء کی وجہ سے ہمارا یہ خیال تھا کہ یہ سوال تو امتحان میں بالکل نہیں آ سکتا بہرحال ہم نے یہ تینوں سوال تیار کر لئے اور جب سیاسیات کا یونیورسٹی کا پرچہ آیا تو اس میں یہ تینوں سوالات موجود تھے۔ اس موقع پر آپ نے ان سوالات کا کوئی پس منظر بیان نہیں کیا۔ بعد میں خلافت کے دوران ایک جلسہ کے دوران خطاب فرماتے ہوئے اس امر کا اظہار فرمایا کہ وہ پرچہ آپ کو کشفی حالت میں دکھایا گیا تھا۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 220-221)

جلسہ دہلی ۱۹۴۴ء

تقسیم ملک سے پہلے ۱۹۴۴ء میں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو انکشاف فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامی پیشگوئیوں میں جس فرزند دلبند گرامی ارجمند مصلح موعود کا ذکر ہے وہ آپ ہی ہیں تو آپ نے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں اس پیشگوئی کے متعلق جلسے کئے۔ دہلی جو

برصغیر کی مرکزی حکومت کا دارالسلطنت تھا۔اس میں بھی پیشگوئی مصلح موعود کے سلسلہ میں ایک عظیم الشان تاریخی جلسہ ہوا اس جلسہ پر مخالفین نے حملہ کر دیا۔ اس موقع پر آپ بطور صدر مجلس خدام الاحمدیہ حفاظت کی ڈیوٹی پر متعین تھے۔اس کا ذکر کرتے ہوئے آپ نے فرمایا:

''حضرت مصلح موعود کا جو جلسہ مصلح موعود ۱۹۴۴ء میں دہلی میں ہوا تھا اس پر چالیس ہزار آدمیوں نے حملہ کیا تھا اور میں تھا اس وقت خدام الاحمدیہ کا صدر۔ میں کچھ رضا کار لے کر حفاظت پر مامور تھا۔ میں نے ان کو ہدایت کی کہ کسی سے لڑنا نہیں۔ ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے کہ کسی کو کچھ کہیں لیکن ان کو اتنا قریب بھی نہ آنے دینا کہ اگر پتھر پھینکیں تو ہمارے پنڈال میں آ کر گریں، اس سے ابتری پھیلے گی، چنانچہ پہرے پر کھڑے ہو گئے اور ایک وقت میں حضرت مصلح موعود کو خیال آیا کہ بہت زیادہ جوان باہر نہ چلے جائیں تو آپ نے کہا کہ سو سے زیادہ خدام باہر کھڑے نہ ہوں۔ لاؤڈ سپیکر کام نہیں کر رہا تھا جس کی وجہ سے وہاں خرابی پیدا ہو گئی، تو خیر خدام دوڑے ہوئے میرے پاس آئے کہ حضرت صاحب کا حکم ہے۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ابھی دیکھتے ہیں۔ پہلے میں نے بھی نہیں دیکھا تھا۔بس ساتھی لئے تھے اور کام شروع کر دیا تھا۔جب گنتی کی تو ہم سب ستر تھے، سو بھی نہ تھے اور چالیس ہزار کا مجمع ہمارے سامنے تھا۔خوف اگر کسی کے دل میں تھا، (تو) ان کے دل میں تھا۔ ہمارے دل میں نہیں تھا خدا تعالیٰ کا ایک نشان میں بتا دیتا ہوں۔ میں نے دور سے دیکھا۔ ہم سے غفلت یہ ہوئی کہ عورتیں جلسہ میں شامل ہوئی تھیں اور قنات تھی Open Space میں ڈبل قنات لگائی ہوئی تھی ہماری جماعت نے۔ایک تو عورتوں کے جلسہ گاہ کے اردگرد تھی اور ایک پچاس چالیس قدم وہاں سے ہٹ کر دوسری قنات لگائی ہوئی تھی اچانک میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ہمارا کوئی رضا کار نہیں اور ایک پہلوان تین چار من کا بڑا مضبوط دور سے دیکھا کہ وہ تیر کی طرح سیدھا عورتوں پر حملہ کرنے کے لئے دوڑا چلا جا رہا ہے۔اس وقت وہاں کوئی پہنچ ہی نہیں سکتا تھا۔ ہم نے کہا دیکھیں یہاں ہوتا کیا ہے۔ خدام تو بکھرے ہوئے تھے۔ بڑی استغفار کی کہ غفلت ہو گئی۔ وہاں وہ قنات کے پاس گیا اور جھکا اور قنات کے بانس کو اکھاڑا اور ہمیں دور سے یہ نظر آیا کہ کسی نے اندر سے سوٹی ماری ہے اس کے سر پر اور وہ واپس بھاگا۔ میں حیران تھا کہ وہاں رضا کار کوئی ہے نہیں اور نہ وہاں کوئی عورت گئی سوٹی مارنے کے لئے، آخر بات کیا ہوئی ہے بہت استغفار کیا کہ وہاں رضا کار ہونا چاہئے۔ جب جا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس نے جھٹکے کے ساتھ بانس کو زمین سے باہر نکالا تھا وہ دیمک

خوردہ تھا جھٹکے سے وہ اپنے نصف سے ٹوٹا اور اسی بانس کا اوپر کا نصف اس کے سر پر پڑا اور اس طرح وہ بھاگ گیا''۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 251-252)

بھمبر سے سوکھا تالاب جاتے ہوئے راستہ میں ایک عجیب واقعہ پیش آیا کہ جو گائیڈ ہمیں راہنمائی کے لئے دیا گیا تھا وہ چلتے چلتے ایک دم ایک جگہ بیٹھ کر اپنا دایاں ٹخنہ پکڑ کر کراہنے لگا حضور جو چند قدم پیچھے تھے فوراً بھاگ کر اس کے پاس پہنچے۔ معلوم ہوا کہ اسے بچھو نے ڈس لیا ہے۔ حضور نے اسے تسلی دی اور اس کے سامنے بیٹھ کر **بسم اللہ** اور **ھو الشافی** پڑھ کر اس کے ٹخنے کو سہلانے لگے۔ یہ عمل کوئی دو یا تین منٹ تک جاری رہا اس کے بعد اس شخص کے چہرے پر رونق ابھرنے لگی یہاں تک کہ وہ ہشاش بشاش اچھل کر کھڑا ہو گیا اور قافلہ پھر روانہ ہو پڑا۔ حضور آگے آگے تھے ہم دونوں پیچھے پیچھے تھے کہ اس نے مجھ سے کہا۔ آپ کے صاحب تو ''بڑے کرنی والے'' ہیں یہ گفتگو خاص بلند آواز سے نہیں ہو رہی تھی مگر آپ نے سن لی اور فوراً مڑ کر ہمارے پاس آئے اور گائیڈ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

''دیکھو اس میں کسی کرامت کا دخل نہیں ہے اگر چاہو تو میرے جیسے کرنی والے تم بھی بن سکتے ہو۔ بس اتنا کیا کرو کہ جب آموں کو بور آ جائے تو موسم میں اس بور کو اچھی طرح اپنے ہاتھوں میں رگڑ رگڑ کر مل لیا کرو۔ اس بور کا کم از کم سال بھر اثر ضرور رہتا ہے۔''

پھر ہنس کر فرمایا:

''ایسا کرنے کے بعد تم بھی میری طرح کرنی والے بن جاؤ گے۔''

اس وضاحت ونصیحت کے بعد جب ہم نے اپنا سفر شروع کیا تو مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

''ثاقب! یہ بھی شرک کی ایک قسم ہے۔ شرک ہمیشہ باریک در باریک راہوں سے انسانی جذبات و محسوسات پر وار کرتا ہے اسے اس کا موقع نہیں دینا چاہئے اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ فوراً ہی بتا دوں کہ یہ تاثیر دراصل اللہ تعالیٰ نے اس بور میں رکھ دی ہے۔ بور رچے ہاتھ زخم پر پھیرنے سے مچھر، بھڑ اور بچھو تک کا درد اور زہر خدا تعالیٰ کے فضل سے جلد دور ہو جاتا ہے۔ عطائی اور فریب کار اس کو معجزہ کے طور پر پیش کر کے ہی جہلا کو لوٹتے رہتے ہیں۔''

اگلا سارا دن اور رات ان جیالوں کے دمدموں میں گزری۔ رات کے گیارہ بجے تک تو باتیں ہوتی رہیں۔ مجھ سے میرا کلام سنتے رہے اور پھر ابھی آنکھ لگی ہی تھی کہ تڑ تڑ کی آوازوں سے کھل گئی۔ آپ فوراً یہ

آوازیں سنتے ہی رائفل پکڑ کر سکائی لائن، کی طرف بھاگ پڑے۔ معلوم ہوا کہ بربط کے جیالوں کی پٹرول پارٹی کی ریچھ کے سپاہیوں کی پٹرول پارٹی سے مڈبھیر ہوگئی تھی جس میں دشمن کے دوفوجی ڈھیر ہوئے۔ یہ مڈبھیڑ اس رات تین دفعہ ہوئی گویا یہ ساری رات آنکھوں میں ہی کٹ گئی اور حضرت صاحبزادہ صاحب نے سکائی لائن پر ادھر سے ادھر بھاگتے ہوئے صبح کر دی۔ واضح رہے کہ ''بربط'' اس پہاڑی کا کوڈ نام تھا اور ''ریچھ'' مجاہدوں نے اس پہاڑی کا کوڈ نام رکھا ہوا تھا جو وادی کے دوسری طرف تھی۔

اگلے دن دوپہر سے کچھ پہلے ہی ہم لوٹ پڑے کیونکہ واپسی کا سفر ہمیں بمباروں سے بچتے بچاتے طے کرنا تھا اور پھر بھمبر اور مارف ہیڈکوارٹر سے ہوتے ہوئے نماز مغرب سے چند منٹ قبل اپنے Base Camp میں پہنچ گئے۔ وضو کیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب نے نماز پڑھائی۔ جوں ہی سنن سے فارغ ہوئے۔ کیمپ کے انچارج نے حضرت صاحبزادہ صاحب کو ایک طرف لے جا کر حضرت مصلح موعودؓ کا کوئی ضروری پیغام پہنچایا جسے سنتے ہی آپ نے وہیں سے مجھے آواز دی۔ ثاقب! آؤ گاڑی میں بیٹھو، لاہور چلیں، مجھے چونکہ ارشاد خلافت اور اس کی اہمیت کا کچھ علم نہ تھا میں نے بڑی بے تکلفی سے عرض کیا ''حضرت میاں صاحب! جسم تھکے ہوئے ہیں رات بھر جاگتے رہے ہیں۔ اس سے پہلی ساری رات پیدل سفر میں گزری ہے۔ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ چند گھنٹے آرام کرلیں پھر چل پڑیں گے۔ ساری رات اپنی ہی تو ہے۔ آپ نے یہ سنتے ہی فرمایا حضور کا ارشاد ہے کہ جونہی واپس پہنچیں فوراً لاہور کے لئے روانہ ہو پڑیں۔ بتاؤ اس فوری حکم کے بعد کسی قسم کے توقف کی کیا گنجائش ہے، اور ہم چند ہی منٹوں میں لاہور کے لئے روانہ ہو پڑے۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 281-284)

حضرت سیدہ نواب منصورہ بیگم صاحبہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''پھر وقت آ گیا۔ پارٹیشن ہوگئی۔ ۲۵/اگست کو حضرت مصلح موعود نے حضرت اماں جان نوراللہ مرقدہا اور حضرت اقدس سے تعلق رکھنے والی دیگر مستورات اور بچوں کو (بہت ساری مصلحتیں تھیں) پاکستان بھجوا دیا۔ آپ وہاں ٹھہر گئے اور فیصلہ یہ ہوا کہ حضرت مصلح موعودؓ کے ساتھ حضرت آپا صدیقہ صاحبہ ٹھہریں گی۔ بس ایک، خاندان میں سے منصورہ بیگم نے اصرار کیا کہ میں تو نہیں جاؤں گی۔ میں تو ٹھہروں گی یہاں۔ مجھے اگر صحیح یاد ہے تو حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے نہیں مانی بات۔ پھر حضرت صاحب سے

منوائی کہ نہیں ، میں یہاں ٹھہروں گی ۔ اس وقت کے لوگ یہ سمجھے کہ شاید اپنے میاں کو ان حالات میں چھوڑ کے یہ نہیں جانا چاہتی لیکن ۳۱/اگست کو جب حالات نے مجبور کیا اس بات پر حضرت مصلح موعود کو کہ وہ قادیان چھوڑ جائیں تو اپنے میاں کو چھوڑ کے خلیفہ وقت کے ساتھ پاکستان آ گئیں۔

پھر ۱۹۵۳ء کے حالات آئے۔ہم لاہور میں تھے۔جو ربوہ میں تھے ان کو نہیں پتہ کیا حالات تھے وہ جو لاہور میں تھے ان کو پتہ ہے کیونکہ یہ مقامی ،لوکل فتنہ وفساد تھا۔کالج میں میری ڈیوٹی ۔ ہر طرف گولیاں چل رہی ہیں۔ایک دن درد صاحب آ گئے ۔ مجھے کہنے لگے۔آپ نے نہیں جانا کالج ۔ میں نے کہا کیوں نہیں جانا کہ گولیاں چل رہی ہیں ۔ میں نے کہا آج ہی تو دن ہے جب میں نے ضرور جانا ہے کیونکہ میرے اوپر ذمہ داری ہے ان احمدی اور غیر احمدی بچوں کی حفاظت کی جو میرے کالج میں آج آئیں گے ۔ وہ وہاں آ جائیں اور میں گھر بیٹھا رہوں یہ نہیں مجھ سے ہوگا۔اتنا اصرار تھا ان کا کہ اگر وہ یہ سمجھتے کہ وہ مجھ سے جسمانی لحاظ سے زیادہ طاقتور ہیں تو انہوں نے مجھے وہاں باندھ کے رکھ دینا تھا لیکن میں کالج چلا گیا اور منصورہ بیگم کے چہرہ پر کوئی ملال نہیں تھا،گھبراہٹ نہیں تھی ۔ان حالات میں سے گزرے بشاشت سے ہم دونوں ۔جماعت کی خدمت کا موقع ملا۔'' (حیات ناصر جلد اول صفحہ 418-419)

حضرت سیدہ منصورہ بیگم صاحبہ کی بہادری

اس جگہ میں ذکر کروں کہ جب میں ۱۹۷۶ء میں پہلی دفعہ امریکہ گیا تو ہمیں ایک امریکن کا خط ملا کہ میں آپ کو یہ بتاتا ہوں ،انذار کرتا ہوں کہ آپ کی جان لینے کے لئے تین کوششیں کی جائیں گی ۔اگر وہ ناکام ہوئیں تو پھر چوتھی کوشش کی جائے گی ۔آپ کو اغوا کرنے کے لئے ۔ پہلے تو میں نے یہ خط جیب میں رکھ لیا کیونکہ مجھے تو پتہ ہی نہیں ڈر کہتے کسے ہیں ۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہم ان کے ملک میں ہیں ۔ جماعت کہے گی کہ ہمیں کیوں نہیں اعتماد میں لیا۔میاں مظفر احمد صاحب کو بھی پہلے میں نے نہیں بتایا۔ پھر ان کو بتا کے وہ خط جماعت کے سپرد کر دیا۔انہوں نے اپنا جو انتظام کرنا تھا وہ کیا۔جماعت امریکہ نے (چونکہ کینیڈا جانا تھا) کینیڈین ایمبیسڈر سے بھی بات کی ۔لمبا قصہ ہے۔جب میں ٹورنٹو میں اترا تو جماعت نے کہا کہ آپ کا سامان بعد میں آ جائے گا۔قریب ہی ایک عمارت ہے وہاں احمدی دوست مرد وزن اکٹھے ہیں آپ چلیں ایک آدمی چھوڑ جائیں۔ وہ سامان لے آئے گا۔ہم وہاں اس کا انتظار کریں گے ۔ دو تین فرلانگ ہے وہ جگہ۔ہم وہاں چلے گئے ۔مستورات علیحدہ تھیں ان سے منصورہ بیگم نے مصافحہ کیا۔ میں نے مردوں سے

مصافحہ کیا۔ پھر ہم کھڑے ہو گئے۔ برآمدہ سے باہر بڑی اچھی فضا تھی۔موسم اچھا تھا۔منصورہ بیگم فارغ ہو کے میرے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔انہوں نے دیکھا ہر احمدی میری طرف متوجہ ہے۔انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ کوئی شخص دبے پاؤں آہستہ آہستہ قدم قدم قریب آ رہا ہے۔ان کو اللہ تعالیٰ نے فراست بڑی دی تھی۔دماغ نے کہا جس شخص نے خط لکھا تھا قتل کی دھمکی جس میں دی گئی تھی یہ وہ شخص ہے۔ نہ جان نہ پہچان۔ یہ میرا پہرہ دار بن کے کھڑی ہو گئیں میرے پیچھے اور جس وقت وہ اور قریب آیا تو خدام الاحمدیہ میں سے کسی کو کہا کہ یہ وہ شخص ہے (انہیں بھی خط کی اطلاع تھی) اس کا خیال رکھو۔خیر انہوں نے گھیرا کیا اس کا۔اس سے پوچھا۔اس نے اپنا نام بتایا کہ ہاں میں ہی ہوں وہ۔انہوں نے اپنی حکومت کو اطلاع دی۔ پولیس نے اس کو پکڑ کے پوچھا کہ تم نے جو اطلاع دی ہے تین قتل اور ایک اغوا کی کوشش کی۔اس کا مطلب ہے کہ جنہوں نے منصوبہ بنایا ہے تم بھی ان میں سے ایک ہو، ورنہ تمہیں پتہ کیسے لگ گیا۔اس نے کہا نہیں نہیں۔(اپنی طرف سے بڑا ہوشیار بنتا تھا) بات یہ نہیں ہے۔بات یہ ہے کہ مجھے علم نجوم میں بڑا اشغف ہے اور ستاروں نے مجھے بتایا تھا کہ یہ واقعہ ہوگا۔انہوں نے کہا ستاروں نے جو بتایا تھا یا نہیں بتایا تھا پر ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ کینیڈا میں جس جگہ حضرت صاحب ہوں اگر اس جگہ سے ۴۰ میل کے اندر اندر بھی تم نظر آ گئے تو تمہاری بوٹیاں ستاروں کو نظر نہیں آئیں گی۔اس واسطے چلے جاؤ یہاں سے۔اور اس کو اپنی فراست سے پہچاننے والی اور اس طرح حفاظت کرنے والی۔اس قسم کے احسان بھی ہیں ان کے مجھ پر۔ پھر ایک وقت آیا کہ نئی ذمہ داریاں پڑ گئیں۔ان نئی ذمہ داریوں کے علاوہ بھی تو انسان کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ مثلاً کھانا کھانا۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا **ولنفسك عليك حق** اپنے نفس کے حقوق ادا کرنے ہیں۔تو اگر بیوی ساتھ نہ دے............تو اوقات بٹ جائیں دو حصوں میں۔ایک حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں اور ایک اپنے نفس کے حقوق کی ادائیگی میں۔بغیر بات کئے ساری ذمہ داریاں جو میرے نفس کی تھیں وہ آپ سنبھال لیں،اس حد تک کہ بعض Vitamins وغیرہ ہم نے کچھ عرصہ سے شروع کی ہوئی تھیں خود نکال کے دیتی تھیں۔کبھی میں خود نکالنے کی کوشش کروں تو ناراض ہو جاتی تھیں کہ یہ میرا کام ہے کیوں کیا آپ نے۔مطلب یہ تھا کہ یہ دو منٹ بھی اس کام پر خرچ کیوں کئے جو دوسرے اہم جماعتی کام ہیں ان پر خرچ کریں۔اور مجھے ہر قسم کی ذاتی فکروں سے آزاد کر کے سارے اوقات کو آپ احباب کی فکروں میں لگانے کے لئے موقعہ میسر کر دیا۔

اور اس وجہ سے میں یہ چھوٹی چھوٹی باتیں بیان کر رہا ہوں کہ ان کا یہ حق ہے کہ ہم ان کے لئے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار فضل اور رحمتیں ان پر نازل ہوں......اللہ تعالیٰ جتنا زیادہ سے زیادہ پیار دے سکتا ہے، وہ ان کو دے۔ (حیات ناصر جلد اول صفحہ 419-420)

1974ء کے حالات کا تذکرہ

اس سال ہمارے لیے کچھ برکتیں اور رحمتیں نئی شکل میں آسمان سے نازل ہوئیں۔ اس رنگ میں کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال کیا گیا کہ کیا وجہ ہے کہ جن بزرگوں کے متعلق (یعنی ہماری نگاہ میں بزرگ ورنہ اللہ تعالیٰ کے تو سارے عاجز بندے ہیں) آپ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کا اُن سے پیار کا تعلق ہے، وہ اتنے سخت اور شدید ابتلاؤں میں مبتلا ہمیں نظر آتے ہیں۔ یہ کیوں؟ کیا خدا تعالیٰ اُن سے پیار نہیں کرتا؟ کیا خدا تعالیٰ کے پیار کا اس طرح اظہار ہوتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو شدید تکلیف پہنچائے حالانکہ جو لوگ خدا کو چھوڑ کر غیر اللہ کے بندے بن جاتے ہیں، ان کو بھی لوگ ایسی تکلیف میں مبتلا نہیں دیکھتے۔ اس کے بہت سے جواب ہیں۔ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑا پیارا جواب دیا ہے۔ آپ نے فرمایا جن چیزوں کو تم تکالیف سمجھتے ہو، خدا تعالیٰ کے اُن پیارے بندوں سے جا کر پوچھو وہ کیا سمجھتے ہیں۔ اگر خدا کے پیارے بندے اُن تلخیوں اور تکلیفوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والی لذّت اور سرور سمجھتے ہیں اور اُس سے خوش ہیں تو جن کو احساس لذّت اور سرور حاصل ہے، اُن کے متعلق تمہیں یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں تکالیف میں مبتلا کرتا ہے۔

چنانچہ اس قسم کا پیار اور اس قسم کی لذّت اور سرور بھی جماعت کے ایک حصہ نے اس سال حاصل کیا تلخیاں پیدا کی گئیں، مکان جلائے اور لوٹے گئے، دکانیں لُوٹی اور جلائی گئیں، انسانی زندگی میں بظاہر یہ واقعات بڑی تلخیاں لیے ہوئے تھے لیکن عجیب شان ہے خدا تعالیٰ کی جس نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل چودہ سو سال بعد اِس زمانہ میں آپؐ سے پیار کرنے والے ایسے لوگ پیدا کئے کہ جو سب کچھ لُٹا کر مسکراتے چہروں کے ساتھ میرے پاس آتے تھے اور مجھے یہ کہتے تھے کہ خدا نے ہمارے مال لے کر ہمیں قربانیوں کی توفیق دی اور اس کی رحمتوں کے جلوے ہم نے اپنی زندگیوں میں دیکھے۔ دنیا انہیں تلخیاں سمجھتی تھی، لیکن خدا کے یہ محبوب بندے خدا کا پیار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا نے ایک اور موقعہ دیا اس بات کے اظہار کا کہ ہم واقعہ میں اللہ تعالیٰ سے پیار کرنے والے اور اس سے پیار کا تعلق رکھنے والے ہیں۔

ہمارا ایک نوجوان جو اپنے باپ کے ساتھ کام کرتا تھا۔ دو جگہ اُن کے کارخانے تھے اور جائز طور پر اچھے خاصے پیسے کما رہے تھے اُس کا تیس لاکھ روپے کا نقصان ہوا۔ وہ میرے پاس آیا تو اُس کی یوں باچھیں کھلی ہوئی تھیں کہ اگر کوئی اور دیکھتا تو یہ سمجھتا کہ وہ شادی کروا کر آیا ہے، شادی اور خوشی ہی تھی کیونکہ وہ خدا تعالیٰ سے زیادہ قریب ہو گیا تھا۔ لوگوں نے اس کی تیس لاکھ کی جائیداد کو آگ لگا دی اس کا سب کچھ لُٹ گیا مگر وہ مسکراتا ہوا میرے پاس آ گیا اور کہنے لگا۔ اگر نقصان ہو گیا تو کیا ہوا لوگوں کی ان حرکتوں سے خدا کے خزانے تو خالی نہیں ہو سکتے۔ اگر خدا کے خزانے خالی نہیں اور جو کچھ ملا تھا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملا تھا تو اب انشاء اللہ اس سے بھی زیادہ ملے گا۔ اگر خدا کے خزانے خالی ہو جائیں یا انسان نے خدا کی رحمتوں کے علاوہ کسی اَور گھر سے کچھ لیا ہو تو اس کو فکر ہو سکتی ہے لیکن جو شخص اس ایمان پر قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے کبھی خالی نہیں ہوتے اور خدا کی مرضی اور حکم کے بغیر انسان کو کچھ نہیں ملتا تو اس کو کیا فکر اور کیا غم ہے۔ چنانچہ مَیں اپنے دوستوں کے ان مسکراتے چہروں میں مزید بشاشت پیدا کرنے کے لیے ان کو ۱۹۴۷ء کے واقعات بتایا کرتا تھا۔ انسانی نفس کا یہ خاصہ ہے کہ وہ بعض دفعہ مشکلات کے وقت گھبرا جاتا ہے اس لیے بعض چہروں پر کچھ گھبراہٹ اور پریشانی بھی نظر آتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ دو تین سو یا چار پانچ سو احمدی احباب جن سے میں اُن دنوں روزانہ اجتماعی ملاقات کیا کرتا تھا جب وہ میری مجلس سے اُٹھتے تھے تو اُن کے چہروں پر بشاشت کھیل رہی ہوتی تھی اور وہ چھلانگیں مارتے واپس چلے جاتے تھے۔

پاکستان میں جماعت کے افراد کا جو نقصان ہوا ہے ۱۹۴۷ء میں صرف قادیان میں میرا خیال ہے اگر ہزار گنا نہیں تو سو گنا یقیناً زیادہ تھا۔ دوستوں نے باہر سے کما کر وہاں نئے نئے مکان بنائے ہوئے تھے اور وہ سارے سال کی اجناس سے بھرے ہوئے تھے۔ کیونکہ نئی گندم آ گئی تھی۔ شرپسندوں نے ایک محلے کے بعد دوسرے محلے کے مکان لُوٹ لیے۔ فوج اور پولیس اُن کے ساتھ تھی۔ ہم اپنے تن کے کپڑے لے کر وہاں سے نکلے تھے۔ یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ میری اُن دنوں ذمہ داری تھی۔ حفاظتِ مرکز کا کام حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے میرے سپرد کیا ہوا تھا۔ اس کام کی انجام دہی کے دوران ایک دن مجھے اطلاع ملی کہ شرپسند جتھے آئے ہیں اور انہوں نے مسجد اقصیٰ قادیان کے مغرب میں واقع ایک محلہ کو گھیرے میں لے لیا ہے جس میں زیادہ تر ایسے گھرانے آباد تھے جو احمدی نہیں تھے اور باوردی مسلح پولیس جتھوں کے ساتھ ہے اور ناکہ بندی ایسی کر رکھی ہے کہ ایک شخص بھی باہر نہیں جا سکتا اور گھیرا ڈالنے کے بعد اب اندر داخل ہو

رہے ہیں۔ مجھے بڑی فکر پیدا ہوئی۔ اس لیے نہیں کہ وہ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں کیونکہ جماعت سے تو اُن کا کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ اس لیے تشویش پیدا ہوئی کہ وہ تمام لوگ ہمارے محبوب آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خود کو منسوب کرنے والے تھے اور جو شخص خود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرے اس سے ہزار اختلاف کے باوجود کوئی شخص جو خود کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے والا ہے اُس کو بے سہارا نہیں چھوڑ سکتا۔ یہ ایک احمدی کے دل میں اپنے محبوب آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے غیرت کا برملا اظہار ہے۔ غرض اُس محلے تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں تھا ایک چھوٹی گلی تھی اس کے اوپر ہم نے گیلیاں رکھیں اور ایک پُل بنایا اور اس کے ذریعہ ہم نے وہاں رضا کار بھجوائے۔ جب ہمارے رضا کار وہاں گئے تو پولیس نے دو آدمیوں کو شوٹ کر کے وہاں شہید کر دیا لیکن دو آدمیوں کی موت آٹھ سو یا ہزار افراد کی زندگیوں سے زیادہ قیمتی نہیں تھی اس لیے ہمارے اور رضا کار وہاں پہنچ گئے اور اُن لوگوں سے کہا کہ چھوڑ و ہر چیز اور اپنی جانوں کو بچاؤ۔ چنانچہ عورتیں بچے اور مرد گھروں سے نکلے اور ایک چھوٹے سے پُل پر سے ہوتے ہوئے ہمارے علاقے میں آ گئے۔ یہ جو آٹھ سو یا ہزار جانیں بچ گئیں ان میں تین چار سو مستورات تھیں۔ اُن کے لیے ہم نے دارِ مسیح میں حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی حویلی کے اندر ایک اور حویلی تھی، وہ خالی کروائی۔ بڑی اچھی صاف ستھری، صحن اور بڑے بڑے کمرے تھے، غسل خانے، پانی سب کچھ تھا عورتوں کو وہاں ٹھہرایا گیا۔ باہر رضا کار مقرر کر دیئے۔ اب بارشیں شروع ہو گئیں۔ تو بیچاری غریب عورتوں کو جو ایک ایک کپڑے میں اپنے گھروں سے نکلی تھیں جب بارش میں باہر کام کرنا پڑتا تھا تو کپڑے گیلے ہوئے اور پھٹ گئے۔ ایک دن رضا کار میرے پاس آئے اور کہنے لگے۔ ہم وہاں کام نہیں کر سکتے۔ میں بڑا حیران ہوا کہ ان کے دماغ کو کیا ہو گیا ہے۔ کام سے کیوں انکار کر رہے ہیں۔ مَیں نے اُن سے پوچھا کیا ہوا؟ کیا کسی نے تمہیں کچھ کہا ہے؟ وہ کہنے لگے عورتوں کے تن پر صرف چیتھڑے رہ گئے ہیں کسی کام کے لیے وہ تھوڑا سا پردہ اُٹھاتی ہیں تو ان کے جسم کے بعض حصّے ڈھنپے نہیں ہوتے۔ ہم وہاں کام نہیں کر سکتے۔ اب میں وہاں تین چار سو جوڑے کہاں سے لاتا۔ اگر بنواتے بھی تو اول تو درزی ہی کوئی نہیں تھا۔ اگر ہوتا بھی تو شاید دو مہینے لگ جاتے۔ دو مہینے اُن کو کپڑوں کے بغیر تو نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ مَیں نے سوچا کیا کروں میرے اپنے گھر میں منصورہ بیگم کے جہیز کے کپڑے تھے جو نواب محمد علی خاں صاحبؓ نے بڑے قیمتی قیمتی جوڑے شادی

کے وقت دیئے تھے، ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو ہزار روپے ایک جوڑے کی قیمت ہوگی۔ مَیں نے سوچا مَیں ذمہ دار ہوں۔ اگر مَیں نے پہلے اپنے صندوق نہ کھلوائے تو میرے اوپر جائز اعتراض ہوگا۔ چنانچہ مَیں نے اپنے گھر کے زنانہ کپڑوں کے سارے صندوق کھلوا کر کپڑے عورتوں کے لیے بھیج دیئے اور ایک جوڑا بھی اپنے پاس نہیں رکھا۔ مجھے پتہ تھا کہ ابھی اور مانگ ہوگی کیونکہ ابھی تو کچھ تھوڑی سی ضرورت پوری ہوئی ہے اور بہت سی عورتیں اسی طرح پھر رہی ہیں پھر مَیں نے کہا اب میرا ضمیر صاف ہے۔ میں نے اپنی بہنوں کے صندوقوں کے تالے تُڑوا دیئے۔ بھائیوں کی بیویوں حتیٰ کہ اپنی ماؤں اور چچیوں سب کے صندوق کھول کر کپڑے ان عورتوں کو دے دیئے اور اس طرح اُن کا تن ڈھانپا۔ اس لیے کہ انسان کا انسان سے خدا نے تعلق قائم کیا ہے اور جو غیرت ہمارے دلوں میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اُس غیرت اور جذبہ کے تحت ہم نے ہر چیز بھیج دی۔ یہاں تو کچھ نہیں لائے۔ ایک دفعہ مَیں نے حساب کیا قادیان میں مارکیٹ ریٹ کے مطابق ساڑھے تین کروڑ روپے کی جائیداد ہمارے اپنے خاندان والے چھوڑ کر آئے تھے۔ ماشاء اللہ بہت بڑا خاندان تھا مگر یہاں بھوکے تو نہیں مرے۔ ہندوؤں اور سکھوں کی اس یلغار نے ہمارے ہاتھ میں مٹی کے کشکول تو نہیں پکڑوائے اور نہ وہ پکڑوا سکتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے آسمان سے فرشتوں کو بھیج کر ہماری ضرورتوں کو پورا کر دیا۔ اس نے ہمارے دلوں کو دُنیا کی حرص سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ اس کی عنایت ہے لیکن یہ بھی اُس کا فضل ہے کہ وہ دیتا ہے اور ہمیں کہتا ہے کہ آگے تقسیم کرتے چلے جاؤ۔

غرض میں اپنے دوستوں کو ۱۹۴۷ء کے واقعات بتاتا تھا اور اُن سے کہتا تھا کہ دیکھو ہم خالی ہاتھ آئے تھے لیکن ہمارا گھر پھر خدا تعالیٰ نے بھر دیا۔ ہمارے ساتھ دوسرے لوگوں کے بھی کھیت ہیں مگر ہمارے کھیت میں مونجی ہے، وہ جتنی ہماری ہوتی ہے اُس سے آدھی بھی دوسروں کی نہیں ہوتی۔ اب یہ تو میرا کام نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ ہم اس پر الحمد للہ پڑھتے ہیں جب اُس نے لینا ہوتا ہے تب بھی الحمد للہ پڑھتے ہیں جب وہ دیتا ہے تب بھی الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ ہمارا کیا ہے، سب کچھ اُسی کا ہے۔ ہر چیز اس کی ہے۔ وہ جو مرضی کرے ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ وہ ہمیں ہر حال میں اپنا باوفا راضی برضا اور راضی بقضا پائے گا وہ ہر احمدی کو ایسا ہی پائے گا۔ مال لُٹ جائیں۔ جانیں چلی جائیں اور بظاہر تلخی کی زندگی ہوگی مگر پھر بھی نہ ہمارے چہروں کی مسکراہٹیں چھینی جاسکتی ہیں نہ ہمارے دلوں کا اطمینان چھینا جاسکتا ہے۔

اس لیے کہ ہمارے چہروں کی مسکراہٹوں اور ہمارے دلوں کے اطمینان کا منبع اور سر چشمہ کوئی دُنیوی طاقت اور ایجنسی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جس وقت ہم دُنیا سے تنگ آ کر اپنے خدا کی طرف رجوع کرتے اور عاجزانہ اُس کے دامن کو پکڑ کر اس سے کہتے ہیں کہ اے خدا! دُنیا نے ہمیں چھوڑ دیا پر تو ہمیں نہ دھتکارنا۔ ہم نے تیرا دامن پکڑا ہے تو ہمیں اپنے سے علیحدہ نہ کرنا ہماری اس عاجزانہ پکار پر وہ بڑے پیار سے ہمیں تسلی دلاتا ہے۔ صرف مجھے ہی نہیں بلکہ جماعت کے ہزار ہا آدمیوں کو اُس نے ان دنوں میں تسلیاں دلائیں اور اتنے پیار سے دلائیں کہ انسان کو حیرت ہوتی ہے۔ بیوقوف ہے وہ انسانی گروہ جو یہ کہتا ہے کہ خدا تو اتنی عظیم ہستی ہے وہ بھلا عاجز بندوں سے ذاتی تعلق کیسے رکھ سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندہ سے یقیناً ذاتی تعلق رکھتا ہے کیونکہ یہ ہماری زندگی کا مشاہدہ ہے۔ اس لیے ہم مسکراتے چہروں اور مطمئن دلوں کے ساتھ ساری افواہوں کو ٹھکراتے ہوئے یہاں مرکز سلسلہ میں جمع ہو گئے۔ یہ خدا کی شان ہے اور اس کا عظیم فضل ہے جس پر ہمارے دل اس کی حمد سے لبریز ہیں۔ (حیات ناصر جلد دوم صفحہ 10-5)

قومی اسمبلی کا معرکہ

جس دن قومی اسمبلی کے سارے ایوان پر مشتمل خصوصی کمیٹی بنی اُس دن جب اعلان ہوا کہ اس کمیٹی کا اجلاس In-camera یعنی خفیہ ہوگا۔ اس بات نے کہ اجلاس خفیہ ہوگا مجھے پریشان کیا اور اس اطلاع کے ملنے کے بعد سے لے کر اگلے دن صبح چار بجے تک مَیں بہت پریشان رہا اور مَیں نے بڑی دُعائیں کیں۔ یہ بھی دُعا کی کہ اے خُدا خفیہ اجلاس ہے پتہ نہیں ہمارے خلاف کیا تدبیر کی جائے۔ تیرا حُکم ہے کہ مَیں مقابلہ میں تدبیر کروں تیرا حُکم ہے مَیں کیسے مانوں۔ مجھے پتہ ہی نہیں اُن کی تدبیر کیا ہے تو ان حالات میں مَیں تیرا حُکم نہیں مان سکتا۔ بتائیں کیا کروں۔ سورۂ فاتحہ بہت پڑھی۔ ان الفاظ میں دُعا بہت کی اور صبح اللہ تعالیٰ نے بڑے پیار سے مجھے یہ کہا **وَسِّعْ مَكَانَكَ ۔ اِنَّا كَفَيْنَاكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ** کہ ہمارے مہمانوں کا تم خیال کرو اور اپنے مکانوں میں مہمانوں کی خاطر وسعت پیدا کرو اور جو یہ منصوبے جماعت کے خلاف ہیں ان منصوبوں کے دفاع کے لئے تیرے لئے ہم کافی ہیں تو تسلی ہوئی۔ **وَسِّعْ مَكَانَكَ** جو خاص طور پر کہا گیا اس لئے میرا فرض تھا کہ جماعت کو کہوں کہ وسعتیں پیدا کرو، جو اپنے مکانوں میں کمرے بڑھانا چاہتے تھے وہ بنائیں اور ہر پلاٹ میں جلسہ کے مہمانوں کو ایک کمرہ بنا دو۔ رہائش کے لئے عارضی طور پر انہیں تحفہ دو اور عارضی تحفہ کے نتیجہ میں اپنے لئے ابدی ثواب کے حصول کے سامان پیدا کرو اللہ تعالیٰ سب کو نیکیوں کی توفیق

عطا کرے۔(آمین)

(روزنامہ الفضل ربوہ ۱۱؍دسمبر ۱۹۷۴ء صفحہ ۲ تا ۶۔خطباتِ ناصر جلد پنجم ص ۱۰۷)

غلبہ اسلام کی پیشگوئی

یہ صدی جس کے لئے میں کہتا ہوں کہ استقبال کرو غلبہ اسلام کی صدی ہے، بڑی بشارتیں ہیں اور جتنی بڑی بشارتیں ہوں اتنی بڑی قربانی دینی پڑتی ہے اور اتنا ہی لَقَدۡ خَلَقۡنَا الۡاِنۡسَانَ فِیۡ کَبَدٍ۝۵ (سورۃ البلد آیت 5) ترجمہ: ہم نے یقیناً انسان کو رہینِ منت بنایا ہے۔اس بشارت کو پورا کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارتیں ملی تھیں۔اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ حضرت موسیٰؑ کی قوم کی طرح کہہ دیتے جا تُو اور تیرا خدا جا کر لڑ۔ہم تو یہاں آرام سے بیٹھے ہیں۔جس نے بشارت دی ہے وہ خود ہی اس کو پوری کرے گا۔ وہ تو نالائق تھے، غیر تربیت یافتہ تھے مگر یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسیہ سے تربیت یافتہ تھے۔ٹوٹی ہوئی تلواریں، ننگے پاؤں، جسم کو ڈھانکنے کے لئے کپڑے نہیں۔زرہ بکتر تو علیحدہ رہی ان کی یہ حالت تھی کہ کسی کے پاس تلوار ہے تو نیزہ نہیں کسی کے پاس نیزہ ہے تو تلوار نہیں۔آواز آتی تھی چل پڑتے تھے۔دعائیں کرتے تھے اور خدا تعالیٰ کی قدرتوں پر توکل رکھتے تھے۔

پس یہ جس کو میں کہتا ہوں دوسری صدی یہ غلبہ اسلام کی صدی ہے اس میں ایسے حالات پیدا ہو رہے ہیں کہ آپ کو بھڑکتی ہوئی آگ میں سے گزر کر اس صدی کا استقبال کرنا پڑے گا۔ یہ اچھی طرح یاد رکھیں لیکن میرا دل تو مطمئن ہے اس لئے کہ میں یقین رکھتا ہوں اور علیٰ وجہ البصیرت ہر جگہ یہ اعلان کر سکتا ہوں تلوار کے نیچے بھی اور ایٹم بم کے سامنے بھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے پیارے اور سچے امتی نبی تھے اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی عاشق اور خادم تھے۔اس آگ میں سے تو ہمیں گزرنا پڑے گا لیکن مجھے یہ تسلی ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسی روحانی فرزند نے جس کو اس زمانے کی روحانی جنگ کی کمان دی گئی ہے اُس نے کہا آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔اس لئے آگ تو بھڑکائی جائے گی صرف پاکستان میں نہیں دوسری جگہوں میں بھی یہ بھڑکے گی لیکن جو آگ سے ڈریں گے نہیں، جو لوگ تدبیر کو انتہا تک پہنچاتے ہوئے اور دعاؤں کو انتہا تک پہنچاتے ہوئے خدا تعالیٰ پر کامل توکل رکھتے ہوئے آگے سے آگے بڑھتے چلے جائیں گے

اسلام کے غلبہ کی خوشی کو وہ حاصل کریں گے اور اس سے بڑھ کر اَور کیا خوشی ہوسکتی ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ اسلام ساری دنیا میں غالب آ گیا ہے۔

(خطباتِ ناصر جلد ہفتم ص ۴۱۱، ۴۱۲)

خوشی سے اُچھلو کہ غلبہ اسلام کا وقت آ گیا

میں ایسے اشخاص کو بھی جانتا ہوں کہ جن کے پاس اپنی جان کی حفاظت کے لئے مادی طاقت موجود تھی۔ انہوں نے جان دی خدا تعالیٰ کی راہ میں لیکن مادی طاقت کے استعمال سے فتنہ وفساد کو ہوا نہیں دی اور کئی دفعہ میں سنا چکا ہوں دو ہمارے نوجوان مبلغ ایک سفر کر رہے تھے ان کو تیس چالیس آدمی جو بس میں تھے انہوں نے وہ مکے اور چپیڑیں مارنی شروع کیں کوئی آٹھ دس بارہ میل کے سفر میں منہ سوج گیا۔ گردن فٹ بال بنی ہوئی۔ خیر ان کے پہنچنے سے پہلے مجھے رپورٹ پہنچ گئی۔ بعد میں ان میں سے ایک آیا میرے پاس۔ تو دکھ اٹھانا آپ کے لئے یہ میری فطرت کا ایک حصہ ہے لیکن اس کا اظہار خدا کی منشا کے مطابق کرنا، یہ میرا فرض ہے اور اس کو میں ادا کرتا ہوں۔ جب ان میں سے ایک مجھے ملنے آیا منہ سوجا ہوا، گردن سوجی ہوئی تو میں نے مسکرا کے اس سے بات کی۔ میں نے کہا دیکھو یہ جو تمہارے ورم آئی ہوئی ہے یہ عارضی ہے۔ میرے منہ سے اس وقت نکلا خدا نے میری بات پوری کر دی کہ ۴۸ گھنٹے کے اندر اندر یہ سوجن، یہ ورم جاتی رہی لیکن جو ہماری بشاشت ہماری خوشی ہے وہ تو ان مٹ ہے، وہ تو ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا۔ ہم خوش اس لئے ہیں کہ ہمیں خدا تعالیٰ نے کہا خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ غلبہ اسلام کا موسم آ گیا۔ موسم بہار آ گیا اسلام کے لئے۔ جب اسلام کے نام پر ہماری خوشیاں ہیں تو ہمیں یہ دنیوی چیزیں اور دکھ جو ہیں یہ ہماری خوشیاں اور مسکراہٹیں کیسے چھین سکتے ہیں۔ میں نے کہا جا کے مسکراؤ۔ بھیج دیا میں نے۔ ویسے میں جانتا ہوں کہ وہ مسکراتے ضرور ہوں گے لیکن لوگ یہی سمجھتے ہوں گے کہ یہ رو رہے ہیں یعنی چہرہ پر ورم آئی ہوئی تھی۔ اس نوجوان کے ذہن پر میری بات کا اتنا اثر کہ گھڑی دیکھ کے ٹھیک ۴۸ گھنٹے بعد میرے پاس آیا دوبارہ اور کہنے لگا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کو دکھاؤں کہ میری ورم چلی گئی۔ گردن بھی اب متورم نہیں اور چہرہ بھی نہیں اور ٹھیک آپ نے کہا تھا کہ ہم تو اس لئے خوش ہیں کہ اسلام کے غالب آنے کے دن آئے۔ خدا تعالیٰ اپنی نعمتوں سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی قوت قدسیہ کے نتیجہ میں جو بنی نوع انسان کو اپنے فضلوں اور رحمتوں کے احاطہ میں لینے کا سامان کر رہا ہے۔ اس واسطے ہم خوش ہیں۔ میں نے

کہا ٹھیک ہے۔ مسکراتے رہو اور خوش رہو اپنے خدا سے۔ تو ہماری تو یہ خوشیوں کے دن ہیں۔ ہم خوش ہیں اور یہ جو دنیوی روکیں ہیں یہ تو انگریزی کا محاورہ ہے! Pin Pricks یعنی ایک سوئی چبھو دی کسی کو، Pin چبھو دیا کسی کو۔ کاغذ بھی لپیٹتے ہیں کئی دفعہ انگلی کو میرے بھی چبھ جایا کرتا ہے تو کیا یہ Pin Pricks ہمیں اپنے راستہ سے ہٹا دیں گے؟ یہ لوگ اپنا کام کرتے رہیں۔ ہمارا کام یہ ہے کہ ہم خدا سے کہیں کہ اے خدا! جو کچھ کر رہے ہیں ان سے غصہ نہ ہونا یہ پہچانتے نہیں تیرے منصوبہ کو۔ اس واسطے تو ایسا سامان پیدا کر دے کہ جو تیرا منصوبہ ہے اسے پہچاننے لگ جائیں۔ ہمیں اپنے لئے کچھ نہیں چاہیئے۔ مجھے تو اپنے لئے کچھ نہیں چاہیئے اور جتنی مرضی قسمیں دلوا دو اس پر اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو اپنے لئے بھی کچھ نہیں چاہیئے۔ ہمیں اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب کچھ چاہیئے اور ہمیں بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے سب کچھ چاہیئے۔

تو دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کے سامان پیدا کر دے اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ خدا نے وعدے کئے ہیں، شرطیں لگائی ہیں آپ شرطیں پوری کرتے چلے جائیں ایمان کے عمل صالحہ کی۔ قرآن کریم کی آیات بھری ہوئی ہیں اس کے ساتھ۔ خدا تعالیٰ نعمتوں سے آپ کو نوازتا چلا جائے گا اور بڑی دعائیں کریں کہ وہ دن جلد آئے جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیار کا اور خدا تعالیٰ کی توحید کا جھنڈا ہر گھر پہ لہرانے لگے۔ خدا ایسے سامان پیدا کر دے۔ آمین۔

(خطبات ناصر جلد ہشتم ص ۲۳۴، ۲۳۵)

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ
(1928 - 2003ء)

’’اللہ تعالیٰ کے کام بھی نرالے ہیں‘‘

حفاظتِ سماوی کا ایک نشان پیش کیا جاتا ہے، جو بتاتا ہے کہ جسے خدا رکھنا چاہے۔ اس کا کوئی بال بھی بیکا نہیں کرسکتا۔ یہ واقعہ، جو خلافتِ رابعہ کے دَور کا تاریخی اہمیت رکھنے والا ایک عظیم الشان سانحہ ہے، اور جو خود حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے وجود میں ظاہر ہوا، ایک ڈکٹیٹر کی ناکامی اور نامرادی اور ایک مردِ خدا کے تعلق باللہ اور توکل علی اللہ کی عظیم یادگار کے طور پر دنیا کو ایک قادر و توانا خدا کی ہستی کا ثبوت بہم پہنچاتا رہے گا۔ یہ بھی ۱۹۷۴ء میں احمدیوں کے خلاف بھڑکائے گئے ان ملک گیر ہنگاموں کی پیداوار ہے۔ جب ان ہنگاموں کا محرک اور موجد اپنے مقدر انجام کو پہنچ چکا تھا اور اس کا خلف رو یعنی جنرل محمد ضیاء الحق پاکستان کے فوجی سربراہ کی حیثیت سے اپنی طاقت کے عروج پر تھا۔ جیسا کہ دنیا جانتی ہے، ذوالفقار علی بھٹو کے دورِ اقتدار میں پاکستان کی قومی اسمبلی کے ایک خفیہ اجلاس میں ایک قرارداد پاس کی گئی، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ ہر احمدی (یعنی ہر وہ شخص جو حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو زمانے کے ’’مصلح ربّانی‘‘ کے طور پر مانتا اور آپ کے ساتھ رشتۂ بیعت میں منسلک ہے) قانون اور دستور کے رو سے ’’غیر مسلم‘‘ تصور کیا جائے گا۔ اس کے بعد جب جنرل ضیاء الحق کمانڈر انچیف افواج پاکستان، نے بھٹو حکومت کا تختہ الٹ کر اقتدار پر قبضہ کرلیا، تو اسی قرارداد کو بنیاد بناتے ہوئے اس نے بطور چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ایک ایسا آرڈیننس جاری کیا، جس کے مطابق احمدیوں کو مذہبی آزادی کے جملہ حقوق سے محروم کر کے ان کا اسلامی شعار پر مبنی ہر عمل، دستور پاکستان کی خلاف ورزی شمار کیا جانے لگا۔ اس کے نتیجہ میں ان کے لئے بھاری سزاؤں بصورت جرمانہ، قید، حتیٰ کہ سزائے موت تک کا اعلان کر دیا گیا۔ اس اعتبار سے احمدیوں کا

اپنے آپ کو مسلمان کہنا، کلمہ طیبہ پڑھنا۔ مسجد میں یا کسی جگہ ان کا اذان دینا۔ بلکہ اپنی مسجد کو مسجد کہنا بھی قابل دست اندازئ پولیس، جرم متصور کیا جانے لگا۔ ان ''جرموں'' کی سزا کے طور پر بیشمار احمدیوں کو بھاری جرمانوں کی سزائیں دی گئیں، انہیں قید کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا، یا ان کے خلاف مقدمات کا ایک لمبا اور تکلیف دہ سلسلہ چل پڑا، جو ابھی تک جاری ہے۔

۲۶/اپریل ۱۹۸۴ء کو جاری ہونے والے اس خلافِ شرع، خلافِ اخلاق، خلافِ دستور اور خلاف حقوق انسانی آرڈیننس کا مطلب یہ بھی تھا کہ اب احمدیوں کے سربراہ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی زبان پر پہرے بٹھا دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ اگر وہ بطور امام جماعت عالمگیر اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں اسلام کا لفظ منہ پر لاتے ہیں، تو قانونی گرفت میں آجائیں گے جس کی کم از کم سزا تین سال قید ہوسکتی تھی۔ اس نہایت پُر از خطرات صورت حال کا جب جماعت کی اعلیٰ مشاورتی سطح پر جائزہ لیا گیا، تو سب نمائندگان جماعت کا مشورہ یہی تھا کہ آپ (یعنی حضرت خلیفۃ المسیح) جس قدر جلد ممکن ہو، ملک چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ چنانچہ آپ مزید انتظار کئے بغیر اپنے اہل خانہ (اپنی اہلیہ اور چار بچیوں) کو ساتھ لے کر پہلے بذریعہ کار کراچی پہنچے۔ وہاں سے آگے بذریعہ ہوائی جہاز انگلستان پہنچنے کا پروگرام تھا۔ آپ کی فلائٹ پہلے ہی KLM کے امسٹرڈم جانے والے جہاز پر ۳۰/اپریل کے لئے مخصوص ہوچکی تھی۔ جہاز کی پرواز کے وقت کے اعلان کا انتظار کرنے لگے۔ لیکن اعلان ہوا، تو یہ کہ جہاز کی روانگی میں تاخیر ہوگئی ہے۔ اس تاخیر کی وجہ سے جیسا کہ بعد میں معلوم ہوا، جنرل ضیاء الحق کا اپنے ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک حکم نامہ تھا، جس کا مفہوم سمجھنے کی ائر پورٹ کا حفاظتی عملہ ناکام کوشش کر رہا تھا۔ آخر قریباً دو گھنٹوں کی تاخیر کے بعد جہاز کو پرواز کی اجازت دے دی گئی۔ اور یوں وہ جہاز اپنی متاعِ عزیز کو لے کر خراماں خراماں پرواز کرتا ہوا اپنی یورپی منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایمسٹرڈم (ہالینڈ) بخیریت پہنچ جانے کے بعد حضور اس سے اگلی پرواز پر لندن کے لئے روانہ ہوگئے اب آپ بخیر وعافیت انگلستان پہنچ چکے تھے۔

جنرل ضیاء الحق کا وہ حکم نامہ کیا تھا اور وہ کس طرح کراچی ائر پورٹ کے حفاظتی عملہ کے لئے عقدۂ لاینحل بنا رہا، اس کی پوری کیفیت کا ادراک کرنے کیلئے اس کے پس منظر میں جانا ضروری ہے۔

جیسا کہ بتایا گیا ہے، جنرل ضیاء الحق ایک جمہوری حکومت کا تختہ الٹ کر برسراقتدار آیا تھا۔ یہ دستور پاکستان کے رو سے ایک جرم تھا۔ اس جرم سے عوام کی توجہ ہٹانے کے لئے جہاں اس نے اور بہت سے

جتن کئے، وہاں ایک ایسا قدم بھی اٹھایا جو دنیا کے ڈکیٹٹروں کا مرغوب اور آزمودہ طریقۂ کار ہے چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کا ایک یورپی سوانح نگار، مسٹر آئن ایڈمسن، جنرل ضیاء الحق کے اس مذموم اقدام پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنی کتاب ''ایک مردخدا'' (A Man Of God) میں لکھتا ہے:

''ایسے مطلق العنان آمروں کا جانا پہچانا طریقۂ واردات یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ وہ عوام کی توجہ ان کے حقیقی مسائل سے ہٹانے کے لئے مذہبی یا نسلی اقلیت کو چن لیتے ہیں اور تعصب کی چنگاریوں کو ہوا دے کر ان اقلیتوں کے خلاف مخالفت کی آگ بھڑکا دیتے ہیں۔ یہی کچھ ضیاء نے کیا۔ اس کے لئے اس کی نظر انتخاب جماعت احمدیہ پر پڑی، اور ایک سوچی سمجھی سکیم کے ماتحت جماعت پر ایذا رسانیوں کے دروازے کھول دیئے۔ اور ظلم اور ستم کی انتہاء کر دی گئی۔ احمدیوں کی دوکانیں لوٹی اور جلائی جانے لگیں۔ مشتعل ہجوم ان کی مساجد کے تقدس کو پامال کرتے ہوئے ان پر حملہ آور ہونے اور ان کی توڑ پھوڑ کرنے لگے۔ اسی طرح مسٹر بھٹو نے سرکاری محکموں میں احمدی ملازمین کے خلاف امتیازی پالیسی کی جو مہم شروع کی تھی، اس میں بھی شدت پیدا کر دی گئی۔ چنانچہ بے گناہ احمدیوں کو جن کا واحد قصور یہ تھا کہ وہ احمدی تھے، نہ کہ کسی قانونی یا اخلاقی کوتاہی یا جرم کے مرتکب ہوئے تھے۔ بپھرے ہوئے ہجوم اور کرائے کے غنڈوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ ان کو سر عام زدوکوب کیا جانے لگا۔ بہت سے قتل بھی ہو گئے۔ اور اس سارے عمل کو پولیس خاموش تماشائی بن کر دیکھتی رہی۔ نہ ہی اس جرم کا ارتکاب کرنے والوں پر کوئی قدغن لگائی گئی۔''

(بحوالہ A Man Of God از مسٹر آئن ایڈمسن)

آگے یہ بتاتے ہوئے کہ جنرل ضیاء الحق نے اپنے ان ناپاک اور خدا کے غضب کو بھڑکانے والے عزائم کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے کس طرح جماعت کی فعّالی قوت کے سرچشمہ پر ہاتھ ڈالنے کی مذموم کوشش کی، مسٹر ایڈمسن لکھتا ہے:

''جنرل ضیاء اپنے زعم میں جماعت احمدیہ کو تباہ کرنے پر یہ ادھار کھائے بیٹھا تھا۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ اس کے نزدیک (حضرت) امام جماعت احمدیہ ہی اس کے سب سے بڑے اور خطرناک دشمن تھے۔ وہ انہیں اپنی اوّلین فرصت میں موت کے گھاٹ اتارنا چاہتا تھا۔''

اس مقصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خاطر اس نے کیا منصوبہ تیار کیا، اس بارے میں آپ کا یہی سوانح

نگار (مسٹر ایڈمسن) ایک معروف احمدی تجزیہ نگار کے حوالے سے لکھتا ہے:

''جنرل ضیاء کا منصوبہ یہ تھا کہ سب سے پہلے ایک صدارتی فرمان کے ذریعے احمدیوں کا یہ حق چھین لیا جائے گا کہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہہ سکیں۔ ان کی اذانیں بند کر دی جائیں گی۔ وہ مسجد کو مسجد نہیں کہہ سکیں گے۔ نہ اعلانیہ عبادت بجا لا سکیں گے۔ نہ السلام علیکم کہہ سکیں گے حتیٰ کہ ان کا **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** لکھنا اور پڑھنا بھی قانوناً قابل دست اندازیٔ پولیس جرم سمجھا جائے گا...... (اس دوران) حضرت خلیفہ (الرابع) کو گرفتار کر لیا جائے گا۔ اور...... رسمی عدالتی کارروائی کے بعد ان پر فرد جرم عائد کر دی جائے گی اور...... دو، ایک سال بعد جب بین الاقوامی رائے کی توجہ ہٹ چکی ہوگی، تو جنرل ضیاء الحق ایک صبح اچانک حکم صادر کر دے گا کہ آپ کو پھانسی دے دی جائے۔''

(بحوالہ A Man Of God از مسٹر آئن ایڈمسن)

اس کا ثبوت اس امر سے بھی ملتا ہے کہ آرڈیننس کے اجراء کے فوراً بعد اس نے نہ صرف حضرت امام جماعت احمدیہ کی نقل و حرکت پر کڑی نگرانی شروع کر دی بلکہ اس نے ایک ایسا خفیہ حکم بھی جاری کر دیا جس کے مطابق آپ کے لئے پاکستان سے باہر جانے کے تمام بری، بحری اور ہوائی راستے بند کر دیئے گئے۔ یہ وہی حکم نامہ تھا، جو اُس وقت جب کہ آپ اپریل ۱۹۸۴ء میں ملک کو چھوڑ کر باہر جا رہے تھے، کراچی ائر پورٹ کے حفاظتی عملہ کے لئے ایک عقدۂ لاینحل بن گیا۔ اب یہ تو ظاہر ہے کہ عام حالات میں ایسے صدارتی حکم کی موجودگی میں آپ کا ملک چھوڑ سکنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ مگر خدائے قادر و قدوس نے اس وقت اپنی قدرت کا ایک ایسا جلوہ دکھایا جس سے اس ظالم حکمران کا وہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ بات یہ ہوئی کہ جنرل ضیاء الحق سے وہ حکم نامہ لکھتے وقت ایک بہت بڑی فروگزاشت ہوگئی۔ اس نے اس کے اوپر 'مرزا طاہر احمد' لکھنے کی بجائے 'مرزا ناصر احمد' کے الفاظ لکھ دیئے۔ چنانچہ حکم نامہ کی عبارت جو لکھی گئی، وہ یہ تھی:

''مرزا ناصر احمد کو جو اپنے آپ کو جماعت احمدیہ کا خلیفہ کہتے ہیں، پاکستان چھوڑنے کی ہرگز اجازت نہیں''

اب یہ ہر کوئی جانتا ہے کہ 'مرزا ناصر احمد' جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ کا نام تھا، جو دو سال قبل وفات پا چکے تھے۔ موجودہ خلیفہ کا نام 'مرزا طاہر احمد' تھا۔ کراچی ائر پورٹ پر متعین عملہ اس الجھن میں پڑ گیا اور

اس پر کافی لے دے ہوتی رہی کہ آیا وہ اس حکم نامہ کے رو سے حضرت مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابع) کو روک سکتے ہیں یا نہیں۔اس الجھن کے حل کے لئے بالآخر انہوں نے رات اسلام آباد فون بھی کیا تا کہ جنرل ضیاء الحق سے اس کی وضاحت کروائی جائے۔مگر وہاں سے جواب ملا کہ جنرل صاحب اس وقت محو استراحت ہیں اور ان سے رابطہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس حکم نامے کو کسی پرانے اور زائد المیعاد حکم پر محمول کرتے ہوئے ہوائی جہاز کو پرواز کی اجازت دے دی گئی۔کراچی ائر پورٹ پر ہوائی جہاز کی پرواز میں تاخیر کی یہی وجہ تھی۔

یہ وہ خاص تقدیر الٰہی تھی جو حضرت امام جماعت احمدیہ کے حق میں اس وقت ظاہر ہوئی، جب عام حالات میں آپ کا ملک سے باہر جانا قطعی طور پر ناممکن ہو چکا تھا۔اس طرح پر اللہ تعالیٰ کی خاص مشیئت نے پاکستان کے اس ظاہر اور عامر مطلق کا تیار کردہ ناپاک منصوبہ خاک میں ملا دیا۔اس دلچسپ حقیقت پر جس عمدہ انداز میں مسٹر اے۔ایڈم سن نے تبصرہ کیا، وہ اس قابل ہے کہ اسے ناظرین کے سامنے رکھا جائے۔وہ لکھتا ہے:

> ''یہ خدا کی منصوبہ بندی تھی ،جس کے مقابلے میں سارے انسانی منصوبے خاک میں مل گئے۔خدا نے اپنے دست قدرت سے (حضرت) خلیفہ رابع کی حفاظت فرمائی ،کیا یہ الٰہی تصرف نہیں تھا کہ ضیاء الحق اپنے قلم سے عین اُس وقت اتنی فاش غلطی کرتا ہے کہ جب آپ (یعنی حضورؒ) ہوائی جہاز پر سوار ہونے لگتے ہیں،تو اس کا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا ہے۔کسے معلوم نہیں تھا کہ خلیفہ رابع کا کیا نام ہے۔آپ کا پاسپورٹ پکار پکار کر کہہ رہا تھا کہ آپ (حضرت) مرزا طاہر احمد ہیں۔لیکن عین وقت پر ضیاء الحق کی آنکھوں پر پردہ پڑ جاتا ہے اور بقائمی ہوش وحواس اپنے ہاتھ سے اور اپنے ہی قلم سے اپنے حکم نامہ پر (حضرت) مرزا طاہر احمد کے (حضرت) مرزا ناصر احمد نام لکھ دیتا ہے اور پھر اس کی اسی غلطی کی بدولت (حضرت) مرزا طاہر احمد قانون کے دائرے کے اندر رہتے ہوئے آرام اور سکون کے ساتھ ملک چھوڑنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں''

اب جنرل ضیاء الحق کی سنیں کہ اس کا کیا حال ہوا۔جب اسے علم ہوا کہ اس کا 'شکار' اُس کے ہاتھ سے نکل چکا ہے،تو وہ غصے سے باؤلا ہو گیا۔مزید تفصیل مسٹر ایڈم سن کی زبانی ملاحظہ ہو۔وہ لکھتا ہے:

''جنرل ضیاء الحق یہ خبر سن کر باؤلا ہو گیا۔ وہ پہلے تو کراچی کے امیگریشن حکام پر برسا اور گرجا کہ پوری چھان بین کی جائے، اس نے حکم صادر کیا اور یہ کہ 'جن جن کا بھی اس میں ہاتھ ہوا، میں ان سب کو ناکوں چنے چبوا دوں گا، اس نے چیختے ہوئے اپنا جملہ مکمل کیا۔''

دوسرے نمبر پر سپرنٹنڈنٹ پولیس، ضلع جھنگ کی جو شامت آئی، تو اس کا حال بھی سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ مسٹر ایڈم سن، ایس۔ پی جھنگ، کی جنرل ضیاء الحق کے ساتھ ٹیلیفون پر ہونے والی گفتگو کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس کا ایک دوست، جو اس وقت اس کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اس کا کہنا ہے کہ 'ان کے دفتر کے ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ جب انہیں بتایا گیا کہ اسلام آباد سے کال ہے اور جنرل ضیاء الحق صدر پاکستان ان سے بات کرنا چاہتے ہیں تو ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ انہوں نے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ انہیں ایک گرجدار آواز آئی: 'مرزا طاہر کہاں ہے؟ اسے فوراً اسی وقت حاضر کرو!' ضیاء الحق کی آواز دفتر میں بیٹھے ہوئے دوست کو بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ اِدھر وہ پولیس افسر اعلیٰ تھا کہ تھر تھر کانپتے ہوئے صرف اتنا ہی کہہ پایا کہ، جناب مجھے تو کچھ علم نہیں وہ کہاں ہیں۔ جنرل ضیاء الحق کا یہ سننا تھا کہ وہ غصے سے آگ بگولا ہو گیا اور چنگھاڑتے ہوئے بولا: 'تمہارا مطلب کیا ہے، وہ تمہارے ضلع میں رہتا ہے، تم ہی اس کے ذمہ وار ہو اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں کوئی علم نہیں؟ تمہارے سامنے وہ غائب ہو گیا اور تمہیں کانوں کان خبر نہیں ہو سکی، میں تمہیں پکڑوں گا۔''

اس کے جواب میں ضلع افسر اعلیٰ بیچارہ اپنی سراسیمگی پر قابو پاتے ہوئے انتہائی لجاجت کے عالم میں بس صرف اتنا ہی کہہ سکا:

''جناب فکر نہ کریں، میں ابھی اس کی تحقیق کرواتا ہوں، مرزا طاہر احمد جہاں کہیں بھی ہوا، اسے ڈھونڈ کر لے آؤں گا۔''

ادھر ضیاء الحق کے منہ سے دھمکیوں اور گالیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا لاوا کئی منٹوں تک بدستور ابلتا اور بہتا رہا۔

بہرحال اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ حضرت امام جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں پاکستان

سے باہر آ چکے تھے اور اس طرح پر ایک ظالم اور سفاک ڈکٹیٹر کی دست برد سے آزاد ہو چکے تھے۔ اس کے جلد بعد ہی خدائے غیور کے غضب کی لاٹھی خود اس (ظالم ڈکٹیٹر) کے اُوپر چل گئی اور وہ اپنے بیس جرنیلوں کو بھی ساتھ لیتا ہوا اس حاکم ازلی کی عدالت میں حاضر ہو گیا، جس کے آگے بڑے بڑے خودسروں اور فرعونوں کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔

یہ مضمون ختم کرنے سے پیشتر خدائے قادر وتوانا کے قادرانہ تصرف کے جلوہ کی ایک اَور دلچسپ جھلکی کا بیان بھی ازدیادِ ایمان کا باعث ہوگا۔ وہ یہ کہ حضور (حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کے پاکستان کی سرزمین چھوڑنے کے بارہ گھنٹے بعد (مگر آپ کے انگلستان پہنچنے کی خبر نشر ہونے سے پہلے) ربوہ میں گورنر صاحب پنجاب کا ایک ٹیلیفونک پیغام موصول ہوا جو یہ تھا کہ:

''خلیفہ صاحب گورنر صاحب موصوف کو فوری طور پر لاہور آ کر ملیں''۔

اس حکم کا مقصد سوائے اس کے کچھ نہ تھا کہ گورنر پنجاب جسے جنرل ضیاء الحق کی طرف سے کچھ مخفی ہدایات مل چکی تھیں حضرت امام جماعت احمدیہ کے گورنر ہاؤس میں حاضر ہوتے ہی آپ کو حراست میں لے لیتا۔ اس ساری صورتِ حال پر حضورؒ نے اپنا عارفانہ تبصرہ یوں فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے کام بھی نرالے ہیں۔''

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب
خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

خاندانی پس منظر

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس خاندان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو مبشر اولاد عطا فرمائی ان میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ، حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ شامل ہیں۔ ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے نواسے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کے پوتے ہیں۔ یوں آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پڑپوتے ہیں۔ یہ وہ مقدس خاندان ہے جس کے بارہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی پہنچ گیا تو فارسی نسل کا ایک آدمی یا فارسی نسل کے لوگ اس کو واپس لے آئیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کے افراد کو ''ابنائے فارس'' کے نام سے یاد کیا ہے کہ اے فارس کے بیٹو! توحید کو مضبوطی سے پکڑو یعنی توحید کا قیام ابنائے فارس کے ذریعہ ہوگا۔

نیک والدین

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے نیک والدین کا تعارف یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب سابق ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان تھے جو 13/مارچ 1911ء کو حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ ایک لمبا عرصہ تک امیر مقامی ربوہ بھی رہے۔ آپ نے 10 دسمبر 1997ء کو وفات پائی۔ حضور ایدہ اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ ہیں جو ستمبر 1911ء میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے

ہاں پیدا ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے۔ آپ کے والدین کی شادی 26 اگست 1934ء کو ہوئی جب کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے ان کے نکاح کا اعلان 2 جولائی 1934ء کو فرمایا تھا۔

پیدائش، تعلیم وتربیت

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب مورخہ 15 ستمبر 1950ء کو حضرت مرزا منصور احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کے ہاں ربوہ میں پیدا ہوئے۔ عمر میں آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ آپ کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ سایہ خلافت، نیک والدین اور پاکیزہ ماحول میں آپ کی تعلیم وتربیت ہوئی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر بی. اے تک کی تعلیم ربوہ سے حاصل کی۔ آپ نے میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ اور بی اے تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے کیا پھر ایم ایس سی کے لئے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں داخلہ لیا اور 1976ء میں اسی یونیورسٹی سے ایگریکلچرل اکنامکس میں ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔

شادی اور اولاد

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کی شادی حضرت سیدہ امۃ السبوح بیگم صاحبہ اَطَالَ اللّٰہُ عُمُرَھَا بنت محترم سید داؤد مظفر شاہ صاحب ومحترمہ صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ مرحومہ کے ساتھ مورخہ 31رجنوری 1977ء کو ہوئی۔ 2 فروری 1977ء کو دعوت ولیمہ کا انعقاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹی مکرمہ امۃ الوارث فاتح صاحبہ اہلیہ مکرم فاتح احمد ڈاہری صاحب انچارج انڈیا ڈیسک لندن اور ایک بیٹے محترم صاحبزادہ مرزا وقاص احمد صاحب مقیم لندن سے نوازا ہے۔

وقف زندگی اور افریقہ روانگی

آپ نے 1977ء میں وقف کیا۔ نصرت جہاں سکیم کے تحت آپ کی تقرری غانا، مغربی افریقہ میں ہوئی۔ اگست 1977ء میں آپ غانا تشریف لے گئے۔ 1977ء سے 1985ء تک آپ غانا میں خدمات بجالاتے رہے۔ پہلے دو سال بطور ہیڈ ماسٹر احمدیہ سیکنڈری سکول سلاگا، اگلے تین سال 5 ماہ بطور ہیڈ ماسٹر اکمفی ٹی آئی احمدیہ سیکنڈری سکول ایسارچر اور پھر تقریباً دو سال احمدیہ زرعی فارم ٹمالے میں بطور مینیجر خدمات

بجالاتے رہے۔زراعتی خدمات کرتے ہوئے آپ نے غانا میں پہلی بار گندم اُگانے کا کامیاب تجربہ کیا۔

پاکستان واپسی اور خدمات

1985ء میں آپ غانا مغربی افریقہ سے پاکستان واپس تشریف لائے۔17 مارچ 1985ء سے آپ نے نائب وکیل المال ثانی کی حیثیت سے تحریک جدید میں خدمات کا آغاز کیا اور نو سال تک اس عہدہ پر کام کیا۔18 جون 1994ء کو آپ کا تقرر بطور ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ ہوا اور آپ کو شعبہ تعلیم میں غیر معمولی خدمات کی توفیق ملی۔ 1994ء سے 1997ء تک آپ ناصر فاؤنڈیشن ربوہ کے چیئرمین بھی رہے۔اسی عرصہ میں آپ تزئین کمیٹی ربوہ کے صدر بھی تھے۔اسی حوالہ سے آپ نے گلشن احمد نرسری ربوہ کی توسیع اور ربوہ کو خوبصورت بنانے کیلئے ذاتی کوشش اور نگرانی کی۔آپ 1988ء سے 1995ء تک ممبر قضا بورڈ ربوہ رہے۔یوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ''ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے'' ظاہری طور پر بھی آپ کی ذات میں پورا ہوا۔اگست 1998ء میں آپ صدر مجلس کارپرداز مقرر ہوئے۔

ناظر اعلیٰ وامیر مقامی

آپ اپنے والد ماجد حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی وفات کے بعد 10رد سمبر 1997ء کو ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور امیر مقامی ربوہ مقرر ہوئے اور تا انتخاب خلافت اس منصب پر فائز رہے۔

ذیلی تنظیموں میں خدمات

حضور انور ایدہ اللہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ و پاکستان اور مجلس انصار اللہ پاکستان میں بھی مختلف شعبوں میں خدمات بجالاتے رہے۔سال 77-1976ء میں آپ مہتمم صحت جسمانی خدام الاحمدیہ مرکزیہ تھے۔ 85-1984ء میں مہتمم تجنید، 86-1985ء تا 89-1988ء مہتمم مجالس بیرون رہے اور سال 90-1989ء میں آپ نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان تھے۔مجلس انصار اللہ پاکستان میں 1995ء میں قائد ذہانت وصحت جسمانی اور پھر 1997ء تک قائد تعلیم القرآن کے طور پر خدمات بجالاتے رہے۔

اسیر راہ مولیٰ کا اعزاز

آپ کو ایک جھوٹے مقدمہ میں 30 اپریل 1999ء کو گرفتار کیا گیا اور جھنگ جیل میں اسیر کر دیا گیا۔ 10رمئی 1999ء کو آپ کی رہائی ہوئی۔یوں آپ نے اسیرِ راہ مولیٰ ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

انتخاب خلافت

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ 19 / اپریل 2003ء کو لندن میں انتقال فرما گئے۔ 22 / اپریل 2003ء کو بیت الفضل لندن میں انتخاب خلافت ہوا۔ لندن وقت کے مطابق 11:40 بجے رات حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کا بطور خلیفۃ المسیح الخامس اعلان ہوا اور آپ قافلہ احمدیت کے سالار مقرر ہوئے۔ اب آپ کی قیادت میں احمدیت کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور صحت میں برکت ڈالے اور اشاعت دین کے کاموں میں روح القدس کی تائید سے نوازے اور ہم سب کو آپ کا سچا فرمانبردار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مکرم محترم عبدالرزاق بٹ صاحب مربی سلسلہ احمدیہ تحریر فرماتے ہیں:

خاکسار نے 1971ء میں جامعہ پاس کیا اور جنوری 1975ء میں غانا کے نارتھ میں میری تقرری ہوئی۔ ہیڈ کوارٹر ٹمالے تھا۔ 1977ء کی بات ہے وہاں کی جماعت نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ ہمارا ایک اخبار ''گائیڈنیس'' ماہوار چھپتا ہے میرے علاقے میں چونکہ جماعت بہت کم تھی اور جہاں میں تھا وہاں ٹمالہ میں 10 یا 12 گھر تھے۔ جو اخبار مجھے ملتا وہ میں بیچتا۔ میں مشن ہاؤس کے باہر ٹیبل رکھ لیتا اور اخبار بیچتا۔ ایک دن میں بس کے اڈے پر اخبار بیچ رہا تھا۔ میں نے دیکھا ایک نہایت خوبصورت نوجوان بس سے نیچے اترا ہے۔ میں گیا، السلام علیکم کیا تو پتہ چلا کہ صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ہیں اور ان کی ہیڈ کوارٹر سے 50 میل دور سلاگا احمدیہ سکینڈری سکول میں بطور ہیڈ ماسٹر کے تقرری ہوئی ہے۔ میاں صاحب اکثر جمعہ ٹمالہ میں میرے پاس پڑھنے تشریف لاتے۔ سکولوں میں جمعہ ہفتہ کی چھٹی ہوتی ہے۔ ایک دن فرمانے لگے کہ آپ میرے سکول میں آجایا کریں اور دینیات یا religious studies پڑھا دیا کریں۔ میں منگل کی شام کو یا بدھ کی صبح کو بس پر چلا جاتا۔ میں دو دن پڑھاتا پھر بعض دفعہ جمعرات کو (میاں صاحب بھی اکیلے رہتے تھے میں بھی اکیلا رہتا تھا) بس پر اکٹھے ٹمالہ آجاتے۔ اس طرح میں جب بھی رات کو وہاں رہتا میاں صاحب کھانا خود پکاتے۔ میں کوشش بھی کرتا کہ میاں صاحب آج میں پکاتا ہوں تو نہ پکانے دیتے۔ ہر کام خود کرتے۔ بجلی بھی وہاں نہیں تھی۔ مکان میں ایک کمرہ تھا، ایک کچن، ایک باتھ روم اور جو گیلری تھی وہ 2 یا 3 فٹ کی ہوگی اور یہ گھر 2 مرلے سے غالباً کم ہوگا۔ 1979ء میں میری جامعہ میں ٹرانسفر ہوگئی تو میاں صاحب کی بھی ''ایسارچر'' نامی جگہ میں سکول میں ٹرانسفر ہوگئی۔ ایسارچر جامعہ احمدیہ

سے تقریباً 30 میل دور ہے۔ اکثر میاں صاحب سے جمعہ کو ملاقات ہو جاتی۔ آپ جہاں پر رہ رہے تھے وہاں بجلی بھی نہیں تھی اور پانی کا بھی خاص انتظام نہیں تھا۔

ایک دن فرمانے لگے کہ جب میں آیا تھا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے فرمایا تھا کہ دیکھو اللہ سے بے وفائی نہیں کرنی اور یہ بھی فرمایا کہ آپ کی وجہ سے کسی کو ٹھوکر نہیں لگنی چاہیے۔

تنقید سے نفرت

جہاں تک نظام کا تعلق ہے امیر پر تنقید کرنا بالکل پسند نہ کرتے۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ مل کر بیٹھتے ہیں تو عہدیداران پر تنقید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کو آپ بالکل پسند نہ کرتے۔ ہاں یہ دیکھا ہے کہ اگر کسی واقفِ زندگی میں کوئی اچھائی ہے تو اس کو دوسروں کے سامنے کھل کر بیان کر دیتے۔ لیکن کسی کے خلاف کوئی بات نہ کرتے۔ اگر کوئی دوسرا بھی کرتا تو ناپسند کرتے۔

طلبہ سے گہری واقفیت

میرے اکثر سفر میاں صاحب کے ساتھ ہوتے۔ میاں صاحب کے پاس گاڑی تھی۔ اُدھر جب ٹرانسفر ہوئی تو وہاں بھی ان کے پاس بڑی گاڑی تھی۔ دو فیملیاں بڑے آرام سے بیٹھ جاتی تھیں۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ ہم سفر کر رہے تھے رات کو میٹنگ سے لیٹ فارغ ہوئے، ہیڈ کوارٹر میں میٹنگ تھی۔ رات گیارہ بارہ بجے کے قریب ہم آرہے تھے حضرت میاں صاحب کی اور میری فیملی ساتھ تھی۔ راستے میں ایک جگہ ہماری گاڑی کا پچھلا پہیہ نکل کر جنگل میں غائب ہو گیا گاڑی گھسٹتی گھسٹتی کھڑی ہو گئی۔ فرمانے لگے اچھا تم یہاں کھڑے رہو۔ میرا خیال ہے کہ ان جھاڑیوں کے پیچھے ایک گاؤں ہے۔ اس گاؤں کا ایک لڑکا میرے سکول میں پڑھتا ہے۔ میں جا کر اسے ڈھونڈ لاتا ہوں۔ آپ گئے اندھیرا تھا بجلی وغیرہ کا تو کوئی تصور ہی نہیں تھا۔ تقریباً پونے گھنٹے بعد آپ واپس آئے۔ وہ لڑکا بھی ساتھ تھا۔ میں آج تک بہت حیران ہوں کہ میں بھی آخر پڑھاتا تھا۔ جامعہ میں تو لڑکے بھی تھوڑے ہوتے ہیں لیکن پھر بھی مجھے سب کے نام نہیں آتے تھے جبکہ سکول میں لڑکے بہت زیادہ ہوتے ہیں لیکن پھر بھی آپ کو نام یاد تھا۔ آپ دیکھیں کہ سینکڑوں لڑکوں میں سے اُس لڑکے کا نہ صرف نام یاد تھا بلکہ گاؤں کا نام اور حیرانگی کی بات یہ ہے کہ اُس گاؤں کی location بھی آپ کو رات کے اندھیرے میں بھی یاد تھی۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو ہر لڑکے کا پتہ

تھا۔ وہ کہاں کا رہنے والا ہے، کس ماحول میں رہتا ہے۔ حالانکہ وہ احمدی نہیں تھے اکثر عیسائی تھے۔ کس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ کو یادداشت دی ہے۔ بعض اوقات انسان سوچتا ہے کہ خلفاء کیسے ہزاروں خط پڑھ کر یادرکھ لیتے ہیں۔ اس واقعہ سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جن کو کھڑا کرتا ہے ان کو شروع ہی سے بعض ایسی استعدادیں عطا کرتا ہے جو عام لوگوں میں نہیں ہوتیں۔ مربیان کے ساتھ آپ کا بڑا اچھا تعلق ہے۔ مربیان کا آپ اتنا احترام کرتے کہ ایسا احترام میں نے بہت کم لوگوں میں دیکھا ہے۔

حضور ایدہ اللہ باقاعدگی کے ساتھ صبح تلاوت کیا کرتے۔ ایک دن مجھے پوچھا تو میں نے کہا کہ جی تلاوت کرتا ہوں۔

ہم شاپنگ کے لئے بعض اوقات مع فیملیز اکرا اکٹھے جاتے تو حضرت بیگم صاحبہ جو چیزیں اچھی اور سستی ہوتیں میری بیگم کو بتاتیں کہ آپ بھی خریدلیں۔ میاں صاحب کی گاڑی پر ہی ہم لوگ جاتے۔ میاں صاحب کے سکول سے ہماری رہائش کا فاصلہ تقریباً 20 میل تھا۔ اگر رات کے 12 یا 1 بھی بجے ہوتے پھر بھی آپ ہمیں گھر چھوڑنے کے لئے آتے۔ ایک دفعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ آپ ہمیں ہمارے گھر چھوڑنے نہ آئے ہوں۔

مکرم مجید احمد بشیر صاحب آف لاہور قیام غانا کی چند حسین یادیں بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

خاکسار کو کچھ عرصہ غانا میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ساتھ کام کرنے کی سعادت ملی۔ الحمدللہ۔ حضرت میاں صاحب نے وہاں پر پہلے سلاگا اور ایسارچر میں بطور پرنسپل کام کیا اور بعد میں ایگریکلچر فارم پر ٹمالے تشریف لے گئے۔ کئی ایسے مواقع آئے جہاں آپ کے ساتھ کچھ وقت گزارنے کا موقع ملتا رہا۔ جماعتی میٹنگز، جلسہ ہائے سالانہ، اجتماعات کے مواقع پر اکٹھے وقت گزارنے کا موقع ملا۔ بے شمار واقعات میں سے چند واقعات سادہ زبان میں تحریر کر رہا ہوں:

ایک دفعہ خاکسار کو کسی کام کے سلسلہ میں غانا کے دارالحکومت اکرا آنا پڑا۔ محترم لطیف صاحب بھی ہمراہ تھے۔ حضرت میاں صاحب بھی ایسارچر سے اکرا تشریف لائے ہوئے تھے۔ آپ کے پاس اس وقت V.W (واکس ویگن) ہوا کرتی تھی۔ حالات اس قسم کے تھے کہ اگر گاڑی ہے تو ٹائر دستیاب نہیں اور اگر ٹائر ہیں تو گاڑی کے سپئیر پارٹس دستیاب نہیں اور اگر خوش قسمتی سے دونوں ہیں تو پٹرول نہیں۔ جب رات کو آپ

جانے کے لیے تیار ہوئے تو محترم لطیف صاحب نے اشارہ کیا کہ ایک ٹائر میں ہوا بہت ہی کم ہے لٰہذا رات کو یہیں رک جائیں اور اگلے روز ٹائر کی مرمت کے بعد روانہ ہوں۔ سپیئر ٹائر چیک کیا گیا اس میں بھی ہوا اتنی ہی کم تھی غالباً پنکچر تھا۔ آپ کا ایسار چر واپس جانا بھی بہت ضروری تھا کیونکہ محترمہ بیگم صاحبہ اور بچے ایسار چر میں ہی تھے۔ میں بعد میں حضرت میاں صاحب کی اس وقت کی پریشانی کو سمجھ سکتا تھا کیونکہ خاکسار کو بھی بعد میں اسی گھر میں رہنے کا موقع ملا۔ جنگل میں ایک ٹیلے کی چوٹی پر اکیلا گھر ہے۔ MTA پر وہ گھر دکھایا بھی گیا ہے۔ بہرحال جب حضرت میاں صاحب نے کہا کہ جانا ضروری ہے تو مکرم لطیف صاحب اور خاکسار بھی حضرت میاں صاحب کے ساتھ ہو لئے تا کہ آپ کو کمپنی مل جائے۔ ہم نے سوچا کہ صبح واپس آ جائیں گے۔ آپ گاڑی خود ڈرائیو کر رہے تھے۔ فرمایا کہ ہم خاموشی سے بیٹھ جائیں۔ دعاؤں کے ساتھ اسی ٹائر کے ساتھ ایسار چر کی طرف روانگی ہوئی۔ راستہ بھر کسی جگہ پر بھی ٹائر مرمت کرنے والوں کی دکان کھلی نہ ملی لیکن اللہ کی شان کہ ہم تقریباً رات بارہ بجے ایسار چر پہنچ گئے۔ الحمدللہ۔

مہمان نوازی

مہمان نوازی کا یہ عالم تھا کہ رات بارہ بجے پہنچ کر بھی مہمانوں کی خود ہی خدمت کی جا رہی ہے۔ جب کہ وہاں پر بجلی، فریج اور دوسری سہولیات میسر نہ تھیں۔ اس بات کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جو وہاں پر رہ کر آئے ہیں۔ دیگر مواقع پر بھی مہمان نوازی میں کبھی کوئی کسر نہ چھوڑی۔ سنت نبوی پر عمل کرتے ہوئے گھر کے کاموں میں برابر کے شریک رہتے۔ چونکہ وہاں پر کھانا وغیرہ خود ہی خواتین کو بنانا پڑتا۔ تو دیکھا گیا کہ آپ مہمانوں کو بھی دیکھ رہے ہوتے اور ساتھ بچوں کو بھی سنبھال رہے ہوتے کسی کو کام سمجھانا ہوتا تو انتہائی شفقت سے کام سمجھاتے۔ اپنے ماتحت کام کرنے والوں کے ساتھ انتہائی شفقت اور محبت اور نرمی کا سلوک فرماتے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ کے ساتھ کام کرنے والے آپ کے گرویدہ رہتے۔ اور آپ کو انتہائی عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ جب خاکسار نے ایسار چر سکول کا چارج لیا تو اس وقت حضرت میاں صاحب ٹمالے تشریف لے جا چکے تھے اور خاکسار نے آپ کے اسسٹنٹ مکرم نصیر احمد صاحب سے چارج لیا۔ وہ بھی چارج دینے کے بعد پاکستان تشریف لے گئے۔ چند امور کی سمجھ نہیں آ رہی تھی خاکسار نے محترم امیر صاحب کی وساطت سے آپ کو لکھا تو آپ ایک طویل اور تکلیف دہ سفر طے کر کے خود ایسار چر تشریف لائے اور ایک ایک بات سمجھائی۔ خاکسار کو آج تک اس امر کا افسوس ہے کہ آپ کو اس قدر تکلیف کیوں دی؟ خاکسار نے کبھی حضرت میاں صاحب کو کسی کے ساتھ سختی

سے پیش آتے نہیں دیکھا۔

نظام جماعت کی پابندی اپنا فرض سمجھتے ہمیشہ محترم امیر صاحب کے سامنے نیچی آنکھوں سے بات کرتے۔ محترم امیر صاحب بھی آپ کی انتہا درجہ کی عزت کرتے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ دفتر میں بیٹھے ہیں۔ حضرت میاں صاحب کی گاڑی مشن ہاؤس میں داخل ہوتی تو امیر صاحب فوراً باہر نکل کر نہایت احترام سے استقبال کرتے۔

کفایت شعاری

سادگی کا یہ عالم کہ ایک دفعہ مجھے یاد پڑتا ہے کہ وہاں کے ایک شہر میں ہم میٹنگ کے سلسلہ میں تمام اساتذہ جمع ہوئے تھے اور ہم جب بھی بڑے شہروں میں آتے تو وہاں کے بڑے سٹورز سے کچھ نہ کچھ خرید لیتے کیونکہ جہاں بھی ہمارے سکولز ہیں وہاں سے بار بار اُن شہروں کا سفر بہت مشکل تھا۔ غانا کے حالات بھی کچھ ایسے تھے کہ کوئی اچھی چیز مشکل سے ہی ملتی تھی۔ ہم سب وہاں پر ایک اسٹور پر گئے۔ وہاں پر سٹین لیس سٹیل کے بڑے اچھے چمچ آئے ہوئے تھے۔ کسی نے 12 خریدے، کسی نے اٹھارہ خریدے لیکن باوجود سب کے اصرار کے آپ نے صرف تین چمچ خرید فرمائے اور کہا کہ مجھے ضرورت ہی صرف تین کی ہے۔ مزاح میں بھی کمی نہیں گو بہت ہی کم گو ہیں لیکن دوران گفتگو جہاں ضروری ہوتا ضرور کچھ نہ کچھ کہہ دیتے جس سے مجلس کو زعفران بنا دیتے۔

دوراندیشی

دوراندیشی ہر معاملہ میں ہے۔ یہ 1980ء کا واقعہ ہے جب حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ دورہ غانا پر تشریف لائے تھے۔ ہم سب نے ابوری گارڈن پہنچنا تھا۔ صبح صبح وہاں کے ایسٹرن ریجن کے مشن ہاؤس کی طرف ہم سب قافلہ کی صورت میں روانہ ہوئے۔ خاکسار محترم مسعود احمد صاحب شمس کی گاڑی میں تھا۔ مکرم لطیف صاحب بھی ہمراہ تھے۔ آپ نے ہمیں فرمایا کہ آپ آگے چلیں آپ کو راستہ آتا ہے۔ راستہ میں ایک گول چکر پر جا کر ہمیں شرارت سوجھی۔ ہم نے وہاں پر ایک چکر لگایا۔ پھر دوسرا لگایا ابھی تیسرے کی تیاری کر ہی رہے تھے کہ آپ نے گاڑی ایک سائیڈ پر روک دی اور فرمایا کہ آپ سات پھیرے پورے کر لیں اور جب پورے ہو جائیں تو چلتے ہیں۔ آپ فوراً سمجھ گئے کہ ہم شرارت کے موڈ میں ہیں۔ بالکل ناراض نہیں ہوئے اور بڑے ہی اچھے انداز میں ہماری اصلاح بھی کر دی۔

قربانی

سلاگا میں جہاں حضرت میاں صاحب کی رہائش تھی وہ انتہائی چھوٹا سا گھر تھا جس کے دو چھوٹے کمرے تھے ان کو Low cost ہاؤسز کہا جاتا۔

ایسارچہ میں بھی جس گھر میں حضرت میاں صاحب کی رہائش تھی بعض فنی خرابیوں کی وجہ سے اس کی چھت ٹپکتی تھی اور اتنی ٹپکتی تھی کہ بارش کے دوران گھر میں بھی بعض دفعہ چھتری کا استعمال کیا جا سکتا تھا۔ اگر بارش ہو رہی ہو اور اس وقت آپ اس گھر میں داخل ہوں تو جگہ جگہ پر دیگچیاں، بالٹیاں نظر آتیں جن میں ٹپ ٹپ پانی گر رہا ہوتا۔ ملک کے نامساعد حالات کی وجہ سے چھت کی مرمت بھی ناممکن تھی اور اسی طرح ایک لمبا عرصہ بغیر کسی شکوہ شکایت کے اسی گھر میں حضرت میاں صاحب کا قیام رہا اور آپ کی تکلیف کا اندازہ مجھے اس وقت ہوا جب آپ کے بعد اس گھر میں مجھے رہنے کا موقع ملا۔

آپ کو ایگریکلچر کا شوق تو تھا ہی۔ زمین بھی سکول کے پاس وافر تھی۔ سکول میں پولٹری فارم، بکریاں پالی ہوئی تھیں۔ مکئی وغیرہ کی کاشت بھی کرواتے تا کہ کسی طور پر سکول کے اخراجات پورے کیے جا سکیں اور جماعتی فنڈز پر کم سے کم بوجھ پڑے۔

مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب ناظر خدمت درویشاں ربوہ تحریر فرماتے ہیں:

معجزانہ شفا

ایک دفعہ خاکسار کی طبیعت خراب تھی حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کو دعا کے لئے خط لکھا۔ لندن میں کسی تقریب کے موقع پر حضور انور تشریف لائے وہاں حضور ایدہ اللہ نے میرے بیٹے عزیزم نعمان محمود کو دیکھ لیا۔ بُلا کر میری صحت کے متعلق دریافت کیا کہ کیسی ہے۔ بیٹے نے کہا کہ بہتر ہے۔ فرمایا کہ ’’مولوی صاحب سے کہیں لندن آ جائیں صحت بالکل ٹھیک ہو جائے گی۔ انشاءاللہ تعالیٰ‘‘

چنانچہ خاکسار حضور انور ایدہ اللہ کے ارشاد کے مطابق جلسہ سالانہ یو۔ کے 2004ء کے موقع پر لندن چلا گیا۔ جلسہ میں شمولیت کی سعادت ملی۔ جلسہ کے بعد اگلے جمعہ خاکسار کو دل کی تکلیف اچانک شروع ہو گئی جو پہلے ساری زندگی کبھی بھی نہیں ہوئی تھی اور جو میرے وہم وگمان میں بھی نہیں تھی۔ خاکسار کا بیٹا عزیزم عدنان محمود گھر پر تھا اس نے فوراً ایمبولینس منگوائی۔ پانچ منٹ میں ایمبولینس گھر پہنچ گئی۔ 10 منٹ

ہسپتال جانے میں لگے۔ وہاں چار ڈاکٹرز بالکل تیار کھڑے تھے جن میں ایک ہارٹ سپیشلسٹ تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے فوراً اینجیو پلاسٹی شروع کر دی اور ایک گھنٹہ کے اندر اندر اینجیو پلاسٹی کر کے مجھے وارڈ میں بھجوا دیا۔ اُن میں سے ایک ڈاکٹر بار بار میرے بیٹے کو کہتا تھا کہ تمہارا باپ بہت خوش قسمت ہے کہ اس کو آتے ہی چار ڈاکٹرز فارغ مل گئے۔ ورنہ ہم تو ایسے مریضوں کو پندرہ پندرہ دن کا وقت دیا کرتے ہیں۔ دراصل یہ جملہ صورت حال پیارے آقا کی مشفقانہ دعاؤں کے طفیل وقوع میں آئی تھی۔

خاکسار کے داماد عزیزم قریشی منصور احمد ہارٹ سپیشلسٹ ہیں اور امریکہ میں سروس میں ہیں۔ اگلے روز وہ بھی امریکہ سے لندن پہنچ گئے اور میری بیماری سے متعلقہ CD چیک کرنے کے بعد مجھے کہا کہ آپ کا اتنے تھوڑے عرصہ کے دوران بروقت علاج ہوا ہے کہ دل بالکل تندرست حالت میں ہے اور دل کو بفضلہٖ تعالیٰ کسی قسم کا کوئی نقصان نہیں پہنچا۔

خاکسار نے حضور کی خدمت میں اطلاع اور درخواستِ دعا بھجوا دی۔ حضور انور نے از راہِ شفقت دعا سے نوازا اور پھولوں کا تحفہ بھیجا اور پھر دوسرے دن خاکسار کے لئے فروٹ بھجوایا۔ مکرم پرائیویٹ سیکرٹری صاحب فون پر ساری تفصیل بھی دریافت کرتے رہے۔ تین چار دن کے بعد خاکسار بفضلہٖ تعالیٰ بخیر وخوبی گھر آ گیا۔ اِس طرح حضور انور کا ارشاد کہ لندن آ جائیں صحت بالکل ٹھیک ہو جائے گی محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس طرح حیران کن اور معجزانہ طور پر پورا ہوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

معجزانہ حفاظتِ الٰہی

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ جس عرصہ میں ناظر اعلیٰ و امیر مقامی تھے ایک دن میرے ہم زلف مکرم چوہدری رشید الدین صاحب مرحوم سابق امیر ضلع گجرات میرے پاس دفتر خدمت درویشاں آئے اور کہنے لگے کہ ہمیں ربوہ پہنچ کر اچانک کھاریاں جانا پڑ رہا ہے۔ ابھی گاڑی کا انتظار ہے اگر آپ بھی تیار ہو جائیں تو ہمارے ساتھ کھاریاں چلیں شام تک انشاء اللہ تعالیٰ واپس ربوہ آ جائیں گے۔ چنانچہ گاڑی آ جانے پر خاکسار نے کہا کہ میں میاں صاحب کو جا کر بتا تو آؤں۔ میں نظارت علیاء کے دفتر چلا گیا۔ محترم مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ کو اپنے پروگرام کے متعلق بتایا۔ فرمانے لگے کہ ٹھیک ہے چلے جائیں۔ میں نے عرض کی کہ میاں صاحب میں اجازت نہیں مانگ رہا بلکہ مشورہ مانگ رہا ہوں کہ جاؤں یا نہ جاؤں۔ اس پر محترم میاں صاحب فرمانے لگے کہ اگر مشورہ مانگ رہے ہیں تو پھر نہ جائیں۔ خاکسار یہ

الفاظ سن کر واپس آ گیا اور رشید الدین صاحب سے کہا کہ آپ چلے جائیں میں نہیں جا سکتا۔ وہ کہنے لگے کہ اگر میاں صاحب سے اجازت نہیں ملی تو میں اجازت لینے کے لئے دفتر چلا جاتا ہوں لیکن میں نے انہیں منع کر دیا۔ چنانچہ وہ خود گاڑی پر کھاریاں کے لئے روانہ ہو گئے۔ شام کو مجھے اطلاع ملی کہ اس گاڑی کے ڈرائیور کو گاڑی چلاتے ہوئے کھاریاں لاری اڈہ میں پہنچ کر ہارٹ اٹیک ہو گیا جس کی وجہ سے گاڑی کا شدید ایکسیڈنٹ (حادثہ) ہوا ہے۔ ڈرائیور موقع پر ہی فوت ہو گیا ہے اور باقیوں کو گہری چوٹیں آئی ہیں۔ رشید الدین صاحب کا کولہا ٹوٹ گیا ہے۔ رشید الدین صاحب مرحوم آخری وقت تک معذور رہے اور چھڑی کے ساتھ تھوڑا سا چل لیتے تھے لیکن معذوری زیادہ تھی۔

حضرت ناظر صاحب اعلیٰ نے خاکسار کو مشورہ کے جواب میں کھاریاں جانے سے جو منع فرمایا وہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی انکار تھا۔

بیماری سے شفا

مکرم محمد اقبال صاحب آف کنری ضلع عمر کوٹ تحریر فرماتے ہیں:

1998ء میں غالباً 20 فروری کو مجھے رات کے وقت اچانک ٹانگ کی پنڈلی میں عرق النساء کی تکلیف ہوئی۔ خاکسار نے ڈاکٹر سے معائنہ کرایا اور دوائی شروع کر دی مگر پھر بھی مجھے بے یقینی تھی۔ خاکسار نے اگلے دن نو بجے ناظر صاحب اعلیٰ کے دفتر میں فون پر رابطہ کیا۔ حضرت میاں صاحب کو بیماری کی ساری حقیقت حال بتائی اور جذبات میں آ کر خاکسار رونے لگا تو میاں صاحب نے فرمایا گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ کی چیخیں ربوہ تک پہنچ گئیں ہیں اور جو بھی دوست یا بزرگ میرے پاس آئے گا میں اُسے درخواست دعا کروں گا اور ازراہ شفقت رسٹاکس + آرنیکا 1000 طاقت میں لینے کا ارشاد فرمایا۔ میری بیماری کو دیکھ کر ڈاکٹر بھی پریشان تھے کوئی کہہ رہا تھا کہ ٹانگ ٹیڑھی ہو جائے گی اور لنگڑا پن ہو جائے گا۔ میں گھبراہٹ میں تھا۔ اگلے دن میاں صاحب کا فون آیا۔ ازراہ شفقت فرمایا کہ میرے پاس جو بھی دوست و بزرگ آتے ہیں ان کو دعا کے لئے کہہ دیتا ہوں اور خود بھی دعا کر رہا ہوں۔ خاکسار چل پھر نہ سکتا تھا اور نہ بیٹھ سکتا تھا۔ میرا یقین و ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور میاں صاحب کی دعاؤں کی وجہ سے ٹھیک ٹھاک کر دیا۔

بیٹے کی کامیابی

خاکسار کا بیٹا عزیزم محمود احمد انجم جامعہ احمدیہ ربوہ میں زیر تعلیم تھا اور پڑھائی میں کمزور تھا۔ ایک بار خاکسار اپنے بیٹے کو لے کر محترم ناظر صاحب اعلیٰ کے دفتر میاں صاحب کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے بیٹے کو سمجھائیں کہ یہ واقف زندگی ہے اس نے خود زندگی وقف کی ہے یہ پڑھائی میں کمزور ہے۔ آپ اس کے لئے دعا کریں۔ خاکسار اس بچے کو آپ کے سپرد کرتا ہے آپ اس کی تعلیم کی نگرانی فرمائیں، یہ مجھ پر احسان عظیم ہوگا۔ آپ نے عزیزم محمود احمد انجم کو کہا کہ آئندہ آپ نے مجھ سے ملتے رہنا ہے اور ہر ماہ اپنی تعلیم کی رپورٹ دینی ہے۔ دو تین ماہ بعد خاکسار جب دوبارہ ربوہ گیا اور اپنے بیٹے کو کہا کہ جب آپ میاں صاحب سے ملتے ہیں تو میاں صاحب کیا فرماتے ہیں؟ بیٹے نے مجھے کہا کہ میاں صاحب نے فرمایا ہے کہ روزانہ کم از کم دو نفل ضرور پڑھا کرو اور روحانی خزائن کا مطالعہ سونے سے پہلے کیا کرو۔ ہر ماہ کوشش کر کے جیب خرچ سے ایک کتاب خریدا کرو۔

ٹی بی سے شفایابی

خاکسار 2003ء ماہ جنوری میں خدا کے فضل سے ربوہ گیا۔ خاکسار عرصہ دو سال سے کھانسی اور ٹی بی کے مرض میں مبتلا تھا جس کی وجہ سے بے حد کمزور اور لاغر ہو چکا تھا۔ چلنا پھرنا مشکل ہو گیا تھا۔ بدقسمتی یہ ہوئی کہ خاکسار نے نہ ہی ٹیسٹ کرائے تھے اور نہ ہی باقاعدگی سے دوائی لی تھی۔ کنری میں ڈاکٹر صاحب سے چیک کروایا تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آپ کی ٹی بی آخری سٹیج پر پہنچ چکی ہے۔ اس کے بعد خاکسار میر پور خاص ڈاکٹر عبدالمنان صدیقی صاحب کے پاس فضل عمر ہسپتال گیا، چیک اپ کروایا اور ڈاکٹر صاحب نے فرمایا آپ نے بڑی لاپرواہی کی ہے اور آپ نے اس بیماری کی طرف پوری توجہ نہ دی ہے انہوں نے دوا لکھ کر دی۔ خاکسار کے دل میں خیال آیا کہ میں ربوہ جاؤں اور میاں صاحب سے ملاقات کروں اور جو ربوہ میں ڈاکٹر ہیں ان سے بھی چیک اپ کرواؤں۔ ربوہ میں خاکسار نے ایک ڈاکٹر صاحب سے چیک کروایا تو انہوں نے چیک کرنے کے بعد کہا کہ اقبال صاحب آپ نے علاج میں بہت سستی کی ہے۔ آپ دعا کریں میں دوائی دے دیتا ہوں اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ میں چیک اپ کروانے کے بعد حضرت میاں صاحب کے پاس ملاقات کے لئے حاضر ہوا۔ میاں صاحب کو سب رپورٹس بتائیں۔ میری

کیفیت کمزوری کی وجہ سے انتہائی جذباتی ہوگئی اور میاں صاحب سے عرض کیا کہ پتہ نہیں زندگی ہے کہ نہیں میں آپ سے ملنے آیا ہوں۔ ڈاکٹر صاحبان کے بقول خاکسار لاعلاج ہے میں جذباتی باتیں کر رہا تھا کہ آپ نے بڑے پیار اور شفقت سے فرمایا کہ کل ڈاکٹر نوری صاحب پنڈی سے ربوہ تشریف لا رہے ہیں وہ فضل عمر ہسپتال میں چیک کریں گے، آپ پرچی بنوا کر ان سے چیک کروالیں۔ خاکسار نے عرض کیا کہ ڈاکٹر نوری صاحب کے نام آپ اپنی کوئی پرچی دے دیں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ ڈاکٹر صاحب کو صرف میرا حوالہ دیں میں ان کو کہہ دوں گا۔ اگلے روز خاکسار فضل عمر ہسپتال میں ڈاکٹر نوری صاحب کو چیک اپ کروانے گیا۔ وہاں کمرے میں ڈاکٹر نوری صاحب کے علاوہ دو اور ڈاکٹر صاحبان بھی تھے۔ میں کرسی پر بیٹھ گیا۔ ڈاکٹر صاحب میرے سامنے بیٹھے تھے انہوں نے بیٹھتے ہی چیک کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ میں منشی اقبال کنری سندھ سے آیا ہوں۔ مجھے میاں مسرور احمد صاحب نے فرمایا تھا کہ میرے نام کا حوالہ دے دیں۔ ڈاکٹر صاحب مسکراتے ہوئے فوراً اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور چیک اپ کیا۔ انہوں نے چیک کرنے کے بعد ایک سال کی دوائی لکھ کر دی اور فرمایا کہ ہر تین ماہ بعد چیک اپ کرواتے رہنا اللہ تعالیٰ فضل کرے گا۔ خاکسار بہت زیادہ مایوس تھا۔ چیک اپ کروانے کے بعد میں میاں صاحب کے پاس دفتر حاضر ہوا تو میاں صاحب نے تفصیل پوچھی جو خاکسار نے بتادی۔ میاں صاحب غسل خانے میں وضو کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ نماز ظہر کا وقت ہو چکا تھا۔ وضو کر کے جب آپ واپس آئے تو خاکسار نے عرض کیا کہ چیک اپ تو میں نے کروالیا ہے آپ ڈاکٹر نوری صاحب سے پوچھ کر بتائیں کہ مجھے کینسر تو نہیں ہے کیونکہ آٹھ دس سال قبل خاکسار کثرت سے سگریٹ نوشی کرتا تھا۔ میاں صاحب نے فرمایا آپ فکر مت کریں آج رات ایک دعوت میں ڈاکٹر نوری صاحب سے ملاقات ہوگی میں آپ کا ذکر کروں گا۔ کل آپ گھر آ کر مجھ سے پوچھ لینا۔ خاکسار اگلے روز شام کو میاں صاحب سے ملنے ان کے گھر گیا۔ میاں صاحب نے مجھے ابلے ہوئے دو انڈے اور ایک دودھ کا گلاس دیا اور کہنے لگے یہ کام آپ نے روزانہ کرنا ہے ایک اُبلا ہوا انڈہ روز استعمال کرنا ہے۔ کہیں زیادہ انڈے نہ کھالیں یرقان ہو جائے گا۔ میاں صاحب نے فرمایا میں نے ڈاکٹر نوری صاحب سے پوچھا تھا کہ کوئی کینسر تو نہیں ہے لیکن انہوں نے کہا ہے کہ بعض دفعہ بیماری بگڑ کر کینسر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ میاں صاحب نے فرمایا کہ اقبال صاحب آپ کو فکر کرنے کی ضرورت نہیں آپ کی عمر ماشاء اللہ کافی ہے پچھتر سال سے اوپر ہی ہوگی۔ آپ فکر مت کیا

کریں۔خدا کے فضل سے خاکسار میاں صاحب کے لفظ سن کر پُرسکون ہو گیا۔میں نے اُٹھتے ہوئے کہا کہ رات کو اکثر میرا سانس کھانسی کی وجہ سے اُکھڑ جاتا ہے۔آپ نے فرمایا کہ اس بیماری میں ایسا ہوتا ہے۔ آپ ایسا کریں کہ پانی گرم کر کے بھاپ لیا کریں اس سے سانس درست ہو جاتا ہے۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور حضور انور کی دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ خاکسار ٹی بی کی بیماری سے ایک سال کے اندر اندر ٹھیک ہو گیا ؎ ختم ہیں اس پر سبھی اندازِ دلبری

حضورانور ایدہ اللہ تعالیٰ بطور اسیر راہ مولا

مکرم محمد اکبر بھٹہ صاحب فرماتے ہیں:

جماعت احمدیہ کے مخالفین کا یہ دیرینہ مطالبہ تھا کہ ربوہ کا نام تبدیل کیا جائے۔اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ربوہ کا لفظ قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔

ترجمہ: اور ابن مریم اور اس کی ماں کو بھی ہم نے ایک نشان بنایا تھا اور ان دونوں کو ہم نے ایک مرتفع مقام کی طرف پناہ دی جو پُرامن اور چشموں والا تھا۔(المومنون:50)

مؤرخہ 17رنومبر 1998ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش ہوئی۔قرارداد کے الفاظ یہ تھے:

''اس ایوان کی رائے ہے کہ ربوہ شہر کا نام تبدیل کر کے کاغذات مال کے مطابق چک ڈھگیاں یا کوئی اور نام رکھا جائے اور قرآن کریم کے مقدس لفظ کا استعمال غیر محل پر ممنوع قرار دیا جائے''۔

یہ قرارداد جو بغیر کسی بحث و تمحیص کے اور بغیر کوئی دلائل دیے منظور کر لی گئی۔اسی قرارداد کی بناء پر گورنر پنجاب نے حکومت کی طرف سے ایک نوٹیفکیشن جاری کیا جس کے مطابق ربوہ کا نام تبدیل کر کے ''نواں قادیان'' رکھ دیا گیا۔چند دنوں بعد مخالفین نے سمجھا کہ قادیان کا لفظ ایسا ہے کہ جماعت احمدیہ اس نام کا بُرا نہیں منائے گی۔اس پر اس قرارداد کے محرکین کی طرف سے دوبارہ کوشش ہوئی اور حکومت پنجاب نے نواں قادیان کا نام تبدیل کر کے چناب نگر رکھ دیا۔جماعت احمدیہ نے اس تیسرے نام پر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔

یہ بات مخالفین کے جوشِ عناد کو ٹھنڈا نہ کر سکی اور ان کو بے چینی لاحق ہوئی کہ احمدیوں کی دل آزاری

اور ان کو تکلیف پہنچانے کا کوئی سامان پیدا کیا جائے۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد انہوں نے چناب نگر کی تختی کی تنصیب کی اور نقاب کشائی کی تقریب میں اس وقت کی حکومت پنجاب کے وزیر مال شوکت داؤد، ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی حسن اختر موکل اور لیڈر آف اپوزیشن پنجاب اسمبلی اور دیگر اکابرین کی شمولیت کا اعلان کر دیا۔ تاریخ مقررہ پر وزیر مال اور ڈپٹی سپیکر تو نہ آئے۔ لیڈر آف اپوزیشن نے تختی کی نقاب کشائی کر دی۔ اس تختی کی نقاب کشائی پر بھی ربوہ میں کسی طور پر بھی کسی ردعمل کا اظہار کسی رنگ میں نہ کیا گیا۔ غالباً جو مقصود پیش نظر تھا وہ اب بھی بر نہ آیا۔

مخالفین اس کی آڑ میں کوئی فساد کھڑا کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی توقع کے برعکس جماعت احمدیہ نے کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا تو ان لوگوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی ربوہ، کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب صدر عمومی ربوہ، ماسٹر محمد حسین صاحب صدر محلہ ناصر آباد شرقی ربوہ اور خاکسار محمد اکبر بھٹہ انچارج ایمرجنسی سنٹر دفتر صدر عمومی ربوہ کے خلاف قرآنی آیات کی بے حرمتی کرنے کے جھوٹے الزام کے تحت 295B کا مقدمہ درج کروا دیا۔ اس سے قبل ایک اور مقدمہ بھی 16MPO کے تحت کرنل ایاز محمود احمد صاحب، ماسٹر محمد حسین صاحب اور خاکسار کے خلاف درج کروایا گیا تھا۔ عدالتی کارروائی کے دوران ایڈیشنل سیشن جج چنیوٹ نے ہماری عبوری ضمانتیں کینسل کر دیں اور مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سمیت ہمیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا گیا۔ مخالفین احمدیت نے اسے اپنی عظیم تاریخی کامیابی قرار دیا۔ اس کے متعلق بی بی سی لندن نے جو خبر نشر کی تھی اُس کا متن یہ ہے:

جماعت احمدیہ کے ناظم اعلیٰ مرزا مسرور احمد اور اُس کے قریبی ساتھی سمیت تین اشخاص کو توہین رسالت کے خصوصی قانون کے تحت گرفتار کر لیا گیا ہے۔ انہیں اس وقت حراست میں لیا گیا جب ایڈیشنل سیشن جج نے ان کی ضمانت کی توثیق کرنے کا حکم جاری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

خاکسار کو کچھ عرصہ حضرت میاں صاحب کی ذاتی راہنمائی میں جماعتی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ جیل میں بھی آپ کی قربت میں وقت گزارنے کا موقع ملا ہے۔ کسی بھی قائد کو پرکھنے کا زمانہ مصائب کا دور ہوتا ہے۔ ہم مصائب کے دور میں حضرت میاں صاحب کے ساتھ رہے ہیں۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی بہترین قائد میں ہونی چاہئیں۔ ہماری عبوری ضمانت کی درخواست پر ہائی کورٹ نے ہمیں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جھنگ کے پاس بھجوا دیا وہاں سے دوسری پیشی پر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ

اینڈ سیشن جج چنیوٹ کو ہمارا کیس ریفر کر دیا گیا انہوں نے ہماری ضمانت کی توثیق کرنے کی بجائے ضمانت کینسل کر کے ہمیں جیل بھجوادیا۔

خاکسار نے جیل میں پیش آنے والے واقعات کی روزانہ کی ڈائری جیل میں ہی تحریر کی تھی وہ پیش خدمت ہے۔

ہاتھ آگے بڑھا دیئے

30/اپریل کی بحث کے بعد ضمانتوں کی منسوخی کا فیصلہ جج صاحب نے بہت دھیمی آواز میں سنایا تھا جس کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب فیصلہ سن نہ سکے۔ اُنہوں نے دریافت کیا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے تو خواجہ سرفراز صاحب نے کہا کہ جج نے ضمانتیں خارج کر دی ہیں۔ میں دوبارہ درخواست تیار کرتا ہوں اور کل ہی ضمانت کے لئے درخواست جمع کروا دونگا اور میاں صاحب کو وہاں سے خفیہ طور پر چلے جانے کا مشورہ دیا جس پر میاں صاحب نے ان کی طرف بڑے غصہ سے دیکھا اور کہا کیوں؟ اور ہمارے ساتھ اطمینان کے ساتھ کمرہ عدالت سے باہر آئے۔ برآمدے میں ایڈیشنل ایس ایچ او تھانہ ربوہ اور دیگر پولیس ملازمین نے کہا کہ چاروں ملزمان الگ ہو جائیں جس پر ہم علیحدہ ہو گئے۔ پولیس نے گرفتاری کے لئے ہتھکڑیاں آگے بڑھا دیں جس پر خاکسار محمد اکبر اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے ہاتھ آگے کر دیے پولیس والوں نے ہمیں ہتھکڑی لگا دی۔ محترم میاں صاحب نے بھی ہاتھ آگے کئے تو ایڈیشنل ایس ایچ او نے کہا کہ آپ رہنے دیں۔ میاں صاحب نے کہا کہ آپ اپنا فرض پورا کریں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

عدالت سے ہم سب کو پولیس اہلکاران ہائی ایس وین میں بٹھا کر تھانہ ربوہ لے آئے راستہ میں ہتھکڑی لگانے والے پولیس ملازمین نے ہمیں ہتھکڑی کی چابی دے کر کہا کہ ہتھکڑی کھول لیں لیکن خاکسار اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اس سعادت سے محروم نہیں ہونا چاہتے جس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر گرفتاری کے وقت کی کیفیت کا ذکر نہ ہو تو تشنگی رہ جائے گی۔ ہمیں ہتھکڑیاں لگتے ہی محترم سید قاسم شاہ صاحب نے پہلی مبارکباد دی اور اس کے ساتھ ہی مبارک باد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ماسٹر صاحب نے ہتھکڑیوں کو بوسہ دیا اور خاکسار نے بھی عقیدت سے آنکھوں کو لگایا۔ پولیس والے حیرانگی سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ گرفتاری پر ہتھکڑیوں کو بوسے دے رہے ہیں اور آنکھوں سے لگا رہے ہیں اور ان کے ساتھی انہیں گرفتاری پر مبارک باد دے رہے ہیں۔

جھنگ جیل روانگی

تیاری کے بعد پولیس نے ہمیں جھنگ جیل میں روانگی کے لئے کہا تو ہم سب تھانہ سے باہر آ گئے اور گیٹ پر کھڑی وین میں بیٹھ گئے۔ تھانہ کے گیٹ سے لے کر مین سڑک تک سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم کھڑا تھا اور سب لوگ سلام کرنے کے لئے دیوانہ وار گاڑی کی طرف لپک رہے تھے۔ گاڑی چلنے سے قبل ملک خالد مسعود صاحب ناظر امور عامہ ربوہ نے محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سے دعا کروانے کی درخواست کی جس پر محترم میاں صاحب نے دعا کروائی۔ دعا کے دوران احباب پر رقت طاری ہوگئی جس پر میاں صاحب نے مختصر سی دعا کروائی اور دعا کے بعد ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا حکم دیا۔ S-H-O دوسری گاڑی میں بیٹھ گیا۔ قافلہ کی صورت میں روانگی ہوئی۔ دریائے چناب کے پل کے پاس محترم مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت احمدیہ سرگودھا کی گاڑی بھی قافلہ میں شامل ہوگئی۔ قافلہ جب ریسٹ ہاؤس چنیوٹ پہنچا تو ایک سابقہ پولیس افسر حمید اللہ قریشی صاحب اور دیگر احمدی احباب پہلے سے وہاں موجود تھے۔ ہمیں ریسٹ ہاؤس کے احاطہ میں لے جایا گیا۔ SHO مجسٹریٹ کی عدالت سے ہمارے لئے جھنگ جیل کے آرڈر کروالایا۔ محترم مرزا عبدالحق صاحب اور دیگر احباب جماعت نے ہمیں چنیوٹ ریسٹ ہاؤس سے الوداع کر دیا اور ہم جھنگ جیل کے لئے روانہ ہو گئے۔ راستہ میں کھیوا کے قریب ہوٹل پر رُک کر سارے قافلے نے کھانا کھایا اور دوبارہ جھنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جھنگ پہنچ کر جب ہم لوگ جیل کے گیٹ پر پہنچے تو باقی تمام گاڑیاں باہر رک گئیں جبکہ ہماری گاڑی اندرونی گیٹ تک لے جائی گئی۔ باقی دوست پیدل ہی وہاں تک آ گئے محترم سید قاسم احمد شاہ صاحب، صاحبزادہ مرزا ادریس احمد صاحب، نواب فاروق احمد صاحب، صاحبزادہ مرزا وقاص احمد صاحب، شاہد سعدی صاحب، چوہدری ظہور احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ جھنگ اور دیگر احباب جماعت نے ہمیں جیل کے گیٹ تک پہنچایا۔

جیل میں تکالیف کا آغاز

اس کے بعد ماسٹر منیر احمد صاحب ہمارے ساتھ جیل کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے کمرہ تک گئے وہاں کرنل صاحب اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی بات چیت ہوئی۔ ڈپٹی نے کہا کہ آپ کو اے کلاس بیرک میں رکھا جائے گا اور جیل کے چیف کو بُلا کر اسے ہدایات دے کر ہمیں اس کے ساتھ جیل کے اندر بھجوا دیا۔ وہ ہمیں اے کلاس

بیرک میں لے آئے۔ جب ہم بیرک میں داخل ہوئے تو یکدم سناٹا چھا گیا۔ بیرک کی دیواروں کے ساتھ بستر بچھے ہوئے تھے اور درمیان میں بمشکل گزرنے کا راستہ تھا۔ بیرک کے اندر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی تنگ سی جگہ پر ڈھیر ساری بھیڑ بکریوں کو بند کر رکھا ہو۔ چیف نے وہاں موجود قیدیوں کو بتایا کہ یہ لوگ بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے انہیں بھی جگہ بنا دیں۔ جس پر ایک دو آدمیوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جگہ دے دیں گے۔ یہ کہہ کر چیف صاحب واپس چلے گئے۔ ہم وہاں کا ماحول دیکھ کر حیران کھڑے تھے کہ ایک داڑھی والے شخص نے ہمیں ایک ٹین کے کنستر کے پاس بیٹھنے کی دعوت دی لیکن ہم کھڑے ہی رہے اور اس تردد میں تھے کہ بیٹھیں یا نہ بیٹھیں۔ ہمیں تردّد میں مبتلا دیکھ کر محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خود نیچے بیٹھ گئے اور ہمیں بھی کہا کہ بیٹھ جائیں ان کے کہنے پر ہم بھی بیٹھ گئے۔ داڑھی والا شخص بھی ہمارے پاس آ گیا اور اس نے اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ وہ اور اس کا چھوٹا بھائی قتل کے مقدمہ میں دفعہ 302 میں بند ہیں اور ہمارے تعارف اور جرم کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے نہایت مختصر جواب دیا کہ ہم ربوہ کے رہنے والے ہیں۔ ہمارے شہر کا نام تبدیل کر کے ہمارے ہی خلاف نئے نام کے بورڈ پر سیاہی پھیرنے کے الزام میں مقدمہ درج کر کے جیل بھیج دیا گیا ہے۔ لیکن جواب ایسے انداز میں دیا کہ اسے دوبارہ سوال کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابھی ان سے بات ختم ہوئی تھی کہ دوسری طرف بیٹھے گروپ نے مجھے آواز دی کہ اِدھر آ جائیں لیکن میں بیٹھا رہا جس پر حضرت میاں صاحب نے مجھے کہا کہ جاؤ بھئی سن لو ان کی بات میں اُٹھ کر ان کے پاس چلا گیا انہوں نے مجھ سے محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ یہ ہمارے صاحب ہیں۔ یہ جواب سنتے ہی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے مونچھوں والے شخص نے اونچی آواز میں اپنے ساتھیوں کو تنبیہ کی کہ ’’اُوئے اے صاحب سیشن صاحب نے۔ دھیان نال گل کریو، کوئی اُلٹی سدھی گل نہ کریو، انکوائری آئی جے‘‘۔

میں نے انہیں بتایا کہ صاحب سیشن جج نہیں ہیں اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہیں لیکن وہ میری بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔ میرے استفسار پر ان میں سے ایک نے بتایا کہ قیدی کا جیل میں پینٹ شرٹ پہننے کا تصور ہی نہیں ہے۔ پینٹ شرٹ صرف صاحب لوگ ہی پہنتے ہیں اور بیگ لانا بھی منع ہے یہاں ٹین کے کنستر ہی بیگ یا صندوق کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ (کیونکہ ہمارے پاس بیگ بھی

تھے اور کرنل صاحب نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی) اس لئے وہ ہمیں قیدی ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔
جب انہیں مکمل یقین آ گیا کہ ہم لوگ واقعی ان کے نئے ساتھی ہیں تو انہوں نے اپنی اپنی اصلیت پر آنا شروع کر دیا۔ ہر آدمی بڑے فخر سے بتاتا کہ اس نے قتل کیا ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے۔ ڈاکوؤں کو اور خطرناک قیدیوں کو بیڑیاں لگی ہوئی تھیں اور ان کے آنے جانے سے چھن چھن کی آوازیں آتی تھیں۔ کچھ دیر بعد پُرانے قیدیوں نے کھل کھلا کر آپس میں گندی گالیوں اور غلیظ اور لچر زبان کا استعمال شروع کر دیا۔ میں بھی ان لوگوں کے پاس سے اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گیا جو پہلے ہی بڑی تنگ جگہ پر بڑی مشکل سے بیٹھے ہوئے تھے۔ جس جگہ پر ہم بیٹھے تھے وہ جگہ کھڈے کے نام سے موسوم ہوتی ہے اور وہ ایک کنسترٹین کے ڈبے کے برابر چوڑی اور قریباً چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جس پر ایک آدمی لیٹ سکتا ہے ایک آدمی کے لیٹنے کی جگہ پر چار آدمیوں کا بیٹھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ کرنل صاحب دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے جب کہ محترم میاں صاحب ہمارے ساتھ خوش دلی سے باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد جیل کا ایک ہرکارہ مجھے بُلانے آ گیا کہ آپ کی ملاقات ہے (یعنی آپ کو کوئی ملنے آیا ہے) محترم میاں صاحب سے اجازت لے کر میں ملاقات کے لئے چلا گیا۔ ملاقات والی جگہ پر ماسٹر منیر احمد صاحب موجود تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کوئی تنگی تو نہیں ہے؟ میں نے انہیں تلخی سے جواب دیا کہ کوئی تنگی نہیں ہے۔ آپ لوگ صرف یہ مہربانی کر دیں کہ میاں صاحب اور کرنل صاحب کے لئے بیٹھنے کے لئے جگہ لے دیں کیونکہ پُرانے قیدی ہمیں جگہ دیتے نظر نہیں آتے۔ پُرانے قیدیوں نے چیف کے سامنے جگہ دینے کا وعدہ تو کیا تھا لیکن اب ان کے آثار ٹھیک نہیں ہیں۔ ماسٹر منیر صاحب نے کہا کہ آج رات تنگی ہے کسی نہ کسی طرح گزارہ کر لیں انشاء اللہ کل انتظام ہو جائے گا کیونکہ سپرنٹنڈنٹ جیل جھنگ میں نہیں ہیں اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کچھ نہیں کرے گا۔

ان کی یہ بات سن کر مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ واپسی پر میں نے میاں صاحب کو ساری رپورٹ دی تو آپ مسکرا دیئے لیکن میری تشویش کم نہ ہوئی۔ میں نے میاں صاحب سے درخواست کی کہ میاں صاحب اگر آپ اجازت دیں تو کرنل صاحب سے چٹھی لکھوا کر ڈپٹی کمشنر صاحب کو بھجوا دیں مجھے یقین ہے کہ وہ ہمارے لیے بی کلاس کے آرڈر کر دیں گے کیونکہ بی کلاس کی صورت حال اے کلاس سے بہت بہتر تھی وہاں چند قیدی تھے جب کہ اے کلاس بیرک 40 فٹ لمبا اور 20 فٹ چوڑا ہال ہے اس کے آگے گیلری نما

برآمدہ ہے جو موٹی سلاخوں سے بند ہے تقریباً 20 فٹ لمبی اور چوڑی جگہ پر دو غسل خانے اور دو ٹائلٹ اور ایک سٹور بنا ہوا ہے سٹور اور ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی۔ میاں صاحب نے میری درخواست پر مسکراتے ہوئے کہا کہ یہ بھی کر دیکھو۔

میں نے کرنل صاحب کو جگایا اوران سے ڈی سی صاحب کو چٹھی لکھنے کی درخواست کی تو انہوں نے غنودگی کے عالم میں چٹھی لکھ دی۔ میں نے وہ چٹھی اپنے رقعہ کے ساتھ ماسٹر منیر احمد صاحب کو ڈی سی صاحب کو دینے کے لئے بھجوادی۔ بعد میں جہاں ہم بیٹھے تھے اس کھڈے کا مالک آ گیا اُس نے آتے ہی کرنل صاحب کے نیچے سے اپنے سامان والا تھیلا کھینچنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے کرنل صاحب جاگ گئے تو اس نے کرنل صاحب کو کہا کہ آپ دوسری طرف ہو جائیں۔ دوسری طرف بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ جس پر کرنل صاحب اور میاں صاحب ٹہلتے ہوئے برآمدے میں چلے گئے۔ جیل کے اندر آتے ہوئے ہماری بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے پاس زمین پر بچھانے کے لئے بھی کوئی کپڑا یا چیز نہیں تھی کہ جسے ہم بچھا کر اپنے بزرگوں کو بٹھا سکتے۔ ایک آدمی نے مجھے کہا کہ اب آپ اپنا سامان وہاں سے اُٹھا لیں اور ایک جگہ کی نشان دہی کرتے ہوئے کہا کہ یہاں رکھ لیں۔ وہ جگہ یعنی کھڈا ایک گھی کے کنستر کے برابر تھی اور ہمارے پاس تین بیگ اور پانی کا ایک کولر تھا۔ میں نے اور ماسٹر صاحب نے سامان اُٹھا کر دوسری جگہ پر اوپر نیچے کر کے رکھ لیا۔ اسی دوران ہمارے لئے صفیں اور دریاں پہنچ گئیں۔ بیرک کے صحن میں ایک کونے میں تھوڑا سا سایہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ میں نے سایہ والی جگہ پر دو صفیں بچھا دیں اور ہم ان صفوں پر بیٹھ گئے کیونکہ اندر کے ماحول سے یہ ماحول بہرحال بہتر تھا۔ میاں صاحب بیرک کے برآمدے کے دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے اور ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے مجھے بُلا کر کہا کہ اکبر اندر پڑے ہوئے سامان کا بھی خیال رکھو۔ میں ان کے حکم کی تعمیل میں بیرک کے اندر چلا گیا۔ بیرک کا ماحول کافی کشیدہ ہو چکا تھا۔ بیرک میں مقیم قیدی ٹولیوں کی شکل میں آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔ اس کے بعد سارے قیدیوں کے تیور بدلنے شروع ہو گئے۔ ایک آدمی نے میرے پاس سے گزرتے ہوئے بڑی نفرت سے لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ کہا۔ اس کے بعد میں اور ماسٹر محمد حسین صاحب باہر نکلے تو پاس سے گزرتے ہوئے ایک اور شخص نے ایسے ہی کلمات کہے۔ جس پر ہمارے ماتھے ٹھنکے کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہے۔ میں دوبارہ ان قیدیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا غسل خانہ میں چلا گیا تو

ایک مشقتی میرے پیچھے وہاں آ گیا۔اس نے مجھے بتایا کہ صاحب آپ لوگوں کے متعلق رات بی بی سی نے خبر دی تھی کہ آپ لوگوں نے قرآنی آیات مٹائی ہیں اور یہ بات ساری بیرک کے قیدیوں کو معلوم ہو چکی ہے۔ میں نے محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کو رپورٹ دی اور بتایا کہ ان قیدیوں کے تیور اچھے نہیں لگتے ہیں۔میاں صاحب نے مجھے اور ماسٹر صاحب کو دوبارہ جائزہ لینے کے لئے اندر بھیجا۔ جب ہم بیرک کے اندر پہنچے تو ایک آدمی نے ہمیں کہا کہ آپ لوگ اپنا کہیں اور بندوبست کرلیں ہمارے پاس آپ کے لئے جگہ نہیں ہے بہتر ہے کہ باہر انتظام کرلیں۔ پہلے برآمدہ خالی تھا لیکن اسی دوران بیس بائیس نئے آنے والے قیدی ہماری صفیں بچھا کر وہاں براجمان ہو چکے تھے۔خاکسار کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی ایسے پُر مصائب حالات میں جب بیٹھنے کے لئے جگہ نہ ہو اور ہر وقت بیڑیوں کی چھن چھن سنائی دے رہی ہو اور وہاں کے لوگ جو لچر زبان استعمال کرتے ہیں اس کا باہر تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔اس پر پوری بیرک کے قیدی جن میں سے کوئی قاتل ہے اور کوئی ڈاکو ہے سب چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں اور انہوں نے ہمارے خلاف محاذ بنالیا ہے آدمی پریشان نہ ہو تو اور کیا کرے۔ کیونکہ بیرک لاک ہونے کے بعد اگر اندر کوئی ہنگامہ ہو جائے تو بیرونی مدد آنے سے قبل کچھ بھی ہو سکتا تھا۔

ان لوگوں کے خطرہ کے پیش نظر خاکسار اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے مل کر پروگرام بنایا کہ ہم رات کو باری باری جاگ کر پہرہ دیں گے اور صحن میں بستر بچھائیں گے۔یہ بات ہمارے علم میں نہ تھی کہ رات کو بیرونی دروازے کی بجائے بیرک کا اندرونی دروازہ لاک کیا جاتا ہے یہ بات ہمیں اس وقت معلوم ہوئی جب شام سوا پانچ بجے کے قریب نئے ملاحظہ کے لئے منشی آ گیا اور اس نے حوالاتیوں کو صحن میں لائن میں بٹھا کر حاضری لگانی شروع کر دی۔ وہاں ہی قیدی اور حوالاتی کے فرق کا پتہ چلا۔قیدی اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کیس کا فیصلہ ہو چکا ہو اور عدالت نے اس کو سزا سنا دی ہو جب کہ حوالاتی اس شخص کو کہتے ہیں جس پر مقدمہ درج کر کے جیل بھجوا دیا گیا ہو اور اسے عدالت کی طرف سے سزا نہ ملی ہو۔اس لحاظ سے ہم بھی حوالاتیوں کے زمرے میں آتے تھے۔ میں نے حضرت میاں صاحب، کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب، ماسٹر محمد حسین صاحب اور اپنی حاضری لگوائی۔ حاضری سے فراغت کے بعد سنتری نے ہمیں کہا کہ برآمدے میں جائیں۔ہم نے برآمدے کا دروازہ لاک کرنا ہے۔ برآمدے میں نہ ہی لائٹ کا انتظام تھا اور نہ ہی کوئی پنکھا لگا ہوا تھا۔مزید سونے پر سہاگے والا کام یہ ہوا کہ جو بیس بائیس نئے حوالاتی آئے تھے وہ بھی برآمدے میں ڈیرہ ڈال چکے تھے۔

بیرک خالی ہوگئی

ان مخدوش حالات کے پیش نظر میں نے کرنل صاحب سے کچھ کرنے کی درخواست کی تو کرنل صاحب نے مجھے جواب دیا کہ میاں صاحب کی موجودگی میں میں اپنے آپ کچھ نہیں کروں گا۔میاں صاحب سے اس سلسلہ میں بات کرنے کی مجھے ہمت نہ ہوئی۔ میاں صاحب صحن میں ٹہل رہے تھے ماسٹر محمد حسین صاحب نے ان سے بات کی تو وہ ٹہلتے ٹہلتے اچانک ہمارے پاس آ گئے اور کرنل صاحب کو حکم دیا کہ آپ جیل کے انچارج سے بات کریں جس پر کرنل صاحب بشاشت سے کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ خود بھی بات کرنا چاہ رہے تھے لیکن میاں صاحب کے حکم کے منتظر تھے۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ آنے کا کہا تو میں بھی ان کے ساتھ چل پڑا۔ جب ہم باہر نکلے تو بیرک کا سنتری ہمیں روک کر بیرک کا دروازہ لاک کرنے پر اصرار کرنے لگ گیا اور کہنے لگا کہ جیل کا چیف آپ کے پاس خود ہی آ جائے گا وہاں موجود ایک شخص نے کہا کہ چھوڑیں جی ان سنتریوں کا تو یہی کام ہے یہ تو کہتے ہی رہتے ہیں آئیں میں آپ کو ان کے افسران تک پہنچا دیتا ہوں۔ باہر نکل کر اس نے چکر نامی جگہ تک ہماری راہنمائی کی اور دور بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے خود واپس چلا گیا۔ مذکورہ جگہ پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل بیٹھے ہوئے تھے جب کہ ان کے پاس جیل کا چیف کھڑا تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے سامنے ایک کرسی خالی پڑی تھی۔ ڈپٹی سخت اور کرخت قسم کا آدمی تھا۔ کرنل صاحب اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے چونکہ کرنل صاحب کی جیل میں داخلہ کے وقت ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سے بات ہوئی تھی اور ڈپٹی نے وعدہ کیا تھا کہ جیل میں اچھی جگہ دے گا یعنی اے کلاس دے گا اس لئے کرنل صاحب نے جاتے ہی کہا کہ ڈپٹی صاحب آپ نے ہمیں اے کلاس کے نام پر کہاں بھجوا دیا ہے؟ ڈپٹی نے کہا کہ آپ کو اے کلاس میں ہی بھجوایا ہے۔ کرنل صاحب نے تلخی سے کہا کہ آپ اسے اے کلاس کہتے ہیں جس میں انسانوں کو جانوروں کی طرح ٹھونسا ہوا ہے اور تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے؟ آپ ہمیں ہمارے معیار کے مطابق جگہ دیں۔ ہم مجرم نہیں ہیں۔ جس پر ڈپٹی نے کہا کہ آپ باہر نہ پھریں آپ کا اس طرح پھرنا درست نہیں ہے۔ آپ بیرک میں پہنچیں میں بیرک خالی کروا کر صفائی کروا دیتا ہوں۔ کرنل صاحب نے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ ڈپٹی نے جواب دیا کہ ہاں اس پر کرنل صاحب نے کہا کہ پھر سٹاف کو حکم کر دیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید ڈپٹی ہمارے ساتھ مذاق کر رہا ہے کیونکہ ہمیں بیٹھنے کی جگہ کی مشکل تھی پوری بیرک کا تو

میرے ذہن میں تصور بھی نہیں تھا۔ڈپٹی نے پاس کھڑے چیف کو حکم دے دیا کہ سب نمبرداروں کو بُلالو اور اے کلاس بیرک خالی کروادو۔جب میں اور کرنل صاحب واپسی کے لئے چلے تو اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل ہمارے ساتھ ہی ہماری بیرک میں آ گیا۔اس نے وہاں موجود قیدیوں کو دوسرے سیلز میں منتقل ہونے کو کہا تو قیدیوں نے وہاں سے جانے سے انکار کر دیا اور احتجاجاً باہر نکل کر ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ ربوہ والوں کو کسی اور سیل میں شفٹ کر دیں ہم نہیں جائیں گے۔ہنگامہ کی اطلاع ملنے پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ خود بھی موقع پر آ گیا اور اس نے مزید لٹھ بردار بُلوا لئے اور قیدیوں کو سختی سے کہا کہ بیرک خالی کر دیں۔لٹھ بردار عملہ نے سب کو بیرک سے نکال دیا لیکن وہ پھر بھی جاتے جاتے اپنا کچھ سامان سٹور میں رکھ کر تالا لگا گئے۔بیرک خالی ہونے پر عملہ نے مشقتیوں کو بُلا کر صفائی کروادی۔ہم نے وہاں اپنے بستر بچھا لئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ کچھ دیر قبل اسی بیرک کے رہائشی ہمیں یہاں سے دھکیل رہے تھے۔اللہ کی شان ہے کہ ان کو منہ کی کھانی پڑی اور وہی بیرک سے نکال دیئے گئے۔

صبح صبح ہی جیل انتظامیہ نے مشقتی صفائی کے لئے بھجوا دیئے جنہوں نے ساری بیرک پانی سے دھوئی اور صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کیا لیکن بیرک کے پانی کی بحالی کے سلسلہ میں مرمت کا کام فوری طور پر نہ ہو سکا جس کی وجہ سے ہم بی کلاس بیرک میں جا کر اس کا باتھ روم استعمال کرتے رہے۔کرنل صاحب ابھی بی کلاس میں ہی تھے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کا بُلاوا آ گیا۔میں نے اہلکار کو بتایا کہ وہ نہا رہے ہیں جس پر وہ پیغام دے کر چلا گیا۔تھوڑی دیر بعد وہ پھر بُلانے آ گیا محترم میاں صاحب اس کے ساتھ چلے گئے۔بعد میں کرنل صاحب بھی تیار ہونے کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس چلے گئے۔اسی دوران چند مشقتی سفیدی لے کر آ گئے انہوں نے دونوں غسل خانے اور لیٹرینیں سفیدی کر دیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل بھی آ گیا

محترم میاں صاحب کی واپسی پر معلوم ہوا کہ جب گزشتہ روز کرنل صاحب کی بات چیت کے نتیجہ میں ڈپٹی نے بیرک خالی کروانی شروع کی تھی اسی وقت سپرنٹنڈنٹ جیل بھی آ گئے تھے اور اُنہوں نے بھی ڈپٹی کو بیرک خالی کروانے کی ہدایت جاری کر دی تھی۔اصل بات بیرک کا خالی ہونا نہیں ہے جو بات میں واضح کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے نفیس بزرگان قاتلوں، چوروں، راہزنوں اور بدمعاشوں کے ماحول میں بیٹھ کر ان کی لچر اور غلیظ گفتگو سن کر مضطرب اور بے چین تھے۔محترم میاں

صاحب بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور یقینا دعائیں کر رہے تھے۔ انہوں نے بیرک بند ہونے کے آخری لمحات میں اچانک کرنل صاحب کو جیل انتظامیہ سے بات کرنے کا حکم دیا ان کے اس ایکشن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دئے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل جس نے اگلے روز واپس آنا تھا وہ بھی آ گیا اور ڈپٹی بھی بیرک خالی کروانے پر تیار ہو گیا اور وہی عملہ جو ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح برآمدہ میں ٹھونسنا چاہتا تھا وہی عملہ ہمارے آگے پیچھے پھرنے لگ گیا اور انہوں نے خود سر پر کھڑے ہو کر ہماری بیرک کو دھلوایا اور ہمیں خادم (مشقتی) بھی فراہم کر دیئے۔ چند گھنٹوں کے ابتلاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلوں اور احسانوں کی بارش کر دی۔

احمدی احباب کی طرف سے وافر مقدار میں فروٹ اور دیگر کھانے پینے کی اشیاء آتی تھیں۔ کھانا محترمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ جھنگ اور ماسٹر منیر احمد صاحب کی طرف سے پک کر آتا تھا۔ محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے خاکسار کو حکم دیا کہ ضرورت سے زیادہ سامان سٹاک نہیں رکھنا جو زیادہ سامان ہو وہ قیدیوں اور عملہ میں بانٹ دیا کرو۔ اُن کے حکم کے مطابق خاکسار تمام وافر سامان تقسیم کر دیتا۔

ہمیں آگ جلانے کے لئے انگیٹھی اور کوئلے فراہم کر دیے گئے۔ اس کے علاوہ چائے بنانے کے لئے دودھ پتی اور چینی بھی فراہم کر دی گئی۔ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے پہلی دفعہ آگ جلانے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا۔ سارے کمرے میں دھواں پھیلنا شروع ہو گیا بڑی مشکل سے خاکسار نے آگ جلائی اس کے بعد چائے بنانے کا مرحلہ شروع ہوا۔ خاکسار کو چائے بنانی نہیں آتی تھی۔ پہلے دن چائے کرنل صاحب نے اور خاکسار نے مل کر بنائی اس کے بعد روٹین بن گئی کہ فجر کی نماز کے بعد خاکسار اور کرنل صاحب انگیٹھی جلا کر چائے بنانے لگ جاتے تھے اور میاں صاحب قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگ جاتے۔ چائے تیار ہونے پر ہم سب مل کر چائے پیتے۔ دن کے اوقات میں جیل کی زنانہ بیرک میں تعینات ایک احمدی خاتون ہمیں چائے پہنچا دیتیں۔

خود کام کرتے

میری شروع سے حتی المقدور کوشش تھی کہ میرے بزرگوں کو کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ اس سلسلہ میں ماسٹر محمد حسین صاحب بھی میرا بھرپور ساتھ دیتے رہے۔ لیکن میاں صاحب اور کرنل صاحب جہاں بھی انہیں موقع ملتا خود کام کرنا شروع کر دیتے۔ برتن خود دھو لیتے۔ مجھے اس بات کا افسوس ہوتا کہ میاں صاحب ہمیں

اس سعادت سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں۔

جیل میں مسلسل کھیڑی کے استعمال کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور معمولی سا ٹمپریچر ہو گیا۔ جب میاں صاحب کو پتہ چلا تو میاں صاحب نے مجھے دوا دی جس سے میری تکلیف کم ہو گئی اور طبیعت بھی ٹھیک ہو گئی۔ خاکسار جیل میں اپنے ساتھ چپل وغیرہ نہیں لے کر آیا تھا اور ہر وقت سینڈل (کھیڑی) استعمال کرتا رہا جس کی وجہ سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ محترم میاں صاحب نے شفقت فرماتے ہوئے جماعتی انتظامیہ کو کہہ کر خاکسار کو چپل منگوا دی جس کی وجہ سے تکلیف میں کمی کے ساتھ ساتھ آمدورفت اور معمول کے کاموں میں بھی آسانی ہو گئی۔

ایک دن جب محترم میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبرک کپڑے کا بیج میری جیب پر لگایا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میرا دل شکر گزاری کے جذبات سے اس قدر لبریز ہوا کہ مجھے شکریہ ادا کرنے کے الفاظ نہ مل رہے تھے۔ آٹھ بجے تک وہ بیج میرے سینے پر لگا رہا اور میں اس کی برکات حاصل کرتا رہا۔ اس سے قبل یہی بیج محترم میاں صاحب نے کرنل ایاز صاحب اور ماسٹر محمد حسین صاحب کو بھی لگایا تھا۔

اصل تحفہ قرآن ہے

ایک دن میاں صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ قرآن مجید، درثمین، کلام محمود اور درعدن بجھوائی گئی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ سعدی صاحب کو چٹھی بجھوائی گئی تھی کہ قرآن مجید، درثمین، کلام محمود اور درعدن بھجوا دیں اور انہیں پھر دو یاددہانیاں بھی کروائی تھیں میں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ انتظامیہ کو لکھ دو کہ اب ہم اُس وقت تک کوئی تحفہ قبول نہیں کریں گے جب تک قرآن کریم نہ بجھوایا گیا کیونکہ اصل تحفہ تو وہی ہے۔ میں نے حسب الحکم سعدی صاحب کو چٹھی لکھ کر بجھوا دی۔

جیل کی زندگی

جیل کی زندگی بڑی عجیب تھی۔ ساڑھے پانچ بجے شام گنتی کی گھنٹی بجتی تھی اس کے ساتھ ہی سب کو بیرک میں بند کر دیا جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے کسی پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ دن کے اوقات میں ہماری بیرک کے گیٹ پر سنتری کھڑا ہوتا جو کھٹکھٹانے پر گیٹ کھول دیتا لیکن رات کو بیرک بند کرنے کے بعد چابی دفتر میں جمع کروا دی جاتی۔ آزادی واقعی بہت بڑی نعمت ہے اس کا احساس جیل میں آ کر بہت اچھی طرح سے ہو جاتا ہے۔

جماعت احمدیہ جھنگ نے بڑی محبت کے ساتھ ہمارا خیال رکھا۔تمام ضروریات زندگی پہنچائیں لیکن پھر بھی قید قید ہی ہوتی ہے۔اس کے باوجود سب کے حوصلے بلند رہے اور ہر قسم کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھے۔محترم میاں صاحب ہمارے حوصلے بلند رکھنے اور مصروف رکھنے کی غرض سے فارغ اوقات میں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے دلچسپ اور ایمان افروز واقعات سناتے رہتے۔

ایک دن محترم میاں صاحب نے ماسٹر محمد حسین صاحب سے کہا کہ آؤ بھئی بیت بازی کا مقابلہ ہو جائے۔ اس وقت خاکسار اور کرنل ایاز محمود صاحب بھی میاں صاحب کے پاس ہی بیٹھے تھے لیکن ماسٹر صاحب کچھ کترا رہے تھے۔ہم نے انہیں حوصلہ دے کر مقابلہ شروع کروا دیا لیکن چند اشعار کے بعد ہی ماسٹر صاحب چپ ہو گئے۔محترم میاں صاحب نے انہیں چلانے کے لئے ان کی جگہ پر خود بھی شعر پڑھے لیکن ماسٹر صاحب کی ہمت بالکل جواب دے گئی۔میاں صاحب کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور انہیں درثمین وغیرہ کے اشعار ازبر ہیں۔اس کے بعد میاں صاحب نے مجھے بھی بیت بازی کے مقابلہ کی دعوت دی ماسٹر صاحب نے بھی مجھے مقابلہ کرنے کے لئے زور لگایا لیکن مجھے اپنی کم علمی کا پتہ تھا اس لئے میں نے معذرت کر لی۔

رہائی کی بشارات

8-5-99 کو محترم کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب نے بتایا کہ رات انہیں خواب میں سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ ملی ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ میں آپ لوگوں کی شہادت دینے آئی ہوں۔میاں صاحب نے خواب سن کر فرمایا کہ مبارک خواب ہے انشاء اللہ ہماری بے گناہی ثابت ہوگی۔ایک خاتون نے ملاقات کے دوران محترم میاں صاحب کو بتایا کہ رات میں بہت دعا کرتی رہی اور دعا کرتے کرتے سو گئی تو مجھے خواب میں یہ مصرعہ سنائی دیا:

''خدا رسوا کرے گا تم کو میں اعزاز پاؤں گا''

سوموار والے دن یعنی مؤرخہ 10-5-99 صبح کے وقت محترم میاں صاحب کے چہرے پر بہت زیادہ اطمینان اور اعتماد کے ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی تھی۔ماسٹر محمد حسین صاحب نے حسب معمول پوچھا کہ آج کسی نے کوئی خواب دیکھی ہے؟ میاں صاحب نے فرمایا کہ ہاں رات مجھے خواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) اور والد محترم حضرت مرزا منصور احمد صاحب

ملے ہیں۔محترم کرنل صاحب نے فوراًبرجستہ جواب دیا کہ بہت مبارک خواب ہے۔لگتا ہے کہ آسمان پر ہلچل مچی ہوئی ہے انشاءاللہ اب رہائی دور نہیں ہے۔

تقریباً پونے دو بجے سے لے کر چار بجے شام تک ملاقات ہوتی رہی۔اس دوران کسی نے ضمانت ہونے کی خبر نہ سنائی۔ملاقات ختم ہونے پر ہم لوگ واپس اپنی بیرک میں آ گئے۔جب ہم واپس آئے تو قدرت کے عجیب نظارے دیکھے۔گزشتہ روز گرمی کی شدت کی وجہ سے بہت پیاس لگتی رہی سب بار بار پانی پیتے رہے۔بار بار حلق خشک ہوجاتا۔اس پر کرنل صاحب مجھے کہنے لگے کہ اکبر! آج سردائی ہوتی تو پیاس بجھ جانی تھی یا لیمن اسکوائش ہی ہوتی تو اس سے بھی پیاس نہیں لگتی۔لیکن اب ہم اس چیز کی ڈیمانڈ کرتے ہوئے بھی اچھے نہیں لگتے۔اللہ کی شان ہے کہ اس دن ملاقات کے لئے آنے والے احباب ایک بوتل شربت بادام دو بوتلیں لیمن اسکوائش اور دو بوتلیں روح افزاء کی دے گئے۔محترم میاں صاحب نے بادام کے شربت (سردائی) بنانے کی ابتدا کی اور مجھے بھی شربت بنانے کا طریقہ بتا دیا۔شربت پیتے ہی پیاس بجھ گئی۔میں نے کولر میں لیمن اسکوائش بھی بنا کر رکھ دی۔

شام کو ہم سب اکٹھے بیٹھ کر تبصرہ کر رہے تھے کہ نظارت علیاء کے ایک ڈرائیور نے حضرت صاحبزادہ مسرور احمد صاحب کو جو اپنی خواب تحریر کر کے بجھوائی تھی (وہ تحریر کرتے ہیں کہ آج نماز تہجد کے وقت میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ خاکسار لیٹا ہوا ہے۔ایک سفید لباس میں ملبوس بزرگ تشریف لائے ان کی پگڑی اور داڑھی بھی سفید تھی وہ ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھے جس کا نچلا حصہ تو عام لکڑی کا اور دستی والا حصہ سفید رنگ کا تھا۔انہوں نے مجھے چھڑی کی نوک سے جگایا اور کہا کہ اُٹھو تیاری کرو۔پیر والے روز۔اس کے بعد میں بیدار ہوگیا) اگر وہ خواب سچی ہے تو اس کے مطابق اب رہائی اگلے سوموار پر جا پڑی ہے۔اسی طرح نظارت علیاء کے ایک اور ڈرائیور نے بھی اپنی ایک خواب بتائی تھی کہ (انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کافی لوگ اکٹھے ہیں۔کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ خیال ہے کہ میاں صاحب تو کل رہا ہو کر آ گئے ہیں پھر آج کیوں لوگ اکٹھے ہیں۔یہ پوچھنے پر انہیں جواب ملتا ہے کہ آج اکبر صاحب کی شادی ہے) میں نے خواجہ شکور صاحب کی سنائی ہوئی خواب جب محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کو سنائی تو میاں صاحب نے فرمایا کہ شکور صاحب کی خواب کے مطابق تم ہمارے ساتھ جاتے نظر نہیں آتے اور مجھے دعا سکھائی کہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرو۔

ہماری بیرک لاک کر دی گئی اور میرے خیال میں قیدیوں کی گنتی آخر مراحل میں تھی اور حاضری کی گھنٹی نہیں بجی تھی کہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل آ گئے انہوں نے ہماری بیرک کی سلاخوں میں سے آواز دی کہ میاں صاحب اور کرنل صاحب آپ کو مبارک ہو آپ کی رہائی ہے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے گنتی رکوانے کا حکم دے دیا۔ میاں صاحب نے فوراً اُن سے پوچھا کہ آپ نے اکبر اور ماسٹر محمد حسین صاحب کا نام کیوں نہیں لیا تو اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ جناب آپ بڑے ہیں آپ کا نام ہی لینا تھا۔ یہ بھی آپ کے ساتھ ہی شامل ہیں۔ میاں صاحب کو اپنے لئے فکرمند دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہیں اپنے سے زیادہ ہماری فکر ہے۔

ہم نے اپنا اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا لیکن میرے ذہن میں مذکورہ بالا خواب اٹکی ہوئی تھی۔ ان کی خواب کی میاں صاحب نے جو تعبیر فرمائی تھی اس کے مطابق ہمارا اکٹھا جانا نظر نہیں آتا تھا۔ تقریباً پون گھنٹہ بعد ایک آدمی میاں صاحب کو بُلانے آ گیا۔ اس کی زبانی علم ہوا کہ دو کی رہائی ہے۔ میاں صاحب جب تشریف لے گئے تو کرنل صاحب اور ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ جن کی رہائی کے آرڈر ہیں انہیں ضرور جانا چاہیے۔ میاں صاحب کی کیفیت دیکھتے ہوئے (میاں صاحب صرف دو افراد کی رہائی کا سن کر ناراض ہوئے تھے کہ باقی دو کی کیوں ضمانت نہیں ہوئی) کرنل صاحب نے کہا کہ اگر میاں صاحب نہ مانے تو میں آپ کے پاس رُک جاؤں گا لیکن میاں صاحب کو ہر حال میں بھیجنا ہے۔ میں نے اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے انہیں کہا کہ آپ ہماری فکر نہ کریں انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کی رہائی کے آرڈر ہیں آپ لوگوں کو ضرور جانا چاہیے۔ میاں صاحب تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے اور ہمیں بتایا کہ 295B میں تو سب کی روبکار آ گئی ہے لیکن 16MPO میں صرف کرنل صاحب کی ضمانت کروائی گئی ہے۔ نظارت امور عامہ کو یہ علم نہ تھا کہ 16MPO کا مقدمہ اکبر اور ماسٹر صاحب کے خلاف بھی ہے اس وجہ سے آپ کی ضمانتیں نہیں کروائی گئیں۔ اب انشاء اللہ صبح ہو جائیں گی اور ہمیں کہا کہ اب ہم آپ کا ربوہ میں استقبال کریں گے کیونکہ جیل کا ٹائم ختم ہو چکا تھا اس وجہ سے ہم نے محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کو بیرک سے ہی الوداع کر دیا۔ محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کے چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ہمارا یہاں رہ جانا ناگوار گزر رہا ہے۔

گرمی کتراتی رہی

محترم صاحبزادہ صاحب اور کرنل صاحب کے جانے کے بعد بیرک ہمیں ویران ویران سی نظر آنے لگی۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے رونق ختم ہوگئی ہے۔میاں صاحب کی محبت اور شفقت کی بڑی شدت سے کمی محسوس ہوئی۔تھوڑی سی چہل قدمی کے بعد ہم سونے کے لیے لیٹ گئے۔لیکن گرمی کی شدت کی وجہ سے تھوڑی دیر بعد ہی اُٹھ گئے۔گرمی کی شدت ہمارے لیے نا قابل برداشت تھی۔اس سے قبل کبھی دن کو بھی اتنی گرمی محسوس نہ ہوئی۔رات کو تو ویسے ہی موسم بہتر ہو جاتا۔میرے ذہن میں مرزا انس احمد صاحب کا خط آ گیا جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب قید ہوئے تھے تو خدا تعالیٰ ان کے لیے ٹھنڈی ہوا چلا دیا کرتا تھا۔اس حوالہ سے آپ کے لیے بھی یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے آرام کے سامان خود پیدا کرتا رہے۔یہ بات یاد آنے کے بعد سمجھ آئی کہ بزرگوں کی وجہ سے گرمی بھی ہم سے کتراتی رہی ہے اور وہی پیارا خدا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے لیے ٹھنڈی ہوا چلا دیا کرتا تھا وہی اب بھی اپنے پیاروں کے ساتھ پیار کا سلوک فرماتا رہا ہے۔اب میاں صاحب کے جانے کے بعد گرمی اپنا آپ دکھا رہی تھی۔

11-5-99 کو ساڑھے گیارہ بجے ہماری رہائی کی اطلاع آئی۔رہائی کے بعد ہم ڈپٹی کے کمرہ میں پہنچے تو وہاں محترم سید قاسم احمد شاہ صاحب اور سید طاہر احمد شاہ صاحب تشریف فرما تھے۔وہ ہمیں جیل کی کارروائیوں سے فراغت دلانے کے بعد جیل سے باہر لے آئے جیل کے گیٹ پر امیر جماعت احمدیہ جھنگ اور دیگر احباب جماعت نے ہمارا استقبال کیا اور بڑی محبت سے ملے۔اس کے بعد ہمیں صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ جھنگ کے گھر لے جایا گیا وہاں کھانے کا انتظام تھا۔میری بیوی اور ہمشیرہ بھی وہاں موجود تھیں۔ ربوہ واپسی پر وہ ہمارے ساتھ ہی آئیں۔

جھنگ سے ہمیں تقریباً دس بارہ گاڑیوں کے قافلہ میں ربوہ لایا گیا۔دریائے چناب کا پل بند ہونے کی وجہ سے کافی تاخیر ہوئی لیکن اس کے باوجود جب ہم دارالضیافت میں پہنچے تو استقبال کے لئے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں جمع تھی۔دارالضیافت پہنچنے پر محترم صاحبزادہ صاحب، محترم کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب، محترم ملک خالد مسعود صاحب اور محترم چوہدری حمید اللہ صاحب اور دیگر ناظر صاحبان اور تحریک جدید کے وکلاء صاحبان نے ہمیں گلے لگایا، ہار پہنائے اور آزادی کی مبارک باد دی۔ان کے علاوہ احباب جماعت کی کثیر تعداد نے بھی آزادی کی مبارک دی۔جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

جیل سے رہائی پر محترم میاں صاحب نے جس طرح اپنے ماتحتوں اور ساتھیوں کا خیال رکھا وہ بھی قابل ذکر ہے۔نظارت علیاء کے ڈرائیور نسیم سیفی صاحب نے بتایا کہ ان کی بڑی شدید خواہش تھی کہ میاں صاحب

ان کی گاڑی میں ہی جیل سے واپسی پر ربوہ آئیں گے لیکن نظارت امورعامہ نے جو پروگرام تیار کیا تھا اُس میں سیکیورٹی کے نقطہ نظر سے میاں صاحب کو اس گاڑی میں لانے کی بجائے کسی اور گاڑی میں لانے کا پروگرام تھا جس کی وجہ سے نسیم سیفی صاحب دل گرفتہ تھے۔ وہ جب میاں صاحب سے ملے تو میاں صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کی گاڑی کہاں ہے؟ نسیم سیفی صاحب کے بتانے پر آپ اُن کی گاڑی میں سوار ہو گئے اور اسی میں ربوہ تشریف لائے۔

خدمت خلق

اپنے جیل کے ساتھیوں کے ساتھ ان کی شفقت کا یہ حال تھا کہ جیل انتظامیہ نے ہمیں جو مشققتی (خدمت گار) فراہم کئے تھے ان کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ انہیں نقد رقم بھی دلواتے رہے۔ جیل سے واپسی پر آپ نے مشیر قانونی صاحب کو ان مشققتیوں کو جو جیل میں بے یارومددگار تھے کی ضمانت کروانے کی ہدایت فرمائی تھی۔

ہمارے ساتھ تو بہت ہی محبت اور شفقت کا سلوک تھا۔ جب حضرت میاں صاحب کی رہائی کے آرڈر آئے اور آپ کو پتہ چلا کہ صرف دو کی رہائی کے آرڈر ہیں تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں بھی نہیں جاؤں گا سب اکٹھے جائیں گے۔ جس پر ہم سب نے اصرار کیا کہ میاں صاحب آپ کو ضرور جانا چاہیے اس پر آپ وہاں سے بادل نخواستہ روانہ ہوئے اور ہمیں فرمایا کہ اب ہم آپ کا استقبال کریں گے۔ اگلے دن حضرت میاں صاحب نے حسب وعدہ خود استقبال فرمایا اور ہمیں ہماری توقعات سے بڑھ کر محبت اور عزت دی۔ رہائی کے بعد خاکسار کی فیملی اور ماسٹر محمد حسین صاحب کی فیملی نے پروگرام بنایا کہ میاں صاحب سے ٹائم لے کر اُن کے گھر ملاقات کے لئے جائیں گے۔ پروگرام بنانے کے بعد خاکسار اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور چلا گیا اگلے دن ہماری واپسی ہوئی تو ہمیں ماسٹر صاحب کے گھر سے اطلاع ملی کہ میاں صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ اطلاع ملنے کے چند منٹ بعد حضرت میاں صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لے آئے اور ہمارے سب گھر والوں سے ملاقات فرمائی۔ میاں صاحب کسی کو بھی تکلیف میں دیکھتے تو بے چین ہو جاتے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک اس کی تکلیف کے ازالہ کے لئے ممکنہ کوشش نہ فرما لیتے اور معمول میں بھی اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کو مشکل وقت میں اکیلا نہ چھوڑتے بلکہ ان کی ہر ممکن مدد فرماتے۔ ان سے ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے۔ ماخوذ از تشحیذ الاذہان سیدنا مسرور نمبر ایدہ اللہ تعالیٰ (ستمبر، اکتوبر 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم.اے رضی اللہ عنہ

(1893ءتا1963ء)

الٰہی وعدوں کے مطابق آپ کی ولادت

الٰہی پیشگوئیوں کے مطابق ۲۰/اپریل ۱۸۹۳ء کو حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی ولادت ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسی دن ایک اشتہار بعنوان ''منکرین کے ملزم کرنے کے لئے ایک اور پیشگوئی'' شائع فرمایا اور اس میں تحریر فرمایا کہ:

''یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو خود اپنی زندگی کا اعتبار نہیں چہ جائیکہ یقینی اور قطعی طور پر اشتہار دیوے کہ ضرور عنقریب اس کے گھر میں بیٹا پیدا ہوگا............اب چاہئے کہ شیخ محمد حسین اس بات کا بھی جواب دیں کہ یہ پیشگوئی کیوں پوری ہوئی۔ کیا یہ استدراج ہے یا نجوم ہے یا اٹکل ہے۔ یہ کیا سبب ہے کہ خدا تعالیٰ بقول آپ کے ایک دجال کی ایسی پیشگوئیاں پوری کرتا جاتا ہے۔ جن سے اس کی سچائی کی تصدیق ہوتی ہے۔''

احسانات الٰہیہ کا شکر

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی پیدائش گو بشارات الٰہیہ کے ماتحت ہوئی۔ مگر آپ کے انکسار کا یہ عالم تھا کہ آپ نے ایک دفعہ فرمایا:

''میں جب اپنے نفس میں نگاہ کرتا ہوں تو شرم کی وجہ سے پانی پانی ہوجاتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہمارے جیسے کمزور انسان کی پیدائش کو بھی بشارت کے قابل خیال کرتا ہے۔ پھر اس وقت اس کے سوا سارا فلسفہ بھول جاتا ہوں کہ خدا کے فضل کے ہاتھ کو کون روک سکتا ہے۔

اللّٰھم لا مانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت''

ترجمہ: اے اللہ اُس کو کوئی روکنے والا نہیں ہے جس کو تو عطا کرے اور اُس کو کوئی دینے والا نہیں جس کو تو منع کردے۔

اسی طرح ایک اور موقع پر آپ نے فرمایا:

''یہ خاکسار حضرت مسیح موعود کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کے شکریہ کے لئے میری زبان میں طاقت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ میرے دل میں اس شکریہ کے تصور کی بھی گنجائش نہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پیار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عادت تھی کہ آپ کبھی کبھی اپنے بچوں کو پیار سے چھیڑا بھی کرتے تھے اور وہ اس طرح کہ کبھی کسی بچے کا پہنچہ پکڑ لیا اور کوئی بات نہ کی اور خاموش ہو رہے یا بچہ لیٹا ہوا ہے تو اس کا پاؤں پکڑ کر سہلانے لگ گئے۔ حضرت میاں صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

''پہنچہ پکڑ کر خاموش ہو جانے کا واقع میرے ساتھ بھی (ہاں اس خاکسار عاصی کے ساتھ جو خدا کے مقدس مسیح کی جوتیوں کی خاک جھاڑنے کی بھی قابلیت نہیں رکھتا)۔ کئی دفعہ گزرا ہے **وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء** ورنہ ہم کہاں بزم شہریار کہاں۔

آنکھوں کی تکلیف

بچپن میں ایک دفعہ آپ کی آنکھیں دُکھنے آ گئیں اور یہ تکلیف اتنی لمبی ہوئی کہ کئی سال گزر گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تحریر فرمایا ہے:

''کئی سال انگریزی اور یونانی علاج کیا گیا تھا مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا تھا بلکہ حالت ابتر ہوتی جاتی تھی۔''

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب فرماتے تھے کہ:

''آپ کی پلکوں کے کنارے سُرخ اور موٹے رہتے تھے اور آنکھوں سے پانی بہتا رہتا تھا۔''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس تکلیف کی وجہ سے آپ کی پلکیں گر گئی تھیں۔

ایک ہفتہ میں شفا

آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی تو آپ کو الہام ہوا:

برّق طفلی بشیر یعنی میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔

یہ الہام قریباً ۱۸۹۸ء کا ہے جب کہ آپ کی عمر پانچ سال کی تھی۔

حضور فرماتے ہیں:

''اس الہام کے ایک ہفتہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دے دی اور آنکھیں تندرست ہو گئیں۔''

حضرت ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحب کی مزید روایت یہ ہے کہ:

اس الہام کے بعد ''ایک دوائی بھی کسی نے بتائی وہ استعمال کرائی گئی اور خدا کے فضل سے آنکھیں بالکل صاف اور تندرست ہو گئیں۔''

حضرت میر صاحب فرمایا کرتے تھے کہ اس الہام کے بعد جب حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت صاحب کے سامنے جاتے تو آپ محبت کے انداز سے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے۔

برّق طفلی بشیر''

روحانی بصیرت کے لئے دعا

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب اس الہام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میری ظاہری آنکھیں تو بے شک صاف اور تندرست ہو گئیں اور اگر خدا کی یہ بشارت صرف ظاہر تک محدود تھی تو خدا کی شان کے لحاظ سے یہ کوئی خاص لطف کی بات نہیں اور اس کے فضل کی تکمیل کا یہ تقاضا ہے کہ جس طرح ظاہر کی آنکھیں روشن ہوئیں اسی طرح دل کی آنکھیں بھی روشن ہوں اور خدائی الہام میں تو آنکھوں کا لفظ بھی نہیں ہے۔ پس میں نے دعا کی۔ اے میرے آقا! میں تیرے فضل پر امید رکھتا ہوں کہ جب میرے لئے تیرے دربار کی حاضری کا وقت آئے تو میری ظاہری آنکھوں کے ساتھ دل کی آنکھیں بھی روشن ہوں۔ نہیں بلکہ جیسا کہ تیرے کلام میں اشارہ ہے میرا ہر ذرہ روشن ہو کر تیرے قدموں پر ہمیشہ کے لئے گر جائے۔

؎ این است کام دل اگر آید میسرم (یہی ہے میرا دلی کام اگر میسر آ جائے)

قرآن کریم کی تعلیم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بچوں کو مروجہ تعلیم دلانے سے قبل قرآن مجید جو تمام علوم کا خزانہ ہے پڑھایا کرتے تھے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تو حضرت حافظ احمد اللہ صاحب نے قرآن پڑھایا۔ لیکن حضرت مرزا بشیر احمد صاحب اور آپ کے دوسرے بہن بھائیوں کو قرآن

شریف پڑھانے کی سعادت حضرت پیر منظور محمد صاحب مصنف قاعدہ یسرنا القرآن کو حاصل ہوئی۔

جون ۱۹۵۰ء میں حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ کی وفات پر آپ نے ایک نوٹ میں خود بھی اس کا ذکر فرمایا چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''جب پیر صاحب مرحوم جوڑوں کے درد کی وجہ سے معذور ہو گئے تو انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی منظوری سے حضور کے بچوں کو پڑھانا شروع کیا چنانچہ ہم سب بہن بھائیوں کو پیر صاحب نے ہی قرآن کریم ناظرہ پڑھایا تھا۔'' آپ نے یہ بھی لکھا:

''قاعدہ یسرنا القرآن جس نے بعد میں اتنی شہرت حاصل کی وہ ہم بہن بھائیوں کی تعلیم کی غرض سے ہی ایجاد کیا گیا تھا اور خدا کے فضل سے اس قاعدہ کو اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ لاکھوں احمدیوں اور غیر احمدیوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہے اور اس وقت تک اس کے بے شمار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔''

آمین کی تقریب

اس کے چند سال بعد جب کہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ اور حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے بھی قرآن پڑھ لیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس خوشی میں ۳۰ر نومبر ۱۹۰۱ء کو جبکہ آپ کی عمر نو سال تھی آمین کی تقریب منعقد فرمائی جس میں حضور نے دوستوں کو ایک پُر تکلف دعوت دی اور یتامیٰ و مساکین کو کھانا کھلایا۔ اس موقع پر آپ نے ایک دعائیہ نظم بھی لکھی جس کے ابتدائی تین اشعار یہ ہیں:

خدایا اے میرے پیارے خدایا — یہ کیسے ہیں ترے مجھ پر عطایا
کہ تو نے پھر مجھے یہ دن دکھایا — کہ بیٹا دوسرا بھی پڑھ کے آیا
بشیر احمد جسے تو نے پڑھایا — شفا دی آنکھ کو بینا بنایا

اور پھر دعا کرتے ہوئے فرمایا:

عیاں کر ان کی پیشانی پہ اقبال — نہ آوے ان کے گھر تک رعب دجال

دُعاؤں کی برکت

غرض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلام کو آپ نے بچپن سے ہی نہایت ہی غور سے سننا شروع کیا

اور حضور کی دعاؤں سے آپ نے پورا پورا حصہ پایا۔ آپ خود فرماتے ہیں:

''آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں نے ہمارا اس طرح ساتھ دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل اس طرح ہمارے شامل حال رہا ہے کہ اس کے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ

''اگر ہر بال ہو جائے سخنور تو پھر بھی شکر امکاں سے ہے باہر''

سکول میں داخلہ اور تعلیم

اور یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کی آنکھیں بچپن میں ہی خراب ہو گئی تھیں اور یہ تکلیف جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تحریر فرمایا ہے کئی سال تک جاری رہی بلکہ تذکرہ کے موجودہ ایڈیشن کے حاشیہ صفحہ ۳۳۳ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تکلیف آپ کو سات سال تک رہی گویا ۱۹۰۰ء تک اس تکلیف کا سلسلہ ممتد چلا گیا۔ ان حالات میں گو مدرسہ تعلیم الاسلام کا قیام ۳ر جنوری ۱۸۹۸ء سے عمل میں آچکا تھا مگر آپ کے داخلہ کا ابتدائی سال قیاسًا ۱۹۰۱ء بنتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزانہ رنگ میں شفا عطا فرما دی۔ آپ چونکہ ابتدائی تعلیم گھر میں حاصل کر چکے تھے اس لئے آپ مدرسہ تعلیم الاسلام کی لوئر پرائمری میں داخل کرائے گئے۔ اس کی مزید تصدیق محترم قاضی اکمل صاحب کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے کہ میں ۰۶ء کے شروع میں قادیان آیا تو آپ کی ملاقات کو بھی گیا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب سے میں نے پوچھا کہ آپ کون سی جماعت میں پڑھتے ہیں تو انہوں نے فرمایا ساتویں جماعت میں۔

ایک دن حضرت میر ناصر نواب صاحب سکول کے بورڈنگ میں تشریف لائے اور حافظ غلام محمد صاحب سابق مبلغ ماریشس سے فرمانے لگے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میاں بشیر احمد کو بورڈنگ میں داخل کرنے کا حکم دیا ہے آپ ان کا خیال رکھا کریں۔ خواجہ عبدالرحمٰن صاحب متوطن کشمیر بھی پاس ہی کھڑے تھے۔ میر صاحب نے ان کے متعلق فرمایا کہ یہ میاں صاحب کا بستہ گھر سے لایا اور لے جایا کرے گا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ دن کو بورڈنگ میں ہی رہا کرتے تھے اور رات کو گھر چلے جاتے تھے۔

ایم اے کی تاکید

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب شائد دوسری جماعت میں پڑھتے ہوں گے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح

موعود علیہ السلام حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر آئے آپ اس وقت چار پائی پر اُلٹی سیدھی چھلانگیں مار رہے تھے اور قلابازیں کھا رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیکھا اور تبسم کرتے ہوئے حضرت ام المومنین سے فرمایا دیکھو یہ کیا کر رہا ہے اور پھر فرمایا اسے ایم اے کرانا۔

ناولوں سے نفرت

اسی تعلیمی دور کا واقعہ ہے کہ ایک دن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب کو بلا کر فرمایا کہ:

''جو تم میرے بیٹے ہو گے تو ناول نہیں پڑھو گے''

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب فرمایا کرتے تھے کہ:

''الحمدللہ میں حضرت صاحب کی توجہ سے خدا کے فضل کے ساتھ اس لغو فعل سے محفوظ رہا۔''

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ:

''میں بچپن سے محسوس کرتا آیا ہوں کہ مجھے ناول خوانی کی طرف کبھی توجہ نہیں ہوئی۔ نہ بچپن میں نہ جوانی میں اور نہ اب۔ بلکہ ہمیشہ اس کی طرف سے بے رغبتی رہی ہے۔ حالانکہ اکثر نوجوانوں کو اس میں کافی شغف ہوتا ہے اور خاندان میں بھی بعض افراد کبھی کبھی ناول پڑھتے رہے ہیں۔''

نکاح کی مبارک تقریب

۱۲ر ستمبر ۱۹۰۲ء کو آپ کے نکاح کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ آپ کا نکاح حضرت مولوی غلام حسین خاں صاحب پشاوری کی صاحبزادی سرور سلطان صاحبہ سے ایک ہزار روپیہ مہر پر پڑھا گیا۔ خطبہ نکاح حضرت خلیفہ اول ؓ نے پڑھا اور ایجاب وقبول کے بعد کھجوریں تقسیم کی گئیں اور حاضرین مجلس کو چائے پیش کی گئی۔

۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء کو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا المناک سانحہ پیش آیا تو آپ اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سرہانے کھڑے تھے۔ اس وقت آپ نے جو کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ آپ کے ہی الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''حضرت مسیح موعود ۲۵ر مئی ۱۹۰۷ء یعنی پیر کی شام کو بالکل اچھے تھے۔ رات کو عشاء کی نماز کے بعد

خاکسار باہر سے مکان میں آیا تو میں نے دیکھا کہ آپ والدہ صاحبہ کے ساتھ پلنگ پر بیٹھے ہوئے کھانا کھا رہے تھے۔ میں اپنے بستر پر جا کر لیٹ گیا اور پھر مجھے نیند آ گئی۔ رات کے پچھلے پہر صبح کے قریب مجھے جگایا گیا یا شاید لوگوں کے چلنے پھرنے اور بولنے کی آواز سے میں بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسہال کی بیماری سے سخت بیمار ہیں اور حالت نازک ہے اور اِدھر اُدھر معالج اور دوسرے لوگ کام میں لگے ہوئے ہیں۔ جب میں نے پہلی نظر حضرت مسیح موعودؑ کے اوپر ڈالی تو میرا دل بیٹھ گیا کیونکہ میں نے ایسی حالت آپ کی اس سے پہلے نہ دیکھی تھی اور میرے دل پر یہی اثر پڑا کہ یہ مرض الموت ہے۔ اس وقت آپ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ اتنے میں ڈاکٹر نے نبض دیکھی تو ندارد۔ سب سمجھے کہ وفات پا گئے اور یکدم سب پر ایک سناٹا چھا گیا۔ مگر تھوڑی دیر کے بعد نبض میں پھر حرکت پیدا ہوئی مگر حالت بدستور نازک تھی۔ اتنے میں صبح ہو گئی اور حضرت مسیح موعودؑ کی چارپائی کو باہر صحن سے اُٹھا کر اندر کمرہ میں لے آئے۔ جب ذرا اچھی روشنی ہو گئی تو حضرت مسیح موعودؑ نے پوچھا کہ کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ غالباً شیخ عبدالرحمن صاحب قادیانی نے عرض کیا کہ حضور ہو گیا ہے۔ آپ نے بستر پر ہی ہاتھ مار کر تیمم کیا اور لیٹے لیٹے ہی نماز شروع کر دی مگر آپ اسی حالت میں تھے کہ غشی سی طاری ہو گئی اور نماز کو پورا نہ کر سکے۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ صبح کی نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ عرض کیا گیا حضور ہو گیا ہے۔ آپ نے پھر نیت باندھی مگر مجھے یاد نہیں کہ نماز پوری کر سکے یا نہیں اس وقت آپ کی حالت سخت کرب اور گھبراہٹ کی تھی۔ غالباً آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر نے پوچھا کہ حضور کو خاص طور پر کیا تکلیف محسوس ہوتی ہے مگر آپ جواب نہ دے سکے۔ اس لئے کاغذ قلم دوات منگوائی گئی اور آپ نے بائیں ہاتھ پر سہارا لے کر بستر سے کچھ اُٹھ کر لکھنا چاہا مگر بمشکل دو چار الفاظ لکھ سکے اور پھر بوجہ ضعف کے کاغذ کے اوپر قلم گھسٹتا ہوا چلا گیا اور آپ پھر لیٹ گئے یہ آخری تحریر جس میں غالباً زبان کی تکلیف کا اظہار تھا اور کچھ حصہ پڑھا نہیں جاتا تھا جناب والدہ صاحبہ کو دے دی گئی نو بجے کے قریب حضرت صاحب کی حالت زیادہ نازک ہو گئی اور تھوڑی دیر کے بعد آپ کو غرغرہ شروع ہو گیا۔ غرغرہ میں کوئی آواز وغیرہ نہیں تھی بلکہ صرف سانس لمبا لمبا اور کھچ کھچ کر آتا تھا۔ خاکسار اس وقت آپ کے سرہانے کھڑا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر والدہ صاحبہ کو جو اُس وقت ساتھ والے کمرہ میں تھیں اطلاع دی گئی۔ وہ مع چند گھر کی مستورات کے آپ کی چارپائی کے پاس آ کر زمین پر بیٹھ گئیں۔ اس وقت ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب لاہور نے آپ کی چھاتی میں

پستان کے پاس انجکشن یعنی دوائی کی پچکاری کی جس سے وہ جگہ کچھ اُبھر آئی مگر کچھ افاقہ محسوس نہ ہوا بلکہ بعض لوگوں نے بُرا منایا کہ اس حالت میں آپ کو کیوں تکلیف دی گئی۔ تھوڑی دیر تک غرغرہ کا سلسلہ جاری رہا اور ہر آن سانسوں کے درمیان کا وقفہ لمبا ہوتا گیا حتیٰ کہ آپ نے ایک لمبا سانس لیا اور آپ کی روح رفیق اعلیٰ کی طرف پرواز کر گئی۔ اللّٰھم صل علیہ وعلی مطاعہ محمد وبارك وسلم۔"

جماعت احمدیہ کے ۶۰ ء کے سالانہ جلسہ پر بھی آپ نے درمنثور کے عنوان سے جو تقریر فرمائی تھی اس میں بھی آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا کہ

''حضور کے وصال کا واقعہ اس وقت پچاس سال گزرنے پر بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے گویا کہ میں حضور کے سفر آخرت کی ابتداء اب بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔''

یہ خاکسار حضرت مسیح موعودؑ کے گھر میں پیدا ہوا اور یہ خدا کی ایک عظیم الشان نعمت ہے جس کے شکریہ کے لئے میری زبان میں طاقت نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ میرے دل میں اس شکریہ کے تصور تک کی گنجائش نہیں۔ مگر میں نے ایک دن مر کر خدا کو جان دینی ہے۔ میں آسمانی آقا کو حاضر وناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے دیکھنے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر پر بلکہ محض نام لینے پر ہی حضرت مسیح موعودؑ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھلی نہ آ گئی ہو۔ آپؑ کے دل ودماغ بلکہ سارے جسم کا رُواں رُواں اپنے آقا حضرت سرورِ کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے معمور تھا۔

ہمارے نانا جان حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم کا ایک قریبی عزیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں قادیان میں آ کر کچھ عرصہ رہا تھا ایک دن سردی کے موسم کی وجہ سے ہمارے نانا جان مرحوم نے اپنا ایک مستعمل کوٹ ایک خادمہ کے ہاتھ اُسے بھجوایا تا کہ یہ عزیز سردی سے محفوظ رہے۔ مگر کوٹ کے مستعمل ہونے کی وجہ سے اُس عزیز نے یہ کوٹ حقارت کے ساتھ واپس کر دیا کہ میں استعمال شدہ کپڑا نہیں پہنتا۔ اتفاق سے جب یہ خادمہ اُس کوٹ کو لے کر میر صاحب کی طرف واپس جا رہی تھی تو حضرت مسیح موعودؑ نے اسے دیکھ لیا اور پوچھا کہ یہ کیسا کوٹ ہے اور کہاں لئے جاتی ہو؟ اُس نے کہا میر صاحب نے یہ کوٹ اپنے فلاں عزیز کو بھیجا تھا مگر اُس نے مستعمل ہونے کی وجہ سے بہت بُرا مانا ہے اور واپس کر دیا ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا:

''واپس نہ لے جاؤ اس سے میر صاحب کی دل شکنی ہوگی تم یہ کوٹ ہمیں دے جاؤ۔ ہم پہنیں گے اور

میر صاحب سے کہہ دینا کہ میں نے رکھ لیا ہے۔‘‘

یہ ایک انتہائی شفقت اور انتہائی دلداری کا مقام تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے یہ مستعمل کوٹ خود اپنے لئے رکھ لیا تا کہ حضرت نانا جان کی دل شکنی نہ ہو ورنہ حضرت مسیح موعودؑ کو کوٹوں کی کمی نہیں تھی اور حضور کے خدام حضور کی خدمت میں بہتر سے بہتر کوٹ پیش کرتے رہتے تھے اور ساتھ ہی یہ انتہائی سادگی اور بے نفسی کا بھی اظہار تھا کہ دین کا بادشاہ ہو کر اُترے ہوئے کوٹ کے استعمال میں تامل نہیں کیا۔

مجھے اس وقت خدا تعالیٰ کی غیر معمولی نصرت کا ایک اور واقعہ بھی یاد آیا ہے۔ جو ہے تو بظاہر بہت چھوٹا سا مگر اُس میں خدائی تائید ونصرت کا عجیب وغریب جلوہ نظر آتا ہے۔ حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اول رضی اللہ عنہ بیان فرماتے تھے کہ ایک دفعہ کسی بحث کے دوران میں کسی شوخ مخالف نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کوئی حوالہ طلب کیا اور بحث میں حضور کو بزعمِ خود شرمندہ کرنے کی غرض سے اُسی وقت دمِ نقد اِس حوالہ کے پیش کئے جانے کا مطالبہ کیا۔ وہ حوالہ تو بالکل درست اور صحیح تھا مگر اتفاق سے اس وقت یہ حوالہ حضرت مسیح موعود کو یاد نہیں تھا اور نہ اُس وقت آپ کے حاضر الوقت خادموں میں سے کسی کو یاد تھا۔ لہٰذا وقتی طور پر شماتت کا اندیشہ پیدا ہوا مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑے وثوق کے ساتھ صحیح بخاری کا ایک نسخہ منگوایا اور اسے ہاتھ میں لے کر یونہی جلد جلد اس کی ورق گردانی شروع کر دی اور پھر ایک ورق پر پہنچ کر فرمایا یہ لو حوالہ موجود ہے۔ دیکھنے والے سب حیران تھے کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ حضور نے کاتب کے صفحات پر نظر تک نہیں جمائی اور حوالہ نکل آیا۔ بعد میں کسی نے حضرت مسیح موعود سے پوچھا کہ حضور یہ کیا بات تھی کہ حضور پڑھنے کے بغیر ہی صفحے اُلٹتے گئے اور آخر ایک صفحہ پر رُک کر حوالہ پیش کر دیا۔ حضرت مسیح موعود نے فرمایا کہ جب میں نے کتاب ہاتھ میں لے کر ورق اُلٹانے شروع کئے تو مجھے یوں نظر آتا تھا کہ اس کتاب کے سارے صفحے بالکل خالی اور کورے ہیں اور ان پر کچھ لکھا ہوا نہیں اس لئے میں اُن کو دیکھنے کے بغیر جلد جلد الٹاتا گیا۔ آخر مجھے ایک ایسا صفحہ نظر آیا جس میں کچھ لکھا ہوا تھا اور مجھے یقین ہوا کہ خدا کے فضل ونصرت سے یہ وہی حوالہ ہے جس کی مجھے ضرورت ہے اور میں نے بلا توقف مخالف کے سامنے یہ حوالہ پیش کر دیا اور یہ وہی حوالہ تھا جس کا فریق مخالف کی طرف سے مطالبہ تھا۔

(سیرۃ المہدی حصہ دوم۔ روایت نمبر ۳۰۶)

دوستو! سنو اور غور کرو کہ ہمارے امام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی کیسی خارق عادت نصرت شاملِ حال تھی کہ

جب مخالفوں کے ساتھ بحث کے دوران میں شماتت کا خطرہ پیدا ہوا تو ایک وفادار دوست اور مربی کے طور پر خدا تعالیٰ فوراً حضرت مسیح موعود کی مدد کو پہنچ گیا اور کشفی رنگ میں ایسا تصرف فرمایا کہ حضور کو کتاب کے سارے صفحے خالی نظر آئے اور صرف اُسی صفحہ پر ایک تحریر نظر آئی جہاں مطلوبہ حوالہ درج تھا۔ یہ باتیں اس بات کا قطعی اور یقینی ثبوت ہیں کہ اسلام کا خدا ایک زندہ، حی و قیوم، قادر و متصرف خدا ہے جو اپنی غیر معمولی قدرت نمائی سے اپنے خاص بندوں کو اپنے اعجازی نشان دکھاتا رہتا ہے۔

مگر یاد رکھنا چاہئے کہ خدا کے مامور و مرسل نعوذ باللہ مداری نہیں ہوتے کہ یونہی تماشے کے طور پر ایسے شعبدے دکھاتے پھریں بلکہ جب کوئی حقیقی ضرورت پیدا ہوتی ہے تو خدا تعالیٰ فوراً سامنے آ کر اپنے بندوں کے بوجھ اُٹھالیتا ہے اور اُن کی حفاظت فرماتا اور اُن کی مدد کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک نہایت پیارا شعر ہے کہ جب حق کے دشمن خدا کے ماموروں اور مرسلوں کو تنگ کرتے اور ذلیل کرنے کے درپے ہوتے ہیں اور صداقت کو نقصان پہنچنے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے تو اس وقت خدا اپنی غیر محدود غیبی طاقتوں کے ساتھ آگے آجاتا ہے اور

کہتا ہے یہ تو بندہ عالی جناب ہے مجھ سے لڑو اگر تمہیں لڑنے کی تاب ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعاؤں کی قبولیت کے نشان تو بے شمار ہیں جن کے ذکر سے آپ کی کتابیں بھری پڑی ہیں اور ہزاروں لاکھوں لوگ اُن کے گواہ ہیں مگر میں اس جگہ صرف ایک مزید واقعہ کے ذکر پر اکتفا کرتا ہوں۔

میں اپنی گزشتہ سال کی تقریر میں بیان کر چکا ہوں کہ جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات ہوئی تو اس وقت حضور کا گھر روپے پیسے سے بالکل خالی تھا اور حضور اپنا آخری روپیہ بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کے ذریعہ اُس گاڑی بان کو دے چکے تھے جس کی گاڑی میں حضورؑ وفات سے قبل شام کے وقت سیر کے لئے تشریف لے گئے (درِ منثور روایت نمبر ۲۹) اس کے بعد اچانک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور حضورؑ کا یہ الہام پورا ہوا کہ الرحیل ثم الرحیل یعنی ''اب کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ کوچ کا وقت آ گیا ہے'' اور اس کے ساتھ ہی الہام بھی ہوا کہ ''ڈرو مت مومنو!'' یعنی اے احمدیو! ہمارے مسیح کی وفات سے جماعت کو طبعاً سخت دکھ پہنچے گا مگر تم ڈرنا نہیں اور خدا کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط رکھنا پھر انشاء اللہ سب خیر ہے۔

اس کے بعد جب ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو صبح دس بجے کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی

وفات ہوئی تو جیسا کہ میں بتا چکا ہوں اُس وقت ہمارا گھر دنیوی مال وزر کے لحاظ سے بالکل خالی تھا۔ ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم سلمہا اللہ تعالیٰ کی روایت (اور یہ بات مجھے خود بھی مجمل طور پر یاد ہے) کہ ہماری اماں جان یعنی حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت یا اس کے تھوڑی دیر بعد اپنے بچوں کو جمع کیا اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے انہیں اِن نہ بھولنے والے الفاظ میں نصیحت فرمائی کہ:

''بچو! گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے۔ اُنہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر ملتا رہے گا۔''

(روایات نواب مبارکہ بیگم صاحب)

یہ کوئی معمولی رسمی تسلی نہیں تھی جو انتہائی پریشانی کے وقت میں غم رسیدہ بچوں کو اُن کی والدہ کی طرف سے دی گئی بلکہ یہ ایک خدائی آواز اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شاندار الہام کی گونج تھی کہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ یعنی ''کیا خدا اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟'' اور پھر اس وقت سے لے کر آج تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعاؤں نے ہمارا اس طرح ساتھ دیا ہے اور اللہ کا فضل اس طرح ہمارے شاملِ حال رہا ہے کہ اس کے متعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ

اگر ہر بال ہو جائے سخن ور تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس رنگ میں ہماری دستگیری فرمائی ہے اُس کی مثال ملنی مشکل ہے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسل نیکی اور تقویٰ اور اخلاص اور خدمتِ دین کے مقام پر قائم رہے گی تو حضور کی درمندانہ دعائیں جن کا ایک بہت بھاری خزانہ آسمان پر جمع ہے قیامت تک ہمارا ساتھ دیتی چلی جائیں گی۔ اپنے بچوں کی آمینوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خصوصیت کے ساتھ اپنی اولاد کے لئے اس دردوسوز اور اس آہ وزاری کے ساتھ دعائیں کی ہیں کہ میں جب بھی انہیں پڑھتا ہوں تو اپنے نفس میں شرمندہ ہو کر خیال کرتا ہوں کہ شاید ہماری کمزوریاں تو ان دعاؤں اور ان بشارتوں کی حقدار نہیں ہوں مگر پھر کہتا ہوں کہ خدا کی دین کو کون روک سکتا ہے؟ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس عجیب وغریب شعر کو یاد کرتا ہوں کہ:

تیرے اے میرے مربی! کیا عجائب کام ہیں گرچہ بھاگیں جبر سے دیتا ہے قسمت کے ثمار

خدا کرے کہ ہم ہمیشہ نیکی اور دینداری کے رستہ پر قائم رہیں اور جب دنیا سے ہماری واپسی کا وقت آئے تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت اماں جان رضی اللہ عنہ کی روحیں ہمیں دیکھ کر خوش ہوں کہ ہمارے بچوں نے ہمارے بعد اپنے آسمانی آقا کا دامن نہیں چھوڑا۔ دوستوں سے بھی میری یہی درخواست ہے کہ جہاں وہ اپنی والاد کے لئے دین ودنیا کی بہتری کی دعا کریں (اور کوئی احمدی کسی حالت میں بھی اس دعا کی طرف سے غافل نہیں رہنا چاہئے) وہاں وہ ہمارے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ صدق وسداد پر قائم رکھے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اُن دعاؤں کو جو حضور نے اپنی اولاد کے لئے فرمائی ہیں اور نیز ان دعاؤں کو جو حضور نے اپنی جماعت کے متعلق فرمائی ہیں اور پھر اُن بشارتوں کو جو خدا کی طرف سے حضور کو اپنی اولاد اور اپنی جماعت کے متعلق ملی ہیں بصورتِ احسن پورا فرمائے اور ہماری کوئی کمزوری ان خدائی بشارتوں کے پورا ہونے میں روک نہ بنے اور ہم سب خدا کے حضور سرخرو ہو کر حاضر ہوں۔ اٰمِیْن یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْن۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب (رضی اللہ عنہ)

(1895ء-1961ء)

حضرت مرزا شریف احمد صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس مبشر اولاد میں سے ایک درخشندہ گوہر تھے جو اللہ تعالیٰ کی خاص بشارتوں کے تحت حضرت اماں جان نوّر اللہ مرقدھا کے بطن مبارک سے پیدا ہوئی۔آپ خدائی بشارت کے ماتحت ۲۷/ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ مطابق ۲۴/مئی ۱۸۹۵ء کو پیدا ہوئے تھے۔حضور علیہ السلام نے اپنی کتاب ''انوار الاسلام'' مطبوعہ ۱۸۹۴ء میں خدائی بشارت کا ذکر کرتے ہوئے رقم فرمایا:

''اللہ جل شانہٗ نے بشارت دی اور فرمایا اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ یعنی ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔'' (روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۴۰)

چنانچہ جب یہ بشارت اللہ تعالیٰ کے فضل سے پوری ہوئی تو حضور نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنی کتاب ''ضیاء الحق'' کے صفحہ ۵۷ پر اس کے پورا ہونے کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

''ہمیں خدا تعالیٰ نے بشارت دی تھی کہ تجھے ایک لڑکا دیا جائے گا جیسا کہ ہم اسی رسالہ ''انوار الاسلام'' میں اس بشارت کو شائع بھی کر چکے ہیں۔سوالحمد للہ والمنت کہ اس الہام کے مطابق ۲۷/ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ میں مطابق ۲۴/مئی ۱۸۹۵ء میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شریف احمد رکھا گیا۔''

(روحانی خزائن جلد ۹ صفحہ ۳۲۳)

آپ کا نکاح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ہی حضرت نواب محمد علی خان صاحب آف مالیرکوٹلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی محترمہ بوزینب بیگم صاحبہ کے ساتھ ہو گیا تھا۔ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد عطا فرمائی۔آپ کی اولاد میں سے تین صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔صاحبزادوں کے نام یہ ہیں۔محترم صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب،محترم صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب اور محترم صاحبزادہ کرنل مرزا داؤد احمد صاحب۔صاحبزادیوں میں سیّدہ امۃ الباری صاحبہ بیگم مکرم نواب

زادہ عباس احمد خان صاحب اور سیدہ امتہ الوحید صاحبہ بیگم مکرم صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ وامیر مقامی ربوہ شامل ہیں۔آپ کے سب صاحبزادے اور صاحبزادیاں خدا کے فضل سے صاحب اولاد ہیں۔

آپ کی وفات ۲۶/دسمبر ۱۹۶۱ء کو ہوئی۔حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے جنازہ پڑھایا اور تدفین کے بعد دعا کروائی۔آپ کے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو درج ذیل الہامات بھی ہوئے:۔

1۔''رؤیا۔شریف احمد کو خواب میں دیکھا کہ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے۔اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ

''وہ بادشاہ آیا''

دوسرے نے کہا کہ ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے۔

فرمایا۔قاضی حَکَم کو بھی کہتے ہیں۔قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو ردّ کرے۔''

(بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ مؤرخہ ۱۰/جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ والحکم جلد ۱۱ نمبر ۱ مؤرخہ ۱۰/جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۱)

2۔فرمایا:

''چند سال ہوئے ایک دفعہ ہم نے عالمِ کشف میں اسی لڑکے شریف احمد کے متعلق کہا تھا کہ

''اب تو بیٹھ اور ہم چلتے ہیں'' (بدر جلد ۶ نمبر ۱، ۲ مؤرخہ ۱۰/جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۳)

3۔۲۸/مئی ۱۹۰۷ء

''شریف احمد کی نسبت اُس کی بیماری کی حالت میں الہامات ہوئے:

(۱) عَمَّرَهُ اللّٰهُ عَلٰى خِلَافِ التَّوَقُّعِ

اللہ نے اُس کو خلاف توقع عمر دی۔

(۲) اَمَّرَهُ اللّٰهُ عَلٰى خِلَافِ التَّوَقُّعِ

اللہ نے اُس کو خلاف توقع امیر بنا دیا۔

(۳) أَئَنْتِ لَا تَعْرِفِيْنَ الْقَدِيْرَ

کیا تو قدیر کو جانتی ہے

(۴) مُرَادُکَ حَاصِلٌ

تیری مراد حاصل ہونے والی ہے۔

(۵) اَللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظًا وَّھُوَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ۔''

اللہ بہترین محافظ ہے اور وہ سب رحم کرنے والوں میں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز آپ کے پوتے ہیں۔

ذکر حبیب کے عنوان سے آپ کی بیان فرمودہ چند روایات درج ذیل ہیں:

معاشرتی اور عائلی زندگی کو بہتر اور خوشگوار بنانے کا یہ ایک نہایت ہی قیمتی اور سنہری اصل ہے جو رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بیان ہوا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں جہاں تک میرا مشاہدہ ہے۔ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کو اپنی پوری جامعیت اور حقیقت کے ساتھ پورا ہوتے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے گھر والوں سے اپنے بچوں سے اپنے ملازموں سے مسلمانوں سے، دوستوں، عام ملنے جلنے والوں سے غرضیکہ ہر ایک سے نہایت ہی محبت اور شفقت اور ہمدردی کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ لفظ ''اہل'' کے وسیع معنوں کے ساتھ اپنے اہل کے لئے آپ کا وجود سراسر خیر ہی خیر تھا۔

جہاں تک گھر والوں کا تعلق ہے مجھے یاد ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے گھر والوں کے ساتھ نہایت ہی شفقت اور محبت کا سلوک فرمایا کرتے تھے۔ آپ حضرت اماں جان کی طبیعت کا اس قدر خیال رکھا کرتے تھے کہ ہمارے موجودہ زمانے میں مَیں نے کسی خاوند کو ایسا خیال رکھتے ہوئے نہیں دیکھا اور پھر اسی طرح خود حضرت اماں جان کا یہ حال تھا کہ وہ بھی ہر لحظہ اور ہر لمحہ حضور کے آرام اور آسائش کا پورا پورا خیال رکھتیں۔ چنانچہ اکثر حضور کے لئے کھانا خود تیار کیا کرتی تھیں جب کہ گھر میں کھانا پکانے کے لئے ایک اور خادمہ اصغری کی والدہ بھی تھیں اور اسی طرح میاں کریم بخش بھی تھے جو کھانا پکایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کُھمبیاں بہت پسند تھیں مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ کُھمبیوں کا موسم ابھی نہیں تھا تو حضرت ام المومنین نے مصنوعی کُھمبیاں اس قدر نفاست سے تیار کر کے حضور کو پیش کیں کہ حضور نے انہیں بڑے مزے سے کھایا اور اصلی اور مصنوعی میں فرق تک نہ محسوس کیا۔ خود میں نے بھی وہ پکی ہوئی کھمبیاں کھائیں تھیں۔ بالکل اصلی کی مانند لذیذ اور مزیدار تھیں۔ مرغ کے گوشت سے حضرت اماں جان نے تیار کی تھیں۔ اسی طرح حضرت اماں جان ہی کا ایک اور واقعہ ہے۔ آپ کو کبھی کبھی ہسٹریا کا دورہ ہو جایا

کرتا تھا۔ایک دفعہ آپ سیر کے لئے باہر گئی ہوئی تھیں تو وہیں آپ کو دورہ پڑ گیا۔اس کی اطلاع حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دی گئی اور اماں جان کی والدہ یعنی ہماری نانی جان کو بھی، نانی جان تو ایسا گھبرائیں کہ وہ بولتی جاتی تھیں کہ ''زندہ بھی ہے وہ'' ''زندہ بھی ہے وہ'' حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب خبر ہوئی تو آپ خود تشریف لے آئے اور اُن کو اس وقت تک تسلی دیتے رہے جب تک کہ انہیں افاقہ نہ ہوگیا اور اپنی پہلی حالت پر نہ آ گئیں۔

اسی طرح ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت اماں جان قادیان سے باہر کسی سفر پر گئی ہوئی تھیں۔جب آپ واپس آئیں تو بٹالہ ریلوے سٹیشن تک حضور خود ان کے استقبال کے لئے گئے تھے۔

کھانے میں جہاں تک حضور کی پسند کا تعلق ہے حضور پرندوں کا گوشت بہت پسند فرمایا کرتے تھے۔خصوصاً بٹیر، تیتر اور ممولہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ یہ درد گردہ کے لئے بہت مفید ہے۔

بھائی عبدالرحیم صاحب مرحوم اکثر غلیل سے شکار کر کے حضور کے لئے لایا کرتے تھے۔اسی طرح کبھی کبھی مولوی سید سرور شاہ صاحب بھی، حکیم عبدالعزیز خان صاحب بھی جنہوں نے بعد میں طبیہ عجائب گھر کھولا تھا۔وہ بھی ہوائی بندوق سے کبھی کبھی شکار کر کے لایا کرتے تھے۔اور حضور کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے۔شکار ہی کے ضمن میں بات یاد آ گئی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام گھر کے جانوروں کو مارنا پسند نہیں کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت میں تکلف اور نمود ہرگز نہیں تھا چنانچہ حضور کھانا وغیرہ چارپائی پر بیٹھ کر اسی طرح فرش اور تخت پر بیٹھ کر بڑی سادگی اور بے تکلفی سے کھا لیا کرتے تھے۔

اسی طرح رومال میں ہی کنجیاں باندھ لیا کرتے تھے اور پیسے وغیرہ بھی۔حضور چونکہ بعض تکلیفوں کی وجہ سے اکثر مشک کا استعمال بھی رکھتے تھے اس لئے میں نے بعض اوقات رومال میں حضور کو مشک باندھے ہوئے بھی دیکھا ہے۔

یہی سادگی اور بے تکلفی حضور کے لباس سے بھی عیاں تھی۔حضور صاف ستھرے مگر سادہ کپڑے پہنتے تھے۔رات کے دس گیارہ بجے تک عموماً کام کرتے اور پھر سونے کی تیاری کیا کرتے تھے۔سوتے وقت حضور تہہ بند کا استعمال کیا کرتے تھے۔عام لباس جو ہم نے اپنی ہوش میں حضور کا دیکھا ہے۔وہ گرم پاجامہ، گرم صدری اور گرم کوٹ ہوا کرتا تھا۔اسی طرح ململ کی پگڑی جس کے نیچے ترکی ٹوپی ہوا کرتی تھی بعض لوگوں

کوشاید یہ حدیث یاد نہ ہو خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اور مشرکوں کے درمیان یہ فرق ہے کہ ہم پگڑیاں ٹوپیوں پر پہنتے ہیں اور مشرک ایسا نہیں کرتے چنانچہ ترمذی کی حدیث ہے کہ:

قالت رُکانۃ سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول ان فرق ما بیننا وبین المشرکین العمائم علی القلانس۔

رکانہ کہتیں ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ہمارے اور مشرکین کے درمیان فرق ٹوپی پر عمامہ پہننا ہے۔ (ترمذی جلد اول باب اللباس)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بڑی مصروف زندگی گذارتے تھے۔ یہ مصروفیت صبح سے لے کر رات گئے تک جب تک حضور سونے کی تیاری نہ فرماتے جاری رہتی۔ صبح کے وقت اگر حضور کی صحت اجازت دیتی تو حضور سیر کے لئے ضرور تشریف لے جاتے حضور کی معیت کا شرف حاصل کرنے کے لئے دوست مسجد مبارک کے نیچے جمع ہو جایا کرتے تھے۔ خصوصاً باہر سے آئے ہوئے دوست اس موقع کو غنیمت خیال کیا کرتے تھے اور اس بات کا ہمیشہ خیال رکھا کرتے تھے کہ صبح کی سیر میں وہ ضرور شامل ہوں۔ ہم ان دنوں چھوٹے چھوٹے ہوتے تھے اور قادیان سے جانب شمال قریباً میل بھر دور کسیر ہوتی تھی۔ ہم سیر میں وہاں تک جاتے تھے اور کسیر اٹھا کر واپسی پر ساتھ لایا کرتے تھے۔ اس سیر کے لئے حضور سورج نکلنے کے قریب تشریف لے جایا کرتے تھے۔ سیر میں مختلف احباب حضور سے مختلف دینی مسائل پر گفتگو بھی کر لیا کرتے تھے۔

ایک دفعہ قادیان کے مشرق کی جانب سیر کے دوران ہی آپ نے میر عباس علی لدھیانوی کے متعلق اپنی رویاء بھی سنائی کہ وہ سیاہ لباس پہنے کھڑا ہے اور میری طرف آنا چاہتا ہے لیکن حضور نے فرمایا کہ میں نے اسے جواب دیا کہ اب وقت گذر چکا ہے۔

اس سیر میں حضرت خلیفہ اول بھی حضور کے ساتھ ہوا کرتے تھے۔ حضور تیز رفتار تھے اور اس کے مقابل پر مولوی صاحب تیز نہیں چل سکتے تھے۔ چنانچہ مولوی صاحب اکثر پیچھے رہ جاتے اور حضور کئی دفعہ پیچھے مڑ کر ان کا انتظار کرتے۔ عام مصروفیات حضور کی تصنیف کی تھیں۔ پچھلی عمر میں حضور چلتے چلتے تصنیف کا کام فرمایا کرتے تھے۔ ایک گول میز ہوتی تھی جو چھاتی تک قریباً چار ساڑھے چار فٹ اونچی تھی اس میں ایک دراز تھی اور نیچے تین پیر تھے یہ میز جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے۔ میاں نظام الدین صاحب مرحوم سیالکوٹی نے بطور تحفہ حضور کی خدمت میں پیش کی تھی۔ حضور اس میز کے اوپر دوات رکھ

دیتے تھے اور کاغذ اور قلم ہاتھ میں ہوتے تھے اور ٹہلتے ٹہلتے لکھتے جاتے تھے۔ دوات کے چونکہ گرنے کا خطرہ ہوتا تھا۔ اس لئے وہ ایک اور مٹی کی موٹی سی دوات بنا کر اس میں فٹ کی ہوتی تھی۔

یہ میز حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد میرے پاس آ گئی تھی۔ اس کے بعد جب یہ ذرا خستہ حالت میں ہوگئی تو اس کی مرمت بھی کروادی گئی تھی۔ اس پر ملتانی کام ہوا ہوا تھا۔ بعد میں یہ میز میں نے عزیزم مرزا منصور احمد کو دے دی تھی اور اب قادیان میں عزیزم مرزا وسیم احمد کی تحویل میں ہے۔

حضور کے پاس ایک کاپی رہا کرتی تھی جو سوتے وقت حضور کے سرہانے ہوتی۔ جس وقت کوئی الہام وغیرہ ہوتا تو حضور اسے اسی وقت اس کاپی میں نوٹ کر لیا کرتے۔ میں نے وہ کاپی خود دیکھی ہے قریباً ۵×۶ انچ کی تھی اور کوئی ڈیڑھ انچ موٹی سفید کاغذوں کی تھی جو لکیر دار نہیں تھے۔

اپنے بچوں کے ساتھ حضور کا سلوک نہایت شفقت اور محبت کا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ سردیوں کا موسم تھا۔ میں سکول کے لڑکوں کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے بڑی مسجد میں گیا۔ ان دنوں طالب علموں کے لئے ظہر کی باجماعت نماز سکول کے انتظام کے تحت بڑی مسجد میں ہوا کرتی تھی۔ اس وقت مجھے سردی لگی جو خوشگوار سی معلوم ہوئی۔ نماز پڑھ کر جب سکول کے کمرہ میں واپس آیا تو مجھے پیشاب کی حاجت محسوس ہوئی چنانچہ میں اجازت لے کر گھر آیا اور نچلی منزل سے مکان میں ان سیڑھیوں سے داخل ہوا جو حضرت صاحب کے رہائشی دالان میں کھلتی تھیں۔ اس کے بعد مجھے اتنا یاد ہے کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پلنگ کی پائینتی کی طرف سہارا لگا کر لیٹ گیا ہوں جب میری آنکھ کھلی تو غالباً دوسرا دن تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے پاس تھے اور تیمارداری کر رہے تھے۔ مجھے اتنا شدید بخار ہو گیا تھا کہ میں بے ہوش ہو گیا تھا۔ اسی طرح جب ہم کبھی بیمار ہو جاتے تو بیماری میں خواہش کیا کرتے کہ آتشبازی کے انار اور پٹاخے وغیرہ چلانے کی اجازت دی جائے۔ حضور انار چلانے کی اجازت تو دے دیا کرتے تھے لیکن پٹاخوں کی نہیں۔ حضور فرمایا کرتے تھے کہ انار وغیرہ سے ہوا بھی صاف ہو جاتی ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح حضور بچوں کی صحت کا بھی بڑا خیال رکھا کرتے تھے گرمیوں میں جب باہر سونے کا موسم ہوتا تھا تو اس وقت ہمارے اوپر سائبان لگوائے جاتے تاکہ ہم اوس وغیرہ سے محفوظ رہیں اور بیمار نہ ہو جائیں۔

اسی طرح حضور بعض اوقات بچوں کو پیسے وغیرہ بھی دیا کرتے تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دو دفعہ حضور

نے مجھے ایک روپیہ بھی دیا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بچوں کی بیماری میں ان کا علاج بھی تجویز فرما دیا کرتے تھے اور اپنے پاس سے دوائی بھی دیا کرتے تھے۔

ابتدائی زمانہ میں قادیان کے قریب کے گاؤں کی عورتیں حضور سے آکر اپنے لئے اور اپنے بچوں کے لئے دوائی لے جایا کرتی تھیں۔ کئی دفعہ کئی عورتیں دوائی حاصل کر کے اپنی تسلی کی خاطر پوچھا کرتی تھیں کہ کیا اس سے آرام آجائے گا۔

ایک دفعہ ایک عورت اپنے بچہ کو لائی جسے کھانسی کی شکایت تھی۔ حضرت اماں جان بھی اس وقت حضور کے پاس موجود تھیں۔ حضرت اماں جان نے دیکھتے ہی فرمایا کہ اس بچہ کو کالی کھانسی ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابھی تک اس بچے کی کھانسی کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ ہی کوئی اور علامت دیکھی تھی۔ جب حضور نے اس بچہ کو دیکھا تو فرمایا کہ ہاں اسے تو کالی کھانسی ہی ہے اور ساتھ ہی حضرت اماں جان سے دریافت فرمایا کہ آپ کو کیسے پتہ لگا کہ اس بچہ کو کالی کھانسی ہے تو حضرت اماں جان نے فرمایا کہ دیہات کی یہ عورتیں معمولی کھانسی کی تو پرواہ ہی نہیں کرتیں اگر کالی کھانسی ہی ہو تو تبھی جا کر یہ کسی کے پاس علاج کے لئے جاتی ہیں۔

حضور کو دوران سر اور نقرس کی تکلیف عموماً رہا کرتی تھی۔ نقرس کی درد میں آپ کئی دفعہ مولیاں پسوا کر لگوایا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جس طرح اپنے گھر والوں کا اپنے بچوں کا اور خود اپنی صحت کا خیال رکھا کرتے تھے۔ اسی طرح حضور مہمانوں کا بھی بڑا خیال رکھنے والے تھے۔ جب کوئی مہمان آتا تو آپ حتی الوسع اس کے تمدن اور حالات کے مطابق اس کی تواضع اور خاطر داری فرمایا کرتے تھے اور کھانے میں اس کا خیال رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ خواجہ کمال الدین صاحب کے خاص طور پر شب دیگ پکوائی گئی تھی۔ خواجہ صاحب کشمیری تھے اور کشمیریوں کو شلجم بہت پسند ہیں اور کشمیری چونکہ بڑی سرخ رنگ کی چائے پسند کرتے ہیں اس لئے ایک دفعہ خواجہ صاحب ہی کے لئے حضرت اماں جان نے چائے پکوائی۔ ان دنوں چقندروں کا موسم تھا آپ نے پانی جوش دیتے ہوئے کچھ چقندر بھی اس میں ڈلوا دیئے تا کہ چائے کا رنگ زیادہ سرخ اور خوشگوار ہو جائے چنانچہ بعد میں یہ چائے خواجہ صاحب اور دوسرے مہمان جو آئے تھے انہیں پیش کی گئی۔

ابھی مہمانوں کی آمد کثرت سے شروع نہیں ہوئی تھی تو حضور باہر مہمانوں کے ساتھ بھی کھانا کھالیا کرتے تھے۔ بعد میں جب مہمانوں کی طرف سے کھانے کے دوران بعض گھِن آنے والی باتیں ہوئیں تو حضور نے پھر یہ طریق چھوڑ دیا۔

حضور کی مجلس بڑی سادہ اور دلوں کے لئے فرحت بخش ہوتی تھی۔ یہ نہیں ہوتا تھا کہ طبیعتوں پر بیٹھے ہوئے کسی قسم کا دباؤ یا تکلف کا بوجھ ہو۔ آپ کی مجلس میں لوگ بڑے آزادانہ طور پر بیٹھے ہوا کرتے تھے اور کھل کر گفتگو کرلیا کرتے تھے۔ ایسی مجلس ہوتی تھی کہ لوگ طبائع میں بشاشت محسوس کیا کرتے تھے۔

حضور ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد مسجد میں بیٹھا کرتے تھے لیکن زیادہ وقت گرمیوں میں مغرب کے بعد تشریف رکھتے تھے۔ مسجد مبارک کے صحن میں جانب غرب شہ نشین ہوتا تھا۔ اس پر عموماً حضور بیٹھا کرتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ مولوی عبدالکریم صاحب سر پر ہلکی سی ایک کپڑے کی ٹوپی پہنا کرتے تھے اور مجلس میں موجود ہوتے تھے۔ ایک ''چُغدر'' کو کچھ ایسی ضد پڑ گئی کہ وہ پنجہ مار کر ان کی ٹوپی لے جانے کی کوشش کیا کرتا تھا چنانچہ لوگوں نے اسے مارنے کی بھی کوشش کی لیکن کچھ دنوں کے بعد وہ آپ ہٹ گیا۔ مولوی سرور شاہ صاحب غلیل لے کر تیار رہا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کی غرض ہی لوگوں تک اسلام کا صحیح پیغام پہنچانا اور اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس فرض کو اپنی ساری زندگی میں جس شان سے نبھایا ہے اس کی مثال تیرہ سو سال میں نہیں مل سکتی۔ اس فرض کی ادائیگی کا یہ عالم تھا کہ حضور معمولی معمولی موقعوں پر بھی اس کے لئے ہمہ تن تیار ہوتے تھے اور تاک میں رہتے تھے کہ کب کوئی موقع ملے اور حضور اس سے فائدہ اٹھا کر لوگوں تک اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا پیغام پہنچائیں۔

مجھے یاد ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب کہ فونوگراف ابھی شروع ہی ہوا تھا تو قادیان میں سوائے نواب صاحب کے کسی شخص کے پاس فونوگراف نہیں تھا۔ بعض ہندوؤں نے خواہش ظاہر کی کہ ان کو فونوگراف سنایا جائے چنانچہ اس کے لئے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خاص طور پر ایک تبلیغی نظم لکھی جس کی ابتداء اس طرح سے ہے کہ:

آواز آرہی ہے یہ فونوگراف سے ۞ ڈھونڈو خدا کو دل سے نہ لاف وگذاف سے

یہ نظم مولوی عبدالکریم صاحب نے نہایت خوش الحانی سے گا کر ریکارڈ کرائی اور پھر حضرت اماں جان کے صحن میں ہندوؤں کو یہ تبلیغی ریکارڈ سنایا گیا۔

اُس زمانہ میں فونوگراف کی مشین ایسی تھی جس میں ریکارڈنگ کا بھی انتظام ہوتا تھا۔ ایک گول سلنڈر ہوتا تھا جس کے اوپر آواز بھری جاتی تھی اور پھر وہ سنی جاسکتی تھی۔ پھر اس کے بعد فونوگراف میں تبدیلیاں ہوئیں اور گراموفون کی شکل میں مشین تیار ہوئی۔

حضور کا سلوک اپنے خادموں سے نہایت شفقت اور ہمدردی کا تھا اور اگر ان سے کوئی معمولی غلطی ہوجاتی تو آپ درگزر اور چشم پوشی کا سلوک فرمایا کرتے اور چنداں اہمیت نہیں دیتے تھے۔

ایک دفعہ ایک نانبائی کے متعلق شکایت ہوئی کہ یہ کھانے میں چوری کرتا ہے تو حضور سن کر ہنس پڑے اور فرمایا اگر یہ ولی اللہ ہوتا تو خدا تعالیٰ اسے ایسے کام میں کیوں ڈالتا یہ ایک روٹی کے لئے دو دفعہ جہنم میں جاتا ہے۔ اسی طرح مجھے یاد ہے کہ میاں کریم بخش باورچی جو کھانا پکایا کرتے تھے ان کے متعلق بعض لوگوں کا خیال تھا کہ غالباً یہ کھانے میں چوری کرتے ہیں لیکن وہ دراصل چور نہیں تھے۔ وہ اپنا حق سمجھ کر کھانے میں سے اپنا حصہ رکھ لیا کرتے تھے۔ چنانچہ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا کہ میاں کریم بخش کا پیغام آ گیا کہ مجھے آج اپنا کھانا رکھنا یاد نہیں رہا۔ اس لئے بھجوا دیا جائے۔ چنانچہ اس پر انہیں ان کا حصہ بھجوا دیا جاتا اس سے یہ امر بھی عیاں ہوتا ہے کہ حضور کے ہاں جو کچھ پکا کرتا تھا بالعموم وہی آپ کے خادم اور کام کرنے والے کھایا کرتے تھے۔ میاں کریم بخش جن کا میں نے ذکر کیا ہے ان کی اولاد میں سے دو لڑکے اور ایک لڑکی زندہ ہیں۔ لڑکی آج کل ربوہ میں ہی ہے۔ فاطمہ اس کا نام ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ عادت تھی کہ حضور سائلوں کو کبھی خالی ہاتھ نہیں جانے دیا کرتے تھے بلکہ ہمیشہ کچھ نہ کچھ ضرور دیا کرتے۔

ایک دفعہ ایک سائل آیا اور واپس چلا گیا۔ حضور کو جب معلوم ہوا تو اس سے آپ کو بڑی پریشانی ہوئی۔ تھوڑی ہی دیر میں جب کہ حضور پریشانی کے اسی عالم میں ہی تھے تو وہ فقیر واپس آ گیا اور پھر حضور نے اسے کچھ دیا اور تب حضور کو تسلی ہوئی اور وہ پریشانی دور ہوئی۔ حضور کی زندگی میں ایک سائل آیا کرتا تھا اور کہا کرتا تھا غلام احمد ایک روپیہ ہی لے کر جانا ہے۔ چنانچہ حضور اسے روپیہ ہی دیا کرتے تھے تب وہ جایا کرتا تھا۔ بڑی مسجد کو جانے والی گلی میں جہاں مرزا بشیر احمد صاحب کا مکان تھا۔ وہاں وہ بیٹھا کرتا تھا۔ اسی

کے مقابل پر مرزا نظام الدین کا مکان تھا جہاں بعد میں بیت المال کے دفاتر ہوا کرتے تھے۔

حضور نے اگر کسی غلطی پر کسی کو تنبیہہ کرنی ہوتی تو اس کے لئے بھی کسی قسم کی سختی اور روشتی کا اظہار کئے بغیر کوئی مناسب ذریعہ اصلاح تجویز فرماتے۔ حضور کو چونکہ پیشاب کثرت سے آیا کرتا تھا۔ اس لئے حضور کا طریق تھا کہ حضور گرم پانی کروا کر وضو اور طہارت وغیرہ فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ خادمہ نے پانی اتنا گرم کر کے دے دیا کہ حضور اسے برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ حضور نے خادمہ کو بلوا کر اسے محض یہ سمجھانے کی غرض سے کہ اتنا گرم پانی برداشت سے باہر ہے اس کے ہاتھ پر وہی گرم پانی گرایا اور فرمایا کہ دیکھو یہ اتنا گرم ہے اور اس کے علاوہ حضور نے کوئی اور تادیب اسے نہیں کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن دنوں اپنا لاہور کا آخری سفر کرنا تھا۔ تو اس میں کئی کئی قسم کی روکیں پیدا ہوتی رہیں۔ ایک دفعہ تو حضور دو دن کے لئے اس لئے بھی رک گئے کہ مجھے تیز بخار پیچش کی شکایت ہو گئی تھی۔ اس کے بعد چونکہ بٹالہ سے لاہور تک کے لئے گاڑی ریزرو ہو چکی تھی اس لئے حضور کو بہر حال جانا پڑا اور حضور قادیان سے لاہور جانے کے لئے بٹالہ تشریف لے گئے۔ رات بٹالہ میں حضور نے قیام فرمایا جہاں کی جماعت نے حضور کو رات کے کھانے کی دعوت دی ہوئی تھی۔ جب شام کے قریب حضور بٹالہ پہنچے تو جماعت کے لوگ کافی وقت گئے تک حضور سے ملتے رہے اور بہت رات گئے تک بھی انہوں نے کھانے وغیرہ کا کوئی انتظام نہ کیا۔ جب سب دوست مل ملا کر فارغ ہوئے تب انہیں اس طرف توجہ پیدا ہوئی حتیٰ کہ رات کے کوئی دو بج گئے۔ میں تو چھوٹی عمر میں تھا اور بیمار بھی تھا اس لئے زیادہ دیر تک برداشت نہ کر سکا چنانچہ مجھے تنور کی روٹی بازار سے منگوا کر شوربے میں بھگو کر دی گئی اور وہی میں نے کھالی۔ (مجھے یاد ہے کہ میری بیماری کی وجہ سے دوسرے دن اسی طرح وہ ٹکڑے نکل گئے تھے)۔ اسی طرح خود حضرت اماں جان نے بھی اپنی بھوک کا بڑی شدت سے اظہار کیا تھا لیکن اتنی دیر ہونے اور تکلیف کے باوجود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اخلاق کا یہ عالم تھا کہ آپ نے کسی معمولی سے معمولی اشارے سے بھی جماعت کے دوستوں سے اپنی تکلیف یا ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ نہایت صبر اور سکون سے وقت گزارا اور نہ صرف یہی بلکہ علیحدگی میں اپنے گھر کے افراد سے بھی اس دیری یا تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا۔

اپنے ملنے والوں کے ساتھ حضور کا سلوک نہایت اچھا تھا۔ اگر کوئی شخص حضور کے دروازے پر آ کر حضور سے ملنا چاہتا تو حضور اُسے بہت جلد مل لیا کرتے تھے اور انتظار کرنے کا موقع نہیں دیا کرتے

تھے۔ مجھے یاد ہے کہ قادیان کے ہندوؤں میں سے لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت اکثر حضور سے ملنے کے لئے حاضر ہوا کرتے تھے تو حضور فوراً ہی ان کو بلوا لیا کرتے تھے اور انہیں انتظار نہیں کرنا پڑتا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے چھوٹے امور میں بھی جن کی طرف فوری طور پر بظاہر انسان کی نگاہ نہیں جاتی شریعت کا بڑا خیال رکھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ ایک حبشی عورت قادیان آئی اور اس نے کہا کہ اسے سپرنٹنڈنٹ پولیس نے جوان دنوں پٹیالہ میں ہوتا تھا بھیجا ہے تا کہ وہ یہاں کے حالات دیکھ جائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں یہ بات پہنچائی گئی تو حضور نے غالباً شیخ یعقوب علی صاحب مرحوم کو فرمایا کہ اس اس عورت کے حالات وغیرہ دریافت کرلیں کہ یہ کیسی عورت ہے اور اس پر حضور نے وَلَا نِسَآئِهِنَّ کے الفاظ کہہ کر قرآن شریف کی اس آیت کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ:

لَا جُنَاحَ عَلَيْهِنَّ فِيْٓ اٰبَآئِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآئِهِنَّ وَلَآ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اِخْوَانِهِنَّ وَلَآ اَبْنَآءِ اَخَوٰتِهِنَّ وَلَا نِسَآئِهِنَّ وَلَا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ ۚ وَاتَّقِيْنَ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۝ (سورۃ احزاب:۵۶)

ترجمہ: اِن (نبی کی بیویوں) پر اپنے باپوں کے معاملہ میں کوئی گناہ نہیں نہ اپنے اِن بیٹوں کے معاملہ میں، نہ اپنے بھائیوں کے معاملہ میں، نہ اپنے بھائیوں کے بیٹوں کے معاملہ میں، نہ اپنی بہنوں کے بیٹوں کے معاملہ میں، نہ ہی اپنی (یعنی مومن) عورتوں کے بارہ میں، نہ ان کے بارہ میں جو اُن کے زیرِ نگیں ہیں اور (اے ازدواجِ نبی!) اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

شرعی امور کے لحاظ میں حضور اپنے عزیز سے عزیز سے بھی کسی قسم کی رعایت کے روادار نہیں تھے مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک عزیز کے متعلق اخلاقی لحاظ سے کوئی رپورٹ ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بجائے خود اس شکایت پر کارروائی کرنے کے بعض آدمیوں کا ایک کمیشن مقرر فرمایا اور کہا کہ شکایت کرنے والا کمیشن کے سامنے بیان دے۔ جہاں تک میرا خیال ہے حضور نے حلفیہ بیان کے لئے کہا تھا۔ چنانچہ اس پر جو آدمی مقرر کئے گئے وہ مدرسہ احمدیہ کے صحن میں بیٹھے اور ایک آدمی بھجوایا گیا تا کہ اس شخص کو بلا لائے جس نے شکایت کی تھی مگر وہ شخص غالباً حلف کی وجہ سے ڈر گیا

اور کوئی بیان آکر اُس نے نہ دیا۔

نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیوی جب فوت ہوئی تو آپ دوسری شادی کرنے لگے۔ راولپنڈی کا ایک غیر احمدی رئیس اُن دنوں آیا ہوا تھا اُن کی بیوی اور سالی بھی اُن کے ساتھ تھی۔ اسی لڑکی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے نواب صاحب کو تحریک فرمائی اور لڑکی نواب صاحب کو دکھلائی گئی (میں اُس وقت چھوٹی عمر میں تھا اور خود وہاں موجود تھا) لیکن بعد میں یہ رشتہ ہو نہیں سکا تھا اسی طرح ایک دفعہ حضرت خلیفہ اوّل کے بعض طالب علموں کے متعلق بعض اخلاقی شکایات پیدا ہوگئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان لوگوں کے متعلق فرمایا کہ ان کو قادیان سے رخصت کر دینا چاہئے۔ حضرت خلیفہ اول حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہر بات میں بڑا احترام ملحوظ رکھا کرتے تھے لیکن اس وقت ان کے منہ سے نکل گیا کہ کوئی شرعی ثبوت تو نہیں ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو حضور نے فرمایا ہم کون سی شرعی سزا دے رہے ہیں۔ اس امر سے پتہ لگتا ہے کہ بعض اوقات کسی قسم کے جرم پر شرعی ثبوت کے بغیر بھی اصلاحی اقدامات ناگزیر ہو جاتے ہیں اور کچھ نہ کچھ اصلاح کا ذریعہ تجویز کرنے میں کوئی حرج نہیں ہوتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن ہی چونکہ توحید الٰہی کا قیام اور بندوں کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق پیدا کرنا تھا۔ اس لئے حضور ہمیشہ دوسروں کو دعا کی تحریک فرمایا کرتے تھے۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے شب و روز دعاؤں میں ہی گذرتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری ایام میں حضور اس حصہ مکان میں جس میں میں رہا کرتا تھا اور بعد میں جس میں سیدہ ام طاہر مرحومہ رہا کرتی تھیں۔ اس مکان کی جانب مغرب کھپریل کی جانب شمال کوٹھڑی میں الگ دعا کے لئے جایا کرتے تھے اور اس دعا پر کافی وقت لگایا کرتے تھے۔ حضور کا یہ طریق ایک لمبے عرصہ تک جاری رہا۔ اس وقت اس مکان میں پیر منظور محمد صاحب اپنی اہلیہ سمیت رہا کرتے تھے۔

حضور اپنے چھوٹے بچوں کو بھی دعا کی تحریک کیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر اس دعا کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی خواب وغیرہ دکھائے تو اس سے بھی آگاہ کرنا چنانچہ ہماری چھوٹی بہن سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کا ایک واقعہ ہے جس کی تصدیق انہوں نے خود اپنے الفاظ میں لکھ کر مجھے بھجوائی ہے۔ اس واقعہ کے متعلق ان کے اپنے الفاظ ہیں کہ انہیں ”حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر دعا کے لئے فرماتے تھے اور روزانہ ہی قریباً دریافت فرماتے تھے کہ تم نے کوئی خواب دیکھا۔ یہ موقعہ ایسا تھا کہ سفر

لاہور کے متعلق گھر میں ذکر ہوتا تھا اس لئے میرا قیاس یہی تھا اور ہے کہ اسی سلسلہ میں دعا اور استخارہ کا حکم دیا ہوگا ورنہ آپ نے لاہور کا نام نہیں لیا تھا بلکہ اتنا ہی فرمایا تھا کہ میرا ایک کام ہے اس کے لئے دو رکعت نفل پڑھ کر دعا کرو اور جو خواب آئے مجھے بتانا۔ میں نے حسب الارشاد دو رکعت بعد عشاء پڑھے اور دعا کی۔ اسی شب خواب میں دیکھا کہ میں مسجد کی چھت کی جانب (یعنی جو مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم والا چوبارہ اس وقت کہلاتا تھا اب وہ حصہ مکان ام وسیم کے پاس تھا) آئی ہوں اور دیکھا کہ کمرے کے آگے صحن میں ایک اور حصہ چھت کا زائد حضرت اماں جان کے صحن کی جانب بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ اس جگہ حضرت خلیفہ اول ؓ بیٹھے ہیں کچھ خاموش سے اور گہری فکر میں ہیں۔ ہاتھ میں ایک کتاب ہے۔ سائز حقیقۃ الوحی جتنا مگر حجم کم ہے۔ درمیانی سی کتاب ہے مجھے دیکھ کر نظر اٹھائی اور فرمایا:

''میں ابوبکر ہوں'' اور ساتھ ہی کتاب دکھا کر کہا کہ ''یہ حضرت مسیح موعود کے الہامات ہیں جو میرے لئے ہیں'' آپ کا چہرہ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کسی گہری سوچ میں انسان کھویا ہوا سا ہو اور متفکر ہو۔ میں نے یہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صبح دریافت فرمانے پر آپ کو سنا دیا۔ آپ نے فرمایا: ''اپنی اماں کو یہ خواب نہ سنانا''

وفات کے قریب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس بات کا احساس اور یقین ہو چکا تھا کہ اب آپ اپنے مولائے حقیقی اور رفیق جاودانی کے پاس جانے والے ہیں۔

مئی ۱۹۰۸ء میں لاہور جاتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حجرہ بند کیا۔ حجرہ وہ کمرہ ہے جس میں آخری عمر میں آپ تصنیف فرمایا کرتے تھے اس کا ایک دروازہ ام ناصر کے مکان کی طرف کھلتا تھا اور دوسرا بیت الدعا میں اور تیسرا میرے سابقہ مکان کے صحن میں۔ اس حجرہ کو بند کرتے ہوئے آپ نے فرمایا: اب ہم اس کو نہیں کھولیں گے۔ چنانچہ اس کے بعد ہی حضور کی وفات ہوگئی اور پھر یہ حجرہ کھولنے کا موقعہ حضور کو نہیں ملا۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ حضور جب لاہور کے سفر پر گئے ہیں تو قادیان میں لنگر کا انتظام مولوی محمد علی صاحب کے سپرد تھا۔ لنگر کا خرچ چونکہ عموماً زیادہ ہوا کرتا تھا اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے متعلق فکر رہتی تھی لیکن جن دنوں میں حضور لاہور میں تھے تو بعد میں مولوی محمد علی صاحب نے یہ اظہار کیا کہ لنگر کے خرچ کے متعلق اکثر کہا جاتا تھا کہ بہت زیادہ ہوجاتا ہے مگر لنگر کا خرچ تو کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ بات حضور کو

بھی لاہور پہنچ گئی تو حضور نے فرمایا: اس بے وقوف کو پتہ نہیں کہ ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں وہاں جاتا کون ہے جو لنگر سے کھانا کھاتا ہو۔ لنگر کا خرچ تو وہاں ہوتا ہے جہاں ہم ہوتے ہیں۔ یہ بات حضور نے حضرت اماں جان کے سامنے بیان فرمائی تھی اور میں خود اس وقت وہاں موجود تھا۔ اس کے بعد ہی دوسرے دوستوں تک یہ بات پہنچی چنانچہ بعد میں غالباً اسی امر کے سلسلہ میں حضور نے مولوی محمد علی صاحب کو لاہور بلوایا تھا اور مولوی شیر علی صاحب بھی ان کے ساتھ گئے تھے تو حضور نے ان سے بھی اس خرچ کے متعلق ذکر فرمایا اور ایک رنگ میں اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اب میرا ارادہ قادیان کی بجائے کسی اور جگہ جانے کا ہے۔ مولوی شیر علی صاحب کہتے تھے کہ شاید طبیعت کی کسی قسم کی کوفت کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں لیکن بعد میں حضور کی وفات نے بتا دیا کہ دراصل اس سے کیا مراد تھی۔

۱۹۰۵ء کے موسمِ بہار میں جب کانگڑہ کا زبردست زلزلہ آیا تھا تو اس وقت میں سو رہا یا قریباً سونے کی کیفیت میں تھا۔ صبح کے وقت نماز کے قریب ہی زلزلہ آیا تھا مجھے یاد ہے کہ قریباً نصف گھنٹے تک اس کے جھٹکے محسوس ہوتے رہے تھے۔ جب تک یہ جھٹکے رہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام مکان سے باہر نہیں گئے بلکہ اندر ہی رہے اور کثرت سے استغفار کرتے رہے۔ گھر کے باقی لوگ اس حصہ مکان میں تھے جس میں بعد میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی حرم اوّل رہا کرتی تھیں۔ اس زلزلہ کے بعد ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے باغ میں تشریف لے گئے تھے اور کافی عرصہ تک وہیں رہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ حضرت نواب صاحبؓ اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بھی آپؑ کے ساتھ تھے۔ اس وقت مدرسہ بھی جو بالکل ابھی ابتدائی حالت میں تھا باغ میں ساتھ چلا گیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ انہی دنوں طاعون کا موسم بھی تھا اور چوہدری حاکم علی صاحب جو چک نمبر ۹ پنیار ضلع سرگودھا کے رہنے والے تھے قادیان آئے تھے۔ جب انہوں نے اپنے ٹھہرنے کے متعلق دریافت کیا تو حضورؑ نے فرمایا کہ آپ ہمارے شہر والے مکان میں چلے جائیں اس کے متعلق تو اللہ تعالیٰ نے طاعون سے خاص طور پر محفوظ رکھنے کا وعدہ بھی ہم سے کیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں میں نے بارہا محسوس کیا ہے کہ حضور اپنے پاس آنے والے مہمانوں اور دوستوں کو زیادہ سے زیادہ دیر تک ٹھہرنے اور قیام کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ متعدد پرانے صحابہ مثلاً حضرت منشی روڑے خاں صاحبؓ، حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ، حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ، حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ اور اسی طرح کئی اور دوستوں کی مثالیں

ہمارے سامنے ہیں کہ وہ جب آتے اور واپس جانے لگتے تو حضور انہیں مزید ٹھہرنے کا ارشاد فرماتے چنانچہ ایسے دوست اور زیادہ قیام کرتے اور حضور کے فیض صحبت سے مالا مال ہوتے۔ یہ امر جہاں حضور کی شفقت ومحبت کی دلیل ہے جو حضور کو اپنے خدام اور مخلصین سے تھی۔ وہاں دراصل اس خواہش اور کوشش کی بھی شاہد ہے جو حضور اپنے خدام کے اندر ایک روحانی تغیر پیدا کرنے کے لئے کر رہے تھے۔ روحانی تغیر اور ایمان کے اعلیٰ مدارج تک پہنچنے کے لئے صرف کتابیں اور لٹریچر اور تقاریر کافی نہیں بلکہ وہ مقام جو کسی مامور من اللہ یا کسی برگزیدہ خدا کے فیض نظر سے ایک لمحہ میں کسی شخص کو حاصل ہوسکتا ہے ناممکن ہے کہ وہ سینکڑوں سالوں میں بھی ہزاروں علمی کتابوں کے پڑھنے اور سننے سے حاصل ہوسکے۔ امام اور مرکز سے دلی لگاؤ دراصل ایمان کو ترقی دینے کے لئے دو بڑے اہم اسباب ہیں اور ہماری جماعت کے دوستوں کو ان دونوں کی اہمیت یقیناً پہلے سے بہت بڑھ کر محسوس کرنی چاہئے۔ آج کل مادیت کی لہریں پھر زور سے سر اٹھا رہی ہیں اور دنیاداری کے خیالات خصوصاً نوجوان نسلوں کے اذہان میں پرورش پانا شروع ہوگئے ہیں۔ ان دونوں کا مؤثر علاج یہ ہے کہ امام جماعت، نظام جماعت مقام جماعت یعنی مرکز سے گہری وابستگی اور دلبستگی پیدا کی جائے اور ان کے لئے دلوں میں ایک خاص محبت کا جوش لہریں مارنا شروع کردے۔ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر میسر نہیں آتیں تاہم اس کے فضل کے جذب کرنے کے لئے بھی کچھ نہ کچھ کوشش اور ہمت کی ضرورت ضرور ہے۔

جماعت کے دوستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے اندر ان چیزوں کو خاص طور پر پیدا کرنے کی کوشش کریں اور یہ کوشش صرف اپنے تک ہی محدود نہ رکھیں کہ یہ مومن کی صحیح شان کے خلاف ہے بلکہ اسے دوستوں تک بھی وسیع کریں اور خصوصاً بڑی عمر کے وہ لوگ جنہوں نے روحانی مدارج اور ثمرات سے زیادہ حصہ پایا ہے وہ نوجوانوں اور آئندہ نسلوں کے لئے اس سلسلہ میں عملی نمونہ پیش کریں۔ امام کے وجود اور مرکز سے افراد کی محبت اور وابستگی ہی دراصل مادیت کے تندوتیز طوفانوں میں انسانی ایمان کو محفوظ رکھنے والی کشتی نوح ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق بخشے۔ ہم سب کا خود حافظ وناصر ہو۔ ہمارا انجام بخیر کرے اور ہمیں اور ہماری آئندہ تمام نسلوں کو ہمیشہ حق وصداقت اور نیکی اور تقویٰ شعاری پر قائم رکھ کر ان انعامات سے نوازتا رہے جو اس نے اپنی عالی بارگاہ میں ایسے لوگوں کے لئے مقدر کر رکھے ہیں۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین۔

میرے اپنے نکاح سے متعلق ایک واقعہ ہے جس سے دوستوں کو یہ اندازہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور

دوسرے لوگوں کی طبائع اوران کے نازک تر احساسات کا کس قدر خیال فرمایا کرتے تھے۔

۱۹۰۷ء میں میرا نکاح میرے شہر والے مکان میں پڑھا گیا تھا۔ یہ وہی مکان تھا جو بعد میں ام طاہرؓ کا بن گیا تھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے نکاح پڑھا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ اس موقع پر باہر کے دوستوں کو بلایا گیا تھا اور دوست کافی تعداد میں آئے تھے۔ میری عمر چھوٹی ہی تھی لیکن ایجاب وقبول خود میں نے ہی کیا تھا۔ اسی طرح لڑکی کی طرف سے خود حضرت نواب محمد علی خاں صاحب تھے اس موقع پر حضرت نواب صاحب کے دو غیر احمدی بھائی بھی قادیان آئے ہوئے تھے۔ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا کہ نکاح کی مجلس ان کی موجودگی میں ہو، تا کہ یہ بھی اس میں شریک ہو جائیں لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ لوگ تو مخالف ہیں اگر نکاح کی مجلس ان کی موجودگی میں ہوئی اور یہ اس میں شریک ہوئے تو ہوسکتا ہے کہ کسی بات سے یہ بُرا منائیں اور مجلس سے اٹھ کر چلے جائیں اس سے خواہ مخواہ انہیں بھی اور ہمیں بھی تکلیف ہوگی۔ چنانچہ بعد میں جب وہ قادیان سے چلے گئے تو پھر مجلس نکاح کا انعقاد ہوا اور اس سے پہلے صرف اسی وجہ سے انتظار کیا گیا کہ کہیں ان باہر سے آئے ہوئے دوستوں کے لئے کوئی ناگوار بات پیدا نہ ہو جائے۔

حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا

(1897ء-1977ء)

پیدائش

آپؓ 2/مارچ 1897ء قمری لحاظ سے رمضان المبارک کی ستائیسویں شب منگل سے پہلی رات کے نصف اوّل میں پیدا ہوئیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ:

''حضرت اماں جان نے کئی بار مجھے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے تھے رات بھر میں نے بہت دعائیں کی تھیں۔ بوندیں پڑنے لگیں تو میں نے خیال کیا کہ لیلۃ القدر کی خاص قبولیت دعا کا وقت ہے اور بہت دعا کی۔'' (مصباح دسمبر 1972ء صفحہ 17)

1901ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا ''نواب مبارکہ بیگم''

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کا نکاح 17/فروری 1908ء کو حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے ساتھ پڑھا۔

آپ کا رخصتانہ 14/مارچ 1909ء کو ہوا۔ 11/فروری 1945ء کو آپ کے شوہر حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کا انتقال ہوا۔

1958ء تا 1967ء صدر لجنہ اماء اللہ لاہور رہیں۔

آپ بلند پایہ کی شاعرہ تھیں۔ آپ کا کلام ''درِّ عدن'' کے نام سے شائع ہوا۔

آپ کی وفات 22 اور 23/مئی 1977ء کی درمیانی شب کو ہوئی اور 80 سال عمر پائی۔

آپ کی بیان فرمودہ روایات درج ذیل ہیں:

آپ فرماتی ہیں:

''میں بالکل چھوٹی تھی گرمیوں کی دوپہر میں ہم سب نیچے کے کمروں میں رہا کرتے تھے بلکہ سردی کی

راتیں بھی مجھے ان کمروں میں سونا یاد ہے پھر پلیگ جب ملک میں پھیلی تو آپ نے نیچے کی رہائش ترک کردی تھی۔ میں نے کہا مجھے لیچیاں دیں مگر قادیان میں ہر چیز کہاں ملتی اور نہ ابھی تک کہیں باہر سے آئی تھیں۔حضرت اماں جان نے فرمایا اس کی باتیں تو دیکھیں، بے وقت لیچیوں کی فرمائش اب کر رہی ہے۔ میں خفاسی ہوکر، دوسرے کمرے میں جا کر لیٹ رہی اور سوگئی۔وہ کمرہ تھا جو ہمارے قادیان والے گھر کے صحن میں داخل ہوکر بائیں ہاتھ ایک برآمدہ اور پیچھے کمرہ ہے اس کے ساتھ ہی گول کمرہ ہے۔مگر آپ کو کیا سمجھ میں آئے گا؟ سوتے سوتے میری آنکھ کھلی،تو آپ مجھے دونوں ہاتھوں پر اٹھائے لئے جارہے تھے۔ جا کر مجھے گود سے اتار کر بھرے ہوئے لیچیوں کے ٹوکرے کے پاس بٹھا کر کہا لو کھاؤ اور حضرت اماں جان سے فرمایا کہ دیکھو یہ چیز مانگتی ہے اور اللہ تعالیٰ بھیج دیتا ہے۔خدا تعالیٰ مجھے دعاؤں کی توفیق بخشتا رہے اور میری دعاؤں کو اپنی رحمت وکرم کے واسطے سے قبولیت کا شرف بخشے۔وہ تو بچپن کا زمانہ تھا معصومیت کا زمانہ تھا''۔ (الفضل،جلسہ سالانہ نمبر،۱۹۶۸ء)

اسی طرح حضرت سیدہ چھوٹی آپا صاحبہ فرماتی ہیں درج ذیل واقعہ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ سے بارہا سنا ہے اور ہر بار سن کر دل ایک نئی کیفیت سے دوچار ہوتا رہا ہے آپ نے فرمایا:

''قادیان میں اس زمانہ میں ڈبل روٹی کہاں تھی؟ دودھ اور ساتھ مٹھائی یا پراٹھا ہم لوگوں کو ناشتہ ملتا تھا۔ چائے کا بھی باقاعدگی سے کوئی رواج نہ تھا۔ڈبل روٹی کبھی تحفۃً لاہور سے آجاتی تھی۔ایک روز کا واقعہ ہے صبح کا وقت تھا حضرت مسیح موعود باہر مردوں کے ہمراہ سیر کو تشریف لے گئے تھے۔اصغری کی اماں جنہوں نے گیارہ سال حضرت مسیح موعود کا کھانا پکانے کی خدمت بہت اخلاص سے کی کھانے کی تیاری میں مصروف تھیں اور حضرت اماں جان بھی ان کے پاس باورچی خانہ میں جو اس وقت ہمارے صحن کا ایک کونہ تھا کوئی خاص چیز پکانا یا پکوانا چاہتی تھیں۔اصغری کی اماں نے دودھ کا پیالہ اور دو توس کشتی میں لگا کر دیئے کہ ''لو بیوی ناشتہ کرلو'' میں نے کہا مجھے توس تل کر دو مجھے تلے ہوئے توس پسند تھے۔انہوں نے اپنے خاص،منت سماجت والے لہجے میں کام کا عذر کیا اور حضرت اماں جان نے بھی فرمایا: اس وقت اور بہت کام ہیں اس وقت اسی طرح کھالو۔تل کر پھر سہی۔ میں سن کر چپکی چلی آئی اور اس کمرہ میں، جو اب حضرت اماں جان کا کمرہ کہلاتا ہے۔کھڑکی کے رخ (اب وہ کھڑکی بند ہو چکی ہے اور وہاں غسل خانہ بن گیا ہے) ایک پلنگ بچھا تھا اس پر پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئی۔دل میں یقین تھا کہ دیکھو میرے ابا آتے ہیں اور ابھی سب ٹھیک

ہو جائے گا۔ دیکھوں کیسے نہیں تلے جاتے میرے توس۔ جلد ہی حضرت مسیح موعود سیر سے تشریف لے آئے۔ کمرہ میں داخل ہوئے صرف میری پشت دیکھ کر روٹھنے کا اندازہ کر لیا اور اسی طرح خاموش واپس صحن میں تشریف لے گئے۔ باہر جا کر پوچھا ہوگا اور جواب سے تفصیل معلوم ہوئی ہوگی میں تھوڑی دیر میں ہی کیا دیکھتی ہوں پیارے مقدس ہاتھوں میں سٹول اٹھائے ہوئے آئے اور میرے سامنے لا کر رکھ دیا۔ پھر باہر گئے اور خود ہی دونوں ہاتھوں میں کشتی اٹھا کر لائے اور سٹول پر میرے آگے رکھ دی جس میں میرے حسب منشا تلے ہوئے توس اور ایک کپ دودھ کا رکھا تھا اور فرمایا ''لواب کھاؤ''میں ایسی بدتمیز نہ تھی کہ اس کے بعد بھی منہ پھولا رہتا، میں نے فوراً کھانا شروع کر دیا۔

آج تک، جب بھی یہ واقعہ، وہ خاموشی سے سٹول سامنے رکھ کر اس پر کشتی لا کر رکھنا، یاد آتا ہے اور اپنی حیثیت پر نظر جاتی ہے تو آنسو بہہ نکلتے ہیں بڑے ہو کر ٹیسٹ بدل جاتے ہیں مگر اس یاد میں، اب تک میں، بہت چاہت سے تلے ہوئے توس کبھی کبھی ضرور کھاتی ہوں۔ (مصباح، نومبر ۱۹۶۰ء صفحہ ۴۲، ۴۳)

ایک پچھتاوا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب آخری مرتبہ لاہور تشریف لائے اس قیام کا ایک واقعہ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ بیان کرتی ہیں:

''حضرت اماں جان نیچے خواجہ صاحب کے صحن میں تھیں۔ میں بھی تھی حضرت اماں جان نے کسی کپڑے والے کو بلوایا تھا اور میرے جہیز کے لئے کچھ کپڑا خرید رہی تھیں۔ حضرت مسیح موعود میرے نزدیک آئے اور کہا تمہاری ماں تمہارے لئے ریشم وغیرہ لے رہی ہیں۔ ہمیں تو بنارسی کپڑا پسند ہے۔ یہ تھان بنارسی جو رکھے ہیں جس پر تم ہاتھ رکھو گی۔ وہ اپنے پاس سے خود تم کو لے کر دوں گا۔ مجھے باتوں سے تو پتا لگ گیا تھا کہ میری شادی کے لئے اماں جان کپڑے پسند کر رہی ہیں اتنی شرم آئی کہ بول نہ سکی آج تک پچھتاتی ہوں وہ تو خاص تبرک تحفہ ہوتا آپ کی پسند دیکھ کر حضرت اماں جان نے بنارسی بھی لیا ہوگا مگر وہ خاص آپ کا کہنا اور لینا۔ وہ بات کہاں۔''

(مصباح سالنامہ ۱۹۷۰ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی

حضرت اماں جان بہت زیادہ شفقت و محبت فرماتی تھیں مگر آخر ماں تھیں وہ تربیت اپنا فرض جانتی تھیں۔کبھی کبھی فرماتیں تھیں کہ اتنی ناز برداری لڑکیوں کی ٹھیک نہیں ہوتی ، نہ معلوم اس کی قسمت کیسی ہو؟ آپ فرماتے ''تم فکر نہ کرو خدا شکر خورے کو شکر دیتا ہے''۔ یہ الفاظ آپ کے مجھے یاد ہیں۔اماں جان مجھ کو نہلاتیں اور نہلانے کے وقت اکثر میں چیخ کر ابا کو پکارتی۔آپ اماں جان سے کہتے اسے تنگ نہ کرو۔آپ فرماتیں لڑکی ذات ہے بدن نہیں ملواتی کہنیاں کالی رہ جائیں گی۔آپ فرماتے نہیں رہیں گی چھوڑ دو۔ یہ بھی فرماتے کہ لڑکی ہے آخر ہمارے پاس چند دن کی مہمان ہے یہ کیا یاد کرے گی۔یہی خاص ناز برداری اور خیال کا اثر بھائیوں نے لیا تھا۔ایک بار کوئی ذراسی بات بھی ایسی یاد نہیں کہ کسی بھائی نے ستایا ہو۔حضرت بڑے بھائی صاحب کو تو بچپن سے ہی میں حضرت مسیح موعود کی جگہ جانتی تھی۔جس وقت آپ موجود نہ ہوتے ان کے پاس فریاد کی انہوں نے فوراً میرا کہنا کیا۔میں چھوٹی سی تھی بھائی پیار کرتے ہر کہنا مانتے۔

(مصباح دسمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۲۱، ۲۲)

قادیان دارالامان سے محبت

حضرت مسیح موعود کو قادیان سے جو محبت تھی بیگم صاحبہ کے بچپن کے حافظے میں محفوظ تھی چنانچہ ''الفرقان'' کے درویشان قادیان کے نمبر کے لئے آپ نے حضرت مسیح موعود کی محبت قادیان کا ذکر فرمایا۔ اپنا وطن کس کو پیارا نہیں ہوتا۔کسی شاعر کا مصرعہ ہے کہ:

''خارِ وطن از ملک سلیمان خوشتر''

حضرت مسیح موعود کو بھی قادیان سے بہت محبت تھی اور یہ محبت محض وطن اور جنم بھومی ہونے کی وجہ سے نہ تھی بلکہ احسانِ باری تعالیٰ کی وجہ سے۔ یہ محبت اور قدر آپ کے دل میں عام حب وطن سے بہت زیادہ بڑھ گئی تھی۔یہی مقام تھا یہی گھر تھا جس میں آپ کو ذکر الٰہی کی توفیق ملی۔اسی جگہ آپ نے عشق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کثرت سے درود پڑھا۔دردِ دل پیدا ہوا اور خدمتِ دینِ حق میں قلم سے،تلوار کا کام لیا۔نورِ خدا نازل ہوا۔وحی صادق سے مولا کریم نے نوازا جس مقام پر کوئی کسی محبوب دوست کے ساتھ جاتا ہے پھر جب کبھی گزر ہو اُس جگہ اُس کو وہ پیارا وجود اور اس کی باتیں یاد آجاتی ہیں تو یہ تو ایک صادق عشق،

اعلیٰ پایہ کا تھا۔ آپ کو ہر جگہ اپنے گھر کو دیکھ کر نزولِ رحمت اور خدا تعالیٰ کا محبت اور تسکین سے بھرا ہوا کلام جب یاد آ جاتا ہوگا تو سوچیں آپ کے قلب کی کیفیت کیا ہوتی ہوگی۔ جب کبھی باہر جانے کا ذکر ہوتا یا آپ باہر سے آتے تو ایک پنجابی کی مثال بڑے پیار سے دوہرایا کرتے تھے کہ:

جہیڑا لطف چھجو دے چوبارے نہ بلخ نہ بخارے

آپ کو اپنے گھر سے محبت تھی۔ اس کی قدر تھی جو خود آپ سے بڑھ کر کون محسوس کر سکتا ہے۔ ہم مقدمہ کے سلسلہ میں جب گورداسپور میں تھے تو آپ قادیان کو بہت یاد کرتے تھے۔ ہر وقت واپسی کی تڑپ رہتی تھی۔ ایک دن اوپر کی منزل میں آپ صحن میں ٹہل رہے تھے میں بھی پاس تھی اور حضرت اماں جان بھی۔ آپ نے قادیان کی یاد کی باتیں کرتے ہوئے فرمایا کہ آخری شاہ اودھ نے لکھنؤ کی یاد میں کہا تھا

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے لکھنؤ

فرمایا ہم اس کو اس طرح پڑھتے ہیں:

یا تو ہم پھرتے تھے ان میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں کے آگے کوچہ ہائے قادیان

یہی شعر حضرت سیدنا خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنی لندن والی نظم

ہے رضائے ذاتِ باری اب رضائے قادیاں

میں شامل کیا ہے۔

اب حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تڑپ قادیان کے لئے دیکھی نہیں جاتی۔ مجھ سے تو قطعی ان کا قادیان کے لئے تڑپنا اور مجبوری برداشت نہیں کی جاتی۔ واقعی جسے مثالاً کہتے ہیں ''دل بھُنا'' دل پھٹنے لگتا ہے۔ ان کی صحت اور اس کے ساتھ ان کی اس تمنا کے خاص نصرت اور شان سے پورا ہونے کے لئے بہت بہت دعاؤں کی ضرورت ہے۔ سب بھائیوں سے دعاؤں کی خواستگار۔

مبارکہ

(الفرقان درویشان قادیان نمبر، ۱۹۶۳ء صفحہ ۹)

قادیان کی اہمیت اور برکت

دنیا میں بہت گھر ہیں، اور ایک سے ایک اچھا
پر گھر تھا وہ کیا پیارا، ہم جس میں ہوئے پیدا

یہ عنوان ابتدائے عمر میں پڑھا تھا لیکن اب تک یاد رہا اور خصوصاً اب آ کر تو یہ میرے قلب پر بہت ہی دردانگیز اثر چھوڑ جاتا ہے۔

وہ گھر چھٹ گیا مگر اس کی یاد نہیں جاتی، ایک ایک کونہ، ایک ایک جگہ دل پر نقش ہے۔ کئی بار خواہش پیدا ہوتی ہے کہ نئی پود، جنہوں نے حضرت مسیح موعود کا زمانہ نہیں دیکھا بلکہ شائد اکثر کے والدین نے بھی نہیں دیکھا، میں قادیان جاؤں اور ان کو گوشہ گوشہ دکھاؤں کہ اس جگہ آپ رہے۔ یہاں اکثر قیام کیا یہاں ٹہلتے تھے، یہاں لکھتے تھے۔ یہاں آرام کرتے وغیرہ وغیرہ۔ مجھے بچپن کا زمانہ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت یاد ہے۔ بیچ کی عمر کی اکثر باتیں بھول گئی اور اب تو بہت بھولتی ہوں مگر الحمدللہ وہ وقت سب یاد ہے اپنی عمر کے مطابق، بلکہ اس سے زیادہ، آج کل کے بچوں کو دیکھتے ہوئے۔

بہت کم عمری کے وقت کی بات ہے۔ پلیگ پھیلنے سے پہلے ہم لوگ اکثر گرمی کے دن اور سردی کی راتیں نیچے گزارتے تھے۔ نیچے کے کمرے، جو بعد میں محض مہمان خانہ کا کام دیتے رہے۔ غرضیکہ اس گھر کی ایک ایک جگہ متبرک ہے۔ کوئی میرے ساتھ پھر کر میرے سامنے دیکھے، تو شاید آپ کے قدموں کی جگہ بھی بتلا سکوں۔ اوپر بھی جو نیا کمرہ بنتا، حسب ضرورت آپ ضرور چند دن اس کو استعمال فرماتے تھے۔ گو زیادہ قیام آپ کا حضرت اماں جان والے کمرے اور حجرے میں رہا ہے، آخری سالوں میں۔ مگر آپ کے کم و بیش قیام سے کوئی جگہ ہی شاید خالی ہو۔ دارالبرکات (حضرت ام طاہر کے مکان) کے برآمدے میں جو چھوٹا کمرہ ہے، جس کی کھڑکی مسجد اقصیٰ کو جانے والی گلی کی طرف کھلتی ہے اس میں بھی چند دن رہے تھے۔

میرا یہ سب کچھ لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ درویشان قادیان کے پاس یہ بظاہر سال خوردہ مکان ایک دولت ہے۔ ایک برکتوں کا خزانہ ہے، جس کی ہر اینٹ پر دعائے مسیح الزماں، مامور ربانی ہو چکی ہے۔ اس کی دیواروں پر، آپ کی آواز نقش ہے، وہ درد بھری پکار جو آج بھی میرے کانوں میں گونجتی ہے ضرور اس کا نقش ان دیواروں پر ہے۔

آپ، ان تمام کمروں میں، بیت الدعاء میں خصوصاً اور کونے کونے میں عموماً دعائیں کریں۔ بہت

دعائیں کریں۔ اس دعاؤں والے، عاشق رب کی دعاؤں کا واسطہ دے کر دعائیں کریں کہ خدا تعالیٰ میرے بڑے بھائی کو شفا دے۔ تاریکی دور ہو کر ایک بار پھر روشنی ظاہر ہو جائے۔ احمدیت کو ترقی ہو، اور ہم سب کو اعمال نیک اور انجام نیک نصیب ہو اور ہمیں خدا پھر قادیان لے جائے۔

مبارکہ

(مصباح دسمبر ۷۷ جنوری ۷۸ صفحہ ۲۶،۲۷)

''دُختِ کرام''

حضرت سیدہ نواب امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا

(1904ء-1987ء)

حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی ولادت سے پہلے ہی ۱۰؍مئی ۱۹۰۴ء کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو پیشگوئی فرمائی ''دختِ کرام'' چنانچہ آپ ۲۵؍جون ۱۹۰۴ء کو پیدا ہوئیں۔

حضرت خلیفہ الرابعؒ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی وفات پر ۸؍مئی ۱۹۸۷ء کو خطبہ میں فرماتے ہیں:

''دخت کرام'' کے نام کا مطلب ہے کہ کریم النفس لوگوں کی اولاد ایسے بزرگوں کی اولاد جو اخلاق کریمانہ پر فائز ہوں۔ مراد یہ ہے کہ جس طرح ہم دوسرے محاورے میں کہتے ہیں کہ اس کے خون میں شرافت اور نجابت ہے تو ان معنوں میں کریم لوگوں کی اخلاق والے لوگوں کی، بزرگوں کی اولاد سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسی بچی جس کے خون میں ہی کریمانہ اخلاق شامل ہوں گے اور جو بھی حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کو جانتے تھے یا جو جانتے ہیں وہ خوب گواہی دیں گے کہ آپ کے خون اور مزاج میں کریمانہ اخلاق شامل تھے۔

''چنانچہ آپ کے متعلق دخت کرام کا الہام تسلی اور محبت کے اظہار کے علاوہ یہ بتاتا ہے کہ آپ کے کریمانہ اخلاق کا لوگ مشاہدہ کریں گے اور اس کے گواہ ٹھہریں گے کیونکہ دخت کرام کا یہ مطلب تو نہیں کہ کریمانہ اخلاق والوں کی بچی تھی یا نہیں۔ پس اس میں ایک لمبی عمر کی پیشگوئی شامل تھی مطلب یہ تھا کہ ایک ایسی بچی جو اپنے اخلاق سے ثابت کرے گی کہ وہ کریمانہ اخلاق والوں کی بیٹی ہے اور یہ ایک عام محاورہ ہے کہ جو کسی اچھے بزرگ کی اولاد کے ساتھ وابستہ ہے یعنی ایسے بزرگ کی اولاد سے اچھے اخلاق کی توقع کی جاتی ہے اور جب اس سے اچھے اخلاق ظاہر ہوتے ہیں تو سب کہنے والے داد تحسین دیتے ہوئے اس

شخص کے بزرگوں اور آباؤ اجداد کو بھی یاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہاں تم نے حق ادا کر دیا۔ آخر کن لوگوں کی اولاد تھے۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ دخت کرام میں حضرت پھوپھی جان کی لمبی عمر کی پیشگوئی تھی کیونکہ پہلی بیٹی چھوٹی عمر میں فوت ہوگئی تھی۔ اس کے جواب میں دخت کرام کے اندر ہی یہ بتا دیا گیا کہ یہ اخلاق کریمانہ رکھنے والی بیٹی ہوگی لوگ اس کو دیکھیں گے اور کہیں گے کہ ہاں صاحب اخلاق کی بچی ہے اس پہلو سے امر واقعہ یہ ہے کہ یہ الہام بڑی شان کے ساتھ حضرت پھوپھی جان کے حق میں پورا ہوا اور عورتیں کیا اور بچے کیا اور بزرگان کیا جن کو کسی رنگ میں بھی حضرت پھوپھی جان کے ساتھ کسی نوع کا معاملہ پیش آیا سب گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے فضل سے بہت ہی کریمانہ اخلاق کی مالک تھیں۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اپنے ۱۵ رمئی ۱۹۸۷ء کے خطبہ میں مزید فرماتے ہیں ''آج بھی ہم میں رفقاء تو موجود ہیں لیکن بہت شاذ.......... حضرت سیدہ امۃ الحفیظ صاحبہ.......... بطور رفیقہ بھی ایک برکت رکھتی تھیں اور حضرت مسیح موعود کی بیشتر اولاد کی حیثیت سے ایک خاص اہمیت رکھتی تھیں''۔

حضرت چھوٹی آپا حضرت سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ اخلاق کریمانہ کے بارے میں تحریر فرماتی ہیں:

''باوجود اس کے کہ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کوئی تربیت حاصل نہیں کہ بلکہ آپ اتنی چھوٹی تھیں کہ کوئی بات بھی یاد نہیں رہی پھر بھی آپ کی شخصیت میں وہ تمام خوبیاں نمایاں طور پر ابھریں جس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کی ولادت سے قبل خبر دی گئی تھی۔''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ۸ رمئی ۱۹۸۷ء کے خطبہ ثانیہ میں فرماتے ہیں:

''حضرت پھوپھا جان کے ساتھ اگرچہ اس لحاظ سے طبیعتوں کا جوڑ طبعی نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود آپس میں ایسی محبت اور ایسا غیر معمولی تعلق تھا اور ایسی وفا تھی جو ہر لحاظ سے مثالی تھی اس کا میں خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کر رہا ہوں کہ بعض لوگ یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ جی طبیعتوں کا جوڑ نہیں ہے۔ جو صاحب کرام لوگ ہوں وہ طبیعتوں کا جوڑ نہ بھی ہو تو وہ اچھی باتیں نکال کر ان کی قدر کر کے انس سے جوڑ پیدا کر لیا کرتے ہیں اور جو صاحب کرام نہ ہوں ان کو بے جوڑ باتیں زیادہ دکھائی دیتی ہیں اور جہاں جوڑ ہوسکتا ہے انہیں وہ نظر انداز کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے خصوصیت سے میں خطبہ میں اس کا ذکر کرنا چاہتا تھا کہ آپ کی زندگی اس لحاظ سے بھی نمونہ تھی۔ آپ کا کرام کی اولاد ہونا یعنی ان لوگوں کی اولاد ہونا جن کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی کریمانہ اخلاق بخشے ہوں۔ اس بات سے بھی ثابت تھا کہ آپ کے اندر یہ کریمانہ صفت موجود تھی

کہ اگر طبیعت کا اختلاف بھی ہے تو اسے نظر انداز کر کے جو خوبیاں اور نیکیاں ہیں ان سے تعلق جوڑ لیں۔ چنانچہ آپ کی زندگی کے تعلقات میں یہ بات ہمیشہ غالب رہی کہ خوبیوں پر نظر رکھ کر ان سے آپ تعلق جوڑا کرتی تھیں۔

پاک طینت باصفا عالی گہر دخت کرام سیدہ کی جان مہدی کی حسین نور نظر

حضرت بیگم صاحبہؓ کی صفات کریمانہ آپ کے شوہر حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ کی نظر میں

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عورت نہایت خوش نصیب ہے جس کا شوہر اس سے خوش دنیا سے رخصت ہو۔

حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحب ہمیشہ ہی اپنی زوجہ محترمہ کی تعریف میں رطب اللسان رہتے ان کی مختلف تحریرات میں سے بیگم صاحبہ کے اخلاق کریمانہ نمبر شمار کر کے درج کئے جا رہے ہیں:

اپنی بڑی بیٹی محترمہ آمنہ طیبہ بیگم صاحبہ کی شادی کے موقع پر نصائح سے پُر ایک طویل خط تحریر کرتے ہیں:

۱۔ تمہاری امی اس معاملہ میں بہترین نمونہ ہیں تم نے خود دیکھا ہے کہ

۲۔ کس قدر تنگی انہوں نے میرے ساتھ اٹھائی ہے۔ لیکن اس وقت

۳۔ کو نہایت وفا اور محبت کے ساتھ گزار دیا۔ ایک طرف تو

۴۔ یہ تسلیم و رضا تھی اور دوسری طرف مجھے

۵۔ کام کرنے اور باہر نکلنے کی ترغیب دیتی تھیں۔

۶۔ آخر اس صابر و شاکر ہستی کی دعاؤں سے اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے میرے پر کھول دیئے۔ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی امی کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ گھر میں مختلف قسم کی تکالیف بھی آئیں تنگیاں بھی آئیں لیکن اس خدا کی بندی نے اپنے میکے میں ان تکالیف کا کبھی ذکر بھی نہیں کیا۔

۷۔ خود اپنے نفس پر سب کچھ برداشت کیا۔

دوسروں کو اپنی تکلیف میں شامل کرنا گوارہ نہ کیا۔ وقت تھا گزر گیا۔ میری بچی مجھے بڑی خوشی ہوگی تم بھی

اپنی امی کی طرز ہی اختیار کرو۔ وہ تمہارے لئے ایک بہترین نمونہ ہیں۔

حضرت نواب صاحبؓ بیماری سے صحت یابی کی شکر گذاری کے مضمون میں تحریر کرتے ہیں:

۸۔ اللہ نے اس انعام کو دے کر مجھے زمین سے اٹھا کر ثریا پر پہنچا دیا۔

۹۔ اس مجسم مہر و وفا نے جب میری بیماری کی اطلاع راولپنڈی میں پائی تو نہایت درجہ پریشانی کی حالت میں خود لاہور پہنچیں۔ یہ میری بیماری کی پہلی رات تھی اور ساری رات موٹر پر ان کو رہنا پڑا۔ صبح ۴ بجے کے قریب لاہور پہنچیں لیکن

۱۰۔ کیا مجال مجھ پر اپنی گھبراہٹ کا اظہار ہونے دیا ہو۔

۱۱۔ پھر اس قدر تن دہی اور جانفشانی سے

۱۲۔ میری خدمت میں لگ گئیں کہ کہہ ہی نہیں سکتا کوئی دوسری عورت اس قدر محبت اور پیار کے جذبے سے اپنے خاوند کی خدمت کر سکتی ہو۔

۱۳۔ وہ شہزادیوں کی طبیعت رکھتی ہیں

۱۴۔ ان میں نخوت وتکبر رائی برابر نہیں

۱۵۔ لیکن کبریائی ان میں دیکھتا ہوں

۱۶۔ جو حسد اور ریس سے بہت بالاتر ہے

۱۷۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی کی شخصیت نے ان کو مرعوب کیا ہو

۱۸۔ وہ طباع اور ذہین ہیں

۱۹۔ وہ جس سے گفتگو کرتی ہیں اس کو اپنا گرویدہ کر لیتی ہیں

۲۰۔ خاوند پر کبھی ناجائز بوجھ نہیں ڈالتیں

۲۱۔ بلکہ اپنے خاوند کے فکر وہم وغم میں پوری ہمدرد اور مونس ساتھی کا کام دیتی ہیں

۲۲۔ بچوں کی تعلیم وتربیت میں اپنی مثال آپ ہی ہیں۔

۲۳۔ عزیز رشتہ داروں سے نیک سلوک کر کے حظ حاصل کرتی ہیں

۲۴۔ ان کو کسی چیز کے خود استعمال کرنے کی نسبت سے اس بات سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ دوسرا ان

کی چیز کو استعمال کرے

۲۵۔اگر کسی نے کسی وقت کوئی تکلیف پہنچائی ہو تو ذراسی تلافی سے تمام شکایات طاق نسیاں کر دیتی ہیں۔

۲۶۔صبر وشکر ان کا شیوہ ہے

۲۷۔بغض وحسد وکینہ سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔

۲۸۔اللہ تعالیٰ سے ان کو محبت اور اللہ کی محبت میں وہ سرشار ہیں۔

۲۹۔ میں نے اکثر دیکھا ہے کہ ان کو کسی چیز کی خواہش پیدا ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے آناً فاناً مہیا کرنے کے سامان کر دیئے۔

۳۰۔میرے پر جو بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانیاں اور عنایات ہیں وہ اسی کے طفیل ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام چار سال کی عمر میں اس کو اپنے مولا کے سپرد کر گئے تھے۔

۳۱۔ جب سے ہی وہ اپنے مولا کی گود میں نہایت پیار سے رہتی ہیں اور میری راحت کا موجب بنی ہوئی ہیں۔

۳۲۔میرے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حرز کا کام دیتی ہیں۔

۳۳۔وہ اللہ تعالیٰ کی صفت حفیظ کی پوری پوری تجلی ہیں بسا اوقات میں کسی گناہ یا آزمائش کے قریب پہنچا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس میری حالت سے مطلع کر دیا یہ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بارہا ایسا ہوا۔ جب صبح کو میں اٹھا تو وہ خواب یا اشارہ میرے متعلق ہوا ہوتا۔

۳۴۔لوگ چند روز کی تیمارداری سے تنگ آجاتے ہیں لیکن یہاں پانچ سال کی لگاتار محنت ومشقت کی خدمت نے ان کو مہر ووفا اور محبت کی مہر لگا دی ہے۔

۳۵۔وہ چاہتی ہیں کہ میں زندہ رہوں ورنہ وہ اپنے گھرانہ کے لئے مجھ سے بہت زیادہ نافع اور مفید وجود ہیں۔

۳۶۔میں نے اللہ تعالیٰ کے جو نشانات اپنی زندگی میں ان کے وجود میں دیکھے ہیں وہ ایک بڑی حد تک احمدیت پر ایمان کامل پیدا کرنے کا موجب ہوئے ہیں۔

گویا ان سب خوبیوں کے گواہ آپ کے شوہر ہیں۔

آپ کی ایک تحریر بطور تبرک پیش خدمت ہے:

''مریم (ام طاہر) کس کی تھی؟

میری، تمہاری، بچوں کی، جوانوں کی، بوڑھوں، بزرگوں کی''

دوستی جس سے کی نبھا کر دکھا دیا۔ صدقہ خیرات کھلے ہاتھ سے دیا۔ اللہ جانے اتنی برکت کیسے تھی؟ خرچ اس زمانے میں محدود ہی ملتا تھا مگر اس اللہ کی بندی نے چشمہ جاریہ لگا رکھا تھا۔ مجھے یاد ہے ایک پٹھانی گلابی نام کی ہوا کرتی تھی۔ بعض وقت گلابی مرحومہ روپیہ کا مطالبہ کرتی اور اتفاق سے اس وقت نہ ہوتا۔ مریم کہتیں۔ گلابی اس وقت میرے پاس کچھ نہیں تو گلابی چمٹ جاتی۔ جیسے کوئی کشتی لڑتا ہو اور کہتی ''لاؤ دو چابی۔ مجھے پکڑاؤ۔ میں خود نکال لوں گی۔''

اس کا دروازہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرح ہر وقت کھلا رہتا تھا۔ اس کا وسیع دستر خوان امیر وغریب، ادنیٰ اعلیٰ، سب کو دعوت دیتا۔ محبت کا مادہ حد سے زیادہ تھا۔ بعض وقت میں الجھ پڑتی کہ اتنی محبت ہر ایک سے نہیں ہو سکتی۔ تم بناوٹ سے کہتی ہو۔ جواب تھا۔ میرے سینے میں محبت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر پنہاں ہے۔

اپنے شوہر حضرت مصلح موعود سے عشق کی حد تک پیار تھا۔ اس بنا پر دوسری بیویوں سے جہاں بہنوں کی طرح محبت تھی وہاں کبھی اپنے عالی مقام شوہر کا جھکاؤ دیکھ کر رقابت کے مارے دھاروں رویا بھی کرتی تھیں۔ کسی بیوی کی بیماری میں آپ (حضور کی) کی زیادہ توجہ دیکھی تو فوراً ہم سے پوچھتیں۔ کیا معلوم میرے لئے یہ جذبہ پیدا ہوگا یا نہیں۔

سارہ بیگم مرحومہ کی وفات پر بہت روئیں۔ ان کی موت کے صدمے کے ساتھ اپنے میاں کے صدمے کا حساس اور ''میری سارہ'' والا مضمون بھی نا قابل برداشت دکھ کا موجب تھا۔ ہم لوگ بھی اپنی پیاری مریم کو چھیڑ چھیڑ کر رلاتے تھے۔ جب بھائی صاحب سے خفا ہوتیں تو اور بھی بڑھ چڑھ کر ان سے اظہار محبت کرتیں اور کہتیں کہ اب اپنے پیارے خلیفہ کی محبت ہے۔ اس دنیاوی رشتہ کی نہیں۔

غرض میں نے ایسا عشق کم ہی دیکھا ہے۔ وفات سے کچھ عرصہ پہلے دنیا سے لگاؤ بالکل نہ رہا تھا۔ خاموشی، اداسی، نہ ہنسی نہ مذاق، نہ خاص اظہار محبت، بالکل خاموشی، ایک دن میں خفا ہو گئی اور کہا کہ مریم! تم بدل گئی ہو۔ وہ پہلا پیار محبت کہاں گیا؟ کہنے لگیں سب اسی طرح ہے۔ مگر عزیزی رقیہ کی وفات کے بعد میرا دل دنیا سے ہٹ گیا ہے ہر وقت ڈیپریشن رہتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے موت کا سایہ قبل از وقت دل پر پڑ

گیا تھا۔

حضرت اماں جان سے بے حد محبت اور اتنا ہی احترام تھا۔ بیماری میں ان کی دل و جان سے خدمت کرتیں۔ اماں جان پر ایک دفعہ ہلکا سا فالج کا حملہ ہوا تو بیڈ پین بھی خود اٹھالیا۔ کہتی تھیں کہ میں خود ہی اٹھاؤں گی۔

کس کس بات کو یاد کروں۔ لکھوں تو ایک کتاب بن جائے۔ اتنی خوبیوں کی مالک عورت کبھی کبھی پیدا ہوتی ہے۔ زندہ، زندہ دل، اپنی ذات میں انجمن۔

اللہ تعالیٰ ان کی روح پر رحمتیں نازل فرمائے اور اپنی ستاری اور محبت کی چادر میں لپیٹ لے۔ ماں کو تو ساری اولاد پیاری ہوتی ہے۔ اس وقت میرا اندازہ تھا کہ مریم مرحومہ کو عزیزہ حُکمی سے خصوصیت سے پیار تھا......''

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اپنے خط میں فرماتے ہیں:

''اس مضمون کے بغیر یقیناوہ کتاب نامکمل تھی اگر اس بیماری اور نقاہت میں جبکہ آپ ''نہ کچھ لکھ سکتی ہیں نہ لکھوانے کی طاقت ہے'' جبکہ خیالات اور افکار کو کسی ایک مضمون پر مجتمع اور مرکوز کرنا مشکل ہے۔ فصاحت و بلاغت کا یہ عالم ہے اور جذبہ بے اختیار اس طرح پھوٹا پڑتا ہے تو صحت کے دنوں میں کیا حال ہوگا......''

لوگوں میں اکثر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ فصاحت و بلاغت کسی بہت مشکل قسم کی مقفّٰی و مسجع عبارت کو کہتے ہیں لیکن فصاحت و بلاغت کا مطلب ہے عام فہم زبان میں انتہائی پر معنی مضمون بیان کیا جائے کہ جذبہ دل بے اختیار پھوٹ پڑے اور پڑھنے والے کے دل کو نہایت درجہ متأثر کردے اور یہ تحریر کی بہت بڑی خوبی ہے جو حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے مضمون میں پائی جاتی ہے جس کو نہایت درجہ پہچاننے والی آنکھ اور دل حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) کو ملا تھا۔

حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ

اللہ تعالیٰ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد نبوت کے توسط سے اپنی یقینی تجلیات کے ساتھ مجھ ذرّہ حقیر پر ظاہر ہوا۔ چنانچہ ابتدائی زمانہ میں جب علماء سوء گاؤں گاؤں میری کم علمی اور کفر کا چرچا کر رہے تھے مجھے میرے خدا نے الہام کے ذریعہ بشارت دی:

''مولوی غلام رسول جوان صالح کراماتی''

چنانچہ اس الہام الٰہی کے بعد جہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے بڑے بڑے مولویوں کے ساتھ مباحثات کرنے میں نمایاں فتح دی ہے میرے ذریعہ سیدنا حضرت امام الزمان علیہ السلام کی برکت سے انذاری اور تبشیری کراماتوں کا اظہار بھی فرمایا ہے جن کا ایک زمانہ گواہ ہے۔

بعض انذاری وتبشیری کراماتوں کا ذکر

میں ایک مرتبہ موضع گڈ ہو جو ہمارے گاؤں سے قریباً ڈیڑھ کوس کے فاصلہ پر واقع ہے گیا چونکہ اس گاؤں کے اکثر لوگ ہمارے خاندان کے حلقہ ارادت میں داخل تھے اس لئے میں نے یہاں کے بعض آدمیوں کو احمدیت کی تبلیغ کی اور واپسی پر اس موضع کی ایک مسجد کے برآمدہ میں اپنی ایک پنجابی نظم کے کچھ اشعار جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کے متعلق تھے لکھ دیئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس موضع کا نمبردار چوہدری اللہ بخش اس وقت کہیں مسجد میں طہارت کر رہا تھا اس نے مجھے مسجد سے باہر نکلتے ہوئے دیکھ لیا۔ ادھر راستہ میں یہاں کے امام مسجد مولوی کلیم اللہ نے بھی مجھے دیکھا۔ جب یہ دونوں آپس میں ملے تو انہوں نے میرے جنون احمدیت کا تذکرہ کرتے ہوئے مسجد کے برآمدہ میں ان اشعار کو پڑھا اور یہ خیال کرتے ہوئے کہ اب ہماری مسجد اس مرزائی نے پلید کر دی ہے یہ تجویز کیا کہ سات مضبوط نوجوانوں کو میرے پیچھے دوڑایا جائے جو میری مشکیں باندھ کر مجھے ان کے پاس لے آئیں اور پھر میرے ہاتھوں سے ہی میرے لکھے ہوئے اشعار کو مٹوا کر مجھے قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سات جوانوں کو میرے پیچھے دوڑا دیا۔ مگر اس زمانہ میں مَیں بہت تیز چلنے والا تھا اس لئے

میں نو جوانوں کے پہنچنے سے پہلے ہی اپنے گاؤں آ گیا اور وہ خائب و خاسر واپس لوٹ گئے۔ دوسرے دن اسی گاؤں کا ایک باشندہ جو والد صاحب کا مرید تھا اور ان لوگوں کے بد ارادوں سے واقف تھا صبح ہوتے ہی ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور سارا ماجرا کہہ سنایا۔ والد صاحب نے اس کی باتیں سنتے ہی مجھے فرمایا کہ جب ان لوگوں کے تیرے متعلق ایسے ارادے ہیں تو احتیاط کرنی چاہئے میں نے جب یہ واقعہ اور محترم والد صاحب کا فرمان سنا تو وضو کر کے نماز شروع کر دی اور اپنے مولا کریم کے حضور عرض کیا کہ اے میرے مولا کریم کیا یہ لوگ مجھے تیرے مسیح کی تبلیغ سے روک دیں گے اور کیا میں اس طرح تبلیغ کرنے سے محروم رہوں گا۔ یہ دعا میں بڑے اضطراب اور قلق سے مانگ رہا تھا کہ مجھے جائے نماز پر ہی غنودگی سی محسوس ہوئی اور میں سو گیا۔ سونے کے ساتھ ہی میرا غریب نواز خدا مجھ سے ہم کلام ہوا اور نہایت رافت و رحمت سے فرمانے لگا۔ ”وہ کون ہے جو تجھے تبلیغ سے روکنے والا ہے اللہ بخش نمبردار کو میں آج سے گیارہویں دن قبر میں ڈال دوں گا۔“ صبح میں ناشتہ کرتے ہی موضع گڈ ہو پہنچا اور جاتے ہی اللہ بخش نمبردار کا پتہ پوچھا۔ لوگوں نے کہا کیا بات ہے میں نے کہا اس کے لئے ایک الٰہی پیغام لایا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ بخش آج سے گیارہویں دن قبر میں ڈالا جائے گا۔ کہنے لگے وہ تو موضع لالہ چک جو گجرات سے مشرق کی طرف چند کوس کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے وہاں چلا گیا ہے۔ میں نے کہا کہ پھر تم لوگ گواہ رہنا کہ وہ گیارہویں دن قبر میں ڈال دیا جائے گا اور کوئی نہیں جو اس خدائی تقدیر کو ٹال سکے۔ میرا یہ پیغام سنتے ہی اہل محفل پر ایک سناٹا چھا گیا۔ اب وہ تقدیر مبرم اس طرح ظہور میں آئی کہ چوہدری اللہ بخش ذات الجنب اور خونی اسہالوں سے لالہ چک میں بیمار ہو گیا۔ مرض چند دنوں میں ہی اتنا بڑھا کہ اس کے رشتہ دار اسے لالہ چک سے اُٹھا کر گجرات کے ہسپتال میں لے گئے اور وہاں وہ ٹھیک گیارہویں دن اس دنیا فانی سے کوچ کر گیا اور اسے اپنے وطن موضع گڈ ہو کا قبرستان بھی نصیب نہ ہوا۔

فَاعۡتَبِرُوۡا یٰۤاُولِی الۡاَبۡصَارِ ۝۳ (الحشر:۳)

ترجمہ: ”پس اے سمجھ بوجھ رکھنے والے لوگو! عبرت حاصل کرو“۔

اس پیشگوئی کی اطلاع چونکہ موضع گڈ ہو، موضع سعد اللہ پور اور بعض دوسرے دیہات کے آدمیوں کو پہلے سے پہنچا دی گئی تھی اس کے عین وقت پر پورا ہونے سے اکثر لوگوں پر دہشت سی طاری ہو گئی۔

موضع دھدرہا کا واقعہ

ایسا ہی موضع دھدرہا میں جو ہمارے گاؤں سے جانب جنوب۔مغرب ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے جب میں تبلیغ کے لئے جاتا تو وہاں کے ملاں محمد علالم لوگوں کو میری باتیں سننے سے روکتا اور اس فتویٰ کفر کی جو مجھ پر لگایا گیا تھا جابجا تشہیر کرتا آخر اس نے موضع مذکور کے ایک مضبوط نوجوان جیون خان نامی کو جس کا گھرانہ جتھے کے لحاظ سے بھی گاؤں کے تمام زمینداروں پر غالب تھا میرے خلاف ایسا بھڑکایا کہ وہ میرے قتل کے درپے ہوگیا اور مجھے پیغام بھجوایا کہ اگر اپنی زندگی چاہتے ہو تو ہمارے گاؤں کا رخ نہ کرنا ورنہ پچھتانا پڑے گا۔ میں نے جب یہ پیغام سنا تو دعا کے لئے نماز میں کھڑا ہوگیا اور خدا کے حضور گڑگڑا کردعا کی تب اللہ تعالیٰ نے جیون خان اور ملاں محمد عالم کے متعلق مجھے الہاماً بتایا کہ:

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَہَبٍ وَّ تَبَّ۝۲ مَاۤ اَغۡنٰی عَنۡہُ مَالُہٗ وَ مَا کَسَبَ۝۳ (سورۃ اللھب)

ترجمہ:''شعلہ کے باپ کے دونوں ہاتھ ہی شل ہو گئے ہیں اور وہ (خود) ہی شل ہو کر رہ گیا ہے۔اس کے مال نے اسے کوئی فائدہ نہیں دیا اور نہ اس کی کوششوں نے (کوئی فائدہ) دیا ہے''

اس القاء ربانی کے بعد مجھے دوسرے دن ہی اطلاع ملی کہ جیون خاں شدید قولنج میں مبتلا ہوگیا ہے اور ملاں محمد عالم ایک بداخلاقی کی بناء پر مسجد کی امامت سے علیحدہ کردیا گیا ہے۔ پھر قولنج کے دورہ کی وجہ سے جیون خاں کی حالت یہاں تک پہنچی کہ چند دنوں کے اندر وہ قوی ہیکل جوان مشت استخوان ہو کر رہ گیا اور اس کے گھر والے جب ہر طرح کی چارہ جوئی کر کے اس کی زندگی سے مایوس ہو گئے تو اس نے کہا کہ میرے اندر یہ وہی کلہاڑیاں اور چھریاں چل رہی ہیں جن کے متعلق میں نے میاں غلام رسول راجیکی والے کو پیغام دیا تھا۔ اگر تم میری زندگی چاہتے ہو تو خدا کے لئے اسے راضی کرو اور میرا گناہ معاف کراؤ ورنہ کوئی صورت میرے بچنے کی نہیں آخر اس کے نودس رشتہ دار باوجود ملاں محمد عالم کے روکنے کے ہمارے گاؤں کے نمبردار کے پاس آئے اور اسے میرے راضی کرنے کے لئے کہا اس نے جواب دیا کہ میاں صاحب اگرچہ ہماری برادری کے آدمی ہیں مگر ان کے گھرانے کی بزرگی کی وجہ سے آج تک ہمارا کوئی فرد ان کی چارپائی پر بیٹھنے کی جرأت نہیں کرتا۔ میں تو ڈرتا ہوں کہ کہیں اس قسم کی باتوں میں ان کی کوئی بے ادبی نہ ہوجائے۔ بالآخر وہ ہمارے نمبردار کو لے کر میرے والد صاحب محترم اور میرے چچا میاں علم الدین صاحب اور حافظ نظام الدین صاحب کے ہمراہ میرے پاس آئے اور اپنے سروں سے پگڑیاں اتار

کر میرے پاؤں پر رکھ دیں اور چیخیں مار مار کر رونے لگے اور کہنے لگے اب یہ پگڑیاں آپ ہمارے سروں پر رکھیں گے تو ہم جائیں گے ورنہ یہ آپ کے قدموں پر ہی دھری رہیں گی۔ان کی اس حالت کو دیکھ کر میرے والد صاحب اور میرے چچوں نے ان کو معاف کرنے کی سفارش کی جسے بالآخر میں مان کر اپنے بزرگوں کی معیت میں ان لوگوں کے ساتھ دھدر ہا پہنچا۔جیون خان نے مجھے آتے ہوئے دیکھا تو میری توبہ میری توبہ کہتے ہوئے میرے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے اور اتنا رویا اور چلایا کہ اس کی اس گریہ وزاری سے اس کے تمام گھر والوں نے بھی رونا اور پیٹنا شروع کر دیا۔اس وقت عجیب بات یہ ہوئی کہ وہ جیون خان جسے علاقہ کے طبیب لا علاج سمجھ کر چھوڑ گئے تھے ہمارے پہنچتے ہی افاقہ محسوس کرنے لگا اور جب تک ہم وہاں بیٹھے رہے وہ آرام سے پڑا رہا مگر جب ہم اپنے گاؤں کی طرف لوٹے تو پھر کچھ دیر کے بعد اس کے درد وکرب کی وہی حالت ہوگئی جس کی وجہ سے پھر اس کے رشتہ داروں نے مجھے بلانے کے لئے آدمی بھیجا اور میں والد صاحب اور اپنے چچوں کے فرمانے پر اس آدمی کے ہمراہ جیون خان کے گھر چلا آیا۔یہاں پہنچتے ہی اس گھر کی تمام عورتوں اور مردوں نے نہایت منت وزاری سے مجھے کہا کہ جب تک جیون خاں کو صحت نہ ہوجائے آپ ہمارے گھر ہی تشریف رکھیں اور اپنے گاؤں نہ جائیں ۔ادھر ملاں محمد عالم اور اس کے ہمنواؤں نے جب میری دوبارہ آمد کی خبر سنی تو جا بجا اس بات کا ڈھنڈورا پیٹنا شروع کر دیا کہ وہ مریض جسے علاقہ بھر کے اچھے طبیب لا علاج بتا چکے ہیں اور اب لب گور پڑا ہوا ہے یہ مرزائی اسے کیا صحت بخشے گا۔

یہ باتیں جب میرے کانوں میں پہنچیں تو میں نے جوش غیرت کے ساتھ خدا کے حضور جیون خان کی صحت کے لئے نہایت الحاح اور توجہ سے دعا شروع کر دی۔چنانچہ ابھی ہفتہ عشرہ بھی نہیں گزرا تھا کہ جیون خان کو خدا تعالیٰ نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اعجازی برکتوں کی وجہ سے دوبارہ زندگی عطا فرمادی اور وہ بالکل صحت یاب ہوگیا۔اس کرشمہ قدرت کا ظاہر ہونا تھا کہ اس گاؤں کے علاوہ گردونواح کے اکثر لوگ بھی حیرت زدہ ہوگئے اور جا بجا اس بات کا چرچا کرنے لگ گئے کہ آخر مرزا صاحب کوئی بہت بڑی ہستی ہیں جن کے مریدوں کی دعا میں اتنا اثر پایا جاتا ہے۔

موضع جاموں بولا کا واقعہ

موضع جاموں جو ہمارے گاؤں سے جانب شمال دو کوس کے فاصلہ پر واقعہ ہے وہاں کے اکثر زمیندار ہمارے بزرگوں کے ارادتمند تھے جب انہوں نے جیون خان ساکن دھدر ہا کی معجزانہ بیماری اور معجزانہ

صحت یابی کا حال سنا تو ان میں سے خان محمد زمیندار میرے والد صاحب بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرا چھوٹا بھائی جان محمد عرصہ سے تپ دق کے عارضہ میں مبتلا ہے آپ ازراہ نوازش میاں غلام رسول صاحب سے فرمائیں کہ وہ کچھ روز ہمارے گھر پر ٹھہریں اور جان محمد کے لئے دعا کریں تا کہ اللہ تعالیٰ اسے بھی صحت عطا فرمادے۔ چنانچہ اس کی اس درخواست پر والد صاحب کے ارشاد کے ماتحت میں ان کے یہاں چلا آیا اور آتے ہی وضو کر کے نماز میں اس کے بھائی کے لئے دعا شروع کر دی۔ سلام پھیرتے ہی میں نے ان سے دریافت کیا کہ اب جان محمد کی حالت کیسی ہے۔ گھر والوں نے جواب دیا کہ بخار بالکل اتر گیا ہے اور کچھ بھوک بھی محسوس ہوتی ہے چنانچہ اس کے بعد چند دنوں کے اندر ہی اس کے نحیف وناتواں جسم کے اندر اتنی طاقت آ گئی کہ وہ چلنے پھرنے لگ گیا۔ اس نشان کو دیکھ کر اگر چہ ان لوگوں کے اندر احمدیت کے متعلق کچھ حسن ظنی پیدا ہوئی مگر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حلقہ بیعت میں کوئی شخص نہ آیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا کہ اس مریض کو جو صحت دی گئی ہے وہ ان لوگوں پر اتمام حجت کی غرض سے ہے اور اگر انہوں نے احمدیت کو قبول نہ کیا تو یہ مریض اسی شعبان کے مہینہ کی اٹھائیسویں تاریخ کی درمیانی شب قبر میں ڈالا جائے گا۔ چنانچہ میں نے بیدار ہوتے ہی قلم اور دوات منگوائی اور یہ الہام الٰہی کاغذ پر لکھا اور اسی گاؤں کے بعض غیر احمدیوں کو دے دیا اور انہیں تلقین کی کہ اس پیشگوئی کی تعیین کو موت کے عرصہ سے پہلے ظاہر نہ کریں۔ اس کے بعد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بارگاہ اقدس میں قادیان چلا آیا اور یہیں رمضان المبارک کا مہینہ گزارا۔ خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ جب جان محمد بظاہر صحت یاب ہو گیا اور جا بجا اس معجزہ کا چرچا ہونے لگا تو اس مرض نے دوبارہ حملہ کیا اور وہ ٹھیک شعبان کی اٹھائیسویں رات اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ اس کے مرنے کے بعد جب ان غیر احمدیوں نے میری تحریر لوگوں کے سامنے رکھی تو ان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مگر افسوس کہ پھر بھی انہوں نے احمدیت کو قبول نہ کیا

تہی دستان قسمت راچہ سوداز رہبر کامل
کہ خضراز آ ب حیواں تشنہ مے آرد سکندررا

موضع سعد اللہ پور کا واقعہ

موضع سعد اللہ پور جو ہمارے گاؤں سے جانب جنوب کوئی تین کوس کے فاصلہ پر واقعہ ہے۔ یہاں

کے اکثر حنفی لوگ بھی ہمارے بزرگوں کے ارادتمند تھے اس لئے میں کبھی کبھار اس موضع میں تبلیغ کی غرض سے جایا کرتا تھا اور ان لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت سمجھانے کی کوشش کرتا رہتا تھا۔ اس موضع میں مولوی غوث محمد ایک اہل حدیث عالم تھے اور امرتسر کے غزنوی خاندان سے نسبت تلمذ رکھنے کی وجہ سے احمدیت کے سخت معاند اور مخالف تھے میں نے ایک روز ان کی موجودگی میں ظہر کے وقت مسجد میں لوگوں کو احمدیت کی تبلیغ کی اور انہیں بھی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کچھ کتابیں اور رسالے مطالعہ کے لئے دیئے۔ جب انہیں اس تبلیغ کے ذریعہ اور حضور اقدس کی کتابوں سے یہ علم ہوا کہ میں حضرت مسیح موعود کو امام مہدی تسلیم کرتا ہوں تو انہوں نے میرے حق میں بے تحاشا فحش گوئی شروع کر دی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات والا صفات کے بارہ میں بھی۔ میں نے انہیں کہا کہ گالیاں مجھے دے لیں لیکن حضرت اقدس علیہ السلام کی توہین نہ کریں مگر وہ اس سے باز نہ آئے۔ آخر چارو ناچار میں تخلیہ میں جا کر سجدہ میں گر پڑا اور رو رو کر بارگاہ ایزدی میں دعا مانگی اور رات کو بغیر کھانا کھائے ہی مسجد میں آ کے سو گیا۔ جب سحری کے قریب وقت ہوا تو مولوی غوث محمد صاحب مسجد میں میرے پاس پہنچے اور معافی مانگتے ہوئے مجھے کہنے لگے۔ خدا کے لئے ابھی حضرت میرزا صاحب کو میری بیعت کا خط لکھو ورنہ میں ابھی مر جاؤں گا اور دوزخ میں ڈالا جاؤں گا میں نے جب ان کا احمدیت کی طرف رجوع دیکھا تو حیران ہو کر اس کی وجہ دریافت کی۔ مولوی صاحب نے بتایا کہ رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ قیامت کا دن ہے اور مجھے دوزخ میں ڈالے جانے کا حکم صادر ہوا ہے اور اس کی تعمیل کرانے کے لئے بڑی بھیانک شکل کے فرشتے میرے پاس آئے ہیں اور ان کے پاس آگ کی بنی ہوئی اتنی بڑی بڑی گرزیں ہیں جو بلندی میں آسمان تک پہنچتی ہیں۔ انہوں نے مجھے پکڑا ہے اور کہتے ہیں کہ تم نے مسیح موعود اور امام زمانہ کی شان میں گستاخی کی ہے اس لئے اب دوزخ کی طرف چلو اور اس کی سزا بھگتو میں نے ڈرتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ میں توبہ کرتا ہوں آپ مجھے چھوڑ دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ اب توبہ کرتا ہے اور مارنے کے لئے اپنا گرز اٹھایا جس کی دہشت سے میں بیدار ہو گیا اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں کہ خدا کے لئے آپ میرا قصور معاف فرمائیں اور حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں میری بیعت کا خط لکھ دیں۔ چنانچہ اس خواب کی بنا پر آپ احمدی ہو گئے اور اس کے بعد ہم دونوں کی تبلیغ سے اس گاؤں کے بیسیوں مرد اور عورتیں سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئیں۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

الٰہی بشارت اور موضع خوجیانوالی کا واقعہ

انہی ایام کا ذکر ہے کہ میں نے رؤیا میں دیکھا کہ موضع راجیکی میں ہمارے مکان کی چھت پر اللہ تعالیٰ نے میری والدہ ماجدہ کے تمثل میں جلوہ فرمایا ہے اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَکَ فَتۡحًا مُّبِیۡنًا ۙ﴿۲﴾ (الفتح:۲)

ترجمہ:''ہم نے تم کو ایک کھلی کھلی فتح بخشی ہے''

اس بشارت الٰہی کے بعد موضع پادشہانی ضلع جہلم کا مولوی احمد دین جو احمدیوں کے خلاف لوگوں کو اشتعال دلانے میں حد درجہ زبان شر رکھتا تھا موضع خوجیانوالی جو ہمارے گاؤں سے تقریباً چار کوس کے فاصلہ پر واقعہ ہے آیا اور آتے ہی اس نے اپنی تقریر میں کہا کہ جن دیہات میں مرزائی پائے جاتے ہیں وہ اس کنویں کی طرح ہیں جس میں خنزیر پڑا ہوا ہو۔ پس گاؤں والے گاؤں کو اور اپنے آپ کو پاک رکھنا چاہتے ہیں تو ان مرزائیوں کو باہر نکال دیں۔ اس قسم کی تقریروں کا سلسلہ جب کچھ روز جاری رہا تو لوگوں میں ہر طرف ہماری عداوت کے شعلے بھڑک اٹھے اور ایک جمعہ کے دن جبکہ لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے باہر سے بھی آئے ہوئے تھے اور اس طرح موضع خوجیانوالی میں گردونواح کے ہزارہا لوگوں کا اجتماع ہو گیا تھا۔ اس مولوی نے لوگوں کو احمدیت کے خلاف بہت اشتعال دلایا۔ میں ان دنوں چونکہ تبلیغ کی غرض سے موضع رجوعہ اور موضع ہیلاں تحصیل پھالیہ گیا ہوا تھا اس لئے میرے بعد احمدی احباب اس مولوی کی فتنہ پردازیوں سے سخت خائف ہو گئے۔ آخر بعض مولویوں کے یقین دلانے پر کہ مرزائیوں میں کوئی بھی مجمع میں تقریر کرنے کی جرأت نہیں رکھتا جب مولوی احمد دین نے ہمارے احمدیوں کو مقابلہ کا چیلنج دیا تو اس علاقہ کے احمدیوں میں سے مولوی امام الدین صاحبؓ اور مولوی غوث محمدؓ صاحب وغیرہ نے ہمارے چوہدری مولا داد وڑائچ احمدی ساکن لنگھ کو میرے بلانے کے لئے موضع ہیلاں بھیجا۔ چنانچہ میں اطلاع پاتے ہی گھوڑی پر سوار ہو کر موضع خوجیانوالی پہنچ گیا اور آتے ہی ایک عربی خط لکھ کر مولوی احمد دین کے پاس بھیجا جسے وہ اپنی کم علمی کی وجہ سے پڑھنے سے قاصر رہا اور جیب میں ڈالتے ہوئے میری طرف پیغام بھیجا کہ آپ یہاں آ کر منبر پر چڑھ کر تقریر کریں۔ چنانچہ میں مع احباب وہاں پہنچتے ہی منبر کے قریب گیا اور اسے کہا کہ آپ منبر سے نیچے اتریں میں تقریر کرتا ہوں تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ رسول کے منبر پر میں کافر کو تقریر نہیں کرنے دوں گا اور اس طرح اس نے مجھے تقریر کرنے سے روک دیا اور حضور اقدس علیہ

السلام کی کتاب ازالہ اوہام نکال کر اِنَّآ اَنْزَلْنَاہُ قَرِیْبًا مِّنَ الْقَادِیَانِ کے الہام پر اعتراضات شروع کر دیئے اور اس کی جہالت کا نمونہ یہ تھا کہ لفظ دائیں کو دائین موقوف پڑھا۔ جب میں نے جوابات دے کر لوگوں پر اس کی بے علمی کو واضح کیا تو اس نے اپنی خفت مٹانے کے لئے مجھے ایک تھپڑ مارا جو میرے منہ کی بجائے میرے عمامہ پر لگا اور وہ میرے سر سے کچھ سرک گیا۔ اس بدتمیزی کو دیکھ کر حاضرین میں سے چوہدری جان محمد نمبردار وڑائچ اور چوہدری ہست خان مانگٹ اٹھے اور اس مولوی کو بہت ہی ڈانٹا اور ملامت کی اور جتنا مجمع تھا منتشر ہو گیا۔ اس موقع پر خدا تعالیٰ کے فضل سے چند منٹوں میں ہی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام اور دعوٰی کا اعلان ہزارہا لوگوں تک پہنچ گیا اور اس مولوی کی بے علمی اور بدتمیزی واضح ہو گئی۔ دوسرے دن جب مجھے معلوم ہوا کہ مولوی احمد دین ابھی اسی گاؤں کی ایک مسجد میں ہے تو میں نے یہاں کے چوہدری نمبردار جان محمد کو کہا کہ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو قرآن مجید اور احادیث اور اسلام کی رو سے تسلیم کر کے اپنی ساری قوم اور آپ لوگوں سے مذہب کی بناء پر علیحدہ ہوا ہوں اس لئے بہتر ہے کہ آپ لوگ مولوی احمد دین کو بلا کر میرے ساتھ گفتگو کرائیں تا کہ جس شخص کے پاس سچائی ہے لوگوں کو معلوم ہو جائے۔ چوہدری جان محمد نے کہا کہ بات تو معقول ہے۔ ہم ابھی مولوی احمد دین کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جب انہوں نے مولوی احمد دین کو میرا یہ پیغام سنایا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس موضع کے تمام زمیندار مولوی غلام رسول راجیکی کی قوم کے لوگ ہیں اس لئے میں ڈرتا ہوں کہ یہاں کوئی فساد نہ ہو جائے۔ میں نے کہلا بھیجا کہ مولوی احمد دین صاحب جیسا بھی آپ چاہیں اپنے امن و تحفظ کے متعلق تسلی کر لیں مگر میرے ساتھ گفتگو ضرور کریں۔ اس کے بعد مولوی احمد دین نے گھوڑی منگوائی اور موضع گڈ ہو بھاگ گیا۔ جہاں چند روز قیام کے بعد لوگوں کو معلوم ہوا کہ اسے آتشک ہو گئی ہے۔ پھر وہاں سے وہ اپنے وطن ضلع جہلم چلا گیا اور دوبارہ ہمارے علاقے میں آنے کی اس کو جرأت نہ ہو سکی اور سنا کہ وہ وہاں وطن میں جلد ہی مر گیا۔ اور دنیا میں اسے رہنے کے لئے زیادہ مہلت نہ مل سکی۔ مولوی احمد دین کی اس شکست فاش کو دیکھ کر بھی جب موضع خوجیانوالی کے لوگوں کی آنکھیں نہ کھلیں تو میں نے چند ماہ موضع مذکور میں قیام کیا اور ان لوگوں کو سمجھایا مگر پھر بھی ان لوگوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو میں نے رات خواب میں دیکھا کہ اس گاؤں پر طاعون نے ایسا حملہ کیا ہے کہ گھروں کے گھر ویران ہو گئے ہیں چنانچہ ابھی کچھ دن ہی گزرے ہوں گے اس خواب کی تعبیر وقوع میں آئی اور یہاں کے تقریباً گیارہ سو آدمی طاعون کا شکار ہو گئے۔ لوگوں نے

جب دیکھا کہ اردگرد کے دیہات میں بالکل امن ہے اور یہاں ایک قیامت برپا ہے تو ان میں سراسیمگی پیدا ہوئی اور آپس میں کہنے لگے آخر اس عذاب کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس وقت ایک آدمی نے بتایا کہ رات خواب میں میں نے دیکھا ہے کہ لوگ اس تباہی کے متعلق چہ میگوئیاں کر رہے ہیں تو ایک بزرگ انسان یا فرشتہ ظاہر ہوا ہے اور اس نے بتایا ہے کہ اس تباہی کا موجب وہ تھپڑ ہے جو خدا کے ایک بندے کو خدا کا حکم سناتے ہوئے اس گاؤں میں مارا گیا تھا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

میرے گاؤں موضع راجیکی وڑائچاں کے بعض واقعات

ایک رؤیا جس میں گیارہ انبیاء علیہم السلام نے مجھے کنویں سے نکالا تھا ان کو میں نے جاتے ہوئے دیکھا۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو انہی انبیاء علیہم السلام میں سے کسی نے فرمایا کہ یہ لوگ یوسف کے گیارہ بھائی ہیں۔ اس رویاء کی تعبیر جو بعد میں ظاہر ہوئی یہ تھی کہ میرے احمدی ہونے کے بعد میرے جدامجد حضرت میاں نور صاحب چنابی علیہ الرحمتہ کی اولاد کے گیارہ گھرانے جو اس وقت موجود تھے انہی کے بعض افراد یوسف کے بھائیوں کی طرح میری مخالفت وعداوت پر کمربستہ ہو گئے اور دور دور سے علماء کو بلا کر میری تکفیر کا موجب ہوئے۔ پھر بغض وعناد یہاں تک پہنچا کہ میرے ان قرابت داروں میں سے بعض نے مجھ پر نقص امن اور اقدام قتل کا جھوٹا الزام لگا کر عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا مگر وہ خدا جو زمین و آسمان کا خدا ہے اور وہ خدا جس کی رضا کے لئے میں نے ان لوگوں کے مسلک کو چھوڑا تھا وہ میری فریادرسی کے لئے پہنچا اور ان کے منصوبوں کو اس نے خاک میں ملا دیا مگر افسوس صد افسوس کہ پھر بھی ہمارے بعض قریبی رشتہ داروں اور ہمارے گاؤں کی وڑائچ برادری کو میرے سید و مسیح قادیانی کی صداقت قبول کرنے کی توفیق نہ ملی اور اکثر اس مائدہ آسمانی سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہ گئے۔

اعجاز نما واقعہ صداقت

اسی زمانہ میں جب کہ میں اپنے گاؤں اور علاقہ کے لوگوں کو احمدیت کی تبلیغ کیا کرتا تھا بعض بڑی عمر کے بوڑھے مجھے کہا کرتے تھے کہ تم تو بچے ہو اگر مرزا صاحب کے دعوے میں کوئی صداقت ہوتی تو آپ کے تایا حضرت میاں علیم الدین صاحب جو اس زمانہ کے غوث اور قطب ہیں اور چالیس سپارے قرآن مجید کے ہر روز پڑھتے ہیں اور صاحب مکاشفات ہونے کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضوری بھی ہیں وہ

نہ مرزا صاحب کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے۔ میں انہیں اس قسم کی عذرات لنگ پر بہتیرا سمجھا تا مگر وہ ایک وقت تک یہی رٹ لگاتے رہے آخر میں انہیں کہا کہ بتاؤ کہ اگر حضرت میاں صاحب سید و مولا حضرت مسیح موعود قادیانی علیہ السلام کو نبی اور امام مہدی تسلیم کر لیں تو کیا تم لوگ ان پر بدگمانی کرتے ہوئے حضور اقدس علیہ السلام کی بیعت سے انحراف تو نہیں کرو گے اس وقت ان لوگوں میں سے بعض نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ حضرت میاں صاحب مرزا صاحب پر ایمان لے آئیں اور ہمارا سارا علاقہ ان کے پیچھے ایمان نہ لائے۔ احمدیت کے متعلق ان کی یہ آمادگی دیکھ کر میں نے حضرت تایا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ آپ حضور اقدس علیہ السلام کی صداقت کے متعلق دعا کریں اور استخارہ بھی فرمائیں۔ چنانچہ آپ نے میری درخواست پر استخارہ شروع کر دیا اور میں نے آپ کے لئے دعا شروع کر دی۔ مجھے دعا کرتے ہوئے ابھی چند روز ہی گزر رہے تھے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے گاؤں کے شمال کی جانب بہت سے لوگوں کا ہجوم ہے۔ جب میں وہاں پہنچتا ہوں تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک چار پائی پر حضرت میاں علیم الدین صاحب کی لاش پڑی ہوئی ہے اور لوگ اس کے اردگرد حلقہ باندھے ہوئے کھڑے ہیں ان لوگوں نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگے کہ آپ ہمیشہ مرزا صاحب کے متعلق کہا کرتے کہ وہ امام مہدی اور مسیح موعود ہیں اگر واقعی وہ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ کوئی نشان دکھائیں۔ میں نے پوچھا کہ آپ کیسا نشان دیکھنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ میت جو ہمارے سامنے پڑی ہے اسے آپ زندہ کر دیں۔ چنانچہ میں نے اسی وقت لاش کے سامنے کھڑے ہو کر نہایت جلال سے کہا۔ قُمْ بِاِذْنِ اللّٰہ۔

میرا یہ کہنا تھا کہ حضرت میاں صاحب زندہ ہو کر بیٹھ گئے اور مجھے دیکھتے ہی السلام علیکم کہا۔ جب مَیں بیدار ہوا تو مجھے یقین ہو گیا کہ حضرت میاں صاحب کو خدا تعالیٰ ضرور حضرت سیدنا مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کی سعادت نصیب کرے گا اور ایک نئی زندگی مرحمت فرمائے گا۔

اتفاق کی بات ہے کہ میں ایک دن مسجد میں بیٹھا ہوا لوگوں کو تبلیغ کر رہا تھا اور وہ اپنے سابقہ دستور کے مطابق حضرت میاں صاحب ممدوح کی آڑ لے رہے تھے کہ اچانک آپ میری تلاش میں ادھر آ نکلے اور دریافت فرمایا کہ میاں غلام رسول یہاں ہے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت میں حاضر ہوں ارشاد فرمائیے۔ فرمانے لگے:

”مجھے خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اس بات کا نہایت صفائی کے ساتھ علم دیا گیا ہے

کہ حضرت مرزا صاحب خدا تعالیٰ کے سچے مامور اور امام مہدی اور مسیح موعود ہیں اور آپ سب لوگ گواہ رہیں کہ میں ان پر ایمان لے آیا ہوں۔‘‘

پھر آپ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ میری بیعت کا خط حضرت صاحب کی خدمت میں لکھ دیں۔ حضرت میاں صاحب کے ارشاد گرامی کے بعد جب میں نے لوگوں سے پوچھا کہ بتاؤ اب تمہاری کیا مرضی ہے۔ تو اس وقت بعض بدبختوں نے کہا کہ شیطان نے بلعم باعور ایسے ولی کا ایمان چھین لیا تھا حضرت میاں علم الدین صاحب کس شمار میں ہیں؟ اس کے بعد میں نے حضرت میاں صاحب موصوف کی بیعت کا خط لکھ دیا اور وہ بزرگ جو لوگوں کے زعم میں اپنے زمانہ کا غوث تھا حضور اقدس علیہ السلام کے سلسلہ بیعت میں داخل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے میرے والد بزرگوار کے چھوٹے بھائی حضرت حافظ نظام الدین صاحب بھی احمدی ہو گئے۔ چنانچہ یہ دونوں بھائی یکے بعد دیگرے قادیان بھی تشریف لے گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دستی بیعت سے مشرف ہوئے۔ **فالحمد اللہ علیٰ ذالک۔**

میاں غلام حیدر صاحب کا قبول احمدیت

ہمارے ان بزرگوں کی بیعت سے پہلے میرے ایک عم زاد بھائی میاں غلام حیدر صاحب جو میرے شاگرد بھی تھے احمدی ہو چکے تھے۔ اگرچہ ان کی احمدیت پر ہماری برادری کے لوگ ہمیشہ انہیں گزند پہنچایا کرتے تھے اور ان کی فصلیں وغیرہ کاٹ لیتے یا ان کے کھیتوں میں اپنے مویشی چھوڑ دیا کرتے تھے مگر یہ صالح نوجوان عمر بھر احمدیت کا فدائی اور جاں نثار رہا۔ افسوس ہے کہ اس کی عمر نے زیادہ وفا نہ کی اور وہ ۱۳۲۳ھ میں اس دنیائے فانی سے کوچ کر گیا۔ ایسا ہی عموی صاحب حضرت حافظ نظام الدین صاحب بھی جلدی ہی ۱۳۱۷ء ہجری میں اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ ان کی فوتیدگی پر بعض لوگوں کو منذر خوابیں آئی تھیں اور میں نے بھی جو خواب دیکھا تھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے گاؤں میں تشریف لائے ہیں اور حضور کے ساتھ ایک جماعت ہے۔ میں نے حاضر ہو کر جب تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو حضور اقدسؑ نے فرمایا کہ ہم حافظ نظام الدین صاحب کا جنازہ پڑھنے کے لئے آئے ہیں۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت حافظ نظام الدین صاحب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں خدا تعالیٰ نے عزیز القدر میاں غلام علی صاحبؓ سابق صدر جماعت احمدیہ سعد اللہ پور کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحابیت سے نوازا اور وہ اپنے بزرگ والد کے نعم الخلف ثابت ہوئے۔

اب تو وہ فوت ہو چکے ہیں مگر اپنے حین حیات تک تقویٰ وطہارت اور احمدیت میں نمونہ کے انسان تھے۔ اپنی زندگی کا اکثر حصہ محکمہ تعلیم کی ملازمت کے سلسلہ میں موضع سعد اللہ پور میں ہی گزارا ہے مگر کبھی کبھار آپ اپنی زمین کی بٹائی کے لئے یا تبلیغ کی غرض سے موضع راجیکی بھی تشریف لے جاتے تھے اور یہ انہی کا حوصلہ تھا کہ وہ راجیکی ایسی سنگلاخ زمین میں خدائی پیغام سنانے سے کبھی نہ ہچکچاتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمارے سب سے بڑے چچا حافظ برخوردار صاحب کے بڑے بیٹے حافظ غلام حسین صاحب نے انہیں احمدیت کی تبلیغ پر مارا بھی تھا۔ مگر آپ نے اس توہین کو خندہ پیشانی سے برداشت کیا اور جیتے جی احمدیت کی تبلیغ سے نہ رکے۔ خدا تعالیٰ ان کی روح پر ازلی وابدی رحمتیں نازل کرے اور ان کی اولاد کو دینی و دنیاوی نعمتوں اور برکتوں سے نوازے۔ آمین۔

الٰہی تصدیق

عزیزم میاں غلام علی صاحب رضی اللہ عنہ کے تذکرہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جب میاں صاحب موصوف بھی احمدی ہو گئے تو ہم دونوں نے مل کر متحدہ طور پر تبلیغ شروع کر دی جس کی وجہ سے عام لوگ ہمیں برا بھلا کہتے تھے۔ چنانچہ ایک روز بعض لوگوں نے ہمارے گاؤں کے ایک با اثر آدمی حاکم الدین کے پاس ہماری برائی کرتے ہوئے کہا کہ ان مرزائیوں نے ہمارے گاؤں کو اور اپنے بزرگوں کو بدنام کر دیا ہے۔ اس نے جب ان خرافات کو سنا تو رات خواب میں دیکھا کہ ہمارے گزشتہ بزرگوں میں سے ایک بزرگ اسے ملے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ لوگ انہیں (احمدیوں کو) کیوں برا کہتے ہیں دراصل مومن تو یہی ہیں۔ اس خواب کے بعد حاکم الدین نے مرنے تک اپنی زبان سے کوئی برا کلمہ احمدیوں کے متعلق نہ نکالا۔ مگر احمدیت سے پھر بھی محروم اور بے نصیب رہا۔

دادا صاحب کا خاندان

اس جگہ یہ بتا دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میرے دادا صاحب مرحوم حضرت میاں پیر بخش صاحب کے پانچ صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے حافظ برخوردار صاحب اور ان سے چھوٹے میاں علم الدین صاحب اور ان سے چھوٹے میرے والد میاں کرم الدین صاحب اور ان سے چھوٹے میاں شمس الدین صاحب اور ان سے چھوٹے حافظ نظام الدین صاحبؓ تھے۔ ان میں سے

حافظ برخوردار صاحب اور میاں شمس الدین صاحب تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ رسالت پہنچنے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے اور حضرت میاں علم الدین صاحب اور حضرت حافظ نظام الدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور اقدس پر ایمان لے آئے تھے اور حضورؑ کے صحابہؓ میں داخل تھے۔ ان میں سے میرے والد صاحب مرحوم اگرچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سلسلہ بیعت میں داخل نہیں ہوئے مگر نمازیں عموماً ہمارے ساتھ ہی پڑھا کرتے تھے اور غیر احمدیوں کے اعتراضوں اور مخالفت کے موقعہ پر بھی وہ ہمیشہ ہماری ہی تائید کیا کرتے تھے۔ خدا تعالیٰ ان کی روح پر نظر ترحم فرمائے اور ان کی تائید اور تصدیق کو ان کی مغفرت کا باعث اور جنت الفردوس کا موجب بناوے۔ آمین یاارحم الراحمین۔

والدہ ماجدہ کا خاندان

ایسا ہی میری والدہ ماجدہ بھی باوجود اپنی بے حد سادگی کے میرے والد صاحب کی طرح حضرت اقدسؑ کی مصدق تھیں اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور سلسلہ حقہ کے بارہ میں کبھی کوئی استخفاف کا کلمہ ان کی زبان سے نہ نکلا تھا۔ بلکہ اس زمانہ میں جب کبھی میں بیمار ہو جاتا تھا تو وہ غائبانہ طور سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کر کے فرمایا کرتی تھیں کہ حضرت مرزا صاحب جی! ''میرے پتر لئی دعا کریئے چھیتی ول ہووے''۔ یعنی مرزا صاحب میرے بیٹے کے لئے دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ اسے جلدی صحت عطا فرمائے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ دونوں شفیق ہستیاں میری غریب الوطنی کے زمانہ میں ہی اس دنیائے فانی سے رحلت فرما گئیں اور میں آخری لمحات میں ان کی کوئی خدمت نہ کر سکا۔

والد ماجد کی دعائیں

میرے والد بزرگوار میرے بچپن کے زمانہ میں مجھے گود میں بٹھا کر اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے میرے مولا کریم میرے اس بچے کو اپنا عشق اور محبت عطا کر اور اسے غوث اور قطب بنا دے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے احمدی ہونے اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہؓ میں شامل ہونے میں والد صاحب مرحوم کی یہ دعائیں بھی میرے لئے مؤثر ثابت ہوئی ہیں خدا تعالیٰ ان کو ان دعوات خاصہ کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

پھر باوجود یہ کہ اپنے بھائیوں میں سب سے مفلس تھے اور آپ کا جدی زمین کی آمد کے علاوہ کوئی اور خاص ذریعہ معاش نہیں تھا لیکن ہمیں علم پڑھانے کا انتہائی شوق رکھتے تھے اور جب بھی ہم اسکول جانے سے گریز کرتے آپ ہمیں مناسب تلقین فرماتے تھے۔ آپ کے اس زمانہ کی حالت کے پیش نظر مجھے آج تک وہ شعر یاد ہیں جو آپ کبھی کبھی پڑھا کرتے تھے اور خداوند کریم کی عنایات کا شکریہ ادا کیا کرتے تھے۔ ایک شعر کا مفہوم یہ ہے ؎

یعنی میرے ایسے بیکار لوگوں کو خداوند کریم گھر بیٹھے بٹھائے روزی پہنچا رہا ہے اگر کمانے پر روزی ہوتی تو میرے جیسے انسان دنیا میں بحالت بیکسی و بے بسی ہی مر جاتے۔ اسی طرح ایک شعر یہ ہے جو آپ اکثر اس وقت پڑھا کرتے تھے جب کہ آپ کے ارادتمند آپ کے پاس حاضر ہو کر دعا کی درخواست کیا کرتے تھے اس کا مفہوم یہ ہے:

یعنی اے مولا کریم یہ مخلوق تیری ہی تحریک پر یہاں آئی ہے ہمیں تو کوئی خبر نہیں ہے۔ اب تو ہی ان کی فریاد رسی کر اور ان کی امیدوں کو پورا فرما۔

پھر قرآن مجید کے ساتھ تو آپ کو اتنا عشق تھا کہ زمیندارہ کام سے فارغ ہوتے ہی قرآن مجید پڑھنا شروع کر دیتے تھے اور کبھی پڑھتے پڑھتے نیند آجاتی تو قرآن مجید کو اپنے سینے سے لگا کر لیٹ جاتے تھے۔ اپنی زندگی کے آخری رمضان المبارک میں بھی آپ نے سات مرتبہ قرآن مجید کا دور کیا تھا۔ خدا تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے۔ آمین۔ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۔ آمین۔

کرشمۂ قدرت اور غیبی ضیافت

برادر عزیز میاں غلام حید ر صاحب رضی اللہ عنہ اور میں ایک دفعہ لاہور اپنے بعض رشتہ داروں سے ملنے کے لئے گئے۔ چند دنوں کے قیام کے بعد جب ہم نے گاؤں آنے کا ارادہ کیا تو ان لوگوں نے ازراہ محبت یہ اصرار کیا کہ آپ ایک مہینہ اور ٹھہریں۔ مگر ہم دونوں کی طبعیت کچھ ایسی اچاٹ ہوئی کہ ہم نے مزید ٹھہرنا گوارا نہ کیا اور ان سے اپنا سامان اور دی ہوئی نقدی واپس مانگی۔ انہوں نے اس خیال سے کہ اگر ہم انہیں سامان اور نقدی نہ دیں گے تو شاید یہ گاؤں جانے سے رک جائیں ہمارا سامان ہمیں دینے سے انکار کر دیا۔ اور نقدی بھی نہ دی۔ لیکن ہم نے صبح کو ناشتہ کرتے ہی گاؤں لوٹنے کا ارادہ کر لیا اور لاہور سے پیدل چل پڑے۔ نو پیسے ہمارے پاس تھے۔ دریائے راوی کے پل پر آئے تو کشتی میں دو پیسے چراغی کے دے

کر دریا کو عبور کیا۔ چلتے چلاتے جب موضع کامونکی سے کوئی چار میل کے فاصلہ پر پہنچے تو سورج غروب ہو گیا۔ ادھر میاں غلام حیدر صاحب کو سفر کی تھکان اور سردی کی شدت سے بخار سا محسوس ہونے لگا۔ پاس ہی ایک سکھوں کا گاؤں منیس نام تھا۔ ہم نے چاہا کہ رات وہاں بسر کر لیں مگر کوئی صورت نہ بنی۔ آخر افتاں وخیزاں رات کے دس بجے موضع کامونکی پہنچے اور وہاں ایک ویران مسجد میں قیام کے لئے ڈیرے ڈال دیئے۔ مسجد کا ایک ہی کمرہ تھا جس میں کچھ کسیر بچھی ہوئی تھی اور اس کے ایک گوشہ میں ایک مسافر لیٹا ہوا تھا۔ میں نے میاں صاحب موصوف کو وہاں لٹا دیا اور اپنا کھیس اتار کر ان کے اوپر دے دیا اور خود باقی نقدی لے کر کھانا وغیرہ مہیا کرنے کے لئے بازار کی طرف چل پڑا۔ جب بازار پہنچا تو دیکھا کہ تمام دکانیں بند تھیں اور سارے گلی کوچے سنسان پڑے تھے۔ کوشش کے باوجود جب کوئی سبیل نہ بنی تو میں مسجد میں واپس آ گیا۔ دیکھا تو میاں غلام حیدر صاحب کا بخار بہت ہی تیز ہو چکا تھا۔ اب میں حیران ہوا کہ اس غریب الوطنی میں اگر خدانخواستہ میاں غلام حیدر کی حالت زیادہ خراب ہو گئی تو کیا ہوگا۔ یہ خیال کر کے میرا دل بھر آیا اور میں خدا کے حضور سجدہ میں گڑگڑا کر خوب رویا اور بہت دعا کی۔ خدا کی قدرت ہے کہ جب ناک صاف کرنے کیلئے میں مسجد کا دروازہ کھول کر باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک اجنبی آدمی ایک ہاتھ میں

گرم گرم روٹیوں اور حلوے کا ایک طشت اٹھائے ہوئے اور دوسرے ہاتھ میں گوشت کے گرم گرم سالن کا پیالہ اٹھائے کھڑا ہے میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا کہ رات دو بجے کے قریب یہ شخص کھانا اٹھائے ہوئے کیسے کھڑا ہے۔ خیر میں نے پوچھا کہ آپ کس سے ملنا چاہتے ہیں۔ اس نے کہا کہ آپ سے ہی ملنا چاہتا ہوں آپ میرے ہاتھ سے یہ کھانے کے برتن لے لیں۔ میں نے پوچھا کہ کھانے کے بعد ان برتنوں کو کہاں رکھوں۔ کہنے لگا وہیں رکھ دینا میں نے مسجد کے اندر آ کر کھانے میں سے جب کچھ میاں غلام حیدر کو کھلایا تو ان کی طبیعت سنبھل گئی اس کے بعد وہ کھانا میں نے بھی سیر ہو کر کھایا مگر پھر بھی ایک آدمی کا کھانا بچ گیا۔ وہ مسافر جو ہمارے ساتھ مسجد میں لیٹا ہوا تھا اس نے کہا کہ میں نے بھی ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ چنانچہ وہ کھانا اسے دے دیا گیا اور اس نے بھی پیٹ بھر لیا تو اس کے بعد ہم نے برتنوں کو وہیں ایک طرف رکھ دیا اور خود اس کمرہ کی کنڈی چڑھا کر سو گئے۔ صبح دیکھا تو اس کمرے کی زنجیر اس طرح لگی ہوئی تھی اور وہ مسافر پڑا خراٹے لے رہا تھا مگر وہ برتن غائب تھے۔ سچ ہے جو خدائے ذوالجلال نے حضرت مسیح پاک کو فرمایا ''اگر تمام لوگ منہ پھیر لیں تو میں زمین کے نیچے سے یا آسمان سے مدد کر سکتا ہوں''

کار ساز ما بفکر کار ما
فکر مادرِ کار ما آزار ما

تائیدایزدی

میری برادری میں میرے ایک چچازاد بھائی میاں غلام احمد تھے ان کی کچھ جائیداد موضع لنگہ ضلع گجرات میں بھی تھی۔ایک مرتبہ انہوں نے مجھے ایک تحریر کے کام کے لئے فرمائش کی جس کی تعمیل کے لئے میں ان کے ہمراہ موضع لنگہ چلا آیا۔گرمیوں کا موسم تھا اس لئے میں دوپہر کا وقت اکثر ان کے دالان کے پیچھے ایک کوٹھڑی میں گزارا کرتا تھا۔ایک دن حسب معمول میں دوپہر کو اس کوٹھڑی میں سورہا تھا۔میری آنکھ کھلی تو میں نے سنا کہ غلام احمد کی خالہ اور والدہ کہہ رہیں تھیں کہ اس رسولے (غلام رسول) کا ہمیں بڑا افسوس ہے کہ گاؤں گاؤں اور گھر گھر میں لوگ اس کی برائی کرتے ہیں۔اس نے تو مرزائی ہوکر ہمارے خاندان کی ناک کاٹ دی ہے۔اتفاق کی بات ہے کہ اس روز برابر والی کوٹھڑی میں بھائی غلام احمد بھی سویا ہوا تھا اس نے بیدار ہوتے ہی ان کی یہ مغلظات سنیں تو کہنے لگا تم کیا بکواس کررہی ہو میں نے تو ابھی ابھی خواب میں دیکھا ہے کہ غلام رسول پرآسمان سے اتنا نور برس رہا ہے کہ اس نے چاروں طرف سے اس کو گھیر لیا ہے۔

تمہیں کیا معلوم کہ تم جس کو برا سمجھتی ہو وہ خدا کے نزدیک برا نہ ہو۔اتنے میں میں بھی کوٹھڑی سے باہر نکل آیا اور ان کو احمدیت کے متعلق سمجھاتا رہا مگر ان پر کوئی اثر نہ ہوا بلکہ یہی میاں غلام احمد جس پر اللہ تعالیٰ نے رؤیا کے ذریعے سے اتمام حجت کردی تھی میرا اتنا مخالف اور دشمن ہوگیا کہ علماء کو بلا کر بھی احمدیت پر حملے کراتا اور مجھے ذلیل کرنے کی کوشش میں لگا رہتا۔آخر میرے مولا کریم نے میری نصرت کے لئے موضع راجیکی میں طاعون کے عذاب کو مسلط کیا اور غلام احمد اور اس کے ہمنواؤں کا صفایا کردیا۔وبائے طاعون میں تقویٰ وطہارت کو اختیار کرنے کی بجائے جب ان لوگوں نے یہ منصوبہ سوچا کہ اگر کوئی احمدی مرجائے تو اس کی قبر کھودی جائے اور نہ اسے اپنے قبرستان میں دفن ہونے دیا جائے تو میں نے خواب میں دیکھا کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے مکان کے اوپر کھڑے ہیں اور حفاظت فرمارہے ہیں۔چنانچہ ہمارا گھر تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے محفوظ رہا مگر ان بدخواہوں کے گھر طاعون سے ماتم کدے بن گئے۔محصل من تدکر۔

غلام احمد کے فوت ہوجانے کے بعد میں نے خواب میں دیکھا کہ قیامت کا روز ہے اور اللہ تعالیٰ نہایت

جلال کے ساتھ عدالت کی کرسی پر جلوہ فرما ہے۔ اتنے میں غلام احمد کو اور مجھے اللہ تعالیٰ کے حضور بلایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے غلام احمد سے پوچھا کہ تو نے مسیح موعود کی تکذیب اور انکار کیوں کیا، کیا تجھے ان کے متعلق علم نہیں ہوا تھا؟ اس کے جواب میں غلام احمد نے کچھ عذر کیا تو میں نے کہا کہ کیا میں نے بار بار سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بارہ میں اطلاع نہیں دی تھی اور کیا میں نے تبلیغ کے ذریعہ سے حضرت اقدس کے دعویٰ اور دلائل کو نہیں سمجھا دیا تھا۔ جب میں خواب سے بیدار ہوا تو مجھے معلوم ہوا کہ قیامت کے روز سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تصدیق اور تکذیب کے متعلق بھی ضرور باز پرس ہوگی۔

خدا تعالیٰ کی پردہ پوشی

۱۹۰۵ء میں جب حضور اقدس علیہ السلام نے زلزلہ کے بارہ میں بہت سے اشتہارات شائع فرمائے تھے تو میں ان دنوں حضور عالی کی بارگاہ اقدس میں ہی موجود تھا۔ اس لئے جب گاؤں واپس لوٹا تو اپنے ساتھ اشتہارات بھی لیتا آیا جن میں سے کچھ تو میں نے آتے ہوئے گاڑی میں تقسیم کر دیئے اور کچھ اپنے ساتھ گاؤں لے آیا۔

ان دنوں موضع گڈ ہوں کا ایک زمیندار خوشی محمد نامی جو احمدیت کی تبلیغ کی وجہ سے میرا بے حد مخالف تھا مجھے ملا تو میں نے زلزلہ کا ایک اشتہار اسے بھی دے دیا اور بتایا کہ جو پہلے زلزلہ آ چکا ہے اب اس سے بھی زیادہ شدید زلزلہ آئے گا اس لئے آپ کو چاہیے کہ آپ پہلے سے زیادہ عبرت حاصل کریں اور خدا کے مرسل کی تکذیب سے باز آ جائیں اس وقت خوشی محمد کے ساتھ ہمارے گاؤں کا ایک زمیندار مولا داد ولد غلام محمد بھی کھڑا تھا یہ شخص بھی احمدیت کی وجہ سے میرا سخت معاند تھا۔ ان دونوں نے جب زلزلہ کی پیشگوئی کے بارہ میں جب یہ اشتہار دیکھا اور میری باتیں بھی سنیں تو مجھے پوچھا کہ یہ موعود زلزلہ کب آئے گا۔ میں نے انہیں از روئے قرآن مجید سمجھایا کہ معین وقت تو خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں یہ یقینی بات ہے کہ پیشگوئی ضرور وقوع میں آئے گی۔ انہوں نے پھر اس پیشگوئی کا مقررہ وقت دریافت کرنے میں کفار مکہ کی طرح وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴿۴۹﴾ (یونس: ۴۹) پر اصرار کیا اور میں نے پھر قُلْ اِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ ۪ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ﴿۲۷﴾ (الملک: ۲۷) کے مطابق جواب دیا۔ آخر جب وہ پیچھے ہی پڑ گئے تو میں نے کم علمی کی بنا پر حضور اقدس علیہ السلام کے اشتہار اَلنِّدَآءُ مِنَ الْوَحْيِ السَّمَآءِ کے اس شعر سے کہ:

زلزلہ سے دیکھتا ہوں میں زمیں زیر و زبر
وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے

غلط اجتہاد کرتے ہوئے ان سے کہہ دیا کہ حضور اقدس علیہ السلام کے اس ارشاد سے کہ ''وقت اب نزدیک ہے آیا کھڑا سیلاب ہے'' یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی سال کے اندر اندر پوری ہو جائے گی انہوں نے کہا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو آپ کو مرزا صاحب کا دعویٰ جھٹلانا ہوگا میں نے کہا یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا البتہ اپنے اجتہاد کو غلط سمجھ لوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد ان دونوں نے مجھ سے اس معیاد کے متعلق تحریر لے لی اور چلے گئے۔

خدا تعالیٰ کی حکمت ہے کہ یہ تحریر انہوں نے اپنے پاس ہی رکھی اور کسی کو نہ دکھائی تھی اور ان میں سے ایک شخص اس معیاد کے تیسرے مہینے میں مر گیا اور دوسرا ساتویں مہینے اس جہان سے کوچ کر گیا اور ان کی وہ باتیں کہ ہم اس پیشگوئی کے معیاد کے اندر پورا نہ ہونے پر آپ کی گاؤں گاؤں بدنامی کریں گے خدا تعالیٰ نے پوری نہ ہونے دیں اور ان کے شر سے محفوظ رکھا اور میری اجتہادی غلطی کے متعلق چشم پوشی فرمائی۔

موضع رنمل کا واقعہ

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ کی بات ہے کہ ایک دفعہ میں اور حضرت حافظ روشن علی صاحب اور مولوی غوث محمد صاحب اور حکیم علی احمد صاحب رضی اللہ عنہم ضلع گجرات کا تبلیغی دورہ کرتے ہوئے حافظ صاحب کے گاؤں موضع رنمل تحصیل پھالیہ گئے۔ برسات کا موسم تھا اور آپ کا گاؤں بالکل دریائے چناب کے پاس ڈیڑھ میل پر واقع تھا رات ہم جب آپ کی بیٹھک میں سوئے ہوئے تھے تو مجھے خواب میں دکھایا گیا کہ آسمان پر سورج کے گرداگرد ایک ہالہ سا پڑھ گیا ہے اور سورج بالکل گرنے کے قریب ہے۔ جب میں اس خواب کی دہشت سے بیدار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ موسلا دھار بارش ہو رہی ہے اور بیٹھک کو چاروں طرف سے پانی نے گھیرا ہوا ہے۔ اسی وقت میں نے سب دوستوں کو جگایا اور باہر نکالا۔ خدا کی حکمت ہے کہ جب ہم سب دوست باہر آ گئے اور کچھ سامان بھی نکال لیا تو وہ بیٹھک دھڑام سے گر گئی اس کے بعد ہم کوچہ سے ہو کر پاس ہی ایک ماچھی (سقّہ) کے مکان میں آ گئے۔ اتفاق کی بات ہے کہ یہاں پہنچتے ہی مجھے پھر غنودگی سی محسوس ہوئی اور ایک غیبی آواز آئی کہ یہاں سے بھی جلدی نکلو۔ چنانچہ جب ہم اس گھر سے نکلے تو وہ بھی سیلاب کی نذر ہو گیا اس کے بعد ہم نے ایک مسجد میں پناہ لی تو وہاں جاتے ہی مجھے پھر نیند آ گئی تو

خدا تعالیٰ کی طرف سے پھر حکم ملا کہ یہاں سے بھی جلدی نکلو۔ چنانچہ وہاں سے بھی ہم نکلے تو اس مسجد کی ایک دیوار گر گئی اور سیلاب کا پانی اس کے اندر امڈ آیا۔ ادھر حضرت حافظ صاحب نے جو اپنے گھر میں سوئے ہوئے تھے جب سیلاب کا زور اور بارش کا طوفان دیکھا تو لالٹین لے کر ہماری تلاش میں نکل پڑے اور ہمیں ڈھونڈ کر اپنے گھر لے گئے۔ آخر خدا خدا کر کے یہ رات گزری اور ہم تبلیغی لیکچر دے کر اپنے گاؤں واپس آ گئے اور اس موقع پر حضرت سیدنا المسیح الموعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اعجازی برکات اور معجزانہ حفاظت اور بار بار کی الہامی تحریک اور ملائکہ کی تائید کے ذریعے ہمیں خدا تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا عجیب نشان دکھایا۔

موضع راجیکی کا واقعہ

میاں محمد الدین صاحب کشمیری جن سے میں نے سکندر نامہ تک فارسی تعلیم حاصل کی تھی ان کے والد ماجد میاں کریم بخش صاحب تھے جو کشمیر سے کسی حادثہ کی بناء پر ہمارے گاؤں آ بیٹھے تھے اور یہیں ہمارے بزرگوں کی خدمت میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی ایک دفعہ جب میاں محمد الدین صاحب کا چھوٹا بھائی میاں سلطان محمود سخت بیمار ہوا اور طبیبوں نے اس کی بیماری کو لاعلاج قرار دے دیا تو اس کی بیوی مسماۃ زینب بی بی میرے پاس آئی اور بڑی لجاجت سے دعا کے لئے کہا۔ اس وقت اگرچہ میاں سلطان محمود کی عمر کوئی پچپن سال کے قریب تھی مگر اس کی بیوی کی درخواست پر میں نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا کہ میاں سلطان محمود کی عمر اسی سال ہو گی چنانچہ اس بشارت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے صحت دی اور اسی سال تک زندہ بھی رہا۔ **الحمد للہ علی ذالک۔**

عمر بی بی

میرے احمدیت کے ابتدائی زمانہ میں جبکہ میری مخالفت بہت زوروں پر تھی اور مخالف لوگ میری عداوت میں طرح طرح کے شاخسانے کھڑے کرتے رہتے تھے۔ اس زمانے میں دھدریا کا ایک ماچھی (سقّہ) مسمی اللہ دتا میری باتیں سن کر لوگوں کی مخالفت پر بہت افسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک دن میری دعوت طعام کی اور مجھے اپنے گھر لے گیا میں نے اس کی بیوی عمر بی بی کو بھی اپنی احمدیت کی باتیں سنائیں۔ اس نے جب یہ باتیں سنیں تو کہنے لگیں یہ تو بڑی اچھی اور بھلی باتیں ہیں معلوم نہیں یہ لوگ کیوں

ان باتوں کو برا سمجھتے ہیں؟ اس کے بعد اس نے اپنے جوان عمر لڑکوں کو بلایا اور انہیں نصیحت کی کہ اگر تم میرے بچے ہو تو حضرت مرزا صاحبؑ اور غلام رسول صاحب کی کبھی مخالفت نہ کرنا۔ ان لڑکوں نے اور اس کے خاوند اللہ دتا نے جب اس کی یہ نصیحت سنی تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے تو جب میاں صاحب کے منہ سے حضرت مرزا صاحب کی باتیں سنی ہیں مرزا صاحب کو بزرگ اور پاک انسان سمجھتے ہیں۔ خدا کی حکمت ہے کہ کچھ عرصہ بعد عمر بی بی بیمار ہوگئی اور اس نے اپنے لڑکے حسن محمد کو میری طرف کہلا بھیجا کہ میرا آخری وقت ہے آپ ضرور آئیں۔ چنانچہ میں یہ پیغام سنتے ہی موضع دھدرہا پہنچا تو عمر بی بی کی حالت سکرات موت کی پائی۔ اس وقت مجھے اس کی ہمدردی اور احمدیت کی تائید یاد آئی تو دل بھر آیا اور میں نے دعا شروع کر دی ابھی دعا کرتے ہوئے کوئی دس منٹ ہی گزرے تھے کہ عمر بی بی نے آنکھیں کھول دیں اور مجھے کہنے لگی کہ میرا یہ آخری وقت ہے میرا جنازہ آپ نے پڑھانا ہوگا اور پھر خاوند اور بیٹے کو بھی مخاطب ہو کر کہا کہ میرا جنازہ ان کے بغیر کسی سے نہ پڑھایا جائے۔ اس ہوش کے لمحات میں میں نے اسے کہا کہ اگر تو پسند کرے تو میں تجھے کلمہ شریف کے معنے اور سورہ یٰسین سناؤں کہنے لگی کہ ہاں ضرور سنایئے جب میں نے اسے کلمہ کے معنے اور خدا تعالیٰ کے احسانات کا ذکر سنایا تو وہ آبدیدہ ہوگئی۔ اس کے بعد جب میں سورہ یٰسین بھی سنا چکا تو کہنے لگی کہ آپ مجھے اجازت دیں کہ میں اپنی لڑکی اور لڑکوں کو بھی مل لوں۔ میں نے کہا بڑی خوشی سے مل لو جب وہ اپنے بچوں سے مل چکی تو اس کے بعد پھر چارپائی پر لیٹ گئی اور کہنے لگی آپ سب مجھ سے کلمہ شریف سن لیں۔ چنانچہ دو تین مرتبہ اس نے کلمہ شریف کو دوہرایا اور کہنے لگی آپ سب میرے کلمہ کے گواہ رہیں اور فوت ہوگئی۔ اس کے فوت ہونے کے بعد میں نے اس کا جنازہ پڑھایا تو اسی رات میں نے خواب میں دیکھا کہ وہ ہنستی ہوئی آئی ہے میں نے پوچھا کہ عمر بی بی تیرا کیسا حال ہے کہنے لگی کہ آخری وقت آپ کے آ جانے سے اور کلمہ شریف کے معنے اور سورہ یٰسین پڑھ کر سنانے اور دعا کرنے سے میں ایمان ساتھ لے آئی ہوں یہ سن کر مجھے بے حد مسرت ہوئی اور میں بیدار ہوگیا۔ الحمدللہ علی ذالک۔

اعجاز احمدیت

فیضان ایزدی نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بیعت راشدہ کے طفیل اور تبلیغ احمدیت کی برکت سے میرے اندر ایک ایسی روحانی کیفیت پیدا کر دی تھی کہ بعض اوقات جو کلمہ بھی میں منہ سے نکالتا تھا اور مریضوں اور حاجت مندوں کیلئے دعا کرتا تھا مولیٰ کریم اسی وقت میرے معروضات کو

شرف قبولیت بخش کرلوگوں کی مشکل کشائی فرما دیتا تھا۔ چنانچہ جب میں ایک موقع پر موضع سعداللہ پور گیا تو میں نے چوہدری اللہ داد صاحب کو جو چوہدری عبداللہ خاں نمبردار کے برادرزادہ تھے اورابھی احمدیت سے مشرف نہ ہوئے تھے۔مسجد کی ایک دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ بےطرح دمہ کے شدید دورے میں مبتلا تھے اور سخت تکلیف کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ میں نے وجہ دریافت کی تو انہوں نے بتایا کہ مجھے پچیس سال سے پرانا دمہ ہے جس کی وجہ سے زندگی دوبھر ہوگئی ہے۔ میں نے علاج معالجہ کی نسبت پوچھا تو انہوں نے کہا کہ دوردور کے قابل طبیبوں اور ڈاکٹروں سے علاج کروا چکا ہوں مگرانہوں نے اس بیماری کوموروثی اورمزمن ہونے کی وجہ سے لاعلاج قرار دیا ہے اس لئے اب میں اس کے علاج سے مایوس ہو چکا ہوں۔ میں نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توکسی بیماری کو **لکل داءٍ دواء** کے فرمان سے لاعلاج قرارنہیں دیا۔ آپ اسے لاعلاج سمجھ کر مایوس کیوں ہوتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اب مایوسی کے سوااور کیا چارہ ہے میں نے کہا کہ ہمارا خدا تو **فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ** ہے اوراس نے فرمایا ہے کہ:

وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۸۸

(یوسف:۸۸)

یعنی یاس اور کفر تو اکٹھے ہو سکتے ہیں لیکن ایمان اور یاس اکٹھے نہیں ہو سکتے۔ اس لئے آپ ناامید نہ ہوں اورابھی پیالہ میں تھوڑا سا پانی منگائیں میں آپ کو دم کر دیتا ہوں۔ چنانچہ اسی وقت انہوں نے پانی منگایا اور میں نے خدا تعالیٰ کی صفت شافی سے استفادہ کرتے ہوئے اتنی توجہ سے اس پانی پر دم کیا کہ مجھے خدا تعالیٰ کی اس صفت کے فیوض سورج کی کرنوں کی طرح اس پانی پر برستے نظر آئے۔ اس وقت مجھے یقین ہو گیا کہ اب یہ پانی افضال ایزدی اور حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی برکت سے مجسمہ شفا بن چکا ہے۔ چنانچہ جب یہ پانی میں نے چوہدری اللہ داد کو پلایا تو آن کی آن میں دمہ کا دورہ رک گیا اور پھر اس کے بعد انہیں کبھی یہ عارضہ نہیں ہوا حالانکہ اس واقعہ کے بعد چوہدری اللہ داد پندرہ سولہ سال تک زندہ رہے اس قسم کے نشانات سے اللہ تعالیٰ نے چوہدری صاحب موصوف کو احمدیت بھی نصیب فرمائی اور آپ خدا کے فضل سے مخلص اور مبلغ احمدی بن گئے۔ **الحمدللہ علی ذالک**۔

دستِ غیب

ایسا ہی ایک موقع پر چوہدری اللہ داد صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ یہ جو دست غیب سے متعلق

مشہور ہے کہ بعض وظائف یا بزرگوں کی دعا سے انسان کی مالی امداد ہو جاتی ہے کیا یہ صحیح بات ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں بعض خاص گھڑیوں میں جب انسان پر ایک خاص روحانی کیفیت طاری ہوتی ہے تو اس وقت اس کی تحریری یا تقریری دعا باذن اللہ یقیناً حاجت روائی کا موجب ہو جاتی ہے۔ میری یہ بات سن کر چوہدری اللہ داد کہنے لگے تو پھر آپ مجھے کوئی ایسی دعا یا عمل لکھ دیں جس سے میری مالی مشکلات دور ہو جائیں میں نے کہا کہ اچھا اگر کسی دن خاص وقت اور گھڑی میسر آ گئی تو انشاء اللہ میں آپ کو کوئی دعا لکھ دوں گا۔ چنانچہ ایک دن جب افضال ایزدی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے مجھے روحانی قوت کا احساس اور قوت مؤثرہ کی کیفیت کا جذبہ محسوس ہوا تو میں نے حسب وعدہ چوہدری اللہ داد صاحب کو ایک دعا لکھ دی جس کے الفاظ غالباً اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ (اے اللہ میرے لئے حرام کی بجائے حلال ہی کافی ہو اور اپنے فضل سے مجھے بے نیاز کر دے ہر اُس چیز سے جو تیرے سوا ہے) تھے اور تلقین کی کہ وہ اس دعا کو ہمیشہ اپنے پاس رکھیں۔ چنانچہ اس وقت انہوں نے اس دعا کو اپنی پگڑی کے ایک گوشہ میں باندھ کر محفوظ کر لیا۔ خدا کی حکمت ہے کہ میرے مولا کریم نے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل وقت اس ناچیز کی دعا کو ایسا قبول فرمایا کہ ایک سال تک چوہدری اللہ داد غیبی امداد اور مالی فتوحات کے کرشمے اور عجائبات ملاحظہ کرتے رہے اس کے بعد سے سوء اتفاق سے یہ دعا چوہدری اللہ داد صاحب سے ضائع ہو گئی اور وہ دست غیب کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

دستِ شفاء

میں ایک دفعہ تبلیغ کی غرض سے موضع رجوعہ اور ہیلاں تحصیل پھالیہ کی طرف گیا ہوا تھا کہ میرے ایک دوست چوہدری کرم داد ولد چوہدری راجہ خاں وڑائچ ساکن خوجیانوالی بعارضہ بخار بیمار ہو گئے اور بخار کی حالت میں انہیں سر درد کا ایسا شدید دورہ پڑا کہ آپ موصوف نے اس شدت کی وجہ سے اپنا سر دیواروں میں ٹکرانا شروع کر دیا۔ ان کے گھر والوں نے ان کی جب یہ ناگفتہ بہ حالت دیکھی تو انہوں نے اس علاقہ کے مشہور طبیب حکیم غلام حسین کو بطور معالج کے منگایا اور ساتھ ہی قرآن مجید کے بعض حفاظ کو دم کرنے کیلئے بلا بھیجا۔ چوہدری کرم دین کی حالت جب پھر بھی نہ سنبھلی تو ان کے اصرار پر ان کا بھائی چوہدری حسن محمد مجھے بلانے کے لئے موضع راجیکی سے ہو کر موضع رجوعہ اور پھر ہیلاں پہنچا اور میرے پاس چوہدری کرم داد کی ساری کیفیت بیان کی۔ میں یہ سنتے ہی جب موضع خوجیانوالی پہنچا تو حکیم غلام حسین جو

احمدیت کے متعلق کسی قدر مخالف اور معترضانہ صورت میں باتیں کر رہا تھا مجھے دیکھتے ہی کہنے لگا کہ مولانا صاحب آپ کٹر مرزائی ہیں اور یہ مرض بھی ہم اطباء کے نزدیک مایوس العلاج ہو چکا ہے اگر آپ اب کوئی مرزا صاحب کی برکت کا معجزہ دکھائیں تو معلوم ہو کہ آپ کا مرزائی ہونا اور مرزا صاحب کا مہدی و مسیح ہونا کیا وزن رکھتا ہے۔ حکیم غلام حسین کا یہ کہنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے اندر بجلی کی سی رو چلا دی اور میں لوگوں میں سے گزر کر چوہدری کرم داد کے پاس پہنچا اور السلام علیکم کہا۔ انہوں نے جب میری آواز سنی تو کہنے لگے خدا کا شکر ہے کہ آپ تشریف لے آئے ہیں اب میں خدا کے فضل سے اچھا ہو جاؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت میں نے ان کے بندھے ہوئے سر سے پٹکا اتارا اور اپنا ہاتھ ان کے ماتھے پر رکھا۔ ابھی کوئی دس منٹ ہی گزرے ہوں گے کہ ان کا بخار اور سر درد غائب ہو گیا۔ میں نے ان سے حالت دریافت کی تو کہنے لگے اب تو بالکل اچھا ہوں۔ میں نے اسی وقت حکیم غلام حسین کو بلایا اور کہا کہ اب آپ بھی مریض کو دیکھ لیں۔ چنانچہ جب حکیم غلام حسین نے چوہدری کرمداد کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور اس کی نبض پر ہاتھ رکھا تو حیرت زدہ ہو گیا اور کہنے لگا کہ بھائی مان لیا ہے کہ مرزائی پکے جادوگر ہیں اور اس فن میں کمال رکھتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے حکیم غلام حسین کو کہا کہ جس بات کو آپ نے مرزا صاحب کی صداقت کا نشان ٹھہرا کر معجزہ طلب کیا تھا اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس وقت آپ پر اتمام حجت کر دی ہے اور علمی رنگ میں تو پہلے ہی آپ بارہا سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کے نشانات اور علامات ملاحظہ کر چکے ہیں اس لئے اگر اب بھی آپ نے احمدیت قبول کرنے سے اعراض کیا تو یاد رکھیے تو پھر خدا تعالیٰ کے مواخذہ اور گرفت سے نہیں بچ سکیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ چند روز کے بعد اس دنیا سے کوچ کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کو اپنی موت سے ثابت کر گیا۔

تاثیرِ دُعا

موضع راجیکی میں ہمارا ایک حجام محمد الدین نائی رہتا تھا اس کی شادی پر تقریباً بیس سال کا عرصہ گزر چکا تھا مگر اولاد کی نعمت سے محروم تھا کیونکہ اس کے گھرانے کو ہمارے چچا زاد بھائی حافظ غلام حسین صاحب اور ہمارے چچا صاحب حضرت میاں علیم الدین صاحب کیساتھ بے حد عقیدت تھی اس لئے یہ حجام اور اس کی بیوی مسماۃ سیداں اکثر ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اولاد کے لئے دعائیں اور تعویذات کراتے رہتے تھے۔ ایک لمبا عرصہ کے بعد جب ان کی دعاؤں اور تعویزوں سے کوئی فائدہ

حاصل نہ ہوا تو یہ لوگ اولاد سے مایوس ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگر چہ احمدیت کی برکت سے اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیضان سے میری دعاؤں اور ان کے اثرات کا عام چرچا تھا۔ مگر علماء کے فتاویٰ تکفیر اور مقاطعہ کی وجہ سے ان لوگوں کو میرے پاس آنے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ پھر محمد الدین حجام اور اس کی بیوی سیداں میرے پاس آنے سے اس وجہ سے بھی گریز کرتے تھے کہ اگر حافظ صاحب کو پتہ چل گیا تو وہ ناراض ہو جائیں گے۔ آخر ان کی بیوی کی حالت یہاں تک پہنچی کہ ایک دن سیداں نے ان دونوں بزرگوں کی خدمت میں کہا کہ اگر لڑکا نہیں ہوسکتا تو نہ سہی میرے گھر میں لڑکی ہی پیدا ہو جائے یہی غنیمت ہے۔ تو ایک دن میرے چچا حضرت میاں علیم الدین نے اس کو کہا کہ تم میاں غلام رسول کے پاس جاؤ اور اس سے دعا کراؤ کیونکہ خدا تعالیٰ اس کی دعائیں قبول بھی کرتا ہے اور پھر بذریعہ بشارات اسے اطلاع بھی دیتا ہے۔ سیداں نے جب یہ بات سنی تو اس نے کہا کہ میاں غلام رسول صاحب سے ایک تو مجھے شرم آتی ہے اور دوسرے اگر حافظ صاحب کو معلوم ہو گیا تو وہ ضرور مجھے ڈانٹیں گے کہ تم نے اس مرزائی سے کیوں دعا کرائی ہے اس لئے میرے لئے آپ ہی انہیں دعا کے لئے فرمائیں اور میری سفارش بھی کر دیں۔ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ میں بھی ان سے کہوں گا مگر تمہارا ان کے پاس جانا نہایت ضروری ہے۔ اس کے بعد حضرت میاں صاحب سیداں کو لے کر میرے پاس تشریف لائے اور یہ فرماتے ہوئے کہ اس نے بارہا مجھے آپ سے دعا کرانے کے لئے کہا ہے مجھے دعا کرنے کے لئے ارشاد فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ایسے ولیوں اور حافظ صاحب ایسے بزرگوں کی موجودگی میں اسے میرے ایسے کافروں سے دعا کرانے کی کیا ضرورت ہے؟ سیداں نے کہا۔ اگر مولویوں نے آپ پر کفر کا فتویٰ لگایا ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے اگر ہم آپ کو کافر سمجھتے تو آپ کی خدمت میں دعا کے لئے کیوں حاضر ہوتے؟ میں نے کہا اگر یہ بات ہے تو میری دعا تو احمدیت کی سچائی کے اظہار کے لئے ہوسکتی ہے تا کہ اس دعا کے ذریعہ آپ لوگوں پر اتمام حجت ہو جائے اور اس موقع پر جب کہ تمہارے پیر اور بزرگ سالہا سال سے دعاؤں اور تعویذوں میں لگے ہوئے ہیں میری دعا کے نتائج کیسے واضح ہوسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ مولا کریم سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے اس ناچیز کی دعا کو سن کر تمہیں کوئی بچہ عطا فرمائے اور تم اسے بجائے حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی صداقت کا نشان سمجھنے کے پھر انہی پیروں فقیروں کی دعا کا نتیجہ خیال کرنے لگ جاؤ۔ اس بات کو سن کر حضرت چچا علیم الدین صاحب نے فرمایا کہ ہماری دعاؤں اور عملوں کے اثرات تو لوگ سالہا سال سے دیکھ چکے ہیں کہ اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اس لئے اگر تمہیں کسی اشتباہ کا خیال ہے تو ہم تمہیں

اس قسم کی تحریر دینے کے لئے تیار ہیں جس میں اپنی دعاؤں اور عملیات کی ناکامی کا اقرار ہوگا۔ میں نے کہا کہ اگر آپ اس بات کا اقرار کرتے ہیں تو پھر آج کی تاریخ سے ایک سال کے اندر اندر اگر سیداں اور محمد الدین کے ہاں کوئی بچہ یا بچی پیدا ہو تو وہ احمدیت کا نشان ہوگا۔ انہوں نے اس بات کو تسلیم کرلیا اور میں نے خدا کے حضور دعا شروع کر دی۔ خدا کی قدرت ہے کہ سال کے اندر ہی میرے خیر الراحمین کی رحمت اور میرے مسیح موعود قادیانی کی برکت سے اس حجام کے گھر لڑکی پیدا ہوگئی۔ گاؤں والوں نے اور گردونواح کے لوگوں نے جب اس نشان کو دیکھا کہ بعد شادی سالہا سال کے عرصہ بعد احمدیت کی برکت سے اس حجام کو خدا تعالیٰ نے اولاد دی ہے تو انگشت بدنداں ہوگئے۔ مگر پھر بھی یہ بدبخت لوگ احمدیت کے قریب نہ ہوئے۔ آخر جب اس لڑکی کی عمر چند سال ہوئی تو ان لوگوں نے اس کرامت کو اپنے خبث باطن اور انتہائی شرارت سے پھر اپنے پیروں کی طرف منسوب کرنا شروع کر دیا اور جابجا حافظ صاحب کا چرچا شروع ہوگیا۔ میں نے جب یہ حق پوشی کا مظاہرہ دیکھا تو مجھے بے حد تکلیف ہوئی اور میں نے اپنے چچا صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے آپ نے فرمایا کہ میں تو مانتا ہوں کہ یہ آپ کی متحدیانہ دعاؤں کا نشان ہے مگر یہ جہلاء کا طبقہ احمدیت کے انتہائی بغض وعناد کی وجہ سے اسے حافظ غلام حسین کا کرشمہ اور معجزہ قرار دے رہا ہے۔ ایسا ہی میں نے سیداں سے کہا کہ تم نے احمدیت کا نشان دیکھا ہے اور پھر اس کے خلاف ان لوگوں کی باتیں بھی سنی ہیں مگر تو نے سچی گواہی کو چھپایا ہے اس لئے میں احمدیت کی غیرت کی وجہ سے اب یہ کہتا ہوں کہ اگر اس لڑکی کے بعد بھی تیرے ہاں کوئی اولاد پیدا ہوئی تو یہ سمجھنا کہ لڑکی میری دعا سے پیدا نہیں ہوئی بلکہ کسی غیر احمدی کی دعا سے پیدا ہوئی ہے اور پھر اگر یہ لڑکی آج کے دن سے ایک سال تک زندہ رہی تو پھر بھی یہی سمجھنا کہ یہ میری دعا کا نتیجہ نہیں بلکہ کسی غیر احمدی کی دعا کا نتیجہ ہے۔ پس اب احمدی اور غیر احمدی کی دعا میں یہی ایک مابہ الامتیاز ہے۔ خدا کی قدرت ہے کہ سیداں میری یہ بات سن کر گھر پہنچی ہی تھی کہ اس کی یہ لڑکی بیمار ہوگئی اور پھر سال کے اندر اندر فوت ہوگئی اور اس کے بعد دونوں میاں بیوی بغیر اولاد کے ہی اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار۔

کرشمہ قدرت

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد ہمایوں میں جب غیر احمدیوں کے ہمراہ نماز پڑھنے سے جماعت احمدیہ کو ممانعت ہوگئی اور ہم نے مسجد میں علیحدہ نماز پڑھنی شروع کر دی تو غیر احمدیوں نے میری

ذات کوتفرقہ کا موجب سمجھتے ہوئے میری بے حد مخالفت کی ۔ چنانچہ انہی مخالفت کے ایام میں یہ واقعہ رونما ہوا کہ موضع سعد اللہ پور میں ارائیں قوم کے دو بھائی مہر شرف دین اور مہر غلام محمد جو بڑے بارسوخ آدمی تھے ان میں سے مہر غلام محمد جو خوبصورت اور پہلوان اور جوان تھا اس نے دوسری شادی کرنے کے لئے ارائیں قوم کی ایک بیوہ لڑکی کے رشتہ کے متعلق اس کی والدہ اور بھائیوں کو بار بار تحریک کی ۔ مگر انہوں نے سوتاپے کی وجہ سے یا کسی اور بناء پر اس لڑکی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا ۔ مہر غلام محمد نے جب اپنی کوشش کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تو دور ونزدیک کے بعض رشتہ داروں سے تحریک کروائی لیکن پھر بھی یہ بیل منڈھے نہ چڑھی اور لڑکی والوں نے صاف انکار کر دیا ۔ مہر غلام محمد نے جب یہ محرومی دیکھی تو اس نے ملتان سے لے کر راولپنڈی تک کے تمام سجادہ نشینوں پیروں اور فقیروں سے تعویذات اور عملیات اور دعائیں کرانا شروع کر دیں یہاں تک کہ جب اسی دوڑ دھوپ میں سات سال کا عرصہ گزر گیا اور پیروں فقیروں کے عملیات اور دعاؤں کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو وہ بے حد مایوس ہو گیا ۔ اسی دوران میں جب میں ایک دن سعد اللہ پور کی مسجد میں عام غیر احمدیوں کو احمدیت کی تبلیغ کر رہا تھا تو مہر غلام محمد کا ایک حمایتی کہنے لگا کہ اس زمانہ میں مسیح اور مہدی ہونے کا دعویٰ تو لوگ کرتے ہیں مگر نور اور ایمان کسی میں نہیں پایا جاتا ۔ میں نے اسے سمجھایا کہ نور اور ایمان اور معجزات تو ہمیشہ خدا تعالیٰ کے انبیاء اور اولیاء دکھاتے چلے آئے ہیں مگر دشمنوں کی اندھی آنکھیں انہیں دیکھنے سے قاصر رہی ہیں ۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں لاکھوں نور اور ایمان سے بھرے ہوئے معجزات دنیا کو دکھائے مگر کفار مکہ نے پھر بھی کہا کہ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ ۔ کہ کاش اس پر کوئی نشان ہی خدا کی طرف سے اتارا جاتا ۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے جواب میں فرماتا ہے :

وَمَا تَاۡتِیۡہِمۡ مِّنۡ اٰیَۃٍ مِّنۡ اٰیٰتِ رَبِّہِمۡ اِلَّا کَانُوۡا عَنۡہَا مُعۡرِضِیۡنَ۝ (الانعام)

کہ جب بھی خدا کے نشانوں میں سے کوئی نشان کافروں کو دکھایا گیا انہوں نے اس سے اعراض ہی کیا ہے ۔ ایسا ہی فی زمانہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی ہزاروں اور لاکھوں نشانات منکروں کو دکھائے ہیں اور ماننے والی سعید روحوں نے ان کو دیکھ کر حضرت اقدس علیہ السلام کی بیعت بھی کر لی ہے ۔ مگر دشمن اب بھی اس طرح لَوۡلَاۤ اُنۡزِلُ عَلَیۡہِ اٰیَۃٌ کے الفاظ کو دوہرا رہے ہیں ۔ میری یہ بات سن کر اسی غیر احمدی نے کہا کہ مہر غلام محمد سات سال سے ایک بیوہ عورت کے لئے ملتان سے لے کر راولپنڈی تک پیروں فقیروں اور عاملوں کے پاس ٹھوکریں کھا رہا ہے مگر آج تک اس کی حاجت روائی نہیں ہوئی ۔ اب

آپ ہی بتایئے کہ جب مہر غلام محمد کی اتنی سی گتھی نہیں سلجھ سکی تو مہدی و مسیح ہونے کا دعویٰ کس کام کا ہے؟ میں نے کہا ہم تو جب ہی اس اعتراض کو صحیح مان سکتے ہیں کہ مہر غلام محمد نے ہمارے سید و مولا مسیح قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کسی امر کے متعلق دعا کروائی ہو اور وہ پوری نہ ہوئی ہو۔ ورنہ اس صورت میں تو ہم پر اعتراض نہیں آتا بلکہ آپ کے غیر احمدی پیروں اور فقیروں اور مرشدوں پر آتا ہے۔ وہ غیر احمدی کہنے لگا اچھا اگر مہر غلام محمد مرزا صاحب کے پاس نہیں گیا تو کیا ہوا آپ جو مرزا صاحب کے مرید یہاں موجود ہیں آپ ہی کوئی کرشمہ دکھائیں۔ میں نے کہا کہ مجھے تو کسی اعجاز نمائی کا دعویٰ نہیں میں تو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں میں سے ایک ناچیز آدمی ہوں۔ البتہ مہر غلام محمد اگر مجھ سے اس امر کی عقدہ کشائی کی درخواست کرے گا تو احمدیت کی تبلیغ کی غرض سے اور اتمام حجت کے لئے میں ضرور اس معاملہ میں دعا کروں گا۔ ان لوگوں نے جب میری یہ بات سنی تو مہر غلام محمد کو میری طرف بھیجا۔ اس نے آتے ہی اپنی تمام داستان ناکامی کی روئداد سنائی اور ان پیروں فقیروں کے عملیات کی ناکامی کا ذکر کیا اور بتایا کہ جب بھی میں ان لوگوں کی ہدایت کے مطابق تعویذ لے کر لڑکی والے کوچہ سے گزرا ہوں تو ہمیشہ ہی مجھے اس لڑکی نے اور اس کے خاندان والوں نے انتہائی طور پر ذلیل کیا ہے اور گالیاں دی ہیں۔ اس لئے اب میں سمجھ گیا ہوں کہ ان پیروں فقیروں میں کوئی تاثیر اور ایمان باقی نہیں رہا۔ میں نے کہا اچھا اب میں ایک عمل بتاتا ہوں اگر اس کی تاثیر سے یہ لڑکی اور اس کی ماں خود تمہارے پاس پہنچیں اور نکاح کی درخواست کریں تو سمجھنا یہ احمدیت کی برکت ہے اور ہماری صداقت کا ایک نشان ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اسے ایک روحانی عمل بتایا۔ خدا کی حکمت ہے کہ مہر غلام محمد نے وہ عمل شروع کیا اور جلد ہی وہ لڑکی اور اس کی ماں گھر سے نکلیں اور مہر غلام محمد کو گاؤں میں تلاش کرتی ہوئیں اس کے پیچھے جنگل میں پہنچیں اور نہایت زاری کے ساتھ کہنے لگیں کہ آپ ہم دونوں میں سے جس کے ساتھ چاہیں شادی کر لیں ہم راضی ہیں۔ چنانچہ اسی وقت وہ مہر غلام محمد کو اپنے ساتھ گھر لے آئیں اور دن کے گیارہ بجے کے قریب اس لڑکی کے ساتھ مہر غلام محمد کا عقد (نکاح) ہو گیا۔ اس کرشمۂ قدرت کا ظاہر ہونا تھا کہ اس گاؤں کے مرد و زن اور گرد و نواح کے لوگ حیرت زدہ ہو گئے اور مہر شرف دین اور ان کے گھرانے کے افراد نے احمدیت کو قبول کر لیا اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر آپ کی اس اعجازی برکت کا مشاہدہ کر کے ایمان لے آئے۔ **الحمد للہ علیٰ ذالک۔**

دعائے مستجاب

مثنوی مولانا روم علیہ الرحمۃ کی تعلیم کے دوران جب میں موضع گولیکی میں اقامت گزیں تھا تو ان دنوں میں اکثر صوم الوصال کے روزے رکھا کرتا تھا۔ ایک دن روزے کی وجہ سے مجھے دودھ پینے کی خواہش محسوس ہوئی تو اس وقت موضع مذکور کا ایک زمیندار مسمی اللہ دتا میرے لئے دودھ کا ایک برتن لے آیا اور اسی طرح تقریباً ہفتہ بھر وہ کسی تحریک کے بغیر ہی میری خدمت کرتا رہا۔ چونکہ اس سے قبل میری اس شخص سے کوئی شناسائی نہ تھی اس لئے میں نے ایک روز اس سے اس مدارات کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ آپ چونکہ راجیکی والے بزرگوں کی اولاد سے ہیں اور پھر ہر روز آٹھ پہرہ روزہ رکھتے ہیں اس لئے مجھے خیال آیا ہے کہ میں آپ ایسے بزرگوں کی کوئی خدمت کروں۔ میں نے کہا کہ اگر آج تم اس خدمت گزاری کی اصل وجہ بیان نہیں کرو گے تو میں یہ دودھ ہرگز نہیں پیئوں گا۔ وہ کہنے لگا یہ خدمت تو میں فقط ثواب کے حصول کی غرض سے بجا لا رہا ہوں مگر ویسے آپ کی دعاؤں کا حاجت مند ہوں کیونکہ میرے سات بچے بڑے خوبصورت پیدا ہوئے تھے مگر ان میں سے ہر ایک سال دو سال کی عمر پا کر فوت ہو گیا ہے۔ ان بچوں کے متواتر فوت ہو جانے کی وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ اٹھرا کا مرض ہے مگر بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مصیبت کسی جادو کے نتیجہ میں آئی ہے یا کسی بزرگ کی سوءادبی کی سزا ہے اس لئے اب اس کو ٹلانے کے لئے کسی ایسے کامل فقیر کی ضرورت ہے جو نوشتہ قسمت کو بدل دے۔ جب اس نے لوگوں کی اس قسم کی باتیں سنائیں اور چند دن کے بعد اس کا آخری لڑکا بھی فوت ہو گیا تو وہ پھر میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ خدا تعالیٰ مجھ گنہگار کو بخشے اور آئندہ ان صدمات سے محفوظ رکھے۔ میں نے جب اس کی یہ دست بستہ التجائیں سنیں تو میرا دل اس کی حالت پر پگھل گیا اور میں نے اسے کہا کہ میں انشاء اللہ تمہارے لئے دعا کروں گا اور جب تک میرا مولا کریم تمہارے بارہ میں میری تسلی نہ فرماوے میں انشاء اللہ دعا کا سلسلہ جاری رکھوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد متواتر ایک عرصہ تک جب میں نے اس کے لئے دعا کی تو آخر میرے خیر الراحمین خدا نے مجھے یہ بشارت دی اور مجھے مطمئن فرمایا کہ اب اللہ دتا کا کوئی بچہ بچپن میں فوت نہیں ہوگا۔ چنانچہ میں نے یہ بشارت قبل از وقت اللہ دتہ اور بعض دوستوں کو اس وقت سنا دی اور اس کے بعد جیسا کہ مولا کریم نے فرمایا تھا اس کے یہاں دو لڑکے اور ایک لڑکی پیدا ہوئی جو خدا کے فضل سے بڑے ہوئے اور اب صاحب اولاد بھی ہیں۔ **الحمد للہ علیٰ ذالک۔**

دعا سے معجزانہ شفا

ایسا ہی موضع مذکور میں ایک دفعہ چوہدری اللہ داد خاں ولد چوہدری عالم خاں صاحب کا چار سال کا بچہ شدید بیمار ہو گیا اور اس کی حالت مایوس العلاج ہو گئی۔ اس وقت چوہدری اللہ داد خاں نے مجھے بلا کر وہ بچہ دکھایا۔ (وہ بچہ بالکل مشت استخوان نظر آتا تھا) اور دعا کی درخواست کی۔ میں نے اس وقت دعا بھی کی اور ایک نسخہ بھی بتایا جو اسے استعمال کرایا گیا۔ اس کے بعد میں نے چوہدری اللہ داد خاں سے کہا کہ جب میں سال کے بعد آؤں گا تو یہ لڑکا اتنا تندرست ہوگا کہ میں اسے پہچان بھی نہ سکوں گا چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسا ہی وقوع میں آیا۔

ایسا ہی موضع مذکور میں چوہدری محمد الدین جو نہایت ہی مخلص احمدی تھے انہوں نے مجھے اپنے لڑکے چوہدری محمد نواب کے متعلق کہا کہ اس کے پہلے بچے فوت ہو چکے ہیں اور اب کافی عرصہ سے اس کے گھر کوئی اولاد نہیں ہوئی اس لئے آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے اولاد دے میں نے اس کے متعلق دعا کی اور خدا تعالیٰ سے خبر پا کر کہا کہ میں جب دوبارہ آؤں گا تو خدا کے فضل سے محمد نواب کے یہاں لڑکا کھیلتا ہوگا۔ اس کے فضلوں کی بات ہے کہ جب میں دوسرے یا تیسرے سال موضع گولیکی آیا تو چوہدری اللہ داد خان نے مجھے ایک بالکل تندرست لڑکا دکھایا اور کہا کہ آپ نے پہچانا ہے کہ یہ لڑکا کون ہے؟ میں نے کہا معلوم نہیں۔ کہنے لگے یہ وہی لڑکا تو ہے جس کے متعلق آپ نے دعا فرمائی تھی اور کہا تھا کہ میں جب دوبارہ گولیکی آؤں گا تو اسے پہچان بھی نہ سکوں گا۔ اس کے بعد چوہدری محمد الدین آئے اور مجھے اپنے یہاں لے گئے جب میں وہاں پہنچا تو انہوں نے مجھے اپنا پوتا دکھایا جس کے متعلق میں انہیں ایک دو سال پہلے خوشخبری سنا چکا تھا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

جھنگ شہر میں خدائی نشان

جب آریوں کی طرف سے ملکانہ کے علاقہ میں شدھی کی تحریک زوروں پر تھی اور وہ مسلمانوں کے ارتداد کے لئے علاوہ اور ذرائع اختیار کرنے کے ان کی مفلسی اور اقتصادی بد حالی سے بھی ناجائز فائدہ اٹھا رہے تھے اور ان کو رقمی اور مالی امداد کا طمع دے کر شدھ کر رہے تھے تو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے یہ تحریک فرمائی کہ ارتداد کی ایسی تحریکات کے مضر اثرات سے بچنے کے لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بھی اپنی اقتصادی حالت کو درست کریں اور اپنی تجارت کاروبار کو وسیع کر کے اور اپنی دکانیں کھول کر اور

ان کوترقی دے کر اپنی مفلسی کو دور کریں۔اس غرض کے لئے حضور رضی اللہ عنہ نے ایک تنظیم کے ماتحت مبلغین کومختلف علاقہ جات میں بھجوایا۔اس سلسلہ میں خاکسار کوضلع جھنگ میں متعین کیا گیا۔ جب میں شہر جھنگ میں پہنچا تو میں نے حالات کے پیش نظر مقامی احمدی احباب کے پاس جانا پسند نہ کیا اور شہر میں دریافت کیا کہ جھنگ میں زیادہ بااثر اور معزز رئیس جوشریف طبع اور بااخلاق بھی ہوکون ہے؟ مجھے بتایا گیا کہ میاں شمس دین صاحب میونسپل کمشنران اوصاف کے مالک ہیں۔ چنانچہ میں ان کی رہائش گاہ کا پتہ لے کر وہاں پہنچا۔میاں شمس الدین صاحب اپنے گھر کے بڑے صاحب ہیں اپنے حلقہ احباب میں بیٹھے ہوئے تھے مجلس میں تقریباً ہر طبقہ کے لوگ شامل تھے۔بعض کے آگے بڑے قیمتی حقے رکھے ہوئے تھے اورخود میاں شمس دین صاحب بھی حقہ پی رہے تھے جس پر چاندی کی گلکاری کی ہوئی تھی۔مجلس کے قریب پہنچتے ہی میں نے اونچی آواز سے السلام علیکم کہا۔علیک سلیک کے بعد میاں صاحب نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں۔ میں نے کہا کہ قادیان مقدس سے آیا ہوں اور احمدی ہوں انہوں نے مقصد دریافت کیا تو میں نے مختصر طور پر آریوں کی تحریک شدھی مسلمانوں کی اقتصادی بدحالی اور اس کے تدارک کے متعلق ضروری اسکیم کا ذکر کیا اور وہ امور بیان کئے جو سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے رسالہ اسلام میں ذکر فرمائے تھے۔میاں شمس دین صاحب نے کہا کہ مقاصد تو اچھے ہیں لیکن کسی قادیانی کے لئے یہاں بیٹھنا تو درکنار کھڑا ہونے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ میں نے ان کی خدمت میں احمدیہ جماعت کا اور اس کے مقدس امام کی مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی اور ان کی بروقت امداد کا ذکر کیا اور ان کو بھی اس مفید اسکیم کی طرف توجہ دلائی لیکن انہوں نے بے التفاتی برتی۔ دریں اثناء ایک طبیب نے جو اسی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کسی تعلق سے کہا کہ علم الطبیب یقینی علم ہے۔ میں نے اس کی یہ بات سن کر عرض کیا کہ اس وقت تو میں جارہا ہوں کسی علمی بات کا موقع نہیں صرف اتنا کہہ دیتا ہوں کہ افلاطون کا مشہور مقولہ اطباء اسلام نے نقل کیا ہے کہ اَلْمُعَالَجَۃُ کَرَمْیِ السَّھْمِ فِی الظُّلُمَاتِ قَدْ یُخْطِیٔ وَقَدْ یُصِیْبُ یعنی مریضوں کا علاج معالجہ اندھیرے میں تیر پھینکنے کی طرح ہے جو کبھی نشانہ پر بیٹھتا ہے اور کبھی خطا جاتا ہے پس علم طب کو یقینی علم کہنا درست نہیں۔

میں ابھی اس سلسلہ میں بات کر ہی رہا تھا کہ میاں شمس دین صاحب کو گھر سے اطلاع ملی کہ ان کی لڑکی جس کو آٹھواں مہینہ حمل کا ہے بوجہ قے قریب المرگ ہے ان کو زنان خانہ میں فوراً بلایا گیا ادھر پیغامبر نے

یہ اطلاع دی اور دوسری طرف میں نے باہر نکلتے ہوئے السلام علیکم کہا اور پنجابی میں یہ بھی کہا کہ ''اچھا تسی وسدے بھلے اور اسی چلدے بھلے۔'' ابھی میں نے ایک دو قدم ہی باہر کی طرف اُٹھائے تھے کہ میاں صاحب نے کہا کہ آپ ذرا ٹھہر جائیں اور اگر آپ کو طبابت سے واقفیت ہو تو اس مرض کے لئے کوئی نسخہ بتا جائیں میں نے کہا کہ حاملہ کی قے کے لئے آپ سات پتے پیپل کے جو خود ریختہ ہوں لے لیں اور ان کو جلا کر راکھ چینی کے پیالہ میں ڈال لیں اور آدھ پاؤ یا تین چھٹانک پانی ڈال کر اس میں گھول لیں جب راکھ نیچے بیٹھ جائے تو پھر گھول لیں اسی طرح سات مرتبہ کر کے راکھ کو تہ نشین کر لیں اور یہ مقطر پانی مریضہ کو پلا دیں۔ میرے کہنے کے مطابق میاں صاحب نے عمل کیا خدا تعالیٰ کے عجائبات ہیں کہ مریضہ کی قے پانی پیتے ہی رک گئی اور اس کی طبیعت فوراً سنبھل گئی جب انہوں نے یہ کرشمۂ قدرت دیکھا تو میری طرف فوراً آدمی دوڑایا (میں اس عرصہ میں گھر سے نکل کر دور آ چکا تھا) اور مجھے اپنے آنے تک رکنے کے لئے کہا۔ چنانچہ میں رک گیا تھوڑی دیر میں وہ بھی آ پہنچے اور علاج کی بے حد تعریف کرنے کے بعد درخواست کرنے لگے کہ میں ان کے ہاں مہمان ٹھہروں اور وہ ہر طرح سے میرے آرام وسہولت کا خیال رکھیں گے اور مہمانداری کا حق ادا کریں گے۔ میں نے کہا میری دعوت کو تو آپ نے رد فرمایا ہے جو قومی فائدہ کے لئے تھی اور اپنی طرف سے مجھے دعوت دے رہے ہیں۔

میاں صاحب نے بہت معذرت کی اور کہا کہ جو کچھ ہوا سب ناواقفیت کی وجہ سے ہوا اب میں روزانہ شہر میں ڈھنڈوری پٹا کر مسلمانوں کو اکٹھا کرنے کا انتظام کروں گا اور جلسہ کا انعقاد کر کے آپ کو مفید اور کارآمد خیالات کے اظہار کا موقعہ بہم پہنچاؤں گا۔

چنانچہ حسب وعدہ روزانہ جلسے کا انتظام اور انعقاد کرتے اور خود اپنی صدارت میں میری تقریر کراتے۔ ان کے اثر ورسوخ اور وقار کی وجہ سے لوگ جوق در جوق جلسہ میں آتے اور میری تقریر کو سنتے یہاں تک کہ شہر کے مسلمانوں میں اپنی اقتصادی حالت کو سنوارنے کے لئے خوب بیداری پیدا ہوگئی۔ اسّی کے قریب مسلمانوں کی نئی دکانیں کھل گئیں اور جو دوکانیں اور کاروبار پہلے موجود تھا زیادہ پر رونق ہوگیا۔

مجھے بوجہ اس شہر میں ناواقفیت اور اجنبیت کے بظاہر کامیابی کی کوئی امید نہ تھی لیکن یہ سیدنا حضرت المصلح الموعودؓ کی توجہ اور قوت قدسیہ تھی کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے اچانک میاں شمس دین صاحب کی لڑکی کے اچانک بیمار ہونے اور میرے معمولی علاج سے شفایاب ہونے کا واقعہ ظاہر ہوا اور وہ جو میرا اپنے گھر

میں کھڑا ہونا بھی برداشت نہ کر سکتے تھے ایک زبردست معاون اور ہمدرد بن گئے اور بڑے فخر اور محبت سے تقریباً دو ہفتہ تک میری رہائش اور مہمان نوازی کا انتظام کیا اور مزید قیام کے لئے بھی اصرار کرتے رہے اس موقع پر جھنگ شہر میں خدا تعالیٰ کے فضل سے اس رنگ میں کامیابی ہوگئی کہ تمام ہندو تلملا اٹھے اور سرکاری افسران کو تاریں دیں کہ قادیانی مولوی کو اس طرح کارروائی کرنے سے روکا جائے۔

بھدرک (اڑیسہ) میں سلسلۂ حقہ کی تائید

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے ماتحت ہندوستان کے دورہ کے لئے چار افراد پر مشتمل ایک وفد بھیجا گیا جس میں خاکسار راقم مولوی محمد سلیم صاحب فاضل مہاشہ محمد عمر صاحب اور گیانی عباد اللہ صاحب شامل تھے۔ ہم پہلے کلکتہ گئے۔ وہاں سے ٹاٹا نگر جمشید پور ہوتے ہوئے کیرنگ پہنچے۔ کیرنگ میں بڑی جماعت ہے جو مولوی عبدالرحیم صاحب پنجابی کے ذریعہ قائم ہوئی تھی کیرنگ کے اردگرد کے دیہات میں بھی ہم تبلیغ کی غرض سے جاتے رہے۔ ایک دفعہ ایک گاؤں کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک سانپ کا عجیب نمونہ دیکھا۔ ہم بلندی کے اوپر ایک راستہ پر جا رہے تھے اور وہ بہت بڑا سانپ نشیب میں جا رہا تھا۔ اس سانپ کے اوپر کی طرف پشت پر بالکل گلہری کی طرح دھاریاں تھیں اسی طرح اس علاقہ کے سرس کے درخت دیکھے ان کے پھول بجائے زرد اور کالے رنگ کے سرخ رنگ کے تھے اس رنگ کے پھول پنجاب وغیرہ کے علاقوں میں نہیں ہوتے۔

کیرنگ سے ہم بھدرک پہنچے یہ خاں صاحب مولوی نور محمد صاحبؓ کا آبائی وطن تھا۔ خانصاحب پولیس کے اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ بھدرک میں علاوہ دیگر شرفاء اور معززین کے ایک ہندو مہنت سے بھی ملاقات ہوئی جو وہاں کے رئیس تھے انہوں نے ہماری ضیافت کا انتظام بھی کیا اور اپنی وسیع سرائے میں جلسہ کرنے اور لیکچر دینے کی اجازت دی۔ اس سرائے کے ایک حصہ میں ہندوؤں کے بت خانوں کی یادگاریں اور بتوں کے مجسمے جابجا نصب تھے۔

جب ہماری تقریریں شروع ہوئیں تو اوپر سے ابر سیاہ برسنا شروع ہوگیا۔ تمام چٹائیاں اور فرش بارش سے بھیگنے لگا۔ اس وقت احمدیوں کے دلوں میں لیکچروں میں رکاوٹ کی وجہ سے سخت گھبراہٹ پیدا ہوئی۔ میرے دل میں بھی سخت اضطراب پیدا ہوا اور میرے قلب میں دعا کے لئے جوش بھر گیا میں نے دعا کی کہ اے ہمارے مولیٰ ہم اس معبد اصنام میں تیری توحید اور احمدیت کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں اور تیرے

پاک خلیفہ اور مصلح موعود کے بھیجے ہوئے آئے ہیں لیکن آسمانی نظام اور ابر سحاب کے منتظم ملائکہ بارش برسا کر ہمارے اس مقصد میں روک بننے لگے ہیں۔ میں یہ دعا کر ہی رہا تھا کہ قطرات بارش جو ابھی گرنے شروع ہی ہوئے تھے۔ طرفتہ العین میں بند ہو گئے اور جو لوگ بارش کے خیال سے جلسہ گاہ سے اُٹھ کر جانے لگے تھے۔ میں نے ان کو آوز دے کر روک لیا اور کہا اب بارش نہیں برسے گی لوگ اطمینان سے بیٹھ کر تقریریں سنیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے سب مبلغین کے لیکچر ہوئے اور بارش بند رہی اور تھوڑے وقت میں مطلع بالکل صاف ہو گیا۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک۔**

بھاگلپور میں تائیدِ الٰہی کا کرشمہ

اسی طرح ہمارا یہ وفد جب بھاگلپور میں پہنچا تو مقامی جماعت کی طرف سے ایک جلسہ منعقد کر کے ہمارے لیکچروں کا انتظام کیا گیا۔ جلسہ کا پنڈال ایک سرسبز شاداب اور وسیع میدان میں بنایا گیا۔ حضرت مولوی عبدالماجد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں کے امیر جماعت تھے۔ آپ کے انتظام کے ماتحت کرسیاں میز اور دریاں قرینہ سے لگائی گئیں۔ حاضرین کی تعداد بھی کافی ہو گئی ابھی جلسہ کا افتتاح ہی ہوا تھا کہ ایک کالی گھٹا جو برسنے والی تھی مقابل کی سمت سے نمودار ہوئی اور کچھ موٹے موٹے قطرات بارش کے گرنے بھی شروع ہو گئے۔ میں اس وقت سٹیج کے پاس حضرت مولوی ابوالفتح پروفیسر عبدالقادر صاحب کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا۔ میرے قلب میں اس وقت بارش کے خطرہ اور تبلیغی نقصان کو دیکھ کر خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک جوش بھر گیا اور میں نے اس جوش میں اس الحاح اور تضرع کے ساتھ دعا کی کہ اے خدا یہ ابر سیاہ تیرے سلسلہ حقہ کے پیغام پہنچانے میں روک بننے لگا ہے اور تبلیغ کے اس زریں موقع کو ضائع کرنے لگا ہے تو اپنے کرم اور فضل سے اس امنڈتے ہوئے بادل کو برسنے سے روک دے اور اس کو دور ہٹا دے چنانچہ جب لوگ موٹے موٹے قطرات کے گرنے سے دور ہٹنے لگے اور بعض لوگوں نے فرش کو جو نیچے بچھایا ہوا تھا لپیٹنے کی تیاری کر لی تو میں نے اس سے منع کر دیا اور لوگوں کو تسلی دلائی کہ وہ اطمینان سے بیٹھے رہیں بادل ابھی چھٹ جائے گا۔ یہ خدا تعالیٰ کی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے کہ وہ بادل جو تیزی سے امنڈا چلا آتا تھا قدرت مطلقہ سے پیچھے ہٹ گیا اور بارش کے قطرات بھی بند ہو گئے اور ہمارا جلسہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت کامیابی کے ساتھ سرانجام ہوا۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک۔**

غازی کوٹ ضلع گرداسپور میں ایک نشان

اسی قسم کا ایک واقعہ اور کرشمہ قدرت غازی کوٹ ضلع گورداسپور میں ظہور پذیر ہوا۔ گاؤں مذکور کے رئیس جو مخلص احمدی تھے نے وہاں ایک تبلیغی جلسہ کا انتظام کیا اور علاوہ مبلغین اور مقررین کے اردگرد کے احمدی احباب کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی۔ جلسہ دو دن کے لئے مقرر کیا گیا جب غیر احمدیوں کو اس جلسہ کا علم ہوا۔ تو انہوں نے بھی اپنے علماء کو جو فحش گوئی اور دشنام دہی میں خاص شہرت رکھتے تھے مدعو کر لیا اور ہماری جلسہ گاہ کے قریب ہی اپنا سائبان لگا کر اور اسٹیج بنا کر حسب عادت سلسلہ حقہ اور اس کے پیشواؤں اور بزرگوں کے خلاف سب وشتم شروع کر دیا۔ ابھی چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ ایک طرف سے سخت آندھی اٹھی اور اس طوفان باد نے انہی کے جلسہ کا رخ کیا اور ایسا اودھم مچایا کہ ان کا سائبان اڑ کر کہیں جا گرا قناتیں کسی اور طرف جا پڑیں اور حاضرین جلسہ کے چہرے اور سر گرد سے اَٹ گئے یہاں تک ان کی شکلیں دکھائی نہ دیتی تھیں۔

بارہ بجے دوپہر تک جو غیر احمدیوں کا پروگرام تھا وہ سب کا سب طوفان باد کی نذر ہو گیا ہمارا جلسہ ۱۲ بجے کے بعد شروع ہونا تھا اور سب سے پہلی تقریر میری تھی۔ آندھی کا سلسلہ ابھی چل رہا تھا کہ مجھے اسٹیج پر بلایا گیا۔ میں نے سب حاضرین کی خدمت میں عرض کیا کہ سب احباب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے جلسہ کو ہر طرح سے کامیاب کرے۔ چنانچہ میں نے سب حاضرین سمیت دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور خدا تعالیٰ کے حضور عرض کیا اے مولیٰ کریم تو نے خود ہی قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ مخلص مومن اور فاسق و کافر برابر نہیں ہوسکتے اور تجھے معلوم ہے کہ احمدیوں کے جلسہ کی غرض تیرے پاک مسیح کی تصدیق اور توصیف کے سوا اور کچھ نہیں اگر دونوں مقاصد میں تیرے نزدیک کوئی فرق ہے تو اس آندھی کے ذریعہ اس فرق کو ظاہر فرما اور اس آندھی کے مسلط کرنے والے ملائکہ کو حکم دے کہ وہ اس کو تھام لیں تا کہ ہم جلسہ کی کاروائی کو عمل میں لا کر اعلائے کلمۃ کر سکیں۔ میں ابھی دعا کر ہی رہا تھا اور سب احباب بھی میری معیت میں ہاتھ اُٹھائے ہوئے تھے کہ یکدم آندھی رُک گئی اور ایسی رُکی کہ ریاح عاصفہ سے باد نسیم میں تبدیل ہو گئی اور چند منٹ تک ہوا میں بالکل سکون ہو گیا اور ہمارا جلسہ بخیر وخوبی سرانجام پایا۔ خدا تعالیٰ کی نصرت کے یہ سب کرشمے اس کے پاک مسیح موعود اور نائب الرسول اور اس کے عظیم الشان خلفاء کی خاطر اور ان کی برکت سے ظاہر ہوئے۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک۔**

موضع مکھنا والی کا ایک واقعہ اور کرشمۂ قدرت

ایک دفعہ سید عادل شاہ صاحب رضی اللہ عنہ نے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی اور بڑے مخلص احمدی تھے یہ خواہش ظاہر کی کہ ان کے گاؤں موضع مکھنا نوالی میں ایک تبلیغی جلسہ کیا جائے جس میں تمام گردونواح کے احمدی احباب اکٹھے ہوں تا کہ اس جلسہ کے ذریعہ ایک تو احمدیت کی تبلیغ ہو اور دوسرے احمدی احباب کی ملاقات بھی ہو جائے۔ چنانچہ انہوں نے جلسہ کی تاریخ مقرر کی اور ہم سب احمدی موضع مکھنا نوالی پہنچ گئے۔ دوران جلسہ میں میری بھی تقریر ہوئی اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ اور دلائل کے متعلق قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں سے ثبوت پیش کئے گئے۔ ان تقریروں کا اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ اثر ہوا کہ بعض غیر احمدیوں نے حضرت مسیح کی وفات کا مسئلہ تو تسلیم کر لیا اور حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نسبت بھی انہیں حسن ظنی پیدا ہو گئی اور وہ نفرت اور کراہیت جو علماء مکفرین کے فتاویٰ کی وجہ سے ان لوگوں میں پائی جاتی تھی۔ بہت حد تک دور ہو گئی۔ ہم نے چونکہ ان تقریروں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات اور بعض نشانوں کا بھی ذکر کیا تھا اس لئے جلسہ کے برخاست ہونے کے بعد جب ہم سب دوست نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں آئے تو ہمارے پیچھے اس گاؤں کے دو ماچھی سقہ قوم کے فرد بھی آ گئے اور پکار پکار کر کہنے لگے کہ مہدی و مسیح کا دعوٰی تو کیا جاتا ہے مگر نور اور ایمان اتنا بھی نہیں کہ کوئی کرامت دکھا سکیں۔ میں نے انہیں مخاطب کرتے ہوئے پوچھا تمہاری اس سے کیا مراد ہے۔ تب ان میں سے ایک نے کہا کہ میرا بھائی قریباً ڈیڑھ سال سے ہچکی کے مرض میں مبتلا ہے۔ طبیبوں اور ڈاکٹروں کے علاج سے بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ میں نے کہا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ اگر آپ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے دعا کراتے اور اس کو کوئی فائدہ نہ ہوتا تو اعتراض بھی تھا اب ہم پر کیا اعتراض ہے۔ اس نے کہا تو آپ احمدیت کا اثر دکھائیں تا کہ ہم بھی دیکھ لیں کہ احمدی اور غیر احمدی لوگوں میں کیا فرق ہے۔ میں نے کہا کہ اچھا یہ بات ہے تو لاؤ کہاں ہے تمہارا مریض۔ چنانچہ اسی وقت اس شخص نے اپنے بھائی کو جو پاس ہی بیٹھا کراہ رہا تھا میرے سامنے کھڑا کر دیا۔ خدا کی حکمت ہے کہ اس مریض کا میرے سامنے آنا ہی تھا کہ میں نے ایک غیبی طاقت اور روحانی اقتدار اپنے اندر محسوس کیا اور مجھے یوں معلوم ہونے لگا کہ میں اس مرض کے ازالہ کے لئے خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک اعجاز نما قدرت رکھتا ہوں چنانچہ اسی وقت میں نے اس مریض کو کہا کہ تم میرے سامنے ایک پہلو میں لیٹ جاؤ اور چار چار

منٹ تک جلد جلد سانس لینا شروع کردو (یہ بات میں نے ایک الہامی تحریک سے کہی تھی) چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد میں نے اسے اٹھنے کے لئے کہا۔ جب وہ اُٹھا تو اس کی ہچکی بالکل نہ تھی۔ اس کرامت کو جب تمام حاضرین نے دیکھا تو حیرت زدہ ہو گئے اور وہ دونوں بھائی بلند آواز سے کہنے لگے کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مرزا صاحب واقعی سچے ہیں اور ان کی برکت کے نشان واقعی نرالے ہیں۔ اس کے بعد حکیم علی احمد صاحب احمدی رضی اللہ عنہ جو ایک عرصہ تک اس مرض کا علاج کر کے مایوس ہو چکے تھے مجھے کہنے لگے آج آپ نے تو کمال دکھایا ہے میں نے کہا یہ تو احمدیت کا کمال ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ نشان ظاہر کیا ہے۔ **الحمدللہ علیٰ ذالک۔**

دل کی نماز

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد مبارک میں ایک دفعہ ملامتی فقیروں کی ایک ٹولی موضع سعد اللہ پور ضلع گجرات میں وارد ہوئی۔ لوگوں نے جب ان فقیروں کے بے دینی کے حالات ملاحظہ کئے اور بعض مسائل کے متعلق ان سے گفتگو بھی کی تو اس کے سرکردہ فقیر نے جو بڑا چالاک اور ہوشیار آدمی تھا سب کو لاجواب کر دیا۔ اتفاق سے انہی دنوں میں بھی اس گاؤں میں گیا تو مجھے بھی بعض دوستوں نے ان کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے گفتگو کرنے کو کہا۔

چنانچہ میں بھی صبح کے وقت چند دوستوں کے ہمراہ ان کے پاس پہنچا اور ان لوگوں سے مسائل مخصوصہ کے متعلق گفتگو کی دوران گفتگو میں جب نماز کے متعلق بات چلی تو ان لوگوں کے سرکردہ نے کہا کہ نماز تو دراصل دل کی ہوتی ہے ورنہ ظاہری نماز تو کافر اور منافق انسان بھی پڑھ سکتا ہے۔ اس کے جواب میں میں نے انہیں بتایا کہ اگر دل کی نماز سے تمہاری یہی مراد ہے کہ اس کی ادائیگی میں ظاہری ارکان کی چنداں ضرورت نہیں تو ایسی نماز ہمارے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت سے تو ثابت نہیں ہوتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں نماز کے ساتھ حضور قلب کی شرط لگائی ہے وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ سے اس کے ظاہری ارکان کی پابندی کو بھی ضروری قرار دیا ہے بلکہ حدیث شریف میں تو نماز کے تارک کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتویٰ دیا ہے کہ

مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ كَفَرَ یعنی جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی وہ یقیناً کافر ہو گیا۔

اور ایک جگہ فرمایا:

اَلْفَرْقُ بَیْنَ الْعَبْدِ الْمُؤْمِنِ وَالْکَافِرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ کہ مومن اور کافر انسان کا امتیاز نماز چھوڑنے سے ہو جاتا ہے۔

ایسا ہی قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے روز جب اہل جنت دوزخیوں سے دوزخ میں جانے کی وجہ دریافت کریں گے تو اس کے جواب میں دوزخی اپنا سب سے پہلا جرم یہی بتائیں گے کہ:

قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ﴿۴۴﴾ (المدثر)

یعنی ہم وہ نماز جو حضور قلب اور ارکان مخصوصہ پر مشتمل تھی ادا نہیں کیا کرتے تھے۔

پس مسلمان ہوتے ہوئے نماز کے متعلق یہ خیال کرنا کہ اس کا تعلق محض دل سے ہے اور قیام ورکوع اور سجود وتعوذ سے وابستہ نہیں یہ بات صحیح نہیں ہے

اس کے بعد میں نے مثال کے طور پر انہیں یہ بھی سمجھایا کہ انسان دراصل محض روح یا محض جسم کا نام نہیں بلکہ روح اور جسم کے مرکب کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ انسان کی روح جہاں اس کے جسمانی مؤثرات سے متأثر ہوتی ہے وہاں اس کا جسم بھی اس کے روحانی مؤثرات سے متأثر ہونے پر مجبور ہے۔ پس یہ خیال کرنا کہ دل میں تو اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت کا جذبہ موجود ہو مگر جسم اور اس کے اعضاء پر اس کا کوئی اثر نہ ہو درست نہیں ہے۔

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ
سابق مبلغ انگلستان وامریکہ

جگن پور میں ایک زبردست نشان

ایک تبلیغی دورہ کے دوران ہمارا وفد جب جگن پور میں پہنچا تو وہاں کے مہنت نے خواہش ظاہر کی کہ ان کے مندر میں جلسہ ہو اور اس کی صدارت وہ خود کریں گے۔ چنانچہ جلسہ کے تمام انتظام خود مہنت جی نے کئے اور خود جلسہ کی صدارت انہوں نے کی۔ جب جلسہ شروع ہوا اور مہنت جی مہاراج صدارت کی کرسی پر آکر بیٹھ گئے تو سمندر سے ایک گہرا بادل اٹھا اور آناً فاناً آسمان پر چھا گیا اور بڑی بڑی بوندیں گرنی شروع ہوگئیں۔لوگ جو کئی ہزار تھے اٹھنے شروع ہو گئے مہنت جی نے فرمایا کہ آپ لوگ نہ اٹھیں۔ ہم مٹی کے تھوڑے ہیں جو بھیگ جائیں گے۔ ادھر حضرت مولانا راجیکی صاحبؓ زور زور سے کچھ پڑھ رہے تھے جس کی وجہ سے مجھے تکلیف ہو رہی تھی۔ ایک تو لوگ جلسہ گاہ سے اٹھ رہے تھے اور دوسری طرف حضرت مولوی صاحب نے اپنا جلسہ شروع کیا ہوا تھا اور بڑی اونچی آواز سے کچھ فرما رہے تھے۔ آخر چند منٹ کے بعد بادل ہٹ گئے۔ اور مولوی صاحب بھی خاموش ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلسہ بہت ہی کامیاب رہا۔ جلسہ کے اختتام پر میں نے حضرت مولوی راجیکی صاحب سے عرض کیا کہ حضرت آپ اونچی اونچی کیا لیکچر دے رہے تھے کیونکہ اس کی وجہ سے مجھے لیکچر میں کافی دکھ ہوا تھا فرمانے لگے کہ جب جلسہ شروع ہوا تو میں نے دیکھا کہ فرشتے بادلوں کو اٹھا کر لا رہے ہیں تو میں نے ان سے کہا کہ یہ احراریوں والا کام کب سے تم نے شروع کیا کیونکہ صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جلسہ ہو اور تم اس کو خراب کرو؟ تم یا تو رک جاؤ ورنہ میں ابھی اللہ تعالیٰ سے تمہاری شکایت کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فرشتے فوری طور پر بادلوں کو دور لے گئے اور اس زبردست نشان کا نہ صرف عوام پر بلکہ مہنت جی پر بھی بہت اثر ہوا۔ اور میرے لئے ایمان میں زیادتی کا باعث ہوا۔ ایسے ہی ایک دفعہ غالباً ۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے بدوملہی میں

آریوں کے ساتھ مناظرہ تھا۔آریہ کی طرف سے پنڈت رام چندر دھوی مناظر تھے اور مسلمانوں کی طرف سے خاکسار تھا۔شرائط مناظرہ کی وجہ سے پہلی تقریر میری تھی ۔میں نے اپنی تقریر میں ایک حوالہ پیش کیا اور یہ حوالہ والی کتاب میرے پاس نہیں تھی ۔پنڈت رام چندر اپنی باری میں اس حوالہ کے دکھانے کا مطالبہ کرتے ہیں میں یہ کہہ کرٹال دیتا کہ انکار کرو۔آخران کو معلوم ہو گیا کہ اصل کتاب ان کے پاس نہیں ہے۔اس اثناء میں ایک شخص سیٹھ ہاڑی مل میز پر کھڑا ہوکر زور زور سے بولنے لگا اور مطالبہ کیا کہ یہ حوالہ دکھا دو تو میں مع اپنے خاندان کے مسلمان ہو جاؤں گا اور پچاس ہزار کی جائداد بھی دے دوں گا۔اس کے اس مطالبہ پر عوام میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا اور خود جماعت کے افراد بھی اس سے بہت بری طرح متأثر ہوئے حضرت مولوی راجیکی صاحب میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے فرمانے لگے کیا بات ہے۔میں نے عرض کیا حوالہ تو ہے لیکن میرے پاس کتاب موجود نہیں اتنے میں آپ وضو کر کے نماز کے لئے تشریف لے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کی کہ اے اللہ تو نے مسیح موعود علیہ السلام کو یہ فرمایا ہے کہ:

اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَكَ وَ اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ

(ترجمہ) یقیناً میں اُس کی مدد کروں گا جو تیری مدد کا ارادہ کرے گا اور یقیناً میں اُس کو ذلیل کروں گا جو تجھے ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا۔

اس وقت تیرے مسیح کی اہانت ہو رہی ہے۔چنانچہ اس وقت محترم برادرم مولوی غلام مصطفیٰ صاحب فاضل مرحوم میرے پاس آئے اور کہا کہ کونسی کتاب ہے؟ شاید ہمارے گھر میں ہو۔میں نے غصہ میں کہا کہ آپ کے وہ کتاب کیسے ہو سکتی ہے لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ آپ کتاب کا نام لیں ۔میں نے جب کتاب کا نام لیا۔تو انہوں نے کہا کے ہمارے گھر میں ایک بہت بڑی کتاب ہے شاید یہ وہ ہو۔وہ دوڑ کر لائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہی کتاب تھی اور ۹۵۴ صفحہ پر وہی حوالہ تھا۔میں کتاب کو لے کر میز پر چڑھ گیا اور سیٹھ ہاڑی مل کو کہا کہ آؤ اب چوٹی کٹوانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔چنانچہ میں نے جب اونچی آواز سے وہ حوالہ پڑھا تو مجمع میں سناٹا چھا گیا اور آریہ سماجی پنڈت رام چندر دہلوی مع سیٹھ ہاڑی مل اور دیگر لوگوں کے بھاگ گئے ۔مسلمانوں نے خوشی میں ڈھول لے کر تمام گاؤں میں اعلان کیا کہ سیٹھ ہاڑی مل مسلمان ہو گیا ہے ۔اب وہ مسجد آ کر کلمہ پڑھے لیکن سیٹھ ہاڑی مل واپس نہ آیا۔جن رئیسوں کے پاس میری ملازمت رہی میں ان کو تبلیغ کرتا تھا اور یہ بتاتا تھا کہ اللہ تعالیٰ حضرت اقدس (خلیفہ ثانی ؓ) کی دعائیں

قبول کرتا ہے۔ وہ بعض اوقات کسی مشکل میں ہوتے تو کہتے ۔ اچھا خط لکھو دعا کے واسطے۔ خط لکھا جاتا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے کامیابی ہوتی اس سے ان پر یہ اثر ہوجاتا تھا کہ وہ بذات خود حضرت صاحب کی خدمت میں قادیان اور گرمیوں میں جس پہاڑ پر آپ ہوتے وہاں جا کر ملتے تھے۔ایک سردار صاحب نے مجھے اپنا خواب سنایا کہ میں حضرت صاحب کی خدمت میں گیا ہوں ۔ ملاقات کے دوران آپ نے مجھے دعوت دی جس کو میں نے منظور کرلیا۔جس وقت کھانا میرے پاس آیا اس میں بہت سے کھانے تھے۔اس کی تعبیر دریافت کرو۔میں نے حضور کی خدمت میں لکھ دیا۔حضور نے جواب میں فرمایا کہ مولوی صاحب آپ کے لئے دعا کراتے رہتے ہیں اور میں دعا کر دیتا ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو میری دعا سے مالی فراخی ملے گی۔

’’جب میں ہندوستان سے انگلینڈ کے لئے روانہ ہوا تو پاسپورٹ کی رو سے راستہ میں فرانس نہیں اتر سکتا تھا لیکن میرا بڑا دل چاہتا تھا کہ فرانس میں اُتروں۔اس کا ذکر میں نے افسر جہاز سے کیا۔اس نے کہا کہ تم فرانس میں صرف اس صورت میں اتر سکتے ہو جب تمہارے پاس اتنا خرچ ہو۔ جب میں نے اپنے سرمایہ کو دیکھا تو معلوم ہوا کہ جس قدر کپتان کہتا ہے کہ خرچ ہوگا میرے پاس اس سے دو پونڈ کم تھے۔ میں نے سوچا کسی سے یہ رقم قرض لے لوں۔مگر جہاز میں میرا کوئی بھی شناسا نہ تھا۔کس سے لیتا۔آخر جب بالکل مایوس ہوگیا تو میں نے دعا کی کہ اے زمین اور آسمان کے مالک! اے خشکی اور تری کے خالق! تو ہر چیز پر قادر ہے اور تجھے ہر قسم کی قدرت اور طاقت حاصل ہے تو جانتا ہے کہ مجھے اس وقت دو پونڈ کی ضرورت ہے پس تو مجھے یہ دو پونڈ دیدے۔خواہ آسمان سے گرا یا سمندر سے نکال مگر دے ضرور۔ میں نے بہت ہی الحاح اور زاری کے ساتھ خدا سے دعا مانگی۔اور دعا مانگنے کے بعد مجھے پختہ یقین ہوگیا کہ مجھے دو پونڈ ضرور مل جائیں گے۔مگر میری یہ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بالکل اجنبی جگہ اور بالکل اجنبی آدمیوں میں یہ دو پونڈ کس طرح ملیں گے؟

یہ جنگ یورپ کا زمانہ تھا۔جہاز چلتے چلتے یکدم ایک ایسی جگہ ٹھہر گیا۔ جہاں پہلے کبھی نہیں ٹھہرا تھا۔میں نے اس خیال سے کہ جنگ کا زمانہ ہے ممکن ہے اس جگہ ہمارے کچھ احمدی دوست ہوں کپتان جہاز سے کہا کہ مجھے خشکی پر جانے کی اجازت دیں۔لیکن اس نے صاف انکار کر دیا اور کہا آپ یہاں ہرگز نہیں اتر سکتے۔ہم تو ویسے ہی یہاں محض سمندر کی حالت معلوم کرنے کے لئے اتفاقاً کھڑے ہوگئے ہیں ورنہ اس

سے پہلے یہاں آج تک کبھی کھڑے نہیں ہوئے۔

تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ ایک کشتی جہاز کی طرف آرہی ہے میں نے کپتان سے کہا کہ یہ کشتی کیوں آرہی ہے جب یہاں اترنے کی اجازت ہی نہیں؟ کپتان نے کہا مجھے پتہ نہیں کہ کیوں آرہی ہے۔ پاس آئے تو حالات کا علم ہو۔

جب کشتی جہاز کے قریب آئی تو میں نے پہچانا کہ اس میں ہمارے بھائی حاجی عبدالکریم صاحب تھے۔ انہوں نے کسی طرح سن لیا تھا کہ میں فلاں جہاز سے انگلستان جارہا ہوں اور فلاں وقت جہاز یہاں سے گذرے گا۔ ان کو معلوم تھا کہ جہاز یہاں نہیں ٹھہرے گا۔ پھر بھی وہ ساحل پر آگئے تھے۔ لیکن جب جہاز جزیرہ کے سامنے آکر اچانک ٹھہر گیا تو وہ فوراً کشتی لیکر جہاز کے پاس آگئے۔ کپتان نے ان کو دریافت حال کے لئے اوپر آنے کی اجازت دی خیر وہ مجھ سے ملے اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد جب رخصت ہونے لگے تو یہ کہہ کر دو پونڈ میری جیب میں ڈال دیئے کہ ”مجھے کچھ مٹھائی آپ کے لئے لانی چاہئے تھی مگر مجھے تو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ جہاز ٹھہر جائے گا اور میں آپ سے مل سکوں گا اس لئے یہ دو پونڈ مٹھائی کے ہیں رکھ لیں۔“ (لطائف صادق صفحہ 65-66)

اس واقعہ میں سوال دو پاؤنڈ کا نہیں۔ دیکھنے والی بات یہ ہے کہ ایک مجاہد فی سبیل اللہ کی جو ضرورت تھی وہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح معجزانہ رنگ میں پوری کی اور غیب سے اس کے سامان مہیا فرما دیئے۔

حضرت مفتی صاحبؓ کی دعا

مکرم حاجی عبدالکریم صاحب تحریر فرماتے ہیں ۱۹۱۶ء میں حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ تبلیغ کے لئے لندن تشریف لے جانے والے تھے ان کا خط آیا کہ میں فلاں جہاز پر فلاں کیبن نمبر میں آؤں گا اگر آپ معلوم کر سکیں تو تختہ جہاز پر مجھے ملیں۔ میں نے فوجی حکام سے رابطہ قائم کیا۔ انہوں نے کوشش کی اور مجھے بتایا گیا کہ اس جہاز کے آنے سے دو گھنٹہ پیشتر آپ کو اطلاع دی جائے گی اور آپ وقت مقررہ پر فلاں فوجی افسر کے ساتھ اپنے مشنری سے ایک گھنٹہ جا کر ملاقات کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اسی افسر کے ساتھ آپ واپس آجائیں۔ میں نے اپنی تنخواہ سے ایک سو روپیہ علیحدہ رکھ دیا کہ جب اطلاع ملے گی اسی روپے کا قلم اور بیس روپے کا فروٹ لے کر حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی خدمت میں پیش کروں گا۔ ایک روز مجھے صبح چھ بجے فون آیا۔ جہاز آٹھ بجے صبح آرہا ہے آپ پونے آٹھ بجے فوجی افسر کے

پاس پہنچ جائیں۔ میں سو روپے لے کر سویز کے بازاروں میں گھومتا رہا مگر سوائے پھلوں کے اور کچھ نہ خرید سکا کیونکہ سٹیشنری کی دوکانیں ۸ بجے کے بعد ہی کھلتی تھیں غرض آٹھ بجے میں اس فوجی افسر کے ساتھ گیا جہاز دو میل دور کھڑا تھا۔ کشتی پر سوار ہو کر جہاز پر گئے۔ حضرت مفتی محمد صادق سبز چغہ اور سبز عمامہ پہنے کھڑے تھے۔ ان کو خیال بھی نہ تھا کہ میں ان سے مل سکوں گا۔ حضرت مفتی صاحب ؓ کی خدمت میں عاجز نے پھل پیش کیا اور اسی روپے نقد دے کر کہا کہ میں چاہتا تھا کہ آپ کو اعلیٰ قسم کا قلم خرید کر دوں اور آپ سے درخواست کروں کہ تبلیغی خط وکتابت میں اس قلم سے کام لیں تا کہ مجھے بھی ثواب ملتا رہے اب آپ لندن جا کر خود قلم خرید لیں۔ حضرت مفتی محمد صادق نے فرمایا بس مجھے اسّی روپوؤں کی ضرورت تھی میری دعا قبول ہوگئی۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے کپتان جہاز سے کہا کہ مجھے چکر آتے ہیں کیا کوئی ترکیب ہے کہ میرا سفر کچھ کم ہو جائے۔ اس نے کہا کہ آپ فرانس سے ٹرین پر چلے جائیں اس طرح آپ کو کچھ روز کا آرام مل جائے گا۔ آپ اسّی روپے بھیج دیں ہم آپ کو ریل کا ٹکٹ دیتے ہیں۔ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا۔ میں نے چیک دیا مگر کپتان نے کہا۔ نقد روپیہ چاہیے۔ میں نے دعا کی خدایا! مجھے اسّی روپے عطا فرما۔ سو الحمد اللہ! یہ رقم آپ کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ نے عطا فرمائی۔ جب آپ ولایت سے تشریف لے آئے اور اپنے لڑکے عبدالسلام کی شادی کے سلسلہ میں شاہجہان پور تشریف لے گئے تو میں بھی وہاں موجود تھا حضرت مفتی صاحب کا وہاں انگریزی زبان میں لیکچر ہوا:

"My Experiences in America" (امریکہ میں میرے تجارب)

اِس لیکچر میں حضرت مفتی صاحب نے اس واقعہ کا ذکر فرمایا اور فرمایا اتفاق سے وہ صاحب جنہوں نے اسّی روپے مجھے تختہ جہاز پر سویز میں دیئے تھے وہ یہاں سامعین میں موجود ہیں میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ اس کی تصدیق کریں۔ چنانچہ میں نے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ حضرت مفتی صاحب نے مجھے فرمایا کہ میں نے اپنے لڑکے عبدالسلام کا نکاح کرا دیا ہے کیونکہ میں بوڑھا ہوں خدا جانے میں زندہ قادیان واپس آؤں یا نا حضرت صاحب نے نکاح پڑھ دیا ہے وہ لڑکی صحابی بابو محمد علی خان صاحب شاہجہان پوری کی ہے بڑی سے چھوٹی ہے چونکہ یہ معیوب امر ہوتا ہے چھوٹی لڑکی کا نکاح ہو جائے اور بڑی کا نہ ہو میری خاطر انہوں نے یہ نکاح تو کر دیا ہے مگر انہوں نے مجھے کہا تھا کہ بڑی لڑکی کا رشتہ بھی آپ خود کریں۔

❁❁

حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحبؓ

تعارف

آپ سلسلہ کے ایک بزرگ اور جید عالم اور حضرت سید عبد القادر جیلانیؒ کی اولاد میں سے تھے۔ آپ کا تبحر علمی اس قدر بلند تھا کہ ہم عصر علماء آپ کے سامنے آنے سے کتراتے تھے۔ آپ نے متعدد رؤیا صالحہ کی بناء پر احمدیت قبول کی۔ احمدی ہوجانے کے کچھ عرصہ بعد ہی آپ قادیان میں آ گئے اور ایک لمبا عرصہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں گزارا۔ آپ کی اولاد میں آپ کے سب سے بڑے صاحبزادے سید مبارک احمد شاہ صاحب کچھ عرصہ مرکز سلسلہ ربوہ میں سلسلہ کی خدمت پر مامور رہنے کے بعد ایک لمبے عرصہ سے جرمنی میں مقیم ہیں۔ آپ کے نواسے مکرم برادرم سید کمال یوسف صاحب واقف زندگی جامعہ احمدیہ ربوہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد سالہا سال تک سکنڈے نیویا کے ممالک ڈنمارک سویڈن اور ناروے میں بطور مبلغ سلسلہ تاریخی خدمات سرانجام دینے کے بعد اس وقت اوسلو (ناروے) میں قیام پذیر ہیں۔

قتل کا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا

حفاظت سماوی کا یہ واقعہ حضرت بانی سلسلہ علیہ السلام کے ایک ایسے رفیق سے تعلق رکھتا ہے جو عالم بے بدل ہونے کے علاوہ تقویٰ وطہارت میں بھی ایک اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کو اپنی بعض خوابوں، رؤیا صالحہ اور کشوف کی بنا پر کس طرح علی وجہ البصیرت احمدیت قبول کرنا نصیب ہوئی۔ تاہم ابھی آپ مستقل طور پر قادیان تشریف نہ لائے تھے اس دوران دشمنان حق نے آپ کے خلاف کیا منصوبہ بنایا اور قادر قیوم خدا نے کس طرح اسے جڑ سے اکھیڑ کر اپنی زندہ ہستی پر ایک زندہ شہادت قائم فرمائی یہ ایمان افروز داستان لکھتے ہوئے آپ کے سوانح نگار مؤلف اصحاب احمد رقمطراز ہیں:

’’آپ نے جب احمدیت قبول کر لی تو آپ کے علاقے میں آپ کی سخت مخالفت شروع ہو

گئی چونکہ آپ بہت بڑے عالم تھے اس لئے علماء دین آپ کے مقابلے میں آنے سے خوف کھاتے تھے تاہم وہ آپ کو در پردہ قتل کرنے کی تدبیریں کرنے لگے چنانچہ انہوں نے علاقہ کے ایک بہت بڑے رئیس خواجہ فتح جو کو اکسایا کہ وہ آپ کو اپنے ہاں موضع گھوڑی میں بلا کر ایک مباحثہ کا انتظام کرے اور اس بہانے آپ کو قتل کر دے۔ چنانچہ اس (خواجہ فتح) نے جو بہت مالدار آدمی تھا حتیٰ کہ علاقہ کے سلطان کو بھی اس کا دست نگر رہنا پڑتا تھا آپ کے ماموں زاد بھائی اکرم خان کو ساتھ ملا کر ایک بہت بڑی رقم مظفر آباد کی پولیس کو اس غرض سے دی کہ پولیس اس منصوبہ میں دخل انداز نہ ہو۔ موعودہ رقم کا ایک حصہ وہ پولیس کو پہلے ہی دے چکا تھا مزید دوصد روپے دینے کے لئے مظفر آباد کے لئے روانہ ہوا۔ اس کا پروگرام یہ تھا کہ یہ رقم پولیس کو دے کر علی الصبح واپس گھوڑی آ کر مباحثہ میں شریک ہو"۔ (اصحاب احمد جلد پنجم)

مگر اپنے مامور کے غلام کو بچانے کے لئے آسمانی تقدیر بھی حرکت میں آ چکی تھی۔ چنانچہ اس ایمان افروز واقعہ کو بیان کرتے ہوئے آپ کے سوانح نگار مؤلف اصحاب احمد یوں بیان فرماتے ہیں:

"واپسی پر جب وہ مظفر آباد اپنی لڑکی کے ہاں ٹھہرا (دوسرے دن رمضان المبارک کی یکم تاریخ تھی) تو وہ اپنے کمرے کی کنڈی لگا کر سو گیا۔ وہی رات اس کی زندگی کی آخری رات ثابت ہوئی چنانچہ سحری کے وقت جب دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو وہ بیدار نہ ہوا۔ اس کی لڑکی پہلے ہی چاہتی تھی کہ اس کا باپ روزہ نہ رکھے اس لئے اس نے جگانے کی مزید کوشش کرنے سے منع کر دیا۔ لیکن دن چڑھے تک وہ بیدار نہ ہوا تو تشویش ہوئی۔ آخر جب بزور دروازہ کھول کر لوگ کمرے میں داخل ہوئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ مرا پڑا ہے۔ اس علاقے کے لوگ سوتے وقت پگڑی اتار کر پاس رکھ لیتے ہیں اور بیدار ہوتے ہی سر پر رکھ لیتے ہیں اور پسوؤں کی وجہ سے پاجامہ بھی اتار کر سوتے ہیں۔ ایسے معلوم ہوتا تھا کہ بیدار ہو کر وہ پگڑی سر پر رکھ چکا تھا اور ایک پاؤں میں پاجامہ بھی ڈال چکا تھا اور دوسرے میں ڈالنے کے لئے اسے پکڑا ہوا تھا کہ اسی حالت میں خدا کی قہری تجلی نے اسے آ لیا اور اس کی جان نکل گئی۔"

(ملخص از سیرۃ سرور، اصحاب احمد، جلد پنجم)

یہ ہے قدرت کا انتقام اور یہ ہے اس غیور خدا کی قادرانہ تجلی کا تابندہ نشان کہ اس نے اس کے مامور کے غلام کو گزند پہنچانے والے کو اتنی بھی مہلت نہ دی کہ وہ اس کے قریب پھٹک سکے۔

حضرت مسیح موعودؑ کے ایک اور غلام کا دجال کے دجل وفریب سے قلعی کھولنا

عنوان زیر بحث سے متعلق اب ایک ایسا واقعہ بیان کیا جاتا ہے جو ایک طرف حضرت بانی سلسلہ کی زیر بحث عظیم الشان پیشگوئی کی صداقت ظاہر کرتا ہے اور دوسری طرف یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے آڑے وقت میں حضرت کاسر الصلیب علیہ السلام (حضرت بانی سلسلہ) کو مبعوث فرما کر اپنے سچے دین اسلام کی مداخلت کا سامان بہم پہنچایا ورنہ دجال اپنی پوری طاقت اور اپنے پورے مادی و مالی وسائل کے ساتھ اس پر کاری ضرب لگانے کے لئے تیار بیٹھا تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ کو احمدیت قبول کرنے پر ملازمت سے فارغ کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے آپ کی ملازمت کے پہلے سے بھی بہتر سامان پیدا فرما دیئے۔ اس ملازمت کے سلسلہ میں ایک انگریز عیسائی پادری ڈے نامی نے بظاہر عربی پڑھنے کی خاطر آپ کو اپنے پاس بلا لیا۔ اسی پادری کا قصہ ہے کہ عربی پڑھنا تو اس کا ایک بہانہ تھا۔ دراصل وہ اسلام کے خلاف ایک بڑا خطرناک منصوبہ تیار کر رہا تھا۔ یہ منصوبہ کیا تھا کہ اسے حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ جو ایک متبحر عالم ہونے کے ساتھ احمدیت کے نور سے منور ہو کر نور علیٰ نور ہو چکے تھے نے اپنی قوت استدلال سے کیسے توڑا اور ناکام بنایا۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو کاسر صلیب کا ایک غلام ہی سرانجام دے سکتا تھا اور اس نے سرانجام دیا۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں:

''وہ (پادری ڈے) خود عربی کا ایک بہت بڑا عالم تھا۔ اسے عربی پڑھنے کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ دراصل وہ اسلام کے خلاف ایک ایسی کتاب لکھنا چاہتا تھا جس میں قرآن مجید سے عیسائیت کی تائید ہوتی ہو اور جو مسلمان اس کے خلاف مفہوم لیتے ہیں اس کی تردید ہوتی ہو۔ اس غرض کے لئے اسے اپنے ملک سے کافی روپیہ آ رہا تھا۔ اور اس نے کئی مولوی ملازم خفیہ طور پر اس غرض کے لئے رکھے ہوئے تھے جو خاص خاص وقتوں میں اس کے ملازم پیشہ لوگوں کے کوارٹروں میں بیٹھ کر اسے حوالے تلاش کر کے دیتے تھے۔''

آپؓ فرماتے ہیں:

''میں جب اس کے پاس ملازم ہوا تو اس نے یہ طریق اختیار کیا کہ سبق کے وقت مجھ سے کوئی آیت پوچھ لیتا یا کسی حدیث پر بحث شروع کر دیتا اور سبق نظر انداز کر دیتا۔ اور اس طرح بجائے

ایک گھنٹہ کے تین تین گھنٹے صرف ہو جاتے۔''

تاہم پادری ڈے نے ابھی تک آپ پر یہ ظاہر نہ ہونے دیا تھا کہ وہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ میں اس قدر دلچسپی کیوں لے رہا تھا اور دلچسپی بھی ایسی کہ وہ اپنے اصل مقصد یعنی تحصیل علم عربی کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب جس طریق پر اسے آیات کے معانی اور مطالب سمجھا رہے تھے اسے دیکھ کر آخر اسے اپنا اصل مدعا آپ پر ظاہر کرنا پڑا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:

''ایک دن مجھے خیال آیا کہ اگر کوئی سوال ہی کرتا جائے تو عالم الکل تو خدا ہی کی ذات ہے۔ انسان سے کسی نہ کسی وقت کوئی کمزوری ظاہر ہو سکتی ہے۔ یہ شخص ایک لمبے عرصہ سے سوال پر سوال کر رہا ہے مجھے بھی چاہیے کہ میں اس سے کوئی مذہبی سوال کروں۔ ایک دن بحث کے دوران میں نے بائبل سے ۲۲ زبور مغنی کی ایک عبارت پڑھی۔ اس میں بعینہٖ وہی الفاظ آئے تھے جن میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے پکڑے جانے کے دن دعا کی تھی۔ ان دعائیہ الفاظ کے متعلق میں نے دریافت کیا کہ یہ کس کے متعلق ہیں۔ پادری صاحب کا چہرہ دمک اُٹھا اور وہ کہنے لگا یہی تو ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان ما بہ النزاع کا فیصلہ کرنے والی آیات ہیں۔ مسلمان کہتے ہیں کہ مسیح صلیب پر نہیں لٹکایا گیا مگر یہ آیات صفائی سے بتلا رہی ہیں کہ وہی دعا جو خداوند یسوع مسیح نے کی تھی۔ بطور پیشگوئی حضرت داؤد کہہ رہے ہیں اور اس میں ایسے الفاظ جو صاف طور پر مسیح کی موت پر دلالت کرتے ہیں۔''

آپؓ فرماتے ہیں:

''میں نے تھوڑی دیر کے سکوت اور کچھ تصدیق کرنے کے بعد اگلی عبارت پڑھی وعند صراخ إيّاه أُستُمِعَ (یعنی اس دردناک پکار کے وقت اس کی سنی گئی) آگے یہ ذکر ہے کہ حضرت عیسیٰ نے کہا کہ اس کے شکریہ میں مَیں تیری کھوئی ہوئی بھیڑوں اور جاؤں گا اور تیری تقدیس بیان کروں گا اور تیری حمد اور شکر بجالاؤں گا وغیرہ۔ میں نے دریافت کیا کہ یہ عبارت کس کے متعلق ہے۔ وہ گھبرایا اور کہنے لگا کہ معلوم ہوتا ہے یہ کسی اور کی نسبت ہے میں چونکہ سال ڈیڑھ سال میں اس کی طبیعت سے واقف ہو چکا تھا۔ میں نے بحث کی بجائے کہا کہ اگر آپ کا کانشنس یہی کہتا ہے تو مجھے انکار نہیں۔ تو اس کا ہاتھ کانپنے لگے اور کہنے لگا ''میرا کانشنس ہرگز یہ نہیں کہتا'' اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ آپ کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ جب میں نے بتایا کہ میں احمدی ہوں تو اس نے کھل کر مجھے سب کچھ بتا دیا یعنی یہ کہ میں

ایک کتاب لکھ رہا ہوں جس کے لئے میں نے بہت سے علماء ملازم رکھے ہوئے ہیں اور وہ مجھے قرآن مجید سے اسلام کے خلاف اور عیسائیت کی تائید میں حوالے نکال کر دیتے ہیں۔ (یہ مسلمان علماء کا حال تھا کہ تھوڑی سی مالی منفعت کی خاطر اپنے دین کی جڑیں کھوکھلی کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ ناقل) اور میں انہیں مرتب کرتا ہوں مگر میں بے حد حیران ہوں کہ جو معنے آپ کرتے ہیں اُس سے اسلام کی تائید ہوتی ہے۔ میں نے سوائے تین کے باقی ساری آیتیں آپ سے پوچھ لی ہیں۔ مجھے آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے مگر صدمہ بھی زبردست ہوا ہے ایسا کہ شاید میں اسے برداشت نہ کرسکوں۔ وجہ یہ ہے کہ میری قوم نے بے شمار روپیہ دیا ہے اور دے رہی ہے اب میں کیا جواب دوں گا۔''

گویا وہ طلسمی جال جو دجال کا یہ چیلہ اپنے باطل عقائد کی تائید میں خود مسلمان علماء کی مدد سے اس لئے تیار کر رہا تھا اس کے ذریعے اسلام پر حملہ کرے اور مسلمانوں کو اپنے دین سے برگشتہ کر کے عیسائیت کی طرف لے آئے اس کا بھانڈا مسیح محمدی کے ایک غلام نے چوراہے میں پھوڑ دیا اور اس طرح اس کی ساری محنت جو اس نے اپنی قوم کے بے پناہ سرمائے سے سرانجام دی تھی اکارت چلی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کا اُسے صدمہ پہنچنا لازمی امر تھا اور وہ اسے پہنچا چنانچہ حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحبؓ فرماتے ہیں:

''میں جب قادیان میں تھا تو بٹالہ کسی سفر پر گیا وہاں میں گاڑی پر سوار ہونے لگا تو ایک انگریز میری طرف بڑھا۔ اس کی داڑھی اور بھنویں سب سفید تھیں اس نے مجھ سے پوچھا کیا آپ مولوی سرور شاہ ہیں؟ میرے ہاں میں جواب دینے پر وہ بولا۔ میں پادری ڈے ہوں اور اچھا ہو کر ولایت سے آ گیا ہوں۔ یہاں بٹالہ میں ایک لیکچر دینے آیا تھا۔''

آپ فرماتے ہیں کہ وہ صدمہ جو اسے اپنے ''مشن'' کی ناکامی کا پہنچ چکا تھا اتنا شدید تھا کہ وہ دو تین سالوں کے اندر اندر ہی اس کے سارے بال سفید ہو گئے۔ (ملخص از سیرۃ، اصحاب احمد، جلد پنجم)

حضرت حافظ روشن علی صاحب رضی اللہ عنہ

آپ 1883ء میں پیدا ہوئے۔ 1900ء میں بیعت کی۔ علم قرآن حضرت مولوی حکیم نور الدین صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل نور اللہ مرقدہٗ سے حاصل کیا اور حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ہم جماعت تھے۔ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس، حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری اور حضرت مولانا غلام احمد صاحب بدوملہوی آپ کے شاگرد تھے۔

آپ فقہ احمدیہ کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کو حضرت مولوی عبدالکریم ثانی قرار دیا ہے۔

شجرہ نسب

حضرت حافظ روشن علی صاحب کا نسب آٹھویں پشت پر حاجی محمد نوشہ گنج بخش کے اس چھوٹے لڑکے محمد ہاشم سے جو آپ کا روحانی طور پر قائمقام بنا جا ملتا ہے جس کی وجہ سے آپ کے خاندان کے لوگ ہاشمی بھی کہلاتے تھے۔

حضرت حافظ صاحبؓ کی پیدائش

حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ موضع رنمل میں انیسویں صدی کے آخر میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد ماجد میاں میراں بخش صاحب اپنی معمولی زرعی جائداد میں کھیتی باڑی کے ذریعہ گزر اوقات کرتے تھے۔ لیکن قریباً 35 سال کی عمر میں ہی ان کی وفات نے ان کی سوگوار بیوہ اور چار یتیم بچوں کی دنیا تاریک کر دی۔ خاوند کی وفات کے بعد چند ماہ تک رنمل میں ٹھہرنے کے بعد حضرت حافظ صاحب کی والدہ مسماۃ بخت روشن صاحبہ آپ کو اور آپ کے بھائیوں کو ساتھ لے کر اپنے میکے وزیر آباد میں آ گئیں جہاں ان کے والد حکیم چراغ دین صاحب نے ان سب کو اپنی پرورش میں لے لیا۔

ابتدائی تعلیم اور قادیان میں آمد

حضرت حافظ صاحب کے والد جب فوت ہوئے آپ کی عمر چار پانچ سال تھی۔ آپ کی آنکھیں دکھتی تھیں۔ والد کی وفات کی وجہ سے گھر پر غم واندوہ چھایا تھا۔ کسی نے ان کے علاج کی طرف توجہ نہ دی جس کی وجہ سے وہ زیادہ خراب ہوگئیں اور نتیجتاً آپ کی بینائی بہت کم ہوگئی جس کی وجہ سے وزیر آباد آکر آپ کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ ہوسکا۔ بڑے بھائی نے تو گھر کی ضروریات کی وجہ سے ریلوے میں ملازمت کرلی اور چھوٹے بھائی رحمت علی صاحب کو جو زیادہ تعلیم یافتہ تھے میڈیکل کالج میں داخل کرادیا گیا اور تیسرا بھائی بھی سکول میں داخل ہوگیا لیکن حضرت حافظ صاحب اپنی بینائی کم ہونے کی وجہ سے سکول کی تعلیم حاصل کرنے سے محروم رہے۔ آپ کی عمر کوئی نو سال کے قریب ہوگی کہ حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادیؓ (جو رشتہ میں آپ کے ماموں تھے) کے مشورہ پر آپ کو ان کے پاس بھجوا دیا گیا جہاں آپ نے کوئی پندرہ سولہ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کرلیا اور اس کے بعد آپ کے بڑے بھائی ڈاکٹر رحمت علی صاحبؓ (جو اس وقت افریقہ میں ملازم تھے) کی ہدایت پر اور حضرت حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادیؓ کے مشورہ سے آپ کو قادیان پہنچا دیا گیا جہاں آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہوئے اور تعلیم دین کے لئے آپ حضرت قاضی امیر حسینؓ کے سپرد کئے گئے۔ پانچ سال کے قریب عرصہ تک آپ ان کے شاگرد رہے اور متعدد دینی کتب کے علاوہ حضرت خلیفہ اولؓ کے ارشاد پر طب کی کتاب نفیسی بھی حضرت قاضی صاحب سے درساً درساً پڑھی اور اس کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ نے آپ کو اپنے درس خاص میں لے لیا۔ قادیان آنے سے قبل آپ اواخر 1899ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے۔

عبادت وزہد

حضرت حافظ صاحبؓ نہایت عابد وزاہد اور قائم اللیل انسان تھے۔ ہر مشکل وقت میں بلکہ اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں خدا تعالیٰ کی طرف جھکے رہتے تھے۔ آپ کی ساری زندگی ریاضیت اور عبادت میں گزری اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر الہام وکشوف کا دروازہ کھول دیا۔ آپ خود اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں کہ جب میں نے اپنے خاندان کی حالت پر غور کیا اور دیکھا کہ اگرچہ ہمارے آباء واجداد محبت

الٰہی میں فنا تھے اور دنیا سے منہ موڑ چکے تھے مگر اب ان کی اولاد دنیا کی طرف مائل ہو چکی ہے اور ان کی دینی حالت ابتر ہو چکی ہے تو میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے الہام اور کشوف کے ذریعہ مجھ پر یہ امر کھولا کہ اس وقت حقیقی صوفی حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہیں چنانچہ میں نے آپ کے قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہ کیا اور اپنا سب کچھ اس چشمۂ ہدایت کے لئے قربان کر دیا۔

بیماری اور وفات

حضرت حافظ صاحب کئی سالوں سے ذیابیطس کی مرض میں مبتلا تھے۔ آپ نے اس کی زیادہ پرواہ نہ کی۔ صبح و شام علمی مشاغل میں مشغول رہے اور علاج معالجہ کی طرف زیادہ توجہ نہ کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بیماری کے ساتھ ساتھ دماغی محنت نے صحت پر اور برا اثر ڈالا اور اصل مرض سے زیادہ عوارض پیدا ہو گئے۔

سلسلہ کے ایک جید عالم ہونے کی وجہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کے علاج کی طرف خاص اور ذاتی طور پر توجہ فرمائی اور آپ کے معالج محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ مزید ڈاکٹروں کو بھی آپ کے علاج معالجہ پر خاص توجہ دینے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ آپ کے ارشاد کے ماتحت حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ اور ڈاکٹر سید حبیب اللہ صاحبؓ نے محترم ڈاکٹر حشمت اللہ خان صاحبؓ کے ساتھ مل کر باہمی مشورہ سے حضرت حافظ صاحبؓ کا علاج کرنا شروع کیا اور ان حضرات کی شب و روز کی توجہ کے نتیجہ میں بیماری میں افاقہ ہونا شروع ہوا اور صحت میں ترقی کو بتدریج ہو رہی تھی۔

لیکن جون 1929ء میں وفات سے کچھ دن قبل عوارض نے اچانک ایسی صورت اختیار کر لی کہ دوا تک جسم کے اندر پہنچانا محال ہو گیا اور چند ہی روز میں آپ شدید نڈھال ہوئے۔ علاج معالجہ بے کار ہو کر رہ گیا۔ آخر اللہ تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور آپ 23 / جون 1929ء کی شام کو حرکت قلب بند ہونے کی وجہ سے اپنے مالک حقیقی سے جا ملے اور اس طرح یہ علم و فضل کا آفتاب جو چھوٹے بڑے، امیر و غریب، اپنے اور پرائے سب کو یکساں طور پر اپنے خدا تعالیٰ کے نور سے مستفید کر رہا تھا صفحۂ عالم سے ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ **انّا للہ و انّا الیہ راجعون۔**

آخر وقت تک آپ کے حواس قائم تھے اور آپ اپنے شاگردوں اور دوسرے پاس بیٹھنے والوں سے باتیں کرتے رہے۔ آپ کی گفتگو سے معلوم ہوتا تھا کہ نہ صرف آپ کو اس دنیائے فانی سے کلی انقطاع کا علم ہو چکا ہے بلکہ آپ اس کے لئے بے تاب و بے قرار ہیں۔

حضور کا تعزیتی خط

حضرت حافظ صاحبؓ کی وفات کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ سری نگر کشمیر میں تھے۔ چنانچہ مقامی امیر جماعت مولانا شیر علیٰ صاحبؓ نے آپ کو اس صدمہ جانکاہ کے متعلق بذریعہ تار اطلاع دی۔ آپ نے اس کے جواب میں مندرجہ ذیل تعزیتی تار روانہ فرمایا:

''مولوی شیر علی صاحب کا تار حافظ روشن علی صاحب کی وفات کے متعلق پہنچا۔ **انّا للّٰہ و انا الیہ راجعون**۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں وہاں موجود نہیں ہوں تا کہ اس قابل قدر دوست اور زبردست حامی اسلام کی نماز جنازہ خود پڑھا سکوں۔ حافظ صاحب مولوی عبدالکریم ثانی تھے اور اس بات کے مستحق تھے کہ ہر ایک احمدی انہیں نہایت ہی عزت وتوقیر کی نظر سے دیکھے۔ انہوں نے اسلام کی بڑی بھاری خدمت سرانجام دی ہے اور جب تک یہ مقدس سلسلہ دنیا میں قائم ہے انشاء اللہ ان کا نام کبھی نہ بھولے گا۔ ان کی وفات ہمارے سلسلہ اور اسلام کے لئے ایک بڑا صدمہ ہے لیکن ہمیشہ ایسے ہی بڑے صدمے ہوتے ہیں جنہیں اگر صبر کے ساتھ برداشت کیا جائے تو وہ خدا تعالیٰ کے فضلوں کے جاذب بن جاتے ہیں۔ ہم سب فانی ہیں لیکن جس کام کے لئے کھڑے کئے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کا کام ہے جو موت وحیات کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ غیر معلوم اسباب کے ذریعہ سے اپنے کام کی تائید کرے گا۔

چونکہ ہماری جماعت ہمارے پیارے اور معزز بھائی کی بہت ممنون ہے اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ تمام دنیا بھر کی احمدیہ جماعتیں آپ کا جنازہ پڑھیں۔ یہ آخری خدمت ہے جو ہم اپنے مرحوم بھائی کی ادا کر سکتے ہیں لیکن یہ بدلہ ان بیش خدمات کے مقابلہ میں جو انہوں نے اسلام کے لئے کیں کیا حقیقت رکھتا ہے۔'' (الفضل 28/جون 1929ء صفحہ 1)

نماز جنازہ و تدفین

حضرت حافظ صاحبؓ کے رشتہ داروں کو آپ کی آخری زیارت اور نماز جنازہ میں شرکت کا موقع دینے کی غرض سے 24/جون 1929ء کی گاڑی تک انتظار کیا گیا۔ گیارہ بجے کے قریب آپ کا جنازہ حضرت نواب محمد علی صاحبؓ کی کوٹھی سے کہ جہاں آپ آخری دنوں میں مقیم تھے اٹھایا گیا۔ قادیان اور بیرونی جماعتوں کے احباب کی ایک کثیر تعداد ساتھ تھی جن کے کندھوں پر یہ جسم اطہر باری باری منتقل

ہوتے ہوئے بڑے باغ میں پہنچایا گیا جہاں حضرت مولانا شیر علیؓ صاحبؓ امیر مقامی نے ہزاروں افراد کی معیت میں نماز جنازہ ادا کی اور اس کے بعد مسیح وقت کے اس بے مثال شیدائی، دربار خلافت کے انمول رتن، میدان تبلیغ کے عظیم سالار، عظیم شاگردوں کے عظیم اور مشفق استاد، ہمدرد خلاق وجود اور رسول وقرآن کے عاشق صادق کو بہشتی مقبرہ کی پاک سرزمین میں سپرد خاک کر دیا گیا۔

ایمان افروز واقعات

آپؓ کے ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

آسمانی کھانا

حضرت مولانا نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ نے ایک دفعہ فرمایا:

''حافظ روشن علی نے میری تقریر ہوتے ہوئے آسمانی کھانا کھالیا تھا۔ بیداری میں کباب اور پراٹھے کھاتا رہا۔'' (کلام امیر صفحہ 49 بدر 31/اکتوبر 1912ء)

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ارشاد سن کر حافظ روشن علی صاحبؓ سے مفصل حال پوچھا۔ تو انہوں نے فرمایا:

''ایک دفعہ میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ سبق کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے کھانے کا وقت گزر گیا حتّٰی کہ ہمارا حدیث کا سبق شروع ہو گیا۔ میں اپنی بھوک کی پرواہ نہ کر کے سبق میں مصروف ہو گیا۔ درانحالیکہ میں بخوبی سبق پڑھنے والے طالب علم کی آواز سن رہا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ یکا یک سبق کی آواز مدھم ہوتی گئی اور میرے کان اور آنکھیں باوجود بیداری کے سننے اور دیکھنے سے رہ گئے۔ اس حالت میں میرے سامنے کسی نے تازہ بتازہ تیار کیا ہوا کھانا لا رکھا۔ گھی میں تلے ہوئے پراٹھے اور بھنا ہوا گوشت تھا۔ میں خوب مزے لے لے کر کھانے لگ گیا۔ جب میں سیر ہو گیا تو میری یہ حالت منتقل ہو گئی۔ اور پھر مجھے سبق کی آواز سنائی دینے لگ گئی۔ اور میرے پیٹ میں سیری کی طرح ثقل محسوس ہوتا تھا اور سچ مچ جس طرح کھانا کھانے سے تازگی ہو جاتی ہے وہی تازگی اور سیری مجھے میسر تھی۔ حالانکہ نہ میں کہیں گیا اور نہ کسی اور نے مجھے کھانا کھاتے دیکھا۔'' (کلام امیر صفحہ 50 بدر 31/اکتوبر 1912ء)

حضرت ڈاکٹر مفتی محمد صادق صاحبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ ارشاد سن کر حافظ روشن علیؓ صاحب

سے مفصل حال پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

''ایک دن میں نے ابھی کھانا نہیں کھایا تھا۔ سبق کی انتظار میں بیٹھے بیٹھے کھانے کا وقت گزر گیا حتیٰ کہ ہمارا حدیث کا سبق شروع ہوگیا۔ میں اپنی بھوک کی پرواہ نہ کرکے سبق میں مصروف ہوگیا درآنحالیکہ میں بخوبی سبق پڑھنے والے طالب علم کی آواز سن رہا تھا اور سب کچھ دیکھ رہا تھا کہ یکا یک سبق کا آواز مدھم ہوتا گیا اور میرے کان اور آنکھیں باوجود بیداری کے سننے اور دیکھنے سے رہ گئے۔ اس حالت میں میرے سامنے کسی نے تازہ بتازہ تیار کیا ہوا کھانا لا رکھا۔ گھی میں تلے ہوئے پراٹھے اور بھنا ہوا گوشت تھا۔ میں خوب مزے لے لے کر کھانے لگ گیا۔ جب میں سیر ہوگیا تو میری یہ حالت منتقل ہوگئی اور پھر مجھے سبق کی آواز سنائی دینے لگی مگر اس وقت تک بھی میرے منہ میں کھانے کی لذت موجود تھی اور میرے پیٹ میں سیری کی طرح ثقل محسوس ہوتا تھا اور سچ مچ جس طرح کھانا کھانے سے تازگی ہوجاتی ہے اور وہی تازگی مجھے میسر تھی حالانکہ نہ میں کہیں گیا اور نہ کسی اور نے مجھے کھانا کھاتے دیکھا۔'' (کلام امیر صفحہ 50 بدر 31/اکتوبر 1912ء)

محترم ڈاکٹر میجر شاہنواز صاحب بیان فرماتے ہیں کہ آپ نے بیان کیا:

''ایک دفعہ سفر میں مجھ کو بہت تھکان ہوگئی اور فکر ہوا کہ آج تہجد کے لئے کیسے اٹھوں گا اسی فکر میں سوگیا۔ آدھی رات کے بعد میرے منہ پر ایک خالی گلاس جو اوپر طاق میں پڑا تھا زور سے گرا جس نے مجھ کو بیدار کردیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے عین دو بجے زور سے ہوا چلا کر گلاس کو گرادیا تا اس کا بندہ نماز تہجد ادا کرے۔'' (الفضل 4/اکتوبر 1929ء صفحہ 7)

خدا تعالیٰ کے وعدوں کو اور اس کی پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھ کر آپ بہت خوش ہوتے اور خدا تعالیٰ کی حمد وشکر میں لگ جاتے اور پھر ان کا ذکر مجالس میں کرکے آپ خوب مزے لیتے۔ قادیان کے متعلق آپ فرماتے ہیں:

''اگر قادیان، لاہور یا امرتسر کی طرح کوئی شہر ہوتا یا کم از کم ریل گاڑی کا اسٹیشن ہی ہوتا تو میں کہتا کہ یہاں جو آیا ہے آرام کی خاطر آیا ہوگا۔ لیکن اب جب کہ یہاں تک آنے کے لئے پکی سڑک بھی نہیں ہے۔ یکہ پیچھے پہنچتا ہے اور پیدل انسان پہلے آجاتا ہے مگر لوگ جوق در جوق آتے ہیں تو میں عجیب مزے لوٹتا ہوں اور یأتین من کل فج عمیق کی عجیب حلاوت حاصل کرتا ہوں۔'' (الفضل 30/جنوری 1916ء)

❁❁

حضرت مولوی شیر علی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک مرتبہ دو انگریز قادیان آئے۔ جب وہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب کی کوٹھی کے شمالی جانب سے گزرے تو قریب ہی ایک بزرگ اپنی بھینسیں چرا رہے تھے اور نہایت سادہ لباس میں ملبوس تھے۔ ان انگریز افسروں میں سے ایک نے ان سے پوچھا کہ ہمیں ریویو آف ریلیجنز کے ایڈیٹر سے ملنا ہے وہ کس جگہ ملیں گے؟ تو بزرگ نے فرمایا: چلیئے میں آپ کو ان کے مکان پر لئے چلتا ہوں اور اپنے ہمراہ لاکر اپنی بیٹھک میں بٹھا کر فرمایا: آپ تشریف رکھیں میں انہیں بلاتا ہوں۔

اس بزرگ کا مقصد یہ تھا کہ چائے وغیرہ تیار کروائیں۔ باتوں باتوں میں تعارف بھی ہو جائے گا لیکن انہوں نے کہا کہ ہمیں ان کے گھر پر ہی لے چلیں۔ اس بزرگ نے فرمایا: ریویو کا ایڈیٹر میں ہی ہوں۔

وہ دونوں افسر یہ سن کر بے حد حیران ہوئے اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا کہ ہم تو سمجھتے تھے کہ اس رسالہ کا ایڈیٹر کوئی انگریز ہوگا۔

یہ بزرگ حضرت مولوی شیر علی صاحبؓ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام تھے جن کا ذکر یہاں مقصود ہے۔

خاندان و پیدائش:

حضرت مولانا شیر علی صاحب پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں ''ادرحمہ'' میں 24/نومبر 1857ء کو پیدا ہوئے جو تحصیل بھلوال ضلع سرگودھا میں واقع ہے۔ آپ رانجھا قوم سے تعلق رکھتے تھے جو خاندان قریش کی شاخ ہے۔ آپ کا آبائی وطن موضع ''چادہ'' (متصل بھیرہ) تھا جو تحصیل بھلوال میں ہی واقع ہے جہاں آپ کی جدی ملکیت تھی۔ آپ کے دادا مولوی غلام مصطفیٰ صاحب کی شادی چونکہ پڑھار قوم میں ہوئی تھی اس لئے انہوں نے اپنی لڑکی کو زمین اور مکان وغیرہ دے کر حضرت مولوی صاحب کے والد صاحب حضرت مولوی نظام الدین صاحب کو اپنے پاس ہی بلا لیا جہاں آپ نے مستقل سکونت اختیار کر لی۔ چنانچہ مولوی صاحب نے یہیں جنم لیا اور بچپن کی معصوم زندگی کے شب و روز اسی گاؤں میں بسر کئے۔

آپ کا حلیہ مبارک

حضرت مولوی صاحب کا قد لمبا، رنگ گدمی، آنکھیں سیاہ چمکدار اور بڑی بڑی مگر غضِ بصر کا نمونہ، چہرہ خوبصورت جو روحانیت کی تازگی اور نورفراست کا آئینہ دار تھا اور ’’ان کی شناخت ان کے چہروں پر سجدوں کے نشان کے ذریعہ موجود ہے‘‘ (قرآن مجید) کے قالب میں ڈھالا ہوا جس پر ہر وقت تبسم کی خفیف جھلک نمایاں رہتی تھی، ناک ستواں، چہرہ پر مسنون تراش کی ریش، حیا کا چلتا پھرتا مجسمہ، آواز دھیمی مگر پکار میں اثر وسوز، چال پروقار، سر پر سفید عمامہ، تن پر سادہ قمیص، ڈھیلا ڈھالا کوٹ اور ہلکی شلوار جو ٹخنوں سے اوپر رہتی تھی، موسم سرما میں دو دو قمیضیں بھی پہن لیتے تھے لیکن اس میں یہ خوبی تھی کہ صاف ستھرا ہوتا جس میں تکلف کی کوئی خوبو نظر نہ آتی، سردیوں میں کبھی موٹا اور کھردرا سا کمبل اوڑھے رکھتے، پاؤں میں اکثر دیسی جوتا ہوتا، جسم نہ زیادہ بھاری بھرکم اور نہ دبلا۔

والدین

حضرت مولوی صاحب کے والد بزرگوار اپنے گاؤں میں عالم دین کی حیثیت سے نہایت قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کی علمی برتری، تقویٰ وطہارت اور صحیح دینی روح ایسے اوصاف تھے جن کے باعث ان کا نہ صرف اپنے علاقہ میں اثر ورسوخ تھا بلکہ اردگرد کے علاقوں اور قصبات میں بھی آپ کے پسندیدہ فضائل اور علامِ دین ہونے کا بہت چرچا تھا۔

حضرت مولوی صاحب کی والدہ ماجدہ حضرت گوہر بی بی صاحبہ خود ایک نہایت ذہین اور تہجد گزار خاتون تھیں۔ علوم دینیہ میں اچھی خاصی دسترس رکھنے کے علاوہ ان کو حافظہ قرآن ہونے کی سعادت بھی نصیب ہوئی تھی۔

آپ نے ایف۔سی کالج لاہور سے بی اے تک تعلیم حاصل کی۔ آپ کو انگریزی میں بہت مہارت حاصل تھی۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ تفسیر القرآن انگریزی کا ترجمہ تیار کرنا ہے۔ اس سلسلہ میں آپ تین سال کے لئے لندن مقیم رہے۔ آپ کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ آپ السلام علیکم کہنے میں ہمیشہ پہل کرتے۔ اگر سامنے سے کوئی آرہا ہوتا تو خواہ بچہ ہو یا بڑا آپ اسے دور سے ہی السلام علیکم کہہ دیتے اور کبھی بھی دوسرے کو بازی نہ لے جانے دیتے۔

حضرت مولوی شیر علی صاحب بہت نیک اور فرشتہ سیرت انسان تھے۔ آپ نہایت عابد، زاہد، خدا ترس، منکسر المزاج، غرباء کے ہمدرد اور طلباء کی تعلیم میں مدد دینے والے بزرگ تھے۔ لوگ آپ کو ولی اللہ اور فرشتہ کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ لندن میں ایک پرانے احمدی انگریز نے آپ کے متعلق کہا ''وہ تو فرشتہ ہیں'' آپ کے تقویٰ کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ آپ کی ڈاک میں ایسا خط بھی آیا جس کے ٹکٹ پر ڈاکخانہ کی مہر نہیں لگی ہوئی تھی، یہ ٹکٹ دوبارہ استعمال ہوسکتا تھا۔ جب آپ سے کہا گیا کہ اس ٹکٹ پر تو مہر نہیں لگی ہوئی تو آپ نے ٹکٹ پھاڑ کر فرمایا: یہ ٹکٹ اپنا کام پورا کر چکا ہے۔

آپ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے بچپن کے استاد اور حضور کے تقویٰ کے اعلیٰ مقام کے عینی شاہد تھے۔ بیسیوں دفعہ حضور نے آپ کو اپنے سفر کے موقع پر امیر مقامی مقرر فرمایا۔ نیز 1924ء میں سفر یورپ پر جاتے ہوئے آپ کو سارے ہندوستان کی احمدیہ جماعتوں کا امیر مقرر فرمایا۔

آپ کا وصال 13 ر نومبر 1947ء کو لاہور میں ہوا۔ اولاً آپ کی تدفین لاہور میں ہوئی اور بعد ازاں بہشتی مقبرہ ربوہ کے قیام پر حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر آپ کی تدفین بہشتی مقبرہ ربوہ میں کر دی گئی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے 20 ر دسمبر 1983ء کو جلسہ سالانہ ماریشس کے اختتامی خطاب میں فرمایا:

حضرت مولانا شیر علی صاحب تھے۔ ہر رنگ کے پھول اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عطا فرمائے تھے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب کا یہ حال تھا کہ بہت مختصر خطبہ دیتے اور بہت مختصر نماز پڑھایا کرتے تھے اور سادہ، سیدھے مزاج کے انسان، فرشتہ صورت، فرشتہ سیرت، کم گو اور جہاں تک نماز کا تعلق ہے بہت مختصر نماز پڑھاتے لیکن اپنی نماز کا یہ حال تھا کہ بعض دفعہ میں نے دیکھا ہے، ساتھ کھڑے ہو کر سنتیں بھی پڑھیں، وتر بھی پڑھے اور حضرت مولوی صاحب ابھی پہلی رکعت میں ہی کھڑے ہیں اور ان کے رکوع سے پہلے میں اپنی ساری نماز ختم کر لیا کرتا تھا اور آپ کے ہلکے ہلکے پڑھنے کی آواز کانوں میں آیا کرتی تھی۔ میں نے دیکھا کہ اکثر وہ اھدنا الصراط المستقیم پر اس طرح اٹک جاتے جس طرح ریکارڈ کی سوئی اٹک جائے۔ اتنا پڑھتے تھے، اتنا پڑھتے تھے کہ گویا ابھی دل کو تسکین نہیں ہوئی کہ اے اللہ میں صراط مستقیم مانگ رہا ہوں، صراط مستقیم مانگ رہا ہوں کہتے چلے جاتے تھے۔

بہت سادہ مزاج، بے حد بزرگ صورت و سیرت اور قرآن کریم کا ایسا علم، انگریزی پر ایسا عبور تھا، اپنی سادگی کے باوجود کہ کوئی انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اس سادہ لوح انسان کو زبان انگریزی کا اتنا

گہرا علم ہے۔ اتنے قابل طالب علم تھے کہ جب آپ نے لاہور میں BA پاس کیا تو حکومت کی طرف سے ان کو ڈپٹی کمشنر بنانے کی پیش کش کی گئی لیکن ڈپٹی کمشنری کو اپنے پاؤں کی ٹھوکر سے ایک طرف کر دیا اور قادیان وقف کر کے حاضر ہو گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جو فیض پایا ہے آپ نے وہ پھر مدتوں کئی نسلوں نے آپ سے پایا۔

بہت ہی پیار کرنے والا مزاج، بہت ہی سادہ مزاج، بہت ہی منکسر المزاج، جلسوں میں یا مسجدوں میں حاضر ہوتے تھے تو اکثر جوتیوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ایک بیان کرنے والے نے بیان کیا کہ میں نے ایک مرتبہ پوچھا کہ آپ جوتیوں میں کیوں بیٹھے ہیں تو انہوں نے پنجابی میں جواب دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ سعادتیں پانے والوں کو جوتیوں میں ہی بیٹھتے دیکھا ہے۔ جوتیوں میں سے سعادتیں ملا کرتی ہیں۔ اس شان کے بزرگ ان گلیوں میں پھرا کرتے تھے، سلام کرنے میں پہل کرنے والے، بڑے ہو کر چھوٹوں کا ادب کرنے والے اور جب بھی دعا کے لئے کہا فوراً اسی وقت دعا کی اور کسی اور سے غرض نہیں تھی، کسی اور کام سے غرض نہیں تھی صرف اللہ اور اس کے رسول اور اس کے مسیح کی محبت تھی جو ان کی زندگی کی کوک تھی جس سے زندگی کا دھارا چل رہا تھا۔

قرآن کریم کے علم کا یہ عالم ہے اور زبان انگریزی پر ان کے عبور کا یہ عالم ہے کہ آج تک اہل علم مبصرین کہتے ہیں کہ مولوی شیر علی صاحب سے بہتر ترجمہ قرآن کریم کا کسی کو کرنے کی توفیق نہیں ملی۔ بہت لوگوں نے زور مارے بعد میں بھی لیکن مولوی شیر علی صاحب کے ترجمے کا مقابلہ نہیں کر سکے۔ اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت عنایت فرمائے، اللہ تعالیٰ ان کی محبت میں تراشے ہوئے موتی تھی جو مسیح موعود کے فیض سے بہت خوبصورت بن کے چمکے۔ ان کے تمام باطنی حسن مسیح موعود کے نور سے روشنی پاتے ہوئے ایسے بھڑک اٹھے تھے کہ ایک ایک وجود مجسم نور بن چکا تھا۔

روایات حضرت مولانا شیر علی صاحبؓ

یہ روایات سیرت المہدی مؤلفہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ سے ماخوذ ہیں:

1) بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جن دنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کرم دین سے گورداسپور میں مقدمہ تھا اور آپ گورداسپور گئے ہوئے تھے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ سب لوگ کچہری میں چلے گئے یا ادھر ادھر ہو گئے اور حضرت صاحب کے پاس صرف میں اور مفتی محمد صادق صاحب

رہ گئے۔حضرت صاحب لیٹے ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سو رہے ہیں اسی حالت میں آپ نے سر اٹھایا اور کہا کہ مجھے الہام ہوا ہے لکھ لو۔اتفاق سے ایسا ہوا کہ اس وقت وہاں کوئی قلم، دوات یا پنسل موجود نہ تھی آخر ہم باورچی خانہ سے ایک کوئلہ لائے اور اس سے مفتی صاحب نے کاغذ پر لکھا۔آپ پھر اسی طرح لیٹ گئے۔تھوڑی دیر کے بعد پھر آپ نے الہام لکھایا۔غرض اسی طرح آپ نے اس وقت چند الہامات لکھائے۔مولوی صاحب نے بیان کیا کہ ان میں سے ایک الہام مجھے یاد ہے وہ یہ ہے: **یسئلونك عن شانك قل اللہ ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون** یعنی تیری شان کے متعلق سوال کریں گے۔تو ان سے کہہ دے ’’اللہ‘‘۔پھر چھوڑ دے ان کو ان کی بے ہودہ گوئی میں۔دوسرے دن جب آپ عدالت میں پیش ہوئے تو وکیل مستغیث نے آپ سے منجملہ اور سوالات کے یہ بھی سوال کیا کہ یہ جو آپ نے اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ میں اپنے متعلق لکھا ہے اور اس نے اس کتاب سے ایک عبارت پڑھ کر سنائی جس میں آپ نے بڑے زوردار الفاظ میں اپنے علو مرتبت کے فقرات لکھے ہیں کیا آپ واقعی ایسی ہی اپنی شان سمجھتے ہیں؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا: یہ اللہ کا فضل ہے، یا کوئی ایسا ہی کلمہ بولا جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف بات کو منسوب کیا تھا۔مولوی صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب کو اس وقت خیال نہیں آیا کہ یہ سوال وجواب آپ کے الہام کے مطابق تھا۔پھر جب آپ گورداسپور سے واپس قادیان آنے لگے تو میں نے راستہ میں موٹر پر آپ سے عرض کیا کہ حضور میرا خیال ہے کہ حضور کا وہ الہام اس سوال وجواب میں پورا ہوا ہے۔حضرت صاحب بہت خوش ہوئے کہ ہاں واقعی یہی ہے آپ نے بہت ٹھیک سمجھا ہے۔مولوی صاحب نے بیان کیا کہ اس کے چند دن بعد مجھے شیخ یعقوب علی صاحب نے کہا کہ حضرت صاحب ایک اور موقعہ پر بھی ذکر فرماتے تھے کہ مولوی شیر علی صاحب نے اس الہام کی تطبیق خوب سمجھی ہے اور خوشی کا اظہار فرماتے تھے۔

2) ملکہ وکٹوریہ کی ساٹھ سالہ جوبلی پر حضور نے ایک جلسہ کیا اور باہر سے دوستوں کو بلایا۔اس جلسہ کی روداد کئی زبان میں لکھی۔عربی کی روداد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے لکھی جس میں حضور نے اس امر کا اظہار فرمایا کہ احباب راتوں رات آتے ہیں اور کوئی سواری وغیرہ کا انتظار نہیں کرتے۔ حقیقت میں اس زمانہ میں مخلصین کا یہی طریق تھا کہ وہ راتوں رات قادیان آجاتے تھے۔چنانچہ مفتی محمد صادق صاحب کو دیکھا ہے کہ وہ ہر اتوار کو آتے تھے۔ہفتہ کی رات کو بٹالہ اسٹیشن پر اترتے اور راتوں رات چل کر قادیان آجاتے اور سوموار کو واپس چلے جاتے۔اسی طرح اور مخلصین بھی راتوں رات سفر کرتے

تھے۔ پس اس جلسہ میں جن احباب کو خاص طور پر بلایا گیا تھا اکثر رات ہی کو آ گئے تھے۔ انہوں نے سواری کا کوئی انتظار نہ کیا تھا۔ اس جلسہ میں حضور نے ملکہ وکٹوریہ کے لئے بہت دیر تک دعا کی۔ احباب کو لکھ دیا تھا کہ وہ آمین کہیں۔ آپ کا دستور تھا کہ آپ ہر کام جو گورنمنٹ کی وفاداری کے متعلق فرماتے نہایت اخلاص سے نبھاتے۔ اسی رات حضور کی اجازت سے قادیان میں روشنی کی گئی۔ روشنی بنولے جلا کر کی گئی تھی۔ حکومت نے تیل جلا کر روشنی کی تھی۔ اس رات بڑی تیز آندھی آئی جس سے حکومت کے چلائے ہوئے سب دیئے بجھ گئے مگر قادیان میں سلسلہ کی طرف سے جلائی ہوئی روشنی جو بنولوں کی تھی نہ بجھی۔ اس طرح صرف قادیان ہی کی جلائی ہوئی روشنی قائم رہی۔

آپ سے متعلق چند اور ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں۔ مکرم عبدالمجیب منیب صاحب مبلغ سلسلہ بیان کرتے ہیں:

قبولیت دعا

ہمارے گاؤں جلال پور کے نمبرداروں میں سے حضرت حافظ عبدالعزیز صاحب نون ؓ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابہ میں سے تھے ان کے ہاں ایک مرتبہ دو بچے پیدا ہوئے اور فوت ہو گئے اور آپ کی اس وقت کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف دو لڑکیاں تھیں۔ دوسری شادی کی ہمیشہ تلاش میں رہتے تھے کیونکہ پہلی بیوی سے اولاد کے متعلق کچھ مایوسی ہوئی تھی۔ اس سلسلہ میں انہوں نے کسی رشتہ کی تلاش کے لئے حضرت مولوی صاحب کی خدمت میں درخواست کی۔ حضرت مولوی صاحب اور حضرت حافظ صاحب کے باہمی تعلقات کی وجہ سے بے تکلفی زیادہ تھی۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: پہلی بیوی موجود ہے۔ اس پر حافظ صاحب نے کچھ مایوسی کا اظہار کیا جس پر حضرت مولوی صاحب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ مُردوں سے زندہ پیدا کر دیتا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حافظ صاحب کو ایک خوبصورت نیک حصال ذہین احمدی لڑکا عطا فرمایا جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس وقت بی اے ایل ایل بی ہے جس کا نام حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے عبدالسمیع رکھا وہ موجود ہے جو حضرت مولوی صاحب کی دعا کا ثمر اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا ہے۔

غالباً 1929ء کے جلسہ سالانہ کی بات ہے کہ میں جلسے کے بعد 10ر جنوری 1930ء تک قادیان میں مقیم رہنے کے بعد لکھنؤ واپس جانے کے لئے دارالامان سے روانہ ہوا۔ میں قادیان کے اسٹیشن پر ریل میں بیٹھا گاڑی کے چلنے کا انتظار کر رہا تھا اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت مولوی شیر علی صاحب ؓ گھی کا ایک مٹکا ہاتھوں میں اٹھائے گاڑی کے ڈبے ڈبے میں جھانکتے پھر رہے ہیں۔ جب آپ اس ڈبے کے سامنے آئے

جس میں میں بیٹھا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا: کوئی لکھنؤ جانے والے صاحب بھی ہیں۔ میں نے فوراً عرض کیا فرمایئے میں جا رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا: یہ گھی میرے لڑکے عبدالرحمن کو دے دینا وہ لکھنؤ میں ایم۔ایس۔سی میں پڑھتا ہے۔ میں نے مٹکا لے لیا۔ حضرت مولوی صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہوئے فرمایا: میں آپ کے بخیر و عافیت پہنچنے کے بارے میں دعا کرتا ہوں۔ مولوی صاحب نے دعا کرائی جس میں مَیں بھی شریک ہوا۔ چلتے وقت آپ نے کہا: آپ سفر پر جا رہے ہیں اللہ آپ کے ساتھ ہو۔

اسی روز چار بجے سہ پہر کے قریب امرتسر سے میں دوسری گاڑی میں سوا ہو جو لکھنؤ سے ہوئی ہوئی سیدھی کلکتہ جاتی تھی۔ دوسرے روز رات کے بارہ بجے کے قریب کلکٹر بک گنج اسٹیشن پہنچنے ہی والی تھی کہ یکا یک ایک دھماکہ سا ہوا اور آن کی آن میں یوں معلوم ہونے لگا کہ گویا دریا کا کوئی پل ٹوٹ گیا ہے اور گاڑی تیزی کے ساتھ نیچے کی طرف اس طرح جا رہی ہے جس طرح کوئی چیز کنوئیں میں گرتی ہے۔ سارے مسافر گھبرا گئے۔ میں نے درود شریف پڑھنا شروع کر دیا۔ چند ہی سیکنڈ میں وہ کیفیت دور ہوگئی اور یوں محسوس ہوا کہ گویا گاڑی رکی ہوئی ہے، بتیاں گل ہو چکی تھیں اور گاڑی رکنے سے چند سیکنڈ کے لئے خاموشی چھا گئی۔ میں اطمینان میں تھا کہ اتنے میں ایک سکھ مسافر نے کہا: میاں کس خیال میں ہو، فوراً نیچے اترو۔ اتنے میں گارڈ آ گیا اور چیخ چیخ کر مسافروں کو نیچے اترنے کی ہدایت کر رہا تھا۔ اس پر میرے بھی کان کھڑے ہوئے۔ جلدی میں کھڑکی کے راستہ سے نیچے اترا۔ نیچے اتر کر معلوم ہوا کہ گاڑی کی ایک مال گاڑی سے ٹکر ہوگئی ہے اور چیخ پکار پڑی ہوئی ہے۔ ہمارے سامنے کا ڈبہ اپنے سے اگلے ڈبے میں گھسا ہوا ہے اور پٹڑی سے اس طرح اٹھا ہوا تھا کہ جیسے تازیہ ہوتا ہے۔ دونوں ڈبوں کے تختے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے تھے اور ایک مسافر ان میں پھنسا ہوا تڑپ رہا تھا۔ سکھ مسافر بولا اجی قیامت آ گئی۔ میں نے کہا: جس دن آنی ہوگی ایسے ہی آ جائے گی۔ اس کے بعد مجھے اپنے سامان اور حضرت صاحب کے مٹکے کا خیال آیا۔ دیکھا تو حیرت کی انتہا نہ رہی گاڑی سے گاڑی ٹکرانے اور دنیا الٹ پلٹ ہو جانے کے باوجود گھی کا مٹکا جس میں 7، 8 سیر کے قریب گھی تھا جوں کا توں اپنی جگہ رکھا ہوا تھا۔ میں نے خدا کا شکر کیا اور دل میں سوچا کہ یہ حضرت مولوی صاحب کی دعا کا کرشمہ تھا کہ گھی کا یہ مٹکا اور اس مٹکے کے طفیل میں زندہ بچ رہا۔ پانچ چھ گھنٹے بعد ہمیں گاڑی ملی اور ہم اس میں سوار ہو کر بخیریت لکھنؤ پہنچ گئے۔ میں نے گھی کا مٹکا حضرت مولوی صاحب کے صاحبزادے عبدالرحمن کو پہنچا دیا۔ (ڈاکٹر لعل محمد بارہ بنکوی)

❁❁

حضرت چوہدری فتح محمد صاحب سیال رضی اللہ عنہ

❁

پیدائش

حضرت چوہدری فتح محمد صاحبؓ سیال ۱۸۸۷ء میں جوڑا کلاں ضلع قصور میں پیدا ہوئے۔

(الفضل ۸/مارچ ۱۹۶۰ء صفحہ ۱)

دیارِ حبیب کی زیارت اور بیعت

۱۸۹۹ء میں آپ اپنے والد صاحب کی معیت میں قادیان تشریف لائے اور حضرت اقدسؑ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (الفضل ۲/مارچ ۱۹۶۰ء صفحہ ۱)

ابتدائی تعلیم

آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے آبائی گاؤں جوڑا ضلع قصور میں حاصل کی۔

دوسری بار قادیان میں:

۱۹۰۰ء میں جب آپ پانچویں جماعت میں پڑھتے تھے۔آپ کے والد ماجد نے آپ کو تعلیم کے لئے قادیان بھیج دیا۔اس کے بعد آپ نے دسویں جماعت تک وہیں تعلیم پائی۔

چوہدری صاحب کا وقف زندگی

ابتداء میں جن اصحاب نے زندگی وقف کی ان میں سے دوسرے نمبر پر چوہدری صاحب کا نام ہے۔ ان کی درخواست پر حضورؑ نے تحریر فرمایا تھا:

''منظور''

چشمۂ معرفت میں آپ کا ذکر

حضرت مسیح موعودؑ ''چشمۂ معرفت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''ہماری جماعت کے معزز ارکان میں سے جس جس نے موقع پر پہنچ کر اس قرآن شریف کی زیارت کی ہے ان کے نام یہ ہیں۔''

(۱) مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر قادیان

(۲) مولوی محمد علی صاحب ایڈیٹر رسالہ ریویو آف ریلیجنز قادیان

(۳) مرزا محمود (میرا بڑا لڑکا) ایڈیٹر رسالہ تشحیذ الاذہان

(۴) سید امیر علی شاہ صاحب انسپکٹر جلال آباد

(۵) حکیم ڈاکٹر نور محمد صاحب لاہوری مالک کارخانہ ہمدم صحت لاہور

(۶) شیخ عبدالرحیم نومسلم سابق جگت سنگھ

(۷) چوہدری فتح محمد صاحب سیال طالب علم گورنمنٹ کالج لاہور

(چشمہ معرفت۔ روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۵۳)

نیز حضرت مسیح موعودؑ اہم امور کے لئے جن اصحاب کو کام پر بھیجتے ان میں چوہدری صاحب موصوف بھی شامل ہوتے اس کی مزید شہادت ذیل کی روایات سے بھی ملتی ہے۔ عباد اللہ گیلانی صاحب اپنی کتاب ''گورو ہرسہائے کا قرآن شریف'' میں لکھتے ہیں:

جن دنوں جماعت احمدیہ کا وفد گورو ہرسہائے ضلع فیروز پور گیا تھا۔ آپ (چوہدری صاحب) گورنمنٹ کالج لاہور میں تعلیم پا رہے تھے آپ بھی اس وفد میں شامل ہو کر گورو ہرسہائے گئے۔

بطور مبلغ انگلستان کی طرف روانگی سے قبل

چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی بیرون ملک تبلیغی زندگی کا آغاز اس وقت ہوا جب خواجہ صاحب نے (جو کہ لنڈن میں پہلے سے موجود تھے) تبلیغی مہم کے لئے حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی خدمت میں ایک مبلغ بھجوانے کی درخواست کی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی اپیل پر چوہدری صاحب نے اس عظیم مہم کے لئے اپنا نام پیش فرمایا جسے حضور نے شرفِ قبولیت بخشا۔

شُدّھی کی تحریک میں شمولیت

۲۳۔۱۹۲۲ء کی بات ہے کہ دشمن اسلام نے اسلام کے خلاف ایک زبردست سازش کی اور ایک بہت

بڑی قوم کو اسلام سے منحرف کرنے کے لئے بہت سی چالیں چلیں لیکن دشمن اسلام کو منہ کی کھانی پڑی۔ یہ شدھی کی تحریک تھی۔

راجپوت قوم کے مسلمان پنجاب اور راجپوتانہ کے تقریباً ہر حصہ میں پائے جاتے ہیں لیکن جن کا ذکر ان میں سے یہاں مقصود ہے ان کا تعلق شمالی ہندوستان کے ذیل کے اضلاع سے ہے۔

آگرہ، متھرا، بھرت پور، مین پوری فرح آباد، ایٹہ، اٹارہ بہردوئی، بدایوں۔ ان کی کل آبادی 2 (دو) لاکھ کے قریب تھی۔

مبلغین احمدیت کی روانگی

اگرچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ راجپوتانہ میں احمدی مبلغوں کے لئے کام کرنے کے متعلق شب وروز کی محنت شاقہ سے جو سکیم تیار فرما رہے تھے وہ ابھی مکمل نہیں ہوئی تھی۔ لیکن آپ نے موقع کی نزاکت اور اہمیت دیکھ کر ۱۲/ مارچ کو بعد نماز فجر مبلغین کی فوری روانگی کے متعلق ایک مختصر سی تقریر فرمائی جس میں فرمایا:

''میں نے جو ملکانہ قوم میں تبلیغ کی تحریک کی تھی اس کے متعلق ستر کے قریب درخواستیں آ چکی ہیں اور ابھی آ رہی ہیں آج رات میں نے آریہ اخباروں کا مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ وہ بہت سرعت سے کام کر رہے ہیں اور جلد سے جلد وہ اس کام کو سرانجام دینا چاہتے ہیں۔

میں نے جو اسکیم تیار کی ہے اس کو یکم اپریل سے جاری کرنے کا ارادہ تھا۔ لیکن اب اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ایک تو پہلے ہی ہم ایک مہینہ بعد میں کام کریں گے اور دوسرے ہمارے پاس ایسے آدمی بھی کوئی نہیں جو اس جگہ کی مقامی طرز تبلیغ سے واقف ہیں۔ اور جب تک مقامی تبلیغ کا طریق انسان کو نہ آتا ہو وہ کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مناسب خیال کیا کہ آج جبکہ چوہدری فتح محمد صاحب جا رہے ہیں کچھ لوگ آج ہی ان کے ساتھ روانہ ہو جائیں تا کہ وہ اس عرصہ میں وہاں کے حالات کے مطابق کام کرنا سیکھ لیں تا کہ بعد میں آنے والوں کو دقت پیش نہ آئے۔ سو جن دوستوں نے درخواستیں دی ہیں ان میں سے جو لوگ آج ہی تیار ہوں وہ مجھے ظہر سے پہلے پہلے اپنے نام دے دیں تا کہ میں انتخاب کر کے ظہر کے بعد ان کو روانہ کرسکوں۔"

مجاہدین کا وفد

چوہدری فتح محمد صاحب سیال کی زیر نگرانی مجاہدین کا وفد میدان ارتداد کی طرف روانہ ہوا اور بمقام اچھنیرا ضلع آگرہ میں آن اترا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ذات بابرکات میں قدرت نے جہاں اور خوبیاں ودیعت کی تھیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ حضورؓ کا ذہن وذکا عقل ورسا پورے کمال پر تھا۔ میدان ارتداد میں آریہ جیسی زبردست قوم کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں تھا۔ اور پھر ایسی جماعت کے لئے جو تعداد میں کم۔ دولت میں کم۔ مگر حضور نے اس عمدگی سے اور خوش اسلوبی سے مقابلہ کرنا شروع کیا کہ دنیا حیران رہ گئی۔

اس کے علاوہ لشکر مجاہدین کی کمان حضور نے ایسے شخص کے ہاتھ میں دی جو اس کام کا پورا اہل تھا، جس کا دماغ بحر تفکر میں گہرے غوطے لگا کر قیمتی موتی تلاش کرنے کا عادی تھا۔

یہ شخص بزرگ راجپوتوں کے شریف خاندان سیال سے تھا۔ چونکہ شدھی کا معاملہ بھی راجپوتوں کا تھا۔ اس لئے یہ فہیم انسان (چوہدری صاحب) اس معرکے کے لئے بالکل مناسب تھا۔ ۱۹۲۳ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت اقدس نے جناب چوہدری صاحب کی تعریف کر کے کمانڈر انچیف کے خطاب سے پکارا جو آپ کے لئے باعثِ فخر تھا۔

چوہدری صاحب نے اچھنیرا پہنچتے ہی جو حالات کا مطالعہ کیا تو بہت پیچیدہ نظر آئے۔ کیونکہ اوّل تو مسلمان آپس میں ہی جھگڑ رہے تھے۔ احمدیوں کے جانے سے ان کے ساتھ بھی الجھ گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ ان کو محدود علاقے میں مقید کر دیا جائے۔ کوئی کہتا تھا کہ ان کو صرف ہندوؤں کی تبلیغ پر لگا یا جائے۔ پھر کوئی کہتا تھا کہ ان کو علاقہ تقسیم کر کے ایسے مواضعات دیئے جائیں جہاں شدھی کا زیادہ زور ہو، تاکہ یہ لوگ گھبرا کر خود چلے جائیں لیکن میدان ارتداد کسی کی جائیداد تو نہ تھی یا کسی نے اس میدان کا اجارہ تو نہیں لے رکھا تھا۔ اس لئے نہ کوئی نکالا جا سکتا تھا نہ مقید کر سکتا تھا۔ البتہ معاملہ بہت پیچیدہ تھا۔ کیونکہ میدان جنگ تھا دشمن مقابلے پر تھا۔ مگر چوہدری صاحب نے نہایت ہمت سے کام لیا۔ اور اپنا مرکز آگرہ شہر میں قائم کر کے دو دو احمدیوں کو ادھر اُدھر مختلف اضلاع میں بھیج دیا کہ پہلے صحیح حالات کی رپورٹ تیار کر کے لاویں اور ان کو دس دن میں لوٹنے کی تاکید کی۔ دس دن تک ان مجاہدین نے آگرہ، متھرا، بھرت پور، ایٹہ، اٹاوہ، مین پوری، فرخ آباد اضلاع کو چھان مارا اور مکمل رپورٹیں پیش کر دیں۔ ادھر رپورٹیں آئیں

ادھر آگرہ میں مجاہدین کا دوسرا وفد آ گیا۔فوراً جناب چوہدری صاحب نے ہر ایک ضلع میں ایک ایک انسپکٹر مقرر کر کے ان کے تحت مجاہدین کو پھیلا دیا انسپکٹروں نے ان کو مناسب مقامات پر تعینات کر دیا۔ غرض مورچہ بندی ہوگئی اور مقابلہ شروع ہوا۔احمدیہ جماعت نے ایک ہی سہ ماہی کے اندر اندر ایک صد مبلغ میدان میں اتار دیئے۔ چوہدری صاحب نے دانشمندی یہ کی کہ جہاں تک آریہ ابھی پہنچے نہیں تھے وہاں بھی پیش قدمی کر کے قبضہ کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سینکڑوں مواضعات اور ہزاروں ملکانہ لوگ ارتداد سے بچ گئے۔

مکرم غلام نبی صاحب دارالتبلیغ ہینگ کی منڈی آگرہ سے رپورٹ میں تحریر فرماتے ہیں:

''کام بہت سرعت سے اور سرگرمی سے ہو رہا ہے اور آگرہ شہر میں ہماری تبلیغی کوششوں کا بفضل خدا خاص طور پر چرچا ہو رہا ہے۔معززین شہر اور ملکانہ راجپوت جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیال سے ملاقات کے لئے تشریف لاتے اور فتنہ ارتداد کے متعلق مشورہ کرتے اور مفید ہدایات لیتے ہیں۔'' (الفضل ۹/اپریل ۱۹۲۳ء صفحہ ۲)

خدا تعالیٰ کے فضل سے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی شب و روز دعاؤں سے چوہدری صاحب نے بہت کامیابی حاصل کی۔

گرفتاری ۱۲/ستمبر ۱۹۴۷ء تا ۸/اپریل ۱۹۴۸ء

چوہدری صاحب ۱۹۴۷ء میں پنجاب اسمبلی ہندوستان کے ایم ایل اے تھے اور وطن کی خدمت کماحقہٗ فرما رہے تھے کہ ۱۲/ستمبر ۱۹۴۷ء کو جھوٹے قتل کے الزام میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا۔آپ کے علاوہ مکرم عبدالعزیز صاحب بھامڑی، میجر شریف احمد صاحب باجوہ، حضرت زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب، مکرم مولانا احمد خاں صاحب نسیم، مکرم چوہدری علی اکبر صاحب آف ماڑی بچیاں، بھی گرفتار کئے گئے۔آپ کو ایک دو دن قادیان حوالات میں اور ایک دن بٹالہ میں رکھا اور پھر گورداسپور جیل میں رہے۔ پھر جالندھر جیل میں رکھا گیا۔

مکرم چوہدری صاحب ہی ان قید ہونے والے احمدیوں کے امیر اور امام الصلوٰۃ تھے۔آپ صبح کی نماز کے بعد درس دیا کرتے تھے۔

وفات سے قبل بیماری

آپ وفات سے قبل بیمار نہ تھے اچانک دل کا دورہ پڑنے سے آپ نے ۲۸ ؍فروری ۱۹۶۰ء وفات پائی اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔ آپ اللہ تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے۔ آپ کا وصیت نمبر 3480 ہے۔

تدفین

اسی روز سہ پہر ساڑھے چار بجے کے بعد دارالضیافت کے سامنے گھاس کے میدان میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی اور بعد ازاں بہشتی مقبرہ میں قطعہ صحابہ میں دفن ہوئے۔

حضرت چوہدری صاحب کی مختلف عہدوں پر خدمات

حضرت چوہدری صاحب نے جن مختلف حیثیتوں میں خدمت دین سرانجام دی اس کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) ۱۹۰۶ء انجمن تشحیذ الاذہان کے اعزازی ممبر، (۲) ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۶ء انچارج لنڈن مشن، (۳) ۱۹۱۷ء تا ۱۹۱۹ء افسر صیغہ اشاعت اسلام رہے۔ (۴) ۱۹۱۹ء تا جولائی ۱۹۲۱ء تک لنڈن مشن کے امیر۔ (۵) ۱۹۲۲ء میں آپ ناظر تالیف و اشاعت تھے۔ (۶) ۱۹۲۳ء تا ۱۹۲۴ء تک امیر وفد المجاہدین قادیان برائے کارزارشدھی (۷) جولائی ۱۹۲۴ء کو چوہدری صاحب سیکرٹری تبلیغ کے طور پر حضور کے ساتھ لنڈن گئے۔ (۸) دسمبر ۱۹۲۴ء تا ۱۹۵۰ء ناظر دعوت وتبلیغ رہے۔ (۹) فروری ۱۹۳۷ء کو چوہدری صاحب نے نظارت اعلیٰ کا چارج لیا۔ (۱۰) ۱۹۳۱-۳۲ء میں ناظر تعلیم وتربیت کے طور پر کام کیا۔ (۱۱) ۱۹۴۰ء میں مجلس انصار اللہ کے سیکرٹری مقرر ہوئے اور آخری دم تک رہے۔ (۱۲) اکتوبر ۱۹۵۰ء میں ناظر دعوۃ تبلیغ و ناظر اعلیٰ کے ممتاز عہدوں پر رہنے کے بعد ریٹائر ہوئے اور پھر ۱۹۵۴ء سے ۲۸ ؍فروری ۱۹۶۰ء تک ناظر اصلاح وارشاد کے عہدہ پر فائز رہے یہاں تک کہ آپ کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

ایمان افروز واقعات

مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب سابق امیر ضلع لاہور نے بتایا کہ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان

صاحب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے بیان فرمایا کہ جب چوہدری فتح محمد سیال صاحب لنڈن تشریف لے کر گئے تو آپ نے ایک پمفلٹ بعنوان ''وفات حضرت عیسیٰ علیہ السلام'' چھپوایا اور اُس کو تقسیم کر دیا۔ جب محترم خواجہ کمال الدین صاحب کو اس کا پتہ چلا تو انہوں نے چوہدری صاحب سے کہا کہ تم نے یہ پمفلٹ کیوں شائع کیا؟ یہ تو تم نے غضب کر دیا ہے۔ عیسائیوں کے ملک میں آ کر جہاں پر اُن کی حکومت بھی ہے وہاں پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ثابت کرنا کس قدر فتنہ کا باعث ہوگا۔ کیونکہ عیسائیت کی بنیاد ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زندہ آسمان پر چلے جانے پر ہے۔ یہ تو گویا تم نے عیسائیت کی جڑ پر ہی تبر رکھ دیا ہے۔ جو کہ بہت بُرے اور سنگین نتائج کی حامل بات ہوسکتی ہے۔ اُن کی تمام گفتگو سننے کے بعد چوہدری صاحب نے اُن کو جواب دیا کہ اگر میں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کو ہی ثابت نہیں کرنا۔ ''تو پھر میرا لنڈن آنے کا مطلب ہی کیا ہے؟''

مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب نے ایک اور واقعہ بیان فرمایا وہ بھی بڑا دلچسپ اور ایمان افروز ہے۔ وہ بیان فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کا میں خود راوی ہوں۔ حضرت ابا جان نے خود مجھ سے بیان فرمایا تھا کہ میں ہائیڈ پارک لنڈن میں جا کر روزانہ تبلیغ کرتا تھا۔ ہائیڈ پارک لنڈن کا طریق کار یہ ہے کہ وہاں پر جو شخص بھی چاہے اپنی ایک میز رکھ لیتا ہے اور اُس میز پر کھڑے ہو کر اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے اور لوگ خود بخود ارد گرد آ کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور تقریر سنتے ہیں۔ یہاں پر تقریر کرنے والوں پر کوئی پابندی نہیں ہوتی جس کا جو دل چاہے کہے اور اپنا نکتہ نظر بیان کرے۔

لہٰذا حضرت ابا جان تقریر کر رہے تھے کہ ایک پادری صاحب جو انڈیا میں عیسائیت کی تبلیغ کرنے پر مامور رہ کر لنڈن واپس گئے تھے کہنے لگے کہ میں آپ کی تقریر کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ چنانچہ میں میز سے اُتر گیا اور اُن کو اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا۔ پادری صاحب میز پر کھڑے ہو گئے اور یوں گویا ہوئے کہ یہ شخص جو یہ بیان کر رہا ہے کہ انڈیا میں ایک شخص حضرت مرزا غلام احمد آئے ہیں اور ان کا خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہے، اُن کو الہام ہوتے ہیں اور کشف میں نظارے نظر آتے ہیں، وہ مسیح موعودؑ اور امام مہدی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ یہ لوگ گرم ملک کے رہنے والے ہیں اور گرمی کی وجہ سے بارشیں بھی بہت ہوتی ہیں۔ مچھر بھی بہت ہوتے ہیں اور سرکنڈوں کی چھپر کھٹ بنا کر پانی کے اوپر رکھ کر اُس پر سوتے ہیں۔ لہٰذا ان کو نیند بھی اچھی طرح نہیں آتی اور نہ ہی ان کی

صحت اچھی ہوتی ہے۔خراب صحت کی وجہ سے پھر ان کو عجیب عجیب قسم کے خواب آتے ہیں جس کو یہ پھر الہام اور کشف کا نام دیتے ہیں (غالباً یہ پادری صاحب بنگال میں رہ کر گئے ہوں گے۔) جب پادری صاحب اپنا بیان دے چکے اور میز سے اتر گئے تو میں پھر میز پر چڑھ گیا تو میں نے لوگوں کو کہا کہ جیسے ان پادری صاحب نے بیان کیا کہ ہم انڈیا کے لوگ ان اِن نامساعد حالات اور خراب ترین موسم میں رہتے ہیں اور ہماری صحتیں نہایت خراب اور ناگفتہ بہ ہیں تو میں محترم پادری صاحب کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ یہاں میز پر میرے سامنے آ کر کھڑے ہو جائیں اور میں ایک مکا مار کر ان کے بتیس کے بتیس دانت نہ نکال دوں تو میں جھوٹا اور یہ سچے ہیں۔میرے اس بیان کے بعد تمام حاضرین نے اُن سے کہا کہ آپ میز پر کھڑے ہو جائیں مگر نہ مانے۔حتیٰ کہ لوگوں نے پکڑ پکڑ کر میز پر چڑھانے کی کوشش کی مگر پادری صاحب بالکل بھی نہ مانے یوں جاء الحق و زھق الباطل کا نظارہ لوگوں نے دیکھا۔مکرم چوہدری حمید نصر اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ابا جان سے پوچھا کہ ابا جان اگر وہ پادری میز پر چڑھ جاتا تو آپ کیا کرتے۔ابا جان نے بڑے جلال سے فرمایا ''میاں'' میں اُس کے بتیس کے بتیس دانت نکال دیتا۔**سبحان اللہ** کتنا اعتماد تھا احمدیت کی سچائی پر اور کتنا اعتماد تھا اپنے مولیٰ کی ذات پر۔

حضرت چوہدری صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت بہادر دل عطا فرمایا ہوا تھا۔ ۱۹۴۷ء کے شروع میں ہی بعض جگہوں میں فسادات شروع ہو گئے تھے۔آپ نے اپنے علاقے میں دورے کر کے تمام مسلمانوں کو آگاہ کیا کہ حالات جلد جلد بدل رہے ہیں تم لوگ تیاری کر لو تا آخر وقت میں نقصان نہ اٹھائیں۔خطرناک سے خطرناک علاقہ میں جانے سے آپ دریغ نہ فرماتے تھے۔

ایک واقعہ آپ نے مجھ سے کئی دفعہ بیان کیا فرمایا کہ میں چوہدری والے کی طرف سے آ رہا تھا تو پنج گرائیں میں ایک قافلہ مسلمانوں کا جو موضع کوہال کی طرف سے آ رہا تھا اور اُس پر شر پسندوں نے حملہ کر دیا اس وقت ادھر سے میں عین موقع پر پہنچ گیا۔میری کار دیکھ کر حملہ آور بھاگ گئے۔قافلہ والے مسلمان میرے اردگرد جمع ہو گئے۔میں نے ان کو تسلی دی۔ایک آدمی نے مجھے آ کر کہا کہ ہماری ایک لڑکی کو کچھ شر پسند ٹانگے میں بیٹھا کر ہم سے زبردستی چھین کر لے گئے ہیں۔انہوں نے مجھے سمت بتائی میں نے ڈرائیور کو کہا کہ موٹر کو ان کے پیچھے جلد دوڑاؤ۔جب ہم گاؤں سے نکلے تو وہ تانگہ ہم نے دیکھ لیا۔چنانچہ تھوڑی دیر میں ہم نے ان کو جا لیا۔وہ لڑکی کو چھوڑ کر بھاگ گئے۔چنانچہ لڑکی لا کر اس کے والدین کے سپرد کر دی اور خود

اس قافلہ کے ساتھ بٹالہ تک گیا اوران کو کیمپ میں چھوڑ کر واپس آیا۔

آپ کے بیٹے بیان فرماتے ہیں:

پاکستان بننے تک اور پاکستان بن جانے کے بعد تک آپ کی یہ مہم جاری رہی اور آپ احمدی اور اکثر مسلمانوں کو نکال کر قادیان لاتے رہے تب ضلع کے افسروں نے مشورہ کیا کہ اس بندے کا کچھ نہ کچھ بندوبست ہونا چاہئیے۔ چنانچہ قادیان کے چوکی انچارج نے آپ کو بلوالیا ہم لوگ یہی سمجھے کہ ابا جان کو کسی ضروری مشورہ کے لئے بلوایا ہے بعد میں معلوم ہوا کہ آپ کو گرفتار کرلیا گیا ہے۔ جب میں آپ کی ملاقات کے لئے گیا تو ابا جان کو حوالات میں بند پایا حوالات کا کمرہ بہت چھوٹا سا تھا۔ نہ کوئی بستر اور نہ ہی کوئی اور چیز آرام کرنے کے لئے تھی۔ حالانکہ اُس وقت آپ پنجاب اسمبلی کے ممبر تھے۔ لیکن ایک عام قیدی اور آپ میں کوئی امتیاز نہ رکھا گیا تھا۔ آپ کو تین دن تک اُسی حوالات میں رکھا گیا تھا۔ میں آپ کے لئے کھانا لے کر جایا کرتا تھا لیکن اس دوران میں نے جو دیکھا وہ یہ تھا کہ ابا جان بڑے مطمئن اور پُرسکون ہوتے۔ گھر بار کی نہ جائیداد کی نہ بیوی بچوں کی فکر نہ کوئی گھبراہٹ نہ کوئی اضطراب!

بڑے متوکل اور بہت باحوصلہ تھے۔ تین دن بعد قادیان سے گورداسپور جیل میں منتقل کر دیا گیا۔ جب گورداسپور پہنچے تو محترم احمد خان نسیم صاحب کا بیان ہے کہ انچارج نے کہا! فتح محمد کو کیوں لے آئے ہو؟ ان کو تو مار کر کسی نہر میں پھینک دینا تھا۔ تو آپ نے ایس پی کو جواباً کہا کہ تمہارے بندے مجھے نہیں مار سکتے جب خدا تعالیٰ چاہے گا میں تب ہی مرسکتا ہوں۔

پھر جیل کے حکام نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ کو جیل میں ہی قتل کروا دیا جائے وہ کچھ قیدیوں کے ذریعے یہ کام کروانا چاہتے تھے مگر دیگر قیدیوں کو جب اس منصوبہ کا پتہ چلا تو انہوں نے برملا کہا کہ اگر آپ لوگوں نے کوئی ایسی حرکت کی تو جیل میں ایسا فساد کریں گے کہ یہیں پر ایک اور پاکستان بنا دیں گے۔

جیل میں قیام کے دوران تقریباً پچاس اور ساٹھ کے درمیان دوست جماعت میں شامل ہوئے اور اس کام کے مکرم چوہدری صاحب موصوف روح رواں تھے۔ جب کسی کو تبلیغ شروع فرماتے تو ہم سب کو اکٹھا کر کے فرماتے کہ میں فلاں آدمی کو تبلیغ کرنے لگا ہوں۔ تم سب مل کر اس کے لئے دعا کرو۔ میں بھی دعا کر رہا ہوں۔

بٹالے کے ایک دوست جیل میں تھے۔ انہوں نے چوہدری صاحب سے ایک دفعہ پوچھا کہ آپ اس قدر مطمئن کس طرح ہیں۔ آپ پر اس قید اور مصیبت کا ذرا بھی اثر نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے اللہ

تعالیٰ نے اتنی دفعہ بشارت دی ہے کہ تم بخیر و عافیت جیل سے رہا ہو کر چلے جاؤ گے۔ کہ اب مجھے یہ دعا کرتے ہوئے بھی اللہ تعالیٰ سے شرم محسوس ہوتی ہے کہ میں اب مزید اپنی رہائی کی دعا کروں۔

اس نے کہا آپ میری رہائی کے لئے بھی دعا فرما دیں۔ آپ نے مسکرا کر فرمایا کہ مجھے کیا ضرورت ہے کہ میں آپ کے لئے دعا کروں۔ اگر آپ احمدی ہو جائیں تو آپ کے لئے دعا کروں گا۔ اس دوست نے فرمایا کہ جس طرح آپ کو خدا تعالیٰ نے بتایا ہے کہ آپ رہا ہو جائیں گے آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی کوئی ایسا اطمینان بخش نظارہ دکھا دے تا میں بھی مطمئن ہو جاؤں۔ آپ نے یہ وعدہ فرمالیا کہ میں یہ دعا کروں گا۔ چنانچہ چند دن کے بعد ہی اس دوست نے بھی ایک واضح رویاء دیکھی۔ جس میں اس نے دیکھا کہ ہم پاکستان چلے گئے ہیں اور جیل کے دروازے کھل گئے ہیں اور ہم کو اپنے اپنے رشتہ دار لینے کیلئے آئے ہوئے ہیں اور مٹھائیاں تقسیم ہو رہی ہیں وغیرہ۔ اس کے بعد وہ دوست بھی جماعت میں شامل ہو گئے۔ یہ دوست غلام محمد صاحب عرف گاماں پہلوان صاحب شیخوپورہ کے رہنے والے تھے۔

جیل میں تبلیغ

مولوی احمد خاں صاحب نسیم تحریر فرماتے ہیں:

ایک دفعہ ایک آدمی کے متعلق ہم سب نے مل کر فیصلہ کیا کہ وہ چونکہ ہر موقعہ پر کوئی نہ کوئی شرارت ہمارے خلاف کرتا ہے اس لئے اس کو چھوڑ دو اس کو کوئی بھی منہ نہ لگائے۔ مکرم چوہدری صاحب نے ہم سے فرمایا:

> ''نہیں بلکہ ایک کام تم سب اپنے ذمہ لے لو۔ تم دعا کرو اور میں اس کو تبلیغ کرتا ہوں یا تم اس کو تبلیغ کرو میں اس کے لئے دعا کرتا ہوں اس طرح اس کو چھوڑنا مناسب نہیں اس پر اتمام حجت کر کے چھوڑو۔''

عصر کی نماز کے بعد ہمیں جیل میں کچھ وقت ٹہلنے کے لئے مل جاتا۔ ایک مرتبہ میں اور برادرم مکرم میجر شریف احمد صاحب دونوں مل کر ٹہل رہے تھے کہ ہم نے دیکھا کہ چوہدری صاحب محترم چند قیدیوں کے ایک ٹولہ کے درمیان بیٹھے ہوئے ہیں جیل کے اندر تیس چالیس افراد خارش کی وجہ سے بیمار تھے۔ ان کو ایک علیحدہ بیرک میں رکھا ہوا تھا۔ ان کے ساتھ کسی کے ملنے کی اجازت نہ تھی۔ تا کہ یہ متعدی بیماری دوسرے قیدیوں میں نہ پھیل جائے۔ باجوہ صاحب نے جب چوہدری صاحب کو ان میں بیٹھا ہوا دیکھا تو مجھے فرمانے لگے۔ ''چوہدری

صاحب کیا غضب کر رہے ہیں کہ ان متعدی بیماری والوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں ان کو روکنا چاہئے'' جب چوہدری صاحب وہاں سے اٹھ کر واپس تشریف لائے تو ہم نے چوہدری صاحب کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ خارش کی وجہ سے بیمار ہیں آپ وہاں نہ جایا کریں۔

چوہدری صاحب نے فرمایا:

''میں نے سوچا یہ لوگ بہت تکلیف میں ہیں۔ ان بیماروں کو کوئی بھی اپنے پاس نہیں آنے دیتا۔ ایسے وقت میں آدمی کا دل نرم ہوتا ہے۔ میں ان کے پاس گیا تھا۔ تا میں اس سے فائدہ اٹھا کر ان کو تبلیغ کروں ممکن ہے کہ کسی کا دل احمدیت کی طرف مائل ہو جائے اور ہمیں مسکرا کر فرمانے لگے میں تو اس نیت سے ان کے پاس جا بیٹھا تھا کہ ممکن ہے کوئی مسیح پاک پر ایمان لے آئے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ مجھے اس بیماری میں مبتلا کر دے گا؟ بے فکر رہیں۔''

جیل میں قیام کے دوران قریباً ۵۸ افراد جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے اس کام میں مکرم چوہدری صاحب موصوف روح رواں تھے۔

شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل رقمطراز ہیں:

ہمارے ان معززین نے جیل میں دوسرے مسلمانوں کی تربیت کا بہت خیال رکھا ان کے نیک نمونہ کو دیکھ کر بہت سے غیر احمدی مسلمانوں پر بہت اچھا اثر ہوا۔ ان کو چوہدری صاحب نے اپنی ایک رؤیا بتائی کہ

''آموں کے موسم میں وہ رہا ہو جائیں گے۔''

تو غیر احمدی مسلمانوں پر خاص اثر ہوا یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آ سکتی تھی کہ کس طرح ایک شخص اپنی خواب کی بنا پر یقین کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہے کہ وہ ان کے ساتھ فلاں موسم میں رہا کر دیئے جائیں گے حالانکہ حالات نہایت ہی خطرناک تھے اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ تمام قیدیوں کو اذیتیں دے کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔ مگر جب اس خواب کے مطابق سارے قیدی رہا کر دیئے گئے تو ان میں سے 54اصحاب نے بیعت کر لی۔

یہ عجیب بات ہے کہ جب قیدیوں کا تبادلہ دونوں حکومتوں نے منظور کیا تو اس کے لئے کئی تاریخیں مقرر ہوئیں مگر جب تک آموں کا موسم نہ آیا وہ تاریخیں تبدیل ہوتی رہیں۔ آخر 7/اپریل

۱۹۴۸ءکوآ ٹھ بجے شب بذریعہ ٹرین جالندھر سے دوسرے زیرحراست قیدیوں کے ساتھ ہمارے معزز افراد بھی لاہور پہنچ گئے۔(تاریخ احمدیت لاہور صفحہ ۵۴۵۔۵۴۴)

لاہور اسٹیشن پر استقبال

لاہور اسٹیشن پر آپ کے استقبال کے بارے میں یہ خبر الفضل نے شائع کی۔لاہور ۸؍اپریل **الحمد للہ ثم الحمدللہ** کہ کل آٹھ بجے شب جالندھر سے زیرحراست مسلمانوں کی جوسپیشل ٹرین لاہور پہنچی۔اس میں سیدزین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب،مکرم چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم ایل اے،مکرم میجر شریف احمد صاحب باجوہ بی اے ایل ایل بی اور دیگر تمام اسیران جیل سے بخیروعافیت لاہور پہنچ گئے۔قیدیوں کی سپیشل ٹرین کومغلپورہ ریلوے اسٹیشن سے لاہور چھاؤنی کے سٹیشن پر لایا گیا۔جہاں متعدد اصحاب نے قیدیوں کا استقبال کیا۔ان میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب،نواب محمد دین صاحب اور شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ اور چوہدری اسداللہ خاں صاحب بارایٹ لاءاور بعض دیگراحباب شامل تھے۔

آپ رہا ہوتے ہی مغربی پنجاب اسمبلی کے سیشن میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے گئے۔وہاں سے آپ رتن باغ میں حضرت اماں جان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بعد میں نماز جمعہ میں شریک ہوئے۔

یوں چوہدری صاحب ایک زبردست امتحان میں کامیاب ہونے کے بعد اور بہت سی پیاسی روحوں کو احمدیت کے نور سے منور کرنے کے بعد پھر ایک نئے ملک میں نئے عزم کے ساتھ مصروف کار ہو گئے۔

(الفضل ۱۰؍اپریل ۱۹۴۸ءصفحہ ۲)

آپ کے متعلق ایک اور اہم روایت

”محترمہ مسز فرخندہ شاہ صاحبہ نے فرمایا کہ جب انڈیا سے ہمارے اسیران راہ مولا رہا ہوکر پاکستان واپس تشریف لائے تو ہم لوگ چینوٹ میں تھے ہمیں حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے پیغام بھجوایا کہ آپ کے بھائی حضرت سید ولی اللہ شاہ صاحب ربوہ بخیریت پہنچ گئے ہیں تو ہم لوگ اُن سے ملنے کے لئے ربوہ آئے اور چھ سات دن ٹھہرے۔اُن دنوں زیادہ وقت بھائی صاحب کے ساتھ گزررہا تھا اور انڈیا میں جن حالات سے دوچار رہے ہم وہ سنتے رہتے تھے۔بھائی صاحب نے بیان کیا کہ جیل میں رہتے ہوئے

چوہدری فتح محمد صاحب سیال نے ہم سے کہا کہ ہم لوگ یہاں پر فارغ رہتے ہیں کیوں نہ قیدیوں کو تبلیغ کی جائے۔ چنانچہ محترم عبدالعزیز صاحب بھامڑی، محترم احمد خان نسیم صاحب، اور خاکسار سید ولی اللہ شاہ اور خود چوہدری صاحب تبلیغ کرنے لگ گئے۔ جب لوگ احمدیت کو سمجھ جاتے اور بیعت کے لئے آمادہ ہو جاتے تو چوہدری صاحب اُن کی بیعت لیتے۔ میں نے دریافت کیا کہ بھائی صاحب جب آپ کی تبلیغ سے لوگ احمدی ہوتے تو پھر آپ ہی بیعت کیوں نہیں لیتے تو محترم بھائی صاحب نے جواباً فرمایا کہ بیعت لینے کی اجازت صرف چوہدری صاحب کو تھی۔ اس لئے ''آپ ہی کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرتے۔'' انہوں نے یہ بھی بیان فرمایا کہ احمدی ہونے والے احباب کی تعداد 58 تھی۔

ایک اور اچھوتا واقعہ مکرم حمید نصر اللہ صاحب نے بیان کیا کہ ۱۹۵۳ء کا زمانہ تھا۔ حضرت ابا جان کی گاڑی کہیں کام پر گئی اور آپ کو ضروری جماعتی کام سے لاہور شہر کی طرف جانا تھا۔ اُن دنوں آپ کی رہائش ماڈل ٹاؤن میں تھی اور ماڈل ٹاؤن سوسائٹی کی بسیں ماڈل ٹاؤن سے لاہور جایا کرتی تھیں۔ لہٰذا ابا جان بس میں سوار ہو گئے کچھ ہی فاصلہ طے ہوا تھا کہ ایک جلوس سامنے سے آ گیا۔ اُن دنوں احمدیت کے خلاف پنجاب میں ایک آگ بھڑکی ہوئی تھی۔ لہٰذا اُس جلوس والوں نے بس کھڑی کروالی اور کہا کہ بس میں جو بھی مرزائی ہے وہ اُٹھ کر باہر آ جائے۔ ہم نے اُس کو قتل کر دینا ہے۔ لہٰذا حضرت ابا جان بس میں ایک دم اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور یوں اُس ہجوم سے گویا ہوئے کہ آپ لوگوں کی زندگیاں صرف وصرف دنیا کے لئے ہیں۔ آپ لوگ صبح اُٹھتے ہیں اور منہ پر چند چھینٹے پانی کے مارے اور بغیر اللہ تعالیٰ کا نام لئے چل پڑے۔ سارا دن دنیا کے غلط سلط دھندوں میں مگن رہے اور شام کو اپنے آرام دہ گھروں میں بستروں میں خدا تعالیٰ کو یاد کئے بغیر دبک کر سو رہے۔ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے کیا کرتے ہو مگر میری زندگی صرف وصرف اللہ تعالیٰ کے نام کو بلند کرنے میں گذری ہے اور گزر رہی ہے اگر تم مجھے مارنا چاہتے ہو تو مار دیکھو؟ میں اس زمانہ کا سرمد ہوں جیسے صوفی سرمد کو لوگوں نے بے گناہ قتل کر دیا تھا اور اسی وجہ سے مغلیہ خاندان کی بادشاہی کا دور ختم ہو گیا اور مسلمان سو سال تک کافروں کی غلامی میں آ گئے آج تم ابھی مجھے قتل کر دو گے تو تم پھر سو سال تک غلامی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاؤ گے۔ اگر تم پھر سے غلامی میں رہنا چاہتے ہو تو آؤ مجھے قتل کر دو۔ آپ کا یہ پر شوکت بیان سن کر وہ بپھرا ہوا ہجوم چھٹ گیا اور آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے امن کی راہیں کھول دیں۔

❁❁

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ
مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ

حضرت مولوی صاحب دسمبر 1883ء میں ریاست کپورتھلہ میں پھگواڑہ کے قریب ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد صاحب کا نام (حافظ) محمد سلیمان تھا جو ضلع کرنال کے رہنے والے تھے۔

آپ نے 1901ء میں بیعت کی۔قادیان آمد سے قبل کپورتھلہ میں سکول ماسٹر تھے۔1905ء میں آپ کی شادی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشورہ سے محترمہ سیدہ عائشہ بانو صاحبہ سے ہوئی۔ آپ 1906ء میں مستقل طور پر قادیان آ گئے۔

حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیرؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابی تھے اور عرصہ دراز تک بیرونی ممالک میں ایک کامیاب مبلغ کی حیثیت سے کام کرتے رہے تھے۔ بالخصوص مغربی افریقہ میں سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ہدایات کے ماتحت پہلا تبلیغی مشن آپ نے ہی قائم کیا۔انگلستان میں بھی آپ کو تبلیغ حقہ کے فرائض سرانجام دینے کی توفیق ملی۔اللہ تعالیٰ نے کئی اور نوع کی خدمات سلسلہ بجالانے کی بھی آپ کو توفیق بخشی۔افریقہ اور انگلستان سے واپسی کے بعد پانچ سال تک بھوپال اور حیدرآباد کے علاقہ میں مربی رہے۔

حضرت مولانا نیر صاحب ان خوش نصیب بزرگوں میں سے ہیں جنہیں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہد میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی اعلیٰ خدمات بجالانے کا موقع ملا۔حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے یورپ تشریف لے جانے پر اپریل 1917ء آپ کو حضرت صاحب نے افسر ڈاک مقرر فرمایا۔آپ بحیثیت ''سیکرٹری لوکل انجمن احمدیہ'' (قادیان) کے عہدہ پر بھی فائز رہے۔

ایک رؤیا ''یہاں مت کھڑے ہو''

۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو نماز مغرب کا وقت تھا جب کہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ کے مکان میں حضرت مسیح موعودؑ کو

حضرت ام المومنین (سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ) کے ہمراہ گھوڑا گاڑی میں سیر کر کے واپس آنے پر داخل ہوتے ہوئے دیکھا اور اس کے بعد ہمارا سورج غروب ہوگیا اور احمدیہ بلڈنگ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آواز دوبارہ سننے میں نہیں آئی۔ دوسرے دن چاشت کے وقت ٹریننگ کالج کے بورڈنگ ہاؤس میں جب کہ میں چارپائی پر لیٹ گیا تو رؤیا میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعودؑ تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگز جسے اب غیر مبائع کوارٹرز کہا جاتا ہے اس کے قریب ایک جگہ ہے جہاں مخالف تقریریں ہورہی ہیں حضرت صاحب نے فرمایا:

''یہاں مت کھڑے ہو''

میں سمجھتا ہوں مجھے ارشاد تھا کہ اس مقام کے قریب بھی کھڑے نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہاں میری مخالفت ہورہی ہے۔ الحمدللہ کہ میں نے اس ارشاد کی اب تک تعمیل کی ہے۔

جب نعش مبارک سٹیشن پر پہنچ گئی تو حضرت ام المومنین (سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ) سٹیشن پر تشریف فرما تھیں اور ہم لوگ نہایت افسردگی کی حالت میں ایک طرف کو بیٹھے تھے تب ایک آریہ سماجی نے آ کر کہا کیوں صاحب اب کیا ہوگا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ مرزا صاحب تو فوت ہو گئے ہیں اب تم کیا کرو گے؟ میں نے جوش سے جواب دیا ایک مرزا صاحب فوت ہوئے ہیں مگر وہ دشمن کا سر کچلنے کے لئے پانچ لاکھ مرزا اپنے پیچھے چھوڑ گئے ہیں۔ جس سے دشمن پر یہ واضح کرنا مقصود تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام زندہ ہیں اور ان کا کام جاری رہے گا۔

خدا کے مامور کے خلیفہ کا پیامبر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ۷/نومبر ۱۹۲۱ء بعد نماز ظہر حضرت نیر صاحبؓ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''ایک بات جس کے متعلق میرا دل چاہتا ہے کہ اس طرح ہو اور افریقہ میں اسی بنیاد پر کام ہورہا ہے یہ ہے کہ مبلغ جائیں مگر مشنریوں کی طرح نہ جائیں بلکہ ان کا طریق صحابہ اور حواریوں کا سا ہو اور ان کی حیثیت ایسی ہو جیسے باپ بیٹے سے بغل گیر ہونے کے لئے جاتا ہے اور اپنے روّیہ سے ظاہر کرے کہ یہ اس کی کھوئی ہوئی بھیڑیں ہیں جن کی حفاظت کیلئے وہ آیا ہے۔ وہ اپنے افعال سے بتائے کہ وہ ان پر اپنی حکومت کو تسلیم شدہ سمجھتا ہے اور ساتھ ہی وہ سمجھے اور یقین

کرے کہ وہ خدا کا پیغام لایا ہے جس کا ماننا ان کا فرض ہے۔ میں نے دیکھا کہ ماسٹر (عبدالرحیم) صاحب میں یہ رنگ ہے۔ وہ جہاں جاتے ہیں اپنے آپ کو ان سے الگ اور منفرد نہیں ظاہر کرتے بلکہ ان لوگوں کو محسوس کرا دیتے ہیں کہ وہ ان کے خیر خواہ ہیں۔ ان سے جھگڑنے کیلئے نہیں آئے بلکہ ان کے فائدہ کے لئے آئے ہیں۔ لوگوں کو چاہیے کہ ان کی اس بات کی قدر کریں مثلاً وہ کسی شخص کو خط لکھ دیتے ہیں کہ ہم عرصہ سے یہاں آئے ہوئے ہیں مگر افسوس ہے کہ آپ اب تک نہیں ملے اس طرح وہ شخص ملنے کے لئے آجاتا ہے اور تعلق پیدا ہو جاتا ہے مگر اس اظہار کی لفظوں میں اس قدر ضرورت نہیں جس قدر افعال وحرکات سے ظاہر ہونا چاہیے۔ وہ یہ نہ کہے کہ میں ایک فرض ادا کر رہا ہوں اس میں میرا کیا دخل ہے اس طرح اس کی تمام بات کا زور ٹوٹ جاتا ہے بلکہ اس کا یہ رنگ ہونا چاہیے کہ وہ خدا کے مامور کے خلیفہ کا پیامبر ہے اور اب لوگوں کو اس کی بات ماننے میں کیا شک وشبہ ہوسکتا ہے۔''

مسجد احمدیہ لندن کے لئے قطعہ زمین کی خرید

حضرت نیّر صاحب احباب جماعت کو یہ عظیم خوشخبری دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''احباب کرام! مژدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ''مسجد احمدیہ لندن'' کیلئے زمین خرید لی گئی۔ اور انشاء اللہ کوشش کی جائے گی کہ چھ ماہ میں مسجد تیار ہو جائے۔ خرید کردہ قطعہ زمین میں علاوہ سکنی مکان کے ایک ایکڑ سے کچھ زائد رقبہ میں ثمر دار درختوں کا باغ ہے جس کے اندر انشاء اللہ مسجد تعمیر ہوگی۔ اور جس بات پر لوگوں نے ایک مضحکہ کیا تھا وہ اللہ کی عنایت سے حقیقت کا جامہ پہن رہی ہے۔ الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ۔ ثم الحمدللہ۔''

مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے قیام لندن کے دوران تاریخ احمدیت کا ایک نہایت اہم واقعہ مسجد فضل لندن کا سنگ بنیاد ہے جو ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۴ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اپنے دست مبارک سے رکھا سنگ بنیاد کی تقریب کا صرف چار روز قبل حضور نے فیصلہ فرمایا تھا۔ اس تقریب کے لئے مولانا نیّر صاحب نے حضور کی تحریر پر مشتمل فوٹو کے ذریعہ ایک کتبہ تیار کروایا جسے حضورؓ نے اپنے دست مبارک سے نصب فرمایا۔ یہ تحریر اردو اور انگریزی ہر دو زبانوں میں تھی۔

لندن سے مراجعت

یورپ کے اس کامیاب دورہ سے واپسی پر حضور نے لندن مشن کا انچارج حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب درد اوران کا نائب ملک غلام فرید صاحب ایم اے کومقرر فرمایا اور مولانا عبدالرحیم نیّر صاحب فریضۂ تبلیغ ادا کرنے کے بعد حضرت صاحب کے ارشاد پر حضور کے ساتھ ہی ۲۴ رنومبر ۱۹۲۴ء کو واپس قادیان تشریف لے آئے۔

جماعت کی دعاؤں اور شکریہ کے مستحق

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفر یورپ سے کامیاب مراجعت پر اسی روز مورخہ ۲۴ رنومبر بعدنماز عصر مسجد اقصیٰ میں ایک تقریب منعقد کی گئی جس میں اہل قادیان کی طرف سے حضرت مولانا شیر علی صاحب نے سپاسنامہ پیش کیا۔سپاسنامہ کے جواب میں حضور نے ایک پُرمعارف خطاب فرمایا۔

پاکستان میں قیام

قیام پاکستان سے چند ماہ پیشتر آپ بمبئی مشن سے علالت کے باعث قادیان میں آ گئے۔قادیان سے ہجرت ایک تکلیف دہ امر تھا۔آپ کسی صورت میں بھی قادیان سے نکلنا نہ چاہتے تھے۔لیکن ہجرت بھی مقدر ہو چکی تھی۔لہٰذا آپ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشاد پر اکتوبر ۱۹۴۷ء میں آخری قافلہ کے ساتھ مع اہل وعیال ہجرت کر کے پاکستان میں تشریف لے آئے۔قادیان سے ہجرت کے وقت جب منارۃ المسیح اور دیار مسیح سے جدائی ہو رہی تھی۔اس وقت کی کیفیت میاں غلام محمد صاحب ٹیلر ماسٹر کے بیان سے ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں:۔

آخری قافلہ جو اکتوبر ۱۹۴۷ء کو لاہور پہنچا۔اتفاق سے میں بھی اس میں سوار ہوا جس میں حضرت نیر صاحب مع اہل وعیال عازم سفر ہجرت تھے۔حضرت نیر صاحب میرے قریب ہی بیٹھے تھے۔آپ کسی سے گفتگو نہ کر رہے تھے،آپ کی نظریں منارۃ المسیح کی طرف لگی ہوئی تھیں اور فرما رہے تھے ''ہم نہیں جا رہے، دشمن ہمیں نکال رہا ہے نیز حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''آ جاؤ'' اس لئے ہم جا رہے ہیں

جب تک منارۃ المسیح نظر آ تا رہا اسے دیکھتے رہے اور زار وقطار روتے رہے اور یہی کیفیت سارا سفر رہی۔بیوی بچوں سے بھی بات تک نہ کی۔

پاکستان آنے پر حضرت نیر صاحب نے چند روز لاہور میں قیام فرمایا۔ اس کے بعد آپ نے گوجرانوالہ میں رہائش اختیار کر لی اگرچہ آپ بیمار تھے لیکن جب ذرا طبیعت اچھی ہوتی تو نماز جمعہ لاہور میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی اقتداء میں ادا فرماتے۔

نظام وصیت میں شمولیت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جاری کردہ نظام وصیت کے تحت آپ نے ۲۰ رجنوری ۱۹۰۸ء کو ۱۰/۱ حصہ کی وصیت کی، اس کے بعد ۶ دسمبر ۱۹۳۶ء کو آپ نے اپنی وصیت میں اضافہ فرمایا اور سیکرٹری صاحب بہشتی مقبرہ کی خدمت میں لکھا کہ ''آئندہ سے میری وصیت ۱۰/۱ کی بجائے ۹/۱ کر دی جائے۔ آپ کا وصیت نمبر ۲۸۲۴/ ۲۸۳ ہے۔

حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ کی وفات

قادیان سے ہجرت کے بعد آپ کی صحت دن بدن خراب ہوتی چلی گئی۔ اس دار فانی سے کوچ کا وقت مقدر ہو چکا تھا۔ اس لئے جوں جوں دوا کی مرض بڑھتا گیا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو وفات کی خبر پہلے سے ہی دے رکھی تھی۔

خدا تعالیٰ کی مشیت پوری ہوئی اور مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک درخشندہ ستارہ ۱۷ رستمبر ۱۹۴۸ء کو خدا تعالیٰ کی رحمتوں کے سایہ میں ہمیشہ کے لئے چھپ گیا۔ انّا للہ و انّا الیہ راجعون ہاں وہی جس کے ذریعہ یدخلون فی دین اللہ افواجاً کی پیشگوئی اسلام کی نشاۃ اولیٰ کے بعد پہلی بار اپنی پوری شان وشوکت سے مغربی افریقہ میں پوری ہوئی۔ اور وہی جس نے ''بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے'' الہام کے پورا ہونے کی داغ بیل ڈالی۔ اللہ تعالیٰ حضرت نیّر صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ لے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ اے خدا تو ایسا ہی کر۔ آمین

تدفین

اس وقت حالات ناساز گار ہونے کی وجہ سے آپ کو گوجرانوالہ میں ہی امانتاً دفن کیا گیا اور اس کے بعد آپ کی نعش مبارک ۲۹ رجنوری ۱۹۵۵ء کو بہشتی مقبرہ ربوہ میں سپرد خاک کر دی گئی۔ آپ کی اہلیہ محترمہ محمودہ نیّر صاحبہ کا بیان ہے کہ حضرت نیّر صاحب کا تابوت اپنی پہلی حالت میں ہی تھا لہٰذا تبدیل نہ کیا گیا۔

آپ کو انگلستان اور افریقہ میں لمبا عرصہ تبلیغ کا موقع ملا۔ آپ کے بعض ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

رؤیا کی بناء پر قبول احمدیت

ایک ہندوستانی نوجوان جو لندن میں قانون کی تعلیم حاصل کر رہے تھے حضرت نیّر صاحب کی ایک تقریر میں شامل ہوئے۔ تقریر کے اختتام پر انہوں نے اپنی ایک رؤیا کا ذکر کیا کہ انہوں نے خواب میں یہ دیکھا کہ حضرت نیّر صاحب سبز عمامہ پہنے انہیں وعظ کر رہے ہیں۔ ان کے ہاتھ میں ایک فارسی کتاب ہے جس کی نسبت ان کو کہا گیا کہ یہ حضرت احمد مسیح موعود کی کتاب ہے۔ یہ نوجوان پہلے سے ہی اخلاص رکھتے تھے اس رؤیا کے بعد انہوں نے کہا کہ آج رات سے مجھے احمدی شمار کیا جائے۔

حضرت نیّر صاحب فرماتے ہیں کہ میری اس تقریر میں ایک ہندوستانی تاجر بھی شامل تھے۔ تاجر موصوف نے اس بات کا اظہار کیا کہ:

''ولایت میں آ کر میرے خیالات پر بھی اثر ہو رہا ہے اور طبیعت احمدیت کی طرف مائل ہے۔''

ہر طرف آواز دینا ہے ہمارا کام آج
جس کی فطرت نیک ہو آئیگا وہ انجام کار

(درثمین)

یورپ کا آئندہ مذہب

آپ کی ان ''کھلی ہوا'' کی تقاریر کا ذکر کبھی کبھی اخبارات میں بھی ہوتا رہتا۔ لندن کا ایک مشہور اخبار ڈیلی گراف لکھتا ہے:

''عیسائی منبر کے نزدیک ایک آدمی مشرقی لباس اور پگڑی میں محمدیت کا وعظ پورے جوش کے ساتھ کر رہا تھا اور کہتا تھا کہ یورپ کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔ میں نے اس کے منبر کے سامنے کی طرف لکھی ہوئی عبارت کا مطالعہ کیا اور معلوم ہوا کہ وہ احمد کا خادم ہے اور ''احمد'' جیسا کہ مقرر نے بتایا اللہ کا نبی تھا جو بنی نوع انسان کی ضرورت شاقہ کے وقت مشرق میں مبعوث ہوا۔ احمد کا ۱۹۰۸ء میں انتقال ہوا۔''

ہائیڈ پارک کی تقاریر ایک انگریز مصنف کی نظر میں

مسٹر جیمز سٹوئرٹ (ایک انگریز مصنف) نے ہائیڈ پارک میں تقاریر سے متعلق ایک کتاب بعنوان Hyde Park orators and audience (ہائیڈ پارک کے مقررین اور سامعین) شائع کی۔ مصنف موصوف ہائیڈ پارک میں حضرت نیّر صاحب اور دیگر مقررین کی تقاریر میں شامل ہوتے اور ان تقاریر کے نوٹس لیتے تھے۔ مصنف نے اپنی اس کتاب میں حضرت نیّر صاحب کی تقاریر اور اس سوال و جواب کا خاص طور پر ذکر کیا۔ مسٹر سٹوئرٹ لکھتے ہیں:

''وہ سبز عمامہ پوش کون ہے؟ جو ایک اجنبی زبان میں دلکش کلام پڑھ رہا ہے اور جس کے گرد لوگ ادھر ادھر سے آ کر جمع ہو رہے ہیں۔ ہمارا یہ دوست ہندوستانی ہے۔ غیر ملکی زبان کا سریلا کلام ختم ہو چکا ہے۔ اب ہمارا مقرر فصیح انگریزی میں اپنا مذہب بیان کرنے لگا ہے۔''

اس کے بعد مصنف نے حضرت نیّر صاحب کی ایک تقریر کا خلاصہ اور سوال و جواب درج کئے۔

نصرت الٰہی

یکم اکتوبر ۱۹۲۱ء کی صبح احباب جماعت کو وعظ و نصیحت اور چندوں میں باقاعدگی کی طرف توجہ دلانے کے بعد آپ نے ایک قصبہ اوگوان (Ogwan) جو یہاں سے ۱۱ میل کے فاصلہ پر ہے، جانا تھا۔ یہاں غیر ملکیوں کو ڈاکٹر صاحبان کی ہدایت تھی کہ وہ پیدل بہت کم چلیں ورنہ بخار کا اندیشہ ہے۔ احباب جماعت اس کوشش میں تھے کہ کوئی سواری مہیا ہو جائے مگر کسی سواری کا انتظام نہ ہو سکا۔ اوگوان کے رئیس Emahene (یعنی بادشاہ اعظم) کو آپ کی آمد کی اطلاع کی جا چکی تھی اس لئے آپ مزید انتظار کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے پیدل روانہ ہو گئے مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے جلد ہی سواری کا انتظام فرما دیا۔ آپ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ابھی بمشکل دو فرلانگ سفر کیا تھا کہ پسینہ کا دریا شروع ہوا اور اس طرف دریائے رحمت نے جوش مارا۔ ایک نوجوان مسیحی بھاگتا ہوا آیا اور بولا Revd. Revd. Hammock come مولوی مولوی! ہیمک آ گئی ہیمک آ گئی۔ (ہیمک ایک قسم کی ڈولی ہے۔ یہ قوس کی شکل پر ایک کپڑا ہوتا ہے جو نیچے دو لکڑیوں سے بندھا ہوا لٹکتا ہے۔ چار آدمی اوپر کی لکڑی کو جس کے ساتھ

چھت ہوتی ہے اٹھاتے ہیں اور سوار جھولے کی طرح بیٹھا ادھر ادھر کھسکتا جاتا ہے) ہیمک چار نوجوانوں نے کمال اخلاص ومحبت سے اٹھائی اور کبھی پیدل اور کبھی سوار سفر کیا۔ ہیمک کے آنے پر احباب کو مختصر سا ایڈریس عربی میں توکّل پر دیا۔''

تبلیغی مشکلات اور حضرت نیّر صاحب کا ثبات قدم

افریقہ میں سفر کی مشکلات اور صعوبتیں آپ کے بلند ارادوں کو متزلزل نہ کر سکیں۔ ضعیف و ناتواں جسم ان پیش آمدہ ہزاروں مشکلات کے سامنے کوہ ثبات کا پیکر تھا۔ کیسی ہی مشکلات پیش آتیں آپ اپنے پروگراموں کو پایۂ تکمیل تک پہنچا کر دم لیتے۔ ذیل میں ایک تبلیغی دورہ کی کیفیت حضرت نیّر صاحب کی تحریر سے پیش ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

''ان دنوں مشن کی اپنی موٹر ہے کیونکہ روز ۷۵ روپیہ خرچ کرنا امکان سے باہر تھا۔ اس لئے ۱۰۰۰ روپیہ پر ایک موٹر گروی رکھ لی ہے۔ ۷۵ روپیہ ماہوار پر ڈرائیور، ساڑھے ستائیس روپے ماہوار پر میٹ رکھا ہے۔ ان کے علاوہ باورچی اور خادم ۷۵ روپے ماہوار پر رکھے ہیں۔ یہ تمام سٹاف موٹر میں میرے ساتھ دورہ پر جا رہا تھا کہ موٹر بگڑ گئی۔ اب یہ تمام سٹاف چھوڑنا پڑا اور تنہا مع ایک خادم کے کرایہ کی لاری پر عزم سفر کیا۔ راستہ میں دریا پڑتا تھا اور کشتیوں کے پُل پر سے لاری جاتی تھی۔ پُل کا رسہ ٹوٹ گیا تھا۔ ملاح انکاری تھے کہ وہ پل کو درست کریں۔ ان کو وعظ کیا اور وہ نرم ہوئے اور گاؤں سے رسے لا کر پار اتارا مگر لاری پھر کیچڑ میں پھنس گئی۔ جس طرح پنجاب میں زمیندار گڈوں کو کیچڑ سے نکالتے ہیں، اسی طرح لاری کو کھینچ کر نکالنے میں مجھے بھی حصہ لینا پڑا۔ ایک نالہ آیا۔ اس میں عین پانی کی دھار میں لاری کے پہیے اٹک گئے۔ یہ خطرناک موقع تھا کیونکہ ہر وقت زیادہ پانی آنے کا خطرہ تھا۔ مسافروں کی ایک جماعت نے آ کر اس مشکل کا حل کیا۔ اب ایسا راستہ آیا کہ پیدل چلنا پڑا۔ افریقہ کے تین میل ہمارے ۵ یا ۶ میل ہوتے ہیں۔ کھانے کا کوئی سامان نہ تھا۔ بھوک کی شدت تھی۔ تھکان کے مارے جسم ٹوٹ رہا تھا۔ پسینہ زوروں کے ساتھ آ رہا تھا۔ یہ منزل کٹھن ختم کی اور منزل مقصود پر پہنچ کر چائے مانگی اور ملازم سے کہا وہ چھوٹا بسکٹوں کا بکس ہے اسے کھولو۔ بڑے شوق سے بکس کا ڈھکنا اٹھایا گیا اور انتظار تھا کہ اب عیسٰی بسکٹ دے گا مگر اس بکس میں سے بجائے بسکٹ، بوٹ پالش، بوٹ برش، ٹوتھ پاؤڈر اور ٹوتھ برش وغیرہ اشیاء نکلیں اور وہاں کوئی چیز نہ مل سکتی تھی۔ ''

ان حالات میں میں نے یہ شعر پڑھا:

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
آرام نہیں ہے کوئی دم آٹھ پہر میں

اور عزم کر کے تقریر کے لئے روانہ ہوا۔ جسم میں طاقت نہ تھی مگر ہمت واستقلال اور ایمان اگر ساتھ ہوتو اللہ طاقت دیتا ہے۔ تقریر کے لئے کھڑا ہوا...... یہ ہے ایک ورق اس باب مشکلات سے جو مبلغ کو پیش آتی ہیں۔ مگر ایمان ہمیشہ فضل ساتھ لاتا ہے اور میں نے ہر موقع پر اس فضل سے حصہ لیا ہے۔ چنانچہ ان مشکلات کے نا قابل برداشت ہونے اور ایسے وقت میں جبکہ میں بالکل مضمحل ہو گیا تھا میں نے اپنا ہینڈ بیگ کھولا۔ اس میں لیموکا رس اور انگلستان سے آئے ہوئے کیک کا ٹکڑا اور بادام تھے جو اتفاقاً اس بیگ میں رہ گئے تھے۔ میری کیا حالت تھی۔ اور اس نعمت غیر مترقبہ کے ملنے پر کیا حالت ہوئی اس کا اندازہ ناظرین خود کریں میں تو الحمدللہ رب العالمین کہتا ہوں۔

خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت کے حسین نظارے

''میں ۱۳ رستمبر کو اکرا سے روانہ ہوا۔ نصف راستہ پر چوراہا تھا اور سالٹ پانڈ سڑک کا پھاٹک بند۔ اس پر Road closed, no permits ''سڑک بند خاص اجازت منع'' لکھا تھا۔ ۱۵ ستمبر کو عید تھی اور اس پر مجھے ایسے مقام پر پہنچنا تھا جو اس جگہ سے ۴۰ میل تھا۔ یہاں کوئی واقف نہیں۔ سواری کا کوئی انتظام نہیں۔ سخت فکر لاحق ہوئی۔ ابھی ۵ منٹ نہ گزرے تھے کہ ایک شخص آیا اور کہنے لگا میں نے بڑی سفارشوں سے اجازت حاصل کی ہے آپ کو میں ساتھ لے جاؤں گا اور ہفتہ بھر میں صرف یہ ایک پہلی لاری تھی کہ جسے اجازت ملی۔''

''سالٹ پونڈ پہنچ کر دیکھا کہ منزل مقصود والی سڑک پھر بند ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کی **توکلاً علی اللہ** موٹر کرایہ پر مقرر کر لی اور تمام تیاری کر لی۔ موٹر ڈرائیور میری بیوقوفی پر ہنستا ہوا سوا سات بجے ۱۵ ستمبر کو آ گیا اور عاجز سوار ہو کر چل پڑا۔ راستہ میں پھاٹک سے تین فرلانگ کے فاصلہ پر روڈ انجینئر ملا جو پھاٹک کھول کر واپس آ رہا تھا اور سڑک کھلنے کا اعلان کرانے جا رہا تھا۔ پہلی موٹر جو آج گزری وہ میری تھی اور میں ۱۶ ستمبر کو تیسرے پہر واپس آیا اور آخری موٹر جو اس دن گزری وہ میری تھی اور اس کے بعد پھر سڑک بند ہوگئی۔''

''۲۵ ستمبر کو میں نے کیپ کوسٹ کاسل کی طرف دورہ پر جانا تھا۔ سڑک کھل گئی اور عاجز چلا گیا تین دن کے بعد بارش میں واپس آیا تو سڑک بند تھی اور پولیس کانسٹیبل بھی چابی لے کر چلا گیا تھا۔ فکر ہوئی کہ اب کیا کیا جائے۔ میرے خدا نے مجھے فکر میں نہ رہنے دیا۔ معاً روڈ انجینئر خود آ گیا اور مجھے دیکھ کر میری طرف آیا اور ہندوستانی زبان میں بات کرنے لگا۔ اب تو کیا تھا دوستی ہوگئی۔ نہ صرف دروازہ کھلا بلکہ ایک مفید دوست ہاتھ لگ گیا اور گولڈ کوسٹ میں سفر کی سب سے بڑی مشکل کا حل ہو گیا۔''

''راستہ میں میری موٹر خراب ہوگئی اور حسب پروگرام مجھے ''سراہا'' نام موضع میں پہنچنا تھا۔ بارش شروع ہوگئی۔ سواری کی امید منقطع ہو رہی تھی کہ جھٹ ایک لاری آ گئی۔ میں سوار ہو گیا۔ اس لاری نے مجھے منزل مقصود سے میل ورے اتار دیا اور باقی راستہ لاری کی سڑک پر پیدل چلنے کا ارادہ کر رہا تھا کہ اسی گاؤں سے ایک لاری معاً آ گئی اور میں اس میں سوار ہو کر چل پڑا۔ گویا یہ تمام انتظام میرے لئے پہلے سے تھا۔''

ایک پُرخطر اور تکلیف دہ سفر

حضرت نیّر صاحب کیپ کوسٹ کے دورہ سے واپس تشریف لا رہے تھے۔ سالٹ پانڈ پہنچنے کے لئے ۱۴ میل کا سفر باقی تھا۔ لمبے سفر اور تقاریر کے بعد آپ تھک چکے تھے اور خیال تھا کہ نصف گھنٹہ کے سفر کے بعد آپ سالٹ پانڈ پہنچ کر آرام کریں گے۔ آپ موٹر میں روانہ ہوئے۔ موٹر چڑھائی پر جا رہی تھی کہ یکا یک انجن خراب ہو گیا۔ ڈرائیور اور خادم نے ہر ممکن کوشش کی مگر موٹر مرمت نہ ہو سکی۔ تاریک رات تھی اور موٹر کے لیمپوں میں نہ تیل تھا اور نہ دیا سلائی۔ سڑک کے دونوں طرف گھنا جنگل اور اونچی پہاڑیاں تھیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ گھٹا ٹوپ بادل چھائے ہوئے تھے اور برسنے کے قریب تھے۔ کوئی گاؤں بھی قریب نہ تھا کہ وہاں کچھ دیر قیام کر لیتے۔ دعا کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ بالآخر حضرت نیّر صاحب نے بقیہ ساڑھے نو میل کا فاصلہ اس اندھیری رات گھنے جنگلوں اور بادلوں کے سائے تلے کمزوری اور تھکان کے باوجود پیدل چلنے کا فیصلہ کیا۔ اس سفر کے حالات حضرت نیّر صاحب کے الفاظ میں درج ذیل ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

''رات کا ایک حصّہ اس قدر تاریک تھا کہ ہاتھ پسارا مشکل سے نظر آتا تھا۔ محمد اسحق میرے آگے اور موٹر کے خادمان اسباب سروں پر اٹھائے پیچھے تھے۔ کچھ خیالات کا سلسلہ شروع ہوا اور یاد حبیب نے دل

میں جذبات اور زبان میں حرکت پیدا کی اور بے اختیار اس حالت میں میں بول اٹھا۔

رانجھا رانجھا یار میاں مینوں تیرے ملن دیاں تانگاں
بجلی چمکے چمک ڈراوے رات اندھیری کجھ نظر نہ آوے
نکل گئیاں ہون چانگاں

ان الفاظ کے ساتھ آنکھوں سے پانی اور آسمان سے بونداباندی نے ایک عجیب سماں پیدا کیا۔

سلسلہ خیالات کا کامل انقطاع نہ ہوا تھا کہ محمد اسحق نے کہا کہ اندھیرا بہت ہے اور راستہ خطرناک ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ساحل بحر کے ساتھ ساتھ چلیں۔ اب جزر کا وقت ہے پانی نیچے ہے اور ایک طرف کھلی ہوا ہونے کے باعث روشنی ہوگی۔ اس نصیحت پر عمل کر کے سمندر کا کنارہ لئے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تکلیف کو راحت سمجھ کر بحر ظلمات کے متوازی قریباً ۵ میل چلا گئے۔ رات کو سمندر پر بعض اوقات آگ بھڑکتی بجھتی، دوڑتی کودتی دکھائی دیتی تھی اور ایسے نظاروں کو ہر جگہ کم علم لوگ بھوت پریت، شیاطین سمجھ لیتے ہیں۔ غریب ڈرائیور اور خادم آگے بڑھتے ڈرتے تھے اور محمد اسحق بھی گو بت پرستوں سے کم مگر خائف تھا۔ بھوت، پریت، شیاطین کا وہم دل سے فوراً نکالنا امر محال تھا۔ اس لئے میں نے لاحول ولاقوۃ کا منتر ان سب کو پڑھا دیا اور خود آگے ہوا اور اتنے عرصہ میں بھوت بھاگ گئے۔ میں نے سمجھا کہ اب خیر ہوگئی مگر اب چند درختوں کا جھنڈ آ گیا اور پیچھے سے ایک جانور کی آواز آئی۔ غریب ساتھی ڈر گئے۔ اب ان سب کو پیچھے سے آگے کیا اور سالٹ پانڈ سے تین میل پر واقع ایک بڑے گاؤں میں سابقہ ڈچ قلعہ کی مضبوط دیواروں پر نظر ڈالتے ہوئے جگنوؤں کی روشن افواج کو چیرتے ہوئے ہم اب پھر اصل سڑک پر پہنچے جو اَب کھلی اور کم تاریک تھی اور اس طرح آخر آج پندرہ سولہ میل کا پیدل سفر ختم کیا۔

یہ راستہ کس طرح کاٹا؟ جسم کی حالت کیا تھی؟ دل میں کیا تھا؟ اللہ تعالیٰ کو کس طرح مخاطب کیا؟ اور حضرت مولوی راجیکی جھوک کا مصرع۔

کون کوئی ہووے ساڈے دکھاں نوں رلائے نی

کس درد سے پڑھا اور گھر پر جہاں کوئی گھر والا تھکے ماندے چور رنجور مسافر کی خبر گیری کے لئے نہیں تھا کن حالات کے ساتھ پہنچا، سب ایسے سوالات ہیں جن کا جواب ناظرین کرام خود بخود اپنے قلوب سے دریافت کرلیں گے۔ میں صرف یہ کہوں گا ؎

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ربناتقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

رمضان المبارک کا آغاز اور قبولیت دعا

۹رمئی ۱۹۲۱ءکو رمضان المبارک کا آغاز ہوا۔حضرت نیّر صاحب انتھک محنت، ناموافق آب وہوا اور غذا کے باعث شدید علیل تھے مگر باوجود ضعف اور کمزوری کے بیس روزے رکھنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ آخری عشرہ رمضان میں افریقن بخار نے آلیا جس کے باعث آپ روزے نہ رکھ سکے مگر بیماری کی اس حالت میں بھی ہفتہ میں تین دفعہ پبلک جلسہ میں ہزاروں کے مجمع کو دعوت الی اللہ کا سلسلہ جاری رکھا۔

حضرت نیّر صاحب نے آخری عشرہ رمضان میں غلبہ اسلام کے لئے درد دل سے دعائیں اور خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری کی۔اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور نہ صرف یہ کہ آپ کو شدید بیماری (جس میں آپ اپنی وصیت تک تحریر فرما چکے تھے) سے شفا بخشی بلکہ عید سے ایک دن پہلے دس ہزار نفوس کی احمدیت میں شمولیت سے آپ کے لئے ایک اور عید کے سامان کر دیئے۔

ایک عظیم الشان نشان کا ظہور۔

دس ہزار نفوس کی احمدیت میں شمولیت

جیسا کہ پہلے یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ حضرت نیّر صاحب نے وہاں کی مساجد کے ائمہ کے پاس جا کر ملاقات کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔آپ مساجد میں جاتے اور وہاں امام سے مل کر لوگوں کو تبلیغ کرتے۔چنانچہ ان ملاقاتوں میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا جو تاریخ احمدیت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔تفصیل اس واقعہ کی یوں ہے کہ ایک بار مولانا صاحب القرآن فرقہ (Alquranic Section) کی جامع مسجد واقع 37 Proloya Street Lagos میں ملاقات کی غرض سے تشریف لے گئے۔مولانا صاحب کی آمد پر اس فرقہ کے لوگوں کو جو خوشی ہوئی وہ ناقابل بیان ہے کیونکہ مولانا صاحب کو بار بار آنے کی دعوت دی جا چکی تھی اور لوگ آپ کی آمد کے بے حد منتظر تھے۔آپ کی آمد پر لوگوں کی خوشی کی وجہ یہ تھی کہ اس فرقہ کے ایک عالم Alfa Ayanmo نے آپ کی آمد کی پیشگوئی کی ہوئی تھی۔جب آپ نے انہیں پیغام حق پہنچایا

تو القرآن فرقہ کے ایک شخص نے آخری صف میں سے کھڑے ہو کر الفا ایانمو مرحوم Late Alfa Ayanmo کا ایک کشف بیان کیا کہ کس طرح الفا صاحب نے مسیح اور مہدی کو کشف میں دیکھا اور یہ کہ کس طرح انہوں نے (یعنی مسیح اور مہدی نے) الفا صاحب سے وعدہ کیا کہ ''اگرچہ میں خود اس ملک میں نہ آ سکوں گا لیکن میرا ایک عظیم نمائندہ آئے گا جو تمہاری اصلاح اور راہنمائی کرے گا اور لوگوں کی حالت کو سدھارے گا اور جو کوئی اس کی آواز پر لبیک کہے گا قرآن کو ہاتھ میں لے کر وہ ضرور کامیاب ہوگا لیکن جو اس کی آواز کو نہ سنے گا وہ ہلاک ہو جائے گا'' اس واقعہ کی تصدیق تمام لوگوں نے کی۔ اس سے حضرت نیّر صاحب کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو آ گئے اور آپ اس وقت دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے واپس چلے گئے۔ یہ واقعہ ۴؍جون ۱۹۲۱ء کا ہے۔ مذکورہ بالا واقعہ تحریر کرتے ہوئے مکرم مولانا نسیم سیفی صاحب مجاہد احمدیت جو حضرت مولانا نیّر صاحب کی وفات (ستمبر ۱۹۴۸ء) کے وقت نائیجیریا میں بطور امیر ومشنری انچارج فرائض سرانجام دے رہے تھے فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت نیّر صاحب کے اپنے قلم سے لکھا ہوا ان کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ حضرت نیّر صاحب اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ۴؍جون ۱۹۲۱ء مَیں Aroloya مسجد میں گیا جہاں میں نے تمام مذہبی اجتماع کے سامنے ایک تقریر کی اور حضرت مسیح موعودؑ کی عربی تصانیف میں سے کچھ اقتباسات پڑھ کر سنائے۔ ۵؍جون ۱۹۲۱ء کو دو نمائندے، مبصرین اور چیف (Chief Ratibis) میرے پاس آئے اور تمام فرقہ کی طرف سے جماعت میں داخل ہونے کی خواہش کا اظہار کیا لیکن میں نے چیف امام سے درخواست کی کہ وہ اپنے فرقہ کے چالیس نمائندے لے کر آئیں تاکہ بیعت کی رسومات پوری کی جائیں۔ چنانچہ چیف امام صاحب اور چالیس نمائندگان نے اپنے فرقہ کی نمائندگی میں بیعت کی اور یہ نمائندگان قریباً دس ہزار لوگوں کی نمائندگی کر رہے تھے۔

یہ بیعت ۷ جون ۱۹۲۱ء کو لی گئی۔ چیف امام محمد باعث ڈابیری (Chief Imam Muhammad Baith Dabiri) امام علی اوسی (Imam Ali Osi) امام یاکا (Imam Yaka) برادر سونی برائیمو اگبو (Brother Sonni Buraimoh Igbo) ڈسی سو اکنیمی اوشاڈی (Disu Akinyemi Oshodi) بیعت کنندگان میں شامل تھے۔

دس ہزار نفوس کی احمدیت میں شمولیت سے لیگوس میں ہر طرف احمدیت کا چرچا ہونے لگا اور حضرت نیّر صاحب کے لیکچرز میں اس قدر ہجوم آنے لگا کہ لیگوس ہال بھی ناکافی ہوگیا۔ آپ کے دو کشوف آگے درج ہیں:

۲۷۵ برس میں غلبہ اسلام

اس عاجز کو کشفی رنگ میں ایک عجیب نظارہ دکھایا گیا اور وہ اس طرح ہے کہ بیداری وخواب کے بین بین حالت تھی کہ میں نے دو شخص کرسیوں پر بیٹھے دیکھے ان میں یکا یک تغیر شروع ہوا، ایک کی شکل بدل کر ایک انگریز ڈیوک (نواب) کی سی ہوگئی اور دوسری طرف غور سے دیکھا تو ایک انگریز خاتون بیٹھی تھی۔ مرد وعورت کی کرسیاں اب نزدیک آنی شروع ہوئیں۔ مرد میں مزید تغیر ہوا اور اس کے سر پر ایک تاج اور جسم پر شاہانہ پوشاک نمودار ہوئی اور وہ ایک عظیم الشان بادشاہ بن گیا۔ اس کے سامنے کرسی پر جو میں نے اب دیکھا تو ایک ملکہ تھی جس کے سر پر تاج اور تاج پر صلیب تھی۔ اس کی کرسی کی پشت اس سے فاصلہ پر ہوگئی اور کرسی کا سامنے والا حصہ جھک گیا خود وہ بادشاہ کی طرف جھکی اور یہاں تک جھکی کہ اس کے گھٹنے شاہ کے گھٹنوں سے مل گئے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ ان دونوں کی شادی ہونے والی ہے۔ تب مجھے تفہیم ہوئی کہ بادشاہ اسلام اور ملکہ مسیحیت ہے اور ان کی شادی سے مراد غلبہ اسلام ہے۔ میں نے اسی حالت میں اس ملکہ کی کرسی کی پشت کو دیکھا اور وہاں ایک ایسی شکل دیکھی اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ غلبہ اسلام کی مدت ہے اور پھر مجھے کہا گیا دو سال+نصف سال + ایک چوتھائی سال میں ایسا ہوگا۔ اس کشف سے بیداری کے معاً بعد میرا خیال اس طرف ہوا کہ سال سے مراد صدی ہے اور اس طرح 25+50+200 سال مراد ہیں یعنی کل ۲۷۵ سال میں کیونکہ حضرت مسیح موعود نے ۳۰۰ برس کی مدت کا ذکر فرمایا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

''مانڈے سے میمو برما میں گورنر صاحب کو ملنے گیا واپسی پر راستہ میں کشف میں دیکھا کہ بہت سے حضرت بدھ کے معتقدین مرد وعورتیں مندروں میں پوجا کر رہے ہیں۔ تب حضرت بدھ ایک عورت کی شکل میں آئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

My people are sure to accept your religion.

''میری اُمت یقیناً آپ کا مذہب قبول کرے گی''

ان کشوف سے واضح ہوتا ہے کہ مشرق ومغرب بادشاہ وعوام ہند اور بیرون ہند میں مسیحی و بدھ سب کے سب انشاء اللہ تعالیٰ احمدیت میں اسلام قبول کریں گے اور اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کے لئے نیا آسمان اور نئی زمین بنا کر شہزادہ امن کو جلال و جمال کے تخت پر بٹھائے گا۔ انشاء اللہ اور ہم نے ان کو پا کر سب کچھ پایا۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک۔**

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ

(1892ء تا 1985ء)

حضرت چوہدری صاحب اپنی خودنوشت سوانح حیات تحدیث نعمت میں تحریر فرماتے ہیں:

خاندانی حالات

میرا آبائی مسکن ڈسکہ ضلع سیالکوٹ ہے۔ ہماری قوم ساہی کہلاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ کسی وقت اس قوم کی پنجاب کے ایک علاقہ پر حکومت تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ یہ قوم زیادہ تر ساہیوال (سابق منٹگمری) کے علاقہ میں آباد تھی۔ ہمارے خاندان کی دو شاخیں اب تک ہندو ہیں باقی سکھ ہیں یا مسلم۔ ہماری شاخ بارہ تیرہ پشت سے مسلمان ہے۔ میرے دادا چوہدری سکندر خان مرحوم اپنے علاقہ کے بڑے بارسوخ زمیندار تھے۔

میری پیدائش

میں ۶ رفروری ۱۸۹۲ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوا۔ میری پیدائش سے پہلے میرے والدین کے تین چار بچے کم عمری میں فوت ہو چکے تھے۔ شاید یہ بھی ایک وجہ تھی کہ میری والدہ ؓ مجھے بہت عزیز رکھتی تھیں۔ میرے والد چودھری نصر اللہ خاں صاحب ؓ اس وقت سیالکوٹ میں وکالت کرتے تھے۔ میری پیدائش کے وقت میرے والدین کی عمر تیس سال کو پہنچ چکی تھی۔ میرے ننھیال کا خاندان نسبتاً خوش حال تھا لیکن میرے والد صاحب نے اپنی طالبِ علمی کا زمانہ بہت تنگی میں گذارا تھا۔ میری پیدائش سے دو تین سال قبل بفضلِ اللہ تعالیٰ فراخی اور کشائش کا دور شروع ہو چکا تھا۔

ابتدائی تعلیم

میری والدہ بتاتی تھیں کہ میں چار سال چار مہینے اور چار دن کا تھا۔ جب مجھے مدرسہ میں داخل کرایا گیا۔ پہلے چھ سال میں نے میونسپل بورڈ سکول میں تعلیم حاصل کی۔ ساتویں سال میں میرے والد صاحب ؓ نے

مجھے امریکن مشن ہائی سکول میں داخل کرادیا۔ اس تبدیلی کی غالباً ایک وجہ یہ تھی کہ اس وقت تک میرے والد صاحبؓ کوسلسلہ احمدیہ کی نسبت حسنِ ظن پیدا ہو چکا تھا اور امریکن مشن سکول میں اس وقت تین چار اساتذہ احمدی تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت سے مشرف ہونا

مجھے حضور علیہ السلام کی زیارت کی سعادت پہلی مرتبہ ۳؍ستمبر ۱۹۰۴ء کونصیب ہوئی تھی جس دن حضورؑ کی موجودگی میں حضورؑ کا لیکچر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لاہور میلا رام کے منڈل میں پڑھ کرسنایا تھا اس موقع پر میرے والد صاحب لیکچر سننے کے لئے سیالکوٹ سے لاہور گئے تھے اور میری خوش نصیبی سے مجھے بھی ساتھ لے گئے تھے۔ میری نشست پلیٹ فارم پر حضورؑ کے قدموں کے قریب ہی تھی اور میں سارا وقت حضورؑ کے مبارک چہرے پر ٹکٹکی لگائے رہا تھا۔ مجھے اس دن سے حضورؑ کے جملہ دعاوی پر پختہ ایمان ہے اور حضورؑ کے دعاوی کی نسبت کبھی کسی قسم کی الجھن میرے دل میں پیدا نہیں ہوئی۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک**۔ حضورؑ کے قیامِ سیالکوٹ کے دوران میں مجھے کئی بار حضورؑ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ انہی دنوں مجھے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعودؓ کی زیارت بھی پہلی بار نصیب ہوئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت کا شرف

اسی سال گرمی کی تعطیلوں میں والد صاحب کے نام حضرت خلیفہ اوّل مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ کا خط آیا جس کا مضمون فقط اتنا تھا کہ اب آپ اپنے بیٹے کی بیعت کرا دیں۔ میں نے بھی وہ خط پڑھ لیا۔ میں صدقِ دل سے حضور علیہ السلام پر ایمان رکھتا تھا۔ بیعت کرنے میں مجھے کسی قسم کا تامّل نہیں تھا۔ میں تو اپنے تئیں اس وقت سے ہی احمدی سمجھتا تھا جب میرے والدین نے ۱۹۰۴ء میں بیعت کی تھی۔ حضرت مولوی صاحبؓ کے خط سے البتہ یہ معلوم ہوا کہ مجھے خود بھی بیعت کرنی چاہئے۔ ضلع کی عدالتوں میں ستمبر کا مہینہ تعطیل کا مہینہ ہوا کرتا تھا والد صاحب ہر سال ستمبر میں قادیان حاضر ہوا کرتے تھے اور مجھے بھی ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب کا خط آنے پر میں نے ارادہ کرلیا کہ ستمبر میں جب والد صاحب کے ہمراہ حاضر ہوں گا تو والد صاحب کے فرمانے پر میں بیعت کرلوں گا لیکن قادیان پہنچنے کے

بعد نصف ستمبر گذر گیا اور والد صاحب نے مجھے اس بارے میں کوئی ارشاد نہ کیا۔ چنانچہ میں نے دل میں فیصلہ کیا کہ میں خود ہی حضرت مولوی صاحبؓ کے ارشاد کی تعمیل میں بیعت کر لیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام صبح سیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے اس وقت بھی خدام کو حضورؑ کی خدمت میں حاضر رہنے اور حضور کے کلماتِ طیبہ سے مستفید ہونے کا موقع میسر آجاتا تھا۔ پھر ظہر اور عصر کی نمازوں کے بعد بھی حضور کچھ وقت کے لئے مسجد مبارک میں تشریف فرما رہتے تھے۔ اس وقت بیعت بھی ہوجاتی تھی۔ میں نے ۱۶ر ستمبر ۱۹۰۷ء کو بعد نماز ظہر مسجد مبارک میں حضورؑ کی خدمت میں گذارش کی کہ میری بیعت قبول فرمائی جائے۔ حضورؑ نے اجازت بخشی اور میں حضورؑ کے دستِ مبارک پر بیعت ہوا۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک۔**

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کا سانحہ

مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لاہور تشریف لائے اور احمدیہ بلڈنگس میں قیام فرمایا۔ کچھ عرصہ پہلے سے حضور علیہ السلام کے الہامات میں متواتر آپ کی وفات کی طرف اشارہ ہو رہا تھا لیکن طبعاً آپ کے خدام میں سے کسی کا ذہن اس دردناک تصور کا متحمل نہ ہوتا تھا کہ حضورؑ کے وصال کا وقت قریب ہے حتیٰ کہ:

اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ اَلرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ

(ترجمہ) کوچ کا وقت آ گیا ہے۔ پھر میں کہتا ہوں کہ کوچ کا وقت آ گیا ہے اور موت قریب ہے۔

جیسے چونکا دینے والے الفاظ سے بھی اکثر اذہان نے یہی مراد اخذ کی کہ اس میں ہر انسان کو انجام سے متنبہ کرنا مقصود ہے۔ حضورؑ نے بھی کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہ فرمایا اور متواتر اعلائے کلمۃ اللہ کی سعی میں بشاشت اور اطمینان کے ساتھ مصروف رہے۔ گورنمنٹ کالج میں ہم پانچ چھ احمدی طالبِ علم تھے۔ شیخ محمد تیمور صاحب، چودھری فتح محمد سیال صاحب، چودھری ضیاء الدین صاحب، میرے استاد زادے عبدالحمید بٹ صاحب وغیرہ ہم اور ہم سب بالالتزام حضور علیہ السلام کی قیام گاہ پر حاضر ہوتے رہتے تھے۔ ۲۶ر مئی کو میں حسبِ معمول دوپہر کا کھانا اول وقت میں ہی کھا کر لیٹ گیا تھا۔ دفعۃً شیخ تیمور صاحب نے میرا پاؤں ہلایا اور پریشانی کی حالت میں کہا فوراً میرے کمرے میں آؤ۔ میں جلدی میں اُٹھ کر ان کے پیچھے ہولیا۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر انہوں نے بتایا کہ حضرت مسیح موعودؑ فوت ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کی خاکسار کے لئے دعائیں

دوپہر کے وقت آپؓ کچھ دیر استراحت فرماتے۔ اس وقت آپؓ کے شاگردوں میں سے کوئی ایک آپؓ کی پیٹھ کی طرف پلنگ پر بیٹھ جاتا اور آہستہ آہستہ آپ کا بدن دباتا۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ ڈاکٹر صاحبان کے رخصت ہوجانے پر صرف خاکسار ہی دالان میں حاضر رہ گیا۔ شوق اور اخلاص کہتا تھا کہ یہ موقع خدمت کا غنیمت ہے حجاب اور ادب روک رہے تھے۔ خاکسار کو کبھی بدن دبانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا۔ خوف تھا کہ بجائے حضورؓ کے لئے آرام کا موجب بننے کے بیزاری کا باعث نہ بنوں۔ آخر جرأت کر کے حصولِ ثواب کی نیت سے خاکسار نے حضور کا بدن دبانا شروع کیا چند منٹوں کے بعد خیال آیا کہ شاید حضور کی آنکھ لگ گئی ہے اور میرا بدن دباتے رہنا حضور کے آرام میں مخل ہوگا اس خیال سے خاکسار نے دبانا بند کر دیا۔ ابھی خاکسار نے پلنگ سے ہٹنے کے لئے کوئی حرکت نہیں کی تھی کہ حضور نے کروٹ پر لیٹے لیٹے ہی اپنا بازو اُٹھا کر خاکسار کے چہرے کو اپنے مبارک چہرے کے قریب کر لیا اور دو تین منٹ تک اسی حالت میں رکھا۔ پھر اپنا بازو ہٹا لیا اور فرمایا:

”میاں ہم نے تمہارے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں۔“

مسلم لیگ کی صدارت

دسمبر ۱۹۳۱ء میں مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس تھا۔ لیگ کونسل کی طرف سے مجھے صدارت کی دعوت دی گئی اور میں نے قبول کر لی۔ ان دنوں مسلم لیگ کے علاوہ مسلمانوں کی ایک اور سیاسی پارٹی آل پارٹیز مسلم کانفرنس بھی تھی۔ لیکن دو سیاسی پارٹیاں مسلم قوم کے لئے ضعف کا باعث تھیں۔ ادھر کانگریس مسلمانوں کی سیاسی طاقت اور جمعیت کو کمزور کرنے کے درپے تھی۔ میرے مسلم لیگ کی صدارت کرنے کے خلاف جماعتِ احرار اور دیگر مخالف عناصر نے عوام کے جذبات کو بھڑکانے کی کوشش کی۔ یہ کوشش تو نعرہ بازی اور فساد کی دھمکیوں سے آگے بڑھنے نہ پائی۔ لیکن اصل کمزوری مسلم قیادت میں اختلافات، باہمی شکر رنجیاں اور رقابتیں تھیں، جن کے نتیجہ میں قوم میں ایک حد تک سیاسی جمود پیدا ہو گیا تھا۔ مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس نئی دہلی میں ہوا۔ خطبہ صدارت پڑھا گیا، تقریریں ہوئیں، تجاویز پاس ہوئیں، لیکن سیاسی فضا میں کوئی ہیجان پیدا نہ ہوا۔ ۱۹۳۲ء کے اوّل نصف میں بحیثیت صدر مسلم لیگ میری یہ کوشش رہی کہ آل پارٹیز مسلم

کانفرنس کا مسلم لیگ میں ادغام ہوجائے اور اس کے کچھ امکانات بھی پیدا ہوگئے لیکن سال کے وسط میں میاں سر فضل حسین صاحب کے رخصت پر جانے کے سلسلے میں ان کی جگہ میرا عارضی تقرر عمل میں آیا اور مجھے لیگ کی صدارت سے مستعفی ہونا پڑا اور یہ تحریک رُک گئی۔ دو ایک سال کے اندر آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی سرگرمیاں سرد پڑ گئیں اور مسلم لیگ از سرِ نو تازگی پکڑنے لگی۔

اقوامِ متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کرنے کے لئے قائداعظم کا ارشاد

قائداعظم نے مجھے بلایا اور فرمایا کہ تم اقوامِ متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت کرو۔ اس وقت تمہارا کیا پروگرام ہے؟ میں نے عرض کیا میرا پروگرام تین چار دن کے لئے لاہور جانے کا ہے تاکہ اپنے عزیز و اقارب کی خیریت معلوم کروں اور یہ بھی معلوم کروں کہ موجودہ طوفان وتلاطم میں ان کی کیا حالت ہے۔ فرمایا اچھا چلے جاؤ تمہارے جانے آنے کا انتظام کر دیا جائے گا لیکن ۴ر ستمبر ۱۹۴۷ء کو واپس ضرور پہنچ جانا۔ لاہور میں جو کیفیت میں نے دیکھی وہ ناگفتہ بہ تھی۔ مزید برآں میرے بھائی شکراللہ خاں بیمار ہوکر ڈسکہ سے میونسپل لاہور میں آئے ہوئے تھے۔ میں ان کی عیادت کے لئے گیا تو معلوم ہوا کہ تپ دِق کے آخری مراحل سے جلد جلد گذر رہے ہیں اور معالج مایوس ہو چکے ہیں۔ میں نے عزیزم عبداللہ خاں سے کہا کہ انہیں اب ہسپتال سے اپنے مکان پر لے جائیں۔ چونکہ مجھے قائداعظم کے ارشاد کی تعمیل میں فوراً کراچی واپس پہنچنا تھا۔ میں ان کی خدمت میں حاضر نہ رہ سکا اور ان کے آخر وقت میں ان کے پاس ہونے کی حسرت دل میں لئے کراچی روانہ ہوگیا۔ چند دن بعد وہ فوت ہو گئے۔ غفر اللہ لہ۔

میرا تقرر بطور وزیرخارجہ پاکستان

ہم ۲۵ر دسمبر کی سہ پہر کو کراچی پہنچے۔ عزیزہ امۃ الحئی کے خالو بریگیڈیر غلام احمد صاحب کراچی میں تھے۔ عزیزہ اور اس کی والدہ تو ان کے ہاں ٹھہریں اور مجھے سید امجد علی صاحب کے ہاں ۱۸ وکٹوریہ روڈ میں ٹھہرنے کی جگہ مل گئی۔ وہ دن قائداعظم کا یومِ پیدائش تھا۔ ان کے اعزاز میں ایک استقبالیہ تقریب تھی میں وہاں حاضر ہوگیا لیکن مجھے ابھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ قائداعظم نے میرے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے البتہ نواب زادہ صاحب نے اتنا فرمایا کہ آج تمہیں حلف لینا ہوگا۔ قائداعظم کی آمد پر نواب زادہ صاحب نے مجھے

اس نشست پر بیٹھنے کا اشارہ کیا جو ان کے عین بائیں جانب تھی۔ قائداعظم نے بیٹھتے ہی فرمایا۔ظفراللہ خاں وزیرِ خارجہ کے منصب کا حلف لے گا اور میں نے تعمیلِ ارشاد میں حلف اٹھایا۔

عالمی عدالت کی صدارت کے لئے میرا انتخاب

عالمی عدالت کے پندرہ ججوں میں سے پانچ کی نوسالہ میعاد ہر تیسرے سال ۵ رفروری کو ختم ہوتی ہے۔اس میعاد کے ختم ہونے سے قبل اقوامِ متحدہ میں ان پانچ ججوں کی نشستیں پُر کرنے کے لئے انتخاب ہوتا ہے۔ جب نئے جج اپنے فرائض ۶ رفروری سے سنبھال چکتے ہیں تو عدالت کا پہلا کام صدر کا انتخاب ہوتا ہے۔صدارت کے عہدے کی میعاد تین سال ہے۔ یہ انتخاب خفیہ رائے شماری کے ذریعے عمل میں آتا ہے۔ ۱۹۷۰ء میں اس انتخاب کے لئے ۱۸ رفروری کا دن تجویز ہوا۔صدارت کے لئے دو اور ججوں کے ساتھ میرا نام بھی تجویز ہوا تھا۔انتخاب کے آٹھ آراء کی تائید ضروری ہے۔انتخاب کی کارروائی دو دن ہوتی رہی۔ آخر کار مطلوبہ کثرت سے زائد آراء میرے حق میں پائی گئیں اور بفضل اللہ میں صدر منتخب ہوا۔ **فالحمدللہ**۔ میں ایک ضعیف عاجز پُرتقصیر انسان ہوں۔اپنے اندر کوئی خوبی نہیں دیکھتا۔ میرے دوسرے دونوں رفیق جن کے اسمائے گرامی انتخاب کی کارروائی میں سامنے آتے رہے کئی اعتبار سے مجھ پر فوقیت رکھتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ اپنی مصلحتوں کو خود ہی جانتا ہے کوئی اوران کا احاطہ نہیں کرسکتا۔ وہ فضل کرنا چاہے تو کوئی روک نہیں بن سکتا اور اگر اس کا فضل شاملِ حال نہ ہو تو کوئی کوشش کوئی تدبیر کوئی حیلہ کارگر نہیں ہوسکتا۔ اس وقت تک اس عدالت کے آٹھ صدر رہ چکے ہیں۔ لاطینی امریکن، ایک شمالی امریکن، چار یورپین، ایک آسٹریلین، میں پہلا ایشیائی صدر ہوں اور ایشیائی بھی وہ جو مغربی تہذیب اور ثقافت کے اقدار سے بیزار ہے اور جس کی یہ بیزاری اس کے عمل سے ظاہر ہے لیکن اگر اس کی مشیت نے ایک ناکارہ ہی کا انتخاب چاہا تو

نیست از فضل و عطائے او بعید — کور باشد ہر کہ از انکار عید

قادر است و خالق و رب مجید — ہر چہ خواہد مے کند عجزش کہ دید؟

اس کی قدرتوں کی انتہا نہیں۔اس انتخاب سے ۳۶ سال قبل میری والدہ صاحبہ مرحومہ نے ایک مبشر خواب دیکھا تھا، جو ان کی وفات کے ۳۲ سال بعد اس انتخاب سے پورا ہوا؟ **فالحمدللہ**۔جس رات انہوں نے خواب دیکھا اُسی صبح کو مجھ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں اپنے سیالکوٹ

کے مکان کے فلاں کمرے میں ہوں اور اس کمرے کی کھڑکی کے باہر ایک نہایت دل لبھانے والا کرہ نور آہستہ آہستہ کھڑکی کی ایک جانب سے دوسری جانب حرکت کر رہا ہے۔ جب کھڑکی کے عین وسط میں پہنچا تو ایک پُرشوکت آواز آئی ''ہوگا چیف جسٹس ظفر اللہ خان نصر اللہ خان کا بیٹا'' اور خفیف سے وقفے کے بعد پھر اسی طرح یہ الفاظ دہرائے گئے ''ہوگا چیف جسٹس ظفر اللہ خان نصر اللہ خان کا بیٹا''۔ والدہ صاحبہ بفضل اللہ صاحبہ رویا وکشوف تھیں اور ہم سب کئی بار دیکھ چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے انہیں اس رنگ میں نوازتا ہے۔ وہ خود بھی جانتی تھیں کہ رویا اور کشوف تعبیر طلب ہوتے ہیں اور ان کی اصل حقیقت اپنے وقت پر ہی جا کر آشکار ہوتی ہے۔ ۱۹۴۷ء میں میں ہندوستان کی فیڈرل کورٹ کا سینئر جج تھا اور اگر تقسیم ملک کے بعد میں ہندوستان میں رہنے کا فیصلہ کرتا تو غالب قیاس یہی تھا کہ آزادی کا اعلان ہونے پر سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہوتا۔ ۳؍جون ۱۹۴۷ء کو برطانوی وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے تقسیمِ ملک کے طریقِ کار کا اعلان کیا اور اس پر میں نے فیڈرل کورٹ کی ججی سے استعفیٰ دے دیا۔ جو ۱۰؍جون سے عمل پذیر ہوا۔ اسی سال دسمبر کے تیسرے ہفتے میں جب میں اقوامِ متحدہ میں پاکستانی وفد کی قیادت سے واپس لوٹا تو قائداعظم کی ہدایت کے ماتحت بھوپال جانے سے پہلے نواب لیاقت علی خاں صاحب کی خدمت میں لاہور حاضر ہوا۔ انہوں نے جن امکانات کا ذکر فرمایا۔ ان میں پاکستان کی سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کا عہدہ بھی تھا لیکن ساتھ ہی انہوں نے فرمایا قائداعظم چاہتے ہیں کہ تم وزارتِ خارجہ کا قلمدان سنبھالو۔ پاکستان کی سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس میاں عبدالرشید صاحب مقرر ہوئے۔ جب ان کی میعاد اختتام کے قریب پہنچی تو انہوں نے ازراہِ نوازش پہلے ٹیلیفون پر اور پھر بالمشافہ مجھے رضامند کرنے کی کوشش کی کہ میرا نام بطور اپنے جانشین کے تجویز کریں لیکن میں بوجوہ رضامند نہ ہوا۔ ۱۹۶۳ء کے عدالتی انتخابات میں جب مجھے دوبارہ عالمی عدالت کی رکنیت کے لئے منتخب کیا گیا اس وقت عدالت کے اراکین میں سے کئی دوبارہ منتخب شدہ اور دو سہ بارہ منتخب شدہ تھے۔ لیکن ان کے انتخابات بلافصل ہوئے تھے۔ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک رکن اپنی میعاد ختم کر کے عدالت سے علیحدہ ہو چکا ہو اور وہ علیحدگی کے بعد وقفہ سے پھر منتخب کر لیا جائے۔ یہ صورت اب تک صرف میرے متعلق ہی پیدا ہوئی ہے۔ عدالت کی رکنیت پر دوبارہ فائز ہونے پر میرا درجہ میرے پُرانے رفقاء کے لحاظ سے سب سے نیچے تھا۔ اب جو غور کرتا ہوں تو میرا عدالت کی صدارت پر منتخب ہونا ضرور ایک اچنبھا ہے اور اس بشارت کو پورا کرنے والی ہے جو انتخاب سے

۳۶سال پہلے میری والدہ صاحبہ کو دی گئی تھی۔ والدہ صاحبہ نے خواب میں جوالفاظ سنے ان میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت مرکوزتھی۔اول بطورتسلی اورتصدیق آواز پُرشوکت تھی۔پھروہی الفاظ دہرائے گئے اورالفاظ کی ابتداء ہی میں لفظ ''ہوگا'' ظاہر کرتا ہے کہ حالات خواہ موافق نظرآئیں یا نہ یہ ہمارا فیصلہ ہے اور ہوکر رہے گا۔ پھرمیرے نام کے ساتھ والدصاحب مرحوم کا نام ''نصراللہ خاں'' شامل ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بخشش اس کی نصرت کا نشان ہوگی انسانی کوشش کا اس میں دخل نہیں ہوگا۔ **فسبحان اللہ وبحمدہٖ۔**

حرفِ آخر

اگر یہ عاجز کوئی خدمت سرانجام دے سکا تو وہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم اوراس کی ذرہ نوازی اوراس کی عطا کردہ توفیق سے ہوا اور بزرگان اوراحبّا کی دعائیں اس میں مدہوئیں اور جہاں جہاں میں وہ کچھ نہ کرسکا جو کرنے کے لائق تھا اور کرنا چاہتا تھا تو اس کی وجہ خاکسار کی کوتاہی اورغفلت تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحم سے معاف فرمائے اوردرگذر کرے۔آمین.

قرآن کریم میں اُس کا ارشاد ہے کہ اس کا عفو بہت وسیع ہے اور وہ شفیق اورودود مالک اورمقتدرہستی گرفت میں جلدی نہیں کرتی۔ میں جب اپنے گریبان کے اندرنگاہ ڈالتا ہوں تو جزتقصیر اورمعصیت کے کچھ نہیں دیکھتا اورنہایت ترساں اورلرزاں حالت مجھ پروارد ہوتی ہے اور جب اس کے عفواوررحم کا اندازہ کرتا ہوں تو کچھ ڈھارس بندھتی ہے۔ اس کے فضلوں اورانعاموں کو دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں اوران کا شمار نہیں کرسکتا۔ **سجدت لک روحی وجنانی۔**

حضرت مسیح موعودعلیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کا شرف حاصل ہونا اپنے لئے سعادتِ عظمیٰ شمارکرتا ہوں اوریقین رکھتا ہوں کہ یہ سعادت فیوضِ آسمانی کے دروازوں کے کھُلنے کا موجب تھی۔ ہستی باری تعالیٰ پرزندہ اورمحکم ایمان اورعشقِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم اس ناچیز نے حضورعلیہ السلام سے حاصل کیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفقت اورتوجہ ایک بہت بڑا انعام تھی۔ آپ کا ارشاد ''میاں ہم نے تمہارے لئے بہت بہت دعائیں کی ہیں'' کس قدرانعامات اورفیوض کی خوشخبری تھا۔ آپ کا اِس ناچیز کو اپنے مبارک ہاتھوں سے لکھے ہوئے محبت ناموں میں ''ظفراللہ باشی ارشدوارجمند باشی'' کے دعائیہ القاب کے ساتھ یادفرمانا اور ہمت بڑھانا میرے لئے بہت خوشی اورانبساط کا موجب

تھا۔ پھر نصف صدی سے زائد عرصہ کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے جن الطاف و اکرام، جس شفقت و محبت، جس توجہ اور احسان کا پیہم مورد یہ عاجز رہا اس کا اندازہ بھی خاکسار کے لئے ممکن نہیں۔ اس نصف صدی کے دوران میں خاکسار محسوس کرتا تھا کہ میری زندگی ایسے ہی محفوظ ہے جیسی ایک طفلکِ نادان و بےبس کی زندگی اس کی ماں کی گود میں محفوظ ہوتی ہے۔ میری زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں تھا جو حضور اقدس کی توجہ کے فیضان سے متمتع نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا انعام تھا جس کے کما حقہٗ شکر کی استطاعت بھی یہ عاجز نہیں رکھتا۔

اس عاجز کی زندگی وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ (ابراہیم:۳۵) کی مثال چلی جارہی ہے۔ میری ہستی کا ہر ذرہ زبان بن جائے اور ہر لحظہ باری تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں صرف رہے تو یہ شکر ادا نہیں ہوسکتا۔ اسی سے التجا ہے کہ وہ شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ بارہا میرے عاجز دل سے یہ صدا نکلتی ہے الٰہی تو نے اپنے پُرتقصیر پُرمعاصی غافل بندے کو بہت لاڈلے غلام کی طرح رکھا ہے تو اپنی خاص رحمت اور لطف سے آخر تک ایسا ہی رکھنا اور انجام کار اپنی رحمت کے دروازے اس کے لئے کھلے رکھنا۔ اٰمین یا ارحم الراحمین۔

خالد احمدیت

حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس

سابق مبلغ بلاد عربیہ وانگلستان

❁

آپ اپنے بعض ایمان افروز واقعات بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ علیم اور قدیر ہے

(ا) ۱۹۲۸ء کا ذکر ہے جبکہ میں بمقام حیفا ایک ہوٹل میں مقیم تھا۔ ایک روز جبکہ میں اس کی دوسری منزل کی بالکنی (شاہ نشین) پر بیٹھا ہوا تھا۔ نابلس کے دو مشہور تاجر جو اسی ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے مجھ سے ملے اور دورانِ گفتگو ان میں سے ایک نے اس حدیث کے متعلق سوال کیا۔ میں نے اس کا عام مفہوم بتایا لیکن ان کی تسلی نہ ہوئی۔ اس نے کہا۔ یہ بات غیر معقول نظر آتی ہے کہ اگر ایک شخص پیدا نہ ہوتا تو ساری دنیا ہی پیدا نہ کی جاتی۔ اس کے اعتراض سے میں نے اپنے دل میں ایک اضطراب کی سی کیفیت محسوس کی اور یہ خواہش زور سے پیدا ہوئی کہ کوئی ایسا حل معلوم ہو جائے جس سے ان کی تسلی ہو جائے۔ الحمدللہ! کہ میرے دل میں دفعتًہ ایک مضمون ڈالا گیا جو میں نے تفصیل سے ان کے سامنے بیان کیا۔ میں نے کہا۔ جب انسان کسی چیز کی ساخت شروع کرتا ہے تو اس کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اس کو ایسا مکمل بنائے کہ اس میں کوئی نقص باقی نہ رہے اور وہ اپنی طرف سے اس میں کوشش کا کوئی پہلو اٹھا نہیں رکھتا۔ لیکن انسانی کاموں میں نقص رہ جانے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ نہ تو انسان کا علم کامل ہوتا ہے اور نہ اسے ہر چیز پر قدرت حاصل ہوتی ہے مثلاً گھڑی ساز جو اپنے فن میں کیسا ہی ماہر کیوں نہ ہو ایسی گھڑی ہرگز نہیں بنا سکتا جو ہر وقت چلتی رہے اور اس میں نقص کبھی پیدا نہ ہو۔ وہ ایسی گھڑی کیوں نہیں بنا سکتا؟ اس لئے کہ اس کو علم تام نہیں اور وہ ایسا میٹریل پیدا کرنے کی قدرت نہیں رکھتا جو ہمیشہ ہمیش کام دے اور کوئی خرابی اور نقص کبھی اس میں دخل نہ

پا سکے۔پس انسانی کاموں کا نقص عدم علم کامل اور عدم قدرت کاملہ کا نتیجہ ہوتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور قدیر بھی۔اس کا علم بھی کامل ہے اور اس کی قدرت بھی کامل۔پس جب وہ کسی چیز کے بنانے کا ارادہ کرے تو وہ ناقص کسی طرح رہ سکتی ہے۔

اس حدیث قدسی کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب میں نے مخلوقات کا سلسلہ شروع کیا اور تمام مخلوقات میں سے انسان کو اشرف ٹھہرایا تو ضروری تھا کہ میں اس اعلیٰ اور کامل انسان کو بھی پیدا کرتا جس پر دائرہ کمالات انسانی ختم ہوجاتا اور اس سے بڑھ کر کسی انسان میں کمالات انسانی کا پایا جانا متصور نہ ہوسکتا اور وہ کامل انسان تُو ہے جو ’’ختم شد بر نفس پاکش ہر کمال‘‘ کا مصداق اور دائرہ انسانیت کا نقطہ مرکزیہ ہے۔اس لئے اگر تیرا پیدا کرنا مدنظر نہ ہوتا تو میں سلسلہ مخلوقات کو شروع ہی نہ کرتا۔جب شروع کیا تو تیرا (جو کامل انسان ہے) پیدا کرنا بھی ضروری تھا یہ سن کر وہ تاجر خوش ہوئے اور کہا کہ آج اس حدیث کا صحیح مفہوم معلوم ہوا ہے۔(شرح القصیدہ صفحہ ۱۲۰،۱۲۱)

ہائیڈ پارک میں ایک سال تک جاری رہنے والا مباحثہ

لنڈن میں ۱۹۴۵ء سے اوائل ۱۹۴۶ء تک تقریباً ایک سال سے زائد مدت تک مسٹر گرین اور میرے درمیان ہائیڈ پارک میں ہر جمعہ کو مباحثہ ہوا کرتا تھا۔مسٹر گرین کا بائبل کے حسابات کی رو سے یہ عقیدہ تھا کہ یسوع مسیح ۱۹۵۴ء میں آسمان سے اتریں گے۔وہ اس کے متعلق بہت سے اشتہارات بھی شائع کر چکے تھے شرائط مباحثہ مختصراً یہ طے پائی تھیں کہ ایک جمعہ کو وہ قرآن مجید۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر جو اعتراضات کرنا چاہیں کریں۔میں ان کا جواب دوں گا اور ایک جمعہ کو میں عیسائیت پر اعتراضات کروں گا اور وہ جواب دیں گے۔یہ مباحثہ ہر دفعہ تین گھنٹہ ہوا کرتا تھا۔تقریریں دس دس منٹ کی ہوتی تھیں۔حاضرین کو بھی سوال کرنے کا حق ہوتا تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ مباحثات نہایت کامیاب رہے اور آخر کار مسٹر گرین نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور مباحثہ کرنا چھوڑ دیا۔ایک دن انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یسوع مسیح کی فضیلت کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ یسوع مسیح نہایت بلند پایہ اخلاق رکھتے تھے۔چنانچہ انہوں نے جبکہ وہ صلیب پر لٹکائے جاچکے تھے۔یہود کے لئے جو آپ کے جانی دُشمن تھے ان الفاظ میں دعا کی۔’’اے میرے باپ تو انہیں بخش دے کیونکہ وہ نہیں جانتے‘‘یعنی عدم علم کی وجہ سے وہ مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔اس قسم کے اخلاق کا نمونہ کسی نبی نے نہیں دکھایا اور نہ محمد

صلی اللہ علیہ وسلم نے) میں نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہیں ہم اللہ تعالیٰ کا رسول اور نبی مانتے ہیں اخلاق فاضلہ رکھتے تھے لیکن یہ کہنا کہ دوسرے انبیاء اخلاق فاضلہ میں ان کے ہم پلہ نہ تھے درست نہیں مسٹر گرین کا یہ کہنا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسی کوئی مثال قائم نہیں کی تاریخ اسلامی سے ناواقفیت کے سبب سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی غزوہ احد میں پتھروں سے زخم آئے اور آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور کفار نے مشہور کر دیا۔ ”قُتِلَ مُحَمَّدٌ“ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہیں۔ ہوش میں آنے پر آپ اپنے زخموں سے خون پونچھتے جاتے اور یہ کہتے جاتے اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اے میرے اللہ! تو میری قوم کو ہدایت دے کیونکہ وہ نہیں جانتے یعنی عدمِ علم کی وجہ سے مجھ سے ایسا سلوک کر رہے ہیں۔

دونوں مقدس نبیوں کی دعائیں اس لحاظ سے تو یکساں معلوم ہوتی ہیں کہ ان میں اپنے اپنے دشمنوں کی بھلائی چاہی گئی ہے لیکن دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ حضرت مسیح کی دعا تو ان یہود کا قصور بخش دیئے جانے کے متعلق ہے جو ان کے صلیب پر لٹکائے جانے کا موجب تھے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا صرف یہی نہیں تھی کہ جن دشمنوں نے آپ کو مجروح کیا تھا۔ ان کا گناہ بخش دیا جائے بلکہ آپ کی دعا یہ تھی کہ اے میرے رب تو ان کو ہدایت عطا فرما یعنی جو نعمت مجھے بخشی ہے وہی انہیں بھی بخش۔

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عظیم الشان دعا

سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا، حضرت مسیح علیہ السلام کی دعا پر جتنی عظیم الشان فوقیت رکھتی ہے ”وہ عیاں راچہ بیاں“ کی مصداق ہے اور جب ہم دونوں دعاؤں کے نتائج کو دیکھتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی اور زیادہ شان بڑھ جاتی ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ حضرت مسیح سے یہود نے جو سلوک کیا تھا اس کی سزا آنجناب نے یہ بتائی کہ ان سے آسمانی بادشاہت چھین لی گئی۔ تو اس سے یہ کیسے معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کی دعا قبول ہو کر یہود کا گناہ بخش دیا گیا تھا۔ بلکہ اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ کے آڑے وقت کی دعا بھی قطعاً قبول نہیں ہوئی اور یہود کا گناہ ہرگز نہیں بخشا گیا۔ اگر بخش دیا گیا ہوتا تو آسمانی بادشاہت ان سے کیوں چھینی جاتی اور چونکہ آسمانی بادشاہت یقیناً ان سے چھینی جا چکی ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعا جو آپ نے ان کے گناہ بخشے جانے کے لئے کی تھی قبول نہیں ہوئی۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعا کہ اے میرے رب! میری قوم کو ہدایت دے قبول ہو گئی اور

اس کی مقبولیت فتح مکّہ کے روز بڑی شان وشوکت اور ایسی صفائی سے ظاہر ہوگئی کہ سارے عالم میں کسی دشمن کے لئے بھی گنجائش انکار باقی نہ رہی یعنی جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن اپنے دشمنوں کو معاف فرمادیا تو وہ سب کے سب ایمان لے آئے اور ہدایت یاب ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کا عظیم الشان نشان بن گئے۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سیدنا حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف عفو در گذر اور حسنِ سلوک ہی میں بے نظیر تھے بلکہ انسانی کمالات میں شمار کی جانے والی تمام صفات مثلاً جرأت وشجاعت، غیرت وحمیت، رأفت ورحمت، جودوسخا، صدق وصفا، لطف وعطا، ایثار ووفا، استقلال، استقامات، صبر وقناعت، توکل علی اللہ، شفقت علیٰ خلق اللہ وغیرہ میں انتہائی نقطہ کمال کو پہنچے ہوئے تھے۔ (شرح القصیدہ صفحہ ۱۲۴ تا ۱۲۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الرسل

اس جگہ ایک مکالمہ کا ذکر کر دینا مناسب خیال کرتا ہوں۔ جو مجھ سے اور علاقہ شام کے انچارج مشنری الفریڈ نیلسون ڈانیمر کی کے وکیل جو شامی تھا۔ ۱۹۲۶ء کے اوائل میں دمشق کے مقام پر ہوا تھا۔ وہ مجھ سے ملنے کے لئے میرے مکان پر آیا اور مذہبی گفتگو کرنی چاہی۔ میرے دریافت کرنے پر کہ آپ کس موضوع پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں اس نے کہا۔ کیا خداوند یسوع مسیحؑ افضل تھے یا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ میں نے پوچھا آیا قرآن مجید کی رو سے گفتگو کرنا چاہتے ہیں یا انجیل کی رو سے۔ اس نے جواب دیا قرآن مجید کی رو سے میں نے کہا قرآن مجید کی رو سے تو حضرت مسیحؑ کا درجہ ایسا ہی ہے جیسے استاد کے مقابل میں شاگرد کا۔ اس نے حیرانی کا اظہار کیا میں نے کہا۔ آپ وہ آیت پیش کریں۔ جس سے آپ مسیحؑ کا افضل ہونا سمجھتے ہیں۔ اس نے کہا۔ قرآن میں ہے کہ فرشتہ نے حضرت مریمؑ کو بشارت دی کہ **لِاَھَبَ لَکِ غُلٰمًا زَکِیًّا** تجھے پاک لڑکا دیا جائے گا۔ قرآن مجید میں کسی اور نبی کے حق میں ایسا نہیں کہا گیا کہ وہ گناہوں سے پاک اور بے عیب ہوگا زَکِیٌّ کے لفظ کا کسی اور نبی کے حق میں استعمال نہ ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ مسیحؑ ہی بے عیب اور معصوم تھے اور کوئی نبی اس صفت میں ان کا شریک نہ تھا۔ میں نے جواب دیا۔ اگر قرآن مجید میں یہی لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوا ہوتا تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیحؑ درجہ میں مساوی ہیں مگر میں نے یہ کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استاد کی طرح ہیں اور مسیحؑ شاگرد کی طرح۔ چنانچہ قرآن مجید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

لئے اسی مادہ سے جو لفظ استعمال ہوا ہے وہ میرے دعویٰ کی تائید کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ (جمعہ:۳) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنہیں خدا تعالیٰ نے اُمیوں کی طرف انہی میں سے رسول کر کے مبعوث کیا وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزکّی ہونا ظاہر کیا گیا ہے یعنی دوسروں کو مسیح جیسا پاک بنا دینے والا۔ آپ کا خیال تھا کہ قرآن مجید سے حضرت مسیح علیہ السلام کا تمام انبیاء حتیٰ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونا ثابت ہوتا ہے قرآن مجید کی اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم استاد کا مرتبہ رکھتے ہیں اور حضرت مسیح شاگرد کا۔ حضرت مسیح علیہ السلام زکی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مزکّی یعنی زکی بنانے والا۔

مسیحؑ کا حسب ونسب

دوسری آیت۔ میرے دریافت کرنے پر اس نے دوسری بات یہ پیش کی کہ قرآن مجید میں حضرت مسیح کے حسب ونسب کے بے عیب ہونے کا ذکر کیا گیا ہے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب ونسب کا مطلقاً ذکر نہیں کیا گیا۔ میں نے اس سے پوچھا۔ آپ قرآن مجید کو خدا کا کلام مانتے ہیں یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اس نے جواب دیا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ میں نے کہا۔ کس نے مسیحؑ کے نسب کو بے عیب ثابت کیا۔ اس طرح بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ مزکّی کا ہوا جو استاد کا مرتبہ ہے۔ میں نے کہا آپ کا استدلال درست نہیں۔ قرآن مجید انساب کی کتاب تو ہے نہیں کہ سب انبیاء کے حسب ونسب کا ذکر کیا جاتا۔ حضرت مسیح کے ماں باپ اور ان کے سلسلۂ نسب کے ذکر کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نسب پر طعن کی گئی تھی۔ خود آپ کی مقدس کتاب انجیل متی کے باب اول میں مسیح کا جو نسب نامہ لکھا گیا ہے اس میں ان کی دو دادیاں زنا کار بتائی گئی ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کے نبی ہونے کا ذکر کیا۔ تو ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا کہ ان کا سلسلہ نسب بھی پاک اور بے عیب تھا۔ ظاہر ہے کہ سفید بے داغ کپڑے کو دھونے کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں اگر میلا ہو یا اس میں کوئی دھبہ لگا ہو تو وہ دھویا اور صاف کیا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب ونسب تمام لوگوں کے نزدیک بے داغ اور پاک وصاف تھا۔ اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ اگر آپ کے طرزِ استدلال کو اختیار کیا جائے تو آیت وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ سے بآسانی نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ نعوذ باللہ حضرت مسیحؑ کافر تھے کیونکہ ان سے کفر کی نفی ایسے رنگ میں نہیں

کی گئی جس رنگ میں حضرت سلیمان علیہ السلام سے کی گئی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے نفی کفر کی وجہ بھی یہی تھی کہ ان پر کفر وشرک کا الزام لگایا گیا تھا۔

روح القدس سے تائید

تیسری آیت اس نے یہ پیش کی کہ قرآن مجید میں حضرت مسیحؑ کے متعلق اَیَّدَہٗ بِرُوْحٍ مِّنْہُ آیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کی روح القدس سے تائید کی تھی میں نے کہا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے متعلق تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ﴿۳۰﴾ (الحجر:۳۰) کہ میں نے اس میں اپنی روح پھونکی اور سب فرشتے اس کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔ حالانکہ مسیح کے لئے کبھی فرشتوں نے سجدہ نہیں کیا۔ البتہ انجیل متی میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ شیطان نے مسیحؑ سے کہا تھا کہ تم مجھے سجدہ کرو اور روح سے مراد حضرت جبرائیلؑ ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابت سے فرمایا اُنْشُدْ رُوْحُ الْقُدُسِ مَعَكَ کہ تم شعر پڑھو اور روح القدس تمہارے ساتھ ہے اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ صحابہؓ کے حق میں فرماتا ہے وَاَیَّدَھُمْ بِرُوْحٍ مِّنْہُ (مجادلہ) کہ اللہ تعالیٰ نے روح القدس سے ان کی تائید کی ہے اور صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد تھے۔ اس لئے مسیح علیہ السلام بھی جن کی روح القدس سے تائید ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں بمنزلہ شاگرد ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى (النجم:6) کہ انہیں شدید القویٰ نے سکھایا۔ شدید القویٰ حضرت جبرائیلؑ کی ایک تجلی کا نام ہے جیسے روح القدس انجیل میں آتا ہے کہ مسیح پر روح القدس کبوتری کی شکل میں نازل ہوئی لیکن حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جبرائیل کے ظاہر ہونے کے وقت سارا افق ان کی تجلی سے معمور تھا۔ کہاں عظیم الشان تجلی اور کہاں کبوتری!

آسمان کی طرف رفع

پھر اس نے کہا۔ آپ کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ کے مطابق آسمان پر اٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں اور آخری زمانہ میں آسمان سے نازل ہوں گے مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم عام انسانوں کی طرح وفات پا گئے۔ میں نے کہا آپ کو میرے عقیدے کا علم نہیں میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ حضرت

عیسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں وہ حیران ہو کر پوچھنے لگا یہ کیسے؟ میں نے کہا۔ظاہری لحاظ سے تو سب نبی وفات پا گئے اور آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں رَفَعَ سے مراد بلندی درجات اور تقریب الی اللہ ہے۔ یہود نے کہا کہ انہوں نے مسیحؑ کو صلیب پر لٹکا کر مار دیا جس سے ان کا لعنتی ہونا ثابت ہو گیا۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نہ یہود نے اسے صلیب پر لٹکا کر مارا نہ کسی اور طریق سے قتل کیا اس لئے وہ لعنتی نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ کا مقرب تھا اور رَفَعَ کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو اور مفعول کوئی ذی روح انسان ہو تو زبانِ عرب میں اس کے معنی سوائے تقرب الی اللہ اور رَفَعَ درجات کے اور کچھ نہیں ہوتے۔آسمان پر اٹھانے کے تو کیا۔کسی پہاڑی یا ٹیلے پر بھی اٹھانے کے نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں بلعم باعور کے متعلق آتا ہے:

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ج (الاعراف:۱۷۷)

یعنی ہم چاہتے تو ان آیات کے ساتھ اس کا رفع کرتے لیکن وہ زمین کی طرف جھک گیا اور اپنی خواہشات کی پیروی کی۔اس آیت میں تو رفع کے مقابلے میں (ارض۔زمین) کا لفظ بھی موجود ہے پھر بھی کوئی مفسر اس آیت میں رفع کے معنی آسمان پر لے جانے نہیں لیتا اور حدیث میں آتا ہے:

اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَى السَّمَآءِ السَّابِعَةِ (کنز العمال)

کہ جب کوئی بندہ خاکساری اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان تک رفع کرتا ہے۔اس حدیث میں باوجود آسمان کا لفظ موجود ہونے کے کوئی شخص یہ معنی نہیں لیتا کہ خاکساری کرنے والا فی الحقیقت آسمان پر اٹھا لیا جاتا ہے۔جیسا کہ میں بتا چکا ہوں۔عربی زبان میں رفع الی اللہ کے معنے تقرب الٰہی اور رفع درجات کے ہیں۔مع جسم آسمان پر اٹھانے کے نہیں۔

پس رفع کے لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔پھر میں نے کہا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ظاہری لحاظ سے وفات پا چکے ہیں لیکن روحانی افاضہ اور اثر و تاثیر کے لحاظ سے آپ زندہ ہیں، مسیحؑ مردہ کیونکہ ان کی پیروی سے اب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل نہیں کر سکتا۔نہ مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو سکتا ہے نہ ان کا دین زندہ ہے نہ ان کی شریعت زندہ ہے اور نہ اب ان کی روحانی تاثیر باقی ہے۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا افاضہ روحانی اور تاثیر قدسی جاری ہے اور بندگان الٰہی اس سے مستفید ہو رہے ہیں۔آپ کا دین زندہ۔آپ کی کتاب زندہ۔آپ کی شریعت زندہ۔آپ کا افاضۂ روحانی و تاثیر روحانی زندہ ہے۔اس لئے آپ اور صرف آپ ہی زندہ نبی ہیں۔اس نے یہ سن کر کہا کہ یہ تو نئی بات ہے اور کچھ دیر گفتگو کر کے چلا گیا۔

❁❁

خالد احمدیت

حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب فاضل

مبلغ بلاد عربیہ

آپ تحریر فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے تبلیغ دین کے سلسلہ میں متحدہ ہندوستان اور بلاد عربیہ فلسطین وشام وغیرہ میں بے شمار تقاریر کرنے اور بکثرت مناظرات سرانجام دینے کا موقع میسر آیا۔ یہ مناظرات عیسائی پادریوں، آریہ پنڈتوں اور غیر احمدی فرقوں کے جملہ بڑے سے علماء سے ہوئے ہیں ہر موقع پر تائیدا یزدی کی عجیب صورتیں پیدا ہوتی رہی ہیں سارے مناظرات کا تذکرہ تو ایک بڑی ضخیم کتاب کا متقاضی ہے مگر اس عجالہ میں مَیں آریوں سے ایک مناظرہ کا ذکر کرتا ہوں۔

میرا پہلا باقاعدہ مناظرہ

مدرسہ احمدیہ میں تقریر کی مشق کا اچھا انتظام تھا۔ ہفتہ وار اجلاسوں میں طلبہ کو باری باری تقریر کا موقع ملتا رہتا تھا۔ مجھے اور میرے بعض اور ساتھیوں کو تقریر کا بہت شوق تھا۔ مجھے خوب یاد ہے اور اب بھی وہ نظارہ میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ میں موضع ننگل متصل قادیان کی طرف تنہا نکل جایا کرتا تھا اور گندم کے لہلہاتے کھیتوں کے کنارے کھڑے ہو کر اور گندم کے پودوں کو حاضرین تصور کر کے تقریر کی مشق کیا کرتا تھا۔ اس طرح تقریر سے مضمون ذہن میں راسخ ہو جاتا تھا اور پھر مجلس میں بیان کرنے میں سہولت رہتی تھی۔ علاوہ ازیں اردگرد کے دیہات میں ہم لوگ تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے اور اس طرح پنجابی میں تقریروں کی مشق ہوتی رہتی تھی۔ قادیان کے قریب جانب غرب ایک گاؤں ڈلہ ہے اس میں عام آبادی سکھوں کی تھی چند گھر مسلمانوں کے بھی تھے جن میں قاضی خاندان کے کچھ افراد احمدیت میں داخل ہو چکے تھے۔ وہاں کے پرانے لوگوں میں سے مجھے میاں عطاء ربی صاحب خوب یاد ہیں۔ اس گاؤں میں ایک

گھر اہلحدیث صاحب کا بھی تھا۔ان میں سے ایک نوجوان بہت جوشیلا تھا۔ہم جب اس گاؤں میں تبلیغ کے لئے جایا کرتے تھے تو وہ اہلحدیث نوجوان سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا کرتا تھا اس طرح خاصی رونق ہو جایا کرتی تھی اور بعض دفعہ کافی دیر تک گفتگو جاری رہتی۔ ہوتے ہوتے اس نے اہلحدیثوں کے ایک مولوی محمد امین صاحب کو ہمارے مقابلہ پر لانا شروع کر دیا اور وہاں پر مناظرہ کی صورت پیدا ہونے لگی اور متعدد مرتبہ کوٹھوں کی چھتوں پر بالمقابل تقاریر ہوا کرتی تھیں۔ بعد ازاں تو اس گاؤں میں خاصے مناظرے بھی ہوتے رہے ہیں جبکہ ابھی عزیزم مولانا محمد سلیم صاحب فاضل (جو اسی گاؤں کے باشندے ہیں) سکول کی ابتدائی جماعتوں میں تھے اور وہ ہمیں ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ یہ باتیں ذرا دیر بعد کی ہیں مگر ہم نے اوپر جن ایام کا ذکر کیا ہے وہ بالکل ابتدائی تھے اور میں ابھی مدرسہ احمدیہ کی تیسری چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا ان دنوں بھی ہماری دیہاتی تبلیغ ایک رنگ مناظرات کا پیدا کر لیتی تھی۔

اسی عرصہ کی بات ہے کہ ایک روز مولوی محمد اعظم صاحب آف تھہ غلام نبی (والد حضرت قاضی محمد رشید صاحب مرحوم سابق وکیل المال اوّل) قادیان آئے اور مجھے کہا کہ ہمارے قریب ایک گاؤں میں غیر احمدیوں کا جلسہ ہے ان سے حیات وفات مسیح پر مناظرہ ہوگا اور یہ مناظرہ تم نے کرنا ہے۔ میں نے کچھ عذر کیا کہ کسی عالم کو لے جائیں مگر ان کے اسرار پر میں چلا گیا۔اس گاؤں کا نام راجووال تھا اور اس میں بٹالہ سے کئی مولوی جلسہ کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے۔مولوی محمد اعظم کے علاوہ میرے ساتھ دو تین اور احمدی تھے۔ وہاں پر وفات مسیح پر مناظرہ مقرر ہوا اور اب باقاعدہ شرائط طے ہو کر مناظرہ شروع ہو گیا۔گاؤں کے لحاظ سے حاضری خاصی تھی۔

میرا عنفوان شباب تھا بلکہ اسے بچپن کا زمانہ ہی کہنا چاہیے مگر مجھے بہت اعتماد تھا کہ یہ مولوی صاحبان کوئی جواب نہیں دے سکیں گے اللہ تعالیٰ کے فضل سے دلائل خوب یاد تھے اور حوالہ جات از بر تھے اور تقریر میں بھی جوش اور روانی تھی۔اڑھائی تین گھنٹے تک مناظرہ جاری رہا۔میں نے بار بار آیات قرآنیہ پیش کر کے ان سے وفات مسیح پر استدلال کیا اور مخالف علماء سے مطالبات کئے اور عام مسلمانوں کو غیرت دلائی کہ آپ لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تو فوت شدہ قرار دیتے ہو اور حضرت مسیح ناصری کو آسمانوں پر زندہ تصور کرتے ہو۔ میں دیکھ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے سامعین پر اچھا اثر تھا اور مجھے اُمید ہو رہی تھی کہ عام لوگوں کی رائے ہمارے ساتھ ہوگی مگر جونہی میں اس تقریر کے لئے کھڑا ہوا تو پہلے

سٹیج پر سے تالیاں شروع ہوئیں اور پھر عوام نے بھی تالیاں بجانیں شروع کر دیں اور شور مچا دیا کہ مرزائی ہار گئے، مرزائی ہار گئے۔ یہ صورت حال میری ناتجربہ کاری کے باعث میرے وہم وگمان میں بھی نہ تھی اور مجھے قطعاً یہ امید نہ تھی کہ لوگ اتنی زیادتی بھی کر سکتے ہیں اس شوروغوغا میں مولوی نے اجلاس ختم کر دیا اور لوگ منتشر ہو گئے۔ میری طبیعت بہت افسردہ تھی اور میں حیران وششدررہ گیا کہ لوگ اتنے بھی ظالم ہوتے ہیں۔ حضرت مولوی محمد اعظم صاحب نے فرمایا کہ آیئے ہم نماز عصر ادا کریں۔ چنانچہ ہم قریب ہی جاری ایک نہر کے کنارے وضو کر کے نماز کے لئے تیار ہوئے۔ پاس ہی پل تھا جس سے گزر کر لوگ گاؤں کو جارہے تھے۔ حضرت مولوی صاحب موصوف نے اصرار فرمایا کہ نماز میں پڑھاؤں۔ چنانچہ میں نے نماز شروع کرائی اور نہایت رقت سے ان لوگوں کے لئے ہدایت کی دعا کی۔ وہ لوگ پاس سے گزر رہے تھے اور ہمیں نماز پڑھتا دیکھ کر ایک دوسرے کو باآواز بلند کہہ رہے تھے کہ دیکھو یہ کافر نماز پڑھ رہے ہیں دل تو پہلے ہی بھرا ہوا تھا ایسے فقرے سن کر اور بھی درد پیدا ہوا اور خوب دعا کی۔

جب نماز ختم ہوئی اور میں نے بائیں جانب السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نوجوان آگے بڑھا اور اس نے نہایت محبت سے مصافحہ کیا اور بتایا کہ میں مڈل پاس ہوں اور فلاں گاؤں میں مدرس ہوں اور میں آج کا مناظرہ سن کر احمدیت قبول کرتا ہوں میری بیعت لے لی جائے۔

اس نوجوان کے اس بیان سے مجھے بے حد مسرت ہوئی مگر تعجب بھی تھا کہ اس ہنگامہ آرائی اور فتنہ پردازی کے ماحول کے باوجود اللہ تعالیٰ نے کس طرح اس شخص کی راہنمائی فرمادی ہے۔ اس سے دریافت کیا کہ آپ کو کس چیز نے زیادہ اپیل کی ہے؟ اس نے بتایا کہ میں مولویوں کے پاس سٹیج پر بیٹھا تھا اور ان کی سب باہمی باتیں سنتا رہا ہوں۔ جب آپ تقریر کرتے تھے تو وہ سب آپس میں ایک دوسرے کو کہتے تھے کہ ''منڈا اگلاں تابڑیاں پکیاں کرداا ے''۔ یعنی یہ نوجوان باتیں تو بہت مدلل کرتا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ ہمارے مناظر کو جواب نہیں سوجھ رہا لوگوں پر برا اثر ہو رہا ہے۔ جب آپ آخری تقریر کے لئے اٹھنے لگے تو علماء نے سٹیج پر مشورہ کیا کہ اس کو آخری تقریر کرنے کا موقع ہر گز نہ دیا جائے ورنہ لوگ احمدی ہو جائیں گے۔ اس پر تجویز ہوئی کہ سٹیج پر سے تالیاں بجا کر شور کر دیا جائے کہ مرزائی ہار گئے مرزائی ہار گئے۔ چنانچہ اس مشورہ کے مطابق عمل ہوا اور عوام نے بھی شور کر دیا اور آپ کی تقریر نہ ہو سکی اور جلسہ برخاست ہو گیا۔

اس نوجوان نے بتایا کہ میں نے جو کچھ دیکھا اور جو کچھ سنا وہ مجھے احمدی بنانے کے لئے کافی ہے۔

چنانچہ اس نے فارم بیعت پر کر دیا اور ہم نے اسے کہا کہ جمعہ کے روز قادیان مسجد اقصیٰ میں آجائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا خطبہ بھی سنیں اور دستی بیعت بھی کرلیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ **والحمد للہ علی ذالک۔**

اس واقعہ کے بعد جو گویا میرے پہلے باقاعدہ مناظر کا واقعہ ہے مجھے لوگوں کے شور وغوغا سے کبھی مایوسی نہیں ہوئی۔ کون جانتا ہے کہ کس سعادت مند دل کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے سچائی قبول کرنے کے لئے کھول دیا ہے۔ مبلغین سلسلہ کو کبھی بھی دشمنوں کے حملے سے گھبرانا نہیں چاہیے اور کبھی یہ خیال نہیں کرنا چاہیے کہ لوگ حق کو قبول نہیں کریں گے۔

مشہور آریہ مناظر دھرم بھکشو سے مناظرہ

میں ابھی اپنے استاد حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ کے پاس مبلغین کلاس میں طالبعلم تھا اور یہ ۱۹۲۶ء ۱۹۲۷ء کی بات ہے کہ ایک روز میں قادیان میں ظہر کی نماز کے لئے مسجد مبارک کو جا رہا تھا۔ محترم چوہدری غلام محمد صاحب شہید سیکریٹری تبلیغ جماعت احمدیہ امرتسر مجھے راستہ میں ملے پوچھنے لگے کہ اگر کوئی آریہ احمدیوں کو یہ چیلنج دے کہ صداقت حضرت مرزا صاحب پر ہم سے مناظرہ کرلو تو کیا کرنا چاہیے؟ میں نے اپنے جوش تبلیغ کے مطابق جوانی کے عالم میں بے ساختہ کہا کہ ایسے پنڈت کے چیلنج کو فوراً منظور کرلینا چاہیے بعد ازاں میں نماز کے لئے چلا گیا۔ دوسرے دن جب ہم حضرت حافظ صاحبؓ کے پاس بیٹھے پڑھ رہے تھے تو محترم چوہدری صاحب مرحوم حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ نائب ناظر دعوۃ وتبلیغ کی معیت میں وہاں تشریف لائے۔ حضرت مولانا نیر صاحبؓ نے حضرت حافظ صاحبؓ سے فرمایا کہ یہ (یعنی خاکسار) امرتسر میں آریوں سے مناظرہ کے لئے جائیں گے یہ تیار ہیں جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب کو مناظرہ ہے۔ آپ انہیں اجازت فرمادیں کہ ذرا کمرہ سے باہر آکر بات کرلیں۔ حضرت حافظ صاحبؓ کی اجازت سے میں نے ان سے بات کی۔ انہوں نے مجھے امرتسر کے حالات بتا کر وقت پر پہنچے کی تاکید فرمائی اور اخراجات سفر دیئے۔

قادیان میں بدھ اور جمعرات کی رات کو شدید بارش ہوگئی تانگہ وغیرہ کا بٹالہ جانا سخت دشوار تھا۔ ارادہ کیا کہ پیدل بہتے پانیوں میں سے ریلوے اسٹیشن بٹالہ پہنچ کر شام کی گاڑی لوں گا۔ حضرت حافظ صاحبؓ سے بہت دلچسپ گفتگو اجازت کے سلسلہ میں ہوتی رہی تھی وہ میرے اس عزم سے بہت خوش ہوئے

دعا فرمائی اور میں اڈہ پر پہنچ گیا۔ یہ الٰہی تصرف تھا کہ عین اسی وقت کسی خاص کام کے لئے ایک لاری پانیوں کو چیرتے ہوئے قادیان پہنچی اور مجھے بھی اس میں بٹالہ پہنچنے کا موقع مل گیا۔ الحمد للہ۔

مجھے ریل میں غنودگی کی حالت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتایا گیا کہ اس مناظرہ میں خاص تائید حاصل ہوگی۔ جب ہم آریوں کے مندر میں داخل ہو رہے تھے تو دروازہ پر بہت سے غیر احمدی مولوی بھی موجود تھے۔ ان میں سے ایک نے ایک احمدی دوست سے کہا کہ آپ لوگ پنڈت دھرم بھکشو کے مقابلہ کے لئے کس کو لے کر آئے ہو تمہیں معلوم نہیں کہ گزشتہ دنوں مولوی ثناء اللہ صاحب سے مناظرات میں اس نے کیسی طراری دکھائی تھی۔ آپ لوگوں کو چاہیے تھا کہ اوّل تو خلیفہ صاحب کو لاتے ورنہ کم از کم حافظ روشن علی صاحبؓ کو تو لاتے یہ فقرات میرے کان میں بھی پڑ گئے میری روح فوراً آستانہ الٰہی پر جھک گئی کہ آج تو تیری خاص قدرت نمائی کی ضرورت ہے۔ مناظرہ پر ابتدائی گفتگو یوں شروع ہوئی کہ پنڈت دھرم بھکشو صاحب نے کھڑے ہو کر مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے منتری اپنی چٹھی میں آپ کو مضمون مرزا صاحب کی صداقت لکھا ہے یہ ان کی غلطی ہے ہمارا چیلنج یہ ہے کہ مرزا صاحب کی پیشگوئی درباره پنڈت لیکھرام کو سچا ثابت کیا جائے آج اس مضمون پر بحث ہوگی۔ میں نے اُٹھ کر فوراً کہہ دیا کہ ہمیں منظور ہے۔ اس پر لوگ قدرے حیران ہوئے لیکن دراصل یہ بات ہمارے پروگرام اور تیاری کے عین مطابق تھی اور میں نے اسے الٰہی تصرف یقین کیا۔ پھر پنڈت صاحب نے کہا کہ اس مناظرہ میں مدعی ہم ہوں گے۔ میں نے کہا کہ یہ بات درست نہیں پیشگوئی کے سچا ہونے کے دعویدار ہم ہیں آپ تو منکر ہیں آپ کس طرح مدعی ہو سکتے ہیں؟ انہوں نے فن مناظرہ کی کتاب رشیدیہ کا ایک حوالہ پڑھا۔ عربی عبارت کی میں نے فوراً غلطی پکڑ لی اس پر پنڈت صاحب نے کھسیانہ ہو کر کہا کہ آپ ہماری غلطیاں پکڑنے آئے ہیں؟ میں نے کہا کہ لفظی اور معنوی ہر دو قسم کی غلطیاں دور کرنے آیا ہوں۔ اس برجستگی پر حاضرین میں سے مسلمانوں نے جو پنڈت جی کی گزشتہ دنوں کی طراری سے نالاں تھے نعرہ تکبیر بلند کر دیا۔ آریوں کے صدر نے جو ایک شریف ایڈووکیٹ تھے کہا کہ یہ ہمارا مندر ہے اور اوپر کی منزل پر دیویاں بھی ہیں اس لئے نعرے نہ لگائے جائیں مجھے دوستوں کو کہنے کے لئے کہا چنانچہ میں بھی روک دیا۔

پنڈت صاحب رشیدیہ سے لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ چونکہ ہم نے آپ کو دعوت دی ہے اس لئے ہم ہی مدعی ہوں گے۔ میں نے کہا کہ پنڈت صاحب آپ کا تو عربی دان ہونے کا بڑا دعویٰ تھا کیا آپ کو اتنا

بھی علم نہیں کہ بلانے والے کو داعی کہتے ہیں مدعی نہیں کہتے۔ مدعی تو دعویٰ کرنے والے کو کہتے ہیں اور اس جگہ دعویٰ ہمارا ہے۔ اس پر پھر حاضرین نے نعرۂ تکبیر لگا دیا اور مشکل سے انہیں آئندہ کے لئے روکا گیا۔ پنڈت صاحب شرمندہ ہو گئے۔ مدعی بننے کی یہ بحث اس لئے تھی کہ مدعی کی پہلی اور آخری تقریر ہوتی ہے۔ اس مرحلہ پر بھی پنڈت صاحب کہتے جا رہے تھے کہ پہلی اور آخری تقریر بہرحال ہماری ہوگی۔ بات طے نہ ہوتی تھی۔ آریہ صدر نے مجھ سے درخواست کی آپ کوئی صورت ایسی بتائیں کہ مناظرہ شروع ہو جائے۔ ان کی شرافت کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے کہا کہ اچھا یوں کر لیں کہ پہلی تقریر پنڈت صاحب کر لیں اور آخری تقریر ہماری ہوگی۔

پنڈت دھرم بھکشو صاحب نے اپنی طرف سے چار اعتراض کئے۔ بات لمبی ہوتی جاتی ہے حالانکہ انتہائی اختصار مطلوب ہے۔ دو اعتراض یہ تھے کہ (۱) پیشگوئی قتل کی نہ تھی بلکہ حسب معاہدہ پنڈت لیکھرام جی کو زندہ رہ کر نشان دیکھنا تھا (۲) مرزا صاحب نے سازش کر کے پنڈت جی کو قتل کرایا تھا۔ میں نے اٹھتے ہی کہا کہ ان دو اعتراضوں میں تو تناقض ہے دونوں اعتراض بیک وقت نہیں کئے جا سکتے کیونکہ اگر پیشگوئی قتل کی نہ تھی بلکہ پنڈت جی کے قتل ہو جانے سے پیشگوئی جھوٹی ٹھہرتی تھی تو پھر حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کس طرح سازش کر سکتے تھے؟ کیا انہوں نے اپنی پیشگوئی کو جھوٹا کرنے کے لئے سازش کرنی تھی؟ اور اگر پیشگوئی فی الواقع قتل کی تھی تو پنڈت دھرم بھکشو کا پہلا اعتراض سراسر غلط ہے۔ اب پنڈت صاحب بتائیں کہ وہ ان دو متضاد اعتراضوں میں کس پر قائم ہیں؟ اس بیان پر حاضرین میں مسرت کی لہر دوڑ گئی اور انہیں بصد مشکل نعرۂ تکبیر سے روکا گیا۔ پھر میں نے تفصیلاً بتایا کہ پیشگوئی تو قتل کی تھی خود لیکھرام کو یہ بات مسلّم تھی۔ باقی رہا نشان دیکھ کر ایمان لانے کا سوال تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پنڈت جی کے قتل کی ایسی صورت پیدا کی کہ وہ ایمان لا سکتے تھے۔ ان پر شام کے چھ بجے حملہ ہوا ہے اور رات ۴ بجے تک وہ باہوش وحواس زندہ رہے ہیں گویا ان کو ایمان لانے کا موقع دے دیا گیا مگر وہ ایمان نہ لائے۔ جہاں تک سازش کا اعتراض ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب سراج منیر میں اس کا فیصلہ کن جواب یوں دیا ہے کہ اگر کسی آریہ کو واقعی یہ یقین ہے تو میرے سامنے حلفیہ اعلان کرے اگر وہ طبعی موت سے جلد نہ مر گیا تو مجھے قاتل قرار دے کر پھانسی دے دی جائے۔ میں نے حضور علیہ السلام کی پرشوکت عبارت پڑھ کر کہا کہ اب حضور تو موجود نہیں میں تو حضور کا ایک ادنیٰ ترین خادم ہوں اگر پنڈت دھرم بھکشو

اس وقت ان مقررہ الفاظ میں قسم کھا کر اعلان کر دیں تو میں سزا لینے کو تیار ہوں۔ یہ بیان ایسی شوکت اور ایسی شان سے ذکر ہوا کہ پنڈت جی کو قطعاً جرأت نہیں ہوئی۔

ابھی دس دس منٹ کی چار تقریریں ہوئی تھیں اور مقررہ وقت میں تین گھنٹے تھے کہ پنڈت دھرم بھکشو نے کہا۔ مولوی صاحب مجھے تار ملا ہے جس کی وجہ سے مجھے فرنٹیر میل سے ناگ پور پہنچنا ضروری ہے خواہ آپ ہماری شکست سمجھیں مگر اب مناظرہ جاری نہیں رہ سکتا۔ میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ میں نے کھڑے ہو کر جواباً کہا کہ مذہبی مناظرہ میں فتح اور شکست کا تصوّر نہیں ہونا چاہیے۔ باقی مجھے اس بارے میں کہنے کی کیا ضرورت ہے کیا ناظرین سب کچھ دیکھ نہیں رہے؟ آپ نے چونکہ معذوری ظاہر کر کے معافی مانگ لی ہے اگرچہ آریوں کا ایشور تو کسی گناہ کو معاف نہیں کرتا مگر ہمارا خدا جو رب العالمین ہے وہ قصور والوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے اس لئے میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ آپ جا سکتے ہیں۔ پنڈت جی کہنے لگے کہ آپ اب بھی چوٹ کرتے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو میں معافی نہیں مانگتا۔ میں نے کہا بہت اچھا پھر مناظرہ جاری رہے گا اور آپ کو جانے کی اجازت نہیں۔ ہم بارش کے باوجود قادیان سے آئے ہیں اور اس قدر سامعین تکلیف اٹھا کر آئے ہیں آپ نہیں جا سکتے۔ اس پر آریہ صدر صاحب کھڑے ہو گئے اور کہا مولوی صاحب واقعی پنڈت صاحب کا جانا ضروری ہے۔

مجبوری ہے اگر پنڈت جی معافی نہیں مانگتے تو میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ آپ جانے دیجئے۔ میں نے کہا یہ صرف آپ (آریہ صدر) کی شرافت ہے کہ ہم مناظرہ بند کر رہے ہیں ورنہ پنڈت صاحب کا رویہ تو ایسا نہ تھا۔

مناظرہ کے خاتمہ پر سب مسلمان خوش تھے اور وہی مولوی جو دروازے پر کہہ چکے تھے کہ کس کو لے آئے وہ مجھے مبارک باد دے رہے تھے بلکہ لوگ مجھے اٹھا کر بازار تک لائے اور نعرے لگاتے رہے۔ میں جانتا تھا کہ یہ محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کا اظہار تھا اور احمدیت کے لئے اس کی غیرت کا کرشمہ تھا ورنہ من آنم کہ من دانم۔

کیا کشمیر آسمان سے دور ہے؟

۳۱ء سے ۳۶ء تک مجھے بلاد عربیہ میں تبلیغ اسلام واحمدیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس عرصہ میں عیسائی پادریوں اور غیر احمدی علماء سے بھی متعدد مباحثے ہوتے رہے۔ دو ملاقاتوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ایک دفعہ نابلس شہر

کے چند اساتذہ ملنے کے لئے کبابیر میں آئے جہاں ہماری مسجد، ہمارا پریس، ہمارا رسالہ اور ہمارا دارالتبلیغ ہے؟

دارالتبلیغ میں اس وقت چند احمدی بزرگ بھی موجود تھے جن میں شیخ علی القرق مرحوم بھی تھے۔ ان اُساتذہ نے قہوہ وغیرہ پینے کے بعد کہا کہ ہم کچھ سوالات کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا شوق سے دریافت فرمائیے۔ ایک استاد نے کہا کہ آپ وفات مسیح کے قائل ہیں؟ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں حضرت مسیح کی وفات کا ذکر ہے اس لئے ہم لوگ وفات مسیح کے قائل ہیں۔ اس نے کہا کہ اگر وہ فوت ہو گئے ہیں ان کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا ان کی قبر سری نگر کشمیر میں ہے اس پر دوسرے استاد نے دخل دیتے ہوئے کہا کہ اتنی دور؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ ابھی میں نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ ہمارے مرحوم بھائی علی القرق نے جھٹ فرمایا هَلْ بِلَادُ الْكَشَامِرَةِ اَبْعَدُ مِنَ السَّمَاءِ کہ کیا کشمیر کا علاقہ آسمان سے بھی دور ہے؟ اس پر وہ اُساتذہ خاموش ہو گئے اور پوچھنے والے نے مجھے مخاطب ہو کر کہا کہ آپ نے ان کو خوب سکھایا ہے۔ میں نے کہا کہ یہ بات مجھے بھی سوجھی تھی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی سکھاتا ہے۔

کیا ہندوستان میں نبی ہوسکتا ہے

پھر ان اساتذہ نے پوچھا کہ ہم نے سنا ہے کہ آپ لوگ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کو نبی مانتے ہیں؟ میں نے کہا کہ ہم لوگ قرآن وحدیث کے مطابق حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو امتی اور غیر تشریعی نبی مانتے ہیں۔ ایک استاد نے کہا کہ نبی تو سارے ارض مقدسہ فلسطین میں ہوئے ہیں کسی اور ملک میں نبی نہیں ہوا ہندوستان میں کیسے نبی ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ کہ ہر قوم میں نبی گزرے ہیں آپ سب نبیوں کو ایک ہی ملک سے مخصوص کیوں قرار دیتے ہو؟ وہ اصرار کرنے لگے کہ نہیں ارض مقدس کے علاوہ اور کسی ملک میں نبی نہیں ہوا۔ میں نے پوچھا کہ کیا حضرت آدم علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں؟ کہنے لگے کہ ہاں وہ نبی تھے۔ میں نے تفاسیر سے اسے دکھایا اِنَّ اٰدَمَ اُهْبِطَ بِاَرْضِ الْهِنْدِ کہ حضرت آدم علیہ اسلام پہلے پہل ہندوستان میں ہی اترے تھے۔ میں نے کہا کہ جب پہلا نبی ہی ہندوستان میں ہوا ہے تو آپ صاحبوں کو آج ہندوستان میں نبی ہونے پر کیوں تعجب ہو رہا ہے؟ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

قبر مسیح کہاں ہے؟

دوسری ملاقات جس کا ذکر مقصود ہے وہ حیفا فلسطین کے دارالتبلیغ میں ہوئی تھی۔ حیفا کے مشہور قدر آور

شیخ عبداللطیف العبوشی ایک دن اپنے چند شاگردوں سمیت اچانک دارالتبلیغ میں آگئے میں اس وقت اکیلا ہی تھا۔ آتے ہی شیخ موصوف نے کہا جِئْتُ الْيَوْمَ لِأُلْقِمَكَ حَجَرًا کہ میں آج آپ کا منہ بند کرنے آیا ہوں۔ میں نے کہا تَفَضَّلْ وَاجْلِسْ نَشْرَبُ الْقَهْوَةَ أَوَّلًا ثُمَّ نَتَحَدَّثُ کہ آپ تشریف تو رکھیں پہلے قہوہ نوش فرمائیں پھر گفتگو ہوگی چنانچہ میں نے جھٹ پٹ سٹوو پر قہوہ بنا کر پیش کر دیا اتنے میں جماعت کے بعض دوست بھی دارالتبلیغ میں آگئے۔ میں نے کہا کہ اب فرمائیے کیا سوال ہے؟ کہنے لگے کہ آپ وفات مسیح کے قائل ہیں بتائیں ان کی قبر کہاں ہے؟ میں سمجھ گیا کہ یہ محض مجادلہ کے لئے آئے ہیں تحقیق مقصود نہیں ہے اس لئے میں نے کہا کہ جناب عالی! ہمیں ان کی قبر سے کیا سروکار ہے۔ کیا ہم نے اس قبر کی عبادت کرنی ہے؟ اس پر شیخ نے اپنے شاگردوں کی طرف معنی خیز نظر سے دیکھا اور مجھے کہا کہ نہیں ہمیں اس سوال کا جواب معین مطلوب ہے۔ میں نے کہا کہ جب قرآن مجید نے حضرت مسیح کی وفات کا ذکر فرما دیا ہے تو ہمارے لئے یہ کافی ہے۔ ہمیں وفات مسیح پر ایمان لانا چاہیے۔ قبر ان کی کہاں ہے اس کا علم ضروری نہیں آئے۔ میں قرآن پاک سے وفات مسیح ثابت کر دیتا ہوں۔ اس پر شیخ صاحب اور تیز ہوگئے اور کہنے لگے کہ میں تو صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں قبر کی نشاندہی کریں ہم اور کوئی بات نہیں کرنا چاہتے۔ پھر شاگردوں سے کہنے لگے کہ کیا میں نے نہ کہا تھا کہ قادیانی مبلغ اس سوال کا جواب نہ دے سکے گا پھر اپنے طلبا سے پوچھا کہ تم نے الخلیل شہر دیکھا ہے وہاں نبیوں کی قبریں دیکھی ہیں؟ انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ شیخ نے کہا کہ وہاں مسیح کی قبر ہے؟ طلباء نے کہا کہ نہیں اس پر استاد نے کہا۔ إِذَنْ هُوَ حَيٌّ فِي السَّمَاءِ يُرْزَقُ کہ تب ماننا پڑے گا کہ مسیح آسمان پر زندہ ہیں پھر شیخ نے مجھے کہا کہ آپ کو ضرور بتانا چاہئے کہ مسیح کی قبر کہاں ہے؟ ہم اور بات نہ کریں گے۔ جب بات اس مرحلہ تک پہنچ گئی تو میں نے کہا۔ اگرچہ یہ ضروری سوال نہیں اور قرآن مجید کے اعلان وفات مسیح کے بعد ہم پر قبر کی نشاندہی کی ذمہ داری نہیں ہے لیکن آپ کی ضد کو توڑنے کے لئے میں کہتا ہوں إِنَّ قَبْرَ عِيْسٰى فِيْ جَنْبِ قَبْرِ نُوْحٍ حضرت مسیح کی قبر حضرت نوح کی قبر کے پہلو میں ہے۔ اس پر شیخ بھی اور شاگرد بھی میرے منہ کی طرف دیکھنے لگ گئے اور پوچھنے لگ گئے أَيْنَ قَبْرُ نُوْحٍ کہ نوح کی قبر کہاں ہے؟ میں نے کہا کہ مسیح کی قبر کے دائیں جانب۔ وہ اور حیران ہوئے۔ میں نے طلباء سے پوچھا کہ کیا الْخَلِيْل میں تم نے نوح کی قبر دیکھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ نہیں۔ میں نے کہا إِنَّ قَبْرَ عِيْسٰى فِيْ جَنْبِ قَبْرِ نُوْحٍ پھر نوح آسمان پرز

ندہ ہوں گے۔اب اس الزامی جواب پر شیخ عبد اللطیف العبوشی بھی ششدر رہ گئے آخر کہنے لگے کہ اچھا بھئی بتاؤ تو سہی کہ آپ کے عقیدہ کے مطابق مسیح کی قبر کہاں ہے؟ تب میں نے انہیں آیت قرآنی وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَّآوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ○(المؤمنون: ۵۱) کی تفسیر کرتے ہوئے بتایا کہ مسیح سری نگر میں دفن ہیں۔اس پر وہ خاموش ہوکر چلے گئے۔

بہائیوں کے زعیم شوقی آفندی سے ملاقات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقالہ کوختم کرنے سے پہلے بطور تتمہ اس ملاقات کا بھی ذکر کر دیا جائے جو حیفا (فلسطین) میں بہائی زعیم شوقی آفندی سے ہوئی تھی۔حیفا بہائیوں کا مرکز ہے۔متوفی لیڈر شوقی آفندی وہاں ہی رہا کرتے تھے اور مجھے بھی قیام بلاد عربیہ کے دوران ۱۹۳۱ء تا ۱۹۳۴ء کئی سال تک حیفا میں رہنے کا موقع ملا ہے۔میں نے دیگر بہائیوں کے علاوہ عبدالبہاء عباس آفندی کے بھائی محمد علی صاحب سے بھی ملاقات کی تھی۔یہ صاحب عبدالبہاء کے مخالف تھے۔انہیں محروم الارث کر دیا گیا تھا۔شوقی آفندی عبدالبہاء کے نواسے تھے میں چند احمدی احباب کے ساتھ ان سے ملنے کے لئے ان کے مکان پر گیا۔عام خیریت کے استفسار کے بعد حسب ذیل گفتگو ہوئی جو اختصاراً درج ہے۔میں نے عرض کیا کہ آپ بہائیت کی امتیازی تعلیم پیش فرمائیں کہنے لگے کہ ہماری خاص تعلیم یہی ہے کہ سب انسان بھائی بھائی ہیں۔میں نے کہا کہ یہ تعلیم تو قرآن مجید میں موجود ہے۔قرآن پاک فرماتا ہے کہ ہم نے سب انسانوں کو مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے پس اس لحاظ سے وہ سب بھائی بھائی قرار پاتے ہیں۔پھر قرآن مجید صراحتاً کہتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ (الحجرات: ۱۱) کہ سب مومن بھائی بھائی ہیں اس لئے انسانی اور ایمانی اخوت کے لحاظ سے بہائیت کے پاس کوئی امتیازی تعلیم نہیں ہے کہ جب تک قرآن مجید سے بہتر تعلیم نہ پیش کی جائے اس کے منسوخ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جناب شوقی آفندی سے کہنے لگے کہ تعلیم تو قرآن مجید میں بھی موجود تھی مگر مسلمان گروہ در گروہ ہوکر باہم جھگڑتے تھے۔میں نے کہا کہ اس میں تعلیم اور شریعت کا کیا قصور ہے؟ جہاں تک گروہ بندی اور جھگڑنے کا سوال ہے تو وہ اسی تھوڑے عرصہ میں آپ لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے۔بابی ہیں پھر بہائی ہیں۔پھر ازلی ہیں اور خود بہائیوں میں جھگڑے ہیں۔عبدالبہا اور محمد علی میں تنازع ہے اور بہاء اللہ کے خاندان کے جھگڑے عدالتوں تک جا چکے ہیں۔پس مسلمانوں کی فرقہ بندی قرآنی تعلیم کے منسوخ قرار پانے کی ہرگز

وجہ نہیں بن سکتی۔شوقی صاحب کہنے لگے کہ یہ بات ٹھیک ہے مگر مسلمانوں میں آیات قرآنیہ کے بارے میں نزاع تھا۔کوئی اس آیت کو منسوخ کہتا تھا اور کوئی اس آیت کو ہم نے کہا یہ جھگڑا ہی ختم کر دیا جائے اس لئے ہم نے سارے قرآن مجید کو منسوخ قرار دے کر نئی شریعت پیش کر دی۔

میں نے کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ جماعت احمدیہ قرآن مجید کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کی قائل نہیں اور آپ ایک احمدی مبلغ سے بات کر رہے ہیں۔شوقی صاحب کہنے لگے کہ ٹھیک ہے کہ احمدی قرآن مجید کی کسی آیت کو منسوخ نہیں مانتے مگر آپ لوگوں کی تعداد تھوڑی ہے۔میں نے عرض کیا صداقت بہر حال صداقت ہے خواہ اس کے ماننے والے تھوڑے ہوں یا زیادہ مزید برآں احمدیوں کی تعداد خاص حیفا میں بھی بہائیوں سے زیادہ ہے۔ہم یہاں برملا تبلیغ احمدیت کرتے ہیں جب کہ بہائی اخفا سے کام لیتے ہیں۔ہمارا یہاں دارالتبلیغ ہے، مسجد محمود ہے، اپنا پریس اور ماہنامہ البشریٰ ہے۔اس لئے آپ قلت تعداد کی وجہ سے اعتراض نہیں کر سکتے۔کہنے لگے کہ آپ لوگ بھی اچھا کام کر رہے ہیں میں نے آپ کے امام کی کتاب ''احمدیت'' پڑھی ہے آپ اپنا کام کرتے جائیں ہم اپنا کام کرتے جائیں۔میں نے آخر میں کہا کہ آپ اپنی وہ شریعت تو دکھائیں جس کی بناء پر آپ قرآن مجید کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔کہنے لگے کہ الاقدس تو میرے پاس نہیں ہے مگر میں آپ کو پتہ بتا دیتا ہوں۔آپ عراق سے حاصل کر سکیں گے۔اس کے بعد ہم سے رخصت ہو کر اپنے مکان پر آ گئے۔

ان کے بتائے ہوئے پتہ پر عراق سے خاصی رقم بطور ضمانت دے کر ایک نسخہ الاقدس کا مجھے مل گیا جسے نقل کر کے واپس کر دیا گیا۔یہ وہ نسخہ ہے جو بقول بہائیوں کے ان سے علیحدہ ہونے والے شخص نے شائع کیا ہے کیونکہ بہائیوں کو تو عبدالبہاء نے منع کر رکھا ہے کہ وہ شریعت الاقدس کو شائع نہ کریں وہ اسے جائز قرار نہیں دیتے۔ان کا یہ خط شائع شدہ ہے۔

میں نے الاقدس کا اصل نسخہ مزید تحقیق کے بعد خود شائع کرایا اور ساتھ اردو ترجمہ بھی کر دیا۔گویا بہائی لوگ جس شریعت کو ناسخ قرآن کہتے ہیں انہیں اس کے شائع کرنے کی بھی جرأت نہیں۔بھلا قرآن کی مثل بنانے پر انسان کیونکر قادر ہو سکتا ہے۔ہاں اتنا ظاہر ہے کہ بہائی تو ایک اسلام دشمن اور اسلامی شریعت کی ناسخ ہے جس کے مقابلے کے لئے اللہ تعالیٰ نے احمدیہ تحریک کو قائم کیا ہے۔ **وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔**

۞۞

حضرت قاضی محمد نذیر صاحب فاضل لائلپوری

سابق ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ

تعارف

آپ اپنا تعارف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

میں قاضی محمد نذیر ولد قاضی محمد حسین صاحب حکیم موضع کوروال ضلع سیالکوٹ کا رہنے والا ہوں۔ ہمارے خاندان میں احمدیت میرے دادا صاحب مولوی نجم الدین مرحوم ومغفور کے ذریعہ آئی ہے۔آپ عربی اور فارسی کے عالم تھے اور شہر سیالکوٹ میں کتابت کرتے تھے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سیالکوٹ رہنے کے زمانہ میں آپ کے ملنے والوں میں سے تھے۔حضور علیہ السلام کے دعویٰ پر سلسلہ میں بلا تامل داخل ہوگئے۔آپ نے ۱۹۰۱ء میں وفات پائی جبکہ میں ابھی چھوٹا بچہ ہی تھا۔

ابتدائی تعلیم

جب میں نے ہوش سنبھالا تو ابتدائی تعلیم پرائمری تک موضع سے متصل کوروال میں حاصل کی اور بعد میں فارسی کی تعلیم گھر پر اپنے والد قاضی محمد حسین صاحب حکیم مرحوم مغفور سے حاصل کی۔ پھر لاہور چلا گیا اور انجمن حمایت اسلام کے مدرسہ حمیدیہ میں داخل ہوگیا۔اس کے بعد مدرسہ رحیمیہ مسجد نیلا گنبد میں۔ان دونوں مدرسوں میں عربی علوم کی ابتدائی تعلیم حاصل کرکے اورینٹل کالج لاہور میں مولوی عالم کلاس میں داخل ہوگیا۔شروع میں ہی اپنے چچا قاضی عطاء اللہ صاحب کے پاس رہتا تھا اور ینٹل کالج میں داخلہ کے بعد کالج کے ہاسٹل میں داخل ہوگیا جو شاہی مسجد لاہور کے متصل تھا۔مولوی عالم پاس کرنے کے بعد ۱۹۱۴ء میں منشی فاضل اور ۱۹۱۸ء میں مولوی فاضل پاس کیا۔کچھ عرصہ میں نے اسلامیہ ہائی سکول سیالکوٹ اور کچھ عرصہ چک نمبر ۳۳۳ اسلامیہ ہائی سکول میں بطور معلم عربی کام کیا۔پھر کچھ عرصہ سردار حاکم سنگھ ہائی سکول ڈنگا میں بطور معلم فارسی کام کیا۔اس کے بعد میں گاؤں چلا گیا۔ چونکہ میں نے علم طب میں نامی

گرامی حکیم محمد سعید صاحب سے تعلیم حاصل کی ہوئی تھی۔ اس لئے وہاں مطب جاری کیا۔ ساتھ ہی اکبر اسلامیہ ہائی سکول میں بطور معلم عربی بھی کام کرتا رہا۔ ۱۹۲۲ء میں لائل پور مسلم ہائی سکول میں بطور معلم عربی مقرر ہو گیا۔ لائل پور اس سکول میں ۱۹۳۵ء تک ملازمت کی۔ اس لئے احباب نے میرے نام کے ساتھ لائل پوری لکھنا شروع کر دیا۔ ورنہ اصل میں تو میں سیالکوٹی ہوں۔ ۱۹۳۵ء میں چونکہ احرار کی تحریک جماعت احمدیہ کے خلاف زور پر تھی۔ لائل پور کی انجمن اسلامیہ میں اس وقت احراریوں کا زور تھا۔ اس لئے میرا وجود بوجہ احمدیت مسلم ہائی سکول میں احرار کے لئے نا قابل برداشت تھا مگر ان کے لئے مجھے نکالنا آسان نہ تھا کیونکہ میرا کام ہمیشہ تسلی بخش رہا تھا۔ اس نے پہلے یہ ریزولیوشن پاس کیا گیا کہ کوئی احمدی اس انجمن کا ممبر نہیں ہوسکتا اور اس کے بعد میری علیحدگی کا رزولیوشن پاس کیا مگر ۱۹۳۶ء میں مجھے ناظر صاحب دعوۃ وتبلیغ نے بطور مبلغ لے لیا۔ لیکن اگلے ہی سال میں تخفیف میں آ گیا تو مجھے حضرت میاں بشیر احمد صاحب رضی اللہ عنہ نے جو ان دنوں ناظر تعلیم وتربیت تھے تعلیم الاسلام ہائی سکول میں معلم فارسی و دینیات مقرر کر دیا۔ کچھ عرصہ بعد جامعہ احمدیہ میں لیکچرار کی ضرورت تھی۔ ان دنوں حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الثالثؒ) جامعہ احمدیہ کے پرنسپل تھے مجھے جامعہ احمدیہ میں تبدیل کر دیا گیا۔ اس کے بعد مولوی ابوالعطاء صاحب فلسطین سے واپس قادیان تشریف لائے۔ تو دو سال کے لئے میرا تبادلہ نظارت دعوۃ وتبلیغ میں ہو گیا اور مولوی ابوالعطاء صاحب جامعہ احمدیہ میں میری جگہ دو سال کے لئے لیکچرار مقرر ہو گئے۔ جب دو سال ختم ہونے کو آئے تو حضرت میر محمد اسحٰق صاحب ہیڈ ماسٹر مدرسہ احمدیہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہو گئی۔ اس پر مدرسہ احمدیہ میں مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ ہیڈ ماسٹر ہو گئے اور مجھے سیکنڈ ماسٹر مقرر کا گیا۔ میں نے ابھی مدرسہ احمدیہ میں غالباً ایک ماہ ہی کام کیا تھا کہ قادیان میں تعلیم الاسلام کالج کا اجراء ہو گیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب اس کے پرنسپل مقرر ہوئے اور مجھے تبدیل کر کے تعلیم الاسلام کالج میں بطور لیکچرار فارسی بھیج دیا گیا۔ مولوی ابوالعطاء صاحب جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مقرر ہو گئے۔ کچھ عرصہ میں نے تعلیم الاسلام کالج میں کام کیا تو مولوی ابوالعطاء صاحب کی تحریک پر مجھے پھر جامعہ احمدیہ میں منتقل کر دیا گیا تقسیم ملک کے بعد جامعہ احمدیہ احمد نگر نزد ربوہ جاری ہوا۔ اس زمانہ میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے جامعۃ المبشرین کا اجراء فرمایا اور مولوی ابوالعطاء صاحب جامعۃ المبشرین کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ میں چونکہ ریٹائرمنٹ کی عمر کو پہنچ چکا ہوا تھا اس لئے میں

ریٹائر کر دیا گیا اس وقت سے خدا تعالیٰ نے مجھے نظارت اصلاح و ارشاد میں بطور مصنف کام کرنے کا موقعہ دیا اور مجھے مخالفین احمدیت کے جوابات میں کئی کتابیں اور مضامین لکھنے کا موقع ملا ہے۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک۔**

ایک عجیب واقعہ

ایک دفعہ میرا مباحثہ ختم نبوت کے موضوع پر اپنے گاؤں موضع کوروال ضلع سیالکوٹ میں پیرنادرشاہ صاحب سے ہوا جو سمبڑیال کے رہنے والے تھے۔ جب پیر صاحب بحث میں عاجز آ گئے تو انہوں نے ایک مولوی کو کھڑا کر دیا اور اسے کہا کہ تم یہ کہو کہ میں اسی طرح خدا کا نبی ہوں جس طرح مرزا صاحب نبی ہیں اور پیر صاحب نے کہا کہ اب اسے جھوٹا ثابت کرو۔ اس پر میں اٹھا اور مجمع کو مخاطب کر کے کہا دوستو! خدا کا شکر ہے کہ جو مسئلہ میرے اور پیر صاحب کے درمیان زیر بحث تھا وہ حل ہو گیا ہے۔ بحث یہ تھی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی امت میں نبی آ سکتا ہے یا نہیں۔ پیر صاحب نے تسلیم کر لیا ہے کہ آ سکتا ہے جو یہ دیکھئے پیر صاحب کا نبی جو سامنے کھڑا ہے۔ آپ یہ مان گئے ہیں کہ نبی آ سکتا ہے تبھی تو انہوں نے آپ سب لوگوں کے سامنے مولوی صاحب سے نبوت کا دعویٰ کرایا ہے۔ اب یہ چاہتے ہیں کہ میں اسے جھوٹا ثابت کروں مگر مجھے اسے جھوٹا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ اسے اللہ تعالیٰ نے نہیں بھیجا بلکہ پیر صاحب نے ان سے دعویٰ کرایا ہے اور خود پیر صاحب بھی اسے دعویٰ میں جھوٹا جانتے ہیں اور یہ شخص خود بھی اپنے آپ کو اس دعویٰ میں جھوٹا سمجھتا ہے اور آپ سب لوگوں کے نزدیک اور میرے نزدیک بھی یہ جھوٹا ہے لہٰذا اس کو جھوٹا ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔

اس پر پیر صاحب نے کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ جس آیت قرآنیہ سے تم اسے جھوٹا ثابت کرو گے اسی آیت سے میں مرزا صاحب کو جھوٹا ثابت کر دوں گا۔ اس پر میں نے کہا لیجئے پیر صاحب میں ایک آیت پیش کرتا ہوں جو پیر صاحب کے پیش کردہ جھوٹے نبی کو جھوٹا ثابت کر دے گی اور حضرت مرزا صاحب بانیٔ سلسلہ احمدیہ اس آیت کی رو سے سچے ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سورۃ بنی اسرائیل میں فرماتا ہے: وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل: ۱۶) کہ ہم اس وقت تک عذاب بھیجنے والے نہیں یہاں تک کہ ہم کوئی رسول مبعوث کرلیں۔ اس آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول پہلے مبعوث ہوتا ہے اور عذاب اس کے بعد آتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے پہلے امن وامان تھا۔ آپ کے

دعاوی کے بعد پے در پے عذابوں کا سلسلہ شروع ہوا کہیں طاعون کی صورت میں کہیں زلازل کی صورت میں مگر پیر صاحب کا یہ جھوٹا مدعی نبوت عذابوں کے اس سلسلہ کے بعد دعویٰ کر رہا ہے لہٰذا یہ آیت پیر صاحب کے مدعی کو جھوٹا ثابت کرتی ہے اور حضرت مرزا صاحب کو اپنے دعویٰ میں سچا ثابت کر رہی ہے۔

میرے اس آیت کو پیش کرنے پر پیر صاحب مبہوت رہ گئے اور انہیں کوئی جواب نہ سوجھا۔ اس مجلس میں انہوں نے ایک غیر از جماعت دوست کو اپنی طرف سے ثالث بھی بنایا ہوا تھا اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس پر اس گفتگو کا گہرا اثر ہوا اور وہ احمدیت میں داخل ہو گیا۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک**

ایک اور عجیب واقعہ

ایک اور واقعہ سنئے۔ سرگودہا کے ضلع میں مولوی محمد صاحب ساکن لنگر مخدوم سے دو دن میرا ختم نبوت پر مباحثہ ہوا۔ انہوں نے بھی اپنی طرف سے ایک ثالث مقرر کر رکھا تھا۔ جو ایک تعلیم یافتہ غیر از جماعت نوجوان تھا۔ آخری ٹرن میں میں نے مولوی محمد سے کہا۔ مولوی صاحب! عجیب بات ہے کہ آپ خدا تعالیٰ کے سامنے تو روزانہ یہ دعا مانگتے ہیں کہ خدایا نبی بھیج خدایا نبی بھیج اور میرے ساتھ کل سے آپ بحث یہ کر رہے ہیں کہ امت محمدیہ میں کوئی نبی نہیں آسکتا۔ اس پر مولوی صاحب جھنجھلا کر بولے کب یہ دعا مانگتا ہوں۔ میں نے کہا مولوی صاحب آپ پانچوں وقت نماز میں یہ دعا مانگتے ہیں۔ ذرا درود شریف پڑھئے جو آپ نماز میں پڑھا کرتے ہیں۔ میں جب مولوی صاحب سے درود شریف پڑھوایا اور تمام مجمع کے سامنے ترجمہ کرایا جو یہ تھا:

> ''اے اللہ! محمد رسول اللہ اور آپ کی آل پر وہ رحمت بھیج جو تو نے ابراہیمؑ اور اس کی آل پر بھیجی ہے بے شک تو حمید مجید ہے اور اے اللہ! تو محمد رسول اللہ اور آپ کی آل کو وہ برکت دے جو تو نے ابراہیم اور ان کی آل کو دی ہے بے شک تو حمید مجید ہے۔''

ان کے یہ ترجمہ کرنے پر میں نے کہا۔ مولوی صاحب! اس رحمت اور برکت میں تو نبوت بھی داخل ہے کیونکہ آلِ ابراہیم میں نبی بھی آئے ہیں۔ میری یہ بات سن کر ثالث مباحثہ کہنے لگے کہ آپ ذرا بیٹھ جائیں میں خود مولوی صاحب سے بعض باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ اس پر میں بیٹھ گیا اور ثالث نے مولوی محمد صاحب سے یہ پوچھا کہ کیا اس رحمت و برکت سے حلوہ مانڈہ مراد ہے یا کوئی روحانی رحمت اور برکت۔ مولوی صاحب نے کہا۔ روحانی رحمت اور برکت ہی مراد ہے۔ اس پر ثالث نے کہا۔ اس رحمت اور

برکت کا نام لیجئے جو آل ابراہیم کو ملی تھی۔مولوی صاحب نے کہا کہ آل ابراہیم میں بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے۔ثالث نے کہا۔الحمدللہ تو پھر اس دعا کے نتیجہ میں آل محمد میں بھی اولیاء اللہ پیدا ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ مولوی صاحب نے کہا۔ہاں ہو سکتے ہیں۔پھر ثالث نے پوچھا کہ کسی اور رحمت اور برکت کا نام لیجئے جو آل ابراہیم کو ملی تھی۔مولوی صاحب نے کہا کہ آل ابراہیم میں بڑے بڑے مقربین بارگاہِ الٰہی پیدا ہوئے۔ثالث نے کہا۔اچھا اس دعا سے آل محمد میں بھی مقربین بارگاہِ الٰہی پیدا ہو سکتے ہیں یا نہیں۔مولوی صاحب نے کہا ضرور پیدا ہو سکتے ہیں۔اس پر ثالث نے کہا۔اب ایک آخری بات بتایئے۔کیا آلِ ابراہیم میں کوئی نبی بھی ہوا یا نہیں۔اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ نبی بھی ہوئے ہیں۔یہ جواب سنتے ہی ثالث نے کہا کہ پھر میری ڈگری آپ کے خلاف ہے اور میں قاضی محمد نذیر کے حق میں ڈگری دیتا ہوں کہ اس دعا کے نتیجہ میں آل محمد میں نبی بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔

اس پر مولوی صاحب نے کہا کہ یہ شخص قاضی محمد نذیر سے مل گیا ہے۔میں نے کہا۔مولوی صاحب نے سچ فرمایا۔کل یہ آپ کے ساتھ ملا ہوا تھا۔آج میرے ساتھ مل گیا ہے اور میں نے اسے دلائل کے زور سے آپ سب کے سامنے اپنے ساتھ ملایا ہے نہ رشوت دے کر۔یہ ثالث خدا تعالیٰ کے فضل سے بعد میں احمدی ہو گیا۔فالحمدللہ۔اس ثالث کا نام رائے خان محمد بھٹی تھا جو اب فوت ہو چکے ہیں۔

ایک شیعہ عالم سے تبادلہ خیالات

مولوی محمد اسمٰعیل صاحب شیعہ مناظر سے ایک میرا تحریری تبادلہ خیالات ختم نبوت کے موضوع پر ہوا ہے۔مولوی صاحب موصوف نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف اپنے تحریری پرچہ میں یہ لکھا کہ چونکہ مرزا صاحب اپنے آپ کو نبی قرار دیتے ہیں اور خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی آ نہیں سکتا۔اس لئے وہ اپنے دعویٰ میں حق پر نہیں ہیں۔میں نے انہیں جواباً لکھا کہ آپ کے بزرگ تو تسلیم کرتے ہیں کہ امام مہدی رسول ہیں۔چنانچہ آیت:

هُوَ الَّذِيٓ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ

(الصف:۱۰) کے بارے میں بحار الانوار جلد نمبر ۱۲ صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے:

نَزَلَتۡ فِي الۡقَائِمِ مِنۡ اٰلِ مُحَمَّدٍ

یعنی یہ آیت امام مہدی علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور نیز غایۃ المقصود جلد ۲ صفحہ ۱۲۳ میں لکھا ہے:

''مراد از رسول در ینجا امام مہدی موعود است ۔''

یعنی اس آیت میں رسول سے مراد امام مہدی موعود ہے۔

اس پر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے لکھا کہ ہمارے بزرگوں نے بے شک امام مہدی کو رسول لکھا ہے مگر امام مہدی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ضم ہو کر رسول ہیں۔ اس پر میں نے انہیں لکھا کہ آپ نے امام مہدی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضم کر کے رسول قرار دیا ہے اور حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کا دعویٰ مہدی موعود کا ہے لہٰذا آپ کو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے خلاف نبوت کی بحث کر سکتے ہیں کہ وہ مہدی موعود کس طرح ہیں۔ ہم تو ان کی نبوت کو ظلی مانتے ہیں اور ظل اصل سے الگ نہیں ہوتا۔ پس بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی ظلی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ضم ہے الگ نہیں۔ اس پر مولوی محمد اسمٰعیل صاحب آج تک خاموش ہیں۔

ایک لطیف بات

مولوی ابوالاعلیٰ صاحب مودودی نے اپنے رسالہ ختم نبوت میں لکھا تھا کہ خاتم کے معنے مہر کے ہیں اور یہ مہر ڈاکخانہ والی نہیں بلکہ یہ ایسی مہر ہے جو لفافے کے اوپر لگائی جاتی ہے جس سے باہر کی چیز اندر نہیں جاسکتی اور اندر کی چیز باہر نہیں آسکتی۔ اس کے جواب میں میں نے اپنی کتاب ''علمی تبصرہ'' میں لکھا کہ پھر وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ دنیا میں آنا کس طرح مانتے ہیں کیونکہ لفافہ انبیاء پر تو مہر لگ چکی ہے اور وہ اندر بند ہو چکے ہیں اور مہر توڑے بغیر نہیں آسکتے اور ختم نبوت کی مہر کا ٹوٹنا محال ہے۔ مودودی صاحب ابھی تک منقار زیر پر ہیں اور انشاء اللہ وہ منقار زیر پر ہی رہیں گے۔

ایک اور واقعہ

ایک دفعہ مجھے مولوی محمد ادریس صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ سے ان کی قیام گاہ پر ملاقات کا موقعہ میسر آیا تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ مولانا آپ نے اپنی کتاب ''مسك الختام فی ختم النبوۃ'' میں خاتم النبیین کے معنے آخری نبی کئے ہیں حالانکہ آخری نبی آپ عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں کیونکہ آپ ان کے دوبارہ آنے کے قائل ہیں اور انہیں نبی مانتے ہیں۔ مولوی صاحب موصوف نے اس کے جواب میں کہا کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی پیدا ہونے کے لحاظ سے مانتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہونے کے لحاظ سے آخری نبی نہیں۔ اس لئے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ

وسلم کے بعد آسکتے ہیں۔اس پر میں نے کہا مولانا! یہ عقیدہ تو بڑا خطرناک ہے۔اس پر مولوی صاحب نے فرمایا۔اس میں کیا خطرہ ہے؟ میں نے کہا جناب خطرہ یہ ہے کہ اس عقیدہ سے ختم نبوت دونبیوں میں تقسیم ہوجاتی ہے۔آدھے آخری نبی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرار پاتے ہیں اور آدھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرار پاتے ہیں کیونکہ پیدا ہونے کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہوئے اور لمبی عمر پانے اور اپنے نورِ نبوت سے سب سے آخر میں مستفیض کرنے کے لحاظ سے حضرت عیسی علیہ السلام آخری نبی قرار پائے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پورے آخری نبی تو نہ ہوئے اور خاتم النبیین بمعنے آخری نبی کے وصف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام شریک ہوگئے۔اس پر جناب مولوی صاحب مہر بلب ہوگئے۔

لاہوری فریق اور ختم نبوت

آج کل احمدیوں کا لاہوری فریق یہ کہتا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان معنوں میں خاتم النبیین ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی ظاہر نہیں ہوسکتا حالانکہ ان کے مرشد جنہیں یہ مسیح موعود اور مہدی معہود مانتے ہیں صاف فرما چکے ہیں:

''مجھے خدا تعالیٰ نے میری وحی میں بار بار امتی کر کے بھی پکارا ہے اور نبی کر کے بھی پکارا ہے۔ان دونوں کے سننے سے میرے دل میں نہایت لذت پیدا ہوتی ہے اور میں شکر کرتا ہوں کہ اس مرکب نام سے مجھے عزت دی گئی اور اس مرکب نام رکھنے میں حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تا عیسائیوں پر ایک سرزنش کا تازیانہ لگے کہ تم تو عیسیٰ بن مریم کو خدا بناتے ہو مگر ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس درجہ کا نبی ہے کہ اس کی امت کا ایک فرد نبی ہوسکتا ہے اور عیسیٰ کہلا سکتا ہے حالانکہ وہ ایک امتی ہے۔''

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد ۲۱ صفحہ ۱۸۴)

نیز لکھتے ہیں:

''بجز اس (خاتم النبیینؐ) کے کوئی نبی صاحبِ خاتم نہیں۔ایک وہی ہے جس کی مہر سے ایسی نبوت بھی مل سکتی ہے جس کے لئے امتی ہونا لازمی ہے۔'' (حقیقۃ الوحی۔روحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۲۸)

لاہوری فریق کے لیڈر مولوی محمد علی صاحب قادیان کے زمانہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو مدعی نبوت ہی قرار دیتے رہے ہیں۔چنانچہ مولوی کرم دین صاحب جہلمی کے استغاثہ والے مقدمہ میں عدالت میں بطور گواہ پیش ہوکر مولوی صاحب نے یہ حلفیہ بیان دیا کہ:

''مکذب مدعی نبوت کذاب ہوتا ہے۔مرزا صاحب ملزم مدعی نبوت ہے۔'' (مثل استغاثہ مولوی کرم دین جہلمی)

ایک دفعہ روالپنڈی میں لاہوری فریق کے مناظر میر مدثر شاہ صاحب گیلانی نے ختمِ نبوت کے موضوع پر تقریر کی اور خاتم النبیین کے معنے صرف آخری نبی قرار دیئے۔ تقریر کے بعد سوالات کا موقع دیا خاکسار نے اٹھ کر کہا۔ جناب میر صاحب نے صرف تصویر کا ایک رُخ پیش کیا ہے اب اس کا دوسرا رخ میں پیش کرتا ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خطبہ الہامیہ میں فرمایا ہے:

اِنِّیْ عَلٰی مَقَامِ الْخَتْمِ مِنَ الْوَلَایَۃِ کَمَا کَانَ سَیِّدِی الْمُصْطَفٰی عَلٰی مَقَامِ الْخَتْمِ مِنَ النَّبُوَّۃِ کہ میں اسی طرح مقام ختم ولایت پر ہوں جس طرح میرے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ختم نبوت کے مقام پر ہیں۔

یہ عبارت پڑھ کر میں نے سوال کیا کہ جس طرح حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اسی طرح حضرت مرزا صاحب اپنے آپ کو خاتم الاولیاء قرار دیتے ہیں۔ اب میر صاحب بتائیں کہ حضرت مرزا صاحب کے بعد کوئی ولی پیدا ہوسکتا ہے یا نہیں؟ آپ کے فیض سے اگر ولی پیدا ہوسکتا ہے تو خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے آپ کے تابع نبی بھی پیدا ہوسکتا ہے۔ میر صاحب نے جواب میں کہا کہ اگر میں یہ کہہ دوں کہ حضرت مرزا صاحب کے بعد کوئی ولی پیدا نہیں ہوسکتا تو پھر تم کیا کہو گے؟ اس پر میں نے کہا کہ آقا نے نبوت کی رحمت بند کر دی۔ تو اس کے خادم مسیح موعود نے ولایت کی نعمت بند کر دی اور اب دنیا میں تاریکی ہی تاریکی ہوگی اور میر صاحب میں یہ بھی کہوں گا کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے:

''خدا نے ہمیں وہ نبی دیا جو خاتم النبیین، خاتم العارفین اور خاتم المومنین ہے۔''

(ملفوظات جلد اول صفحہ ۳۲۷)

پس اگر خاتم النبیین کے یہ معنے ہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا تو خاتم العارفین کے یہ معنے ہوں گے کہ اب آپ کے بعد کوئی شخص عرفان الٰہی حاصل نہیں کرسکتا اور خاتم المومنین کے معنے ہوں گے کہ آپ کے بعد کوئی مومن بھی نہیں ہوسکتا۔ کیا یہ معنے درست ہیں۔ ہرگز نہیں۔ اگر خاتم المومنین کے فیض سے مومن پیدا ہوسکتے ہیں اور خاتم العارفین کے فیض سے معرفت الٰہی رکھنے والے لوگ پیدا ہوسکتے ہیں تو اسی طرح خاتم النبیین کے فیض سے آپ کا امتی مقام نبوت بھی پاسکتا ہے۔ اس پر میر صاحب بالکل لاجواب ہو گئے اور غیر مبایعین نے شور ڈال دیا کہ تحریری بحث ہونی چاہئے۔ اس پر تحریری مباحثہ کی طرح پڑ گئی۔ جو بعد میں راولپنڈی میں کئی دن ہوتا رہا اور مباحثہ راولپنڈی کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

❁❁

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی

آپ کے چند ایمان افروز واقعات پیش ہیں:

(۱) دہلی ریلوے سٹیشن پر بلٹی کی گمشدگی

۲۲رفروری ۱۹۲۹ء کو پہلی مرتبہ حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علیؓ قادیان سے مغربی افریقہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپ پہلے مبلغ تھے جو قادیان سے بذریعہ ریل بیرونی ممالک روانہ ہوئے۔ اس موقع پر آپ کو الوداع کہنے کے لئے آپ کے والد بزرگوار حضرت بابوفقیر علیؓ اور محترم بابوبشیر احمد صاحب دلی تک ان کے ساتھ گئے تھے۔ مولانا کا سامان دہلی سے بمبئی تک بریک میں بک کرایا گیا تھا۔ اس سامان کی بلٹی دہلی سٹیشن پر آپ کے والد صاحب سے کہیں گر گئی اور وہ سخت پریشان ہوئے کہ اب تو ایکسپریس آنے والی ہے آپ کو بمبئی میں شناخت کون کرے گا اور سامان کس طرح وصول ہوگا اس پر مولانا صاحبؓ نے اپنے والد صاحب کو تسلی دی کہ اللہ تعالیٰ مددگار ہے آپ دعا کریں اور معاملہ اس پر چھوڑ دیں وہ اپنے فضل سے کسی نہ کسی طرح یہ مشکل حل کر دے گا آپ فکر نہ کریں نیز کہا کہ ایسا سامان جو سفر فی سبیل اللہ میں حائل ہو مجھے اس کی ذرا بھی پرواہ نہیں خواہ وہ سمندر کی نظر ہو جائے۔

بروقت بلٹی مل گئی

اسی اثناء میں گاڑی آ گئی اور بقیہ سامان اس میں رکھ دیا گیا لیکن جب ان کے والد صاحب ان سے آخری ملاقات کر رہے تھے اور گاڑی چلنے والی تھی تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عین اس وقت ایک قلی بلٹی ہاتھ میں لئے یہ پکارتے ہوئے ان کے پاس سے گزرا کہ ایم۔ این احمد کون ہیں ان کی بلٹی پلیٹ فارم پر گری ہوئی ملی ہے چنانچہ اس قلی سے وہ بلٹی کی رسید وصول کر کے حضرت مولانا صاحب اور آپ کے والد صاحب نے اللہ تعالیٰ کا ہزار شکر ادا کیا اور قلی کو انعام بھی دیا۔ اس کے بعد مولانا صاحبؓ نے اپنے والد صاحبؓ سے کہا کہ آپ تو بڑے پریشان تھے لیکن دیکھیں ہمارا خدا اپنے مجاہدین پر کتنا مہربان ہے کہ اس نے چند منٹوں میں پریشانی دور فرما دی حالانکہ قلی لوگ عموماً ایسی باتوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علیؓ مرحوم ومغفور نے مغربی افریقہ میں اسلام اور احمدیت کی جو گراں قدر خدمات سرانجام دیں وہ تاریخ احمدیت کا ایک زرّیں باب ہیں۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ 1938ء میں سیرالیون مسلم کانگرس نے ایک جلسہ عام میں ان کا خطاب کروایا جس کی صدارت ملک کی ایک معروف شخصیت شیخ حیدرالدین نے کی۔ انہیں جے۔ پی اور ایم۔ بی۔ ای کے اعزازات مل چکے تھے اور ملک کا ہر طبقہ ان کا لوہا مانتا تھا۔ مولانا موصوف کے نہایت مؤثر خطاب کے بعد شیخ حیدرالدین نے اپنے صدارتی ریمارکس میں بڑے تکبّر سے کہا:

''سامعین! میں آپ سب سے زیادہ عالم ہوں اور دینی علوم میں یدطولیٰ رکھتا ہوں میرے نزدیک اس انڈین حاجی کی باتیں اور دلائل محض ملمع سازی اور جھوٹ کا پلندہ ہیں۔''

تکبّر کی انتہا کرتے ہوئے اس شخص نے اس حد تک کہہ دیا:

''میں تو اس کے جھوٹے مسیح کو ماننے کی نسبت یہ پسند کروں گا کہ میرا دماغ کام کرنا چھوڑ دے تا کہ اس انڈین مشنری کی باتوں پر غور ہی نہ کرسکوں اور اس فتنہ سے بچا رہوں۔''

خدا تعالیٰ کی لاٹھی بے آواز ہوتی ہے اس کے جلال اور جبروت کے آگے بڑے سے بڑے انسان کا تکبّر اور غرور پاش پاش ہوجاتا ہے۔ یہی انجام اس متکبّر مخالف حق کا ہوا جس انجام کی اس نے تمنا کی تھی بالکل وہی اس کا نصیب بن گیا۔ چند مہینوں کے اندر اندر اس شخص نے منہ مانگی سزا پائی۔ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا اور اس کی حالت اتنی غیر ہوئی کہ دیکھی نہ جاتی تھی۔ قریباً اڑھائی سال تک موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد انتہائی عبرتناک حالت میں اس جہان سے چل بسا۔

اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور اس کی قہری تجلی کا اس سے بھی زیادہ دلدوز واقعہ سنگاپور میں ہوا۔ وہاں کے ایک مخلص احمدی مکرم محمد علی صاحب بیان کرتے ہیں کہ وہ اور حضرت مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم ضلع ہزارہ کے ایک پٹھان دوست کے چھوٹے سے ہوٹل پر کھانا کھایا کرتے تھے۔ ایک روز جب اسے ہمارے احمدی ہونے کا پتہ لگا تو یہ شخص آپے سے باہر ہوگیا اور سخت بدزبانی کرتے ہوئے ہمیں اپنی دوکان سے نکال دیا۔ اس پر بھی اس کا غصّہ ٹھنڈا نہ ہوا تو اس نے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف نہایت گھٹیا زبان استعمال کی، کاذب ودجال کہا اور کہا کہ ان کی وفات نعوذ باللہ بیت الخلاء میں ہوئی تھی۔

سیدنا حضرت مسیح موعودؑ سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ ''انی مھین من اراد اھانتک''

یعنی جو بھی تیری بے عزتی کے درپے ہوگا وہ خود ذلیل ورسوا کیا جائے گا۔اس بدزبان شخص کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اپنے اس وعدہ کو کیسے پورا کیا؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ چندسال کے اندر اندر یہ شخص اللہ تعالیٰ کی شدید گرفت میں آ گیا۔اور جس قسم کی گندی موت وہ نعوذ باللہ حضور علیہ السلام کی طرف منسوب کیا کرتا تھا بالآخر ایک دن خود اسی گندی موت کا شکار ہوگیا۔ہوا یوں کہ پہلے اسے شوگر کی معمولی بیماری ہوئی جو بڑھتے بڑھتے اس حد تک جا پہنچی کہ اس کی ایک ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا جس کی وجہ سے وہ ٹانگ کاٹ دی گئی۔پھر دوسری ٹانگ پر پھوڑا نکل آیا اور وہ بھی کاٹنی پڑی۔اس پر وہ اتنا محتاج ہوگیا کہ اس کے لواحقین اسے ہاتھوں پر اٹھا کر بول و براز کراتے حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آیا کہ اس کے اپنے لڑکوں نے اس کی بیماری سے تنگ آ کر اپنی دوکان کے پیچھے ایک کونے میں اسے ڈال دیا جہاں وہ دو چار فٹ رینگ کر اپنے قریب ہی بول و براز سے فارغ ہولیتا آخر کار جب وہ از خود چلنے کے بھی قابل نہ رہا تو ایک روز اپنے ہی کئے ہوئے گند کے اوپر مرا ہوا پایا گیا۔

یہ ایسا دلدوز واقعہ ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے۔خدا تعالیٰ کی غالب تقدیر کے تصور سے دلوں پر ہیبت چھا جاتی ہے۔کیا کوئی ہے جو ان واقعات سے نصیحت حاصل کرے؟

(۲) ایک رؤیا کے ذریعہ مشکلات کی دوری کی بشارت

جب مولانا نذیر احمد علی مرحومؓ جون ۱۹۵۴ء میں سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر مرکز سے تیسری مرتبہ سیرالیون تشریف لے گئے تو اس سفر کے دوران بھی انہی گوناگوں مشکلات سے دوچار ہونا پڑا۔چنانچہ پاکستان سے بیروت پہنچ کر انہیں ویزہ وغیرہ کے سلسلہ میں کئی رکاوٹیں پیش آئیں۔لبنان سے انہوں نے حسب پروگرام بذریعہ بحری جہاز فرانس جانا تھا اور وہاں سے آگے مغربی افریقہ روانہ ہونا تھا لیکن بیروت میں فرانسیسی سفارت خانہ نے ان کے پاسپورٹ میں کسی سقم کی وجہ سے فرانس کا ویزا دینے سے انکار کر دیا اور آگے روانہ ہونے کے لئے مولانا صاحب کی ہر کوشش ناکام ہوگئی۔ان کے پاس ٹامس کک کمپنی کا ٹکٹ تھا اس کمپنی کے مینیجر نے بھی بڑی ہمدردی سے ان کے لئے فرانسیسی سفارت خانہ سے اجازت کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔اب صرف یہی ایک صورت باقی تھی کہ مولانا صاحب بیروت سے بذریعہ ہوائی جہاز براہِ راست مغربی افریقہ روانہ ہوجائیں مگر اس کے لئے ان کے پاس مطلوبہ رقم موجود نہیں تھی۔

ایک مبشر رؤیا

اس تگ و دو اور کدو کاوش میں انہیں آٹھ دس روز بیروت میں ٹھہرنا پڑ گیا جس کے دوران انہوں نے اپنے پروردگار کے حضور نہایت الحاح اور درد دل سے دعائیں کیں کہ وہ اپنے فضل سے اس مشکل کو حل فرمادے چنانچہ وہاں اس سلسلہ میں ایک مرتبہ بڑے ہی سوز و گداز اور درد سے دعا کرتے ہوئے ان کی آنکھ لگ گئی تو انہوں نے رؤیا دیکھا کہ سیدنا حضرت مصلح موعود ایک جگہ تشریف رکھتے ہیں جہاں حضورؓ کے اردگرد بہت سے احمدی دوست بیٹھے ہیں۔ حضورؓ نے احمدی دوستوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

''مولوی نذیر احمد صاحب علی کسی گھیرے میں پھنس گئے ہیں مگر انشاء اللہ عنقریب نکل جائیں گے۔''

چنانچہ اس رؤیا کے پانچ دس روز بعد فی الواقع وہ مذکورہ بالا سفری مشکلات سے نکل کر بذریعہ ہوائی جہاز مغربی افریقہ روانہ ہو گئے۔ ہوا یوں کہ مولانا صاحبؓ مرکز ربوہ کو اس صورت حالات سے مطلع کر کے ربوہ سے ہوائی جہاز کی منظوری کے منتظر تھے کہ اچانک ایک روز انہیں خیال آیا کہ مغربی افریقہ میں تجارت کرنے والے لبنانیوں میں سے جو جوان کے واقف کار آج کل لبنان آئے ہوئے ہیں یا اب اپنے وطن میں مستقل طور پر کاروبار کر رہے ہیں کیوں نہ ان سے ملاقات کر کے انہیں تبلیغ کی جائے اور بیروت کے احمدی مبلغ مکرم شیخ نور احمد صاحب منیر صاحب سے ان کا تعارف کرایا جائے تا کہ وہ بعد میں شیخ صاحب کے زیر تبلیغ رہیں چنانچہ مکرم شیخ صاحب کے تعاون اور کوشش سے چند ایک ایسے لبنانی مل گئے۔

لبنان کے سابق وزیر اقتصادیات کا تأثر

مغربی افریقہ کے انہیں تاجروں میں سے ایک شخص رفیق نامی نجاح نامی کے پاس جب مکرم شیخ صاحب کی معیت میں مولانا علی صاحبؓ گئے تو وہ انہیں مل کر نہایت خوش ہوئے۔ یہ لبنانی دوست مغربی افریقہ سے واپسی کے بعد کچھ عرصہ کے لئے لبنانی حکومت میں وزیر اقتصادیات بھی رہ چکے تھے۔ مولانا صاحب کی کمزور صحت اور پہلے کی نسبت زیادہ نحیف جسم کو دیکھ کر باوجود احمدی نہ ہونے کے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کہنے لگے اتنی کمزور صحت اور لاغر جسم کے ساتھ آپ کا اسلام کا نام بلند کرنے کے لئے افریقہ جانا احمدیت کے سچا ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ محض خدا کی خاطر ایسا ایثار اور قربانی صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو سچے ہوں اور جنہیں خدا کی تائید و نصرت کا یقین ہو نیز کہا کہ ہم عرب مسلمانوں کو آپ کا ٹھیٹھ

اسلامی نمونہ دیکھ کر شرم آتی ہے اور آپ کی تقلید کر کے صحابہ کرامؓ کی مانند بستی بستی اور ملک ملک پھر کر خلق خدا کو اسلام کا پیغام پہنچانا چاہیے۔

چھ صد لبنانی لیرے نذرانہ پیش کئے

وہ لبنانی دوست مولانا علی صاحبؓ کے علاوہ حضرت الحاج حکیم فضل الرحمن صاحب کے بھی دوستوں اور مداحوں میں سے تھے چنانچہ ان سے گھر سے رخصت کے وقت انہوں نے حضرت مولانا علی صاحبؓ کو مبلغ چھ صد لبنانی لیرے (پونڈ) پیش کر کے کہا کہ یہ حقیر رقم آپ میری طرف سے نذرانہ قبول فرمائیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے مولانا صاحبؓ کے بیروت سے سیرالیون تک کے ہوائی ٹکٹ کا انتظام فرما دیا۔ مولانا صاحب کی بیروت سے روانگی سے پہلے السید توفیق نجاح نے ایک اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں دونوں مبلغین اور جماعت بیروت کے بعض احباب کی شاندار دعوت بھی کی اور وقت رخصت مولانا صاحبؓ کو ائیر پورٹ پر الوداع کہنے کے لئے بھی گئے۔

الفضل میں وفات کی خبر

روزنامہ الفضل ربوہ نے اپنے شمارہ نمبر ۱۲۳ بتاریخ ۲۲رمئی ۱۹۵۵ء کے پہلے صفحہ پر حضرت مولانا صاحب کی وفات پر مندرجہ ذیل نوٹ دیا:

احمدیت کے جانباز مجاہد الحاج مولانا نذیر احمد علی صاحب سیرالیون میں وفات پا گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔ یہ خبر نہایت غم واندوہ کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ ہمارے سلسلہ کے دیرینہ اور مخلص خادم مکرم الحاج مولوی نذیر احمد علی صاحب ۱۹رمئی کی صبح کو ایک لمبی علالت کے بعد سیرالیون (مغربی افریقہ) میں فریضہ تبلیغ بجالاتے ہوئے اپنے مالک حقیقی سے جاملے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون.

مرحوم ایک پر جوش مبلغ، اسلام کا حقیقی درد رکھنے والے مجاہد، احمدیت کے فدائی، مخلص اور جاں نثار خادم تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے آپ کی خدمات جلیلہ کے مدنظر ۱۹۴۵ء کی مجلس عرفان میں آپ کو ’’کامیاب جرنیل‘‘ کے خطاب سے نوازا۔ آپ سلسلہ احمدیہ کے پانچویں مبلغ ہیں جنہوں نے فریضہ تبلیغ بجالاتے ہوئے اپنی جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ اللّٰھم آمین۔

❁❁

حضرت مولانا رحمت علی صاحب

سابق مبلغ مغربی افریقہ

✿

آپ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے چند واقعات پیش ہیں:

اچانک بارش رُک جانے کا واقعہ

محترم جناب مولانا محمد صادق صاحب فاضل مرحوم سابق امیر جماعت ہائے احمدیہ انڈونیشیا وسنگاپور بیان کرتے ہیں کہ انڈونیشیا میں احمدیہ مشن کے قیام کے ابتدائی زمانہ میں ایک مرتبہ پاڈانگ شہر میں حضرت مولانا رحمت علی صاحب مرحوم رئیس التبلیغ انڈونیشیا ایک احمدی درزی مکرم محمد یوسف صاحب کی دکان پر بیٹھے تھے کہ اتفاقاً ہالینڈ کے ایک عیسائی بشپ پادری اپنے ساتھیوں سمیت تبلیغ کرتے ہوئے وہاں آ نکلے اور مولانا صاحب سے ان کا اسلام اور عیسائیت پر تبادلہ خیالات شروع ہو گیا جسے سننے کے لئے لوگ بکثرت وہاں جمع ہو گئے۔ اسی اثنا میں اچانک موسلا دھار بارش شروع برسنے لگی۔ اس علاقہ میں جب بارش شروع ہو تو کئی کئی گھنٹے مسلسل برستی رہتی ہے۔

تاہم جب کچھ وقت بحث کرنے کے بعد وہ پادری حضرت مولانا صاحب کا دلائل سے مقابلہ کرنے سے عاجز آ گیا تو وہ اپنی شکست اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لئے مولانا صاحب کو للکارتا ہوا کہنے لگا کہ اگر واقعی عیسائیت کے مقابلہ میں تمہارا مذہب اسلام سچا اور افضل ہے تو اس وقت ذرا اپنے خدا سے کہیے کہ وہ اپنی قدرت کا کرشمہ دکھائے اور موسلا دھار بارش کو یک دم بند کر دے چنانچہ اس کا یہ مطالبہ کرنا ہی تھا کہ مولانا صاحب نے بلا حیل وحجت اپنے زندہ خدا پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے بڑی پر اعتماد آواز میں بارش کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

”اے بارش تو اس وقت خدا کے حکم سے تھم جا اور اسلام کے سچا ہونے کا ثبوت دے۔“

اسلام کے خدا پر قربان جائیے کہ اس کے بعد چند منٹ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ بارش تھم گئی اور وہ

پادری اور سب حاضرین اللہ تعالیٰ کے اس عظیم نشان پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے

دوسرا واقعہ مکرم جناب مولانا محمد صادق صاحب نے یہ بیان فرمایا کہ اسی شہر پاڈانگ میں ایک زمانہ میں حضرت مولانا رحمت علی صاحب ایک مخلص احمدی مسمیٰ داؤد صاحب کے مکان کے ایک حصہ میں رہتے تھے جو محلہ ''یاسر مسکین'' میں واقع تھا۔ اس علاقہ کے اکثر مکانات لکڑی کے اور بالکل ساتھ ساتھ بنے ہوئے تھے اتفاقاً ایک مرتبہ اس محلہ میں آگ لگ گئی جو اردگرد کے تمام مکانات کو راکھ کرتی ہوئی مولانا صاحب کی رہائش گاہ کے قریب پہنچ گئی۔ حتیٰ کہ اس کے شعلے مولانا صاحب کے مکان کی چھت کو چھونے لگے۔

چنانچہ یہ صورت حال دیکھ کر تمام احمدی اور غیر احمدی محلہ دار حضرت مولانا رحمت علی صاحب کو باصرار کہنے لگے کہ وہ فوری طور پر مع سامان اس عمارت سے باہر نکل آئیں مگر مولانا صاحب نے ان کی ایک نہ مانی اور دعا میں لگے رہے اور بڑے اطمینان سے انہیں تسلی دیتے رہے کہ یہ آگ انشاء اللہ ہمارا کچھ نہ بگاڑ سکے گی یہ مکان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک مرید کا ہے۔ جس کا ایک حصہ اس وقت حضورؑ کے ایک غلام اور ادنیٰ مجاہد کی رہائش گاہ ہے اور حضرت اقدس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ''آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔'' پس یہ آگ اس عمارت کو بھسم کرنے میں ناکام رہے گی اور جہاں تک پہنچی ہے وہیں رک جائے گی۔ کیونکہ آگ خدا کے حکم سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے سچے مریدوں کی غلام ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا رحمت علی صاحب ابھی بات ہی کر رہے تھے کہ اچانک بادل اُمڑ آئے اور موسلا دھار بارش شروع ہوگئی جس نے آناً فاناً اس آگ کو بالکل ٹھنڈا کر کے رکھ دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اجازت نہ ہوئی کہ وہ دیگر عمارتوں کی طرح اس عمارت کو بھی اپنی لپیٹ میں لے سکے چنانچہ محلہ کی دیگر عمارتیں جل کر راکھ ہوگئیں مگر وہ عمارت خدا کے فضل سے معجزانہ طور پر محفوظ رہی اور اب تک موجود ہے اور اس کے چھت پر آگ کے شعلوں کے سیاہ نشانات بھی اب تک موجود ہیں اور جب کبھی احمدی احباب وہاں جمع ہوتے ہیں تو اس خارق عادت واقعہ کی یاد تازہ ہو کر ان کے ازدیادِ ایمان کا موجب ہوتی ہے۔

(الفضل ۹ ردسمبر ۱۹۳۸ء)

مولانا محمد صادق صاحب سماٹری

سابق مبلغ انڈونیشیا

اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

عیسائی پادری حیران رہ گیا

ایک دفعہ مَیں ایک Seventh Day Adventist گرجے میں گیا۔ وہاں ایک بڑے پادری کا لیکچر تھا میرے ساتھ دو غیر احمدی دوست تھے۔ جب ہم گرجا میں داخل ہوئے اور آخری صف میں کرسیوں پر بیٹھ گئے تو اس پادری نے اپنے لیکچر کا رُخ بدل دیا۔ اور اسلام پر تنقید اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات برکات پر اعتراض کرنے لگا۔ کہنے لگا ایک سے زائد بیویاں کرنا نبی کے لئے جائز نہیں بلکہ زنا کے مترادف ہے۔ میرے دوستوں نے اشارہ کیا کہ اُٹھو اور جواب دو۔ میں نے کہا لیکچر ختم ہو جائے تو بات کروں گا۔

لیکچر ختم ہونے پر مَیں نے اجازت لی اور کہا کہ پادری صاحب کا یہ کہنا کہ نبی ایک سے زائد بیویاں نہیں رکھ سکتا خود بائبل کے خلاف ہے۔ کیونکہ بعض انبیاء نے ایک سے زائد بیویاں رکھیں۔

پادری صاحب کہنے لگے۔ وہ کون کون سا نبی ہے؟

مَیں نے کہا۔ نبی ابراہیم اور نبی داؤد علیہم السلام نے ایک سے زیادہ بیویاں رکھیں۔ آپ کے بائیل میں ایسا ہی لکھا ہے۔

پادری صاحب نے میرے قریب آ کر میرے سر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ آپ کے سر اور داڑھی کے بال سفید ہو جائیں گے تلاش کرتے کرتے لیکن آپ کو بائبل سے یہ نہ مل سکے گا کہ داؤد اور ابراہیم نبی ہیں۔

میں نے بائبل ہاتھ میں لیا اور اُسی وقت رسولوں کے اعمال سے حضرت داؤد علیہ السلام اور پیدائش سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نبی ہونا دکھلا دیا۔ اِس پر وہ پادری حیران رہ گیا اور موجود عیسائی مَردوں میں سے

بعض نے علی الاعلان کہا کہ ہم مانتے ہیں کہ نبی ایک سے زیادہ بیویاں رکھ سکتا ہے۔غرض اس گفتگو کا یہ اثر ہوا کہ دو غیر احمدی دوستوں نے بیعت کر کے احمدیت کو قبول کر لیا۔

ایک عیسائی مسلمان

ایک دفعہ مَیں چند عیسائیوں سے گفتگو کر رہا تھا۔تو ایک نوجوان عیسائی مسمّی بُرھان آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ عیسائیت کے سوا کسی اور مذہب میں حقیقی خوشی اور سچا اطمینان حاصل ہونا ناممکن ہے۔ مَیں پہلے مسلمان تھا آخر عیسائی ہو گیا ہوں۔

میں نے اُسے کہا۔ بُرہان وہ کون سی خوبی ہے جو عیسائیت میں ہے لیکن اسلام میں نہیں ہے جس کی وجہ سے تم نے اسلام کو چھوڑا اور عیسائی بن گئے۔ کہنے لگا مَیں یہاں نہیں بتانا چاہتا۔ مَیں آپ کے گھر آ کر بتاؤں گا۔ مَیں نے کہا۔ کب آ ؤ گے؟ کہنے لگا۔ آج ہی عصر کے بعد۔ دوسرے عیسائیوں نے اُسے منع کیا لیکن اُس نے مجھ سے پختہ وعدہ کیا کہ وہ ضرور آئے گا۔

چنانچہ وہ آیا اور اُس نے بتایا کہ اس کی ماں مسلمان ہے لیکن باپ چینی غیر مسلم ہے اس لئے لوگ اُسے گالی دیتے تھے (واقعہ لمبا ہے مختصر کرتا ہوں) اِس کی وجہ سے اُسے بڑا دُکھ ہوتا تھا۔ شکایت کرنے پر مسلمان علماء نے کہا اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔آخر ایک دن وہ گرجے میں پہنچا تو پادری سے اُس نے سوال کیا کہ میرے جیسوں کے لئے بھی عیسائیت میں اطمینان حاصل کرنے کا کوئی راستہ ہے؟ پادری نے جواب دیا کہ ہاں! جو شخص یسوع مسیح پر ایمان لے آئے وہ پاک ہو جاتا ہے اور اس میں اور دوسروں میں کوئی امتیاز نہیں رہتا۔ یہ بیان کر کے کہنے لگا پھر مَیں نے گرجے میں باقاعدہ آنا شروع کر دیا اور عیسائی بن گیا۔

یہ ساری باتیں سُن کر میں نے اُسے کہا کیا تم نے سارا بائبل پڑھا ہے؟ کہنے لگا نہیں! میں نے کہا۔ اسی لئے تم عیسائی بھی بن گئے۔ اگر تم بائبل کو پڑھ لیتے تو تم کبھی عیسائی نہ بن سکتے تھے اور پادری صاحب نے تمہیں دھوکا دیا ہے۔

حیران ہو کر کہنے لگا۔ کیوں! مَیں نے کہا بائبل کی کتاب استثناء کی فصل ۲۳ آیت ۳ میں لکھا ہے کہ حرامزادہ دسویں پشت تک پاک نہیں ہو سکتا اور نہ وہ خدا کی جماعت میں داخل ہو سکتا ہے۔اِس کے ساتھ ہی مَیں نے بائبل سے وہ وہ حوالہ نکال کر اُسے دکھا دیا دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گیا اور بائبل بغل میں دبائے اپنے پادری کے پاس گیا اور وہ حوالہ اسے دکھا کر کہنے لگا۔ ذرا مجھے سمجھائیے کہ بائبل کیا کہتی ہے۔

پادری صاحب بولے۔کیا مَیں نے تمہیں منع نہ کیا تھا کہ محمد صادق سے تعلق نہ رکھو اور یہ کہتے ہوئے اُس نے بُرہان کو گرجے سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔

بُرہان پھر میرے پاس آیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔فالحمدللہ

دہریوں کو ایمان نصیب ہوا

بڑا لمبا واقعہ ہے مختصر کر کے لکھتا ہوں کہ ایک دفعہ مجھے ایک مسلمان سے (جو دراصل دہریہ تھا) ملنے کا موقع ملا۔اُس نے کہا۔مَیں علماء سے بہت ڈرتا ہوں کیوں کہ جب اُن کے سامنے کوئی سوال پیش کیا جائے تو بجائے تسلّی بخش جواب دینے کے فوراً کفر کا فتویٰ لگا دیتے ہیں۔مَیں نے اُسے کہا کہ مَیں عُلماء میں سے نہیں ہوں جو کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں۔مَیں آپ کے سوالات کا جوابات دینے کے لئے تیار ہوں فتویٰ ہرگز نہ لگاؤں گا۔تو اس نے کہا۔مجھے کوئی دلیل دیں جس سے ثابت ہو کہ خدا تعالیٰ واقعہ میں موجود ہے۔مَیں اور میرے گیارہ اَور ساتھی دراصل خدا پر ایمان نہیں رکھتے۔دلیل کو مان لیں گے۔مَیں نے اُسے نرمی اور محبت سے سمجھایا۔حتّٰی کہ خدا تعالیٰ نے اُسے انشراح بخشا اور کہنے لگا مجھے بڑی خوشی ہوئی ہے۔آپ کے دلائل واضح بھی ہیں اور مضبوط بھی ہیں۔مَیں چاہتا ہوں کہ کوئی دن مقرر کریں۔بہتر ہو گا ہفتہ اور اتوار کی رات ہو۔تا کہ ہم سب آپ سے سیر کن تبادلہ خیالات کر سکیں۔رات مقررہ پر وہ سارے میرے گھر آ گئے عشاء سے پو پھوٹنے تک گفتگو ہوتی رہی اور خدا تعالیٰ کا فضل ہوا کہ اُن میں سے گیارہ کس نے صبح کی نماز میرے ساتھ ادا کی اور پھر مخلص احمدی مسلمان بن گئے۔فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

پادری بھاگ نکلا

ایک دفعہ ایک (Menado) مِناڈو قوم کا عیسائی پادری ہمارے دارالتبلیغ میں آیا۔اور ہمیں تبلیغ کرنے لگا۔کہنے لگا۔مَیں گونگا تھا یسوع مسیح نے میرے زبان کھولی۔اور اب رُوح القدس میرے ساتھ ہے اس لئے مجھے یقین ہے کہ عیسائی مذہب سچّا ہے۔دوسرا کوئی مذہب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔مَیں نے کہا۔کیا آپ نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے؟ کہنے لگا۔مجھے کوئی ضرورت نہیں۔مَیں نے کہا۔ضروری ہے ورنہ آپ عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں؟

کہنے لگا۔میرے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھ لو۔اس پر اُسی وقت شرائط مباحثہ موضوع مناظرہ اور وقت کا فیصلہ ہو گیا۔مباحثہ ''الوہیت مسیح'' کے متعلق تھا۔جب مباحثہ ہوا۔تو بڑا حیران و پریشان ہوا اور مبہوت ہو

کر کہنے لگا:

”یہ شخص (خاکسار محمد صادق) جنّوں پر قابض ہے۔ اور انہی کے ذریعہ اِس نے میری زبان بند کر دی ہے۔“

ساری مجلس پر سنّاٹا چھا گیا اور پادری جان چھڑا کر مجلس سے بھاگ گیا۔ انّ الباطل کان ذھوقا۔

ایک عالم سے گفتگو

ایک دفعہ مجھے اچانک ایک جگہ بلایا گیا۔ معلوم نہ تھا کہ کسی عالم سے گفتگو ہوگی۔ جب مَیں وہاں پہنچا۔ تو ایک عرب شیخ بیٹھے تھے۔ اُن کے ساتھ چند اور دوست بھی تھے۔ گفتگو شروع ہوئی تو کہنے لگے۔ کیا تم مانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتم النّبیین ہیں۔

مَیں نے کہا ہاں! مَیں ایمان لاتا ہوں کہ صرف اور صرف محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہی **خاتم النّبیین** ہیں۔ اور جو اس کا انکار کرے وہ کافر ہے۔

کہنے لگا **خاتم** کے کیا معنے ہیں؟

مَیں نے کہا۔ آپ عرب ہیں۔ خوب جانتے ہیں۔ پوچھنے کا کیا مطلب؟

کہنے لگا ہم **خَاتِم** کے معنے ”ختم کرنے والا“ ”بند کرنے والا“ جانتے ہیں۔

مَیں نے کہا۔ پھر **خاتم النّبیین** کے کیا معنے ہوئے؟

کہنے لگا۔ سب انبیاء کو ”ختم کرنے والا“ سب کو ”بند کرنے والا“

مَیں نے کہا۔ آپ مانتے ہیں کہ تمام انبیاء وفات پا کر ختم ہو چکے۔ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ تھے وہ تو ختم نہ کئے جا سکے اور نہ بند کئے جا سکے۔ کیونکہ آپ کے عقیدہ کے مطابق وہ آئندہ زمانہ میں نازل ہوں گے۔ پھر خاتم النبیین بننے کا کیا فائدہ؟

کہنے لگا اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام نبیوں کو بند کرنے والا۔ آئندہ کوئی نبی نہ آئے گا۔ مَیں نے کہا۔ یہ بھی مطلب غلط ہے۔ کیونکہ نبی بھیجنا یا نبی بھیجنے بند کر دینا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے۔ نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا۔

کہنے لگا اس کے معنے ہیں ”آخری نبی“ مَیں نے کہا۔ آپ کے کہنے کے مطابق آخری نبی تو عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے کیونکہ آخری زمانہ میں وہ آئے گا۔

مَیں نے کہا اپنے خیالات کو ثابت کرنے کے لئے آپ کو کتنی تاویلیں کرنی پڑی ہیں اور وہ بھی غلط۔ عربی محاورہ میں خاتم النبیین کے معنے ہیں۔ ''سب انبیاء سے افضل نبی'' اِس محاورہ کی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں لیکن آپ کے معنے صحیح ثابت کرنے کے لئے ایک بھی مثال موجود نہیں۔ نفس کی پیروی نہ کریں تا ہدایت پائیں۔ اِس پر وہ خاموش ہو گیا۔

پادریوں سے مباحثہ

دسمبر ۱۹۵۸ء میں مجھے پھر سنگاپور بھیجا گیا۔ وہاں میتھوڈسٹ عیسائی فرقہ کا زور ہے۔ ۱۹۶۰ء کے وسط میں مجھے معلوم ہوُا کہ (Geyling) گیلنگ کے علاقہ میں عیسائی پادری ہر تیسرے روز بعد از مغرب لیکچر دیتا ہے اور مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مَیں نے ایک دوست مسمّٰی شہاب الدین کو کہا کہ آج تم پادری صاحب کے لیکچر میں ضرور جانا۔ اور لیکچر کے بعد اُن سے پوچھنا کہ کیا آپ سچّے عیسائی ہیں اور آپ کے دل میں عیسٰی علیہ السلام پر سچا ایمان ہے؟ اگر وہ کہے کہ ہاں! تو اُسے انجیل مرقس فصل ۱۶ آیت ۱۸-۱۷ دکھانا جس میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا قول درج ہے کہ جو لوگ مجھ پر ایمان لاتے ہیں وہ جنوں کو نکالیں گے۔ زہر پئیں گے تو اُن پر اثر نہ ہوگا جس مریض پر ہاتھ رکھیں گے وہ شفایاب ہوگا پھر اِن سے پوچھنا کہ کیا یہ نشانات تم میں پائے جاتے ہیں؟

چنانچہ ہمارا دوست پادری صاحب کے لیکچر میں حاضر ہوُا اور لیکچر ختم ہونے کے بعد اُس نے سب لوگوں کی موجودگی میں پادری صاحب سے مذکورہ بالا سوال کر دیا۔ ان لوگوں نے دیکھا کہ پادری صاحب اس سوال کا تسلّی بخش جواب نہیں دے سکے۔ اِس گفتگو کا غیر از جماعت دوستوں پر بہت اچھا اثر ہوا۔ اُسی وقت ہمارے دوست نے پادری صاحب سے کہا کہ آپ ہم سے مباحثہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پادری نے کہا کہ ہاں! ہم تیار ہیں۔

اِس پر مَیں نے پادری صاحب سے خط و کتابت کی۔ مباحثہ کی شرائط طے ہوئیں۔ اور ۲۵-۲۴ ستمبر ۱۹۶۰ء کی دو راتوں میں دو موضوع پر مباحثہ ہوُا۔ پہلی رات دوسو آدمی مدعو تھا۔ اور موضوع زیر بحث یہ تھا۔ ''کیا یسوع واقعی بنی نوع انسان کے گناہوں کا کفارہ ہوُا۔'' بفضلہٖ تعالیٰ اس مباحثہ کا اثر نہایت ہی اچھا ہوُا حتیٰ کہ ایک معزز غیر احمدی عرب مسمّٰی الشیخ علوی بن الشیخ الہادی نے اخبارات میں شائع کرا دیا۔

کہ میری عمر اس وقت قریباً ستّر سال کی ہے۔ میری زندگی میں یہ پہلا واقعہ ہے کہ عیسائیوں کا مقابلہ خود ان

کی کتاب بائبل کے دلائل کے ساتھ کیا گیا۔ اہل اسلام کی طرف سے مولوی محمد صادق صاحب مبلّغ جماعت احمدیہ پیش ہوئے۔ اور عیسائیوں کی طرف سے سٹر میتھو فینلے صاحب Mr. Mathew Finlay اور دو پادری تھے۔ اور اس مباحثہ کے صدر شہزاد اسماعیل بن عبد الرحمن صاحب سکنہ ریاست جوہور تھے۔

باوجودیکہ یہ معاہدہ تھا کہ یہ مباحثہ شائع کیا جائے گا مگر مباحثہ کے بعد دوسرے دن Mr. Mathew Finlay نے پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ سنگاپور برادرم عبدالمجید سالک سے کہا کہ یہ مباحثہ شائع نہ کیا جائے۔

ایک تبلیغی سفر

۱۹۳۳ء کا واقعہ ہے کہ اچیہ (Acheh) کے علاقہ میں واقع ایک گاؤں لہوسوکن Lhosukun کے چند دوستوں نے بیعت کی اور مجھے لکھا کہ ہمارے گاؤں میں تبلیغ کا اچھا موقع ہے۔ آپ آئیں تاکہ تبلیغ کی جائے۔ مَیں وہاں پہنچ گیا۔ لیکن دوسرے دن ہی مجھے وہاں کے راجا صاحب نے وہاں سے نکل جانے کا حکم دے دیا۔ گو مَیں سمجھتا تھا کہ یہ حکم ظالمانہ ہے اور بالکل ناجائز تاہم مَیں نے وہاں سے روانہ ہو جانا ہی مناسب سمجھا۔

جب مَیں گھر سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہو رہا تھا۔ تو ہمارے بعض مخالفین نے ہنسی کی اور مذاق اُڑایا۔ اُس وقت مَیں نے اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہوئے احمدی دوستوں سے کہا کہ مَیں انشاء اللہ پھر آؤں گا۔

مَیں اپنے ہیڈ کوارٹر شہر کوتا راجا (Kota Raja) میں پہنچا اور دوسرے ہی دن اچیہ کے ڈچ گورنر (Van-akin) وَن آکن سے ملنے چلا گیا۔ ملاقات میں مَیں نے سارے حالات بیان کئے اور درخواست کی مجھے لہوسوکن دوبارہ جانے اور پھر وہاں سے دو چار دن تک رہنے کا موقعہ دیا جائے۔ گورنر صاحب نے میری درخواست کو منظور کیا۔ اور پوچھا کہ آپ کب وہاں جائیں گے؟ اور گاڑی سے جائیں گے یا بس سے۔ اور کتنے روز وہاں ٹھہریں گے۔ مَیں نے کہا کہ مَیں کل ہی چلا جاؤں گا۔ اور ٹرین سے جاؤں گا اور دو چار روز وہاں رہوں گا۔ گورنر صاحب کہنے لگے میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ آپ کی حفاظت کی جائے اور آپ کے ساتھ C.I.D کے دو چار آدمی بھجوائے جائیں۔ مَیں ابھی وہاں کے ڈچ کنٹرولر کو فون

بھی کر دیتا ہوں کہ وہ تمہارا خیال رکھے۔تم وہاں پہنچ کر سب سے پہلے اس کے پاس رپورٹ کرنا۔ چنانچہ میرے سامنے ہی انہوں نے کنٹرولر کوفون کر دیا۔اس پر میں واپس آ گیا اور گھر آ کر ضروری سامان تیار کیا اور صبح سویرے گھر سے لہوسوکن روانہ ہو گیا۔اسٹیشن پر پہنچ کر مَیں نے بکنگ آفس سے پوچھا کہ لہوسوکن تک کرایہ کتنا ہے۔اُس نے رقم بتائی۔مَیں نے اپنی رقم شمار کی تو معلوم ہوا کہ ایک پیسہ کم ہے۔اِس خیال سے کہ احمدی مبلّغ کے پورا کرایہ بھی نہیں میں نے کلرک سے پھر پوچھا کہ لہوسوکن سے ورلے اسٹیشن تک کا کرایہ کیا ہے؟ اُس نے بتایا کہ دس پیسے کم ہے۔مَیں نے رقم ادا کی اور ٹکٹ خرید لیا۔شکر کیا کہ 9 پیسے بچ گئے جس سے کچھ کھانے کے لئے کھانا خریدا جا سکے گا۔اتنے میں C.I.D کا ایک آدمی آگے بڑھا اور کہنے لگا۔آپ تو لہوسوکن جا رہے تھے۔آپ نے ورلے اسٹیشن کا ٹکٹ کیوں لیا ہے۔ہم آپ کی حفاظت کا ذمہ نہیں لے سکتے۔مَیں خاموش رہا اور اپنے رب سے دُعا کرنے لگا کہ اے اللہ دراصل تُو ہی ذمہ دار ہے تو ہی میرا حافظ وناصر ہے۔بھلا انسان کی کیا طاقت کہ وہ کسی کا ذمہ دار بن سکے اور کسی کی حفاظت کر سکے۔آخر کار گاڑی اس اسٹیشن پر پہنچی جہاں کا ٹکٹ تھا۔مَیں گاڑی سے اُترا ہی تھا کہ اُسی راجہ کے دو سپاہی میرے پاس پہنچے اور کہا کہ آپ کو راجہ صاحب نے اپنے پاس حاضر ہونے کا حکم دیا ہے۔میرا ماتھا ٹھنکا مگر میں اُن کے ساتھ ہو لیا اور ساتھ ساتھ دعا کرتا گیا کہ اے میرے مولیٰ! مَیں اس وقت بے بس اور بے کس ہوں، تیرے سوا میرا کوئی نہیں۔مَیں تیرے ہی آستانہ پر جھکتا ہوں اور تیری ہی مدد کا طالب ہوں۔واضح ہو کہ یہ وہی راجہ تھا جس نے مجھے لہوسوکن سے نکلنے کا حکم دیا تھا۔اس لئے اُس نے یہ خیال کیا کہ مَیں اُسے چڑانے کے لئے وہاں اُترا ہوں۔اِن راجوں کے لئے کسی کو قتل کرا دینا بالکل معمولی بات تھی۔چونکہ راجہ صاحب کے پاس اس وقت کوئی اَور آدمی بیٹھا تھا اِس لئے پولیس نے مجھے ویٹنگ روم میں بٹھا دیا اور کہا کہ ذرا ٹھہرو۔وہ آدمی باہر آ جائے تو پھر تمہیں حاضر کیا جائے گا۔میں ابھی اس ویٹنگ روم میں بیٹھا تھا کہ ایک دوسرے علاقہ کے راجہ صاحب بمعہ اپنی رانی کے آ گئے۔میرے لئے گویا فرشتۂ رحمت آ پہنچا کیونکہ مَیں انہیں تبلیغ کر چکا تھا اور وہ مجھ سے بے تکلّف ہو چکے تھے۔آتے ہی مجھے دیکھ کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہا اور پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آ گئے؟ مَیں نے بالاختصار انہیں بتایا کہ مَیں دراصل لہوسوکن جانا چاہتا ہوں۔کسی مجبوری سے یہاں اُترا ہوں اور یہاں کے راجہ نے مجھے بُلا لیا ہے۔کہنے لگے۔مَیں بھی لہوسوکن جا رہا ہوں آپ میرے ساتھ ہی میری کار میں بیٹھ کر لہوسوکن تک چلے چلیں۔مَیں نے کہا۔بہت اچھا۔پھر

وہ اندر راجا کے پاس گئے۔ اور چند منٹ کے بعد باہر آ کر مجھے کہنے لگے کہ ''آیئے ساتھ کار میں بیٹھ جایئے۔ اور چلیں۔'' مَیں نے کہا۔ ابھی اِن راجہ صاحب سے ملنا ہے۔'' پولیس نے بھی کہا۔ کہ ''انہیں راجہ صاحب کے پاس حاضر ہونا ضروری ہے۔'' راجہ صاحب نے کہا۔ ''میں اِن راجہ صاحب سے مولوی محمد صادق صاحب کے متعلق بات کر لی ہے اب انہیں حاضر ہونے کی ضرورت نہیں۔'' چنانچہ پولیس نے اندر جا کر راجا صاحب سے پوچھا اور باہر آ کر مجھے جانے کی اجازت دے دی۔

مَیں دوسرے راجہ صاحب کی کار میں سوار ہو کر مغرب سے کچھ پہلے لہوسوکن پہنچ گیا۔ اُسی وقت بہت سے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک راجہ صاحب نے مجھے یہاں سے نکل جانے کا حکم دیا تھا تو دوسرے راجہ صاحب مجھے خود اپنی کار میں بٹھا کر پھر لہوسوکن لے آئے۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

دوسرے راجہ صاحب نے مجھے بتایا کہ وہ راجہ صاحب آپ سے بہت ناراض تھے مگر مَیں نے انہیں سمجھایا اور اُن کے غصّے کو ٹھنڈا کر دیا ہے اور انہیں بتایا ہے کہ مولوی محمد صادق صاحب کسی کو چڑانے والے نہیں اور نہ ہی وہ اسلام کے مخالف ہیں بلکہ اسلام کے مبلّغ ہیں اور عیسائیوں اور دیگر مذاہب کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اس طرح ایک پیسہ کم کر کے اللہ تعالیٰ نے مجھے بھوک سے بچا لیا کیونکہ نو پیسے میرے کھانے کے کام آئے۔ دوسرا فضل اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ مجھے عام گاڑی کے مسافروں کی طرح نہیں بلکہ خاص مسافر کی طرح جو کار میں سفر کرتا ہے لہوسوکن تک پہنچایا۔ پھر دوسرے راجہ صاحب کو عین موقع پر بھیج دیا جو میرے لئے فرشتۂ رحمت ثابت ہوئے اور میری جان بچ گئی اور مزید اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ راجہ صاحب کے بہت سے شکوک کا ازالہ فرما دیا۔ یہ محض میرے لئے رحیم و کریم مولیٰ کا فضل و کرم ہے۔ **فالحمدللہ اوّلاً و آخراً۔**

میرے قتل کا حکم اور خدائی تائید

۶/مارچ ۱۹۴۲ء تک جاپان سارے انڈونیشیا پر مسلّط ہو چکا تھا۔ اور اپنی من مانی کارروائیاں کرنے لگا تھا۔ کسی کے متعلق کوئی شکایت پہنچے تو اس کی موت کا یہی بہانہ بن جاتی۔ کوئی تفتیش ہوتی نہ تحقیقات فیصلہ سنا دیا جاتا بلکہ عموماً اُسے سُنانا بھی ضروری نہ سمجھا جاتا فوراً اُسے نافذ ہی کر دیا جاتا۔ میرے متعلق بھی جاپانی حکومت نے قتل کا فیصلہ کیا۔ اطلاع دینے والے نے بتایا کہ میرے متعلق دو شکایات بھیجی ہیں۔ (۱) کہ یہ جماعت احمدیہ انگریزی حکومت کی مدّاح ہے۔ (۲) تمام علماء اسلام سماٹرہ نے فتویٰ دیا ہے کہ جاپان کی

انگریزوں اور امریکہ سے یہ جنگ ''جہاد فی سبیل اللہ'' ہے۔ مگر مَیں نے ایسے فتویٰ دینے سے انکار کیا ہے۔ بلکہ اس کے خلاف ایک مضمون لکھا ہے۔

اطلاع دینے والے نے مجھ سے اور جنرل سیکرٹری صاحب طاہر سوتن مہاراجو سے یہ پختہ عہد لیا کہ یہ بات کسی کو نہ بتائی جائے گی چنانچہ ہم بالکل خاموش رہے البتہ مَیں نے جماعت پاڈنگ کو تحریک کی کہ نماز تہجد کی ادائیگی کا التزام کیا جائے اور دُعا کی جائے۔ کسی کو خواب یا کشف یا کوئی نظارہ نظر آئے تو مجھے بتایا جائے۔ اس تحریک کے بعد میں ہمہ تن دُعا بن گیا اور ہر آن اپنے حقیقی مولا پر نظر تھی۔

مجھے خوب یاد ہے کہ چوتھی رات نماز تہجد کی نماز کے بعد فجر سے پہلے میں ذرا لیٹا تو ایک دیوار پر مجھے موٹے حروف میں لکھا ہوا دکھائی دیا کہ ''دانی ایل نبی کی کتاب کی پانچویں فصل پڑھو'' اذان ہوئی۔ نماز فجر کے لئے اُٹھا۔ دوستوں کو جو حاظر تھے اپنی خواب سے مطلع کیا۔ دانی ایل نبی کی کتاب کی پانچویں فصل دیکھی اس میں کیا تھا؟ لکھا تھا کہ:

''بخت نصر کے بعد اس کا بیٹا بلشضّر (Belshazzar) بادشاہ ہوا۔ یہ بت پرست تھا اور ظالم بھی۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ کسی آدمی کے ہاتھ کی انگلیاں ظاہر ہوئیں۔ اور انہوں نے شمع دان کے مقابل بادشاہی محل کی دیوار کی گچ پر لکھا اور بادشاہ نے ہاتھ کا وہ سرا جو لکھتا تھا دیکھا۔ تب بادشاہ کا چہرہ متغیّر ہوا اور اس کے اندیشوں نے اُسے گھبرایا اور بادشاہ نے بڑی آواز سے چلّا کر فرمایا کہ نجومیوں، کشدیوں اور فالگیروں کو حاضر کرو۔ بادشاہ نے بابل کے حکماء کو یہ کہہ کر فرمایا کہ جو کوئی اس لکھے کو پڑھے اور اس کا مضمون مجھ سے بیان کرے۔ سوار غوانی پائے گا اور اُس کی گردن میں سونے کی زنجیر ڈالی جائے گی اور وہ مملکت میں تیسرے درجہ کا حاکم ہوگا۔

تب بادشاہ کے سارے حکماء حاضر ہوئے۔ پر اس لکھے کو نہ پڑھ سکے اور نہ بادشاہ پر اس کا مضمون ظاہر کر سکے۔ آخر دانی ایل بادشاہ کے حضور حاضر کیا گیا اور اس نے کہا۔ اے بادشاہ! اس (قادر خدا) کی طرف سے اس ہاتھ کا سرا بھیجا گیا اور یہ نوشتہ لکھا گیا اور وہ نوشتہ جو لکھا گیا سو یہ ہے:۔ منے منے۔ تقیل۔ اوفریسین اور لفظ منے کہ یہ معنے ہیں کہ خدا نے تیری مملکت کا حساب کیا اور اسے تمام کر ڈالا اور تقیل کے یہ معنے ہیں کہ تو ترازو میں تولا گیا اور کم نکلا اور فریس کے یہ معنے ہیں کہ تیری سلطنت منقسم ہوئی اور مادیوں اور فارسیوں کو دی گئی۔ جس دن نبی دانی ایل نے یہ تعبیر بتائی اُسی دن بِلْشَضّر قتل ہوا اور دارا مادی نے باسٹھ برس

کی عمر میں مملکت لے لی۔

یہ مضمون ہے جو دانیال کی پانچویں فصل میں ہے۔اس سے بالوضاحت معلوم ہوتا ہے کہ جاپانی حکومت کا بھی وہی حشر ہوگا جو بِلْشَضَّر حکومت کا ہوا۔

میرا یہ خواب اپریل ۱۹۴۵ء کے آخر یا مئی کی ابتداء کا ہے۔اور اس وقت کئی سکّھ اور ہندو دوستوں کو بھی یہ خواب سُنا دیا گیا تھا۔چنانچہ اُسی سال ۱۴/ماہ اگست کو ناگاساکی اور ہیروشیما پر ایٹم بم برسائے گئے اور جاپانی حکومت کا تختہ اُلٹ کر رکھ دیا گیا۔

انہی دنوں جاپانی حکومت کے کاغذات میں سے ایک خط نکلا جس میں ۲۴/۲۳ اگست ۴۵ء کی رات ۶۵ آدمیوں کے قتل کا فیصلہ درج تھا اور سرفہرست خاکسار کا نام تھا۔

گویا اس فیصلہ کے نافذ ہونے میں صرف دس دن باقی تھے کہ خدائے قادر و قیوم نے جو اپنے عاجز و بے کس بندوں کی دعاؤں کو سُنتا ہے جاپانی حکومت کو تباہ کر دیا۔اور قبل اس کے کہ خدا کے اس عاجز بندے پر ہاتھ ڈالے اس کے ہاتھوں بلکہ تمام قویٰ کو شل کر کے رکھ دیا۔

فالحمد للہ فی الأولیٰ والآخرۃ ان ذٰلک لعبرۃ لمن یخشی۔

خوب یاد رکھیئے کہ یہ جو کچھ ہوا وہ میری کسی ذاتی خوبی کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ جو کچھ ہوا وہ حضرت مسیح الزمان مہدئ دوران مرزا غلام احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کے اظہار کے لئے بطور نشان آسمانی ظاہر ہوا کیونکہ اسی پیارے کی پیروی کی وجہ سے مجرم گردانا جا رہا تھا۔

محترم ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم
مجاہد تحریک شدھی

آپ اپنے خودنوشت حالات زندگی میں فرماتے ہیں:

قبول احمدیت

میں قصبہ کھنہ ضلع لدھیانہ کا رہنے والا ہوں۔ پانچ سال کی عمر میں یتیم ہوگیا۔ میں سولہ سال کا تھا جب سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوا اس وقت میں آٹھویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ ہمارے سکول میں ایک بزرگ مولوی محمد تقی صاحب سنوری فارسی پڑھایا کرتے تھے ان کی تبلیغ سے احمدیت قبول کی۔ میرے دور و نزدیک کے رشتہ داروں میں کوئی احمدی نہ تھا۔ اس لئے مجھے کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر میرے خدا نے میری مدد فرمائی اور رویائے صادقہ سے میرے ایمان کو مضبوط کیا اور ہر طرح میری نصرت فرمائی اور ہمت بخشی اور میں نے جے۔ وی اور ایس۔ وی کے امتحانات پاس کر لئے۔ ۱۹۱۹ء میں قادیان چلا آیا۔ میری والدہ ماجدہ اور چھوٹا بھائی بھی ساتھ آگئے اور دونوں نے یہاں آکر احمدیت کو قبول کر لیا۔

تحریک شدّھی

میں شروع سے ہی خوش الحانی سے نظمیں پڑھنے کا شوق رکھتا تھا۔ قادیان آکر نظمیں پڑھنے کی وجہ سے مشہور ہوگیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی منظور نظر ہوا۔ برسوں حضور کی خدمت میں حضور کا کلام اور اپنی ٹوٹی پھوٹی نظمیں سناتا رہا۔

تحریک شدھی کے مجاہدوں میں شمولیت

آپ ذکر فرماتے ہیں:

”گنگا پار ایک گاؤں نگریا جواہر تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ یہ لوگ شدھ کی طرف مائل ہیں۔ چنانچہ میں نے اس گاؤں میں ایک جلسہ کرنے کا پروگرام بنایا مولوی جلال الدین صاحب شمس اس علاقے میں مناظر مقرر

تھے۔ جہاں کہیں آریوں میں مناظرہ ہونا ہوتا مولوی صاحب کو آگرہ سے بلا لیا جاتا اس لئے میں نے احتیاطاً مولوی صاحب کو بھی بلا لیا۔ میں، مولوی صاحب، محمد یامین کتب فروش اور دیگر ایک دو احباب ہم شام کو نگریا جواہر پہنچ گئے۔ رات کو جلسہ ہوا میں نے اور مولوی صاحب نے تقریریں کیں۔ ایک غیر احمدی مولوی بھی آئے ہوئے تھے۔ وہ بھی کچھ بولے۔ جلسہ ختم ہونے پر ملکانوں نے کہا۔ یہاں کے ہندو بہت شریر قسم کے ہیں۔ ان کی نیت فساد کی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ رات کو کچھ گڑ بڑ کریں۔ ہم کمزور ہیں آپ کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ بہتر ہے ابھی آپ یہاں سے چلے جائیں۔ ویسے حضرت صاحب کا حکم بھی تھا کہ خطرے والے مقام پر رات کو نہ ٹھہرا جائے۔

چنانچہ ہم پانچ چھ آدمی جلسہ ختم ہونے پر قریباً 12 بجے رات کو وہاں سے فرخ آباد کی طرف چل پڑے۔ فرخ آباد یہاں سے آٹھ دس میل پر تھا۔ جب ہم تین چار میل پر پہنچے تو راستہ بھول گئے۔ دو بجے رات کا وقت ہو گا کہ ہم راہ سے بھٹک کر کبھی نصف میل ادھر کبھی نصف ادھر گھومنے لگے اور راستہ پر نہ پڑ سکے اب ہم میں سے ہر ایک خدائے تعالیٰ کے حضور دعا میں مصروف ہو گیا۔ رات کا وقت اور اندھیرا گھپ، راستے میں نہ کوئی آدم نہ آدم زاد۔ ایسے وقت میں مسافر کی پریشانی بڑی قابل رحم ہوتی ہے۔ اس کیفیت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو کبھی اس حالت سے دو چار ہوا ہو۔ خدا تعالیٰ کی ذرہ نوازی تھی کہ اس نے ہم بھولے بھٹکوں کو راستہ دکھانے کے لئے ایک عجیب نشان ظاہر فرمایا۔ دعائیں جاری تھیں کہ ہمارے دائیں ہاتھ ذرا فاصلے پر ایسا معلوم ہوا کہ گندم کے گٹھوں کو آگ لگ گئی ہے حالانکہ گندم کا موسم نہ تھا۔ یہ آگ وسیع رقبہ پر پھیل گئی اور بلند ہوتی گئی۔ اتنی بلند اور وسیع روشنی کہ ہم نہایت آسانی سے ٹھیک راستے پر جا پہنچے۔ زمین پر چاروں طرف وسیع روشنی پھیل گئی اور راستہ صاف صاف نظر آنے لگا۔ غیر احمدی مولوی صاحب تو بہت ڈرے کہ یہ شاید جن ہیں۔ اور ہمارے بیچوں بیچ چلنے لگے لیکن ہم بہت خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عین وقت پر راہنمائی فرمائی۔ چنانچہ گنگا کا پل یہاں سے دو اڑھائی میل پر تھا جب تک ہم لوگ پل پر نہ پہنچے۔ یہ روشنی بدستور رہی اور جونہی ہم پل پر پہنچے روشنی ختم ہو گئی۔ سبحان اللہ وبحمدہ۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی کس طرح حفاظت کرتا ہے۔ کس طرح ان کی مدد کرتا ہے اور کس طرح سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ پل پر ہمیں دن چڑھ گیا اور ہم صبح کی نماز پڑھ کر ٹھنڈے ٹھنڈے فرخ آباد جا پہنچے۔

الحمدللہ علی ذالک۔

میں اور برادرم محمد یامین صاحب کتب فروش اور مہاشہ محمد عمر صاحب اس واقعہ کے عینی گواہ ہیں اور حلفیہ بیان دیتے ہیں کہ یہ واقعہ اسی طرح ظاہر ہوا جیسا کہ یہاں کہا گیا ہے۔''

(میری کہانی، خودنوشت سوانح حضرت ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم صفحہ 70-71)

تحریک شدھی کے خلاف جانے والے وفد میں شمولیت

۱۹۲۳ء میں یو۔ پی ہندوستان کے کچھ اضلاع میں آریہ سماج والوں کی طرف سے مسلمانوں کو مرتد کرنے اور ہندو بنانے کے لئے ایک وسیع پیمانہ پر شدھی کی رو چلائی اور غریب اور بے خبر مسلمان شدھ کئے جانے لگے۔ اس فتنہ کو روکنے کے لئے مسلمانوں کی تمام جماعتیں حضرت امام جماعت احمدیہ نے ایک منظم طریق پر اس فتنۂ ارتداد کے لئے اس علاقہ میں مبلغین کے وفود یکے بعد دیگرے بھیجے۔ چنانچہ مارچ ۱۹۲۳ء میں حضرت اقدس رضی اللہ عنہ کی سکیم کے ماتحت جماعت احمدیہ کا پہلا وفد قادیان سے میدان تبلیغ میں روانہ ہوا۔ خاکسار بھی میدان کارزار میں گیا۔ ہم نے کئی سال آگرہ، متھرا، بھرت پور، ایٹہ، اٹاوہ، فرخ آباد وغیرہ اضلاع میں آریوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خدا تعالیٰ نے دلائل و براہین سے ہمیں آریوں پر ایسا غلبہ بخشا کہ اپنے پرائے دوست دشمن جماعت احمدیہ کا لوہا مان گئے۔ بارہ ہزار راجپوت مسلمان ہمارے جانے سے پہلے شدھ ہو چکے تھے یعنی مرتد ہو گئے تھے مگر صرف دو سال میں ہی اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت اور اس کے فضل و کرم سے ہم تے گیارہ ہزار مرتد پھر مسلمان بنا لئے اور ایک ہزار کے قریب پیدائشی ہندوؤں کو مسلمان بنایا۔ چند ایک دلچسپ واقعات آپ کے سامنے رکھتا ہوں جن سے یہ واضح ہو جائے گا کہ کس طرح مخالف ہمارے دلائل کی تاب نہ لا سکا اور کس طرح باطل حق کے سامنے سرنگوں ہوا اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں غلبہ بخشا۔

سادھو بن کر تبلیغ کرنا

میں نے اس علاقہ میں سادھو بن کر کئی سال کام کیا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ میں ہندوؤں کے ایک جلسہ میں رپورٹ لینے کے لئے گیا۔ ابھی جلسہ شروع نہیں ہوا تھا کہ بہت سے ہندو آریہ میرے گرد جمع ہو گئے۔ ایک پنڈت صاحب بھی جن کا نام بدھ دیو تھا اس مجمع میں آ گئے۔ حسب عادت پنڈت جی نے مجھے چھیڑنا شروع کیا اور پوچھا:

''کیوں صاحب! آپ بتا سکتے ہیں کہ محمد صاحب نے جب عائشہؓ سے شادی کی تھی تو عائشہ کی کتنی عمر تھی؟''

میں سمجھ گیا کہ مطلب اس پنڈت کا صرف تمسخر کرنا ہے اور پبلک پر یہ اثر ڈالنا ہے کہ اتنی چھوٹی عمر میں شادی ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا جواب سمجھا دیا۔ میں نے فوراً کہا۔

''جب آپ کی سیتا جی کی شادی رامچندر جی سے ہوئی تھی۔ اس وقت سیتا جی کی جو عمر تھی اس سے چار سال زیادہ حضرت عائشہ کی عمر تھی۔'' بس اتنا ہی سن کر وہ پنڈت شرمسار ہو کر مجمع سے چلا گیا۔ غرض اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے غلبہ بخشا اور مخالف کو لاجواب اور شرمندہ کیا۔

ختم نبوت

ایک جگہ میرا لیکچر صداقتِ مسیح موعودؑ پر ہوا۔ پبلک نے اسے بہت پسند کیا۔ دوسرے دن صبح ہی چند معزز مسلمان میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مولوی صاحب آپ کی تقریر تو بہت اچھی تھی مگر ہمیں ایک سوال کا جواب عنایت فرماویں کہ کیا آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین مانتے ہیں؟ میں نے کہا۔ ہاں یہ تو ہمارے شرائط بیعت میں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خاتم النبیین کے بعد مرزا صاحب نبی بن کر آ گئے۔ میں نے کہا۔ کیا خاتم النبیین کے بعد کوئی نبی نہیں آ سکتا؟

کہنے لگے ہرگز نہیں۔ میں نے کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ فرمایا ہے کہ ''میں اس وقت بھی خاتم النبیین تھا جب کہ آدم کی مٹی ابھی گوندھی جا رہی تھی۔'' مگر آپ لوگ خاتم النبیین کے بعد ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کا آنا مانتے ہیں اور سب پر ایمان لاتے ہیں اب یا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو جھٹلائیں اور سب نبیوں کا انکار کریں یا یہ تسلیم کریں کہ خاتم النبیین کے بعد نبی آ سکتے۔ یہ سن کر وہ خاموش ہو گئے اور اٹھ کر چلے گئے۔

پادری سے مناظرہ

فرخ آباد میں پادریوں نے اعلان کروایا کہ گرجا گھر میں لیکچر ہوگا اور قادیانی صاحبان ضرور تشریف لائیں اور پبلک کو بھی یہ لکھ کر دعوت دی کہ شائید قادیانیوں سے مناظرہ بھی ہو جائے۔ دوسرے دن ان کے

وسیع گرجا میں ہزاروں لوگ جمع ہو گئے۔ میں بھی اپنے ایک دوست کے ساتھ وہاں چلا گیا۔ پادری صاحب کا لیکچر جب ختم ہوا تو فرمانے لگے اگر کوئی شخص کچھ کہنا چاہے تو اجازت ہے۔ میں کھڑا ہو گیا اور کہا پادری صاحب نے تقریر میں یہ فرمایا ہے کہ نجات مسیح پر ایمان لانے سے مل سکتی۔ پادری صاحب اور عیسائی حضرات تو مسیح پر ایمان رکھتے ہیں۔ مسیح خود فرماتے ہیں کہ جس کا مجھ پر رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہو گا وہ بیماروں پر ہاتھ رکھے گا تو وہ چنگے ہو جائیں گے۔ پہاڑ کو کہے گا کہ اس جگہ سے اُس جگہ چلا جا وہ اس کی مانے گا اور جو کام میں کر سکتا ہوں وہ بھی کرے گا۔ اب اگر کوئی عیسائی یا پادری صاحب مسیح پر رائی کے دانے کے برابر ہی ایمان رکھتا ہے میرے ساتھی جس کا ایک بازو کٹا ہوا ہے اس بازو پر ہاتھ رکھ کر اسے اچھا کر دے اور اپنے ایمان کا ثبوت دے۔ یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا۔ سب خاموش تھے۔ لوگوں پر ایک گہرا اثر تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا۔ کسی عیسائی اور نہ پادری صاحب میں رائی بھر بھی ایمان نہیں۔ اگر مسیح پر ایمان ہوتا تو ضرور کوئی عیسائی اٹھتا۔ میرا یہ کہنا تھا کہ لوگ قہقہے لگانے لگے اور شور پڑ گیا۔

اس خفت کو دور کرنے کے لئے پادری صاحب نے مسلمانوں کو یہ اشتعال دلایا کہ یہ مرزائی ہے جو مرزا صاحب کو نبی مانتے ہیں اور اس نے تمام مسلمانوں کو کافر کہا ہے۔ اس پر مسلمانوں میں جن میں کثرت سے شیعہ لوگ تھے ایک جوش پیدا ہو گیا اور اکثر مجھے اور حضرت اقدس علیہ السلام کو گالیاں دینے لگے اور ہم چند احمدیوں کا وہاں سے نکلنا بھی دشوار ہو گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری مدد فرما۔ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور پادری صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ پادری صاحب! آپ مسیح کے کفارہ کا ذکر کر رہے تھے اب اور کچھ کہہ رہے ہیں۔ ذرا بتائیں تو سہی کہ مسیح نے ہمارے گناہوں کی قربانی کس طرح دی اور وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ کیسے ہو گئے لیکن یاد رکھیں کہ اسلام ایک ایسی شاندار قربانی پیش کرتا ہے جس کے مقابل مسیح کی قربانی بالکل ہیچ ہے اور وہ قربانی حضرت امام حسین علیہ السلام کی قربانی ہے۔ (امام حسینؓ کا نام سن کر مسلمان ذرا ٹھنڈے ہو گئے اور توجہ سے سننے لگے) میں نے کہا۔ پادری صاحب! مسیح کو جب پتہ چلا میرے وارنٹ گرفتاری جاری ہو گئے ہیں تو اپنے شاگردوں کو ساتھ لے کر چھپ گئے اور موت سے ڈر کر دعائیں کرنے لگے اور شاگردوں کو بھی کہا کہ دعا کرو کہ یہ موت کا پیالہ مجھ سے ٹل جائے۔ مگر حضرت امام حسینؓ جب مدینے سے یزید کے مقابلہ کو نکلے تو راستہ میں لوگوں نے روکا کہ آپ آگے نہ جائیں یزید کی فوجیں مرنے مارنے پر تیار بیٹھی ہیں۔ کوفے میں امام مسلم کو شہید کر دیا گیا ہے مگر حضرت امام حسین علیہ

السلام موت سے نہیں ڈرے اور مردانہ وار آگے بڑھتے چلے گئے اور کچھ پرواہ نہ کی۔

بس اتنا کہنا تھا کہ واہ واہ کے ڈونگرے برسنے اور درود شریف پڑھے جانے لگے اور اللہ تعالیٰ کا ایسا تصرف ہوا کہ تمام شیعہ حضرات میرے ہمنوا ہو گئے۔

میں نے پھر پادری صاحب سے کہا کہ جب مسیح گرفتار ہو گئے اور صلیب پر چڑھائے گئے تو نہایت درد اور قلق سے اور مایوس ہو کر خدا کو پکارنے لگے اور کہا **ایلی ایلی لما سبقتنی**۔ اے خدا تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا مگر حضرت امام حسین علیہ السلام جب میدان میں گھیر لئے گئے اور آپ کے ساتھی لڑتے لڑتے کٹنے لگے تو آپ ذرا بھی نہیں گھبرائے نہ ڈرے نہ خوفزدہ ہوئے نہ مایوس ہوئے اور نہ خدا سے کوئی شکوہ کیا۔ بلکہ مردانہ وار میدانِ جنگ میں ڈٹے رہے اور آخر دم تک خدا پر بھروسہ رکھا۔ مسلمانوں نے پھر واہ واہ کا شور مچایا اور درود پڑھنے لگے۔

میں نے پھر کہا۔ پادری صاحب! آپ کی انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح نے تین بار چلا کر جان دی۔ مگر حضرت امام حسینؓ کی چھاتی پر جب شمر چڑھ گیا اور کہا کہ یا تو یزید کی بیعت کرو یا قتل ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ تو حضرت امام حسین علیہ السلام باطل کے آگے نہ جھکے نہ چیخے نہ چلائے بلکہ مردانہ وار جان دے دی۔ پس کہاں مسیح کی قربانی اور کہاں امام حسین علیہ السلام کی شاندار قربانی۔

فرخ آباد میں پادری سے مقابلہ

اب پادری صاحب بے بس ہو گئے اور بات نہ کر سکے۔ لوگوں نے مجھے کندھوں پر اٹھالیا اور گرجے سے باہر لے آئے۔ سارے شہر میں شور مچا دیا کہ پادری قادیانیوں سے ہاتھ جوڑ کر چھوٹے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ ایسے نازک موقعہ پر ہمیں فتح نصیب ہوئی۔

ایک دفعہ فرخ آباد کے ضلع میں ایک پنڈت نے جو کہ بڑا وِدوان (عالم) اور بی۔ اے تھا مسلمانوں کو شدھ کرنے کے لئے (یعنی مرتد کرنے کے لئے) ایک گاؤں میں ڈیرے ڈال دیئے۔ وہاں ایک اہل سنت والجماعت کا مبلغ بھی بیٹھا تھا مگر پنڈت اس کی پیش نہ جانے دیتا۔ آخر مولوی صاحب میرے پاس آئے اور کہا کہ آپ اس پنڈت کا مقابلہ کریں۔ مجھے ان کی واقفیت نہیں چنانچہ میں وہاں گیا۔

گاؤں میں لوگوں کا کافی مجمع موجود تھا۔ ایک چارپائی پر پنڈت جی بیٹھے تھے دوسری پر مجھے بٹھا دیا۔ پنڈت جی نے یہ چالاکی کی کہ انگریزی میں ایک تحریر لکھ کر میری طرف بھیجی کہ اس کا جواب دو۔ دراصل

ان کا مطلب اس سے یہ تھا کہ یہ مولوی انگریزی نہیں جانتا۔ پڑھ نہیں سکے گا اور شرمندہ ہوگا اور میں یہ کہوں گا کہ تمہارا مولوی تو میرا لکھا ہوا بھی نہیں پڑھ سکتا بات کیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے خاص تصرف سے اس کا ردعمل سمجھایا۔ میں نے ایک کاغذ لیا اور اس پر عربی کی دو سطریں لکھ کر پنڈت جی کو دے دیا اور کہا کہ لیجئے آپ کے رقعہ کا یہ جواب ہے۔ پنڈت چونکہ عربی نہیں جانتا تھا۔ دیکھ کر بہت حیران ہوا اور بولا یہ کیا لکھا ہے۔ میں نے فوراً لوگوں سے کہا۔ بھائیو! یہ تو میرا لکھا ہوا پڑھ بھی نہیں سکتا۔ بات کیا کرے گا۔ پنڈت بڑا شرمندہ ہوا۔ جو تیر وہ مجھ پر چلانا چاہتا تھا اللہ تعالیٰ کے تصرف سے وہ اسی کی طرف واپس لوٹا۔ کھسیانہ سا ہوکر کہنے لگا۔ کوئی بات کرو۔ میں نے کہا کہ میں تو بات کرنے کے لئے ہی آیا تھا۔ آپ نے ہی لکھنے پڑھنے کا کام شروع کر دیا۔ اب آپ بات بھی کرلیں۔ کہنے لگا۔ ہندو دھرم پوتّر (پاک) ہے اور اسلام ناپاک کیونکہ ہندو مسلمانوں کے ہاتھوں کا نہیں کھاتے مگر مسلمان ہندو کے ہاتھ کا کھا لیتے ہیں۔ سب لوگ جو وہاں موجود تھے اور کافی مجمع تھا کہنے لگے۔ ہاں مولوی صاحب اس بات کا جواب دو۔ یہ بڑی مضبوط بات ہے۔ یہ کوئی مضبوط یا معقول بات تو تھی ہی نہیں مگر لوگوں کا اصرار تھا کہ اس کا جواب دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت یہ جواب میرے دل میں ڈالا۔

میں نے کہا۔ پنڈت جی! یہ دھرم کی بات نہیں۔ آپ کا دھرم تو یہ کہتا ہے کہ چنڈال لوگوں کے منہ کا جوٹھا بھی کھا لیا کرو۔ آپ لوگوں نے رامائن میں بھی پڑھا ہوگا کہ جنگل میں رامچندر جی نے بھیل قوم کی ایک گندی عورت کے ہاتھ سے اس کے منہ کے چکھے ہوئے جوٹھے بیر کھائے تھے مسلمان تو صاف ستھرے رہتے ہیں ان کا پس خوردہ کھانا تو آپ کے لئے جائز ہے۔ اصل حقیقت ہندوؤں کا مسلمانوں کے ہاتھ کا نہ کھانے کی یہ ہے کہ ان دونوں قوموں کا رشتہ ہی جیسا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اکبر بادشاہ نے ایک ہندو رانی سے شادی کی تھی اور جہانگیر بادشاہ نے بھی اور پھر دیکھا دیکھی اور کئی امراء نے ہندو لڑکیوں سے شادیاں کرلی تھیں۔ اس طرح ایک رواج پڑ گیا اور دونوں قوموں میں ایک رشتہ ہوگیا۔ مسلمان ہندوؤں کے داماد ہوگئے اور جب ہندو لوگ اپنی لڑکیوں کے گھر آیا کرتے تو لڑکی کے گھر یعنی مسلمانوں کا کھانا نہ کھاتے پانی تک نہ پیتے۔ یہ رواج اب تک چلا آرہا ہے کہ ہندو اپنی لڑکیوں کے گھر کا نہیں کھاتے پیتے مگر مسلمان جب اپنے سسرال یعنی ہندوؤں کے گھر جاتے تو خوب کھاتے پیتے کیونکہ ان کا تو حق تھا۔

بس اتنی بات سن کر سارے لوگ خوشی سے اچھل پڑے کہنے لگے بس مولوی صاحب اب ہم سمجھ گئے۔

ہم توان کے داماد ہیں ہمارا حق ہے کہ ان کا کھائیں۔ان کا کوئی حق ہمارے گھر میں کھانے کا نہیں کیونکہ ان کی لڑکیاں ہمارے گھروں میں ہیں۔

اب پنڈت جی شرم کے مارے پانی پانی ہو گئے اور ان کو اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ گاؤں سے نکل جائیں۔ چنانچہ پنڈت جی اپنا سامنہ لے کر گاؤں سے فرار ہو گئے اور میدان ہمارے ہاتھ رہا اور سارا گاؤں مرتد ہونے سے بچ گیا۔ فالحمدللہ

اللہ تعالیٰ نے ہندوؤں کے اسلام پر اس خطرناک حملہ کی روک تھام حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خدام کے ذریعہ فرمائی اور حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی کہ دوسری قومیں مسلمانوں کو اپنا لقمہ بنالیں گی اور اسلام کا غلبہ مسیح موعودؑ کے ذریعہ ہوگا۔ پوری ہوئی۔ فالحمدللہ

امریکن مشن کے پادری سے بحث

جس زمانے میں خاکسار کوہ مری میں گورنمنٹ ہائی سکول میں ٹیچر تھا۔ ان ایام کا ذکر ہے کہ ایک دن میں اور میرے ایک اور احمدی دوست ایک بڑے پادری (بشپ) سے ملنے چلے گئے۔ پادری صاحب امریکن مشن سے تعلق رکھتے تھے اور ایک بڑے شاندار بنگلے میں مقیم تھے۔ جب انہیں ہمارے آنے کی اطلاع ہوئی تو بڑی شان اور وقار سے باہر آئے اور پوچھا کیسے آئے ہو۔ ہم نے کہا کہ ہم لوگ بائبل کے متعلق کچھ باتیں آپ سے سمجھنے کے لئے آپ ہمیں کچھ وقت دیں۔ فرمانے لگے کچھ سمجھنے کے لئے یا بحث کے لئے۔ میں نے کہا۔ نہیں صاحب! بحث نہیں۔ صرف سمجھنے کے لئے۔ وہ ہمیں بنگلے کے اندر ایک پُرتکلف کمرے میں لے گئے۔ جب ہم بیٹھ گئے تو کہنے لگے۔ فرمائیں کیا سمجھنا چاہتے ہیں مگر آپ مسلمانوں کے کس فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں؟ میں نے سوچا کہ اگر ہم نے پہلے ہی بتادیا کہ ہم احمدی ہیں تو یہ بات نہیں کریں گے اس لئے میں نے کہا کہ ہم سیدھے سادے مسلمان ہیں آپ فکر نہ کریں ہم بحث نہیں کریں گے۔ صرف بات سمجھنا چاہتے ہیں۔ کہنے لگے اچھا پوچھیں کیا پوچھتے ہیں؟

میں نے کہا۔ سلاطین باب ۲ میں لکھا ہے کہ ایلیاہ نبی معہ رتھ کے آسمان پر چڑھ گئے اور پھر بائبل کی آخری کتاب ملاکی نبی میں لکھا ہے کہ ہولناک دن آنے سے پیشتر ایلیاہ نبی آسمان سے اترے گا کیا یہ دونوں باتیں درست ہیں۔

پادری صاحب بولے ہاں ٹھیک ہیں اور ہولناک دن آنے سے مراد مسیح کی آمد ہے۔

میں نے کہا۔ جب مسیح تشریف لائے تو یہودیوں نے مسیح سے کہا کہ اگر آپ مسیح ہیں تو مسیح سے پہلے ایلیاہ نبی کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ پس وہ ایلیاہ کہاں ہے؟ کیونکہ ہماری کتاب میں یہی لکھا ہے کہ ایلیاہ آسمان سے اترے گا۔ پھر مسیح آئے گا۔ مسیح نے یہودیوں کو یہ جواب دیا کہ درست ہے ایلیاہ ضرور پہلے آئے گا اور وہ آچکا ہے۔ جو یوحنا بپتسمہ دینے والا ہے۔ اس پر یہودی مل کر یوحنا کے پاس پہنچے۔ اس وقت یہودی تین نبیوں کی آمد کے منتظر تھے۔ چنانچہ انہوں نے جا کر یوحنا سے پوچھا۔ کیا تو وہ نبی ہے۔ اس نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ پھر پوچھا کیا تو مسیح ہے۔ اس نے کہا میں نہیں ہوں۔ یہودیوں نے پھر پوچھا کیا تو ایلیاہ ہے۔ اس نے کہا۔ میں نہیں ہوں۔ یہودیوں نے پھر کہا کہ آخر تو کون ہے تا کہ ہم اپنے بھیجنے والوں کو جا کر بتائیں۔ یوحنا نے کہا۔ میں یسعیاہ نبی کی پیشگوئی کے مطابق بیابان میں پکارنے والے کی آواز ہوں۔

یہ جواب سن کر یہودی پھر جناب مسیح کے پاس آئے اور کہا کہ یوحنا تو کہتا ہے میں ایلیاہ نہیں۔ مسیح نے جواب دیا۔ بس یہی ہے۔ چاہو تو قبول کرو۔

میں نے کہا۔ سمجھنے والی بات یہ ہے کہ مسیح کہتے ہیں یوحنا ہی ایلیا ہے اور یوحنا کہتا ہے میں نہیں ہوں۔ فرمائیے دونوں میں سے کون سچ کہتا ہے اور کون جھوٹا ہے۔

پادری صاحب کچھ سوچ میں پڑ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد بولے کہ دونوں ہی سچ کہتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ یوحنا کو ابھی اپنے مقام کا علم نہیں دی گیا تھا۔ مگر مسیح چونکہ خدا ہی تھا۔ اسے علم تھا کہ یوحنا ایلیاہ بن چکا ہے۔

میں نے کہا۔ یہاں ایک اور بات سمجھنے والی ہے کہ اگر مسیح واقعی خدا یا خدا کا بیٹا تھا اور اسے سب علم تھا تو یہودیوں کے جانے سے پہلے یوحنا کو بتا دیتے کہ تم ایلیاہ بنا دیئے گئے ہو۔ اس لئے انکار نہ کرنا۔ اس سے نہ یہودی غلطی میں رہتے اور نہ مسیح کو یہودیوں کی تسلی کرنے میں دقت پیش آتی۔ مسیح کا ایسا نہ کرنا جس سے یہودی تسلی پا جاتے بتاتا ہے کہ مسیح کے اندر کوئی طاقت نہ تھی؟

نیز یہودیوں کی کتب میں تو ایلیاہ کا آسمان سے اترنا لکھا ہے نہ یہ کہ ایلیاہ کے کسی مثیل کا آنا۔ اس کا کیا حل ہے؟

اب پھر پادری صاحب گہری سوچ میں پڑ گئے۔ سوچ سوچ کر کہنے لگے کہ آسمان سے اترنے کا یہی

مطلب ہوتا ہے کہ خدا کی طرف سے آیا ہوا۔

میں نے کہا بہت اچھا۔ ہم چونکہ بحث نہیں کرنا چاہتے اس لئے آگے چلتے ہیں۔ اب گویا مسیح نے عملاً یہ بتا دیا کہ آسمان سے آنے کا مطلب خدا کی طرف سے آنا ہوتا ہے نہ کہ ظاہری طور پر آسمان سے اترنا۔ اب یہ سمجھائیے کہ کیا آپ مسیح کی دوبارہ آمد میں یہ مانتے ہیں کہ مسیح آسمان سے اتریں گے؟

کہنے لگا۔ ہاں!

میں نے کہا۔ جناب جس وقت مسیح آسمان سے اتریں گے تو پھر تو اس وقت کے یہودی مسیح کے گرد ہو جائیں گے کہ پہلے ایلیاہ کا آسمان سے اُترنا ضروری ہے۔ اس وقت مسیح کیا جواب دیں گے جب کہ وہ خود آسمان سے اتر کر آئے ہوں گے۔ کیا اس وقت یہودی یہ نہ کہیں گے کہ جس طرح آپ آسمان سے اُترے ہیں ایلیاہ بھی اتر سکتا ہے۔ اب پادری صاحب گھبرا گئے۔ کہنے لگے میں نہیں بتا سکتا اس وقت مسیح کیا کہیں گے میں آپ کو یہ نہیں سمجھا سکتا۔ میں نے کہا۔ پادری صاحب! کیا میں اس مشکل حل بتا سکتا ہوں؟ کہنے لگے۔ ہاں! کیا حل ہے؟

میں نے کہا۔ جناب مسیح نے اپنی پہلی آمد میں بتا دیا کہ آسمان سے اُترنے کا مطلب خدا کی طرف سے آنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ آپ بھی بتا چکے ہیں اور کسی نبی کا دوبارہ آنا یہی ہوتا ہے۔ جیسے ایلیاہ کی قوت پر چلنے والا یوحنا آیا۔ اگر ہم مسیح کی اس بات کو تسلیم کر لیں۔ تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ مسیح بھی دوبارہ آسمان سے نہیں آئیں گے بلکہ ان کا مثیل آ چکا چاہو تو قبول کرو۔

یہ سن کر پادری صاحب چونک پڑے۔ بولے۔ کہاں۔ میں نے کہا۔ قادیان میں۔ کہنے لگے۔ اچھا! آپ قادیانی ہیں۔ پہلے کیوں نہ بتایا۔ مہربانی کر کے گفتگو بند کریں۔ میرے پاس وقت نہیں۔

غرض ہم وہاں سے اس ایمان اور یقین سے مطمئن ہو کر اٹھے کہ ہم نے ایک بڑے پادری (بشپ) کو پیغام حق پہنچا دیا۔ فالحمدللہ علٰی ذالک

حضرت مولوی قدرت اللہ صاحب سنوری ؓ

آپ اپنے خودنوشت حالات زندگی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میری پیدائش ۱۸۸۱ء قریبا ۱۳۰۰ھ میں ہوئی۔ حافظ شیر محمد صاحب نے میرے دادا صاحب کی درخواست پر میرا نام قدرت اللہ تجویز فرمایا۔ میرے غیر حقیقی دادا مولوی محمد یوسف صاحب تھے۔ انہوں نے ۱۸۸۰ء میں چچا عبداللہ صاحب کو جوان کے حقیقی بھانجے تھے یہ بتایا کہ تم ہمیشہ کسی پیر کی بیعت کرنے کی درخواست کرتے رہتے ہو مجھے اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ زمانہ کا امام قادیان میں پیدا ہوگیا ہے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ قادیان کہاں ہے؟ اور ایک عرصہ تک قادیان کا پتہ چلاتے رہے۔ کچھ عرصے کے بعد مولوی محمد یوسف صاحب نے بتایا کہ میں لاہور کے ایک اخبار سے پٹیالہ میں ایک مضمون پڑھ کر آیا ہوں۔ وہ مضمون آریوں کے خلاف مرزا غلام احمد صاحب کا ہے اور وہ قادیان ضلع گورداسپور کے رہنے والے ہیں۔ اس کے بعد مولوی عبداللہ صاحب نے بٹالے پہنچ کر قادیان کا پتہ پوچھا۔ بتایا گیا کہ یہاں سے گیارہ میل کے فاصہ پر ہے۔ وہ قادیان پہنچے۔

بیعت کرنے کا واقعہ

۱۸۸۹ء میں جب حضور نے بیعت لینے کا اعلان فرمایا تو سنور کے نو آدمیوں نے اسی سال بیعت کی۔ چونکہ ۱۸۸۴ء سے حضور کا ذکر ہمارے گھروں میں رہتا تھا مجھے بچپن کے زمانہ میں ہی یہ خیال پیدا ہوگیا تھا کہ بیعت ضرور کرنی چاہئے خواہ کسی کی کرلی جائے جو یہاں قریب ہی ہو۔ اتنی دور قادیان کون جائے۔ چونکہ والد صاحب نے بیعت نہیں کی تھی۔ اس واسطے چشتیہ خاندان کے ایک سید صاحب سے ارادت رکھتے تھے۔ میں بھی ان کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ میں نے ان سے بیعت کی درخواست کی۔ انہوں نے فرمایا۔ جب بالغ ہوجاؤ گے تو بیعت کرلینا اور وہ قوالی کی مجالس میں مجھے ساتھ لے جایا کرتے تھے۔ نماز تو وہ ضرور پڑھتے تھے۔ لیکن اکثر وقت چوسر، شطرنج، تاش کھیلتے رہتے تھے۔ ایک دن صبح کے وقت میں ان کی بیٹھک میں گیا۔ وہاں ان کے دو برادرزادے علی حسین اور علاؤالدین بیٹھے تھے۔ پیر

صاحب جن کا نام عبدالحق تھا وہ اندر گئے ہوئے تھے ہم تینوں کھیلنے لگ گئے اور کھیلتے وقت ان دونوں نے حضرت مسیح موعودؑ کا ذکر شروع کیا اور دریدہ دہنی اور گندہ زبانی سے آپ کو گالیاں دینے لگے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہمارے خاندان کے کئی بزرگوں نے ان کی بیعت کی ہوئی ہے وہ نیک اور بزرگ ہیں۔ آپ سید زادے ہیں اس لئے فحش کلامی سے احتراز کریں۔ پس پشت کسی کو گالیاں دینا شرافت سے بیعت ہے۔ میں نے کہا۔ میں پیر صاحب سے ارادت رکھتا ہوں۔ اگر ان کو کوئی گالی دے تو مجھے کتنا برا لگے۔ مگر وہ باز نہ آئے اور پھر گالیاں دینی شروع کیں۔ میں نے پھر منع کیا مگر انہوں نے تیسری بار پھر گالیاں دینی شروع کیں۔ اس پر مجھے غصہ آیا۔ میں نے ان دونوں کو مارنا شروع کیا۔ وہ مجھے مارنے لگے۔ شور پڑ گیا۔ پیر صاحب اندر سے تشریف لائے پوچھا کیا بات ہے۔ میں نے کہا۔ یہ حضرت مرزا صاحب کو گالیاں دیتے ہیں۔ گو وہ میرے پیر نہیں لیکن کسی کو پسِ پُشت گالیاں نکالنا بُرا ہے۔ پیر صاحب نے اپنے بچوں کی طرفداری کی اور ان کو گالیوں سے منع نہ کیا۔ اس پر میں ناراض ہو کر چلا آیا اور گھر آ کر پوسٹ کارڈ لے کر بیعت کا خط حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں لکھ دیا۔

حضرت صاحب کی طرف دُعا کا خط ڈالنے کا نیک نتیجہ

ایک دفعہ میں اور سردار صاحب لاہور میں کسی کام کی غرض سے آئے۔ لاہور سے قادیان حضرت صاحب کو ملنے کے لئے آئے۔ وہاں پر حضور نے سردار صاحب سے کہا۔ آپ کا کھانا کہاں پکوایا جائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں تو مولوی صاحب کا جوٹھا کھا لیتا ہوں مجھے پرہیز نہیں ہے۔ پھر حضور نے جو کھانے تیار کروائے وہ تمام کے تمام وہی تھے جو سردار صاحب کو خواب میں دکھائے گئے تھے۔ چنانچہ سردار صاحب نے عرض کیا۔ حضور کی یادداشت بڑی اچھی ہے۔ اتنا عرصہ ہوا جو آپ کو خط لکھے لیکن آپ کو ابھی تک یاد ہے۔

سردار صاحب کی سردارنی بیمار تھیں۔ علاج کے لئے کسولی لے جایا گیا۔ میں اور سردار صاحب بھی وہیں گئے ہوئے تھے۔ رات کو جب سردار صاحب زنانے سے میرے پاس آئے تو وہ نہایت مغموم تھے۔ میں نے دریافت کیا کہ سردار صاحب! کیا بات ہے۔ آپ پریشان کیوں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ کوئی بات نہیں۔ میں نے کہا۔ نہیں نہیں۔ آپ بتائیں کہ کیا بات ہے انہوں نے بتایا کہ مہاراجہ صاحب شملہ کی طرف گئے ہوئے ہیں اور کل دو بجے ان کی سپیشل ٹرین انبالہ چھاؤنی سے سیدھے بمبئی کی طرف سے ہو کر

آ رہی ہے۔ ولایت جا رہے ہیں۔ ان کا سفر لمبا ہے کئی مہینے میں واپس آئیں گے۔ پرائیویٹ سیکرٹری مجھ سے کچھ ناراض ہیں وہ بعد میں مجھ کو سختی سے حاضر رکھیں گے۔ ایک تو میری بیوی بیمار ہے۔ مجھے ان کی خبر گیری کرنی پڑتی ہے۔ دوسرے جائیداد کے کاموں میں مجھے آپ کے ساتھ حصہ لینا پڑتا ہے۔

میں نے کہا: اس کا علاج تو ابھی کر دیتا ہوں۔ آپ ایک لفافہ کاغذ اور قلم لائیں میں حضرت صاحب کو خط لکھ دیتا ہوں۔ وہ یہ سن کر ہنس پڑے۔ کہا بڑی اچھی تجویز ہے۔ خط تو تین دن میں قادیان پہنچے گا اور مہاراج کل چلے جاویں گے۔ اس خط کا کیا فائدہ ہوگا؟ میں نے عرض کیا۔ ہمیں اس بات کا تجربہ ہے کہ بعض اوقات خط لکھ کر ڈالا گیا اور اس کا جواب آیا۔ لیکن وہ خط جس تاریخ کو پہنچا تھا اسی تاریخ کو جواب ہمارے پاس آیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے خط کا علم آپ کو دے دیا۔ آپ نے اس کا جواب لکھا اور وہ ہمیں مل گیا۔ آپ تجربہ کر لیں۔ آپ لفافہ لائیں۔ ابھی ڈاک میں ڈال دیں اور کل اس کا اثر دیکھ لیں۔ ہم انبالہ چھاؤنی چلیں گے۔ آپ مہاراجہ سے رخصت لے لیں۔ خدا تعالیٰ نے چاہا تو منظور ہو جاوے گی۔ انہوں نے لفافہ لا کر دیا اور میں نے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔

صبح ناشتہ کر کے ہم موٹر کے ذریعہ انبالہ پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ میں تھوڑی دیر کے لئے شہر جانا چاہتا ہوں۔ انہوں نے کہا کیا کام ہے؟ میں نے کہا۔ کام پھر عرض کروں گا۔ میں جلدی واپس آ جاؤں گا۔ آپ گھبرائیں نہیں۔ انہوں نے بادلِ ناخواستہ مجھے اجازت دے دی۔ میں تانگہ لے کر بازار گیا۔ وہاں جا کر دریافت کیا کہ یہاں پر چنبیلی کا ہار ملے گا؟ دکانداروں نے بتایا کہ شام کے پانچ بجے ہاروں والے چوک میں بیٹھتے ہیں اور وہاں سے لوگ خریدتے ہیں۔ میں تانگہ لے کر شہر میں ان کی تلاش میں گیا۔ وہ مل گئے۔ ایک پیسہ کو ہار فروخت کرتے تھے۔ ان کو کہا۔ ایک ایک آنے والے سولہ ہار بنا کر لاؤ۔ انہوں نے بڑی خوشی سے تمام نے مل کر ہار بنا کر مجھے دے دیئے۔ میں بارہ ہار اپنے اوورکوٹ کی جیبوں میں ڈال لئے اور چار ہار علیحدہ رومال میں لپیٹ لئے۔ تانگہ میں سوار ہو کر اسٹیشن پر آ گیا اور وہ ہار سردار صاحب کو پیش کئے اور عرض کیا کہ مہاراج اور مہارانی صاحبہ اور دو بچے ولایت جا رہے ہیں۔ یہ چاروں ہار ان کے گلے میں ڈال دیئے جاویں۔ سردار صاحب بہت خوش ہوئے اور میں نے عرض کر دیا کہ جب آپ گلے میں ہار ڈالیں تو اس وقت چھٹی کی درخواست پیش کر دیں۔

سردار صاحب وہ ہار لے کر پلیٹ فارم پر ٹہلنے لگ گئے۔ پٹیالے سے سب وزراء اور محکمہ فوج اور محکمہ نہر

اور پولیس کے افسران آئے ہوئے تھے اور بہت ہجوم تھا۔ اس وقت یہ نئی بات تھی کہ ان کے ہاتھ میں ہار تھے اور کسی اہلکار کے پاس ہار نہیں تھے۔ ان میں سے کئی افسروں نے ہار مانگے اور کہا کہ آپ ایک ہار دے دیں۔ انہوں نے انکار کر دیا۔

چیف جسٹس اور چیف انجینئر وہ میرے زیادہ واقف تھے وہ میرے پاس آئے اور مجھ سے کہا کہ اپنے سردار صاحب سے ایک ہار ہمیں دلا دیں۔ میں نے عرض کیا۔ میں ہار کا انتظام کر دیتا ہوں لیکن آپ مجھ سے ہار لے کر اپنی جیب میں ڈال لیں ورنہ سردار صاحب مجھ سے ناراض ہوں گے کہ آپ نے ہار دیئے ہیں۔ انہوں نے وہ ہار لے کر (چیف جسٹس سے) فرمایا۔ عمر قید اور پھانسی کے مقدمات میری منظوری سے ہوتے ہیں جہاں آپ سفارش کریں گے میں ان سے رحم کی درخواست پر سرکار سے منظوری کرادوں گا۔ چیف انجینئر صاحب نے فرمایا جس گاؤں کے لئے جتنا پانی آپ کو درکار ہوگا میں دوں گا۔ ان کے باہر جانے سے دوسرے اہلکاروں کو پتہ چل گیا اور اس طرح بارہ اہلکاروں کو دے دیئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ بعد میں وہ افسر میری بہت عزت کرتے تھے۔ جب ان سے کوئی کام پڑتا فوراً کر دیتے۔

سپیشل ٹرین آئی۔ ہجوم بہت تھا اور تا کی کے ساتھ دھکا پڑتا تھا۔ لوگ دور سے سلام کر کے گذر جاتے۔ ان کے ہاتھ میں چونکہ ہار تھے میں نے اور دو تین آدمیوں نے مل کر سردار صاحب کو تا کی تک پہنچا دیا۔ انہوں نے ہار گلے میں ڈال کر عرض کیا کہ میری بیوی بیمار ہے اور کئی جائیداد کے کام ہیں سرکار مجھے اپنی واپسی تک کی رخصت دی جائیں۔ مہاراجہ صاحب نے اپنے پرائیویٹ سیکرٹری کو آواز دی۔ رفیق۔ رفیق۔ پرائیویٹ سیکرٹری آگے بڑھے۔ مہاراجہ صاحب نے تا کی سے سردار صاحب کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پرائیویٹ سیکرٹری کو فرمایا میں نے واپسی تک ان کی رخصت منظور کی ہے۔ سردار صاحب خوشی خوشی واپس آ گئے۔

نصرتِ الٰہی کا نشان

۱۹۵۳ء میں جب میں ناصر آباد (سندھ) میں کام کر رہا تھا اس وقت ساری مذہبی پارٹیاں ہمارے خلاف ہوگئیں اور پھر حکومت بھی خلاف ہوگئی۔ اس وقت برخوردار مسعود احمد بھی لاہور میں کام کرتا تھا۔ اکبری منڈی میں دکان تھی۔ آسٹریلیا بلڈنگ میں ایک سوستر روپیہ پر نچلا حصہ کرایہ پر تھا۔ اس مکان کے مالک آسٹریلی بلڈنگ والے خاندان کے ممبر تھے۔ میں چونکہ اس وقت سندھ میں تھا ناصر آباد کا مینیجر لگا ہوا تھا۔ میں نے خواب میں مسعود احمد کو دیکھا جو کہ نہایت پریشان حالت میں تھا اور کہتا تھا کہ ابا جان! آج ہم

مہاجر بن گئے۔اس وقت دکان کا قرضہ دولاکھ کے قریب بازار کے ذمہ تھا اور گودام میں جو مکان کے ساتھ تھا ستر ہزار کا مال پڑا ہوا تھا۔اس نے کہا۔آج ہمارے پاس کچھ نہیں رہا۔آج ہم مہاجر ہو گئے۔

اس خواب کے ذریعہ مجھے پریشانی ہوگئی۔میں نے صدقہ بھی دیا اور دعا بھی کی اور مسعود احمد کو خط لکھا کہ تمہارے گھر میں کوئی بچہ پیدا ہونے کی تو امید نہیں ہے؟اس نے جواب دیا کہ نہیں۔میں نے اس غرض سے دریافت کیا تھا کہ اگر پیدا ہونے والی لڑکی ہو تو چونکہ لڑکی جہیز میں کچھ لے جاتی ہے۔میں نے سمجھا کہ یہ خواب اس طرح بھی پورا ہوسکتا ہے۔جب اس نے مجھے یہ جواب دے دیا۔ادھر خطرات بڑھ رہے تھے۔ میں نے دعائیں شروع کر رکھی تھیں۔چنانچہ مارکیٹ میں جو دکان تھی خطرہ پیدا ہوا کہ لوٹ لی جاوے گی تو مسعود احمد اپنے کھاتہ جات کو گھر لے آئے اور دکان بند کر دی۔ان کا دکان پر آنا جانا بھی بند ہو گیا۔

دکان کو ابھی دو تین بند ہوئے گذرے تھے کہ شریروں نے دکان کے تالے توڑ پھوڑ کر جلا دی اور سمجھا کہ بازار میں جو حساب تھے وہ کاپیاں حساب کی بھی جل گئی ہوں گی اور وہ بھی نہیں لے سکیں گے۔مکان کی بھی یہی حالت تھی کہ جرنیلی سڑک پر فٹ پاتھ کے قریب کوچے میں دروازہ تھا۔دن میں دو دو تین تین دفعہ ہزار ہزار آدمی سڑک پر پہنچ کر گالیاں دیتے تھے لیکن کوچے کا دروازہ نہیں توڑتے تھے اور آپس میں کہتے تھے کہ اندر صرف دو آدمی ہیں اور ان کے پاس اسلحہ ہے۔جتنے کارتوس ہوں گے اتنے تو یہ مار سکتے ہیں۔ نکلنے کے بعد پھر ان کو قابو کیا جاسکتا ہے۔

جب یہ حالت ہوگئی تو مسعود احمد نے اپنی بیوی سے یہ بات کہی کہ مالک مکان کی بیوی سے یہ بات جا کر کہو کہ ہمارا ستر ہزار کا مال آپ کے مکان میں پڑا ہے۔ہم یہ سب سامان آپ کے سپرد کرتے ہیں۔ براہِ مہربانی اپنی موٹر میں ہمیں پولیس لائن تک پہنچا دیں۔ان کی بیوی نے اپنے خاوند سے جا کر دریافت کیا۔انہوں نے جواب دیا کہ جماعت کے سب لوگوں کے لئے تاریخ مقرر ہے۔اس دن یہ سب قتل ہوجاویں گے میں اپنی بیس ہزار کی موٹر کیسے تڑوالوں۔

یہ جواب سن کر جب وہ واپس آئی اور مسعود احمد کو بتایا تو مسعود احمد صاحب خود مالک مکان کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ آپ جو کہتے ہیں کہ ساری جماعت کے لوگ قتل ہوجائیں گے۔یہ بالکل غلط بات ہے۔خدانخواستہ چند آدمی شہید ہوجائیں تو ہوجائیں۔باقی آپ کا یہ خیال غلط ہے۔اگر آپ مہربانی کرتے تو ہم یہ سب سامان آپ کے پاس چھوڑ کر چلے جاتے۔مگر انہوں نے حامی نہ بھری۔یہ واپس اپنے مکان

میں آ گئے ۔ایک رات گذری تھی کہ صبح کو قریشی محمد اقبال صاحب لائن موٹر لے کر وہاں پہنچے اور ان کی موٹر کے آگے پیچھے دو مشین گنوں والی موٹریں تھیں اور انہوں نے آ کر کہا کہ فوراً جلدی جلدی چلے آؤ۔ مکان کو اسی طرح رہنے دو۔کوئی سامان زیور کچھ نہیں لیا۔صرف چار جوڑے کپڑوں کے رکھے اور وہاں سے چلے گئے ۔پولیس لائن جا کر مجھے خط لکھ دیا کہ آج ہمارے پاس صرف چار جوڑے کپڑوں کے رہ گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتِ کاملہ سے ان کو پولیس لائن میں گئے ابھی دو دن ہی ہوئے تھے کہ مارشل لاء لگ گیا اور فوج نے حکومت سنبھال لی۔خطرہ کے دور ہوتے ہی مسعود احمد صاحب واپس اپنے گھر چلے گئے تو سارا سامان بدستور پڑا تھا۔ چار پانچ روز کے بعد جب بازار میں امن ہو گیا تو ہم نے دکان کھولی ۔جن جن لوگوں کے پاس روپیہ تھا۔ان سے مطالبہ کیا۔تو انہوں نے یہی کہا کہ ہمیں بہی کھاتہ دکھاؤ۔ان کو کہہ دیا گیا کہ آؤ دیکھ لو۔بہی کھاتہ دیکھ کر لوگ حیران تھے کہ دکان تو ساری جلا دی گئی تھی ، یہ بہی کھاتہ کہاں پڑا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے دکان بھی بچا دی مکان بھی اور جان بھی محفوظ رکھ لی۔اس واقعہ کا اثر مالکِ مکان پر ایسا ہوا کہ انہوں نے سلسلہ کی کتابیں دیکھنی شروع کر دیں اور اپنے خاندان کے لوگوں کو احمدیوں سے ملایا کرتے تھے۔

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ سبز پگڑی والے

''میرا خدا اُسے نہیں چھوڑے گا''

اب قدرت خداوندی کا ایک اَور روشن نشان پیش کیا جاتا ہے، جس میں خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کو بچانے کے لئے ایسی تدبیر فرمائی کہ جو انہیں قتل کرنا چاہتا تھا، اُس کے اپنے اوپر خدا کے غضب کی آری چل گئی۔ اس واقعہ کے راوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک درویش صحابی حضرت مولانا محمد حسین صاحبؓ ہیں جو 'سبز پگڑی والے مولوی صاحب' کے نام سے سے جماعت میں معروف اور مشہور ہوئے۔ آپ ہی کے ساتھ بیتا ہوا ایک واقعہ باب پنجم میں ''تصرفات الٰہیہ'' کے تحت بیان کیا جا چکا ہے۔ موجودہ واقعہ اُس وقت کا ہے، جب آپ اپنی فوجی ملازمت سے فارغ ہونے کے بعد مرکز (قادیان) کے حکم پر یو۔ پی (وسط ہند) کے علاقہ میں مسلمانوں کو ہندو بنانے کی ایک تحریک (جو ''شدھی'' کی تحریک کے نام سے معروف اور مشہور ہوئی) کے سدّ باب کے لئے وہاں رضا کارانہ طور پر تشریف لے گئے تھے۔

آپ نے وہاں پہنچ کر مرکزی نظام کے تحت آگرہ میں کچھ دور ملکانہ مسلمانوں کے ایک گاؤں، موضع نگلہ گھنو، کو اپنا تبلیغی مرکز بنا کر کام شروع کر دیا۔ ابھی وہاں پہنچے ہوئے تھوڑا عرصہ ہی ہوا تھا کہ آپ کو معلوم ہوا کہ بعض دیوبندی مولویوں نے علی گنج تحصیل کے ایک قصبہ رامپور میں آریوں کو مباحثہ کا چیلنج دیا ہے۔ چنانچہ آپ بھی اپنے گاؤں کے چند لوگوں کے ساتھ مناظرہ دیکھنے کی غرض سے وہاں تشریف لے گئے۔ مگر ان علماء میں سے کوئی بھی نہ پہنچا۔ جس پر مقامی مسلمانوں نے آپ سے درخواست کی کہ آپ ہی اب آریہ مناظروں سے بات کریں، ورنہ وہ سمجھیں گے کہ مسلمان بھاگ گئے۔ اس مناظرہ میں آپ نے جس طرح ان آریہ پنڈتوں کے دانت کھٹے کئے اور وید اور ستیارتھ پرکاش کے حوالوں سے انہیں لاجواب اور شرمسار کیا، اس سے سارے علاقہ میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی اور سب ہندو اور مسلمان یہ کہنے لگے کہ قادیانی مولوی کا کوئی آریہ مقابلہ نہیں کرسکتا۔

یہ صورت حال دیکھ کر آریوں نے اپنی ایک خفیہ میٹنگ بلائی اور کہا کہ اگر یہ قادیانی مولوی یہاں رہا تو

ہم کسی ایک مسلمان کو بھی شدھ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اِس ''بلا'' سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے آپ کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جس کے لیے ''نگلہ گھنو'' کے قریبی گاؤں مجبولہ کے رہنے والے ایک منہ زور ٹھاکر، بھوپ سنگھ نامی، کو آپ کے قتل پر آمادہ کر لیا گیا۔ آریوں نے اس کے عوض اس کا دو ہزار روپیہ کا قرضہ، جو اس کے ذمہ تھا، چھوڑ دینے کا وعدہ کیا۔ آگے اللہ تعالیٰ نے آپ کی حفاظت کے غیب سے کیا سامان فرمائے اس کی روئیداد بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''اس پنچایت (جس کی خفیہ کارروائی کا اوپر ذکر کیا گیا ہے۔ ناقل) میں ایک احمد پور کا پنڈت بھی تھا۔ وہ اس رئیس پنڈت کے ہاں ٹھہرا اور میرے بارے میں سارا قصہ بھی بیان کر دیا۔ پنڈت صاحب صبح سویرے ہی گھوڑی پر سوار ہو کر میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے آپ اکیلے ہی دَورے پر نکل جایا کرتے ہیں، مگر فلاں شخص سے ہوشیار رہنا۔''

آپ نے اس شریف پنڈت کا تو شکریہ ادا کیا اور خود دعاؤں میں لگ گئے۔ اتفاق سے اگلے روز ہی بھوپ سنگھ آپ کے پاس چوپال پر (یعنی وہ کچی سی بوسیدہ عمارت جسے آپ پہلے دن سے ہی مسجد اور رہائش کے طور پر استعمال کر رہے تھے۔ ناقل) آ گیا اور مچلا بن کر یوں باتیں کرنے لگا، جیسے اسے کچھ پتہ ہی نہ ہو۔ یہ گفتگو جس رنگ میں ہوئی، وہ بتاتی ہے کہ کس طرح خدا تعالیٰ کی تقدیر اس کرائے کے قاتل کے گرد گھیرا ڈالتی چلی آ رہی تھی۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

''بھوپ سنگھ مجھ سے پوچھنے لگا، مولوی صاحب! اب کدھر کا دورہ کرنا ہے؟ میں نے کہا، جس طرف سے آریوں کی میٹنگ یعنی پنچائیت کی خبر ملے گی، ادھر ہی جاؤں گا۔''

پھر آپ نے اپنی گفتگو کا رخ بدل کر اسے مزید ٹٹولنے کی خاطر اس طرح سے بات کی کہ اس کا اندرونہ ظاہر ہو جائے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ مَیں نے اسے اس سے پوچھا:۔

''دو تین دن ہوئے۔ مجبولہ کی پنچائیت کا پتہ چلا تھا، مگر وہ پرائیوٹ میٹنگ تھی۔ چیدہ چیدہ ٹھاکر انہوں نے بلائے ہوئے تھے۔ کیا آپ کو بھی مدعو کیا ہوا تھا؟ کہنے لگا، مجھے بلایا تو تھا، مگر میں گیا نہیں۔ پھر بولا، اچھا، تو پھر آج رات کو ہمارے ہاں ناچ ہے۔ سب لوگوں نے آنا ہے۔ کیا آپ بھی آئیں گے؟ میں نے کہا میں تو ایسی مجلسوں میں جانے سے دوسرے لوگوں کو بھی روکتا ہوں، تو پھر میں خود کیسے جاؤں گا۔''

فرماتے ہیں، اس کے ساتھ اس قسم کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر وہ چلا گیا مگر خدا کی قدرت کہ یہی ناچ

گانے کی محفل بھوپ سنگھ کے لئے پیغام اجل ثابت ہوئی۔ وہ اس طرح کہ ناچ گانے کے دوران آگے بیٹھنے پر اس کی بعض دیگر گاؤں والوں کے ساتھ لڑائی ہوگئی۔ اُس وقت تو بچ بچاؤ ہو گیا، مگر اگلے دن جب وہ لوہار کی بھٹی پر اپنا کوئی آلہ بنوا رہا تھا، کہ رات والے تین نوجوان وہاں پہنچے اور اس کے سر پر لاٹھیاں مار مار کر اس کا کام تمام کر دیا۔ اس طرح پر خدا تعالیٰ نے آریوں کا منصوبہ خاک میں ملا کر اپنی قدرت کا نشان ظاہر فرمایا۔ چنانچہ ابھی آپ کو بھوپ سنگھ کے قتل کی خبر نہیں پہنچی تھی کہ فرماتے ہیں:

''مجھے صبح کے وقت جب اس تماشہ میں جانے والوں نے آ کر بتایا کہ رات لڑائی ہوتے ہوئے بمشکل بچی، تو میرے منہ سے بیساختہ نکل گیا کہ میرا خدا اسے نہیں چھوڑے گا۔ اسی دن دوپہر کو اس کے مرنے کی خبر آ گئی۔''

آگے فرماتے ہیں:

''ہمارے حلقہ کے تھانے میں میرا ایک دوست نرائن سنگھ تھانیدار لگا ہوا تھا، جو ترنتارن، ضلع امرتسر کا رہنے والا تھا۔ میرا پہلے ارادہ تو بنا کہ اس تک بھوپ سنگھ کی رپورٹ پہنچا دوں، مگر ابھی پہنچائی نہ تھی کہ وہ تھانیدار میرے پاس آیا اور کہنے لگا، مولوی صاحب! آپ کے حلقہ میں خون ہو گیا ہے اور آپ یہیں بیٹھے ہیں، آئیں چلیں۔ اور آپ کے دوست انسپکٹر پولیس کے نام تار دے آیا ہوں وہ بھی تھوڑی دیر تک وہاں آ جائیں گے۔''

یہ انسپکٹر پولیس غلام محی الدین خان ایک احمدی تھے اور پہلے بھی آپ سے مل چکے تھے۔ چنانچہ جب آپ نے انہیں اور تھانیدار نرائن سنگھ کو مجبولہ کی پنچائیت کا فیصلہ، بھوپ سنگھ کے سپرد کی جانے والی آپ کو قتل کرنے کی ڈیوٹی اور رات کو تماشتے والا سارا حال بتایا، تو وہ بہت حیران ہوئے۔ اس کے بعد سے وہ سکھ تھانیدار آپ کی پہلے سے بھی زیادہ عزّت کرنے لگا۔ (ملخص از ''میری یادیں'' صفحہ ۹۷ تا ۹۸)

''جو تیر خدا کے مامور کے غلام پر چلانا چاہا، وہ اس کے اپنے اوپر چل گیا''

بڑا بول بولنے کی سزا

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کے ملکانہ کے علاقہ میں قیام کے دوران خدائی حفاظت کا اسی قسم کا ایک اَور نشان بھی آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ اس کی روئیداد بتاتے ہوئے آپ تحریر فرماتے ہیں:

''ایک دفعہ نواب بقاء اللہ خان صاحب علی گنج والوں نے مجھے رقعہ بھیجا کہ میرے ماموں

صاحب مولوی ہیں اور وہ آپ سے بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ بدیں رقعہ ہذا تشریف لے آئیں۔ ان ایام میں بابو محمد اسمعیل صاحب فیروز پوری موضع گڑھی میں احمدی مبلغ تھے۔ میں نے انہیں بھی وہاں پہنچنے کے لئے پیغام بھیج دیا۔ اسی طرح میرے دو تین شاگرد بھی میرے ہمراہ چل دیئے۔ ہم فرک (ایک چھوٹی سی گاڑی) پر سوار ہو کر شہر پہنچے۔ ساتھ دو تین کتابیں بھی لے لیں۔ شہر میں میرے چار پٹھان دوست جو علی گنج کے رہنے والے تھے، مل گئے وہ بھی ساتھ ہو لئے۔ وہ میرے اس طرح واقف ہو گئے تھے کہ وہ میری بہت عزّت کرتے تھے۔ میں نے انہیں بتایا کہ نواب بقاءاللہ خان صاحب نے اس کام کے لئے بلایا ہے۔''

آگے کیا ہوا اور اس طرح یہ غیبی امداد آپ کے لئے ایک بہت بڑا سہارا ثابت ہوئی آپ فرماتے ہیں:

''ہم اکٹھے وہاں پہنچے۔ نواب صاحب کے ماموں بڑے شریف آدمی تھے۔ بڑی خندہ پیشانی سے پیش آئے۔ ان سے حیات وممات مسیح کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ مَیں نے ان کے سامنے دلائل کی قرآنی آیات سے تردید کرتا رہا۔ ان کو عقلی دلائل کی رو سے جواب دیا، جس پر انہوں نے قدرے خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ کیا خدا تعالیٰ میں یہ قدرت نہیں کہ انہیں زندہ آسمان پر لے جائے۔ میں نے کہا خدا تعالیٰ میں یہ طاقت موجود ہے۔ نہ صرف مسیح بلکہ ساری دنیا کو آسمان پر لے جائے۔ مگر یہاں اس کو قدرت حاصل ہونے کا سوال نہیں، بلکہ سوال یہ ہے کہ آیا مسیح کا آسمان پر جانا قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نہیں۔ انہوں نے اقرار کیا کہ میں آپ کے بیان کردہ دلائل پر ضرور غور کروں گا۔''

آپ فرماتے ہیں کہ نواب صاحب کے ماموں تو یہ دلائل سننے کے بعد خاموش ہو گئے مگر خود نواب صاحب (بقاء اللہ خان) بڑے طیش میں آ گئے انہیں غصہ اس بات پر آیا کہ اتنے بڑے مجمع میں میرے ماموں کی ہتک ہوئی ہے کہ قادیانی مولوی نے انہیں خاموش کرا دیا ہے۔ چنانچہ وہ اس قدر سیخ پا ہوئے کہ کہنے لگے۔ میں اس قادیانی کو زندہ نہیں جانے دوں گا۔ آگے کیا ہوا۔ حضرت مولوی صاحب فرماتے ہیں:

''ادھر سارا مجمع حیران تھا کہ اس نواب کو کیا ہو گیا ہے۔ ماموں اس کے مناظرہ نہیں کر سکے اور

غصہ پردیسیوں پر۔ اِدھر وہ نواب اس قدر آپے سے باہر ہو رہا تھا کہ اندر سے پستول نکال لایا کہ میں ابھی انہیں ختم کر دوں گا۔ ان پٹھان لڑکوں نے بڑی کوشش سے وہ پستول تو اس سے چھین لیا، مگر اب وہ تلوار لے کر میری طرف لپکا۔ وہ تلوار بھی ان لڑکوں نے چھین لی، جس سے ایک نوجوان کا ہاتھ زخمی ہو گیا۔ اب وہ نواب بے حساب گالیاں دینے اور کہنے لگا کہ اگر پٹھانوں کے محلہ میں تم کو میں نے دیکھ لیا تو جان سے مار دوں گا۔"

حضرت مولوی صاحب تو واپس آ گئے اور آپ کے وہ ساتھی بھی آپ کو گھر پہنچا کر چلے گئے مگر اس نواب سے اللہ تعالیٰ نے جس طرح انتقام لیا، وہ ایک دردناک اور عبرتناک داستان ہے۔ اس کی روئیداد بتاتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

"(اس کی) ایک ہندو کے ساتھ پرانی دشمنی چلی آ رہی تھی۔ ایک دن اس ہندو نے اپنی ران پر روئی کا گدّا رکھ کر خود ہی گولی مار لی اور شور مچا دیا کہ نواب بقاء اللہ خان نے گولی ماری ہے۔ نواب کا مکان اس کے مکان کے قریب ہی تھا۔ آخر اس پر مقدمہ دائر ہو گیا۔ جس میں اسے بہت مالی نقصان بھی اٹھانا پڑا اور بعد میں چار سال کی سزا بھگتنی پڑی۔"

غرض وہ شخص جو آپ کو اپنے شہر میں دیکھنے کے لئے تیار نہ تھا خدا نے خود اسے ہی اس شہر سے اٹھا لیا۔ آپ کو اس کا افسوس تو ہوا، لیکن فرماتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ماموروں کو گالیاں دینے والوں کا انجام اچھا نہیں ہوا کرتا۔ وہ اکثر حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو گالیاں دیا کرتا تھا۔

(بحوالہ "میری یادیں" صفحہ ۹۹ تا ۱۰۲)

"آپ نے تو میری کایا پلٹ دی ہے۔"

قتل کا ارادہ لے کر آنے والا مسیح پاک کی غلامی میں

حضرت مولوی محمد حسین صاحبؓ کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والا ایک تیسرا نشان اُس وقت کا ہے، جب آپ ملکانہ میں دو سال قیام کرنے کے بعد پھر مرکز کے حکم پر پونچھ، جموں اور کشمیر میں بھجوائے گئے۔ اس مہم میں آپ نے ریاست جموں کے ایک قصبہ بھدرواہ کو اپنا مرکز بنایا اور وہاں ایک شریف غیر از جماعت دوست اخون نامی کے مکان پر رہائش اختیار کی۔ لیکن اس مکان میں آئے ہوئے ابھی آپ کو دو ہی دن ہوئے تھے شہر کے بعض لوگ مالکِ مکان کے پاس آئے اور کہنے لگے، تم نے ایک مرزائی کو جگہ دی ہے،

اگر تم نے اسے فوراً نہ نکالا، تو سارا شہر تمہارا بائیکاٹ کر دے گا۔ اس دھمکی کا اس مالکِ مکان پر تو کوئی اثر نہ ہوا، مگر ایک خطرے کی صورت ضرور پیدا ہو گئی۔ اس بارے میں آپ فرماتے ہیں:

''ابھی مجھے یہاں پہنچے ہوئے دوسرا دن ہی ہوا تھا کہ ایک نوجوان نے آ کر بتایا کہ یہاں کے لوگوں نے آپ کو قتل کروانے کا منصوبہ بنایا ہے اور اس کام کی ذمہ داری ایک پٹھان عبد الرحمن خان نامی، نے اپنے ذمہ لی ہے۔ وہ آپ کو موقع پا کر گزند پہنچائے گا اور وہ جوش وخروش سے آپ کی تلاش میں ہے۔ میں نے کہا اگر میری موت مجھے بھدرواہ لے کر آئی ہے، تو اس سے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ آپ نے مجھے اطلاع دے دی ہے، اس لئے آپ کا شکریہ، مگر اتنا احسان ضرور کر دیں کہ خان صاحب کی مجھے شناخت کروا دیں۔ وہ بولا کہ آپ ابھی عزیز درزی کی دوکان پر آ جائیں غالباً وہ ابھی وہیں بیٹھا ہوا ہوگا میں آپ کو اشارے سے بتا دوں گا۔''

یہ درزی جس کا یہاں ذکر آیا ہے اس کے بارے میں آپ کو پہلے دن ہی پتہ چل چکا تھا کہ وہ احمدیت کا سخت مخالف ہے جس پر آپ پہلے ہی دن کپڑا خریدنے کے بہانے اس کے پاس چلے گئے تھے اور اسے ایک قمیض سینے کے لئے دے دی تھی۔ اس کے ساتھ آپ کو اسے اچھی خاصی تبلیغ کرنے کا موقع بھی مل گیا۔ اب جب مذکورہ بالا اطلاع آپ کو ملی تو آپ اس کی دوکان پر پہنچ گئے اور اس نوجوان پٹھان کو دیکھ لیا۔ جب آپ وہاں سے واپس لوٹے تو فرماتے ہیں:

''(میں) دریا کے کنارے دعا کرتے ہوئے جا رہا تھا۔ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا، تو عبدالرحمن پٹھان بھی آ رہا تھا۔ میں بھی ذرا ہوشیار ہو گیا (اور) وہاں قبرستان میں کھڑا ہو گیا۔ جب وہ میرے قریب آیا۔ تو میں نے اسے السلام علیکم کہا۔ میں نے کہا۔ خان صاحب! آپ کی طبیعت اچھی ہے؟ اس نے کہا، اچھی ہے۔ میں نے کہا آپ کا اسم شریف عبدالرحمن خان ہے؟ وہ بڑا حیران ہوا۔ پوچھنے لگا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں خان ہوں اور عبدالرحمن ہوں؟ میں نے کہا آپ جیسا میرا ایک دوست ہے، جس کا نام کرنل عبدالرحمن خان ہے۔ اس لئے محبت سے میں آپ کو اسی نام کا سمجھا۔ وہ کہنے لگا۔ میں تو آپ کا بڑا مخالف ہوں۔ میں نے کہا، مگر میرے دل میں تو آپ کی محبت جوش مار رہی ہے۔ اب خدا تعالیٰ ہی جانے کہ اس کی کیا وجہ ہے۔''

آپ فرماتے ہیں:

اسی طرح کی باتیں کرتے ہوئے جب میں نے اسے یہ بتایا کہ ہمارے لئے اپنے آقا اور دو جہاں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ بہترین مشعل راہ ہے اور اس پر عمل کرنے میں ہی ہم اپنی سعادت سمجھتے ہیں، تو وہ حیران ہو کر کہنے لگا، کیا آپ رسول پاک کو مانتے ہیں؟ آپ نے اسے جواب دیا کہ اس پاک رسولؐ کو منوانے کے لئے ہی تو مرزا صاحب (حضرت بانی سلسلہ) آئے ہیں۔ اس کا یہ سننا تھا کہ وہ دریائے حیرت میں ڈوب گیا۔

آپ فرماتے ہیں:

''(اس دوران) میں نے اسے مکمل تبلیغ کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت مسیح موعودؑ کے بارے میں کی گئی کافی پیشگوئیاں سنا دیں۔ اسی طرح موجودہ مسلمانوں کی حالت زار، علماء کا باہمی اختلاف، ان کی آپس میں کفر بازی، خدائی سلسلوں کی مخالفت، اور اکثریت کی گمراہی اور اقلیت کا صداقت قبول کرلیا، نیز حضرت صاحب کی نبوت کے فوائد بتا دیئے۔''

ان باتوں کو سن کر عبدالرحمن خان کی تو جیسے آنکھیں کھل گئیں۔ یقیناً اس کے پیچھے اس دعا کا اثر بھی کام کر رہا تھا، جو آپ اس کے لئے کرتے چلے آرہے تھے۔ چنانچہ وہ بولا:

''مولوی صاحب! آپ نے تو میری کایا پلٹ دی ہے۔ اگرچہ میں نے ابھی بیعت تو نہیں کی مگر غیر احمدی بھی نہیں رہا۔ اب مغرب کے وقت میں اپنے ایک دوست کو ساتھ لے کر آپ کے ڈیرے پر آؤں گا۔ آپ کو کوئی تکلیف تو نہیں ہوگی؟''

آپ نے فرمایا، بلکہ اگر آپ تشریف نہ لائے، تو ضرور تکلیف ہوگی۔ یہ کہہ کر آپ نے اسے خدا حافظ کہا اور رخصت ہو کر واپس چل دیئے۔ جب آپ اپنے مکان پر (یعنی اخون صاحب کے ہاں جہاں آپ ٹھہرے ہوئے تھے) پہنچے تو فرماتے ہیں:

''اخون صاحب ناراض کھڑے تھے کہ اتنی دیر کہاں رہے اور کہنے لگے، مجھے اور میری اہلیہ کو آپ کی بڑی فکر رہی ہے۔ اس جگہ کے لوگ خون کر کے ہضم کر جاتے ہیں اور آپ کی تو مخالفت ہی بہت ہے۔ میں نے سنا ہے کہ ایک پٹھان آپ کی تلاش میں پھر رہا ہے۔ وہ بڑا منہ زور ہے۔ میں نے کہا، آپ کا شکریہ! آج رات بیگم صاحبہ کو کہیں کہ میرا کھانا دوگنا پکائیں۔ شاید میرا کوئی مہمان آجائے۔ جب ہم مغرب کی نماز سے فارغ ہوں، تو میرے کہنے کے بغیر ہی آپ کھانا لے آئیں۔ کہنے لگے کہ

بہتر،مگر مہمان کہاں سے آئے گا۔ میں نے کہا چاہے اسی جگہ کا ہو۔آپ کھانا ضرور لے آنا۔‘‘

اب جب شام ہوئی اور آپ نماز سے فارغ ہوئے تو فرماتے ہیں:

’’تھوڑی دیر کے بعد عبد الرحمن خان صاحب اپنے دوست جمال الدین کو ہمراہ لے کر پہنچ گئے۔ میں نے کہا کہ یہ پانی پڑا ہوا ہے، پہلے وضو کر کے نماز پڑھ لیں۔انہوں نے اپنے حساب کے مطابق جلدی جلدی نماز پڑھ لی۔اخون صاحب کھانا لے آئے۔ میں نے بڑے اصرار سے ان دونوں کو بھی شامل کرلیا۔کھانے کے بعد سوال و جواب شروع ہو گئے۔اس طرح رات کے بارہ بج گئے اخون صاحب اوران کی اہلیہ بھی بیٹھی سنتی رہیں۔آخر جمال الدین صاحب کہنے لگے کہ مولوی صاحب! آپ کی باتیں تو ہمارے دل میں دھنس گئی ہیں اب ہم ضرورسوچیں گے۔‘‘

آپ فرماتے ہیں، اگلے روز عبد الرحمن خان اور اس کے دوست جمال الدین سمیت چار افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔اس طرح پر وہ جو آپ کے خون کا پیاسا تھا، آپ کے سچے دوستوں اور ہمدردوں میں شمار ہونے لگا اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا فضل فرمایا کہ دو ماہ کے قلیل عرصہ میں بھدرواہ کے پینتیس افراد نے بیعت کر لی۔ان کی اچھی خاصی تعداد پڑھے لکھے نوجوانوں کی تھی۔

(ملخص از ’’میری یادیں‘‘ صفحہ ۲۰۸ تا ۲۱۱)

محترم مولانا غلام حسین ایاز صاحب

آپ کے ایمان افروز واقعات میں سے چند پیش خدمت ہیں:

ایک واقعہ

۱۹۴۱ء کا ذکر ہے کہ ایک روز سنگا پور کی جامع مسجد میں جسے مسجد سلطان کہا جاتا ہے ایک ہندوستانی عالم عبد العلیم صدیقی صاحب کا لیکچر تھا۔ سنگا پور احمدیہ مشن کے پہلے مبلغ انچارج مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز مرحوم کو جب اس جلسہ کا علم ہوا تو دو تین احمدیوں کے ساتھ وہ بھی مسجد سلطان میں تشریف لے گئے۔ مولوی عبدالرحیم صدیقی صاحب نے دوران تقریر کہا کہ مرزائیوں کا قرآن اور ہے۔ وہ نہیں ہے جو کہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اترا تھا۔ اس پر مکرم مولانا غلام حسین صاحب ایاز بڑی جرأت سے مجمع میں کھڑے ہو گئے اور سب کے سامنے اپنے بیگ سے قرآن کریم نکال کر صدیقی صاحب کو چیلنج کیا کہ دیکھو یہ ہے ہمارا قرآن کریم۔ آپ اپنا قرآن کریم نکال کر مقابلہ وموازنہ کر لیں اگر ذرّہ بھر بھی فرق ہوتو تو بے شک ہمیں ملزم اور کافر قرار دیں ورنہ اس صریح غلط بیانی سے باز رہیں۔

مولوی صدیقی صاحب نے پہلے ہی مجمع کو ہمارے خلاف مشتعل کر رکھا تھا۔ مولانا ایاز صاحب کا مطالبہ سن کر انہوں نے بجائے مطالبہ پورا کرنے کے پبلک کو ہمارے خلاف مزید اشتعال دلاتے ہوئے کہا کہ ''یہ شخص تو کافر اور مرتد ہے اور اسلام میں اس کی سزا قتل ہے کوئی ہے جو مسلمانوں کو اس کافر سے نجات دلائے۔'' اس پر مجمع میں سے بعض لوگوں نے مکرم مولانا ایاز صاحب کو وہیں پر مارنا شروع کر دیا اور آدھ موا کر کے گھسیٹتے ہوئے مسجد کی سیڑھیوں تک لے گئے اور پھر نیچے دھکیل دیا۔ وہ مسجد عام سطح زمین سے کوئی بارہ چودہ فٹ اونچی ہے۔ چنانچہ مولانا ایاز صاحب مرحوم کو سر اور کمر پر شدید چوٹیں آئیں اور نیچے گرتے ہی آپ بے ہوش ہو گئے۔ آپ کے ساتھی احمدیوں کو بھی شدید طور پر پیٹا گیا تاہم وہ اپنی جان بچانے کے لئے اِدھر اُدھر ہو گئے۔

کرنل ڈاکٹر تقی الدین صاحب کی اتفاقی آمد

چنانچہ مولانا صاحب اسی طرح بے ہوشی کے عالم میں سڑک کے ایک طرف پڑے رہے اور نہ کسی نے پولیس کو اطلاع دی اور نہ خود کسی نے انھیں اُٹھا کر ہسپتال پہنچایا کیونکہ مسجد کا وہ علاقہ ہمارے شدید مخالفوں کا تھا۔ وہ دوسری جنگ عظیم کا زمانہ تھا اور ہندوستانی فوج کے ساتھ بہت سے احمدی آفیسر بھی سنگاپور میں مقیم تھے چنانچہ اس دوران کرنل ڈاکٹر تقی الدین صاحب ابن حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم رضی اللہ عنہ اپنی فوجی جیپ میں اپنے کسی کام کے سلسلہ میں ادھر سے گزرے تو سڑک کے کنارے کسی شخص کو مردے کی طرح پڑا دیکھ کر انہوں نے انسانی ہمدری کے جذبہ کے تحت وہاں اپنی جیپ کھڑی کی تاکہ اسے طبی امداد پہنچا سکیں انہوں نے مکرم مولانا ایاز کو دیکھتے ہی پہچان لیا کہ یہ تو ہمارے اپنے احمدی مبلغ ہیں چنانچہ اسی وقت انہیں اٹھا کر ہسپتال لے گئے جہاں لمبا عرصہ کے علاج کے بعد اللہ تعالیٰ کے فضل سے مولانا صاحب شفایاب ہوگئے اور یوں اللہ تعالیٰ نے غیب سے ان کی جان بچانے کا سامان فرمایا اس کے علاوہ بھی مولانا ایاز صاحب کو سنگاپور میں اس قسم کے بہت سے مظالم کا نشانہ بننا پڑا اور کئی حادثات کا شکار ہوئے مگر خدا کے فضل سے انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور سالہا سال تک اس ملک میں تبلیغ اسلام میں مصروف رہے جس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے انہیں سنگاپور اور ملایا میں کئی مخلص احمدیہ جماعتیں عطا فرمادیں جو اب تک قائم اور روبہ ترقی ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا ایاز صاحب کے درجات بلند کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ دے۔ آمین

حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مبشر

سابق امیر و مبلغ انچارج جماعت ہائے احمدیہ گھانا۔مغربی افریقہ

محترم الحاج مولانا نذیر احمد صاحب مبشر جامعہ احمدیہ سے مولوی فاضل کا امتحان اور اس کے بعد مبلغین کلاس پاس کرنے کے بعد بسلسلہ تبلیغ قادیان سے مورخہ ۲رفروری ۱۹۳۶ءکو گولڈ کوسٹ (گھانا) کے لئے روانہ ہوئے اور ۲۳ر اپریل ۱۹۳۶ءکو سالٹ پانڈ (گھانا) پہنچ گئے۔گولڈ کوسٹ میں تقریباً سوا گیارہ سال خدمت اسلام کا فریضہ ادا کرنے کے بعد مورخہ ۱۶ر ستمبر ۱۹۴۶ءکو براستہ نائیجریا چاڈ سوڈان حج بیت اللہ کے لئے سعودی عرب تشریف لے گئے۔اور فریضۂ حج کی ادائیگی کے بعد ۷رجنوری ۱۹۴۷ءکو بخیریت واپس قادیان پہنچ گئے اس کے بعد گولڈ کوسٹ کے لئے ۱۰رجنوری ۱۹۴۹ءکو پاکستان سے گھانا کے لئے بذریعہ ہوائی جہاز روانہ ہو کر دو روز بعد سالٹ پانڈ پہنچ گئے۔

وہاں سے تقریباً سوا پانچ سال کے بعد ۲ر مارچ ۱۹۵۴ءکو بذریعہ ہوائی جہاز بخیریت واپس ربوہ پہنچ گئے۔تیسری مرتبہ مولانا صاحب ربوہ سے ۲۷رجنوری ۱۹۵۵ءکو بذریعہ بحری جہاز انگلستان سے ہوتے ہوئے گھانا (گولڈ کوسٹ) پہنچے اور پھر تقریباً سات سال کام کرنے کے بعد ۳۰راگست ۱۹۶۱ءکو بذریعہ ہوائی جہاز واپس ربوہ (پاکستان) تشریف لائے اور نائب وکیل التبشیر تحریک جدید کے فرائض ادا فرماتے رہے اور ناظم دارالقضاء اور نائب صدر مجلس تحریک جدید خدمات کی توفیق ملی۔آپ کے بیان فرمودہ چند ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

ایک عالمِ دین سے چار مطالبات

۱۹۳۷ءمیں جب خاکسار گھانا کے علاقہ اشانٹی کے مرکزی شہر کماسی گیا تو میں نے وہاں سنا کہ اس شہر میں معلم عبدو نامی ایک بہت بڑے عالم ہیں جنہیں اپنے علم پر بڑا ناز ہے اور دعویٰ ہے کہ عربی صرف ونحو میں انہیں بڑی دسترس حاصل ہے۔خاکسار اپنے دو شاگردوں کے ساتھ ان کی قیامگاہ پر گیا وہ اس وقت کہیں باہر گئے ہوئے تھے لیکن میرے آنے کی اطلاع پا کر وہ لوٹ آئے اور آتے ہی مجھ سے بڑے متکبرانہ انداز میں

گفتگو کرنے لگے۔ میں نے ان کا رویہ دیکھ کر عربی میں گفتگو شروع کردی اور کہا کہ وہ ہم سے دوستانہ طور پر متنازعہ فیہ مذہبی مسائل پر گفتگو کرلیں۔ کہنے لگے میں گفتگو نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آپ نے کوئی نئی بات تو کہنی نہیں آپ سے پہلے مبلغین سے سب کچھ سنا ہوا ہے۔

چار چیلنج

چونکہ انہیں صرف ونحو میں مہارت کا دعویٰ تھا میں نے کہا آج آپ سے میں نئی باتیں ہی کروں گا اور صرف ونحو سے متعلق ہی چند مسائل آپ کو حل کرنے ہوں گے چنانچہ میں نے ان سے کہا کہ جب اللہ تعالیٰ یا ملائکہ فاعل ہوں اور کوئی ذی روح مفعول ہو اور اور لفظ توفی باب تفعل سے ہو اور کوئی قرینہ نوم یا لیل کا وہاں نہ ہو تو اس جگہ توفی کے معنی ہمیشہ موت کے ہی ہوتے ہیں جیسے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ میں قرآن مجید میں لفظ توفی آیا ہے اگر ان قیود کے ساتھ ان معنوں کے علاوہ توفی کے کوئی اور معنی آپ کسی مثال سے ثابت کر دیں تو ہم شکست خورہ سمجھے جائیں گے اور آپ کو انعام دیا جائے گا۔

دوسرا مطالبہ میں نے ان سے یہ کیا کہ جب اللہ تعالیٰ رافع ہو اور مرفوع بنی نوع انسان میں سے کوئی وہ تو پھر رفع کے معنی عزت اور اکرام وترقی درجات کے ہوتے ہیں اس کے خلاف اگر آپ ثابت کریں تو بھی آپ سچے انعام کے مستحق سمجھے جائیں گے۔

تیسرا مطالبہ میں نے یہ کیا کہ جب ظرف مقدم ہو اور فعل مضارع مستقبل مؤخر ہو تو وہ حصر کا فائدہ دیتا ہے جس طرح آیت کریمہ قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (الاعراف: ۲۶) میں تمام ظروف فعل مقدم اور فعل مضارع مؤخر ہیں حصر کا فائدہ دیتے ہیں۔ پس حضرت مسیح علیہ السلام اس قاعدہ کے مطابق آسمان پر نہیں جاسکتے تھے لہٰذا وہ اسی زمین پر زندہ رہے اور یہیں فوت ہوئے۔

چوتھا مطالبہ میں نے اس وقت ان سے یہ کیا کہ جب لفظ خاتم بفتح تا کسی قوم کی طرف مضاف ہو جیسا کہ لفظ خاتم النبیین میں ہے تو اس کے معنی ہرگز اس قوم کے بند یا ختم کرنے والے نہیں ہوتے۔ عربی زبان میں اس کے معنی ہمیشہ ختم اس قوم کے اعلیٰ فرد کے ہوتے ہیں۔ جیسے ابوتمام شاعر اپنے ایک مرثیہ میں کہتے ہیں:

فُجع القریض بخاتَمِ الشعراء　　وغدیر روضتھا جیب الطائی

اس شعر میں شاعر نے اپنے ممدوح شاع جیب الطائی کا خاتَم الشعراء کہا ہے۔ حالانکہ مرثیہ کہنے والا خود بھی شاعر تھا اور اسکا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس کے ممدوح شاعر کے بعد اب کوئی شاعر نہیں ہوگا۔ ایسے ہی

خاتَمة المحدثين اور خاتَم المفسرين وغیرہ کا محاورہ بھی استعمال ہوتا ہے۔جس کے معنی اس زمرہ یا گروہ کے اعلیٰ فرد ہوتے ہیں نہ کہ ختم کرنے والے کے۔

میرے یہ چاروں مطالبات سن کر شیخ عبدوا یسے مبہوت ہو گئے کہ ان سے اس وقت کوئی جواب نہ بن پڑا اور نہ میرے ان پیش کردہ امور کو بجا تسلیم کرنے کے لئے تیار ہوئے۔ چنانچہ ان کے اس غیر معقول رویہّ کا انکے اپنے شاگردوں پر بھی نہایت برا اثر ہوا اور حقیقت حال ان پر واضح ہوگئی۔

زلزلہ کا نشان اور احمدیت کی ترقی

جولائی ۱۹۳۹ء کا واقعہ ہے کہ گھانا کی ڈگو یہہ قوم کا ایک نوجوان حج بیت اللہ اور دینی تعلیم کی تکمیل کے بعد مکہ مکرمہ سے واپس آ کر غانا کے ایک گاؤں صراحہ نامی میں قیام پذیر ہو گیا اور غالباً اپنی اہمیت کو بڑھانے کیلئے اس نے ہمارے خلاف پراپیگنڈہ شروع کر دیا کہ میں مکہ سے آیا ہوں اور امام مہدی کا ظہور ابھی نہیں ہوا۔احمدی یونہی غلط بیانی کرتے ہیں۔ جب اس کا پراپیگنڈا کچھ زور پکڑ گیا تو اس علاقہ کے ایک احمدی چیف رئیس محمد نامی میرے پاس سالٹ پانڈ پہنچے اور اس شخص کے زہریلے پراپیگنڈا کے ازالہ کے لئے مجھے وہاں جانے کے لئے کہا۔ میں اس وقت بعض ضروری کاموں میں مصروف تھا۔اس لئے انہیں مشورہ دیا کہ وہ میرے شاگردوں میں سے کسی کو لے جائیں لیکن انہوں نے اصرار کیا کہ میں خود وہاں جاؤں گا۔

چنانچہ میں خود اس گاؤں میں پہنچا اردگرد کی جماعتوں کے احباب بھی اس روز وہاں پہنچ گئے۔ میں نے اس مخالف نوجوان سے عربی میں گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ آمادہ نہ ہوا اور لایعنی عذر کرنے لگا۔اس پر گاؤں والوں نے خواہش ظاہر کی کہ میں علامات مہدی پر تقریر کروں چنانچہ میں نے پونے دو گھنٹہ اس موضوع پر تقریر کی جس کے بعد سامعین کو سوالات اور اعتراضات کی کھلی دعوت دی مگر کسی نے کوئی معقول سوال نہ کیا اور یوں خاکسار ایک رات اس گاؤں میں قیام کر کے واپس سالٹ پانڈ آ گیا۔

غانا کا یہ ملکی رواج ہے کہ کسی امر میں باہمی مقابلہ ہونے کے بعد جو پارٹی فاتح ہو وہ فتح کے نشان کے طور پر سفید لٹھے کی پٹیاں اپنے سروں اور ہاتھوں پر باندھ کر اور سفید جھنڈے ہاتھوں میں لے کر شہر میں جلوس نکالنے اور ناچتے ہوئے اپنی فتح کا اعلان کرتے ہیں۔ چنانچہ میری اس گاؤں سے واپسی پر بھی اپنی جھوٹی فتح کے اعلان کے لئے ہمارے مخالفین نے اسی طرح شہر بہ شہر اور دیہہ بہ دیہہ جلوس نکال کرناچتے ہوئے ان الفاظ میں گانا شروع کر دیا کہ:

''ہماری فتح ہوئی ہے مہدی ابھی نہیں آئے کیونکہ زلزلہ نہیں آیا۔مہدی ظاہر ہو گیا ہوتا تو زلزلہ ضرور آتا۔''

جب مجھے ان کی اس حرکت کی اطلاع ملی تو میں نے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک ہفتہ بڑے الحاح اور درد سے دعا کی کہ یا الٰہی ان مخالفوں کے مطالبہ کے مطابق اور صداقت مہدی علیہ السلام کے اظہار کے لئے زلزلے کا نشان دکھا۔ چنانچہ مجھے یقین کامل ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ اب اس ملک میں زلزلہ کا نشان ضرور دکھائے اور میں نے اس علاقہ کے تین مقامات پر جلسے کئے اور ہر جگہ تمام واقعات بیان کر کے اعلان کر دیا کہ اب مہدی علیہ السلام کی صداقت کے اظہار کے لئے زلزلہ ضرور آئے گا اور ان زلازل کا ذکر بھی کیا جو اس سلسلہ میں پہلے آچکے تھے۔ چنانچہ ابھی دو ہی مقام پر جلسہ ہوا تھا اور تیسرے مقام کی جگہ کا انتظام کیا جا رہا تھا کہ جمعرات اور جمعہ کی درمیانی رات کو عشاء کے وقت سارے گھانا میں شدید زلزلہ آیا۔ زلزلہ سے دوسرے روز جب میں اپنے ہیڈ کوارٹر سالٹ پانڈ واپس جا رہا تھا تو جہاں سے میں گزرتا لوگ مجھے دیکھ کر تعجب کرتے ہوئے کہتے ''اس شخص نے کہا تھا کہ زلزلہ ضرور آئے گا جو آگیا ہے'' اور مشرکین اور عیسائی بھی اپنے دوتارے بجا بجا کر اعلان کرنے لگے کہ مسلمانوں کا مہدی آگیا ہے کیونکہ زلزلہ آگیا ہے۔

اس زلزلہ کے بعد میں نے ایک ٹریکٹ اس موضوع اور ان حالات پر عربی اور انگریزی میں لکھا جس میں آمد امام مہدی علیہ السلام کی بشارت تھی چنانچہ اس کے بعد ایک ماہ کے اندر اس علاقہ میں ۱۸۰ افراد بیعت کر کے جماعت میں داخل ہو گئے۔ **فالحمدُ للہِ تعالیٰ**۔

ایک ڈویژنل انسپکٹر کی غلط بیانی اور اس پر ندامت

گھانا میں قیام کے دوران یہ خاکسار جماعت کا امیر اور مبلّغ انچارج ہونے کے علاوہ احمدیہ سکولز گھانا کا جنرل مینیجر بھی تھا۔ ایک مرتبہ ایک ڈویژنل انسپکٹر آف سکولز مسٹر اسلفی کوامانا ٹا قصبہ میں ہمارے سکول کے معائنہ کے لئے گئے اور معائنہ کے بعد انہوں نے ایک رپورٹ ڈائریکٹر آف ایجوکیشن کو بھیجی جس میں ضمنی طور پر ہمارے خلاف یہ شکایت بھی کی کہ جماعت احمدیہ امانا ٹا نے انہیں بطور رشوت مرغیاں پیش کی تھیں تا کہ احمدیہ سکول کو سنٹر گریڈ تک کر دیا جائے اور اپنی اس رپورٹ کی نقلیں انہوں نے علاقہ کے ڈسٹرکٹ کمشنر اور لوکل اتھارٹی کو بھی بھیجیں۔

جب ڈائیریکٹر آف ایجوکیشن نے اپنے خط کے ساتھ مجھے اس رپورٹ کی نقل ارسال کی تو میں نے اس معاملہ کی تحقیق کے لئے مشن کے جنرل سیکرٹری مسٹر جمال الدین صاحب جانسن کو اس قصبہ میں بھیجا انہوں نے وہاں سے واپسی پر بتایا کہ انسپکٹر صاحب کی رپورٹ بالکل من گھڑت تھی۔ ہماری جماعت نے انہیں کوئی بھی چیز بطور رشوت پیش نہیں کی۔ چنانچہ میں نے ڈائیریکٹر آف ایجوکیشن کو لکھا کہ ان کے انسپکٹر آف

سکولز نے صریح غلط بیانی کی ہے اور محض تعصب کی بناء پر جھوٹی شکایت کر دی ہے اور خواہ مخواہ اسکی نقول ڈی سی اور لوکل اتھارٹی کو بھیجی ہیں۔ جب کوامانا ٹا کے عیسائی چیف کو اس بات کا معلوم ہوا تو انہوں نے اس انسپکٹر مذکور کو دھمکی دی کہ ان کے خلاف عدالت میں مقدمہ کیا جائے گا۔ اس پر انسپکٹر صاحب اسسٹنٹ ڈائیریکٹر آف ایجوکیشن کی معیت میں ہمارے قانونی مشیر کے پاس پہنچے اور منت سماجت کرنے لگے کہ مقدمہ نہ کیا جائے۔ حالانکہ مقدمہ ہم نے نہیں بلکہ قصبہ کے چیف از خود کر رہے تھے۔ میں نے انہیں بلا کر بتایا کہ ہم کوئی مقدمہ نہیں کر رہے جو لوگ مقدمہ کر رہے ہیں ان سے جا کر معافی مانگیں۔ ہم اپنا معاملہ خدا کے سپرد کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہ انسپکٹر صاحب میری بہت ہی عزت کرنے لگے اور انگلینڈ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد جب وہ واپس آئے تو بھی ہمیشہ مجھ سے بڑے عزت واحترام سے پیش آتے رہے۔

ایک انذاری نشان

دوسری عالمگیر جنگ کے دوران ۱۹۴۰ء میں جبکہ خاکسار گولڈ کوسٹ (گھانا) میں بطور مبلغ انچارج کام کر رہا تھا اور سالٹ پانڈ میں مقیم تھا۔ ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے چیمبر پاٹ میں ایک سیاہ سانپ داخل ہوا ہے جس کا منہ پاٹ کے اندر کی طرف ہے اور دم پاٹ کے کنارے پر ہے۔ مجھے اس وقت بیدار ہوتے ہی یہ تفہیم ہوئی کہ کوئی دشمن میرے درپئے آزار ہے۔ چنانچہ اسی روز فجر کی نماز کے بعد میں جب مبلغین کلاس کے طلبہ کو قرآن کریم باترجمہ پڑھا رہا تھا۔ میں نے طلبہ کو بتایا کہ گزشتہ شب میں نے ایسا خواب دیکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی دشمن مجھے یا جماعت کو نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

ابھی میں یہ خواب بیان کر کے گفتگو ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ ان طلبہ میں سے ایک طالب علم مجھے مخاطب کر کے کہنے لگا۔ مولوی صاحب آپ کا خواب پورا ہو گیا ہے وہ دیکھیں ہمارے دارالتبلیغ کے گرد دو درجن پولیس کے آدمی گھیرا ڈالے کھڑے ہیں۔ چنانچہ جب میں نے نظر اٹھا کر دارالتبلیغ کی سمت دیکھا تو واقعی ہی دو درجن کے قریب پولیس کے آدمی اسے گھیرے میں لے چکے تھے۔ جب میں کلاس کو پڑھا کر فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ دارالتبلیغ کے صحن کے مشرقی دروازے کی طرف سے خفیہ پولیس کا ایک آدمی سادہ لباس میں میری طرف آ رہا ہے جس کے ہاتھ میں کچھ کاغذات ہیں میں نے ہنس کر اس سے پوچھا کہ کیا آپ میرے خلاف کوئی وارنٹ لائے ہیں۔ اس نے بھی ہنستے ہوئے جواب دیا کہ یہ آپ کی تلاشی کے وارنٹ ہیں۔ چنانچہ اس کے چند منٹ بعد ایک ہیڈ کانسٹیبل اور ایک سپاہی نمودار ہوئے اور کہنے لگے کہ تلاشی کے اس وارنٹ میں لکھا ہے کہ آپ کے پاس ٹرانسمیٹر ہے جس کے ذریعے آپ جرمنی کو خبریں پہنچا

رہے ہیں اور آپ کے پاس اسلحہ بھی ہے۔ میں نے یہ سن کر ہنستے ہوئے کہا کہ بے شک میری اور دار التبلیغ کی تلاشی لے لو اور جہاں اسلحہ اور ٹرانسمیٹر وغیرہ ہیں اپنے قبضہ میں کر لو۔

چنانچہ انہوں نے تلاشی لینی شروع کر دی اور میری اور مشن کی ہر ایک چیز اور ہر رجسٹر وغیرہ کو انہوں نے کھول کر دیکھا مگر انہیں کہیں سے بھی کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملی۔ پھر انہوں نے کہا کہ ہم احمدیہ مشن کے دفاتر کو بھی دیکھنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا وارنٹ صرف میرے نام ہے اور از روئے قانون آپ جنرل سیکرٹری اور فنانشل سیکرٹری کے دفاتر کی تلاشی نہیں لے سکتے۔ اس پر وہ رُک گئے۔ میں نے کہا اچھا میری طرف سے اجازت ہے آپ دفاتر کی تلاشی بھی لے لیں مگر وہاں سے بھی آپ کو کچھ نہیں ملے گا۔ چنانچہ دفاتر کی تلاشی پر بھی حسب سابق انہیں کچھ نہ ملا۔ پھر انہوں نے ہمارے سکول کے ہاسٹل کی بھی تلاشی لینی چاہی تو میں نے طلبہ کے نام کے وارنٹ طلب کئے جو ان کے پاس نہیں تھے۔ چنانچہ وہ ہاسٹل کی تلاشی سے رک گئے تو میں نے کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے ہوسٹل کی تلاشی بھی لے لیں مگر وہاں بھی آپ کو کچھ نہ ملے گا۔ چنانچہ ہاسٹل کی تلاشی پر بھی انہیں کوئی قابل اعتراض چیز نہ ملی۔ دار التبلیغ کے صحن میں پانی کی ایک ٹینکی خالی پڑی تھی اسے بھی انہوں نے اُلٹا پلٹا کر دیکھا۔ مگر وہاں سے بھی کچھ نہ مل سکا۔

جب انہوں نے تلاشی ختم کر لی تو انسپکٹر پولیس مسٹر ہانس بھی آ گئے اور یہ معلوم کر کے کہ پولیس کو کوئی قابل اعتراض سے نہیں مل سکی وہ مجھے کہنے لگے میں آپکی ذاتی فائلیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے ایک ایک کر کے تمام فائلیں دیکھیں مگر کوئی مشکوک کاغذ انہیں نہ مل سکا اور وہ شرمندہ ہو کر مجھے کہنے لگا معاف فرمائیں میں نے آپ کو تکلیف دی ہے۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں ہے آپ نے تو اپنی ڈیوٹی ادا کی ہے۔ اتنے میں انہیں اطلاع ملی کہ وہاں سے قریب ہی ایک گاؤں میں شراب کشید کی جا رہی ہے چنانچہ وہ اسی وقت اس گاؤں کو روانہ ہو گئے۔ وہاں انہوں نے ابھی شراب کی بوتل اپنے ہاتھ میں پکڑی تھی کہ متعلقہ مجرم نے کسی طرح وہ بوتل ان کے ہاتھ سے توڑ دی جس سے ان کا ہاتھ بری طرح زخمی ہو گیا اور انہیں اسی وقت ایمبولینس میں علاج کے لئے سالٹ پانڈ کے ہسپتال میں لے جایا گیا۔ وہاں کی عیسائی پبلک نے انہیں شرمندہ کرتے ہوئے انہیں کہا کہ دراصل تم یہ مولوی مبشر کی، جو ایک شریف آدمی ہے، بلا سبب تلاشی لینے کا خمیازہ بھگت رہے ہو۔ چند دن کے بعد ان کے ہاتھ کے زخم ذرا درست ہوئے تو سالٹ پانڈ سے کیمپ کوسٹ جاتے ہوئے ان کی کار کی ایک بس سے ٹکر ہو گئی اور وہ کار سمیت ایک خندق میں جا گرے۔ جب

انہیں سالٹ پانڈ لایا گیا تو ان کی بیوی نے انہیں ملامت کرتے ہوئے کہا کہ اگر خیر چاہتے ہو تو احمدیوں کے امیر مولوی مبشر سے معافی مانگ لو۔ چنانچہ اُس نے معافی مانگتے ہوئے ندامت کا اظہار کیا۔

دراصل یہ شرارت ایک متعصب اسسٹنٹ کمشنر کی تھی جو رومن کیتھولک تھا۔ چنانچہ یہ تلاشی وغیرہ کا سلسلہ ختم ہوا تو میں نے چیف کمشنر کے پاس پہنچ کر شکایت کی کہ آپ کی پولیس نے اس طرح ہمارے خالص مذہبی اور تبلیغی مشن سے زیادتی کی ہے اس پر اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو کس پر شک ہے میں نے کہا کہ اسسٹنٹ کمشنر سالٹ پانڈ نے یہ سب کچھ کروایا ہے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بعد اس کی تبدیلی اشانٹی کر کے اسے ڈپٹی کمشنر بنا دیا گیا۔ اس پر میں نے تہجد میں دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ میرے مولا! وہ شخص جس نے تیرے دین کی توہین کی یا کرائی ہے اسے یہ ترقی کیسی؟ یعنی اسے تو عبرتناک سزا ملنی چاہئے تھی۔ چنانچہ میری اس دعا کے چند دن بعد اس متعصب دشمن اسلام پر بلیک واٹر فیور یعنی کالے خونی بخار کا نہایت سخت حملہ ہوا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا اور راہی ملک عدم ہو گیا۔

صداقت مسیح موعودؑ کے متعلق ایک خواب

ایک رات جب کہ میں سالٹ پانڈ (غانا) کے احمدیہ مشن ہاؤس میں سویا ہوا تھا تو میں خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ گویا یوم محشر ہے اور لوگ بڑے وسیع وعریض میدان میں گیلریوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے چہرے چمک رہے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میدان میں مغرب کی طرف چہرہ مبارک کئے ہوئے تقریر فرما رہے ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دو تین قدم کے فاصلہ پر نہایت ادب سے کھڑے ہیں اور یہ خاکسار حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیچھے چند قدم کے فاصلہ پر کھڑا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بڑے پر جلال انداز میں تقریر فرما رہے ہیں اور پھر تقریر کے دوران ہی حضورؐ نے پیچھے مڑ کر دیکھا اور اپنے دائیں ہاتھ کی انگلی سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف اشارہ کر کے بڑے جوش سے فرمایا۔ ''یہ میرا مسیح موعود ہے یہ میرا مسیح موعود ہے۔'' اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

ایک خطرناک جنگلی آدمی سے بچاؤ

ایک مرتبہ ۱۹۴۱ء میں تبلیغی دورہ کے سلسلہ میں خاکسار کو گھانا کے علاقہ گورمو واہ کے ایک گاؤں ''اباؤ کہہ'' جانا پڑا۔ اس گاؤں تک پہنچنے کے لئے ایک دریا عبور کرنا پڑتا تھا۔ جاتے ہوئے تو ہمیں کشتی مل گئی مگر وہاں سے واپسی پر میری راہنمائی کے لئے جو احمدی نوجوان میرے ساتھ تھا وہ جنگل میں دریا کے اصل

گھاٹ کا راستہ بھول گیا اور ہم جنگل میں گھومتے ہوئے دریا پر ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں گھاٹ نہیں تھا۔ چنانچہ وہ مجھے کہنے لگا کہ آپ یہاں میرا انتظار کریں میں گھاٹ کا پتہ چلاتا ہوں اور پھر وہ مجھے اکیلا چھوڑ کر جنگل میں گھاٹ تلاش کرنے چلا گیا۔

میں عین دریا کے اوپر اپنا سوٹ کیس اور چھتری سنبھالے ہوئے بیٹھا تھا کہ اتنے میں نائیجریا (Nigeria) کا ایک باشندہ جنگل سے نمودار ہوا جس کے ہاتھ میں خنجر تھا وہ دریا کے شمالی جانب تھا اور میں اس سے پانچ دس گز کے فاصلہ پر دریا کے بہاؤ کی جانب جنوب کی طرف۔ وہ میرے سامنے کھڑا ہاتھ میں خنجر پکڑے میری طرف بغور دیکھ رہا تھا۔ میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہوسکتا ہے یہ مجھ پر حملہ کرنے کی سوچ میں ہو اس لئے میں یک دم کھڑا ہو گیا اور اپنی چھتری کو دفاع کے لئے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ تاکہ اس کے وار کرنے پر کم از کم اس کا پہلا وار تو میں اپنی چھتری کے ذریعہ روک سکوں۔ اسی اثنا میں اس شخص نے میری طرف پیٹھ پھیر لی پھر چند لمحوں کے بعد جب وہ میری طرف مڑا تو اس کی آنکھوں میں خون تھا یعنی بالکل سرخ تھیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ اب وہ مجھ پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ وہ مجھے مخاطب ہو کر انگریزی میں کہنے لگا کہ تیرے ساتھی کہاں گئے میں نے فوراً اسے انگریزی میں زوردار آواز میں گرج کر جواب دیا کہ وہ یہیں ہیں۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جب میں نے کہا تو جنگل سے میرے ساتھی نوجوان کے بھاگتے ہوئے آنے کی آواز آئی جسے سن کر وہ نائیجیرین شخص فوراً جنگل میں غائب ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس کے شر سے بچا لیا۔

اس کے کچھ عرصہ بعد اسی علاقہ کے ایک افریقن مبلغ مسٹر یعقوب احمد صاحب سالٹ پانڈ میں مجھ ملنے آئے تو میں نے یہ واقعہ اور اس جنگلی آدمی کا حلیہ وغیرہ ان کے سامنے بیان کیا۔ جس پر انہوں نے مجھے بتایا کہ جس شخص کے متعلق آپ نے یہ واقعہ بیان کیا ہے اس قسم کے حلیہ اور ڈھانچے کا ایک نائیجیرین شخص احمدی ہو گیا ہے ممکن ہے وہی ہو چنانچہ ایک دوسرے موقع پر جب میں دوبارہ ''آباؤ کہہ'' گاؤں گیا۔ تو واقعی میں نے خطبہ جمعہ میں اس شخص کو جس نے جنگل میں مجھ پر حملہ کرنے کی ٹھانی تھی۔ اپنی مسجد میں اپنے سامنے ہی خطبہ سنتے ہوئے دیکھا تاہم میں نے اسے وہ واقعہ یاد دلانا یا جتلانا مناسب نہ سمجھا اور وہ بھی شرم کے مارے مجھے نہ ملا مگر میں نے وہاں کے مذکورہ بالا لوکل معلم مسٹر یعقوب احمد صاحب کو بتا دیا کہ ہاں اسی شخص سے جنگل میں میرا سامنا ہوا تھا۔

❁❁

حضرت مولانا ظہور حسین صاحب

مجاہد اوّل روس وبخارا

حضرت مصلح موعودؓ کے عظیم دور کے عظیم سپوتوں میں حضرت مولانا ظہور حسین صاحب کا نام بھی ہمیشہ یادرہے گا۔آپ حضرت مصلح موعودؓ کی تحریک روس میں تبلیغ حق کے لئے چل پڑے۔وہاں آپ کو پکڑ لیا گیا اور انگریز کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگا کر دوسال قید خانے کی سخت اذیتوں اور تکلیفوں میں رکھا گیا۔ آپ نے اپنے حالات خود تحریر فرمائے۔آپ کی آپ بیتی پڑھنے والے ہر قاری کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوجاتے ہیں۔آپ فرماتے ہیں:

''پیٹھ پر تیزابی مادے میں کئی گھنٹے تک بھیگے رہنے کی وجہ سے بڑے بڑے چٹاخ اور زخم بن چکے تھے۔حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب (خلیفۃ المسیح الرابعؒ) نے بچپن اور آغاز جوانی میں کئی مرتبہ میری پیٹھ پر وہ زخم دیکھے تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتی تھیں۔''

(مولوی ظہور حسین مجاہد اول روس وبخارا صفحہ 84)

بارہا ایسی گھڑیاں آئیں کہ آپ کی زندگی کی شمع گل ہوتی دکھائی دینے لگی۔مگر اس کے پیچھے خدا کے خلیفہ کی متضرعانہ دعائیں تھیں جنہوں نے ہر بار اس شمع کی لَو کو بجھنے سے بچایا۔بالآخر آپ معجزانہ طور پر رہا ہوگئے اور قادیان پہنچے۔آپ کے اپنے الفاظ میں رہائی کا واقعہ درج ذیل ہے:

(آپ بیتی مجاہد اوّل روس وبخارا صفحہ 84)

ہسپتال میں چند ماہ نہایت امیرانہ ٹھاٹھ کے ساتھ گذار کر جب واپس جیل خانہ میں آیا تو مجھے معلوم ہو چکا تھا کہ میری رہائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔چنانچہ آخری بار جب میں بورڈ کے سامنے پیش ہوا تو اس میں تقریباً دو درجن روسی افسر کرسیوں پر بیٹھے تھے میں نے حاضری کے بعد سب حضرات کو السلام علیکم کہا اور ساتھ ہی اس کا ترجمہ بھی روسی زبان میں کر دیا۔ایک افسر نے مجھے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس اثنا میں سب سے بڑا افسر جو درمیان میں بیٹھا تھا وہ میری طرف متوجہ ہوا اور مجھ سے پوچھا کیا تم خدا کی ہستی کے

قائل ہو؟ میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور کسی قدر بلند اور جذباتی آواز میں کہا ”میں نہ صرف خدا کو مانتا ہوں بلکہ ذاتی طور پر اس کی قدرت اور طاقت سے واقف ہوں۔ وہاں ہال میں لینن کی ایک بڑی تصویر لٹکی ہوئی تھی۔ میں نے اس تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس شخص نے بہت بڑی غلطی کا ارتکاب کیا۔ جب اس نے خدا کی ہستی کا انکار کیا۔ میرے یہ الفاظ سن کر تمام افسروں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے“ ان میں سے ایک نے پوچھا، ”کیا تم اس شخص کو جانتے ہو؟ میں نے جواب دیا کہ میں ذاتی طور پر لینن کو نہیں جانتا، لیکن میں نے بہت سی کتابوں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔ بے شک لینن دنیاوی لحاظ سے ایک بہت بڑا انسان تھا وہ نہ صرف روسی انقلاب کا باپ تھا بلکہ ایک ایسے نظریہ کا موجد بھی تھا جو اس کے خیال میں غریب اور امیر کے فرق کو مٹانے والا تھا۔ اس کے خیالات آزادی اخوت اور مساوات کے بارے میں تو کسی حد تک سمجھے جا سکتے تھے لیکن اس نے دنیاوی برائیوں کا جو علاج تجویز کیا تھا وہ میرے خیال میں صحیح نہیں تھا۔ نیز خدا تعالیٰ کی ہستی کے انکار سے دنیا میں نہ برائی پہلے کبھی مٹی اور نہ آئندہ کبھی مٹ سکے گی ہمارا خدا ازلی ابدی ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے انسان کے قصور معاف کرتا ہے وہ ہمارا آسمانی باپ ہے اور تمام مخلوق اس کی عیال کی طرح ہے۔ اس کی نظر میں تمام انسان، مرد عورت، بچے بوڑھے سب برابر ہیں“۔ ایک افسر نے مجھ سے پوچھا کہ میں نے روسی زبان کہاں سے سیکھی؟ میں نے جواب دیا کہ جیل میں سیکھی جب میں اشک آباد اور تاشقند میں قید تھا تو وہاں یہ زبان سیکھنے کا موقع مل گیا۔ ایک افسر بولا کہ اپنے متعلق کچھ بیان کرو! میں نے ان کو بتایا کہ میں احمدی جماعت سے تعلق رکھتا ہوں اور احمدیہ مشنری ہوں۔ ہمارا کام یہی ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں جانا اور لوگوں کو بتانا کہ ان کا ایک زندہ خدا ہے جو اب بھی اپنے بندوں سے کلام کرتا ہے اور ان کی رہنمائی فرماتا ہے۔ یہ انگریز کی جاسوسی کا معاملہ نہ صرف مضحکہ خیز ہے بلکہ حقیقت سے بھی کوسوں دور ہے۔ ایک نوجوان لڑکا جو صرف عربی اور اردو جانتا ہے کسی یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ بھی نہیں ہے، وہ فارسی جانتا ہے نہ روسی زبان انگریز حکومت اتنی بے وقوف اور نا اہل نہیں کہ اپنے جاسوسوں کو پاسپورٹ بھی مہیا نہ کر سکے کہ سرحد پار کرتے ہی پکڑے جائیں۔ میں نے روس میں دو سال گذارے ہیں میں تجربہ سے جانتا ہوں کہ روسی لوگ فطرۃً شریف آزاد خیال اور متعصب نہیں ہیں۔ ان میں سے اکثر ایسے ہیں، جو عدل اور انصاف سے محبت رکھتے ہیں اور ظلم سے نفرت۔

میں جب تقریر ختم کر چکا تو تمام روسی افسران کھڑے ہو گئے اور اکثر نے مجھ سے مصافحہ کیا۔ ان میں ایک خاتون بھی تھی اس سے میں نے ہاتھ ملانے سے پرہیز کیا تو وہ ناراض ہوئی لیکن میرے وجہ بتانے پر

خوش ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے کہ افسروں پر میری تقریر کا بہت اچھا اثر ہوا اور اکثر ان میں سے میری باتوں سے مطمئن نظر آتے تھے۔ میں شاید پہلے بتانا بھول گیا کہ جب میں ہسپتال میں تھا تو ایک دن چھ سات نوجوان عورتیں میرے پاس آئیں پہلے تو الٹے سیدھے سوال کرتی رہیں لیکن آخر میں انہوں نے بتایا کہ تمہاری رہائی کا فیصلہ ہوگیا ہے اور عنقریب تم اپنے وطن واپس جاؤ گے۔

روسی سرد موسم ہر ایک شہری کے منہ میں ایک تلخ ذائقہ چھوڑ کر اب آہستہ آہستہ رخصت ہو رہا تھا۔ سردی کا موسم روس میں ایک بڑا عذاب ہے۔ مائیں اپنے بچوں کو ڈراتی ہیں کہ فلاں کام جلدی سے کرلو ورنہ جب برف پڑنی شروع ہوگئی تو گرم کپڑے نہیں ملیں گے۔ سڑکوں پر اور بازاروں میں لوگ خال خال ہی نظر آتے ہیں، سینما اور تھیٹر بھی اپنی رونقیں کھو بیٹھتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا کہ سارا ملک یکدم بوڑھا یا بیمار ہوگیا ہے۔ لیکن جونہی فروری کے اواخر اور مارچ کی ابتدا میں درختوں پر چھوٹی چھوٹی پتیاں نمودار ہوتی ہیں لوگ گھروں سے نکلنا شروع ہو جاتے ہیں اور جب مئی کا مہینہ آتا ہے تو جیسے ہمارے ملک میں کہتے ہیں ؎

مئی کا آن پہنچا ہے مہینہ لگا بہنے پسینہ ہی پسینہ

تو روس میں بھی مئی میں میلے کا سماں ہوتا ہے۔ بازار اور شہر کی گلیاں لوگوں سے بھر جاتی ہیں۔ اور زندگی دوبارہ لوٹ آتی ہے۔ آج کل میں بھی مزے میں تھا۔ پوچھ نہ گچھ سب کچھ ختم ہو چکا تھا۔ جیل کا عملہ اب بالکل لاتعلق سا ہوگیا تھا۔ میری نگرانی میں جو سختی تھی اس کا اب نام ونشان بھی نہ تھا۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ایک آنے والی بہار کا پیش خیمہ ہے۔ میری جسمانی حالت کچھ ایسی اچھی نہیں تھی ہسپتال میں جو گلچھڑے اڑائے تھے وہ جیل میں آتے ہی ختم ہو گئے تھے۔ میں بالکل دبلا پتلا نظر آتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی لمبی بیماری سے شفایاب ہوا ہوں۔ میں اپنی رہائی کے لئے اب بھی راتوں کا اکثر حصہ دعاؤں میں گذارتا تھا اور اللہ تعالیٰ نے بار بار مجھے خبر دی کہ گھبراؤ نہیں تمہاری رہائی قریب ہے بلکہ دروازے پر ہے۔ پھر سب کچھ یکا یک آناً فاناً ہوگیا ایک دن صبح کے وقت جبکہ سورج ابھی نکلا ہی تھا کہ میرے کمرے کا دروازہ کھلا اور وارڈن اندر داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا اس نے میرا نام پکارا اور اعلان کیا کہ تمہاری رہائی کا حکم ہوگیا ہے۔ اس اعلان کے ساتھ ہی اس نے مجھے 50 روبل دیئے اور کہا کہ اپنی ضروریات کی چیزیں خریدلو۔

اس نے کاغذ پر میرے دستخط لئے اور پھر مسکراتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ میرے لئے آج عید کا دن تھا۔ احمدیت محض ایک عقیدے کا نام نہیں ہے۔ یہ دراصل خدا اور بندے کے درمیان ایک ذاتی عہد کا نام ہے۔ ''جے توں میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو'' (مولوی ظہور حسین مجاہد اول روس و بخارا صفحہ 111 تا 114)

محترم ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب کامٹی آف کراچی

پیدائش ونسب

میرا سابق نام سردار منگل سنگھ ولد سردار بڈھا سنگھ نمبردار ساکن موضع کونٹھ ہے جو قادیان دارالامان سے شرقی جانب تین میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ میری پیدائش غالباً ۲۸ رجنوری ۱۸۹۸ء ہے۔ ہم ''مونے سکھوں'' میں سے تھے۔

تعلیم

میں نے پرائمری تک تعلیم موضع کوٹ ٹوڈر میں حاصل کی وہاں کا مدرس لالہ امرناتھ سنگھ کنجروڑ تحصیل شکر گڑھ کٹر آریہ تھا جس نے مجھے دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ پورا آریہ بنالیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ میرے اندر اس نے مذہب کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ پرائمری پاس کرنے کے بعد مجھے تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان میں سپیشل کلاس میں داخل کیا گیا۔ اس وقت وہاں کے ہیڈ ماسٹر حضرت مولوی شیر علی صاحب بی۔اے مفسر قرآن رضی اللہ عنہ تھے۔ چونکہ میں نیا نیا آریہ تھا مذہبی شوق رکھتا تھا تو میں مذہب کے بارے میں بڑی جستجو رکھتا تھا۔ اس وقت تعلیم الاسلام ہائی سکول کچی عمارت میں تھا۔

ایک اہم واقعہ

ہماری کلاس کے مسلمان طلباء کو حضرت مولوی عظیم بخش صاحب پٹیالوی والد ماجد مولوی بشیر احمد صاحب دینی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ہندو اور سکھ طلباء کو اس پیریڈ میں چھٹی ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ہندو اور سکھ طلباء کلاس میں اس وقت جبکہ قرآن شریف پڑھا جارہا تھا شور کررہے تھے۔ میں نے طلباء کو کہا کہ جیسے ہمارا گرنتھ صاحب مقدس ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے قرآن شریف مقدس ہے۔ ہمیں احتراماً خاموش رہنا چاہئے یا باہر چلے جانا چاہئے۔ میں نے تو اپنی دانست میں بڑی اچھی بات کی مگر مولوی صاحب موصوف نہایت غضب ناک ہوکر فرمانے لگے۔ ''کہاں راجہ بھوج اور کہاں گنگو تیلی'' اور دوسرے فقرے

میں کہا۔ ”کہاں کلامِ ربّانی اور کہاں خرافاتِ انسانی۔ چہ نسبت خاک رابا عالمِ پاک“۔ ان کے اس فقرے نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ جسے ہم متبرک آسمانی صحیفہ سمجھ رہے ہیں یعنی جو کتاب ہمارے گرنتھ صاحب کی ہے وہ دراصل محض انسانی کلام ہو۔ اس کے متعلق ضرور ہمیں پوری معلومات حاصل کرنا چاہئے۔ ان کے اس فقرے نے میرے کان کھول دیئے اور اس دن سے اپنے اساتذہ کی باتیں بڑی توجہ سے سننے اور ان کی حرکات وسکنات بغور دیکھنے لگا۔

اساتذہ

میرے اساتذہ جن کے نام مجھے یاد ہیں یہ ہیں:

(۱) شیخ محمد یوسف صاحبؓ (سابق سردار سورن سنگھ)

(۲) حضرت مولوی عبدالرحیم صاحبؓ نیّر (۳) حضرت نعمت اللہ صاحبؓ گوہر

(۴) صاحبزادہ حضرت پیر منظور محمد صاحبؓ (۵) خان عبدالعزیز صاحبؓ ایمن آبادی

ایک گیانی کو لاجواب کرنا

میرے دورانِ قیامِ قادیان کا ہی ذکر ہے کہ جب سکھوں کا جوش وخروش ختم ہو گیا اور فضا صاف ہو گئی تو میں کبھی کبھار اپنے گاؤں موضع کونٹھ میں اپنے والدین سے ملنے جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب میں وہاں گیا تو میرے والدین نے ایک سکھ گیانی کو میرے سمجھانے کے لئے خاص طور پر بلایا ہوا تھا۔ رات کو ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے مذہبی گفتگو ہوتی رہی۔ جو وہ سوالات کرتا تھا میں جوابات دیتا تھا۔ کبھی میں سوالات کرتا تھا وہ جوابات دیتا تھا۔ بالآخر لمبی گفتگو سے تنگ آ کر اس نے اپنے خیال میں ایک بہت بڑا وزنی سوال مجھ پر کیا کہ عبدالرحمٰن تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہیں خدا نے سکھوں کے گھر پیدا کیا لیکن اب تم مسلمان ہو گئے ہو گویا تمہاری نگاہ میں خدا تعالیٰ نے سکھوں کے گھر میں پیدا کر کے غلطی کی اور تم نے مسلمان ہو کر یہ خدا کی آپ غلطی نکالی ہے۔ اس کے اس سوال پر تمام اہل مجلس میرا جواب سننے کے لئے میری طرف نظریں اٹھا کر بے تابانہ دیکھنے لگے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے فی الفور اس کا یہ جواب سکھایا۔ میں نے کہا۔ گیانی صاحب میں نے تو خدا تعالیٰ کی کوئی غلطی نہیں نکالی۔ البتہ اس کی بھیجی ہوئی ہدایت پر عمل کیا ہے لیکن تم اپنے اعتراض کی بناء پر خود خدا تعالیٰ کی کئی غلطیاں نکالنے کے مرتکب ہو رہے ہو کہنے لگا۔ وہ کیسے؟ میں نے

کہا۔ جب سے تم پیدا ہوئے ہوتم غلطیاں ہی نکال رہے ہو۔ میں نے کہا۔ بتاؤ کہ جب تم پیدا ہوئے ننگے پیدا ہوئے تھے یا کپڑے پہن کر آئے تھے؟ ساری دنیا جانتی ہے کہ تم ننگے پیدا ہوئے تھے اور اب تم نے کپڑے پہن رکھے ہیں۔ پھر تم نے کڑا نہیں پہنا ہوا تھا اور اب تم نے کڑا پہنا ہوا ہے۔ یعنی کیا یہ پانچ ککّے پیدا ہوتے وقت ساتھ لائے تھے؟ پھر تم نے یہ تبدیلی کیوں کی۔ پھر خدا نے ماں کے ذریعے تمہیں دودھ پلایا تھا اور اب تم روٹیاں پکا کر کھاتے ہو۔ حالانکہ اس نے تمہارے لئے صرف گندم اُگائی ہے۔ تم بالیاں سمیت اس کو کیوں نہیں کھاتے جاتے۔ کیوں پیستے ہو اور کیوں پکاتے ہو۔ کیا تم اس طرح خدا تعالیٰ کی غلطیاں نہیں نکالتے؟ اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو ہم اپنی عقل سے اپنی زندگی کی ضروریات کا سامان کرتے ہیں۔ اس پر میں نے کہا کہ جب تم اس فانی جسم کے لئے اتنی تدابیر اختیار کر سکتے ہو تو کیا مجھے یہ حق حاصل نہیں کہ اپنی روح کی بقا اور نجات کے لئے خدا کی راہنمائی کو قبول کروں اس پر وہ لاجواب ہو کر میرے والدین سے کہنے لگا کہ آپ کا یہ بیٹا اب سدھرنے والا نہیں۔

ایک عیسائی پادری کا لاجواب ہونا

دورانِ قیام لاہور میڈیکل کالج ہوسٹل کا واقعہ ہے کہ وہاں کالج کے ہوسٹل میں میرے ساتھ کئی دوسرے طلباء بھی مقیم تھے۔ جنہیں میں تبلیغ کرتا رہتا تھا۔ ایک طالبعلم جن کا نام جلال الدین تھا۔ جو میرا کلاس فیلو ہونے کے علاوہ روم فیلو بھی تھا وہ کافی عرصہ سے عیسائیت سے متاثر تھا ایک دن میں نے انہیں ایک انگریز پادری کے نام درخواست لکھتے ہوئے دیکھ لیا۔ جس پر میں انہوں نے لکھا تھا کہ ’’مجھے دین اسلام میں کوئی حقیت نظر نہیں آتی اور مسلمانوں کی حالت بھی بہت گری ہوئی ہے۔ مجھے دین مسیح میں سچائی نظر آتی ہے اور مسیحی لوگ بھی اچھے با اخلاق اور Forward ہیں اس لئے میں بپتسمہ لینا چاہتا ہوں۔ مہربانی فرما کر آپ مجھے وقت دیں۔‘‘ میں نے جب ان کی یہ درخواست دیکھی تو میرے دل میں ایک زبردست تحریک پیدا ہوئی کہ انہیں پُر حکمت طریق سے اس ارادے سے باز رکھنا چاہئے۔ میں نے انہیں کہا کہ بھائی جلال الدین! میں نے آپ کی یہ چٹھی پڑھ لی ہے۔ مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ واقعی مسلمانوں کی حالت بہت گری ہوئی ہے اور قابل اصلاح ہے کیوں نہ ہم دونوں اکٹھے ہی پادری صاحب کے پاس چلیں اور اکٹھے ہی بپتسمالیں۔ اس پر وہ بہت خوش ہوا کہ مجھے ایک اور ساتھی اور ہمنوا مل گیا اور کہنے لگا۔ ضرور آپ بھی میرے ساتھ چلیں۔ چنانچہ مقررہ دن جو غالباً اتوار کا دن تھا۔ ہم دونوں اکٹھے

عیسائیت کے تبلیغی مرکز میں پہنچ گئے۔ پادری صاحب کو اطلاع کروائی کہ دو متلاشیان حق بپتسمہ لینے آ گئے ہیں۔ آپ تشریف لے آئیں پادری صاحب کے ارشاد کے مطابق ہمیں ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ہمیں چائے اور بسکٹ پیش کئے گئے۔ چائے نوشی کے دوران میں میں نے ڈاکٹر جلال الدین سے کہا کہ ہم ایک بہت بڑا قدم اٹھانے لگے ہیں یعنی اسلام چھوڑ کر عیسائیت کی آغوش میں ہم نے چلے جانا ہے اگر آپ اجازت دیں تو پادری صاحب سے میں اپنے کچھ شکوک بھی رفع کرلوں۔ انہوں نے کہا کہ کیوں نہیں۔ آپ ضرور پادری صاحب سے تسلی کریں۔ اتنے میں پادری صاحب بھی تیار ہو کر ہمارے پاس پہنچ گئے۔ میں نے عرض کی کہ پادری صاحب بپتسما لینے سے قبل میں جناب سے اپنی تسلی کے لئے چند باتیں پوچھنا چاہتا ہوں کیا آپ اس کی اجازت دیتے ہیں؟ ان کے جواب کا انتظار کئے بغیر ہی میں نے ان پر سوال کیا کہ یسوع مسیح کے کفارے پر ایمان لانے سے ہمارے سب گناہ معاف ہو جائیں گے۔ پادری صاحب نے کہا۔ ہاں! پھر میں نے پوچھا کہ کفارہ پر ایمان لانے سے کیا یہ فائدہ بھی پہنچتا ہے کہ انسان سے گناہ کی طاقت ہی سلب ہو جاتی ہے یا یہ کہ انسان جو بھی گناہ کرے وہ سب معاف ہوتے جاتے ہیں۔ میرا یہ سوال سنتے ہی وہ غصہ میں آ کر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور اس نے چلا کر کہا:

You are Qadianies get away from here.

تم لوگ قادیانی ہو یہاں سے چلے جاؤ۔

میرا ساتھی پادری صاحب کے اس رویہ کو دیکھ کر سخت حیران رہ گیا۔ میں نے کہا کہ آپ تو اس کے اخلاق کی بہت تعریف کرتے تھے کیا بااخلاق آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں؟ اس پر ڈاکٹر جلال الدین صاحب نے کہا کہ اس وقت پادری صاحب کا موڈ ٹھیک نہیں ہے چلو پھر کسی وقت آئیں گے۔ چنانچہ ہم کمرے سے باہر اٹھ کر کمپاؤنڈ میں آئے تو کچھ مہتر لوگ جو عیسائی ہو گئے تھے بن ٹھن کر گرجا میں جانے کے لئے جمع ہو رہے تھے۔ میں نے انہیں دیکھ کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب انہیں دیکھ لو۔ بپتسمہ لینے کے بعد یہی ہماری برادری ہوگی انہیں میں ہمارے رشتے ناطے ہوں گے اور انہی میں ہمارا اٹھنا بیٹھنا اور آنا جانا ہوگا۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے تنگ آ کر کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم ایسے لوگوں میں کبھی شامل نہیں ہو سکتے۔ میں نے واپس آ کر انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مشہور ایمان افروز کتاب ''کشتی نوح'' پڑھنے کے لئے دی جس میں حضور علیہ السلام کی پاکیزہ تعلیم، اسلام اور عیسائی عقائد کا موازنہ نہایت مؤثر اور

دلنشیں انداز میں ذکر فرمایا ہے۔ درحقیقت یہ کتاب رُوحانی پیاسوں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ اس کتاب کا ہر لفظ ہر سطر اور ہر صفحہ ان کے گوشۂ دل میں اُترتا چلا گیا۔ جب کتاب اختتام پر پہنچی تو باطل کی ظلمت کافور ہو چکی تھی اور حق کی روشنی نے اس کی جگہ لے لی تھی۔ ایک ہفتہ کے اندر اندر ان کے دل میں ایک عظیم انقلاب پیدا ہوا۔ احمدیت یعنی حقیقی اسلام کی صداقت ان پر منکشف ہوگئی۔ اب باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ چکا تھا اور حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آ گیا تھا۔ انہوں نے فوراً ہی حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی بیعت کر لی اور اس وقت تک دم نہیں لیا جب تک کہ اپنے تمام افراد کنبہ کو احمدیت کی آغوش میں نہ لے آئے۔ ڈاکٹر صاحب کے والد چوہدری اللہ دتہ صاحب ہیڈ کلرک محکمہ انہار سکندر بابے کی بیری ضلع سیالکوٹ نے بھی ان کی تحریک پر بیعت کر لی۔ الحمدللہ۔

حضرت ماسٹر عطا محمد صاحبؓ

والد مولانا نسیم سیفی صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ ربوہ

آپ کے ایمان افروز واقعات میں چند پیش خدمت ہیں:

معجزانہ بچاؤ ''کسی بچے کو خراش تک نہ آئی۔''

معجزانہ بچاؤ کا یہ واقعہ مکرم ماسٹر عطا محمد صاحب (والد محترم مولوی نور محمد نسیم سیفی صاحب رئیس التبلیغ مغربی افریقہ) کا بیان کردہ ہے۔ اُس وقت آپ اپنے چچا حضرت مولوی وزیر الدین صاحبؓ (صحابی حضرت مسیح موعودؑ) کے پاس سوجان پور ٹیرہ ضلع کانگڑہ میں مقیم تھے آپ بیان کرتے ہیں:

''میرے چچا حضرت مولوی وزیر الدین صاحبؓ سوجان پور میں ورنیکلر مڈل سکول کے ہیڈ ماسٹر تھے۔ وہ سکول کی دو منزلہ عمارت کے ساتھ ملحقہ ایک مکان میں رہائش رکھتے تھے جس روز زلزلہ آیا اس روز ہمارے ہاں تین مہمان آئے ہوئے تھے۔ دو احمدی دوست تھے بابو محمد اسمٰعیل صاحب پوسٹ ماسٹر اور منشی امام الدین صاحب آف لمبا گاؤں ضلع کانگڑہ اور تیسرے ان کے ایک زیر تبلیغ غیر احمدی دوست تھے۔ زلزلہ آنے پر چاروں طرف ایک قیامت برپا ہوگئی مگر اللہ تعالیٰ نے ہم سب کو اپنے فضل سے محفوظ رکھا۔ اسی طرح بورڈنگ ہاؤس میں رہنے والے تمام طلبہ جو سکول کی دوسری منزل میں رہتے تھے وہ بھی سب کے سب معجزانہ طور پر بچ گئے۔ زلزلہ آنے سے بعض بچے چارپائیوں سمیت سڑک پر آ گرے اور عمارت کا ملبہ ان کے اوپر گر پڑا، مگر کیا مجال کہ کسی بچے کو خراش بھی آئی ہو۔''

ماسٹر صاحب موصوف خود اپنے معجزانہ طریق سے بچنے کا واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

''جس کمرے میں مَیں سویا ہوا تھا، اس کی دو دیواروں کا وہ حصہ جو میرے سرہانے اور پائینتی کی طرف تھا، اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ اسی طرح چھت کے چار بالے جو میرے سر پر عین اوپر تھے وہ بھی اپنی جگہ قائم رہے بقیہ چھت اور دیواریں گر پڑیں۔''

غرض آپ کو بھی خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل اور اپنی تقدیروں کو کام میں لاتے ہوئے بال بال محفوظ رکھا بالکل ایسے ہی جیسے ایک مادر مہربان کسی تیز آندھی یا بارش کے وقت اپنے بچے کو کسی ادنیٰ سے ادنیٰ خراش سے بچانے کے لئے ہر ممکن وسیلہ بروئے کار لاتی اور اسے محفوظ کر دیتی ہے۔ **فالحمد اللہ رب العالمین!**

مکرم ماسٹر صاحب موصوف اس ضمن میں ایک نہایت دلچسپ مگر عبرت انگریز واقعہ کا ذکر بھی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''جب حضرت بانی سلسلہ وہ اشتہارات شائع فرمایا جس میں الہام ''**عَفَتِ الدّیار مَحِلُّها وَمُقَامُهَا**'' درج تھا اور اس کا پیاں چچا جان کو موصول ہوئیں تو انہوں نے اس اشتہار و کو دیواروں پر چسپاں کرنے کا کام میرے سپرد کیا۔ میں سکول کے گیٹ اور دو کانوں کی دیواروں پر وہ اشتہار لگا رہا تھا کہ ایک مسلمان سنار حسن دین نامی میرے پاس سے گزرا اور اشتہار دیکھ کر کہنے لگا کہ مرزائیوں (یعنی احمدیوں۔ ناقل) کی صف لپیٹی جائے گی۔ یہ سن کر میرے منہ سے بے اختیار نکلا کہ ہماری تو نہیں البتہ تمہاری صف لپیٹے جانے کا وقت آ گیا ہے۔ خدا کی قدرت کہ جب زلزلہ آیا تو وہ اور اس کے گھر کے اکثر افراد جو بیس کے لگ بھگ تھے سارے کے سارے لقمہ اجل ہو گئے۔''

(بحوالہ روزنامہ الفضل، مورخہ ۱۴ر جنوری ۱۹۶۹ء)

حضرت مولوی محمد الیاس خان صاحب

اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے چند واقعات

خدا تعالیٰ کی حفاظت

حضرت مولوی صاحب کی بیعت اور احمدی ہونے کا جب لوگوں کو علم ہوا تو سارے چارسدہ میں بڑا شور پڑا اور لوگ حضرت مولوی صاحب کے قتل کے درپے ہوئے۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ روزانہ میں یہ اعلان سنتی تھی کہ آج رات محمد الیاس کے مکان کو آگ لگائی جائے گی۔ اور تمام افراد کو مکان سمیت جلا دیا جائے گا سوشل بائیکاٹ بھی شروع ہوا کیونکہ چارسدہ کا نمبردار مکرم خاں جو بہت زورآور اور بارسوخ آدمی تھا اس نے اعلان کر دیا تھا جو بھی محمد الیاس کو سودا دے گا اس کا برا حال کیا جائیگا۔ حضرت مولوی صاحب کا ایک شاگرد محمد اکبر خادم رات کے وقت چھپ چھپ کر سودا سلف دے جایا کرتا تھا۔ یہ محمد اکبر خادم بعد میں احمدیت کا سخت مخالف ہوا۔ اس نے پشتو میں ایک کتاب ''غلام نبی'' لکھی کہ مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے عہد میں پیدا ہوا اس لئے غلام ہے غلام نبی نہیں ہوسکتا۔ اس کا جواب حضرت قاضی صاحب نے پشتو کی ایک کتاب ''مطاع نبی'' لکھ کر دیا اور محمد اکبر خادم کے تمام اعتراضات کے جواب دیئے۔ ۱۹۳۶ء میں جبکہ مولوی صاحب چارسدہ میں تھے یہ شخص محمد اکبر خادم حضرت مولوی صاحب کے پاس آیا اور آپ کے پیروں میں بیٹھا رہا۔ آپ نے اس وقت خادم صاحب کو خوب تبلیغ کی اور وہ خاموش سنتا رہا۔ بعد میں کسی نے محمد اکبر خادم سے کہا کہ تم تو احمدیت کے خلاف بڑے شیر بنے پھرتے تھے مگر مولوی صاحب کے سامنے بالکل گیدڑ بن گئے۔ کہنے لگا وہ میرے استاد اور محسن ہیں اور ان کا اتنا رعب ہے کہ میں ان کے سامنے زبان نہیں کھول سکتا۔

فرشتوں کی حفاظت

مولوی لوگ عورتوں کو اماں جی کے پاس بھیجتے کہ محمد الیاس قادیانی کافر ہوگیا ہے اب تمہارا نکاح محمد الیاس سے ٹوٹ چکا ہے۔ تم اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤ (والد صاحب پہلے ہی فوت ہو چکے تھے) ہم

تمہارا دوسرا نکاح کسی اور شخص سے کرا دیں گے والدہ صاحبہ فرماتی تھیں کہ میں ان سے کہتی: یہ کیسا کافر ہے جو نمازیں پڑھتا ہے۔ تہجد کی نماز میں روتا ہے اور قرآن پاک ہر وقت پڑھتا رہتا ہے۔ اگر یہ کافر ہے تو میں بھی کافرہ ہوں ۔ مجھے ایسا ہی کافر خاوند چاہئے جو مجھ سے بہترین سلوک کرتا ہو اور بہت پرہیزگار ہو اور نمازی ہو۔

والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ان شورشوں کے دنوں میں جب ملاؤں نے دف کے ذریعہ اعلان کیا کہ آج رات ہم محمد الیاس کے گھر کو آگ لگا دیں گے اور سب گھر کو مع افراد خانہ کے جلا دیں گے تو دوسرے دن D.S.P آدھی رات وقت ہمارے گھر آئے اور دستک دی حضرت مولوی صاحب باہر نکلے تو ڈی ایس پی نے کہا کہ آپ غم نہ کریں بےفکر سوئیں۔ ہماری موجودگی میں کوئی آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ حضرت مولوی صاحب نے ڈی ایس پی کو جواب دیا: تمہاری بہادری تو اس سے ظاہر ہے کہ تم لوگوں سے چھپ کر آدھی رات کو مجھ سے ملنے آئے ہو۔ دن کے وقت تمہیں آنے کی جرأت نہ ہوئی مجھے تمہاری حفاظت کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے فرشتے میری اور میرے گھر کی حفاظت کر رہے ہیں۔ ڈی ایس پی اپنا سا منہ لے کر واپس چلا گیا والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ حضرت مولوی صاحب کے ان الفاظ سے بڑی ڈھارس بندھی ۔ ورنہ پہلے میں بہت گھبرا رہی تھی لوگ ہمارے گھر کے قریب آنے سے گھبراتے تھے کہ محمد الیاس کے پاس بڑا اسلحہ ہے۔ حالانکہ مولوی صاحب کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا۔ یہ محض الٰہی نصرت تھی کہ وہ لوگ اتنے مرعوب تھے۔

جب شورش اور زیادہ ہوئی تو لوگ حاجی صاحب ترنگ زئی کے پاس گئے کہ محمد الیاس کافر ہو گیا ہے، اس کو مسلمان بنائیں۔ ورنہ سارا چارسدہ ان کی سحر بیانی سے کافر ہو جائے گا حاجی ترنگ زئی جو بعد میں انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کی وجہ سے ایک غازی اور پیر مشہور ہو گئے تھے۔ ترنگ زئی سے چارسدہ آئے۔ ان کے مریدان کو چارپائی پر اُٹھا لائے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا اونچی آواز سے ورد کرتے چارسدہ لائے۔ راستے میں جتنے گاؤں آئے ان کے رہنے والے حاجی صاحب کے جلوس میں شامل ہوئے، جب حاجی صاحب چارسدہ کی عیدگاہ میں پہنچے تو جلوس کی تعداد دس ہزار کے قریب تھی۔ حاجی صاحب نے آدمی بھیج کر حضرت مولوی صاحب کو پیغام دیا کہ حاجی صاحب آپ کو یاد فرماتے ہیں۔

مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ میں اکیلا اپنے گھر سے عیدگاہ کی طرف روانہ ہوا راستے میں لوگ میرے

لئے راستہ چھوڑتے جاتے تھے اور لوگ دور سے اشارہ کرتے تھے کہ وہ محمد الیاس کافر ہو گیا ہے۔ والد صاحب فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کسی کو مجھ پر حملہ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

ہر وقت قرآن پڑھنا اور روتے رہنا

ان شورش کے ایام میں حضرت مولوی صاحب کے والد اور بھائی لوگوں کے ڈر کی وجہ سے بالکل خاموش رہے اور حضرت مولوی صاحب کی حفاظت یا امدا کا کوئی سامان نہ کیا۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ ایک دن حضرت مولوی صاحب کے والد حاجی عبداللہ صاحب ہمارے گھر لوگوں سے چھپ کر تشریف لائے اور مجھے کہا: بچی وہ کتاب تو لاؤ جس کی وجہ سے محمد الیاس کافر ہو گیا ہے تاکہ دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے کیونکہ اس کے کافر ہو جانے کی وجہ سے گاؤں میں ہم بھی کسی کو منہ نہیں دکھا سکتے۔ ہر شخص کہتا ہے کہ تمہارا بیٹا پڑھ لکھ کر عالم ہو کر کافر ہو گیا ہے اور لوگ اب ہم سے بھی نفرت کرنے لگ گئے ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں کہ میں نے قرآن مجید اُٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا اور کہا یہ کتاب ہے جس کو وہ ہر وقت پڑھتے ہیں اور اب تو قرآن پڑھتے رہتے ہیں اور روتے ہیں۔ نماز بھی بہت لمبی لمبی پڑھتے ہیں۔ حاجی صاحب کہنے لگے یہ تو قرآن پاک ہے۔ وہ دوسری کتاب ہے جس کی وجہ سے محمد الیاس کافر ہو گیا ہے اور ہم سب کے لئے ایک مصیبت کھڑی کر دی ہے۔ اب تو ہم کسی کو منہ دکھانے کے قابل بھی نہیں ہیں۔ والدہ صاحبہ فرماتی ہیں۔ میں نے جواب دیا۔ اس کتاب کے علاہ ان کے پاس اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کو وہ روزانہ پڑھتے ہوں۔ چنانچہ میرے خسر صاحب خاموشی سے چل دیئے۔

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے: چارسدہ میں تین اشخاص نے میری شدید مخالفت کی اور یہ تینوں اللہ تعالیٰ کے قہر کے نیچے آ کر رسوا ہوئے۔

ان میں ایک ملا محمود تھا جو اخی کتاب فروش کے نام سے مشہور تھا۔ وہ عورتوں کو تعویذ لکھ لکھ کر دیتا تھا کہ جا کر محمد الیاس کے گھر دفن کرو۔ اس سے اس کی بیوی محمد الیاس سے متنفر ہو جائے گی اور اس کو چھوڑ کر اپنی والدہ کے گھر چلی جائے گی اور ساتھ ہی عورتوں کو تلقین بھی کرتا کہ محمد الیاس کی بیوی پر زور ڈالو کہ اب تمہارا نکاح ٹوٹ گیا ہے۔ بہتر ہے کہ اپنی والدہ کے گھر چلی جاؤ اور ہم دوسرے نکاح کو انتظام کر دیں گے۔ تھوڑے عرصہ بعد اخی کتب فروش اپنی ایک رشتہ دار عورت کے ساتھ بدنام ہوا اور قتل کے ڈر سے چارسدہ چھوڑ کر غائب ہوا اور پتا نہیں چلا کہ کہاں چلا گیا تھا۔ والدہ صاحبہ کی والدہ نانی اماں اگرچہ

بالکل ان پڑھ عورت تھیں ۔مگر تہجد گزار اور نیک خاتون تھیں ۔وہ آ کر اپنی بیٹی سے کہتیں ،تم بالکل نہ گھبراؤ۔تمہارا خاوند بڑا نیک انسان ہے اور تم بڑی خوش قسمت ہو کہ ایسا نیک اور پارسا تمہارا خاوند ہے۔

دوسرا شخص اکبر شاہ تھا جو ایک بہترین تیراک اور اچھا زمیندار تھا وہ کہتا تھا کہ محمد الیاس جب دریا پر نہانے آئے گا تو میں اسے دریا میں غرق کر دوں گا اللہ کی شان وہ دریا میں تیرتا ہوا ڈوب کر مر گیا۔

تیسرا شخص مکرم خان تھا جو چارسدہ کا نمبر دار تھا۔ بڑا زمیندار اور بارسوخ تھا مگر بڑا ظالم تھا۔ اس نے حضرت مولوی صاحب کے سوشل بائیکاٹ کا اعلان کیا تھا اور کہا تھا کہ جو بھی محمد الیاس کو سودا سلف لا کر دے گا، اس کا انجام برا ہوگا اور بدمعاشوں کا اکسا تا رہتا تھا کہ محمد الیاس کو قتل کر دو مگر حضرت مولوی صاحب کی جسمانی طاقت اور قوت کی وجہ سے کسی کو آپ کے قریب آنے کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ حضرت مولوی صاحب کے پاس کوئی اسلحہ نہ تھا۔مگر لوگوں کا خیال تھا کہ ان کے پاس بڑا اسلحہ ہے۔

مکرم خان کی بیوی تپ دق سے مرگئی۔ اس کے تین بیٹے ایک ایک کر کے تپ دق سے مر گئے۔ مکرم خان نے اپنی جائیداد کا کافی حصہ جوئے میں لٹا دیا، جو جائیداد باقی بچی وہ مالیہ میں قرق ہوگئی اور نمبرداری بھی جاتی رہی اور ایک احمدی رئیس محمد اکرم خان کو ملی۔ مکرم خان اتنا تنگدست ہو گیا کہ ٹانگہ کرایہ پر چلانا شروع کیا۔

1928ء میں حضرت مولوی صاحب مستونگ سے چارسدہ مع اہل عیال آئے، پشاور سے چارسدہ تک پانچ چھ دریاؤں پر بیڑیوں کے پل تھے اور ٹانگے والے سواری پشاور سے لے کر ناگمان پل نصف راہ تک لے جاتے تھے اور ناگمان سے دوسرے ٹانگے والے ان سواریوں کو لے کر چارسدہ لے جاتے تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے جب ناگمان کے مقام پر ٹانگہ تبدیل کیا اور دوسرے ٹانگے پر بیٹھے، تو راستہ میں ٹانگے والے سے چارسدہ کے لوگوں کے متعلق پوچھتے رہے۔ جب حضرت مولوی صاحب نے پوچھا کہ مکرم خان کا کیا حال ہے تو ٹانگہ والا جو نیچے پائیدان کے پاس بیٹھا ہوا تھا، اوپر نیچے حضرت مولوی صاحب کو دیکھنے لگا اور پوچھا کیا آپ استاد الیاس ہیں؟ حضرت مولوی صاحب نے اثبات میں جواب دیا تو مکرم خان نے روتے ہوئے کہا کہ وہ بدبخت مکرم میں ہوں۔ آپ کے جانے کے بعد میرے ساتھ یہ ہوا ہے۔ اور اب ٹانگہ چلا کر گزارا کر رہا ہوں۔ میں نے آپ کی مخالفت کر کے دین و دنیا دونوں گنوا دیئے۔

چارسدہ پہنچ کر حضرت مولوی صاحب نے مکرم خاں کو ایک روپیہ کی بجائے دس روپے دیئے جس سے وہ بہت خوش ہوا اور حضرت مولوی صاحب کو دعائیں دینے لگا اور حضرت مولوی صاحب کی داڑھی کو ہاتھ لگا کر معافی مانگنے لگا کہ مجھے معاف کردیں میں نے آپ کی عظمت کو پہچانا نہیں تھا اور کہنے لگا کہ آپ بڑے عظیم انسان ہیں۔ اپنے دشمن کے ساتھ بھی حسن سلوک کرتے ہیں۔

حضرت مولوی صاحب فرماتے تھے، جب حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو مجھے خلافت ثانیہ کی بیعت کرنے میں ذرا بھی تردد نہ ہوا۔ اگرچہ مولوی محمد علی صاحب کے ٹریکٹ خلافت کے متعلق پہنچ گئے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے ابتداء ہی سے مولوی محمد علی سے بغاوت کی بوآتی تھی۔

آپ کے بڑے بھائی مولوی رحمان الدین پشین، بلوچستان میں عرائض نویس ہے۔ انہوں نے آپ کو تحریک کی کہ قانون کی کتابیں پڑھ کر عرائض نویسی کا امتحان پاس کرلیں۔ آپ نے یہ امتحان صرف دو ماہ میں قانون کی کتابیں پڑھ کر اعلیٰ پوزیشن میں پاس کیا۔ آپ کی تعیناتی بطور عرائض نویس لورالائی میں ہوگئی ابتداء میں آمدن کم تھی، کیونکہ لوگوں سے واقفیت نہ تھی۔

اصل رازق خدا تعالیٰ کی ذات ہے

لورالائی میں پولیٹیکل ایجنٹ کے دفتر کے سپرنٹنڈنٹ سربلند خاں (جو کہ بعد میں خان بہادر سربلند ہوئے اور ایک عرصہ ریاست قلات کے وزیراعظم رہے) نے آپ سے قرآن پاک کا ترجمہ اور تفسیر پڑھنا شروع کیا۔ مولوی صاحب نے محسوس کیا کہ چند ماہ بعد ان کی آمدن بہت زیادہ ہوگئی ہے۔ اس کا ذکر حضرت مولوی صاحب نے سربلند سے کیا تو اس نے کہا کہ لوگوں کو میں تحریک کرتا رہتا ہوں کہ وہ عرضی یا اپیل لکھانے کے لئے آپ کے پاس جائیں۔

جونہی حضرت مولوی صاحب کو اس واقعہ کا علم ہوا، تو حضرت مولوی صاحب لورالائی چھوڑ کر کوئٹہ آگئے۔ جب مولوی صاحب سے لورالائی چھوڑنے کی وجہ پوچھی تو آپ نے بتلایا کہ وہاں پر میرا ایک مجازی خدا پیدا ہوگیا تھا۔ جو میری آمدن بڑھانے کا سبب بنا تھا۔ چونکہ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو روزی رساں نہیں سمجھتا۔

اس لئے میں نے اس کو شرک جانا کہ میری آمدن اور روزی کا ذریعہ کوئی انسان ہو میرا روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے وہ میرے لئے بہتر انتظام فرمائے گا۔ ان دنوں مستونگ ریاست قلات میں عرائض نویس کی

ضرورت تھی اور نواب سر میر شمس شاہ وزیر اعظم ریاست قلات نے جو پشاور کے رہنے والے تھے، حضرت مولوی صاحب کو مستونگ میں عرائض نویس مقرر کیا آپ یہاں اکیلے عرائض نویس تھے اور کافی آمدنی بنی۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا رحم اور فضل تھا کہ مجھے سرحد سے نکالا جہاں میری بیس روپے تنخواہ تھی۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے کثیر اولاد سے نوازا تھا اس لئے مجھے ایسی جگہ بھیج دیا جہاں میری کافی آمدن ہو اور میں اپنے بچوں کی بہترین طریقہ سے پرورش کرسکوں۔ مستونگ میں آپ کی ماہوار آمدن دوسو اور تین سو کے درمیان تھی جو ان دنوں بہت بڑی چیز تھی یعنی سرحد میں آمدن سے دس گنا سے بھی زیادہ۔

محترم مولانا عبدالمالک خان صاحب

سابق مبلغ گھانا و ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ ربوہ

میدان تبلیغ میں نصرت الٰہی کے نظارے

مکرم مولانا عبدالمالک خانصاحب ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ حضرت مولانا ذوالفقار علی خان صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام و برادرِ علی برادران کے خلف الرشید ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں قادیان گئے اور ۱۹۳۲ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس گیا اور بطور مربی سلسلہ اکتوبر ۱۹۴۹ء تا جون ۱۹۵۹ء کراچی میں متعین رہے۔ اکتوبر ۱۹۶۰ء سے اپریل ۱۹۶۴ء تک گھانا میں بطور مبلغ خدمت کی توفیق پائی۔ ۱۹۶۹ء تا ۱۹۸۳ء وفات تک بطور ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ خدمات دینیہ بجالانے کی توفیق ملی۔

میدان عمل میں نصرت الٰہی کے ذکر میں آپ فرماتے ہیں:

خدا کی شان نرالی ہے كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَانٍ

(ترجمہ) ہر دن وہ ایک شان میں ہے کا نظارہ مختلف شکلوں میں نسل انسانی دیکھتی چلی آتی ہے اور دیکھتی چلی جائے گی۔ اس عاجز نے اپنی زندگی میں ایک خاص بات یہ دیکھی کہ میری بے بضاعتی اور کم علمی کے باوجود میدان تبلیغ میں مجھ پر خدا تعالیٰ نے ہمیشہ اپنا فضل فرمایا اور جس رنگ کے حالات رونما ہوئے ان کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور اس کے ایسے اچھے نتائج نکالے کہ مجھے یقین ہو گیا کہ میدان تبلیغ میں واقعی خدا تعالیٰ غیر معمولی تائیدوں سے نوازتا ہے اس کی بے شمار مثالیں ذہن میں ہیں میں یہاں بطور اظہار تشکر چند امور کا ذکر کرتا ہوں جن کا تعلق مغربی افریقہ کے ملک گھانا سے ہے۔

جنگل میں حادثہ اور الٰہی مدد

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ یہ عاجز اپنے ہیڈ کوارٹر کماسی (KUMASI) سے (جو باغوں کا شہر کہلاتا ہے) ۹۰ میل شمال مغرب کی طرف ایک قصبہ میں گیا جہاں ہماری جماعت ہے دو دن وہاں قیام کیا۔ تیرہ

چودہ افراد نے بیعت بھی کی اور صبح شام اسلام احمدیت کے فضائل بیان ہوتے رہے۔ تیسرے روز شام کو اس عاجز نے اپنے ہیڈ کوارٹر واپس جانے کا اردہ کیا۔ میں کار پر آیا تھا۔ میرے ساتھ جماعت کماسی کے سیکرٹری مکرم عبدالواحد صاحب ریٹائرڈ پولیس افسر بھی تھے جو نہایت اخلاص سے لوکل زبان میں پاکستانی مبلغین کی تقاریر کا ترجمہ کیا کرتے تھے انہوں نے کماسی میں ایک ضروری کام کی بناء پر مجھے واپس چلنے کا مشورہ دیا۔ چنانچہ ہم دونوں مغرب کی نماز پڑھ کر کار میں واپس روانہ ہو گئے۔ چاندنی رات تھی۔ راستہ اگرچہ پختہ تھا۔ لیکن بارشوں کی وجہ سے اکثر جگہ نوکیلے پتھر نکلے ہوئے تھے اس لئے میں گاڑی تیز رفتار سے نہیں چلا رہا تھا۔

کوئی تیس پینتیس میل سفر کرنے کے بعد کار کا ٹائر پھٹ گیا۔ سڑک کے دونوں طرف بلند قامت درخت اور گھنا جنگل بھیانک منظر پیش کر رہا تھا تاہم گاڑی کا ٹائر ہم نے بدلا اور پھر سفر پر روانہ ہو گئے۔ قریباً بیس پچیس میل اور چلے ہوں گے کہ دوسرا ٹائر بھی پھٹ گیا جس کے یہ معنی تھے کہ ہم اب آگے جانے سے معذور ہو گئے ہیں اور یہ خیال آیا کہ صبح کو کوئی اور انتظام کر کے ہی آگے جانا ہوگا۔ ابھی یہ سوچ ہی رہے تھے کہ اب کیا کیا جائے کہ مجھے عبدالواحد صاحب نے کہا کہ آپ گاڑی بند کر کے اندر لیٹ جائیں۔ مجھے کچھ خطرہ محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے دریافت کیا کہ کیا خطرہ محسوس کرتے ہیں آپ۔ تو انہوں نے دور اشارہ کر کے بتایا۔ دیکھیں وہ دو آدمی چلے آ رہے ہیں ان کے ہاتھ میں خنجر ہیں اور ان کا تعلق خونخوار قبائل سے معلوم ہوتا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ میرے اندر کار میں لیٹنے سے کیا وہ مجھے کچھ نہیں کہیں گے؟ کہنے لگے میرا نہیں آپ کا وجود قیمتی ہے۔ آپ کو کچھ ہو گیا۔ تو ہم حضرت صاحب کو کیا جواب دیں گے؟ میں نے کہا۔ عبدالواحد صاحب! شہادت بھی نصیبوں سے ملتی ہے۔ اور اگر میرے لئے مقدر ہے تو زہے نصیب! میں اندر چھپ کر نہیں مرنا چاہتا اور میرا دل اندر سے کہتا ہے کہ مجھے کچھ نہی ہوگا کیونکہ پاکستان سے چلتے وقت سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے دعا دی تھی کہ ''خدا آپ کے ساتھ ہو۔'' میرا یقین ہے کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد کرے گا۔ اس اثناء میں وہ دونوں شخص ہمارے قریب آ چکے تھے۔ بے شک ان کے چہروں سے وحشت ٹپکتی تھی اور ان کے خنجر چاندنی رات میں خوب چمک رہے تھے۔ میں ان کی زبان نہیں جانتا تھا۔ میں نے عبدالواحد صاحب سے کہا کہ آپ ان کو میری طرف سے کہیں کہ ہم آپ کے ملک میں ہزاروں میل دور سے آئے ہیں اور یہاں کے باشندوں کے لئے اسلام کا محبت بھرا اور صلح کا پیغام لائے

ہیں یہ مقدس پیغام پہنچا کر ہم جب واپس ہوئے تو یہاں ہمارے دونوں ٹائر پھٹ گئے ہیں اور اب ہم آگے جانے سے معذور ہیں۔کیا آپ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔کہ کوئی صورت ہو اور ٹائر ٹھیک ہو جائیں۔

وہ دونوں باپ بیٹا تھے۔ باپ نے میری بات کا جواب دینے سے پہلے عبدالواحد صاحب سے افریقن زبان میں لمبی چوڑی گفتگو کی جسے میں نہ سمجھ سکا اور عبدالواحد صاحب نے مجھے انگریزی زبان میں اس کا خلاصہ بتایا کہ یہ آپ کی بات کی تصدیق چاہتا تھا اور آپ کو خوش آمدید کہتا ہے۔اس نے بتایا کہ یہاں سے چند میل کے فاصلہ پر ایک شخص کو وہ اور اس کا بیٹا جانتے ہیں جو یہ ٹائر ٹھیک کر سکتا ہے اس پر میں نے اپنے دونوں ٹائر اسے دے دیئے اور پانچ پونڈ بھی ٹائروں کی درستی کے لئے اسے دے کر کہا کہ وہ فوری طور پر یہ ٹائر درست کرے۔ وہ نوجوان ٹائر اور رقم لے کر چلا گیا۔عبدالواحد صاحب نے کہا کہ آپ نے جلدی کی ممکن ہے آپ کو دھوکہ دے جائے میں نے انہیں کہا تم مجھے بتا رہے تھے کہ یہ خطرناک لوگ ہیں لیکن انہوں نے تو مجھے خوش آمدید کہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ مجھے مارنے نہیں آئے بلکہ خدا تعالیٰ نے انہیں ہماری مدد کے لئے بھیجا ہے۔اس اثناء میں میں اس بوڑھے کو دیر تک اسلام تبلیغ کرتا رہا اور عبدالواحد صاحب میری ترجمانی کرتے رہے۔اس نے کہا۔ میں بیمار ہوں دعا کرو اور اپنی جھولی میں سے اناناس نکالا اور خنجر سے کاٹ کر خود بھی کھایا اور مجھے بھی کھلایا۔جس محبت سے اس نے پیش کیا میں وہ بتا نہیں سکتا۔

آخر شب ساڑھے تین بجے وہ نوجوان دونوں ٹائر مرمت کروا کے اٹھوا لایا اور دو پونڈ اس نے لانے والے کو دینے کو کہا۔ میں نے اپنے مشن ہاؤس آنے کی دعوت دی اس نے جواب میں کہا ہم لوگوں کو جنگل کے کاروبار سے شہر جانے کی فرصت نہیں ملتی کبھی شہر آیا تو ضرور آپ کو ملنے آؤں گا۔ میں اس ضعیف العمر آدمی کو کچھ رقم دینا چاہتا تھا لیکن اس نے ہر دفعہ یہ کہہ کر رقم لوٹا دی کہ آپ مہمان ہیں۔اس واقعہ نے میری طبیعت پر ہی نہیں بلکہ عبدالواحد صاحب کی طبیعت پر بھی گہرا اثر ڈالا اور نہوں نے کہا کہ واقعی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی غیب سے مدد کرتا ہے۔

تعمیر مسجد میں مشکلات اور احباب کا ایثار وقربانی

ایک دفعہ اشانٹی (گھانا) کے کچھ دوست کماسی احمدیہ مشن ہاؤس میں تشریف لائے اور انہوں نے مجھ سے یہ خواہش کی کہ میں ان کی مسجد کی تعمیر کے لئے ان کے علاقہ میں پہنچ کر دوستوں کو چندے کی تحریک

کروں تا وہ خدا کا گھر بنا سکیں اور یہ بھی بتایا کہ کچھ رقم ان کے پاس پہلے سے موجود ہے۔ چنانچہ خاکسار اس غرض سے بعد مشورہ ان کے علاقہ میں پہنچا جس گاؤں میں مسجد تعمیر کرنی تھی وہاں سب لوگوں کو اکٹھا کرنے کا انتظام کیا گیا۔ جو دوست وہاں جمع ہوئے ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی تھیں۔

خاکسار نے ایک مختصر سی تقریر میں دین اسلام میں مساجد کی اہمیت اور بنانے والوں کو کیا اجر ملتا ہے کی تفصیل بیان کی چنانچہ ۱۶۴ پونڈ مسجد کی تعمیر کے لئے چندہ جمع ہوا اور وہاں کے دستور کے مطابق ہر شخص نے کبھی گیت گا کر اور کبھی چھوٹی سی تقریر کر کے چندہ دیا۔ منتظمین کا ٹارگٹ ۱۹۰ پونڈ تھا۔ یعنی اتنی رقم عمارت کے لئے ضروری تھی۔ لیکن بار بار کی تحریک کے باوجود کسی شخص نے مزید ادائیگی کی طرف توجہ نہ دی۔ اس پر علاقہ کے صدر صاحب نے مجھے کہا کہ اب بس کریں جتنا ہم مسجد کے لئے اسوقت ان سے لے سکتے تھے لے لیا ہے۔ میں نے ان سے کہا مجھے اس سے اتفاق نہیں اور میں نے ان تمام مخلصین کو کہا کہ کیا میں حضرت صاحب کو یہ اطلاع دینے میں حق بجانب ہوں گا کہ آپ کی بہادر قوم مسجد کی تعمیر کے لئے ۲۶ پونڈ کی ادائیگی نہ کر سکی۔ اس پر ایک صاحب نے کہا کہ نہ نہ یہ رپورٹ حضور کی خدمت میں نہ کی جائے بلکہ یہ بقیہ رقم احمدیہ مشن پوری کر دے یعنی ۲۶ پونڈ ہمیں مشن کی طرف سے گرانٹ دے دی جائے۔ میں نے کھڑے ہو کر کہا کہ مشن کس چیز کا نام ہے۔ مشن تو تم ہی لوگوں کا نام ہے اور میں بھی اس میں شامل ہو گیا ہوں۔ میری جیب میں اس وقت ایک پونڈ تھا وہ میں نے نکال کر پیش کر دیا اور ان سے کہا کہ باقی پچیس پونڈ بھی خدا نے چاہا تو آپ میں سے کوئی نہ کوئی مخلص ابھی پیش کر دے گا اور جو پیش کرے گا میں اس کا نام حضرت صاحب کی خدمت میں دعا کے لئے تحریر کروں گا۔

چنانچہ فاطمہ نامی ایک احمدی بہن کھڑی ہوئی اور اس نے کہا کہ یہ بڑی شرم کی بات ہو گی کہ خلیفہ وقت کی خدمت میں ہم اشانٹیوں کے بارے میں یہ رپورٹ جائے کہ یہ اپنی مسجد کے پروگرام کو تھوڑے سے پیسوں کی وجہ سے پورا نہیں کر سکے۔ میں یہ پچیس پونڈ جو میں نے کوکو فارم بونے کے لئے رکھے ہوئے تھے دینے کو تیار ہوں بشرطیکہ مولوی عبدالمالک صاحب خود میرے کمرے میں جا کر میرے اور میرے سب خاندان کے لئے دعا کریں۔ میں نے اس کی یہ پیش کش اس شرط کے ساتھ منظور کر لی کہ میرے ساتھ جماعت کے سب عہدیداران اور بزرگ بھی اس کمرہ میں چلیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ میں نے اس کے کمرہ میں جا کر اس کی خواہش کے مطابق دعا کی اور اس نے پچیس پونڈ ادا کر دیئے اور پھر وہیں سجدہ میں گر گئی۔

سجدہ شکر سے سر اٹھا کر کہنے لگی۔ حضرت صاحب کی خدمت میں ضرور میرے لئے دعا کی درخواست کریں۔ میں نے کہا ہاں ضرور کروں گا۔ چنانچہ پھر وہ مسجد خدا کے فضل سے تکمیل کو پہنچی اور حضور کی خدمت میں اس خاتون اور جماعت کے لئے دعا کی درخواست بھی کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس بہن کی قربانی کے بدلے میں اسے یہ برکت عطا کی کہ اس سال اس کی کوکو کی فصل پہلے تمام سالوں سے زیادہ ہوئی چنانچہ وہ ایک تحفہ لے کر کماسی مشن ہاؤس میں مجھے یہ خوشخبری سنانے آئی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِک

یہ جماعت احمدیہ کے افراد کے اخلاص وقربانی کا ایک ادنیٰ نمونہ ہے۔ ورنہ خدا کے فضل وکرم سے احمدیت کی تاریخ ایسے ایمان افروز واقعات سے بھری پڑی ہے۔

افریقن پادریوں سے دلچسپ گفتگو

۱۹۶۲ء کا واقعہ ہے کہ خاکسار اور قریشی فیروز محی الدین صاحب سابق مبلغ اکرا (گھانا) کماسی سے سالٹ پانڈ جا رہے تھے جس بس میں ہم سوار تھے اس میں کچھ عیسائی ٹیچر اور پادری بھی سفر کر رہے تھے۔ قریشی صاحب نے ان سے سلسلہ کلام شروع کیا اور قریباً ایک گھنٹہ تک مختلف موضوعات پر گفتگو کرتے رہے چونکہ وہ کئی تھے اور سب ہی باری باری بولتے تھے۔ قریشی صاحب نے مجھے کہا کہ آپ کیوں نہیں بولتے میں نے ان سے کہا کہ میں یہ مناسب نہیں سمجھتا کہ جو گفتگو جاری ہے اس کا موضوع بدل کر کوئی اور گفتگو شروع کی جائے۔ البتہ میرا ایک سوال ہے ان سے پوچھ لیں۔ اگر یہ حل کر دیں تو ممنون ہوں گا۔ چنانچہ قریشی صاحب نے ان سے ذکر کیا۔ تو وہ آرزومند ہوئے کہ اپنا سوال پیش کروں۔

میں نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو خدا کا بیٹا تسلیم کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ تب میں نے ان سے کہا کہ انسانی عقل اور عرف عام میں بیٹے کے چار مفہوم ہو سکتے ہیں۔ ایک حقیقی بیٹا جو ایک ماں باپ سے ہوتا ہے ایک سوتیلا بیٹا جس کا باپ فوت ہو گیا ہو اور اس کی ماں نے دوسرے مرد سے شادی کر لی ہو۔ تیسری قسم بیٹے کی متبنیٰ کی ہوتی ہے یعنی بے اولاد میاں بیوی کسی کے بیٹے کو اپنا بیٹا بنا لیں چوتھا تصور بیٹے کا یہ ہے کہ کسی کے بیٹے کو ہم بیٹا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں اور پوچھتے ہیں بیٹے تم کیا کر رہے ہو؟ وہ نہ ہمارا حقیقی بیٹا نہ سوتیلا بیٹا اور نہ متبنیٰ ہوتا ہے بلکہ محض محبت کی وجہ سے اسے بیٹا کہتے ہیں اب آپ لوگ مجھے بتائیں کہ آپ حضرت مسیح علیہ السلام کو ان چار قسموں میں سے خدا کا کس قسم کا بیٹا مانتے ہیں۔ وہ حقیقی اور نہ سوتیلے بیٹے ہو سکتے ہیں کیونکہ اس کے لئے بیوی کا ہونا لازمی ہے اور خدا تعالیٰ

کی کوئی بیوی نہیں اور نہ ہی آپ ان کو خدا کا متبنیٰ مانتے ہیں۔اب ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ وہ محبوب خدا ہونے کی وجہ سے خدا کا بیٹا کہاتے ہیں سب نے کہاں ہاں ۔اس پر خاکسار نے عرض کیا صرف مسیح علیہ السلام ہی خدا کے محبوب نہیں دیگر انبیاء بھی اور اسرائیل بھی خدا کے محبوب تھے پس حضرت مسیح علیہ السلام اور دوسروں میں کیا فرق ہوا؟ لیکن نہ وہ بیٹے کی کوئی اور قسم بتا سکے اور نہ ہی محبان ذات باری میں حضرت مسیح علیہ اسلام میں کوئی مابہ الامتیاز قائم کر سکے۔تب اس عاجز نے ان کو قرآنی آیت لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ کی تفسیر بتائی جو وہ غور سے سنتے رہے اور بڑے متاثر ہوئے جس کے بعد وہ سب تقریباً لا جواب اور حیران سے ہو کر خاموش ہو گئے۔بس سے اترنے سے پہلے ہم نے انہیں اپنا اسلامی لٹریچر پیش کیا جو سب نے بخوشی قبول کیا۔یہ آٹھ دس پادری اور ٹیچر سب افریقن تھے۔

محترم الحاج مولانا عبدالکریم آف کراچی

آپ لکھتے ہیں:

مجھے معلوم ہوا کہ امریکن مشن نے بہت سے مصری مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے تیار کیا ہوا ہے۔ مَیں پادری کے پاس گیا۔ وہ ۷۵ سالہ بوڑھے تھے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ:

"I want to become christian" میں عیسائی ہونا چاہتا ہوں۔ اُس نے کہا بہت اچھا مَیں نے دریافت کیا کیا کچھ اور لوگ بھی عیسائی ہونے والے ہیں؟ اس نے کہاں ہاں۔ اس نے بہت سے قبطی مسلمانوں کی فہرست دکھائی جو پندرہ روز بعد بپتسمہ لینے والے تھے۔ پادری صاحب نے کہا کہ آپ بھی ان کے ساتھ بپتسمہ لے لیں۔ مَیں نے اُس سے خواہش کی کہ مجھے اُن سے ملا دیا جائے۔ دوروز بعد انہوں نے ٹی پارٹی پر اُن کو دعوت دی اور مجھے بھی بلایا۔ وہاں پادری صاحب نے میری طرف مخاطب ہوکر اُن سے کہا یہ ہندوستان کے رہنے والے ہیں اور فوج میں اچھا عہدہ رکھتے ہیں یہ بھی آپ کے ساتھ ہمارے خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں گے۔ اس کے بعد مَیں نے ان سب سے مصافحہ کیا اور اپنی نوٹ بک میں ان سب کے نام اور پتے لکھ لئے۔ مَیں نے حضرت صاحب کو دُعا کے لئے لکھا اور خود بھی دعا کرتا رہا۔ اے پیارے خدا تعالیٰ ان کو اسلام قائم رکھ۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ ان کی دعوت کرو۔ میں نے ان کو شام کے کھانے پر بلالیا۔ ایک ہوٹل میں اس دعوت کا انتظام کردیا۔ مَیں نے ان کو شام کے کھانے پر بلایا۔ ایک ہوٹل میں اس دعوت کا انتظام کردیا۔ کھانے سے فارغ ہوکر مَیں نے ان سے دریافت کیا کہ چند روز بعد ہم عیسائی ہوجائیں گے اور ہم اور ہمارے عزیز سب مسلمان ہیں کیا آپ نے پادری صاحب سے دریافت کیا کہ عیسائیت میں کیا امتیازی خوبی ہے جو اسلام میں نہیں ہے تا کہ عیسائی ہونے کے بعد ہم اپنے مسلمان رشتہ داروں اور دوستوں کو بتلاسکیں کہ اس خوبی کی وجہ سے ہم عیسائی ہوئے ہیں؟ سب نے کہا نہیں۔ مَیں نے تجویز پیش کی کہ بپتسمہ لینے سے پہلے ہم اپنا ایک نمائندہ چن لیں۔ وہ پادری صاحب سے صرف یہی سوال کرے اور اس کا تسلّی بخش جواب مل جائے تو پھر ہم عیسائی ہوجائیں گے۔ سب نے

اتفاق رائے سے مجھے اپنا نمائندہ چن لیا اور ایک صاحب کو مقرر کیا گیا وہ پادری صاحب سے میرا نام (عبد الکریم) پیش کریں۔

جب جلسہ ہوا بہت سے لوگ جمع ہوئے۔ زیادہ تر عیسائی تھے۔ اس مصری دوست نے پادری صاحب سے کہا کہ ہمارے نمائندہ کے ایک سوال کا آپ جواب دے دیں۔ اس کے بعد ہم بپتسمہ لیں گے۔ پادری صاحب نے دریافت کیا کہ وہ کون ہے؟ مصری دوست نے میرا نام پیش کر دیا۔ مَیں کھڑا ہو گیا۔ پادری صاحب نے غالباً یہ خیال کیا ہو گا کہ اس نے تو یہ کہا تھا کہ مَیں عیسائی ہونا چاہتا ہوں اس لئے اس سے کسی خطرناک سوال کا امکان نہیں ہو سکتا۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آپ سوال کریں مَیں جواب دوں گا۔ مَیں نے کہا۔ پادری صاحب! ہم سب مسلمان ہیں اور ہمارے اعزہ واقارب بھی سب مسلمان ہیں ہمارے عیسائی ہو جانے کے بعد ہمارے اعزہ واقارب ہم سے دریافت کریں گے کہ ہم عیسائی کیوں ہوئے ان کو جواب دینے کے لئے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ آپ ہمیں عیسائیت کی ایک امتیازی خوبی بتا دیں جو اسلام میں نہ ہو، تا کہ ہم بتا سکیں کہ اس خوبی کی وجہ سے ہم عیسائی ہو جائیں۔ پادری صاحب نے فرمایا۔ ''میرے بچے! آپ عیسائیت کے محل کے دروازے کے باہر کھڑے ہو۔ جب تک آپ محل کے باہر کھڑے ہیں آپ کو کچھ اندازہ نہیں ہو سکتا۔ آپ بپتسمہ لے کر اس محل کے اندر داخل ہو جائیں تا کہ آپ کو سب خوبیوں کا پتہ لگ سکے۔'' مَیں نے کہا پادری صاحب مجھے آپ سے اتفاق ہے کہ جب تک ہم اندر داخل نہ ہوں ہم ان خوبیوں کو نہیں دیکھ سکتے مگر آپ تو محل کے اندر داخل ہیں آپ ہمیں ایک امتیازی خوبی بتا دیں تا کہ ہم محل کے اندر داخل ہو کر اس کی تصدیق کر سکیں۔ پادری صاحب کچھ دیر خاموش رہے اور پھر بولے:

"Well my boy you will get faith in christainty.

میرے لڑکے آپ کو عیسائیت میں ایمان نصیب ہو گا''۔

مَیں نے مصری احباب سے کہا۔ بھائیو! پادری صاحب فرماتے ہیں کہ اگر ہم عیسائی ہو جائیں تو ایمان نصیب ہو گا۔ اِسلام میں ہمیں علم ہے کہ اگر غیر مسلم کلمۂ اسلام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھے اور اُس کو دل سے مان لے تو وہ مومن ہو جاتا ہے اس کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے وہ اس ایمان کو اعمال صالحہ سے ترقی دیتا رہتا ہے۔ مَیں نے پادری صاحب سے دریافت کیا کہ کیا عیسائیت میں جو ایمان ہمیں نصیب ہو گا وہ اِس

سے زیادہ قیمتی ہوگا؟ پادری صاحب نے فرمایا۔ ہاں ہاں! بہت قیمتی ایمان ہوگا۔

مَیں نے کہا پادری صاحب! کیا مَیں اس کو (test) آزما سکتا ہوں۔ پادری صاحب نے کہا۔ تم کیسے آزماؤ گے؟ مَیں نے کہا۔ خداوند یسوع مسیح نے انجیل میں فرمایا ہے کہ اگر تم میں رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہو تو تم وہ معجزات دکھا سکتے ہو جو میں نے دکھائے۔ پادری صاحب! آپ خود پادری ہیں آپ کے باپ دادا بھی پادری تھے آپ کی عمر ۷۵ سال ہے آپ نے بہت سے غیر عیسائیوں کو عیسائی بنایا ہے آپ کے پاس تو ایمان کا خزانہ موجود ہے مَیں اگر آپ سے کہوں کہ آپ اپنی ایمانی قوت سے دریائے نیل کو خشک کر دیں تو اِس سے ملک میں تباہی ہوگی اور اگر مَیں کہوں کہ آپ اپنی ایمانی قوت سے سامنے والے پہاڑ میں زلزلہ برپا کر دیں تو اس سے بھی مصر میں تباہی ہوگی (مَیں نے اپنی جیب سے ایک نوٹ بک نکالی اور پادری صاحب کی میز پر رکھ دی) مَیں نے کہا پادری صاحب مسمریزم ہپناٹیزم جاننے والے اس سے زیادہ کرتب دکھلاتے ہیں مگر مَیں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ آپ اپنی ایمانی قوت سے اِس نوٹ بک کو جو آپ کی میز پر مَیں نے رکھی ہے پانچ منٹ تک Dance کرائیں (نچوائیں) اِس سے ہم سمجھ لیں گے کہ واقعی آپ کے دل میں رائی کے دانہ کے برابر ایمان ہے اور ہم سب عیسائی ہو جائیں گے۔

اس تمام گفتگو کو جو میرے اور پادری صاحب کے درمیان ہوئی لوگوں نے بڑی دلچسپی سے سُنا اور سب منتظر تھے کہ پادری صاحب کیا جواب دیتے ہیں۔ پادری صاحب کھڑے ہوئے اور کہا:

"Well my boy, I am still trying to achieve faith."

میرے بچے! میں ابھی تک اس ایمان کے حصول کی کوشش کر رہا ہوں۔ پادری صاحب کے اس جواب کو سن کر مَیں کھڑا ہو گیا اور مَیں نے مصری احباب سے مخاطب ہو کر کہا۔ بھائیو! پادری صاحب مرنے کے قریب ہیں مگر ابھی تک ان کو رائی کے دانہ کے برابر ایمان نصیب نہیں۔ پکے بے ایمان ہیں اور جن کو انہوں نے عیسائی بنایا ان کو بھی پکا بے ایمان بنایا جب اس کا یہ حال ہے کہ ۷۵ سال کی عمر تک رائی کے دانہ کے برابر ایمان نصیب نہیں ہوا تو ہمارا کیا حال ہوگا؟ اس سے تو ہم کو ہمارا مذہب اسلام ہی مبارک ہے اور مَیں نے روز سے کہا۔ **یعیش الاسلام**۔ ’’اسلام زندہ باد‘‘ چلو چلیں۔ ہم باز آئے بے ایمان ہونے سے۔ میرے ساتھ سب مصری مسلمان بھی اس جلسہ سے باہر آ گئے۔

ایک ہوٹل میں مَیں نے سب کو چائے پلائی اور اُن کو تاکید کی کہ پادریوں کے جال میں نہ پھنسیں اس کے بعد مَیں ان کو ملتا رہا اور لٹریچر بھی دیتا رہا اور خدا کے فضل سے اسلام پر قائم رہے۔ **فالحمدللہ**۔

پادری کی مخالفت

پادری صاحب نے اس ناکامی کو دیکھ کر میرا پیچھا کیا۔ اس نے معلوم کر لیا کہ مَیں فوجی دفتر میں ملازم ہوں میں جس سیکشن میں ہیڈ کلرک تھا اس کے انچارج کپتان رائٹ (Right) صاحب تھے اور اس سے کہا کہ آپ اس شخص کو ہندوستان واپس بھیج دیں۔ اگر یہ مصر میں رہا تو ایک بھی مصری مسلمان کو عیسائی نہیں بنا سکیں گے۔

کپتان رائٹ Right کا انتقام

پادری صاحب کے زور دینے پر رائٹ صاحب نے ارادہ کر لیا کہ مجھے سزا دلوا کر واپس ہندوستان بھجوا دے۔ ہر ہیڈ کلرک کے لئے بجلی کی گھنٹیاں مقرر تھیں کپتان صاحب نے چھ گھنٹیاں بجائیں جس سے مراد ان کو مجھے بلانا تھا۔ مَیں اُن کے کمرے سے فاصلے پر تھا۔ مَیں اپنی کتب کا غذات تیار کر کے چپڑاسی کو دے رہا تھا کہ کپتان صاحب نے ایک دوسرے ہیڈ کلرک کو بلا لیا جو اُن کے کمرے کے نزدیک تھا اس لئے میں راستے سے واپس چلا گیا کپتان صاحب نے میرے خلاف شکایت کر دی اور مجھے تنبیہہ کر دی گئی۔ اس طرح تین دفعہ کپتان صاحب نے شکایت کر کے مجھے تنبیہ دلوائی۔ اس کے بعد انہوں نے سفارش کی کہ مسٹر احمدی کا کورٹ مارشل کیا جاوے۔ مجھے نظر بند کر دیا گیا مجھے چارج شیٹ دی گئی جس میں درج تھا کہ آپ نے کپتان رائٹ صاحب کی چار دفعہ حکم عدولی کی ہے۔ فلاں تاریخ کو حاضر ہو کر اپنی صفائی کے گواہ پیش کرو اور جواب دو۔

جس روز فیصلہ ہونا تھا اس سے ایک روز پہلے کپتان رائٹ صاحب نے دفتر کہہ دیا کہ کل مسٹر احمدی کو ۶ ماہ قید کی سزا ہو جائے گی۔ مکرمی علی حسن صاحب صاحب Mess میں کھانا کھانے گئے تو چند ایک مخالف ہیڈ کلرکوں نے علی حسن صاحب سے کہا کہ کل تمہارے مولوی کو آئی ایم۔ ایس۔ ایم Indian Meritorious service Medal کا تمغۂ حُسنِ کارکردگی ملنا ہے انہوں نے طنزاً کہا۔ علی حسن صاحب کھانا چھوڑ کر میرے پاس آ گئے اور کہا۔ دفتر میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ آپ کو تمغہ ملنے والا ہے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ آپ Mess میں جا کر اعلان کر دیں کہ مسٹر احمدی کہتا ہے کہ میرا خدا قادر ہے کہ باوجود ان مخالف حالات کے مجھے آئی۔ ایم ایس کا تمغہ دے۔ علی حسن نے جا کر یہ اعلان کیا تو مخالفین ہنسے کہ وہ کل جیل چلا جائے گا اور اس کو تمغے کے خواب آ رہے ہیں۔ مَیں نے علی حسن صاحب سے کہا کہ بزرگوں نے کہا ہے۔ع

مترس از بلائے شب درمیاں ست

اُس بَلا سے نہ ڈرو جو ایک رات بعد آنے والی ہے چونکہ کل فیصلے کا دن ہے اس لئے مَیں تو ساری رات جاگوں گا اور دُعا کروں گا آپ بھی اگر ہو سکے تو نوافل میں یہ دعا کریں کہ خدا تعالیٰ میرے گناہ بخش دے اور مجھے باعزت بَری کرے اور جو اُمید میں نے اُس سے باندھی ہے وہ پوری کرے اور مجھے آئی۔ ایم۔ ایس۔ ایم کا تمغہ عطا فرماوئے۔

فوجی عدالت میں پیشی

دوسرے دن مجھے فوجی عدالت میں لے گئے۔ جج بھی کپتان تھا۔ عدالت کے باہر ہمارے دفتر کے بہت سے ملازمین فیصلہ سننے کے لئے کھڑے تھے۔ رائٹ صاحب بھی مدعی کی حیثیت سے کمرہ عدالت میں موجود تھے۔ جج نے مجھ سے کہا کہ آپ چارج شیٹ کا جواب دو۔ میں نے وضاحت طلب کی۔ انہوں نے کہا کہ کپتان رائٹ صاحب نے آپ کو ٦ گھنٹیاں بجا کر چار مرتبہ بلایا مگر آپ نے ان کے حکم کی نافرمانی کی۔ میں نے کہا یہ بالکل صحیح ہے کہ انہوں نے چار مرتبہ مجھے بلایا مگر میں ان کے کمرہ کے بہت فاصلے پر تھا راستے میں ہی انہوں نے اپنے کمرہ کے پاس والے ہیڈ کلرک کو بلا لیا اس لئے میں واپس چلا گیا۔ اتنے تھوڑے سے وقت میں کسی انسان کا ان کے کمرہ تک پہنچنا ناممکن تھا۔ جج نے کہا گواہ پیش کرو۔ میں نے کہا کہ افسر انچارج کے خلاف کون گواہی دینے کو تیار ہوگا۔ اس پر جج صاحب نے کہا کہ میں تم کو مجرم قرار دیتا ہوں اور............ اس کے بعد فون آیا اور جنرل شوٹ جو افسر اعلیٰ تھے انہوں نے جج سے دریافت کیا کہ کیا کوئی مقدمہ مسٹر احمدی کے خلاف چل رہا ہے؟ جج نے کہا۔ ہاں حضور! میں ابھی فیصلہ سنا رہا ہوں۔ جنرل صاحب نے کہا۔ تم فیصلہ مت سناؤ بلکہ مقدمہ کے کاغذات میرے پاس لاؤ۔ جج کاغذات کلے کر لفٹ پر جنرل صاحب کے پاس چلا گیا۔

کپتان صاحب نے مجھے کہا۔ مسٹر احمدی! ہمارا بہت اچھا وقت گزر رہا تھا مگر اب تم جیل چلے جاؤ گے۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ میں نے جواب دیا مسٹر رائٹ!

You are wrong. You are nothing but a dead worm on the face of earth. My God who is a living God shall elevate me and He shall disgrace you.

تم غلط کہتے ہو تم زمین پر ایک مرے ہوئے کیڑے ہو۔ میرا خدا جو زندہ خدا ہے مجھے یقین ہے کہ وہ مجھے عزت دے گا اور تم کو ذلیل کرے گا۔

جنرل صاحب کا انصاف

اتنے میں جج صاحب واپس آئے اور ہم دونوں کو کہا کہ جنرل صاحب آپ دونوں کو بلا رہے ہیں۔ہم لفٹ پر دونوں لڑتے ہوئے ہی گئے۔ جب ہم جنرل صاحب کے دفتر پہنچے تو پہلے انہوں نے مجھے بلایا اور عزت سے کرسی پر بٹھایا اور کہا آپ بریگیڈیر گڈ کو جانتے ہیں؟ میں نے کہا بہت اچھی طرح۔ انہوں نے فرمایا ان کا تار آیا ہے وہ آپ کو اپنے بریگیڈ میں چیف کلرک کی جگہ طلب کر رہے ہیں۔ ایک سو روپے الاؤنس ماہوار آپ کو زیادہ دیں گے۔کیا آپ جانے کے لئے تیار ہیں؟ میں نے کہا۔ میں بالکل تیار ہوں۔ انہوں نے بریگیڈیر میجر سے کہا کہ گڈ صاحب کو تار دے دو کہ مسٹر احمدی آرہا ہے اور احمدی کو ترقی کا آرڈر دے دو اور ریلوے وارنٹ دے دو۔ اردلی دے دو جوان کو چھوڑ کر آئے۔

میں تو خدا کا شکر کرتا رہا۔ اس کے بعد جنرل صاحب نے کپتان رائٹ صاحب کو اپنے دفتر میں بلایا اور ان کو کرسی نہ دی بلکہ سامنے کھڑا رکھا اور دریافت کیا۔تم کون ہو؟ اس نے کہا۔ رائٹ ۔ جنرل صاحب نے کہا۔نہیں تم غلط کہتے ہو۔جج نے مجھے بتلایا ہے کہ پادریوں کے کہنے سے تم نے مسٹر احمدی کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ بنایا ہے اور تم نے جج سے کہا تھا کہ اس کو چھ ماہ جیل دے دو تا کہ یہ ہندوستان واپس چلا جاوے اور مصری مسلمانوں کو عیسائی ہونے سے نہ روک سکے۔کیا تم نے سٹاف کا امتحان پاس کیا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں ۔ جنرل صاحب نے فرمایا۔ میں تمہارے اس امتحان کو منسوخ کرتا ہوں اور تمہارا ماہوار الاؤنس بند کرتا ہوں اور تم کو دفتر کی بجائے میدان جنگ میں بھیجتا ہوں۔

غرض میں ترقی کا اور رائٹ صاحب تنزلی کا آرڈر لے کر عدالت کے کمرہ سے باہر آئے۔ دفتر کے ملازمین نے مجھ سے دریافت کیا۔ مسٹر احمدی! مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوا۔ میں نے جواب دیا کہ میں ہیڈ کلرک سے چیف کلرک ہو گیا اور سو روپیہ الاؤنس زیادہ ملے گا۔ انہوں نے سمجھا کہ احمدی کو سزا ہو گئی ہے اس لئے اس کا دماغی توازن ٹھیک نہیں رہا۔ غلط جواب دے رہا ہے۔ انہوں نے کپتان صاحب کی طرف رخ کیا۔ انہوں نے جواب دیا۔ جنرل صاحب نے مجھے گرا دیا ہے اور احمدی کو ترقی دے دی۔ اس غصے میں اس نے بریگیڈیر میجر کو جہاں میں جا رہا تھا خط لکھ دیا کہ احمدی عیسائیت کا دشمن ہے اس کو چیف کلرک ہرگز نہ بنایا جائے وہ میری تنزلی کا باعث ہوا ہے۔

جب تار پہنچا تھا تو گڈ صاحب کو دو ہفتہ کے لئے خاص ڈیوٹی پر کہیں اور جانا تھا اس لئے وہ جاتے ہوئے کہہ گئے۔ ’’بریگیڈیر میجر صاحب میرا احمدی آرہا ہے اور اسے کوئی تکلیف نہ ہو۔‘‘

My Ahmadi is coming. See that he is not put to any trouble.

میں جب پہنچا تو میرے ساتھ کپتان رائٹ صاحب کا خط بھی بریگیڈیر میجر صاحب کو ملا اس لئے اس نے سٹاف کپتان کو ۱۴ روز کی رخصت پر بھیج دیا اور مجھے اس کی جگہ کام کرنے کو کہا۔

جب بریگیڈیر گڈ صاحب واپس آئے تو ان کو رائٹ صاحب کا خط دکھلایا گیا۔ انہوں نے اس کو پھاڑ دیا اور فرمایا میں مسٹر احمدی کو جانتا ہوں وہ ایسا آدمی نہیں ہے۔ مجھے چیف کلرکی کا چارج دیا گیا مگر میں نے دیکھا کہ میرے آنے سے چار کلرک فالتو ہو گئے ہیں۔ میں گڈ صاحب کے پاس گیا کہ آپ نے مجھے کیوں بلایا ہے آپ کے پاس تو ضرورت سے زیادہ سٹاف ہے۔ انہوں نے فرمایا تین ماہ ہوئے جب میں بریگیڈیر ہوا تھا تو آپ نے مجھے مبارکبادی کا تار دیا تھا مگر افسوس کہ میں آپ کا شکریہ ادا نہ کر سکا مجھے خیال آیا کہ آپ کو اپنے پاس بلایا جائے اس لئے میں نے جنرل شوٹ صاحب کو جو میرے ایک دوست ہیں آپ کے آنے متعلق تار دے دیا۔ اب آپ آگئے ہیں میں آپ کی مبارکبادی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں نے گڈ صاحب کو اپنے خلاف مقدمہ کا حال سنایا اور ان سے کہا کہ آپ خدا تعالیٰ کے نشان کا ایک حصہ ہیں اس لئے میں تہجد کی نماز میں چالیس روز تک آپ کی ترقی کے لئے دعا کروں گا۔ ڈیڑھ ماہ بعد گزٹ میں شائع ہوا کہ کمانڈرانچیف نے ان کو D.S.O ''Distinguished Service Order'' کا اعزاز دیا ہے جب میں ان کو مبارکباد دینے گیا تو انہوں نے کہا کہ احمدی! یہ تمہاری چالیس روزہ دعاؤں کا نتیجہ ہے کہ مجھے یہ اعزاز ملا ہے۔ گڈ صاحب نے خفیہ طور پر میری سفارش کر دی اور چند روز میں گزٹ میں میرے متعلق شائع ہوا کہ کمانڈرانچیف نے مجھے آئی۔ ایم۔ ایس۔ ایم کا تمغہ دیا ہے۔

الحمد للہ کہ جو امید میں نے اپنے پیارے خدا تعالیٰ پر باندھی تھی وہ پوری ہو گئی اور میں وہ تمغہ سینہ پر لگا کر چند روز کی رخصت لے کر اپنے پرانے دفتر گیا اور علی حسن صاحب کو ساتھ لے کر مخالف کلرکوں کے پاس گیا اور ان کو تمغہ دکھلا کر کہا۔ یہ وہ تمغہ ہے جو میرے قادر خدا نے مجھے عطا فرمایا ہے جس کو دیکھ کر وہ سخت نادم ہوئے۔ **والحمد للہ**

سندھ میں تبلیغ کا واقعہ

تحریک جدید جاری ہونے کے بعد عاجز نے چار ماہ کی رخصت تبلیغ کے لئے وقف کی تھی اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے مجھے حکم دیا کہ حیدرآباد سندھ جا کر تبلیغ کرو۔ عاجز کی تبلیغ سے ایک تاجر چرم

محمد صدیق صاحب احمدی ہو گئے۔ اس لئے تاجر طبقہ نے حافظ عبدالحکیم صاحب تاجر چرم دادو کو میرے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے بلایا۔ قبل ازیں شیخ عظیم الدین صاحب مرحوم پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ کے مکان پر گفتگو ہو رہی تھی۔ حافظ صاحب نے کہا۔ احمدی ہر جگہ دو چار ہوتے ہیں مگر سب مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ حدیث کے مطابق کفر الٹ کر ان پر ہی پڑتا ہے۔ یہ سب پکے کافر ہیں۔ میں نے حافظ صاحب کے سامنے یہ حدیث سَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ فِرْقَۃٍ کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا وَاحِدَۃً۔ ایک وقت میری امت پر آئے گا کہ وہ ۷۳ فرقوں میں بٹ جائے گی۔ سب فرقے جہنمی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے، پیش کر کے سوال کیا کہ اس حدیث کے مطابق ایک فرقہ ۷۲ فرقوں کو جہنمی قرار دے گا۔ آپ کی پیش کردہ حدیث کے مطابق ایک فرقہ بھی پکا کافر ہو جائے گا۔ میں نے بتایا۔ حدیث شریف میں آتا ہے مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً جو امام وقت کو نہیں مانتا وہ جاہلیت یعنی کفر کی موت مرتا ہے۔ میں نے کہا اس وقت سوائے حضرت مرزا صاحب کے کسی نے مجدد اور امام ہونے کا دعویٰ نہیں کیا کیونکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ ہر صدی کے سر پر مجدد آتا ہے جیسے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا ۔ میں نے کہا۔ اگر کسی شخص نے مجدد ہونے کا دعویٰ کیا ہو تو پیش کریں سوائے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے۔ حافظ صاحب کچھ جواب نہ دے سکے اور بدزبانی پر اتر آئے۔ جب وہ خاموش ہوئے تو میں نے کہا۔ حافظ صاحب! آپ نے ایک حدیث پیش کی۔ میں نے دو حدیثیں پیش کر دیں۔ آپ نے بدزبانی کی ہے۔ اس کا بھی میرے پاس جواب ہے۔ حافظ صاحب کہنے لگے۔ آپ کے پاس کیا جواب ہے؟ میں نے کہا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں یہ تعلیم دی

گالیاں سن کے دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

ہم آپ کے لئے دعا کریں گے۔ یہ سن کر حافظ صاحب خاموش ہو گئے۔ اس کے بعد بارش شروع ہو گئی۔ نہ میں نہ حافظ صاحب اپنی جگہ جا سکے۔ نماز مغرب اور عشاء جمع کر کے ہم نے پڑھیں اور میں نے حافظ صاحب کی ہدایت کے لئے دعا کی۔ بارش بارہ بجے رات تک ہوتی رہی کھانا بھی ہم نے مل کر کھایا۔ کھانا کھاتے ہوئے حافظ صاحب تو سلسلہ کے متعلق سوالات کرتے رہے اور میں جواب دیتا رہا۔ مکرم

حافظ صاحب نے کہا کہ یہاں پونے تین احمدی بیٹھے ہیں۔ میں نے کہا حافظ صاحب میں اور شیخ عظیم الدین صاحب (مرحوم) تو دو ہوئے پونا احمدی کون ہے؟ حافظ صاحب نے فرمایا: پونا احمدی مجھے سمجھ لیں۔ میں نے کہا۔ حافظ صاحب ۲۵ فیصدی کی کسر بھی نکال دیجئے۔ فرمانے لگے۔اس کے لئے تو کئی سال چاہئیں۔ میں نے فیصلہ کیا کہ آج تہجد کے نوافل میں حافظ صاحب کی ہدایت کے لئے میں انشاء اللہ دعا کروں گا۔ رات کو تین بجے کے درمیان میں اٹھا اور وضو کر کے تخت پوش پر مصلّٰی بچھا کر نوافل تہجد ادا کئے اور ہر سجدہ میں حافظ صاحب کی مکمل ہدایت کے لئے دعا کرتا رہا۔اس کے بعد میں چارپائی پر آ کر لیٹ گیا۔حافظ صاحب کی چارپائی بھی میری چارپائی کے نزدیک تھی۔نماز فجر ہم مکرم محمد صدیق صاحب نو احمدی کی دوکان پر پڑھتے تھے۔جب میں اور شیخ عظیم الدین صاحب (مرحوم) نماز فجر کے لئے جانے لگے تو حافظ صاحب نے مجھے کہا۔ حاجی صاحب: میرے ایک خواب کی تعبیر بتاویں۔فرمانے لگے۔ جب آپ نے نوافل ادا کئے تو میں دیکھ رہا تھا۔آپ نے ۲۔۲ نفل کل آٹھ رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ اپنی چارپائی پر آ گئے اور میں سو گیا اور خواب میں آپ کو دیکھا اور آپ سے دریافت کیا کہ آپ کو تہجد کی نماز سے کیا ملا؟ آپ نے جواب دیا پچیس روپے ملے۔ میں نے کہا۔خدا کی قسم کھائیں اور کلمہ پڑھیں کہ آپ کو پچیس روپے تہجد کی نماز سے ملے ہیں۔آپ نے قسم کھائی اور کلمہ پڑھ کر کہا کہ مجھے تہجد کی نماز سے ۲۵ روپے ملے۔ میں نے کہا۔ دکھائیں تو آپ نے اپنی ہتھیلی میرے سامنے کر دی۔اس پر چاندی کے پچیس روپے پڑے تھے۔ میں نے کہا۔کس جگہ سے آپ کو یہ روپے ملے؟ آپ نے مصلّٰی کا کونہ اٹھا کر کہا۔ یہ سجدہ کی جگہ سے ملے (چونکہ میں نے مکرم حافظ صاحب کی ہدایت کے لئے ہر سجدہ میں دعا کی تھی وہ قبول ہوگئی) میں نے حافظ صاحب سے کہا۔ حافظ صاحب مقدر یہی ہے کہ آپ احمدی ہو جائیں گے۔آپ حیدرآباد سے جائیں گے نہیں جب تک آپ بیعت نہ کر لیں۔آپ نے خود کہا تھا کہ ۲۵ فیصدی کی کسر کئی سال میں نکلے گی مگر عاجز کی دعا سے آپ کی یہ کسر نکل گئی ہے۔روپے چاندی کے صداقت کو ثابت کرتے ہیں اور کلمہ میں نے پڑھا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حقیقی کلمہ گو ہم ہیں۔اس کے دو روز بعد حافظ صاحب نے بیعت کر لی اور اب خدا کے فضل سے مخلص احمدی ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم پر عمل کرنے کی برکت ہے۔فالحمدللہ۔

❁❁

محترم گیانی واحد حسین صاحب

آپ اپنے خودنوشت حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ابتدائی تعلیم

میرا نام مرزا واحد حسین ہے۔ میرے والد صاحب کا نام مرزا حسین بیگ صاحب ہے۔ اصل وطن کلانور ضلع گورداسپور ہے۔ بعض وجوہات کی بناء پر کچھ عرصہ تک میں سکھوں میں رہا اور سکھ مذہب کی تعلیم حاصل کی۔ گرنتھ صاحب اور جنم ساکھیاں اور سکھ تاریخ یعنی سورج پرکاش، پنتھ پرکاش، گوربلاس وغیرہ کتابیں درساً ترنتارن میں پڑھیں۔

میری عمر قریباً چودہ سال تھی اور میں آٹھویں جماعت میں امرتسر مشن ہائی سکول میں پڑھتا تھا کہ سکھوں میں جا کر شامل ہو گیا اور گھر والوں کو اس کی کوئی اطلاع نہیں تھی۔

قبولِ احمدیت

اکالی تحریک کے شروع ایام میں جناب ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب بی۔اے سابق مہر سنگھ نے مجھے تبلیغ کی اور میں نے احمدیت قبول کر لی۔ مرزا احمد بیگ صاحب جو ان دنوں امرتسر میں بنک کے بڑے افسر لگے ہوئے تھے نے میری بیعت کا خط لکھا غالباً ۱۹۲۸ء کا یہ واقعہ ہے۔ اس کے بعد میں قادیان آ گیا اور سلسلہ نے میری خدمات سکھوں میں تبلیغ کے لئے حاصل کر لیں۔ میری طبیعت میں مزاح اور ظرافت کا پہلو نمایاں ہے۔ اس وجہ سے میری طرز تبلیغ ہمیشہ منفردانہ رہی ہے۔ یعنی دوران تقریر و تبلیغ ہمیشہ دلائل کو میں نے ایسا رنگ دیا ہے کہ سننے والا اثر قبول کرنے کے ساتھ ساتھ خوش بھی رہے۔ اسی وجہ سے سلسلہ نے میرے طرزِ تکلم اور میری تبلیغی جدوجہد کو ہمیشہ قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے اور میرے ساتھ ہمیشہ عمدہ سلوک کیا ہے۔

تبلیغِ احمدیت

میں نے دوران ملازمت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سے علاقوں کا دورہ کیا اور کئی معرکے سر کئے

اور جہاں کہیں بھی گیا ہر مجلس اور ہر جلسہ پر چھا گیا۔ یہ سب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے طفیل اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی دعاؤں اور ان کے دَورِ خلافت کی برکات ہیں۔ ورنہ من آنم کہ من دانم۔

ذیل میں چند ایک تبلیغی واقعات از دیادِ ایمان کے لئے تحریر کر رہا ہوں:

پادریوں سے بحث

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ لنگر خانہ میں میری ڈیوٹی تبلیغ پر مقرر تھی۔ پادریوں کا ایک گروپ ہمارے مہمان خانہ میں آ گیا۔ ان میں امریکن مشن کا بھی ایک پادری تھا۔ وہ میرے پاس آ کر مجھے عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگا۔ ہم نے انہیں خوش آمدید کہا اور کھانا کھلایا۔ وہ مجھے کہنے لگا گیانی صاحب خداوند یسوع مسیح نے ہماری خاطر جان دی اور ہماری نجات کا موجب بنا۔ میں نے جواباً کہا کہ واقعی یہ ہے تو بڑی قربانی مگر بعد میں جیسا کہ آپ کا عقیدہ ہے کہ دوبارہ زندگی واپس دے دی اور پھر زندہ ہو گئے تو اس طرح جو گناہ ان کے مرنے سے ختم ہوا تھا۔ وہ ان کے زندہ ہونے سے دوبارہ زندہ ہو گیا۔ چونکہ گناہ پھر واپس ہو گیا اور دنیا ایک دفعہ چھٹکارا پانے کے بعد پھر گنہگار ہو گئی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے خداوند کی نیت میں پہلے سے فتور تھا۔ جیسا کہ لکھا ہے:

”اور ابن آدم جان دیتا ہے کہ اسے واپس پھیرے“ (یوحنا باب ۱۰ آیت ۱۷)

یہ ایک سودا تھا۔ یعنی مسیح جان پوری طرح دیتا اور مرا رہتا تب تو دنیا کی طرف واپس نہ آتا لیکن انہوں نے سودا فسخ کر دیا۔ جان واپس لے لی اور گناہ بھی واپس لوٹ آیا۔ پس مسیح کی قربانی کہاں باقی رہی۔ پادری اس پر حیران اور ششدر رہ گیا۔

اس کے علاوہ اور بھی مختلف مسائل پر گفتگو بڑی خوشگوار فضاء میں ہوتی رہی۔ دورانِ گفتگو میں نے ایک سوال پادری صاحب سے یہ کیا کہ مسیح کے خون پر ایمان لانے سے ایک دفعہ تو سب پاک ہو گئے لیکن اس کے بعد اگر کوئی گناہ کرے تو اس کے لئے معافی کی کیا صورت ہے؟ کیا دوبارہ کفارہ کسی اور جان کا ہو گا یا وہی پہلا کفارہ کافی ہے؟ اس نے کہا کہ خطوں میں لکھا ہے کہ اگر کوئی گناہ کرے تو ہمارے لئے خدا کے پاس ہمارا شفیع یعنی مسیح موجود ہے۔ میں نے جواباً اسے کہا کہ عبرانیوں کے خط میں لکھا ہے کہ:۔

”اگر وہ برگشتہ ہو جائیں تو انہیں توبہ کے لئے پھر نیا بنانا ناممکن ہے اس لئے کہ وہ خدا کے بیٹے کو اپنی طرف سے دوبارہ صلیب دے کر اعلانیہ ذلیل کرتے ہیں۔“ (عبرانیوں ۱/۶)

’’کیونکہ حق کی پہچان حاصل کرنے کے بعد اگر ہم جان بوجھ کر گناہ کریں تو گناہوں کی کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی۔ ہاں عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور غضبناک آتش باقی ہے جو مخالفوں کو کھا جائے گی۔‘‘

(عبرانیوں باب ۱۰ آیت ۲۶، ۲۷)

یہ حوالہ سن کر اس نے حوالہ دیکھنے کا مطالبہ کیا۔ جب میں نے حوالہ دکھا دیا تو پھر خاموش ہو گیا۔ اس کے بعد میں نے اسے تبلیغ شروع کی۔ اسے استثناء باب ۱۸ آیت ۱۸ کی یہ پیشگوئی اسے سنائی:

’’خدا تیرے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرے گا۔‘‘ اس پر اس نے کہا کہ یہ نبی تو مسیح ہے کیونکہ موسیٰ کے بھائیوں یعنی بنی اسرائیل میں سے آنے والا صرف مسیح ہے نہ کوئی اور دوسری بات یہ ہے کہ ساری بائبل میں از اوّل تا آخری بنی اسرائیل کے لئے کسی غیر بنی اسرائیل کو ان کے بھائی نہیں کہا گیا۔ اس لئے آپ کا یہ دعویٰ کہ بنی اسمٰعیل کو یہاں بنی اسرائیل کے بھائی قرار دیا گیا ہے غلط ہے۔ یہ بات جو امریکن پادری نے کہی تھی یہ پادری برکت اللہ صاحب نے بھی اپنی کتاب ’’توریت موسوی اور محمد عربی‘‘ میں لکھی ہے۔ معلوم ہوتا تھا کہ یہ جواب اس امریکن پادری نے وہاں سے پڑھا تھا۔ میں نے اس کے دو جواب دیئے۔ پہلا جواب یہ کہ آپ کا یسوع مسیح تو ہرگز بنی اسرائیل کے بھائیوں‘‘ میں سے کہلانے کا مستحق ہی نہیں کیونکہ وہ بن باپ پیدا ہوئے اور بائبل ماں کی طرف سے شجرہ نسب نہیں مانتی۔ دیکھو۔ تواریخ کے نسب نامے جو ابراہیمی نسل کے مذکور ہیں۔ البتہ اگر بائبل میں یہ ذکر ہوتا کہ ’’میں تجھ سا نبی تیری بہنوں میں سے برپا کروں گا‘‘ تب آپ کا یہ اعتراض برمحل تھا۔ کیونکہ مسیح بن باپ تھا۔ میرے اس جواب پر وہ قہقہہ مار مار کر ہنس پڑا۔ کہنے لگا یہ بڑا ہی انوکھا جواب ہے۔ میں نے آج تک نہیں سنا۔

دوسرا جواب میں نے یہ دیا کہ تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے بلکہ بائبل میں بنی عدوم کو اسرائیلیوں کا بھائی کہا گیا ہے حالانکہ وہ غیر اسرائیلی ہیں۔ دیکھو پیدائش باب ۲۰ آیت ۲۴ تا ۲۶ و استثناء باب ۲، آیت ۸ باب ۲ آیت ۴ دباب ۲۳ آیت ۷۔

اس پر وہ خاموش ہو گیا اور ایک نیا اعتراض اس نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر یہ کیا کہ لکھا ہے کہ وہ گورنر کی مانند ہوگا۔ یہ اعتراض بھی پادری برکت اللہ صاحب نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ اس کا جواب میں نے یہ دیا کہ گورنر سے مراد ’’آزاد مرد‘‘ ہے۔ جیسا کہ بائبل میں لکھا ہے کہ ’’وہ گورنر کی طرح آزاد مرد ہوگا۔‘‘ پیدائش باب ۱۶ آیت ۱۲ اور نیز بتایا کہ ایوب باب ۱۱ آیت ۱۲ میں لکھا ہے کہ ’’اگرچہ انسان

پیدائش میں گورنر کے بچے کی مانند ہے۔'' اِس آیت میں ہر انسانی بچے کو گورنر کی مانند کہا گیا ہے اور حضرت مسیح بھی اس آیت کی رُو سے گورنر کی مانند بنتے ہیں۔ پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر اعتراض کیسا۔ اس پر حیران ہوکر کہنے لگا کہ تم تو سیدھے سادے آدمی معلوم ہوتے ہو تمہیں تو ساری بائبل از بر یاد ہے۔

اس نے حضرت ہاجرہ کے لونڈی ہونے پر بھی اعتراض کیا اور کہا کہ حضرت اسمٰعیل تو لونڈی زادہ ہے۔ اس پر میں نے جواب دیا کہ اول تو سارے بنی اسرائیل بوجہ مصر میں غلام رہنے کے سب ہی غلام ہیں اور لونڈی زادے ہیں۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل کی چاروں مائیں ہی لونڈیاں تھیں یعنی یعقوب علیہ السلام کی چاروں بیویاں بھی لونڈیاں تھیں۔ میں نے حوالہ دکھایا۔ زلفہ اور بلہا لونڈیاں تھیں۔ پیدائش باب ۲۹ آیت ۲۴.

اور دوسری بیویوں لیاہ اور راحل کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنے باپ رابن کے متعلق کہا کہ ''اس نے تو ہمیں بیچ ڈالا اور ہمارا مال بھی کھا بیٹھا۔'' (پیدائش باب ۳۱ آیت ۱۵)۔

پس ثابت ہوا کہ یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد لونڈی زادہ ہے اور خود مسیح علیہ السلام بھی لونڈی زادہ ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ روت جس کا الگ ایک صحیفہ بائبل میں موجود ہے۔ موآبی نسل عورت تھی جو خدا کی ناپسندیدہ نسل تھی۔ روت کے متعلق اس طرح لکھا ہے کہ ''اس (بوا) نے اس کو خریدا اور اپنی جورو کیا تا کہ اس مردے کے نام اس کی میراث قائم کرے۔'' (روت باب ۴ آیت ۱۰)

''بوا سے عبید پیدا ہوا، عبید سے یسی پیدا ہوا، یسی سے داؤد پیدا ہوا۔ اور مسیح ابن داؤد ہے۔''

(متی باب ۱ آیت ۱)

یہ حوالہ دیکھ کر وہ مبہوت رہ گیا۔ کہنے لگا یہ تو تراجم ہیں۔ اصل متن دیکھو میں نے کہا اصل متن کہاں ہے۔ اس پر اس نے عبرانی بائبل پیش کی۔ میں نے کہا۔ یہ بھی تو ترجمہ ہے کیونکہ توریت کی زبان عبرانی نہیں اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام تو کنعان نہیں آئے۔ انہوں نے مصری زبان سیکھی تھی کیونکہ مصر ہی میں پیدا ہوئے۔ جیسا کہ لکھا ہے:۔

''موسیٰ نے مصریوں کے تمام علوم کی تعلیم پائی۔'' (اعمال ۲۲/۷)

پھر توریت کی زبان عبرانی کیونکر ہوئی۔ توریت کا کوئی حوالہ دکھاؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ توریت عبرانی میں نازل ہوئی۔ وہ کوئی حوالہ تو نہ دکھا سکا۔ البتہ اس نے قرآن مجید کے متعلق یہ سوال کیا کہ تم بتاؤ قرآن

مجید میں کہاں لکھا ہے کہ یہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے۔اس پر میں نے قرآن مجید کی یہ آیت بتائی۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ کہ قرآن مجید عربی زبان میں اتارا گیا ہے۔اس پر وہ خاموش ہوگیا۔دورانِ بحث بڑی خلقت جمع ہوگئی تھی اور ہر بات میں اسے شکست پر شکست ہوئی۔اس پر وہ ہماری مہمان نوازی،خوش اخلاقی اور علمی تحقیق کی داد دیتے ہوئے اور شکریہ ادا کر کے چلے گئے۔

محترم مہاشہ محمد عمر صاحب مربی سلسلہ

''میری جیون یاترا''

آپ فرماتے ہیں:

میرا جنم ضلع گورداسپور تحصیل شکر گڑھ کے ایک گاؤں وودھو چک میں ہوا۔ میرے پتا جی کا نام پنڈت دھنی رام اور دادا جی کا نام پنڈت جگت رام تھا۔ میرے پتا جی جیوتش کا کام کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کا اثر دور دراز تک تھا مجھے انہوں نے آٹھ سال کی عمر میں گورمل کانگڑی ہر یرورد میں داخل کرایا۔ وہاں پر سنسکرت کے سوا اور کوئی زبان نہیں پڑھائی جاتی تھی۔ میں نے بھی وہاں آٹھویں کلاس تک پڑھا۔ جولائی ۱۹۳۲ء تک میں گورو کُل کے ودیارتھی اپنے گوروکُل گروجی کے ساتھ پہاڑ کی یاترا کے لئے چلے اور بٹالہ میں آریہ سماج کے جلسہ میں شمولیت کے لئے اترے۔ بٹالہ کا جلسہ ختم ہونے پر ہم گوروکُل کے ودیارتھی اپنے گرو پنڈت بودھ دیو جی کے ساتھ قادیان سالانہ جلسہ پر آئے۔ قادیان میں قیام کے دوران ہم اپنے گرو جی کے ساتھ حضرت امام جماعت احمدیہ سے ملاقات کے لئے مسجد میں گئے اور اُن سے مختلف مسائل پر گفتگو ہوتی رہی۔ دوسرے دن پھر آپ مسجد میں ہی ملے۔ دوران ملاقات حضرت امام جماعت احمدیہ نے فرمایا کہ میں ایک آسان بات پیش کرتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ ہمیں اپنے طالب علم دیں جن کے اخراجات پڑھائی اور رہائش اور کھانے وغیرہ کا میں ذمہ دار ہوں گا اور ہم ان کو عربی پڑھائیں گے اور وہ عربی پڑھنے کے بعد مسلمان ہونے کا اظہار کریں تو ہم ان کو مسلمان نہیں کریں گے۔ چنانچہ کچھ عرصہ کے بعد صرف میں ہی اس شرط پر عربی پڑھنے کے لئے قادیان آیا چنانچہ حضور نے میرے کھانے کا علیحدہ انتظام کیا جس کو ایک ہندو پکاتا تھا اور عربی کی پڑھائی کا بھی انتظام کیا اور پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل و کرم کیا کہ اس نے مجھے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔ **الحمدللہ علیٰ ذالک** دوران تبلیغ پیش آنے والے چند ایمان افروز واقعات ازدیاد ایمان کی غرض سے درج ذیل ہیں:

مسلمانوں کو آریہ سماجی بنانے سے بچانا

ایسا ہی ایک اور واقعہ عرض کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر اس خادم کی مدد کی اور وہ اس طرح ہے کہ خاکسار تبلیغی دورہ پر جالندھر چھاؤنی گیا ہوا تھا اور محترم مکرم بابو فضل دین صاحب اوورسیئر کے ہاں مقیم تھا کہ تین آدمی آئے۔ ان میں سے ایک رو رہا تھا۔ اس کی آنکھیں متورم تھیں انہوں نے آکر بابو صاحب سے کہا کہ اس آدمی کا لڑکا علاولپور میں پوسٹل کلرک ہے اور وہ آریہ سماجی بن گیا ہے۔ علاولپور کے لوگ اس کے والد کو لے کر اکثر علماء کے پاس گئے ہیں لیکن کسی کو یہ جرأت نہیں ہوئی کہ وہ رام چندر کے ساتھ مناظرہ کرلے۔ ہم امرتسر میں ایک مولوی صاحب کے پاس گئے اوران کو تمام حالات بتائے تو انہوں نے جو اخراجات کی تفصیل بتائی وہ اتنی تھی کہ میں اپنا گھر بیچ کر بھی نہیں ادا کرسکتا۔ لڑکے کے باپ نے روکر ان مولوی صاحب سے کہا کہ میرے گھر کو آگ لگ گئی ہے اور میرا اکلوتا بیٹا آریہ سماج کی گود میں چلا گیا ہے اور آپ کو کوئی ہمدردی نہیں ہے۔ اگر میرا بیٹا بچ گیا تو میں اپنی ساری جائداد آپ کو دے دوں گا لیکن مولوی صاحب نے پیشگی اخراجات لئے بغیر آنے سے انکار کردیا۔ ان کی یہ دردناک داستان سن کر حاضرین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لڑکے کے باپ نے بابو فضل الدین صاحب صدر جماعت احمدیہ جالندھر سے ہاتھ باندھ کر کہا کہ خدا کے لئے میرے گھر کو تباہی سے بچاؤ اس وقت آپ کے بغیر اور کوئی میری مدد نہیں کرسکتا۔ یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگا۔ بابو صاحب محترم نے فرمایا۔ ہم چلتے ہیں اپنا کرایہ دیں گے، اپنا کھانا کھائیں گے اور آپ کا بھی جانے کا کرایہ ہمارے ہی ذمہ ہے۔ آخر بابو صاحب محترم اور خاکسار مع اس کے والد کے علاولپور کے لئے روانہ ہوئے کوئی چار بجے کے قریب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ آریہ سماج میں پنڈت رام چندر دھوری تقریر کررہے ہیں اور وہ لڑکا ان کے پاس ہی کرسی پر بیٹھا ہے۔ ہمیں دیکھ کر پنڈت جی نے ایک آدمی کو بھیجا کہ وہ ہمیں سٹیج پر لے آئے۔ ہم نے انکار کیا اور عام حاضرین کے درمیان ہی بیٹھ گئے۔ ہمارے وہاں پر آنے کے تھوڑی دیر بعد پنڈت جی نے لیکچر ختم کردیا تو اس نوجوان لڑکے نے اٹھ کر کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں یہ اعتراض ہیں اگر کوئی مسلمان مولوی اس کا جواب دے اور میری تسلی کردے تو اچھا ہے ورنہ میں آریہ سماجی ہو جاؤں گا۔ اس لڑکے کے اعلان پر مجمع میں پانچ منٹ تک برابر سکون رہا۔ جلسہ میں علاوہ اور علماء کے مولوی محمد علی صاحب جالندھری بھی موجود تھے آخر محترم بابو فضل دین صاحب کے ارشاد پر خاکسار کھڑا ہوا اور پنڈت جی سے کہا کہ میں ان اعتراضات کے بارے میں کچھ

کہنا چاہتا ہوں۔اس پر پنڈت جی نے کہا کہ آج کا دن تو ہم نے صرف مسلمانوں کے لئے رکھا ہے آپ کو کل وقت دیا جائے گا۔اس پر میں نے کہا کہ میں مسلمان ہوں اس لئے میں آج ہی کچھ کہوں گا۔اس پر پنڈت صاحب نے کہا کہ دوسرے مسلمان آپ کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ میں نے کہا جب میں اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہوں تو کسی کا کیا حق ہے کہ وہ مجھے غیر مسلم کہے۔جیسے کہ آپ اپنے آپ کو آریہ سماجی کہتے ہیں حالانکہ گوروکل پارٹی آپ کو غیر آریہ سمجھتی ہے میرا کوئی حق نہیں کہ آپ کو غیر آریہ سماجی سمجھوں ایسے ہی جب میں نے اپنے آپ کو مسلمان کہا ہے تو کسی کا کیا حق ہے کہ وہ مجھے غیر مسلم کہے اور آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ میں مسلمانوں کا نمائندہ ہوں اور ان کے مشورہ سے ہی میں کھڑا ہوا ہوں۔میں نے اونچی آواز سے کہا کہ مولوی محمد علی صاحب ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ تمام مسلمانوں کی طرف سے آریہ سماج کے مناظر سے گفتگو کریں۔

اس پر مولوی محمد علی صاحب جالندھری کھڑے ہوئے اور کہا کہ یہ مقابلہ کفر اور اسلام کا ہے۔اسلام کی طرف سے مہاشہ محمد عمر صاحب پیش ہوں گے جو کہ مسلمانوں کے نمائندہ ہیں ان کے ساتھ جو ہمارے اختلاف ہیں وہ اندرونی ہیں لیکن غیر مسلموں کے مقابل پر ہم سب ایک ہیں۔

آخر میں نے پنڈت جی کے ساتھ مناظرہ کیا۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے وہ نوجوان بچ گیا اور اس نے بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ میرے شکوک رفع ہو گئے ہیں اور میں ایک پکا مسلمان ہوں۔مسلمانوں کے ایک بہت بڑے مجمع نے جلوس نکالا اور ہم نے اس نوجوان کے آریہ سماجی بننے سے انکار پر خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور ہم دونوں واپس جالندھر چھاؤنی آ گئے۔

پنڈت دھرم بھکشو سے مناظرہ

جب جون ۱۹۳۹ء میں آریہ سماج دہلی نے اپنی گولڈن جوبلی منائی تو انہوں نے تمام مذاہب کے علماء کو آریہ سماج کی سٹیج پر آ کر اختلافی مسائل پر بات چیت کرنے کی دعوت دی۔چنانچہ اہل حدیث کی طرف سے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری پیش ہوئے اور آریہ سماج کی طرف سے پنڈت دھرم بھکشو صاحب پیش ہوئے۔جس مسئلہ پر گفتگو ہونی قرار پائی وہ حدوث روح مادہ کی قدامت تھا کہ آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہے کہ روح و مادہ قدیم ہیں جو ازل سے چلے آتے ہیں اور خدا تعالیٰ کائنات کا خالق نہیں ہے حالانکہ اسلام کی رو سے یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی تخلیق کردہ ہیں۔

دورانِ مناظرہ دھرم بھکشو صاحب نے ایک آیت کریمہ کو غلط طریقے سے پڑھا۔مولوی صاحب نے فوراً

استہزاء کرتے ہوئے ٹوکا کہ آریہ سماج کے مشہور ترین مناظر کو عربی کی آیت صحیح نہیں پڑھنی آتی۔ اس پر پنڈت جی نے کہا کہ بے شک میں عربی کے الفاظ غلط پڑھتا ہوں مگر پڑھ ضرور گیا ہوں اگر چہ میرے نزدیک یہ اونٹوں کی زبان ہے لیکن آپ تو ہندی زبان کا ایک لفظ غلط بھی نہیں پڑھ سکتے۔ میں کتاب پر نشان لگا کر دیتا ہوں اس کو پڑھ دیں اور یہ دس روپے انعام لے لیں اور ساتھ ہی پنڈت جی نے دس روپے کا نوٹ نکال کر رکھ دیا اس پر مجمع میں سناٹا چھا گیا۔ مولوی صاحب اس چیلنج کو منظور نہ کر سکے اور اسی حال میں مناظرہ تتر بتر ہو گیا مسلمانوں کا شرم کے مارے برا حال تھا۔

اس دن شام کے وقت مسلمانوں کا ایک وفد بابو نذیر احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ دہلی کے پاس گیا اور درخواست کی کہ ہندو مناظر سے مناظرہ کرنے کے لئے جماعت احمدیہ اپنا کوئی مناظر بھیجے۔ جماعت احمدیہ نے پنڈت جی سے مناظرہ کرنے کے لئے مجھے متعین کیا۔ مہاشہ فضل حسین صاحب میرے معاون تھے اگلے روز مناظرہ ہونا قرار پایا اور گفتگو کا موضوع ''کیا وید ایک کامل الہامی کتاب ہے یا قرآن شریف'' مقرر کیا گیا۔

دورانِ مناظرہ میں نے وید کی رو سے خدا تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے دو منتر پیش کئے۔ ایک منتر کی رو سے خدا تعالیٰ کو کھانے پینے والی ہستی ثابت کیا گیا ہے اور دوسرے منتر میں یہ پرارتھنا تھی کہ ''خدا ہماری چیزیں مت چرا اور مت چراؤ'' اس منتر پر دھرم بھکشو نے چیلنج کیا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ اس منتر کے یہ معنے نہیں ہیں بلکہ اس منتر میں خدا تعالیٰ سے دعا کی گئی ہے کہ ''وہ ہمارے سامان کی حفاظت کرے۔ جب میری باری آئی تو میں نے جان بوجھ کر اس مسئلے کے متعلق خاموشی اختیار کی۔ پنڈت جی نے سمجھا کہ مجھ سے کوئی جواب نہیں بن آیا لہٰذا وہ شیر ہو گئے اور نہایت زوردار آواز میں للکارتے ہوئے کہا کہ مرزائی مبلغ نے نہایت کذب وافتراء اور دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔ اگر یہ ثابت کر دیں کہ ان منتروں کے معانی وہی ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں یعنی خدا کھانے پینے والا اور چوری کرنے والا ہے تو میں ابھی اپنی چوٹی کٹواؤں گا یعنی اپنی ہار مان لوں گا اور اگر وہ یہ ثابت نہ کر سکیں تو وہ آریہ سماجی ہو جائیں''

میں نے اس بات کے جواب میں اٹھ کر کہا کہ اصولاً یہ بات صحیح نہیں کہ اگر میں ایک دو حوالے سے ثابت نہ کر سکوں تو اپنے سچے مذہب کا جھوٹا ہونا تسلیم کر لوں اور غیر مذہب میں شامل ہو جاؤں۔ یہ میری غلطی ہو گی نہ کہ مذہب اسلام کی لیکن میں نے ویدوں کے دو منتروں کے بارے میں کہا ہے وہ صحیح ہیں

اور پنڈت بھگشو رام کا چیلنج بخوشی منظور کرتا ہوں اور اگر میں یہ دو حوالے ثابت نہ کر سکا تو لکھ کر دے دوں گا کہ میں پنڈت جی سے ہار گیا اور آئندہ کبھی ان سے مناظرہ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھا:

جو خدا کا ہے اسے للکارنا اچھا نہیں
ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبہ زار ونزار

اور پھر میں نے منتر پڑھ کر اس کے معنی لغت اور سوامی دیانند کے اپنے کئے ہوئے معنی کی رُو سے ثابت کیا اور کہا کہ پنڈت جی اب آپ نیچے اتر آئیں تا کہ آپ کی چوٹی کاٹ دی جائے اور زور سے پکارا کہ ''ہے کوئی نائی جو پنڈت جی کی چوٹی کاٹے''

اس پر تمام مسلمان مارے شیخی کے اٹھ کھڑے ہوئے اور آریہ سماجی سٹیج کی طرف دوڑے تا کہ پنڈت جی کو پکڑ کر ان کی چوٹی کاٹ ڈالیں مگر فوراً پولیس کے جتھے نے آ کر پنڈت جی کو سنبھال لیا انہیں وہاں سے نکال کر محفوظ جگہ پر پہنچا دیا۔ مسلمانوں نے خوب نعرے لگائے فضا ''اسلام زندہ باد'' اور نعرہ ہائے تکبیر اور مہاشہ محمد عمر زندہ باد کے نعروں سے گونج اٹھی۔ سناتن دھرمیوں اور جینیوں کے معززین نے آ کر محترم امیر صاحب اور خاکسار کو مبارک باد دی۔

مولوی ''دھرم سیوک'' کا واقعہ

ہندوستان کو آزاد کر دینے کا فیصلہ ہو چکا تھا مگر ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات دن بدن کشیدہ ہو رہے تھے ملک کے طول وعرض میں مذہبی فسادات اور فتنے برپا تھے سیاسی فضا میں عجیب تلخی اور تکدّر تھا۔ اس وقت اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ ملک میں کسی طرح امن وامان اور صلح وآتشی کی فضا پیدا کی جائے۔ عام مسلمانوں میں نہ تو یہ رجحان تھا اور نہ ہی مقدرت کہ وہ ہندو مسلم امن کے بارے میں کوشش کرتے۔ مختلف تنظیمات سیاسی نظریات کی ترویج واشاعت میں مشغول تھیں مگر ان کا منتہائے مقصود صرف حصول اقتدار تھا اور ظاہر ہے جب دنیاوی جاہ وحشمت پیش نظر ہو تو اپنے ہی بیگانے ہو جاتے ہیں۔

اس وقت صرف جماعت احمدیہ ہی ایک ایسی مذہبی منظم جماعت تھی جسے حصول اقتدار سے کوئی غرض نہ تھی۔ اس کا مقصد ہمیشہ سے صرف تبلیغ واشاعت دین اسلام اور تبلیغ دین سے مذہبی تعصب اور عناد کو دور کرنا ہے کیونکہ اسلام امن کا پیغامبر ہے اور اعلان کرتا ہے کہ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کہ دین کے سلسلے میں کوئی جبر

نہیں۔اسلام جب دوسرے مذاہب اوران کے بانیوں اوران کے پیروکاروں کو برانہیں مانتا تو غیر مذاہب اسلام کو کیوں برا کہیں گے؟ اوراگر کوئی اسلام جیسے امن پرور مذہب کی مخالفت کرتا ہے تو وہ یقیناً جہالت اور لاعلمی کے نتیجہ میں ہے۔

لوگوں کو اسلام کی صحیح تعلیم سے آگاہ کرنے اور غیر مسلموں کو اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے ۱۹۴۶ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ایک خاص وفد تشکیل کیا۔خاکسار کے علاوہ مولوی عبدالمالک صاحب اور گیانی عباد اللہ صاحب اس وفد کے اراکین تھے۔دورہ کرتے ہوئے ہم مولوی فضل محمود صاحب (کراچی والے) کے گاؤں گئے جو نیپال کی ریاست ترائی میں واقع ہے۔جب گاؤں کے مسلمانوں کو پتہ چلا کہ احمدی مبلغین آئے ہیں تو وہ اکٹھے ہوکر ایک مولوی صاحب کی معیت میں ہم سے اختلافی مسائل پر گفتگو کرنے کے لئے آئے۔

یہ مولوی صاحب دشنام طرازی میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔اور گندے اعتراضات کرنے لگے۔مزید براں انہوں نے نہایت اشتعال انگیزی سے کام لیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ ہمارے خلاف بھڑک اٹھے اور ہماری جانوں کے دشمن بن گئے۔

ہم جس غیر احمدی مسلمان دوست کے ہاں مہمان تھے اس نے خطرے کو بھانپ لیا اور نہایت عمدگی کے ساتھ لوگوں کو ہمارے خلاف عملی اقدام سے روک دیا۔دراصل اس نے یہ سمجھ لیا تھا کہ اگر مسلمانوں کے ہاتھوں ہمیں کوئی گزند پہنچا تو وہ خود بھی ان کی دستبرد سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

دوسرے دن پھر مسلمانوں کا ایک جم غفیر اسی مولوی صاحب کی معیت میں پہنچا اور گفتگو کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی خواہش ظاہر کی۔جناب مولوی صاحب ہمارے بہت قریب آ گئے اور زور زور سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو گندی گالیاں دینے لگے۔ساتھ ہی انہوں نے نہایت ذلیل مگر بے بنیاد اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ہم پر یقینا یہ وقت بڑا نازک تھا۔میرا دل خدا تعالیٰ کے آستانہ پر جھک گیا اور میں نے دعا کی کہ یا مولیٰ تیری نظر کرم کے بغیر یہ منزل طے نہ ہو سکے گی اور تو ہی ہے جو اپنا نشان دکھلائے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کبھی بے سہارا نہیں چھوڑتا۔اس نے اس موقع پر بھی اپنا نشان دکھلایا۔مولوی صاحب شدت جذبات میں آ کر اپنا بازو فضا میں لہراتے تھے جونہی انہوں نے اپنا بازو فضا میں لہرا کر اٹھایا تو آستین ان کے بازو پہ چڑھ گئی۔جو حصہ ننگا تھا وہاں ہندی میں ''دھرم سیوک'' کنندہ تھا میری نظر فوراً اس

پر پڑی اور مجھے یاد آ گیا کہ اس شخص ''دھرم سیوک'' نامی سے میرا مناظرہ چند سال پہلے گجرات میں ہو چکا ہے۔ یہ شخص مسلمان تھا لیکن بعد میں مرتد ہو کر آریہ سماجی بن گیا تھا۔ میں نے مولوی عبد المالک صاحب کی توجہ اس طرف دلائی اور مسلمانوں کو کہا کہ یہ شخص جو آج مسلمانوں کا ہمدرد بنا پھرتا ہے مرتد ہو گیا تھا اور اس نے میرے ساتھ مناظرے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمان بزرگوں کو گندی گالیاں دیں تھیں۔ یہ بات سننا تھا کہ مسلمانوں میں ایک ہیجان برپا ہو گیا اور آن کی آن میں مسلمانوں میں غم وغصہ کی شدید لہر دوڑ گئی۔ وہ مسلمان جو اس کی متابعت میں ہماری مخالفت کرنے آئے تھے اب الٹا اسی کو گالیاں دینے لگے اور قریب تھا کہ وہ اسے جسمانی ایذا پہنچاتے مگر ہم نے اس پر مداخلت کی اور کہا کہ اگرچہ وہ مرتد ہو گیا تھا لیکن چونکہ اب پھر وہ حلقہ بگوش اسلام ہے اس لئے ہمارا بھائی ہے اور امت محمدیہ کا ایک فرد ہے لیکن اس پر بھی ایک فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اسلامی اخلاق وآداب کا لحاظ رکھے اور جھوٹے الزام نہ لگائے۔ یہ باتیں اسلام کی شان کے منافی ہیں۔ اس طرح ہم محض خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس شر سے محفوظ رہے۔

محترم مولانا نور محمد نسیم سیفی صاحب

سابق رئیس التبلیغ مغربی افریقہ وایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والے مسیح ومہدی کے سانس سے کافروں کا مرنا مقدر تھا پہلے تو لوگ یہ سمجھتے رہے کہ واقعی جس طرف منہ کر کے مسیح ومہدی سانس لے گا ایک لمبے فاصلہ تک جتنے بھی کافر ہوں گے وہ مرجائیں گے اور لوگ یہ اس لئے سمجھتے رہے کہ جب تک کسی پیشگوئی کے پورا ہونے کا وقت قریب نہ آجائے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ جب تک پیشگوئی واقعی پوری نہ ہوجائے۔ اسے صرف ظاہر پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے۔کم ازکم عامۃ الناس اسے ظاہر پر ہی محمول کرتے ہیں لیکن جب پیشگوئی پوری ہوتی ہے تو اس کی صحیح شکل وصورت سامنے آجاتی ہے۔

مسیح ومہدی کے سانس سے کافروں کا مرنا بھی ایک ایسی ہی پیشگوئی تھی۔اب جبکہ یہ پیشگوئی پوری ہوچکی ہے تو ساری دنیا پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ کسی کے سانسوں سے کسی کا مرنا یہ معنے رکھتا ہے کہ اس کا علم کلام دوسروں پر غالب آجائے اور اس کے پیش کردہ دلائل ناقابل تردید سمجھے جائیں۔آنے والے مسیح ومہدی کے ذریعہ کفار کی موت کا وقوع پذیر ہونا بھی دراصل اس مسیح ومہدی کے علم کلام کی برتری کا ثابت ہونا تھا۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام نے دنیا میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے۔عیسائیت کی جس رنگ میں حضور پُرنور علیہ السلام نے دھجیاں اڑادی ہیں۔ اب خود عیسائی اس کے معترف ہوتے جارہے ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس علم کلام کی بنیاد اس بات پر رکھی کہ جس کتاب کو کوئی شخص اپنا مذہبی صحیفہ مانتا ہو اس کی رُو سے اپنے عقیدہ کو پیش کرے اور یہ کہ دوسرے مذاہب والوں کو بھی اسے ملزم گرداننے کے لئے اس کتاب اس کا حوالہ دینا چاہئے۔حضور علیہ السلام نے عیسائیوں کے خلاف بائیبل ہی سے ایسے دلائل مہیا فرمائے جن سے موجودہ عیسائیت کی بیخ کنی ہوگئی اور کسرِ صلیب کا کام جس کے لئے حضور مبعوث ہوئے تھے پورا ہوا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کا معجزہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علمِ کلام کی بدولت احمدی مبلغین نے دنیا بھر میں ایک تہلکہ مچا دیا ہے۔عیسائیت کے مراکز میں اس بات کا کھلم کھلا اظہار کیا جا رہا ہے کہ اسلام کا یہ حملہ عیسائیوں کے لئے ایک زبردست سردردی ہے اور معلوم نہیں کہ اس حملے کے نتیجہ میں عیسائیت پر کیا گذرے گی۔ خاکسار اس سلسلہ میں اپنے حلقہ عمل سے تعلق رکھنے والی ایک دو باتیں درج ذیل کرتا ہے۔

عیسائی دنیا کے موجودہ وقت میں سب سے زیادہ مشہور مناد ڈاکٹر بلی گراھم نے کچھ سال قبل افریقہ کا دورہ کیا۔ان کے دورے کا مقصد عیسائیت کو اپنے مذہب پر مضبوطی سے قائم کرنا اور مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں کو عیسائی بنانا تھا۔ یہ دورہ ایک طوفانی دورہ تھا۔اس کی تشہیر کے لئے بے انداز روپیہ خرچ کیا گیا تھا اور ان کا خیال یہ تھا کہ وہ اس دورے کو اپنی زندگی کی ایک بہترین کوشش شمار کرسکیں گے لیکن ان کی آرزوئیں خاک میں مل گئیں۔احمدی مبلغین نے ان کو ایسا آڑے ہاتھوں لیا کہ وہ عمر بھر اپنی ناکامی پر آنسو بہاتے رہے۔

ڈاکٹر بلی گراھم

جب ان کی نائیجریا میں آمد کی خبر ہمیں ملی تو ہم نے انتہائی کوشش کی کہ ان سے ملاقات یا مناظرے کا انتظام ہوسکے لیکن انہوں نے ایسے بودے بہانے کئے کہ عیسائی بھی پکار اٹھے کہ یہ مسلمانوں کے لیڈروں سے ملاقات کرنے سے جان بوجھ کر گریز کررہے ہیں۔اس گریز کی ایک وجہ یہ تھی کہ نائیجیریا آنے سے قبل ان کو ہماری طرف سے شائع کردہ ایک پمفلٹ ”یاد رکھنے کے قابل پانچ باتیں“ مل چکا تھا۔اس میں بائبل ہی کے حوالوں سے مندرجہ ذیل پانچ باتیں ثابت کی گئی تھیں:

(۱) عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے۔

(۲) وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔

(۳) وہ مردوں سے جی نہیں اٹھے تھے۔

(۴) وہ آسمان پر نہیں گئے تھے۔

(۵) وہ بذات خود واپس دنیا میں نہیں آئیں گے۔

نائیجیریا پہنچنے کے بعد ان باتوں کا جواب تو انہوں نے کیا دینا تھا الٹا ان کی پارٹی نے یہ شور مچانا شروع کر دیا کہ یہ پمفلٹ ان کی جلسہ گاہ میں تقسیم کیا گیا ہے اور اس طرح گڑبڑ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

ان پانچ باتوں والے پمفلٹ کو جو دراصل حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی نے سب سے پہلے اس زمانہ میں پیش کیا اس قدر اہمیت حاصل ہوئی کہ امریکہ کے میگزین ''ٹائم'' (TIME) نے جو دنیا بھر کے میگزینوں میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اپنے ''مذہب'' کے کالموں میں ان کا ذکر کیا اور لکھا کہ مسلمانوں کی طرف سے ایک ایسا پمفلٹ شائع کیا گیا تھا جس میں یہ یہ پانچ باتیں تھیں۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ ''ٹائم'' (TIME) میگزین میں احمدیہ لٹریچر میں سے کسی کتاب یا پمفلٹ کا ذکر شائع کیا گیا ہو۔

یہاں اس بات کا ذکر بھی بے جا نہ ہوگا کہ امریکہ کے میگزین لائف (LIFE) نے لکھا کہ بلی گراھم کو اس سارے دورے میں سب سے زیادہ مخالفت کا سامنا نائیجیریا میں ہوا۔ درحقیقت یہ مقابلہ تھا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علمِ کلام سے اور حضور علیہ السلام کا علمِ کلام ایک ایسی چٹان کی طرح ہے جس سے عیسائی سر تو ٹکراتے ہیں لیکن اس کے نتیجہ میں اپنا سر ہی پھوڑتے ہیں۔ اس چٹان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ امریکہ کے بعض دوسرے رسالوں نے بھی ڈاکٹر بلی گراھم کی نائیجیریا میں شکست کے متعلق اداریئے لکھے اور انہیں نصیحت کی کہ اسلام سے ٹکر لینے کے لئے انہیں اسلام کے مزید مطالعہ کی اشد ضرورت ہے۔

(۲) عیسائی فرقوں کا اتحاد

نائیجیریا کے صدر مقام لیگوس میں ایک دفعہ عیسائیوں کے تمام فرقوں نے فیصلہ کیا کہ وہ متحد ہو کر ایک ایسا ہفتہ منائیں جس کے دوروز ایک ہی پلیٹ فارم سے وہ اپنے اپنے عقیدہ کے مطابق عیسائیت کی تبلیغ کریں اور اس طرح مسلمانوں کو اپنے اتحاد کے ذریعہ اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کریں۔ چونکہ یہ جلسے ایک پبلک ہال میں کئے جا رہے تھے۔ اس لئے خاکسار بھی ان میں شرکت کرتا رہا۔ ایک روز ریورنڈ چارلس ہاولز جو بعد میں لیگوس کے بشپ بھی بن گئے تھے تقریر کر رہے تھے۔ ان کی تقریر کا موضوع یہ تھا کہ بائبل میں جو واقعات لکھے ہوئے ہیں وہ سب یسوع مسیح کی امن پسندی اور خاکساری وانکساری کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سوالات کے وقت خاکسار نے ہاولز کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اگر یسوع مسیح اتنے ہی امن پسند تھے جتنے کہ آپ نے ان کو ظاہر کیا ہے تو انہوں نے اپنے حواریوں سے یہ کیوں کہا تھا کہ اپنے کپڑے بیچ کر بھی تلواریں خرید لیں۔ ہاولز صاحب کہنے لگے یہ سب باتیں تشبیہاتی ہیں۔ وہ درحقیقت امن پسند ہی

تھے اوران کا ہرگز یہ مطلب نہ تھا کہ لوہے کی تلواریں خریدی جائیں۔اس پر میں نے ان سے پوچھا کہ جو تلوار کسی انسان کا کان کاٹ سکے وہ تشبیہاتی ہوتی ہے یا لوہے کی۔اس پر وہ جھٹ بولے ایسی کسی تلوار کا ذکر بائیبل میں نہیں ہے۔خاکسار نے فوراً لوقا کی انجیل کھول کر متعلقہ آیات پڑھ دیں۔بات ذرا آگے نکلی۔تو عیسائیوں کی ایمانی کیفیت تک جا پہنچی۔

خاکسار نے اپنی بائبل ہاتھ میں لے لی اوراوپر اٹھالی اور ہاولز صاحب سے کہا کہ پہاڑ کا ہلا دینا تو ایک طرف رہا آپ اپنے ایمان کے ذریعہ یہ کتاب ہی میرے ہاتھ سے گرادیجئے۔اس پر لوگوں نے ایک قہقہہ لگایا اورصدرمجلس نے میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔''آپ بیٹھ جایئے آپ سوال پوچھنا نہیں چاہتے بلکہ شوروشر پیدا کرنا چاہتے ہیں۔''اس کے معاًبعد جلسہ ختم ہوگیا۔

لیکن بہت سے عیسائی دوست چاروں طرف سے میرے پاس جمع ہوگئے اور کہنے لگے کہ وہ آیات ذرا پھر نکال کر دکھائیں جہاں کان کاٹنے والا واقعہ لکھا ہوا ہے چنانچہ جلسہ کے مقررین تو جلسہ کو ختم کرکے ہال سے باہر نکل گئے اورخاکسار عیسائیوں کی ایک کثیر تعداد کو بائبل میں سے بعض ضروری حوالے نکال کر دکھاتا رہا۔

(۳)یسوع مسیح دنیا میں آنے والے ہیں

لنڈن سے ایک اخبار شائع ہوتا تھا جس کا نام''SOON''یعنی''جلد''۔یہ اخبار ایک مذہبی ادارے کی طرف سے شائع ہوتا تھااور زیادہ تر مغربی افریقہ میں (خاص طور پر گیمبیا میں) تقسیم ہوتا تھا۔اس اخبار کے نام کا مطلب یہ ہے کہ یسوع مسیح جلد ہی دنیا میں واپس آنے والے ہیں خاکسار نے اپنے اخبار''ٹروتھ'' (TRUTH) میں اس اخبار (SOON) کے متعلق ایک اداریہ لکھا جس کا عنوان یہ تھا۔'' SOON BUT HOW SOON'' یعنی''جلد لیکن کتنی جلد''۔اس پر نائیجیریا میں متعین ایک یوروپین پادری (مسٹر پریشر) نے اخباروں میں اعلان کروایا کہ وہ مسیح کی آمد کے متعلق چھ لیکچر دیں گے۔انہی صاحب نے اس سے قبل ایک پمفلٹ''میں کونسی راہ اختیار کروں گا'' بھی شائع کرکے تقسیم کیا تھا۔جس کا جواب خاکسار نے اپنے اخبار''ٹروتھ''میں شائع کیا تھا لیکن جب ہم نے اخبار'ٹروتھ'' اوراپنا لٹریچر ان کو بھیجا۔تو انہوں نے اخبار واپس کرتے ہوئے ہمیں ایک خط کے ذریعہ اپنی اس خواہش کا اظہار کیا تھا چونکہ ہمارے خیالات ان کے خیالات سے بالکل مختلف ہیں بلکہ متضاد ہیں اس لئے آئندہ یہ اخباران کو ہرگز نہ بھیجا جائے۔

بہر حال جب انہوں نے لیکچر دینے شروع کئے تو خاکسار بھی جماعت کے بعض دوستوں کو ساتھ لے کر ان کے ''گرجا ہال'' میں پہنچ گیا۔ تقریر کے بعد انہوں نے سوالات کی اجازت کا اعلان تو کر دیا لیکن ساتھ ہی کہہ دیا کہ اب تمام دوست جا سکتے ہیں۔ خاکسار نے اٹھ کر ان سے پوچھا کہ اگر آپ سب لوگوں کو جانے کے لئے کہہ رہے ہیں تو سوالات کا موقعہ کس کو دے رہے ہیں اور میں نے حاضرین سے مخاطب ہو کر انہیں بیٹھے رہنے کی تلقین کی۔ میں نے سب سے پہلے اپنا تعارف کرایا کہ میں وہی ہوں جس کا اخبار آپ نے واپس کر کے غیر مسیحی بات کی تھی۔ یہ بات سنتے ہی انہوں نے سوال و جواب کا سلسلہ شروع کرنے سے انکار کر دیا۔ خصوصاً مجھے تو وہ سوال کرنے ہی نہیں دینا چاہتے تھے۔ بہر حال پہلے میرے ساتھیوں نے ایک دو سوال کئے۔ پھر میں نے بھی ایک سوال داغ دیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ انسان کی ہر خطا اور ہر گناہ کی اسے سزا ملے گی اور وہ سزا ابدی ہوگی۔ میں نے پادری صاحب سے پوچھا کہ امید ہے وہ شادی شدہ ہوں گے اور آپ کے بچے بھی ہوں گے۔ آپ لوگ خدا کو باپ کہتے ہیں۔ آیئے اب دیکھیں وہ کیسا باپ ہے؟ اگر آپ کے بچے سے کوئی خطا سرزد ہو اور آپ اس کو سزا ابدی ہوگی۔ مثال کے طور پر یوں کہہ لیجئے کہ اس سے ایک شلنگ گم ہو جائے تو آپ کہیں کہ تم کو اس کی سزا کے طور پر ایک ہزار بید لگائے جائیں گے تو کیا دنیا میں کوئی ایسا شخص ہے جو آپ کو عقلمند کہے۔ ایک شلنگ کے گم ہونے پر ایک ہزار بید۔ اگر اس صورت میں آپ عقلمند نہیں کہلا سکتے تو اس خدا کے متعلق آپ کیا کہیں گے جو ہر غلطی کی سزا اس رنگ میں دے گا کہ وہ ابد آلاباد تک جاری رہے گی یعنی کبھی ختم ہی نہ ہوگی کیا آپ کا خدا ''باپ'' اس طرح اپنے ''باپ'' ہونے کا ثبوت دے گا؟

اس کا بھلا انہوں نے کیا جواب دینا تھا۔ کہنے لگے۔ بہر حال بائبل کی یہی تعلیم ہے اور چاہے آپ کچھ ہی کہیں ہم تو یہی مانیں گے کہ خدا باپ ہر خطا کی سزا دے گا۔ اور وہ سزا ہمیشہ ہمیش کے لئے جاری رہے گی۔

پادری صاحب کہنے کو تو یہ بات کہہ گئے لیکن سننے والے حیران تھے کہ آخر یہ کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب حاضرین میں سے بعض لکھے پڑھے نوجوانوں نے میری ہاں میں ہاں ملانی چاہی تو پادری صاحب نے سلام کیا اور ہال میں سے نکل گئے۔

غرض ہمارے احمدی مبلغین میں سے ہر ایک کو ایسے بیشمار واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علمِ کلام نے کفار کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ خاکسار نے اختصار کے پیش نظر یہ دو تین واقعات پیش کر دیئے ہیں۔

❁❁

محترم کیپٹن حاجی ایاز احمد صاحب (بی اے-ایل ایل بی)

سابق مجاہد ہنگری بوڈاپسٹ

آپ تحریر فرماتے ہیں:

ماہ نومبر ۱۹۳۶ء میں خاکسار کے دو لیکچر ہنگری کے انگریزی دان حلقہ میں مقرر تھے۔ پہلا لیکچر ۴رنومبر کو ''اسلامی پردہ'' اور تعددِ ازدواج کی فلاسفی پر تھا اور دوسرا لیکچر ''انسانی سوسائٹی میں عورت کی پوزیشن'' پر ۱۱رنومبر کو تھا۔ دوسرے لیکچر کے دن حاضری کافی تھی۔عورتوں کی تعداد تین چوتھائی کے لگ بھگ تھی۔اس لئے جو کچھ مشرقی عورتوں اور مسلمان عورتوں کے متعلق بے بنیاد قصے یورپ میں مشہور تھے اب سب کو دلائل اور واقعات سے بے بنیاد ثابت کیا اور بتایا گیا کہ سوائے اسلام کے کسی مذہب نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت نہیں کی۔

اہل یورپ، یہود، اہل روم، اہل یونان، اہل فارس، اہل ہند سب عورتوں پر ظلم روا رکھتے رہے اور عرب میں تو اندھیر مچا ہوا تھا۔اس لئے خدا تعالیٰ نے عورتوں کا نجات دہندہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا اور جو حقوق اسلام نے عورتوں کے لئے قائم کئے ہیں وہ اب تک بھی یورپ والوں نے نہیں دیئے۔یورپ کی عورتوں کی تحریک آزادی اور ہندو عورتوں کی چیخ و پکار اسلام ہی کے قانون کا تقاضا کرتی ہے۔ہٹلر اور مسولینی کی عورتوں کے لئے گھریلو زندگی پیدا کرنے کی کوشش بھی گویا اسلامی اصول ہی جاری کرنے کی تحریک ہے۔

آخر میں خاکسار نے عورتوں کو نصیحت کی کہ تمہاری ان تھک کوششوں نے تم کو آزادی تو دلا دی ہے۔ لیکن جب غلام آزاد ہو کر گلی کوچوں میں دھکے کھاتا رہے اور کارخانوں میں دن رات مزدوری کر کے بھی پیٹ پالنے کے لئے کافی رقم نہ کما سکے تو ایسی آزادی غلامی سے بھی بدتر ہے پس تم نے جو اس آزادی کے عوض بیکاری اور ذلیل پیشے کو اختیار کر رکھے ہیں ان کا یہی علاج ہے کہ تم سب مسلمان ہو جاؤ کیونکہ دو فرائض صرف اسلام نے عورتوں پر رکھے ہیں اور ان دو فرائض کے عوض دنیا جہاں کے تمام حقوق عورتوں کو

دے دیئے ہیں۔اس کے بعد سوال و جواب شروع ہو گئے جو کہ بہت دلچسپ تھے اس لئے ذیل میں درج کرتا ہوں:

سوال۔ ایک خاتون: وہ کونسے دو فرائض ہیں جن کی ادائیگی کے بعد عورت کو دنیا جہاں کے حقوق حاصل ہو جاتے ہیں؟

جواب۔بیوی بننا اور ماں بننا۔

سوال۔اکیلی بیوی بننا ہو تب تو خیر ہے مگر اسلام تو دو دو چار ایک جگہ جمع کر دیتا ہے یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔

جواب۔اس میں عورتوں کا ہی فائدہ ہے کہ ہر بات میں کثرت رائے عورتوں کی ہو گی اور مرد کی کوئی پیش نہیں جائی گی۔عورتیں اتفاق کر کے جو چاہیں مرد سے منوا لیں۔

(۲)ابھی ابھی مسولینی نے اعلان کیا ہے کہ جس شخص کے آٹھ بچے ہوں گے ان کو تمغہ اور بچوں کو وظیفہ دیا جائے گا۔اب اگر عورتیں چار ہوں دو سال بعد ہی تمغے اور وظیفے منظور کرا کے باقی عمر سرکاری وظیفہ پر گزاری جا سکتی ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اگر ایک ہی عورت کے آٹھ بچے حاصل کئے جائیں تو وہ کمزور ہو جائے گی اور کہیں بارہ سال کے بعد آٹھواں بچہ ہو گا اتنے عرصہ میں سات بچوں کے اخراجات اماں جان کی کمر توڑ دیں گے کیا یہ اچھا نہیں کہ دو چار عورتیں مل کر اس کام کو کر لیں۔

(۳)اس وقت یورپ کی عورتوں کے لئے بڑی مشکل بیکاری ہے۔ہزاروں عورتیں آٹھ آنہ روزانہ پر ایک افسر کے ماتحت کام کرتی ہیں کیا وہ دو چار مل کر ایک گھر کی مالک ہونا گوارا نہیں کر سکتی۔

(۴)موجودہ یورپ میں عورتوں کی تعداد مردوں سے زیادہ ہے جو امیر عورت ہو اسے تو حسب پسند خاوند میسر آ سکتا ہے دوسری یونہی عمر گزار دیتی ہیں۔یہ کون سا انصاف ہے کہ بعض تو مردوں کا ٹھیکہ لے لیں اور اپنی خود غرضی کے مقابلہ میں دوسری بہنوں کی مصیبتوں کا احساس نہ کریں۔

(۵)اگر ایک ایسی عوت ہو جو شادی کرنے سے بیوی بن گئی پھر ماں بن گئی مگر بچہ جننے کے بعد پھر بیمار ہو گئی اور دوبارہ بچے جننے کے قابل نہ رہی اور ظلم یہ ہوا کہ اس کی آنکھیں بھی جاتی رہیں نہ بیوی کے فرائض ادا کرنے کی قابل اور نہ ماں بن کر بچہ کی پرورش کے قابل۔اب اگر دوسری بیوی آ کر اس اندھی کی خدمت کر لے اس کے بچے کی خدمت کرے اس کے غمگین خاوند کو تسلی دے تو کیا یہ ظلم ہے؟ اب کیا وہ

یورپین اصولوں کے مطابق اس اندھی کو طلاق دے دے یا اسلامی قانون کے مطابق اس سے بھی نیک سلوک کرے خبر گیری بھی کرے اور ایک اور بیوی بھی کرے۔ اگر خدانخواستہ بچہ فوت ہو جائے تو وہ اسلام کی شریعت پر عمل کر کے دوسری بیوی سے اولاد حاصل کر لے۔

سوال۔ ایک اور لیڈی صاحبہ: یورپ کی عورت کی فطرت کے خلاف ہے کہ وہ دوسری عورت کو گھر میں دیکھے۔

جواب۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ چاہے اس کے فائدے کی بات ہو یورپ کی عورت قبول نہ کرے گی۔

لیڈی صاحبہ: اگر دو بیویاں کرنے کا کوئی فائدہ ہوتا تو ترکی کی حکومت ایک شادی کا قانون پاس نہ کرتی؟

جواب۔ چونکہ اسلامی قانون خدا تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے اس لئے اس سے مرد عورت یکساں فائدہ اٹھاتے ہیں۔ عورت کی مرضی پر منحصر ہے کہ وہ دوسری بیوی بنے یا نہ بنے۔ اس لئے مرد کو دو بیویاں کرنے کا حق ہے اس سے عورت کو نقصان کوئی نہیں فائدہ ضرور ہے مگر ترکی حکومت کا قانون مردوں کے لئے نقصان دہ ہے اور عورت کو بھی کوئی فائدہ اس سے نہیں بلکہ ترکی حکومت نے پردہ اڑانے کے بہانہ بنا کر اور ایک بیوی کا ڈھونگ رچا کر اب ساری کی ساری بے کار اور غیر شادی شدہ عورتوں کو جنگ کے جبراً بھرتی کرنے کا اعلان کر دیا۔

دوسری لیڈی صاحبہ: یہ کیا وجہ ہے کہ دو بیویوں کے فائدے مشرق کے رہنے والوں کو ہی سوجھتے ہیں یورپ والوں نے کبھی ایسا خیال نہیں کیا اور نہ ہی کوئی قانون پاس کیا؟

جواب۔ فائدے تعدد ازدواج کے تو یورپ والوں کو ضرور سوجھتے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایسی باتوں پر عمل کرانے کی تحریک ہمیشہ مشرق سے ہوتی ہے اگر آپ Monxer یا Touch کی کتب پڑھیں تو وہ بھی اسلامی اصول کے فوائد اور فوقیت کو تسلیم کرتا ہے اور یورپ والوں نے ایسے قانون بنانے سے دریغ نہیں کیا۔ کیا یورپ کی تئیس سالہ جنگ ۱۶۴۸ـ۸۴ء کے بعد حکومت جرمن نے ہر جرمن کو حکم دے دیا تھا چونکہ مرد بہت کم رہ گئے ہیں اور عورتیں زیادہ ہیں اس لئے ہر مرد شادی کر لے اور جو پہلے شادی شدہ ہو وہ ایک اور بیوی کر لے تا جرمن نسل کو قائم کیا جاوے اور جرمن عورتوں کو غیر جرمنوں سے شادی کرنے سے بچایا

جائے ابھی کل کی بات ہے جب جنگ عظیم کے بعد بیویریا کی پارلیمنٹ میں ۱۹۰۷ء میں یہ بل پیش ہوا کہ وہ چاروں اضلاع جو سرحد کے قریب تھے اور مردوں کے جنگ میں کام آنے کی وجہ سے بیواؤں یعنی عورتوں سے ہی بھرے ہوئے تھے ان میں تعدد ازدواج کی اجازت دی جائے مگر فوراً باغیوں نے انقلاب برپا کر دیا اور حکومت بدل گئی ورنہ یہ قانون اپنے حالات کی موجودگی میں ضرور پاس ہو جاتا۔

اب دیکھو میں نے آپ سب کو تعدداز دواج کے فائدے بتائے ہیں۔آپ میں سے کوئی ہے جو بتائے کہ دو بیویاں کرنے میں حرج کیا ہے؟ (سب چپ)

پریذیڈنٹ جلسہ۔ تعدداز دواج کا اصول تو ٹھیک ہے مگر یورپ میں مردوں کے پاس اتنا روپیہ نہیں کہ اسلامی طریق پر ہر بیوی کو اچھا کھانا اور اچھا کپڑا دے سکیں۔ان کی تنخواہ صرف اپنے گزارے کے لئے ہوتی ہے اور شادی کرنے پر ان پر زیادہ بوجھ پڑتا ہے اس لئے دو بیویاں تو در کنار ایک بھی مشکل ہے۔

جواب۔ میں نے تو پہلے ہی اس کا علاج بتایا ہے کہ عورتیں خانہ داری کی طرف متوجہ ہوں دفتروں اور کارخانوں کی جو آسامیاں عورتیں خالی کریں وہ مردوں کو دی جائیں تا کہ مرد زیادہ تنخواہ حاصل کر کے بیویوں کے آرام کا سامان مہیا کریں۔نہ عورتوں کو بیکاری کی شکایت ہوگی نہ مردوں کو قلت تنخواہ کا شکوہ۔

ایک عورت۔ کیا آپ عورتوں کو چار دیواری میں بند کرنے اور پردہ کرنے کو گھریلو زندگی خیال کرتے ہیں۔ یہ تو ہم سے کبھی نہ ہوا۔ کیا ہم خود جھاڑو دیا کریں گی؟ جدھر طبیعت آئی دیکھیں گی جدھر چاہا جائیں گی کیا ہم مردوں سے کسی طرح کم ہیں؟ ہم دفتروں میں کام کریں گی۔مردوں کو چاہیے کہ گھر صاف ستھرا رکھیں اور ہمارے لئے کھانا تیار کریں۔

جواب۔ نہیں محترمہ میں تو آپ کو کبھی چار دیواری میں بند ہونے کا مشورہ نہیں دوں گا۔ یونانی اور رومن عموماً عورتوں کو بند کر کے چابی جیب میں رکھتے تھے اور ان کو باہر جانے یا رشتہ داروں سے ملنے سے باز رکھتے تھے۔عورتوں سے غلاموں کا کام لیتے تھے۔ یہ تو عورت ذات کی خوش قسمتی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ عورتوں کو ضرورت کے وقت باہر جانے اور رشتہ داروں سے ملنے سے مت روکو اور ان پر ظلم مت کرو۔ان سے غلاموں کا کام مت لو کیونکہ وہ گھر کی مالک ہیں اور اگر استطاعت ہو تو صفائی کرنے اور روٹی پکانے کے لئے بے شک نوکر رکھ لو تا کہ تمہاری بیوی آرام کی زندگی بسر کر کے تمہارے لئے دعائیں کرے اور تو اور اسلام یہ کہتا ہے کہ اگر عورت چاہے تو بچے کو دودھ پلانے کا کام بھی

کسی دائی وغیرہ کے ذمہ لگایا جائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو عورت کی یہاں تک عزت قائم کردی ہے کہ آپ نے خود بیویوں سے کمال محبت اور نرمی کا سلوک کرکے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ باہر سے اپنا کام کرکے جب آؤ تو گھر میں آکر عورتوں کو امور خانہ داری میں مدد دو۔ اس پر لطف یہ کہ سب ریشمی کپڑے سونا چاندی ہیرے جواہرات عورت کے لئے جائز اور مرد کے لئے حرام کردیئے اور پھر حکم دیا اَلنَّاسُ بِاللِبَاس اور هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ کا فتویٰ دے کر مردوں کو کہلایا کہ تم بغیر عورت کے انسانیت کا درجہ ہی نہیں پاسکتے اور پھر فرمایا کہ اصل مومن وہ ہے جو شیطان پر غالب آجائے اور ساتھ ہی بتلایا کہ عورتیں شیطان کو باندھنے والی رسیاں ہیں۔

یہ الفاظ ابھی ختم نہ ہونے پائے تھے کہ Excellent Excellent کی آوازیں آنے لگیں اور تالیاں بجنے لگیں۔ ایک من چلی عورت کرسی سے اٹھ کر سٹیج پر آگئی اور مصافحہ کے لئے اس نے ہاتھ بڑھایا۔ میں نے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے کہا کہ اسلام نے نامحرم عورتوں سے مصافحہ کرنے سے منع فرمایا ہے لہٰذا مجھے معاف فرمائیں۔

محترم مولانا شیخ عبدالواحد صاحب فاضل

سابق مبلغ احمدیہ جزائر فجی

فجی کی پہلی اور مرکزی مسجد کے تعمیر کیسے عمل میں آئی

خاکسار بحکم سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ جزائر فجی میں نیا احمدی مشن کھولنے کے لئے شروع اکتوبر ۱۹۶۰ء کو ربوہ سے روانہ ہوکر ۱۰/ اکتوبر کو فجی کے شہر ناندی (NANDI) میں پہنچا اور تبلیغ اسلام کا کام شروع کر دیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ناندی اور لٹوکا جیسے اہم شہروں میں ہمیں جماعتیں عطا فرما دیں تو خاکسار نے فجی کے دارالحکومت سووا شہر کا رخ کیا۔ چنانچہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہماری تبلیغی مساعی کو نوازا اور جون ۱۹۶۱ء میں ایک ہی دن میں ۱۱۲ افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے اور پھر آہستہ آہستہ وہاں ایک مخلص جوشیلی اور فعال جماعت قائم ہوگئی جس کے بعد سووا کے علاقہ سامانولا میں ایک مکان کرایہ پر لے کر باقاعدہ مرکز قائم کر دیا گیا۔

وَسِّعْ مَکَانَکَ کا نشان

لیکن اگلی عید الفطر کے موقعہ پر جماعت بڑھ جانے کی وجہ سے وہ مکان اتنا ناکافی ثابت ہوا کہ نہ جماعت کے احباب وہاں سما سکے اور نہ ان کی موٹریں وغیرہ کھڑی کرنے کے لئے کوئی جگہ تھی۔ عید کے خطبہ میں خاکسار نے حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے الہام **وَسِّعْ مَکَانَکَ** کا حوالہ دے کر تحریک کی کہ سووا (SUVA) شہر میں جماعتی مرکز کے لئے کوئی وسیع مکان تلاش کر کے خریدنے کا انتظام کیا جائے چنانچہ احباب جماعت نے مناسب جگہ کی تلاش شروع کر دی۔ اس دوران معلوم ہوا کہ ہمارے ساتھ والا پلاٹ مع مکان قابل فروخت ہے جس کی بیوہ مالکہ تین ہزار پونڈ طلب کرتی ہے۔ ہماری طرف سے دو ہزار پونڈ کی پیش کش کی گئی مگر وہ تین ہزار پونڈ سے کم میں فروخت کرنے پر راضی نہ ہوئی۔ چونکہ وہ قطعہ زمین جماعت کے مرکز اور مسجد کے لئے نہایت موزوں اور باموقعہ تھا اس لئے ہم نے اس عورت کے بعض رشتہ داروں کے ذریعہ سے اسے سمجھایا کہ اس کی زمین کسی ذاتی یا تجارتی غرض کے لئے نہیں بلکہ محض خانہ خدا کی تعمیر اور تبلیغ

اسلام کے مرکز کے لئے لی جارہی ہے چنانچہ آخرکار وہ دوہزار پونڈ قیمت پر اس قطعہ زمین کو فروخت کرنے پر رضامند ہوگئی جس کے بعد وکیل کے ذریعہ تحریری معاہدہ کے علاوہ اسے بیانہ بھی دے دیا گیا۔

آگ کا ایک قہری نشان

جب ۱۹۶۸ء ہم نے فجی کے مشہور شہر ''با'' (BA) میں احمدی مشن کی برانچ کھولنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لئے ایک مناسب حال مکان بھی خرید لیا تو اس شہر میں ہماری شدید مخالفت شروع ہوگئی۔ مخالفین کوشش کرنے لگے کہ جیسے بھی ہو تبلیغ اسلام کا یہ مشن ''با'' شہر میں کامیاب نہ ہونے پائے اور ہمارے قدم وہاں نہ جمیں۔ اس وقت وہاں ہمارے مخالفین کا سرغنہ وہاں کا ایک صاحب اقتدار شخص ''ابوبکر کویا'' نامی تھا۔ چنانچہ اس نے اور دیگر مخالفین نے شہر میں یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ وہ احمدیوں کے ''با'' مشن کی عمارت کو جلا دیں گے۔ تاہم ہم سے جس قدر ممکن ہوسکا ہم نے حفاظتی انتظامات کر لئے اور عمارت کے سامنے پولیس سٹیشن تھا انہیں بھی توجہ دلائی گئی۔ چنانچہ پولیس نے ہمیں ہمارے مشن ہاؤس کی حفاظت کا یقین بھی دلایا۔ پھر بھی ایک رات کسی نہ کسی طرح مخالفین کو ہمیں نقصان پہنچانے کا موقع مل گیا اور ان میں سے کسی نے ہمارے مشن ہاؤس کے ایک حصہ پر تیل ڈال کر آگ لگادی اور یہ یقین کر کے کہ اب آگ ہر طرف پھیل جائے گی اور ہمارے مشن ہاؤس کو خاکستر کر دے گی۔ آگ لگاتے ہی آگ لگانے والا فوراً بھاگ گیا لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ہمیں پتہ لگنے سے پہلے ہی وہ آگ بغیر کوئی خاص نقصان کے خود ہی بجھ گئی یا بجھادی گئی۔ اگلے روز سفر سے واپسی پر ہم نے دیکھا کہ عمارت کی اس طرف جہاں عمارت کا اکثر حصہ لکڑی کا تھا آگ لگائی گئی تھی جس سے چند لکڑی کے تختے جل گئے مگر وہ آگ آگے بڑھنے سے قبل ہی بجھ گئی۔ چنانچہ اسی روز اس کی مرمت کرادی گئی۔ تاہم جب ہم آگ کے نقصان کا موقعہ پر جائزہ لے رہے تھے تو اس وقت کے مبلغ انچارج محترم مولانا نورالحق صاحب انور نے اس جلے ہوئے کمرے پر کھڑے ہوکر بڑے دکھ بھرے انداز میں آہ بھر کر کہا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے دین اسلام کی اشاعت کا یہ مرکز جلانے کی کوشش کی ہے خدا اس کے اپنے گھر کو آگ لگا کر راکھ کر دے۔ چنانچہ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس کے چند روز بعد اچانک ''با'' میں ہمارے مخالفین کے سرغنہ ابوبکر کویا کے گھر کو آگ لگ گئی اور باوجود بجھانے کی ہر کوشش کے اس کا وہ رہائشی مکان سارے کا سارا جل کر راکھ ہوگیا۔

❁❁

محترم شیخ روشن دین صاحب تنویر (بی اے-ایل ایل بی)
سابق ایڈیٹر روزنامہ الفضل ربوہ

میں سکول کے رجسٹر کے مطابق ۲۰ /اپریل ۱۸۹۲ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوا۔ میرے والدین اَن پڑھ تھے۔ اس لئے میری پیدائش کا ریکارڈ انہوں نے نہیں رکھا البتہ جس شخص نے مجھے سکول داخل کرایا اس نے زبانی بتانے پر اندازے سے یہ تاریخ درج کرادی تھی۔ ہمارا مکان سیالکوٹ محلہ موری دروازہ میں واقع ہے۔ میری ابتدائی تعلیم محلہ کی مسجد میں ہوئی۔ جہاں قرآن کریم ناظرہ پڑھا اور اردو کی پہلی کتاب پڑھی اس لئے شروع میں ہی مجھے دوسری جماعت میں داخلہ مل گیا۔ میں نے میٹریکولیشن کا امتحان سکاچ مشن ہائی سکول سے پاس کیا۔ مذہبی باتوں میں دلچسپی یہیں سے پیدا ہوگئی تھی۔ ان دنوں مذہبی مباحثوں کا بڑا چرچا تھا۔ سکول میں بھی اکثر آریہ لڑکوں سے مذہبی باتیں ہوتی رہتی تھیں۔ انجیل تو باقاعدہ پڑھائی جاتی تھی۔ اس زمانہ میں مجھے ادب کی طرف بھی رجحان پیدا ہوگیا تھا۔ اس وقت جتنا لٹریچر اردو زبان میں مل سکتا تھا سب پر عبور ہوگیا تھا۔ مذہب میں سرسید احمد کی تحریریں بھی زیر مطالعہ آتی تھیں۔ میٹریکولیشن کے مرحلہ سے گذر کر مَیں مرے کالج سیالکوٹ میں داخل ہوا یہ کالج بھی سکاچ مشن والوں کا ہی تھا۔ سید میر حسن صاحب جو علاّمہ اقبال مرحوم کے بھی استاد تھے سکول اور بعد کالج میں عربی پڑھاتے تھے۔ آپ مذہب میں سرسید احمد کے بڑے مدّاح تھے اور عربی کے علاوہ فارسی اور اردو زبان پر بھی عالمانہ عبور رکھتے تھے۔ میں کالج میں عربی اور گھر پر ان سے فارسی بھی پڑھتا تھا۔

میں نے مرے کالج سے بی۔اے پاس کیا اور پھر لاء کالج لاہور سے ایل۔ایل۔بی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۶ء تک وکالت کی پریکٹس کرتا رہا ہوں۔ فروری ۱۹۴۰ء میں میں نے عیدالاضحیہ کے دن بیعت کا فارم پُر کیا تھا۔ میرے کئی رشتہ دار احمدی تھے اکثر ان کے مکان پر احمدی مبلّغین سے ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور بحثیں بھی مگر ان بحثوں کا نتیجہ نہ نکلتا تھا۔ بحث برائے بحث ہی ہوتی تھی۔ ۱۹۳۹ء میں جلسہ سالانہ پر جب سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ عنہ کی پچیس سالہ خلافت کی جوبلی منائی گئی تھی میں بعض دوستوں

کی دعوت پر قادیان پہلی دفعہ آیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ میں سپیشل ٹرین پر جو سیالکوٹ سے قادیان کو سیدھی آتی تھی سوار ہوا تھا۔ٹرین میں چونکہ صرف احمدی احباب ہی تھے۔ان کے طور وطریق سے جو متقیانہ تھے میں بہت متأثر ہوا۔ خاص کر ویر کا سٹیشن پر جہاں امرتسر سے آئی ہوئی سواریاں سپیشل ٹرین پر چڑھیں لوگوں کا شوق وذوق دیکھ کر میں حیرت زدہ رہ گیا۔انتہائی سردی کے موسم میں برقعہ پوش خواتین اکثر بچوں کوسینوں سے لگائے ہوئے تعلیم یافتہ خاوندوں، بھائیوں اور والدین کے ساتھ ہجوم در ہجوم ٹرین کی طرف لپک رہی تھیں۔ یہ منظر نہایت ہی پُر اثر تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ میں آدھا مرزائی تو اب تک ہو چکا تھا تاہم ابھی انکار کا جذبہ بھی موجود تھا۔

قادیان میں اپنے ایک ہمراہی کے رشتہ دار کے گھر قیام کیا۔ایک کمرہ میں کسیر کا فرش بچھا تھا اسی پر بستر لگالیا۔دال کے ساتھ تنوری روٹی کا مزا اسی دن معلوم ہوا۔جوبلی کا جلسہ بڑا پُر رونق تھا۔سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی تقریروں کا اثر بیان سے باہر ہے تاہم جلسہ کے اختتام تک میں غیر احمدی ہی رہا۔واپسی پر راستہ میں کسی دوست سے لے کر ایک کتاب ''انقلاب حقیقی'' کا مطالعہ کیا تو میں نے محسوس کیا کہ میں پورے کا پورا ''مرزائی'' ہو چکا ہوں۔ یہ بنیاد بڑی مستحکم ثابت ہوئی چنانچہ میں مسجد احمدیہ سیالکوٹ میں جمعہ کی نماز کے لئے جانے لگا۔آخر جیسا کہ اوپر کہہ آیا ہوں فروری ۱۹۴۰ء بروز عیدالاضحیہ کو بیعت کا فارم پُر کر کے مقامی امیر جماعت کی خدمت میں پیش کر دیا۔

اس پر عام مسلمانوں نے تو شائد کوئی نوٹس نہ لیا البتہ پیغامیوں میں سے ایک دوست چند روز بعد میرے مکان پر تشریف لائے۔ وہ مجھے پہلے ہی جانتے تھے۔ چنانچہ کچھ عرصہ بیٹھنے کے بعد انہوں نے سوال کیا کہ کیا آپ نے مسیح موعود علیہ السلام کی کتب پڑھی ہیں؟ میں نے کہا کچھ کچھ پڑھی ہیں۔فرمانے لگے کہ آپ کا دعویٰ نبوت کا نہیں تھا۔ میں نے کہا۔اچھا! یہ بات ہے تو مجھے اپنی بیعت واپس لینی پڑے گی کیونکہ اگر وہ نبی نہیں تھے تو بیعت کا مجھے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ سن کر وہ ذرا بوکھلا گئے پھر اِدھر اُدھر کی باتیں کر کے رخصت ہو گئے۔

ایسا ہی ایک واقعہ قادیان میں بھی ہوا۔ میں ان صاحب کا نام نہیں لینا چاہتا۔ان دنوں الفضل میں نیا نیا آیا تھا اور میں نے زندہ خدا زندہ رسول اور زندہ کتاب پر الفضل میں متواتر اداریئے لکھے تھے۔اس کے بعد وہ آج تک خاموش ہیں اور عقیدہ پر ان سے گفتگو نہیں ہوئی۔

میں الفضل میں ۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۶ء کو بطور ایڈیٹر کے آیا تھا۔ ۱۹۴۰ سے لے کر اکتوبر ۱۹۴۶ء تک سیالکوٹ میں ہی رہا۔ اس دوران اکثر مرتبہ بعض علماء سے بھی تبادلہ خیالات ہوتا رہا۔ ان میں سے ایک مولوی مودودی صاحب بھی ہیں جو ان دنوں اکثر سیالکوٹ آیا کرتے تھے۔ انہوں نے یہاں ایک حلقہ اپنے ہم خیالوں کا بنالیا ہوا تھا۔ میں اکثر ان کی مجالس میں شمولیت کرتا رہا ہوں۔ ایک روز تو قریباً دو گھنٹے آپ سے مناظرہ بھی ہوتا رہا۔ میرا اُن سے مطالبہ تھا کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک مثال ایسی بتائیے کہ کسی نبی نے پہلے حکومت قائم کر کے اپنا دین پھیلایا ہو۔ آپ کہتے ہیں ہم طریق نبوت پر کام کرتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ بغیر حکومت کے دین قائم نہیں ہوسکتا۔ لیکن ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں کہ کسی نبی نے بھی پہلے حکومت قائم کر کے دین کی تبلیغ نہیں کی۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی نبی نے یہ تعلیم نہیں دی کہ پہلے اقتدار ہاتھ میں لے لو اور یہ کہ اقامت دین کے لئے حکومت کے اقتدار پر قبضہ کرنا لازمی ہے یا یہ کہ انبیاء علیہم السلام کا منتہائے مقصود حکومتی اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا ہے۔ بلکہ ہمیشہ ان کا منتہائے مقصود انابت الٰہیہ ہی رہا ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم بھی قرب الٰہی ہی کی راہنمائی کرتی ہے اور سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی نمونہ ہمارے سامنے رکھا ہے۔ البتہ حکومت ایک انعام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاک بندوں کو ان کے تقویٰ کے پیش نظر دیتا ہے۔ جیسے کہ بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی اور مسلمانوں کو بھی دی مگر حکومت حاصل کرنا انبیاء علیہم السلام کا منتہائے مقصود نہیں ہے جیسا کہ آپ نے اپنی کتابوں میں بیان کیا۔ مودودی صاحب نے بہت کوشش کی مگر میرے نزدیک وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے اور آخر یہ کہہ کر کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے مجلس برخواست کر دی۔

ایک بار مودودی صاحب نے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن میں تفسیر کے ضمن میں یہ بھی لکھ دیا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کی نبوت مستقل نہیں تھی۔ میں نے انہیں خط میں لکھا کہ آخر آپ نے بھی غیر مستقل نبوت تسلیم کر ہی لی۔ اس پر انہوں نے لکھا کہ میری مراد مددگار نبی کی تھی چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام لکنت سے بات کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے حضرت ہارون علیہ السلام کے لئے نبوت بطور مددگار نبی کے مانگ کر حاصل کی۔

بات یہ ہے کہ مودودی صاحب نے ایک رسالہ دینیات شائع کر رکھا ہے۔ اس رسالہ کی پہلی ایڈیشنوں میں آپ نے نبی مبعوث ہونے کی تین وجوہات بیان کی ہیں۔ میں نے مودودی صاحب سے پوچھا تھا کہ

ان تینوں وجوہات میں سے حضرت ہارون علیہ السلام پر کوئی وجہ چسپاں نہیں ہوتی۔ چنانچہ آپ نے بعد کے ایڈیشنوں میں حاشیہ میں مددگار نبی کی چوتھی وجہ بھی بڑھا دی ہے۔ پھر میں نے مودودی صاحب کو یہ بھی لکھا تھا کہ کسی نبی میں لکنت کا نقص ہونے کی وجہ سے مددگار نبی مل سکتا ہے تو جب نبی دنیا سے رخصت ہی ہو چکا ہو اور اس کا کوئی وجود دنیا میں نہ رہے تو اگر اس کی امت بگڑ جائے یہاں تک کہ **ظہر الفساد فی البر و البحر** کا عالم ہو جائے تو ایسی صورت میں اگر غیر مستقل، ظلی، بروزی نبی جس کو امتی کہہ سکتے ہیں کیوں نہیں آسکتا۔ اس کا جواب چونکہ مودودی صاحب کے پاس کوئی نہیں تھا اس لئے خط و کتابت ختم ہوگئی۔

اسی طرح بعض دیگر اہل علم حضرات سے بھی خاص کر ''ختم نبوت'' کے متعلق میں نے خط و کتابت کی ہے۔ یہاں سب کا ذکر ممکن نہیں اسی پر اکتفاء کی جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا خاص فضل اور احسان ہے کہ بطور ایڈیٹر الفضل خدمت دین کا اعزاز حاصل ہوا۔ میرے خیالات سب کے سب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیض سے ہیں۔ آپ کے خلفاء کے فیض سے ہیں۔ میں نے جو کچھ بھی الفضل میں لکھا ہے وہ دراصل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فیض سے ہے۔ آپ کے خلفاء کے فیض سے ہے۔ میں نے جو کچھ بھی الفضل میں لکھا ہے وہ دراصل سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور ملفوظات کا اپنے بھونڈے الفاظ میں چربہ ہے۔ جہاں تک میں نے احمدیت کی صحیح ترجمانی کی ہے وہ اسی آفتاب عالم تاب کی ادنیٰ کرم فرمائیوں کا کرشمہ ہے اور اگر میں نے صحیح ترجمانی کی ہے تو دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسی کے صدقے میں میری مغفرت فرمائے اور اگر مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں اور ضرور ہوئی ہیں تو اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے ان کی پردہ پوشی فرمائے۔ احباب سے استدعا ہے کہ وہ بھی خاکسار کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ میری عاقبت بخیر کرے۔ آمین۔

محترم مولانا عطاء اللہ صاحب کلیم

سابق امیر ومبلغ انچارج جماعت ہائے احمدیہ گھانا (مغربی افریقہ)

❁

تائیدِ ایزدی کے بعض ایمان افروز نشانات

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کا ہر خادم میدان جہاد میں ایسے متعدد واقعات کا مشاہدہ کرتا ہے جو ایک طرف اسلام اور احمدیت کی صداقت اور تائید خداوندی کا ثبوت ہوتے ہیں تو دوسری طرف دلوں میں اللہ تعالیٰ کی ذات والاصفات پر یقین کامل پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں۔ ذیل میں دو تین واقعات حصولِ ثواب کی خاطر بیان کئے گئے ہیں۔

قرآن کریم کا احترام نہ کرنے کا نتیجہ

پہلا واقعہ غانا مغربی افریقہ میں جہاں خاکسار کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے انیس سال خدمت بجالانے کی توفیق ملی۔ ۱۹۷۱ء میں جماعت کا ایک وفد خاکسار کی سرکردگی میں اس وقت کے وزیر اعظم غانا آنریبل ڈاکٹر کے۔اے۔ بوسیا Dr.K.A.Busia کو قلعہ اوسو Osu Castle جو دارالخلافہ عکرا میں صدارتی کمیشن اور وزیر اعظم کے دفاتر کے طور پر استعمال ہوتا تھا ملا۔ خاکسار نے ایڈریس میں جماعت غانا کی طرف سے آنریبل موصوف کا گھانا کی Second Republic دوسری جمہوریہ کے پہلے وزیر مقرر ہونے پر مبارکباد دی اور ساتھ ہی جماعت احمدیہ کی مختصر تاریخ اور اس کی تبلیغی اور تعلیمی خدمات کا ذکر کیا نیز اس تقریب کے یادگار کے طور پر انگریزی ترجمہ قرآن کریم اور بعض دیگر اسلامی کتب بھی انہیں پیش کیں۔ آنریبل موصوف یونیورسٹی آف گھانا میں سوشیالوجی کے پروفیسر رہ چکے تھے اور وزیر اعظم کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کے باوجود عموماً ہر اتوار کو کسی نہ کسی گرجا میں خطبہ بھی پڑھا کرتے تھے گویا اپنے رنگ میں وہ مکمل پادری بھی تھے۔ خاکسار جب اپنا ایڈریس پیش کرتے ہوئے اسلامی تعلیم اور قرآن مجید کے فضائل کو بیان کررہا تھا تو آنریبل موصوف کے چہرہ کی حالت ان کے اندرونہ کو ظاہر کررہی تھی جسے ممبران وفد نے بھی

مشاہدہ کیا مگر آنریبل موصوف کی اسلام دشمنی اس وقت کھل کر سامنے آئی جب انہوں نے تمام آداب کو بالائے طاق رکھ کر اسّی کروڑ انسانوں کی مقدس کتاب کو کرسی سے اٹھ کر وصول کرنے کی بجائے عمداً کرسی پر بیٹھے بیٹھے ہی وصول کیا۔

جب ممبران وفد آنریبل موصوف کے دفتر سے باہر آئے تو ہر ایک نے ان کی اس نازیبا حرکت پر افسوس کا اظہار کیا اور جماعت گھانا کے وسطی ریجن کے ریجنل صدر .U.B.ADAM مکرم عثمان بن آدم نے تو برملا کہہ دیا کہ اس شخص نے خدا تعالیٰ کے کلام قرآن کریم کو عزت نہیں دی اس کا خمیازہ جلد بھگت لے گا چنانچہ کچھ عرصہ بعد جب آنریبل موصوف ملک سے باہر گئے تو فوج نے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جس کے بعد اب وہ ملک بدری کی زندگی گزار رہے ہیں۔

نازک حالات میں تائیدِ الٰہی

دوسرا ایمان افروز واقعہ حضرت امیر المومنین حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی جاری کردہ نصرت جہاں آگے بڑھو سکیم کے ماتحت گھانا میں قائم شدہ چار ہسپتالوں میں ایک ہسپتال سے تعلق رکھتا ہے۔

یہ ہسپتال وسطی ریجن گھانا کے قصبہ سویڈرو AGONA SWEDRO میں قائم کیا گیا تھا۔اس کے پہلے ڈاکٹر مکرم آفتاب احمد صاحب ایم۔بی۔بی ایس تھے جنہوں نے ۱۹۷۱ء میں وہاں سب سے پہلے نہایت اخلاص سے خدمت خلق کا فریضہ سرانجام دینا شروع کیا چونکہ ہسپتال اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور اصل مقصد جلد از جلد علاج کی سہولتیں مہیا کرنا تھا ڈاکٹر صاحب موصوف نے لکڑی کے ایک عام میز پر ہی آپریشن شروع کردیئے اور اللہ تعالیٰ شافی مطلق ان کے مریضوں کو شفا عطا فرما دیتا رہا اور آپریشن کامیاب ہوتے رہے۔

اس وقت وسطی ریجن کے ریجنل میڈیکل آفیسر ایک بنگالی ہندو تھے جب وہ ہسپتال کے معائنہ کے لئے گئے تو وزارت صحت کے معیاری اپریشن میز کو نہ پا کر آگ بگولہ ہو گئے مکرم ڈاکٹر صاحب نے حقیقت حال کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ معیاری آپریشن میز مارکیٹ میں مہیا نہیں ہے مگر ریجنل میڈیکل آفیسر نے کسی معذرت کو قبول نہ کیا اور پہلے تو آپریشن بند کرنے کا حکم دے دیا اور بعد میں مرکزی وزارت صحت رپورٹ کر کے فروری ۱۹۷۲ء میں سویڈرو کا احمدیہ ہسپتال ہی بند کروا دیا اور اس طرح اس علاقہ کے سارے

لوگوں کو جماعت کی طرف سے مہیا کردہ طبی سہولتوں سے محروم کر دیا۔

خاکسار جب مارچ ۱۹۷۲ء میں آخری مرتبہ گھانا پہنچا تو جماعت کا ہسپتال بند ہونے کا معلوم کر کے مجھے بہت افسوس ہوا۔ خاکسار نے ریجنل میڈیکل آفیسر۔ ریجنل کمیشنر وسطی ریجن اور مرکزی وزارت صحت کے اعلیٰ افسران سے ہسپتال کے کھلوانے کے سلسلہ میں متعدد ملاقاتیں کیں مگر بے سود ثابت ہوئیں تاہم جونہی میعاری میز مارکیٹ میں میسر ہوا چھ ہزار چار صدر روپے خرچ کر کے خرید لیا گیا اور متعلقہ افسران کو اس کی اطلاع کر دی گئی مگر پھر بھی ریجن میں ہندو آفیسر اور مرکز میں کیتھولک آفیسر کے تعصب کی وجہ سے ہسپتال کئی ماہ تک بند رہا۔

قصہ کوتاہ جماعت کا ایک وفد خاکسار کی سرکرگی میں وزیر صحت سے جو فوجی حکومت کی وجہ سے کمشنر برائے وزارت صحت کہلاتے تھے ملنے کے لئے گیا۔ اس وفد میں میرے علاوہ الحاج ممتاز آرتھر صدر جماعت احمدیہ گھانا، الحاج الحسن عطا۔ ایم۔ بی۔ بی ریجنل صدر جماعت اشانٹی ریجن، بریگیڈیر (ریٹائرڈ) مکرم ڈاکٹر غلام احمد صاحب ایم۔ بی۔ بی۔ ایس ایف آر سی ایس میڈیکل آفیسر احمدیہ ہسپتال سوکری اشانٹی، مکرم ڈاکٹر آفتاب احمد صاحب ایم۔ بی بی ایس میڈیکل آفیسر احمدیہ ہسپتال سویڈرو اور جماعت کے مشیر قانونی الحاج بشیر کو سوانزی بار ایٹ لاء (جو ڈاکٹر نکروما کی حکومت میں اٹارنی جنرل اور وزیر انصاف بھی رہ چکے تھے اور جنہوں نے دوران قید جماعت کا لٹریچر پڑھ کر اسلام قبول کیا تھا کمشنر برائے وزارت صحت جن کا نام غالباً اتیجے ٹے ADYETE ڈینٹل سرجن تھا اور کرنل کے عہدہ پر فائز شامل تھے۔

دوران گفتگو مکرم ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ شاہ صاحب نے ایک بات کی وضاحت کرنی چاہی تو کمشنر صاحب جو شاید موقع ہی کی تلاش میں تھے برافروختہ ہو گئے اور شاہ صاحب کو مخاطب ہو کر کہنے لگے کیا تم اپنے ملک (پاکستان) میں اس طرح سے وزیر سے خطاب کر سکتے ہو۔ چونکہ مکرم ڈاکٹر شاہ صاحب سندھ میں پروونشل ڈائریکٹر آف ہیلتھ رہ چکے تھے انہوں نے صاف کہا کہ ہاں میں اپنے ملک میں اسی مہذب طریق کے ساتھ بات چیت کرتا رہا ہوں۔ ان کا اتنا کہنا تھا کہ کمشنر صاحب غصہ سے لال پیلے ہو گئے اور آپے سے باہر ہو کر جوش میں کہا کہ میں دیکھوں گا کہ تم اس ملک میں کس طرح رہ سکتے ہو۔ یا میں اس کرسی (یعنی کرسی وزات صحت) پر رہوں گا یا تم اس ملک میں رہو گے۔ چونکہ کمشنر صاحب غصہ میں جلدی جلدی انگریزی میں بول رہے تھے اس لئے الفاظ ممکن ہیں کچھ اور ہوں تاہم مفہوم یہی تھا۔

اس چیلنج نما اور ناروا گفتگو کے بعد وہ کھڑے ہو گئے اور میٹنگ برخاست ہو گئی۔ ہمارا وفد تو گیا تھا کہ سویڈرو ہسپتال جو سات آٹھ ماہ سے بند تھا اس کو کھلوایا جائے مگر اس کے برعکس ہمارا دوسرا بہت ہی کامیاب ہسپتال واقع اسوکری بھی اپنے تجربہ کار اور ماہر ڈاکٹر سے محروم ہونے کے خطرہ میں پڑ گیا۔

تاہم خاکسار نے وزارت صحت کے دفتر سے نکل کر فوری طور پر ایک تار حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے ارسال کیا اور تفصیلی خط مع تار کے نقل کے رجسٹری کرتے ہوئے دعا کی مکرر درخواست کی۔ جماعت احمدیہ گھانا کو بھی دعاؤں کی تاکید کی گئی نیز دعاؤں کے ساتھ جو ذرائع میسر تھے ان کو بھی بروئے کار لایا گیا کیونکہ ہمارے ڈاکٹر واقفین صاحبان تو خدمت کے جذبہ سے سرشار خلیفہ وقت کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اپنی ملازمتوں سے رُخصت بلاتنخواہ لے کر ارض بلال کے باشندوں کو طبی سہولتیں مہیا کرنے گئے تھے اور ہر قیمت پر اپنا فریضہ جاری رکھنا چاہتے تھے۔

بہر حال معاملہ صدر مملکت تک پہنچا اور مکرم ڈاکٹر صاحب کی تحریری معذرت پر ختم ہوا اور پھر ہمارا سویڈرو ہسپتال بھی جلد دوبارہ کھل گیا۔

مگر متعصب کمشنر صاحب جو ڈاکٹر بھی تھے وزارت صحت سے فوری طور پر تبدیل کر کے وزارت صنعت بھیج دیئے گئے اور بعد میں وہاں سے بھی جلد ہی ریٹائرڈ کر دیئے گئے مگر ہمارے ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسوکری ہسپتال کو مزید دو سال کامیابی سے چلاتے رہے بلکہ ہسپتال کی عمارت کی تعمیر و تکمیل اور جدید سامان سے اسے آراستہ کرنے کے بعد کامیابی کے بعد اپنی رخصت کے اختتام پر گھانا سے پاکستان واپس آئے کچھ عرصہ بعد پاکستان میں رخصت گزارنے کے بعد نصرت جہاں سکیم کے تحت نائیجیریا میں خدمت خلق پر مامور رہے اور بعد میں سیرالیون میں نصرت جہاں کے ہسپتال واقع روکوپور میں خدمات بجالاتے رہے۔ **فالحمدللہ علی ذلک**

تیسرا واقعہ

جو ہر احمدی کے لئے ازدیاد ایمان کا باعث ہے وہ ۱۹۷۳ء کا ہے۔ جماعت احمدیہ گھانا کا مرکز آغاز مشن سے ہی سالٹ پانڈ کا قصبہ تھا جو عکرا دارالحکومت سے ۷۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔(۱۹۷۸ء سے جماعت کا مرکز عکرہ میں منتقل ہو چکا ہے) وہاں ایک دن ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ریسیور اٹھانے پر معلوم ہوا کہ ٹیلیفون OSU CASTLE عکرہ سے ہے جو ہیڈ آف دی سٹیٹ یعنی صدر مملکت کا دفتر ہے پیغام یہ تھا کہ صدر

مملکت نے خاکسار عطاء اللہ کلیم امیر جماعتہائے احمدیہ گھانا کو دوسرے دن دس بجے صبح اپنے دفتر میں بلایا ہے۔ جمہوریہ گھانا کے صدر مملکت کی طرف سے بلاوا آنے پر فکر دامن گیری ہوئی کہ کہیں کسی اور ہسپتال کے متعلق شکایت نہ کر دی گئی ہو یا جماعت کے خلاف کسی نے صدر مملکت کے کان نہ بھر دیئے ہوں۔ بہر حال مختلف خیالات آ کر پریشانی کا باعث بنے۔ تاہم مومن کا کام چونکہ ہر مشکل مرحلہ پر اللہ تعالیٰ کے حضور جھکنا اور اسی سے ردِ بلا اور نصرت وتائید کے لئے فریاد کرنا ہے اس لئے حتی المقدور دعا کی گئی۔

دوسرے دن OSU CASTLE پہنچا تو تمام متعلقہ افسران وغیرہ انتظار میں تھے اور خاکسار درجہ بدرجہ مراحل سے گزرتا ہوا صدر مملکت کے پرسنل سیکرٹری کے پاس جو ایک لیفٹیننٹ کرنل تھے پہنچا۔ تمام افسران بڑے تپاک سے ملتے اور خوش آمدید کہتے رہے۔ پرسنل سیکرٹری صاحب خاکسار کو صدر مملکت کے ملاقات کے کمرہ میں لے گئے اور وہاں بٹھا کر فوراً چلے گئے۔

اب کمرہ میں صدر مملکت اور خاکسار کے علاوہ کوئی نہیں تھا۔ صدر مملکت بھی نہایت عزت سے پیش آئے اور گفتگو کا آغاز اس طرح کیا کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ میرے خلاف کچھ سازشیں اور ریشہ دوانیاں ہو رہی ہیں آپ میرے لئے دعا کریں اور جماعت احمدیہ کے سپریم ہیڈ یعنی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز امام جماعت احمدیہ کو بھی لکھیں کہ وہ میرے لئے دعا فرمائیں۔

خاکسار نے ان کے لئے دعا کا وعدہ کیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں پہلے تار کے ذریعہ اور پھر تفصیلی خط میں دعا کی درخواست کی۔

چنانچہ حضور انور کی طرف سے جواب ملا کہ دعا کی گئی ہے۔ ماہ ڈیڑھ ماہ کے بعد حکومت کی ایک فیکٹری کے افتتاح کی رسم ادائیگی کے لئے صدر مملکت H.E.COL. I.K.ACHEAM PONG سالٹ پانڈ تشریف لائے اور معززین قصبہ کی ان سے ملاقات ہوئی تو خاکسار نے صدر مملکت کو بتایا کہ ان کا مفوضہ کام کر دیا گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ اس وقت تک ان کی جملہ پریشانیاں دور ہو چکی تھیں۔ اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی بابرکت دعاؤں کے نتیجہ میں اس صدر مملکت نے ۱۹۷۸ء تک یعنی پانچ چھ سال بڑی شان سے حکومت کی اور جولائی ۱۹۷۸ء میں بعض وجوہ کی بناء پر خود استعفیٰ دے کر حکومت سے الگ ہو گئے۔

یہ واقعہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے قائم کردہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کو کس قدر عزت عطا فرمائی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں کے ایک خادم کو گھانا جیسے اہم ملک کے صدر مملکت خود بلا کر درخواست کرتے ہیں کہ ان کے لئے دعا کی جائے۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِکَ**۔

محترم مولانا بشارت احمد صاحب بشیر (ایم اے)
سابق امیر و مبلغ انچارج گھانا و سیرالیون

چند دلچسپ تبلیغی واقعات

مولانا بشارت احمد صاحب بشیر ایم اے قادیان سے ۲۳؍اپریل ۱۹۴۶ء کو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے نائیجیریا تشریف لے گئے اور وہاں حضرت مولانا حکیم فضل الرحمن صاحب مرحوم امیر نائیجیریا کے ہمراہ لیگوس میں فریضہ تبلیغ بجالاتے رہے۔ وہاں سے اکتوبر ۱۹۴۶ء میں سیرالیون کے لئے روانہ ہوکر ۲۷؍اکتوبر کو فری ٹاؤن (سیرالیون) پہنچے اور فروری ۱۹۴۹ء تک شمالی صوبہ کے قصبہ مکالی میں بطور تاجر مبلغ مصروف کار رہے۔ فروری ۱۹۴۹ء کے آخر میں سیرالیون سے ان کا گولڈ کوسٹ (گھانا) تبادلہ ہوگیا جہاں وہ بطور مبلغ اسلام تقریباً چار سال تک کماسی اور دیگر علاقوں میں کام کرنے کے بعد ۲۵؍دسمبر ۱۹۵۲ء کو ربوہ واپس آئے۔ واپسی پر گھانا کے دو طالب علم عبدالوہاب آدم اور بشیر بن صالح جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے لئے ساتھ لائے۔ عبدالوہاب بن آدم صاحب اس وقت گھانا کے امیر و مبلغ انچارج ہیں۔ آپ کو دوبارہ 1962ء تا 1966 سیرالیون اور 1972ء تا 1979 گھانا بطور مبلغ اسلام خدمت کا موقع ملا۔ آپ کو ایک لمبا عرصہ بطور نائب وکیل التبشیر خدمت کا موقع بھی ملا۔

ربّ العزت کے حضور دعا اور اس کی قبولیت

۱۹۷۱ء کا ذکر ہے کہ گھانا میں خاکسار نے وسیع پیمانہ پر تبلیغ اسلام کی مہم کا آغاز کیا جس میں ۸۰ کے قریب مبلغین اور رضا کاروں نے حصہ لیا اور دو ماہ تک متواتر ہم گھانا کے شمالی علاقہ میں تبلیغ اسلام میں ہمہ تن مصروف رہے اس علاقہ میں کسی وقت مسلمانوں کی اکثریت تھی لیکن بعد میں یہاں کے باشندوں نے پادریوں کے زیر اثر جنہیں حکومت کی سرپرستی حاصل تھی عیسائی مذہب اختیار کرلیا تھا۔ ہماری اس منظم تبلیغ کا اپنوں اور غیروں میں خوب چرچا ہوا آخر ہماری متواتر کوششوں کے نتیجہ میں اس علاقہ میں نومخلص

اور فعّال جماعتیں معرض وجود میں آئیں جو خدا تعالیٰ کے فضل سے اب ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ تبلیغی مہم کے دوران سولا (Sola) کے مقام پر بھی ایک خاندان کو اسلام قبول کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ ایک دن جو میرا اس شہر سے گزر ہوا تو اس خاندان کے سربراہ کو میں نے بہت پریشان پایا۔ وجہ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ اس کے دولڑ کے ضربۃ الشّمس (Heat Stroke) سے بیمار پڑے ہیں اس وقت مکرم لطیف احمد صاحب مرحوم پرنسپل کماسی اور کمال الدین صاحب بنگالی پرنسپل فومنا سیکنڈری سکول بھی میرے ہمراہ تھے۔ میں نے اسے تسلی دی کہ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ہم دوا بھی دیں گے اور دعا گو بھی ہوں گے۔ اس وقت میرے بریف کیس میں امرت دھارا کی ایک شیشی تھی۔ میں نے اس کے چند قطرے چینی میں ملا کر انہیں کھلائے اور ان کی شفایابی کے لئے رب العزت کی بارگاہ میں نہایت عاجزی اور الحاح سے دعا بھی کی۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ معجزانہ طور پر شفایاب ہو گئے جس کا اس شہر کے نومسلمین اور نومبائعین پر نہایت خوشگوار اثر ہوا۔

ایک احمدی طالب علم کی غیرت ایمانی

مغربی افریقہ میں عیسائی مدارس نے عیسائیت کے فروغ میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے مسلمان طلباء جو ان اداروں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ عموماً اسلامی جذبہ اور عقیدت سے محروم ہو جاتے ہیں لیکن احمدیہ جماعت نے مسلمان بچوں کے لئے مدارس کھول کر ان کی اس شکایت کا بھی کافی حد تک ازالہ کر دیا ہے۔ ہمارا ایک احمدی طالبعلم جو کسی زمانے میں ایک عیسائی ادارے میں تعلیم حاصل کرتا تھا اپنی خداداد ذہانت اور قابلیت کے باعث ہر کلاس میں اول نمبر حاصل کرتا تھا۔ عیسائی پادریوں نے اسے اپنے دام میں پھنسانا چاہا۔ چنانچہ ایک مرتبہ سکول میں تقسیم انعامات کے موقع پر اسے ایک ڈبیہ انعام میں دی گئی جونہی اس نے ڈبیہ کھولی تو اس کے اندر سے صلیب نکلی۔ اس طالب علم کی غیرت ایمانی نے یہ گوارہ نہ کیا کہ وہ صلیب کی ڈبیہ انعام میں قبول کرے۔ اس نے یہ کہہ کر کہ میں مسلمان ہوں آپ کی صلیب قبول نہیں کر سکتا۔ فوراً ڈبیہ ان کی طرف پھینک دی جس کی وجہ سے مجمع پر سنّاٹا چھا گیا اور جملہ حاضرین اس کی غیرت ایمانی دیکھ کر عش عش کر اٹھے۔ یہ درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے انفاس قدسیہ کی ہی تاثیرات تھیں کہ ایک احمدی طالب علم نے اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کر کے پادریوں کی خواہشات پر پانی پھیر دیا۔

ہسپتال کھولنے کی اجازت

۱۹۷۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز جب مغربی افریقہ کے تاریخی دورہ پر تشریف لائے ٹیچی مان برانگ ایافوریجن میں بھی تشریف لے گئے اس علاقہ کا انچارج مولوی عبدالوہاب بن آدم تھے۔حضور نے مجھے اس جگہ ہسپتال کھولنے کا ارشاد فرمایا۔عیسائی مشن ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ جماعت کا ان علاقوں میں اثر ورسوخ بڑھے۔کیونکہ ملک میں کلیدی آسامیوں پر عیسائی عنصر غالب تھا اس لئے جب میں نے ٹیچی مان میں ہسپتال کھولنے کی درخواست دی تو وزارت صحت کی طرف سے یہ جواب موصول ہوا وہاں پر پہلے ہی دو ہسپتال موجود ہیں اس لئے وہاں آپ کو ہسپتال کھولنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔میں نے جماعت کو بتایا کہ ہمارے امام کا ارشاد ہے۔اس لئے ہمارا ہسپتال بہرحال شہر ٹیچی مان میں کھل کر رہے گا۔خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا کون احاطہ کرسکتا ہے چند روز بعد خبر ملی کہ ہسپتال کا ڈاکٹر فوت ہوگیا ہے اور دوسرا ڈاکٹر نہ ملنے کے باعث وہ ہسپتال بند پڑا ہے۔اب حکومت کے پاس اجازت نہ دینے کا کوئی جواز باقی نہ رہا۔اس لئے ہمیں وہاں ہسپتال کھولنے کی اجازت مل گئی اور اس طرح حضور کا منشاء مبارک پورا ہوکر جماعت کے افراد کے لئے ازدیادِ ایمان کا باعث بنا۔

شمالی گھانا کی جماعتوں کی مالی قربانی

شمالی گھانا کے علاقہ WA میں ہماری جماعت اچھی خاصی تعداد میں پائی جاتی ہے۔اس علاقہ کے ایک بزرگ مکرم الحاج صالح ایک جید عالم تھے جنہوں نے مکرم الحاج نذیر احمد صاحب علی مرحوم کے ذریعہ کافی بحث وتمحیص کے بعد احمدیت قبول کی۔ان کے ذریعہ شمالی گھانا میں احمدیت کا آغاز ہوا جب اہالیان شہر WA کو آپ کی قبول احمدیت کا علم ہوا تو انہوں نے منظم طور پر آپ کی مخالفت شروع کردی۔ایک دفعہ تو قتل کے ارادے سے دیوار پھاند کر ان کے گھر داخل ہوگئے۔مگر خدا تعالیٰ نے انہیں بچالیا۔اس وقت برطانوی حکومت کا راج تھا۔نقص امن کے اندیشہ کے باعث دو مرتبہ انہیں شہر بدر ہونا پڑا لیکن جب میں پہلی بار اس علاقہ میں گیا تو ایک جلسہ میں چندہ کی اپیل کی اور چند منٹوں میں چار ہزار سڈی یعنی دو ہزار پونڈ سٹرلنگ جمع ہوگئے۔تھوڑی دیر بعد ایک معمر دوست جن کی آنکھیں اشکبار تھیں اٹھے اور کہنے لگے کہ ”دوستو! وہ وقت بھی یاد کرو جب الحاج صالح کو کمشنر نے مخالفین کے اکسانے پر جواڑھائی پونڈ جرمانہ کیا تھا تو ہم سب مل کر یہ رقم

بھی اکٹھی نہ کر سکے تھے۔اب چار ہزار تو کیا ہم دین اسلام کے لئے چالیس ہزار بھی جمع کر سکتے ہیں''۔یہ انہوں نے سچ کہا کیونکہ بعد میں اس علاقہ کے احباب نے پچاس ہزار سڈی یعنی پچیس ہزار سٹرلنگ پونڈ تبلیغ اسلام کے لئے جمع کیا تھا۔اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ۔

یہ دراصل اسی بشارت کا ظہور ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبعین کے بارہ میں دی تھی کہ میں ان کے نفوس واموال میں برکت ڈالوں گا جس کی ایک مثال شمالی گھانا کے احمدی افراد کی ہے۔

محترم مولانا بشارت احمد صاحب نسیم امروہی
سابق مبلغ غانا مغربی افریقہ

سچائی پر قائم رہنے کا نتیجہ

۱۹۴۶ء میں خاکسار مغربی افریقہ کے ملک غانا کے شہر ''وا'' میں بسلسلہ اعلائے کلمہ حق مقیم تھا اس وقت گو وہاں انگریز حکمران تھے مگر مقامی لوگوں کو بھی کچھ اختیارات حاصل تھے چنانچہ عام ملکی حالات اور تنازعات کے تصفیہ کی ذمہ داری قبائلی حکام ہی کے سپرد تھی اور عملاً یہی ان کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اس زمانہ میں ''وا'' اور اس کے گردونواح میں ہماری مخالفت زوروں پر تھی اور قبائلی سربراہوں کی طرف سے نہ صرف احمدیت کی مخالفت کی جاتی تھی بلکہ ہماری تبلیغ پر بھی قدغن لگا دی گئی تھی۔

ایک روز قصبہ کے بازار میں ایک مقامی مسلمان حاجی مصطفیٰ نامی سے میری ملاقات ہوئی وہ پیشہ کے اعتبار سے خیاط تھے اور قلیل آمدنی پر گزارہ تھا۔ لیکن نہایت شریف اور سعید الفطرت انسان تھے۔ علیک سلیک کے بعد میں نے انہیں اپنی جماعت کے مرکز میں آنے کی دعوت دی۔ کہنے لگے دن کے وقت آپ کے پاس آنا تو مشکل ہے رات کو آؤں گا۔ چنانچہ وہ آئے اور میں نے انہیں کچھ وقت تبلیغ کی اور ان کے شبہات کا ازالہ بھی کیا۔ جس کے بعد وہ چلے گئے اور پھر ایک عرصہ تک ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔

اس وقت وہاں یہ رواج تھا کہ متوفی کا صرف پہلا بچہ ہی اس کی جائیدا کا وارث ہوسکتا تھا خواہ وہ لڑکا ہوتا یا لڑکی۔ باقی اولاد اس کے رحم وکرم پر زندگی گزارتی یا اپنی ذاتی آمدنی پیدا کرتی۔ مذکورہ بالا شخص کے والد بھی فوت ہو چکے تھے اور وہ اپنے والد کے متروکہ مکان میں اپنے بڑے بھائی کی کفالت میں رہتا تھا۔ کچھ عرصہ بعد ایک روز میں نماز جمعہ کے لئے احمدیہ مسجد گیا تو میں نے دیکھا کہ مصطفےٰ بھی وہاں موجود ہے۔ بعد نماز جمعہ مجھے از وقت آگاہ کیا اور نصیحت کی جب تک شرح صدر نہ ہو بیعت نہ کرے اور اچھی طرح سوچ سمجھ لے کہ وہ مخالفین کی طرف سے دی جانے والی تکالیف کو صبر سے برداشت کرے گا

یا نہیں۔ کیونکہ مجھے احساس تھا کہ وہ غریب ہے بال بچے دار ہے۔ آمد بہت کم ہے رہائش کے لئے مخالف بھائی کا محتاج ہے ریاست کا چیف اور علماء ہماری جماعت کے سخت مخالف ہیں اس لئے اس کا بیعت کرنا یقیناً اسے کئی قسم کے ابتلاؤں میں ڈال دے گا تاہم اس نے بڑی جرأت اور دلیری سے مجھے جواب دیا کہ مجھے شرح صدر ہے اور میں انشاء اللہ تعالیٰ ہر خطرے کا مقابلہ کروں گا چنانچہ اس نے بیعت فارم پر کر دیا اور دعا کے بعد رخصت ہو گیا۔

اس دوران معلوم نہیں اس کے بڑے بھائی کو کیسے پتہ چل گیا کہ وہ احمدی ہونے کے لئے ہماری مسجد آیا ہے۔ کیونکہ جب وہ رخصت ہو کر اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کا سامان گھر کے باہر پھینک کر مکان مقفل کر دیا گیا ہے اور اس کی بیوی بچوں کو خسر صاحب اپنے ہمراہ لے گئے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے سامان سمیت ریاست کے مخالف چیف کے پاس چلا گیا۔ چیف کے دریافت کرنے پر اس نے صاف صاف کہہ دیا کہ چونکہ شہر کا حاکم ہر شہری کا باپ ہوتا ہے اس لئے بیٹا اپنے باپ کے پاس آیا ہے۔ جب کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ہو تو بیٹے نے بہر حال باپ کے پاس ہی آنا ہوتا ہے۔ رہا عقیدے اور مذہب کا سوال تو یہ ہر ایک کا ذاتی معاملہ ہے۔ جس میں حکومت نے سب کو آزادی دے رکھی ہے۔ چنانچہ شہر کے چیف نے اسے چاروناچار رہنے کے لئے جگہ دے دی۔

مجھے بھی اس ناگفتہ بہ حالت کا علم ہوا تو میں ضلع کے انگریز حاکم کے پاس گیا اور اس احمدی بھائی کے حالات اور مشکلات بیان کر کے اس کے ازالہ کی درخواست کی۔ مگر اس نے مجھے ٹالتے ہوئے کہہ دیا کہ مذہبی عقیدہ اس کی وجہ نہیں۔ محض بھائی بھائی کے درمیان جھگڑا اور قانونی معاملہ ہے چنانچہ انگریز حاکم کا یہ ناروا رویہ دیکھ کر میں نے وہاں کی جماعت کو بالعموم اور اس نومبائع بھائی کو بالخصوص صبر و تحمل سے کام لینے کی تلقین کی اور ہم سب یہ معاملہ خدا کے سپرد کر کے دعاؤں میں لگ گئے۔ اس دوران ہمارے بھائی کو مختلف قسم کی ترہیب و ترغیب سے مرتد کرنے کی کوشش کی جاتی رہی مگر وہ ثابت قدم نکلا اور صبر و شکر اور استقامت اور دعاؤں میں اپنا وقت گزارنا شروع کر دیا جماعت نے حسب حالات اس کی کچھ مالی امداد بھی کی۔

الغرض اس واقعہ پر ابھی چند ماہ بھی نہ گزرے تھے کہ مصطفیٰ کا وہ بڑا بھائی اچانک فوت ہو گیا جس نے باپ کی جائیداد پر قبضہ کر رکھا تھا اور قانونی طور پر اس تمام جائیداد کا واحد وارث ہمارا نومبائع بھائی مصطفیٰ قرار دے دیا گیا اور اس کے بعد اس کے بیوی بچے بھی اس کے پاس واپس آ گئے۔ خدا کی قدرت کہ اس کے بھائی

کوفوت ہوئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ ریاست ''وا'' کا وہ متعصب عیسائی چیف بھی فوت ہو گیا۔اور نئے چیف کے انتخاب کے وقت خدا تعالیٰ نے ایک مخلص احمدی دوست کو کامیاب کر دیا۔ان کے چیف بن جانے کے بعد نہ صرف مخالفت ختم ہوگئی بلکہ تبلیغ اسلام بھی آزادی سے ہونے لگی اسی دوران اس انگریز حاکم کا بھی وہاں سے تبادلہ ہو گیا جس نے غیر منصفانہ رویہ اختیار کرتے ہوئے ایک مظلوم کی دادرسی کرنے سے انکار کر دیا تھا۔اوراس طرح غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ نے اہل حق کی تائید ونصرت فرمائی۔

محترم مولانا محمد اسماعیل صاحب منیر (بی اے)

سابق سیکرٹری مجلس نصرت جہاں

سیکرٹری حدیقۃ المبشرین اور ناظر تعلیم القرآن

مکرم مولوی محمد اسماعیل صاحب منیر فاضل واقف زندگی نے ۱۹۴۸ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور ۱۹۵۰ء میں مبلغین کا امتحان پاس کرنے کے بعد سری لنکا میں تحریک جدید کا نیا مشن قائم کرنے ۶ اگست ۱۹۵۱ء کو وہاں بھیجے گئے۔ سری لنکا میں آپ نے ایک ماہانہ رسالہ The Message تین زبانوں میں جاری کیا اور ۱۹۵۸ء میں واپس آئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۹ء میں بطور مبلغ اسلام مشرقی افریقہ تشریف لے گئے۔ ۱۹۶۰ء میں آپ کا تبادلہ ماریشس کر دیا گیا۔ ستمبر ۱۹۶۲ء میں ربوہ واپس تشریف لائے۔ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۷۰ء تک آپ کو دوبارہ ماریشس میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے کی توفیق ملی۔ ۱۹۷۰ء میں آپ مجلس نصرت جہاں کے پہلے سیکرٹری مقرر ہوئے۔ ۱۹۷۴ء تا ۱۹۷۶ء بطور مبلغ اسلام سیرالیون میں خدمات بجالانے کی توفیق ملی بعد میں آپ کو سیکرٹری حدیقۃ المبشرین اور ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن وقف عارضی خدمات دینیہ بجالانے کی توفیق ملی۔ آپ کے بعض ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

نصرت الٰہی

خلیفہ خدا بناتا ہے اور پھر ان کے منہ سے نکلی ہوئی باتوں کو پورا کرنے کے سامان بھی خود ہی کرتا ہے اور ان کے پروگراموں کو غیر معمولی برکتوں سے نوازتا ہے جن کی شاندار کامیابی کو دیکھ کر دنیا دنگ رہ جاتی ہے اور انہیں بزور مٹانے کی کوششوں میں بڑی بڑی طاقتیں بھی عاجز آ جاتی ہیں۔ اس حقیقت کے ثبوت میں تین واقعات عرض کرتا ہوں۔

ا۔ مئی ۱۹۷۰ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے مغربی افریقہ کا تاریخی دورہ فرمایا اور

نصرت جہاں سکیم کے تحت افریقہ میں ہسپتال اور سکول کھولنے کا اعلان فرمایا تھا۔سیرالیون کے قصبہ باجے بو میں ڈاکٹر امتیاز احمد صاحب کو حضورانور نے متعین فرمایا۔دسمبر ۱۹۷۴ء میں ہسپتال مع سامان مکمل طور پر تیار ہو گیا اور رسمی افتتاح سے قبل وزارت صحت سے منظوری حاصل کرنا ضروری تھا چنانچہ ملک کے چیف میڈیکل آفیسر وہاں پہنچ گئے۔تفصیلی معائنہ شروع ہوا۔ ہماری جماعت کے جنرل پریذیڈنٹ پیراماؤنٹ چیف ناصرالدین گامانگا مرحوم بھی میرے ساتھ ایک ایک وارڈ، دوائی خانہ، لیبارٹری وغیرہ کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد جب آپریشن تھیٹر میں پہنچے تو حیران رہ گئے اور بے ساختہ پکار اٹھے کہ یہ ہمارے ملک میں ماڈرن قسم کا بہترین آپریشن تھیٹر بن گیا ہے اور باوجود ہر چیز کا بغور معائنہ کرنے کے کوئی خامی نہ نکال سکے اور معائنہ ختم کر کے کھانے کی میز پر آ گئے جس کو سجانے کے لئے محترم ڈاکٹر صاحب کی بیگم صاحبہ نے خوب محنت کی تھی۔

کھانے کے بعد چیف پیتھالوجسٹ مجھے ایک طرف لے گئے اور پوچھنے لگے کہ اتنے بڑے ہسپتال کے لئے آپ کو کس گورنمنٹ نے مدد دی ہے کیا پاکستان یا سعودی عرب سرپرستی کر رہے ہیں۔ میں نے عرض کی نہیں یہ صرف احمدیوں کے حقیر عطیہ جات کا نتیجہ ہے۔جوانہوں نے نصرت جہاں ریزروفنڈ کے لئے بڑے اخلاص اور ایثار سے اپنا پیٹ کاٹ کر دیئے ہیں مگر وہ کہنے لگے کہ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ اتنی چھوٹی سی غریب جماعت اتنے مختصر سے وقت میں ایسا بڑا ہسپتال بنا لے۔ اتنا بڑا ہسپتال تو ہماری گورنمنٹ بھی اتنے مختصر وقت میں نہیں بنا سکی۔ جوں جوں میں مزید تفصیل بتاتا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ہاتھ ابتدا ہی سے جماعت احمدیہ کی خاص مدد کرتا رہا ہے ان کے چہرے سے حیرت کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے چلے گئے۔ بالآخر انہوں نے اعتراف کیا کہ جماعت احمدیہ کی ترقی کا راز ان کی سمجھ سے بالا ہے کہ کس طرح ایک بے یارومددگار جماعت مادی وسائل کے فقدان کے باوجود خدمت خلق کے اتنے بڑے بڑے منصوبے ایسی کامیابی سے مختلف ممالک میں چلا رہی ہے کہ عیسائیوں کے پرانے ہسپتال بھی ان کے آگے ماند پڑ گئے ہیں بلکہ اب وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئے اور جماعت کی مخالفت پر تلے ہوئے ہیں۔اس معائنہ سے چند دن قبل سیرالیون کی جماعتوں کا جلسہ سالانہ ۱۹۷۶ء بھی ''باجے بو'' میں منعقد ہوا تھا تاسب حاضرین نصرت جہاں کے اس شاندار ہسپتال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس منصوبہ کی کشش نے سیرالیون کے چاروں کونوں سے احمدیوں

اور غیر احمدیوں کو مقناطیسی قوت کے ذریعہ اتنی کثرت سے کھینچا کہ ہمارے سارے انتظامات ناکافی ثابت ہوئے کیونکہ ہماری انتظامیہ کا خیال تھا کہ باجے بو جہاں جلسہ ہو رہا ہے ملک کے وسطی علاقہ سے ہٹ کر ایک ذیلی سڑک پر واقع ہے اور وہاں کے لئے ٹرانسپورٹ ملنی بھی مشکل ہوتی ہے اس لئے گزشتہ سال کی نسبت حاضری کم رہے گی مگر ہماری خوشی کی انتہا نہ رہی جب کہ دوسرے دن جلسہ کی حاضری گزشتہ سال کی نسبت ۵۰ فی صد زیادہ ہوگئی اور ۱۹۷۴ء کے جلسہ سے تین گنا ہوگئی اَلْحَمْدُلِلّٰہِ۔ سچ ہے کہ احمدیت کی ترقی خدا کی تقدیروں میں سے ایک ہے جس کے راستے میں کوئی روک حائل نہیں ہوسکتی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ مَیں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

(۲) اِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ

ستمبر ۱۹۷۵ء میں سیرالیون کے شمالی صوبہ کے دارالحکومت کبالہ میں مجھے اللہ تعالیٰ نے احمدیہ مسلم سیکنڈری سکول کھولنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اس سکول کی ابتداء کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جو معجزانہ تائیدات وابستہ ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل شدہ الہام اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَكَ وَاِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَکَ کی صداقت کا زبردست نشان ہیں یعنی جو تیری مدد کرنے کا ارادہ کرے گا میں اس کی مدد کروں گا اور جو تیری ذلت چاہے گا میں اسے ذلیل کروں گا۔

اس ضلع میں اکثریت مسلمانوں کی ہے مگر پرائمری سکول قریباً سارے کے سارے کیتھولک عیسائیوں نے سرکاری افسران کے زیر سایہ گورنمنٹ گرانٹ سے قائم کر رکھے ہیں ضلع کا واحد سیکنڈری سکول بھی انہیں کا تھا اور ان سکولوں کے ذریعہ علاقہ کی نئی نسل کو جبری بپتسمہ یعنی عیسائی بنانا کھلم کھلا جاری تھا بلکہ جو طالب علم اپنے مذہب پر قائم رہنے کی کوشش کرتا اس پر مختلف قسم کے دباؤ اور جبر روا رکھے جاتے۔ صلیبیوں کے اس جبری غلبہ کو اور صلیبیوں کو پاش پاش کرنے کا موقع حضرت کاسرِ صلیب علیہ السلام کے خدام کو ۱۹۷۴ء میں ملا جب خاکسار مع اپنے نائب مولوی نظام الدین صاحب مہمان کے اس ضلع کے تفصیلی دورہ پر گیا اور کبالہ کی مختصر سی احمدیہ جماعت نے اپنے خوش آمدید ایڈریس میں اس ضلع میں احمدیہ مسلم سیکنڈری سکول کھولنے کی ہمیں درخواست کی جس کی تائید بعض مقامی مسلمانوں نے بھی کی۔ ہم نے علاقہ کا سروے

کرنے کے بعد اس سکیم کو عملی جامہ پہنانے کا وعدہ کیا چنانچہ اگلے سال ۱۹۷۵ء میں اس غرض کے لئے دوسرا تفصیلی دورہ کیا گیا اور جب میدان کو تیار پایا تو وہاں کے مسلمان پیرماؤنٹ چیف حاجی بالا کی طرف سے محکمہ تعلیم کو کبالہ میں احمدیہ مسلم ایگریکلچر سیکنڈری سکول کھولنے کی باقاعدہ درخواست بھیجی گئی۔ حالات کی نزاکت اور علاقہ کی ضرورت کے پیش نظر وہاں کے عیسائی انسپکٹر آف سکولز نے بھی اس کی سفارش کر دی اور اس علاقہ کے ایک مسلمان وزیر معدنیات مسٹر کونٹے نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کر کے اس مجوزہ سکول کے اجراء کی منظوری حاصل کر لی اور ریڈیو کے ذریعہ خوشخبری لوگوں تک پہنچائی۔

چنانچہ اس سکول کے اجراء کے لئے ہم نے مکرمی مولوی خلیل احمد صاحب مبشر اور عزیزم مبشر احمد صاحب پال بی ایس سی بی ایڈ نامزد پرنسپل کو دو ماہ قبل ہی کبالہ بھجوا دیا تا کہ مکان کی فراہمی اور مرمت اور فرنیچر کی تیاری بروقت ہو سکے۔ جب وہ میدان عمل میں پہنچے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ وہاں عیسائی لیڈروں نے اس شہر کے دوسرے حصہ کی عیسائی پیراماؤنٹ چیف سے مل کر ہمارے مجوزہ سکول کے مقابلہ پر ایک اور سیکنڈری سکول کھول دیا ہے اور طلبہ کو بھی داخل کر لیا ہے یہ وہاں کے کیتھولک مشن والوں کی چال تھی تا کہ وہ کسی طرح ہمارے مجوزہ سکول کو فیل کر سکیں۔ ہمارے دوست گھبرائے اور ایک خاص آدمی بھجوا کر مجھے اطلاع دی۔ میں نے حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں بذریعہ تار دعا کی درخواست کی اور تفصیلی خط بھی لکھا جس کا تسلی بخش جواب ملا اور ہم نے اپنی کارروائی جاری رکھی۔

چنانچہ ۱۰ ستمبر ۱۹۷۵ء کو ہمارے سکول کی افتتاحی تقریب عمل میں آئی۔ بہت سے مقامی احباب موجود تھے۔ اس عاجز نے سکول کی غرض وغایت بیان کی کہ ہم اس کے ذریعہ اس علاقہ کے مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انہیں عیسائیت کے چنگل اور مغربی تمدن کے تمام بداثرات سے محفوظ رکھنا ہمارا مقصد ہے نیز بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم دے کر اپنے زیر تربیت انہیں عملی اور پکے مسلمان بنانا ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں۔

اس کے بعد سکول کے سامنے صبح کی اسمبلی حاضرین کو ملاحظہ کرائی جس میں طلبہ اور طالبات نے مکمل نماز سنائی اور بعض نے تلاوت کی۔ اس کا اثر مقامی لوگوں پر اتنا اچھا ہوا کہ انہوں نے اپنے بچے اس نئے عیسائی سکول سے اٹھا کر آہستہ آہستہ ہمارے سکول میں داخل کرنے شروع کر دیئے ہمارے اساتذہ نے ایسے شاندار طریق سے بچوں کو سنبھالا اور عام تعلیم کے علاوہ دینیات کے اسباق دینے شروع کئے کہ ہمارا سکول ابتداء سے

ہی کامیاب کہلانے لگا اور اس شہرت کا یہ نتیجہ نکلا کہ ابھی پہلا سمسٹر بھی ختم نہ ہوا تھا کہ دسمبر سے پہلے پہلے دوسرے سکول کے اکثر طلباء ہمارے سکول میں داخل ہو چکے تھے یہ صورت حال دیکھ کر اس سکول کے پرنسپل اور مینیجر طلباء کو بے سہارا چھوڑ کر قصبہ سے غائب ہو گئے اور وہ سکول بند ہو گیا باقی ماندہ طلباء کو ڈسچارج سرٹیفکیٹ دینے والا بھی کوئی نہ رہا بلکہ مقامی لوگوں کے مشورہ سے یہ کام بھی ہمارے پرنسپل صاحب کو خود ہی کروانا پڑا۔

ادھر پہلے ہی ہمارے سکول میں طلباء کی تعداد ۱۵۰ سے زائد ہو گئی۔ اتنی تعداد ہمارے پہلے کسی سکول کی ابتداء میں نہ ہوئی تھی عوام بھی اسے پسند کرنے لگے حکام بھی۔ محکمہ تعلیم کے پرنسپل ایجوکیشن آفیسر ڈاکٹر پامرکسی اور کام کے لئے کبالہ آئے تو سکول کی شہرت سن کر وہاں بھی تشریف لے آئے اور سکول کی ترقی کی رفتار دیکھ کر وعدہ کر گئے کہ وہ سکول کے لئے سرکاری گرانٹ کی سفارش کریں گے۔ چند ماہ بعد وزیر تعلیم کا بھی ادھر سے گزر ہوا تو انہیں بھی سکول دیکھنے کا موقع مل گیا اور اس کے حالات سے متاثر ہو کر انہوں نے ایک عوامی جلسہ میں ہمارے سکول کی کارکردگی پر خوشنودی کا اظہار فرمایا۔ اس وقت سکول کی پختہ عمارت ایک وسیع وعریض قطعہ زمین میں جو وہاں کے چیف نے سکول کے لئے عطا کیا تھا شروع کی جا چکی تھی۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل سے نصرت جہاں سکیم کے مطابق کھولے گئے باقی سکولوں کی طرح ہمارے اس سکول کو بھی سرکاری گرانٹ مل چکی ہے اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ اب ۸۵۰ طلبہ و طالبات اس سکول میں تعلیم پا رہے ہیں اور وہ وزیر جس نے گرانٹ کے بارے میں بعد میں ہمارے اس سکول کی شدید مخالفت کی تھی حکومت کے زیر عتاب آکر سزا پا گیا۔ اس طرح وہاں کی عوام نے اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا نشان احمدیت کے حق میں بچشم خود ملاحظہ کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام بار بار پورا ہوتا سب نے دیکھ لیا کہ اِنِّیْ مُعِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِعَانَتَكَ وَاِنِّیْ مُھِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِھَانَتَكَ یعنی جو تیری مدد کرنے کا ارادہ کرے گا میں اس کی مدد کروں گا اور جو تجھے ذلیل کرنے کا ارادہ کرے گا میں اسے ذلیل کروں گا۔

(۳) نصرت الٰہی کا ایک اور نشان

سیرالیون کے علاوہ گھانا۔ نائیجیریا۔ لائبیریا اور گیمبیا میں بھی ”نصرت جہاں آگے بڑھو“ پروگرام کے تحت احمدیہ ہسپتال اور احمدیہ سیکنڈری سکول قائم کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے عاجز کو ان میں سے اکثر دیکھنے کا موقع عطا فرمایا۔ انہیں میں سے فروری ۱۹۷۴ء میں گھانا کے ایک چھوٹے سے

گاؤں اسکورے میں قائم کردہ ہسپتال اس عاجز نے دیکھا تو بے اختیار منہ سے سبحان اللہ الحمد للہ اور اللہ اکبر کے الفاظ نکلے اور ساتھ ہی ۱۹۷۱ء سے یعنی اس کی ابتداء سے سارے واقعات فلم کی طرح میری آنکھوں کے سامنے گھومنے لگے۔ مثلاً پاکستان کے ایک بہت بڑے تجربہ کار ماہر سرجن ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب چھٹی لے کر اسکورے پہنچتے ہیں جو ایک چھوٹا سا دور افتادہ گاؤں ہے۔ جہاں نہ بجلی نہ پانی کا انتظام۔ قریب ترین شہر کماسی کچی سڑک سے وہاں سے ۲۹ میل دور ہے۔ ہسپتال کا سن کر وہاں کے چیف نے کئی ایکڑ زمین کا اعلان تو کر دیا تھا مگر فوری طور پر کوئی ایسی عمارت میسر نہ تھی جو ہسپتال کے لئے موزوں ہوتی۔ ڈاکٹر صاحب وہاں پہنچتے ہی اپنے آقا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت اقدس میں سارے حالات لکھتے ہیں کہ اسکورے میں ہسپتال کے قیام کے فیصلہ پر نظر ثانی فرمائی جائے کیونکہ یہاں مریضوں کے علاج کے لئے کوئی سہولت بھی تو میسر نہیں۔ ڈاکٹر صاحب اس مضمون کا ایک کے بعد پھر دوسرا پھر تیسرا اور چوتھا خط لکھتے چلے جاتے ہیں تاہم ماہر ڈاکٹر تھے بغیر کام کے کیسے رہ سکتے تھے۔ ادھر حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب کے پریشان کن خط پا کر فکر مند ہو جاتے ہیں اور دعاؤں میں لگ جاتے ہیں۔ گرمیوں کے دن تھے ایک دن نماز عصر سے فارغ ہو کر حضور مسجد سے گھر کو جا رہے تھے خاکسار (سیکرٹری نصرت جہاں) کو یاد فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ ڈاکٹر غلام مجتبیٰ صاحب کو تار دے دو کہ ہم نے بہت دعا کی ہے اللہ تعالیٰ اسکورے میں ہی برکت ڈالے گا۔ اسکورے کو چھوڑنا نہیں آپ جم کر وہاں ہی کام کریں۔

خدا کے خلیفہ کی دعاؤں کو خدا تعالیٰ نے کیسے قبولیت بخشی یہ ایک طویل داستان ہے جس کی تفصیل ڈاکٹر سید غلام مجتبیٰ صاحب کے بعد خطوط پیش کرتے ہیں کہ جب وہاں ہی لکڑی کے میز پر انہوں نے آپریشن شروع کر دیئے تو مریضوں کا تانتا بندھ گیا۔ اپنی باری لینے کے لئے مریضوں کو کئی دن کا انتظار کرنا پڑتا۔ اگر ڈاکٹر صاحب نماز عید میں شمولیت کے لئے احمدیہ مرکزی مشن سالٹ پانڈ ایک دو دن کے لئے جاتے ہیں تو مریض ڈاکٹر صاحب کی غیر حاضری میں ہی آپریشن کی فیس پیشگی جمع کروا جاتے تا کہ باری آنے میں دیر نہ لگے۔ ایک افریقن بچہ آپ کے پاس لایا گیا جس کو آپریشن کے لئے گھانا کے ماہر ڈاکٹر لندن بھجوا رہے تھے مگر آپ نے اس کے معائنہ اور دعا کے بعد فیصلہ کیا کہ آپ گھانا ہی میں اس کا آپریشن کامیابی کے ساتھ کر سکیں گے چنانچہ اس کامیاب آپریشن کے بعد وہاں کے اخباروں میں خوب اس کا چرچا ہوا کہ ایک

پاکستانی ڈاکٹر نے گھانا کے ایک معمولی گاؤں میں اس بچہ کا کامیابی سے آپریشن کرلیا۔ وہاں جب اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب کے کام میں غیر معمولی برکت ڈالی تو اس کامیابی کو دیکھ کر وہاں کے عیسائی مشن کے لیڈر کی حاسدانہ رگ پھڑک اٹھی۔ اس وقت پر وہاں ملٹری حکومت تھی۔ ہمارے ہسپتال کی بے سروسامانی کی آڑ لے کر ہمارے خلاف کمشنر برائے صحت کے کان بھرے جانے لگے جو خود بھی ایک کٹر عیسائی تھے۔ آخر انہوں نے ایک دن اپنے دفتر میں ڈاکٹر صاحب کو بلایا اور دھمکی دی میں میں تمہیں اس ملک سے باہر نکال کے رہوں گا کیونکہ تم بغیر ماڈرن ساز وسامان کے ہسپتال چلا رہے ہو اگر میں تمہارا ہسپتال بند نہ کرسکوں تو پھر میری کمشنری بے سود اور بے اثر ہے وغیرہ وغیرہ تاہم اس واقعہ پر بھی ڈاکٹر صاحب نے کمال صبر دکھایا اور کام کے ساتھ ساتھ دعاؤں میں لگے رہے کہ تھوڑے عرصہ میں انہی لوگوں نے یہ خبر سن لی کہ اس کمشنر برائے صحت کی نااہلی کی وجہ سے اسے کام سے فارغ کردیا گیا ہے لیکن ادھر ڈاکٹر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے کئی سال وہاں کام کرنے کی توفیق دی اور ان کے کام میں مالی برکت بھی ایسے غیر معمولی طور پر ڈالی کہ آپ نے وہاں ہی مجلس نصرت جہاں کا سب سے بڑا ہسپتال بنوادیا اور ہر قسم کے ماڈرن سامان اور ضروریات سے لیس کردیا جسے ۱۹۷۴ء میں اس عاجز نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ حکومت نے پانی وبجلی کا انتظام کروادیا۔ کماسی تک سڑک پکی بنوادی اور مریضوں کی سہولت کے لئے سرکاری بس بھی ہسپتال تک چلادی۔

چنانچہ اسی سال اس کا افتتاح وہاں کے نئے کمشنر ہائے صحت نے کیا۔ اس افتتاحی تقریب میں شمولیت کے لئے عکراء سے سرکاری حکام اور پاکستانی سفیر محترم بھی ڈیڑھ دوسو میل کا سفر کرکے اس دورافتادہ گاؤں میں تشریف فرما ہوئے۔ گویا احمدیت کی بدولت اس جنگل میں منگل کا ساسماں پیدا ہوگیا۔ اَلْحَمْدُلِلّٰہِ۔ اب وہاں نہ صرف گھانا کے بلکہ اردگرد کے ممالک کے مریض بھی کثرت سے آتے ہیں۔ فَالْحَمْدُلِلّٰہِ تَعَالیٰ۔

محترم ثاقب زیروی صاحب

مدیر ہفت روزہ لاہور

۱۹۴۷ء کے تقسیم برصغیر کے خونچکاں حالات اور زیرہ کے احمدیوں کا معجزانہ بچاؤ

۱۹۴۷ء میں برصغیر ہندو پاکستان کے اندر بپا ہونے والے فرقہ وارانہ فسادات تاریخ انسانی کا ایک ایسا باب ہے جسے پڑھ کر کل کا مؤرخ بھی اسی طرح خون کے آنسو بہائے گا جس طرح کہ اس سے قبل ہر وہ مؤرخ بہا چکا ہے جس نے انہیں ضبط تحریر میں لانے کے لئے قلم اُٹھایا۔ ان حالات کو پڑھ کر یہ باور کرنا مشکل ہے کہ وہ انسان جسے اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ ہے کس طرح اچانک خونخواری اور سفاکی میں اتنا آگے نکل گیا تھا کہ درندے بھی اس سے پناہ مانگنے لگے۔ انسانوں نے انسانوں کے جسموں کے اس طرح پرخچے اڑائے، عورتوں کو اپنی ہوس اور درندگی کا اس طرح نشانہ بنایا اور معصوم بچوں کے جسموں کو برچھیوں اور نیزوں سے اس طرح چھلنی کیا کہ ایک شقی سے شقی انسان بھی ان دلخراش مناظر کو دیکھ کر لرز اٹھتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ بیسویں صدی کے معزز انسان کی آنکھوں کے سامنے ہوا، برصغیر کی اس سرزمین پر ہوا، جس کے اندر کئی تہذیبوں نے جنم لیا اور جس پر حضرت گوتم بدھ، راجہ رامچندر جی اور کرشن مہاراج جیسے خدا تعالیٰ کے اوتار پیدا ہوئے۔

آگ اور خون کی یہ ہولی سب سے زیادہ صوبہ پنجاب کے اندر کھیلی گئی۔ مسلح غنڈوں کے لشکروں کے لشکر آتے، غل غپاڑہ کرتے ہوئے آتے۔ پہلے ایک گاؤں پر حملہ آور ہوتے، وہاں نہتے مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کی تکابوٹی کرتے۔ پھر ان کے گھروں کو لوٹتے اور پھر انہیں نذر آتش کرتے اور شور مچاتے ہوئے اگلے گاؤں کا رخ کرتے۔ ضلع فیروز پور کا ایک ایسا ہی قصبہ زیرہ جو اس قسم کے خطرات سے گھر چکا تھا کا ذکر کرتے ہوئے اسی گاؤں کے ایک احمدی مکین جناب ثاقب زیروی صاحب مرحوم ومغفور بتاتے

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے نازک وقت میں ان کی حفاظت کا کیا اور کیسے سامان پیدا فرمایا اور خدا تعالیٰ نے کس طرح اپنے تصرفِ خاص سے مسلح غنڈوں کا رُخ کسی اور طرف پھیر کر آپ اور آپ کے گھر کے دیگر افراد کو بشمول آپ کے ضعیف والدین کے ہر طرح محفوظ رکھا بلکہ پہلے سے اس کی بشارت بہم پہنچادی۔

آپ فرماتے ہیں:

''زیرہ میں جب حالات سنگین ہو گئے اور ہمیں یہ خطرہ ہوا کہ کسی وقت بھی زیرہ پر حملہ ہو سکتا ہے تو ہم سب کمروں سے نکل کر ایک ایسی جگہ جمع ہو گئے جسے بیت الدعا کہتے تھے وہاں بیٹھ کر ہم دعائیں کرنے لگے۔ شر پسندوں کے حملے کا یہ طریق ہوتا تھا کہ پہلے سیٹیاں بجتی تھیں پھر گھوڑوں کے دوڑنے کی آواز آتی اور پھر حملہ کر دیتے۔ میرے والد محترم (جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی تھے) نے مجھے کہا کہ بیٹا! کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ اگر حملہ ہو جائے تو اپنی بیوی کو اپنے ہاتھوں ذبح کر دو گے؟ میں تمہاری امی کو ذبح کروں گا کیونکہ بصورت دیگر وہ شر پسندوں کے جور وستم کا نشانہ بنیں گی اور یہ ہماری غیرت گوارا نہیں کر سکتی۔ مَیں نے کہا، میاں جی آپ کا جو حکم ہے۔ مَیں اس کے لئے تیار ہوں۔''

آگے یہ بتاتے ہوئے کہ اِدھر جونہی موت اپنے لاؤلشکر سمیت آن پہنچی خدا کے فرشتے بھی اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے آ گئے فرماتے ہیں:

''دو بجے کے قریب ہمیں سیٹیاں بجنے کی آواز سنائی دی۔ پھر گھوڑوں کے دوڑنے کی۔ یہ آوازیں کوئی ڈیڑھ گھنٹہ تک آتی رہیں پھر اچانک خاموش ہو گئیں۔ اسی دوران کہ جب ہم موت کو اپنی آنکھوں کے سامنے منڈلاتا دیکھ رہے تھے مجھے اونگھ آ گئی اس حالت میں میرے کانوں میں یہ آیت سنائی دی:

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى (الضحیٰ: ۵)

ترجمہ: اور (دیکھ تو سہی کہ) تیری ہر پیچھے آنے والی گھڑی پہلی سے بہتر ہے۔

اس کے ساتھ ہی مَیں اونگھ سے بیدار ہو گیا۔ مَیں نے میاں جی سے اس کے معنی پوچھے۔ انہوں نے فرمایا اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر شہید ہو گئے تو ظاہر ہے جنت میں جائیں گے جو بہتر ٹھکانا ہے اور اگر زندہ رہے تو اللہ تعالیٰ بہتر اور خوشی کی زندگی عطا فرمائے گا۔''

فرماتے ہیں اس سے قبل میں نے اپنی پنڈلی کے زخم سے نکلنے والے خون سے ایک خط لکھ کر موگا میں اپنے بعض مسلمان عزیزوں کو لکھا تھا کہ کچھ ہو سکے تو ہمیں نکال کر لے جاؤ۔ چنانچہ اسی دن شام چار بجے کے قریب کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ ابا جان دروازہ کھولنے گئے تو آنے والے شخص نے ایک خط ہمارے سامنے پھینکا اور پوچھا کیا یہ آپ نے لکھا ہے؟ یہ وہی خط تھا جو میں نے اپنے لہو سے لکھا تھا۔ اُس وقت موگا میں مسلمان فوج کا کیمپ تھا جہاں سے دس نوجوان ایک جیپ اور ایک ٹرک لے کر آ گئے۔ چنانچہ انہوں نے زیرہ، فیروز پور اور اردگرد کے دیہات لٹ پٹ کر آنے والے اٹھارہ ہزار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو جن میں ہمارے گھر کے افراد بھی تھے اپنے ساتھ لے جا کر بخیریت پاکستان پہنچا دیا۔

محترم مولانا عبدالحق صاحب فاضل

واقف زندگی مجاہد مغربی افریقہ

ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء کا نمونہ سیرالیون میں

حضرت مسیح موعود کا الہام ہے یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ مِنَ السَّمَاءِ۔ اس الہام کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ہزاروں ہزار حضور کے مددگار پیدا کئے جن کو خود اس نے بذریعہ وحی بتایا کہ واقعہ ہی یہ شخص میرا فرستادہ ہے اور وہ لوگ حضور پر پروانوں کی طرح قربان ہونے لگے کیونکہ حضور روحانی شمع تھے۔ حضور کی صداقت ثابت کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہزاروں لوگوں کو وحی کی اور وہ لوگ خوابوں کی بناء پر آپ پر ایمان لائے۔ یہ خوابیں صرف قادیان کے لوگوں نے ہی دیکھیں۔ یہ خوابیں صرف پنجاب اور ہندوستان کے لوگوں نے ہی نہیں دیکھیں بلکہ ہر ملک کے لوگوں کو حضور کی آمد سے بذریعہ خواب اطلاع ملی۔ میں اس وقت سیرالیون کے دو احباب کی خوابیں عرض کرتا ہوں۔

ایک دوست جن کا نام الفاھم شریف ہے۔ کوئی معمولی آدمی نہیں معززین میں سے ہیں۔ سیرالیون کی تیرہ زبانوں میں سے سات زبانیں جانتے ہیں۔ اس کے علاوہ عربی بھی خوب جانتے ہیں۔ جب شروع شروع میں یہاں احمدیت پہنچی۔ تو یہ بڑے مخالف تھے۔ ایک دن انہوں نے مجھے سنایا کہ میں نے خواب میں اپنی گائے کو کہتے ہوئے سنا۔ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کُلٌّ اٰمَنَ عَلٰی سَیِّدِنَا مَهْدِیْ عَلَیْهِ السَّلَامِ" یعنی خدا کا شکر ہے۔ ہم سب حضرت مہدی علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہیں تو اس پر میں نے گائے سے سوال کیا۔ اَیْنَ هُوَ یعنی وہ کہاں ہے؟ تو اس پر گائے نے جواب دیا "اَلَّذِیْ ظَهَرَ فِی الْقَادِیَانِ" یعنی جو قادیان میں ظاہر ہوئے ہیں۔ اس پر میں بھی ایمان لے آیا تب میں نے اپنی گائے کو کہا کہ لوگوں میں ظہور مہدی علیہ السلام کی منادی کریں چنانچہ ہم دونوں نے اس امر کی منادی کی۔ حضرت مہدی علیہ السلام آ گئے ہیں۔

دوسری خواب ایک لڑکے نے جس کا نام عیسیٰ ہے بتائی۔اس نے کہا کہ اس نے خواب میں دیکھا کہ آسمان ہر سنہری حروف میں یہ انگریزی عبارت لکھی ہوئی ہے:

"The Ahmadiyyat is the last boat to save the world"

یعنی احمدیت دنیا کو بچانے کے لئے آخری کشتی ہے۔صرف ان دوخوابوں سے ہی ہم پر یہ بات روز روشن کی طرح کھل جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذکورہ بالا الہام **ینصرك رجال نوحی الیھم من السماء** کس شان وشوکت سے پورا ہورہا ہے پس حضور کی صداقت کے لئے ایک سالع برہان ہے جس سے آنکھ بند نہیں کی جاسکتی۔

بھائیو! یقین جانو کہ اس خوفناک زمانے میں احمدیت (حقیقی اسلام) ہی کی ناؤ آپ کو مصائب وآلام کے بحر سے نجات دے گی۔پس مبارک ہیں وہ جو اس کشتی میں سوار ہوتے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک قسم کی تکلیف سے بچائے جائیں گے مگر بدقسمت ہیں وہ لوگ جو اس آخری کشتی سے منہ موڑتے ہیں کیونکہ ان کے لئے کوئی ٹھکانہ نہیں ہوگا۔نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔دنیا میں بھی مصائب ان کا پیچھا نہ چھوڑیں گے اور آخرت میں بھی وہ داخل جہنم ہوں گے۔

رویاء کے ذریعہ احمدیت کی صداقت کا نشان

ایک رات میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص جس کے ہاتھ لمبے لمبے ہیں اور براؤن رنگ کا چوغہ پہنے ہوئے ہیں میرے پاس آئے اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہنے لگے کہ میں مہدی ہوں اور تم اپنی پہلی خواب کو یاد کرو جب کہ تم نے میرے ساتھ صدق دل سے عہد کیا تھا کہ آج سے تم میرے سپاہیوں میں داخل ہورہے ہو سو اس وعدے کو مت بھولو۔اس کے بعد اس شخص کے ہاتھ لمبے ہوتے چلے گئے اور میں ان سے دور ہوتا چلا گیا آخر ان میں اور مجھ میں کافی فاصلہ ہوگیا مگر ان کا ہاتھ ابھی تک میرے ہاتھ میں تھا اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

اس خواب کے بعد مجھے کامل انشراح صدر حاصل ہوگیا اور مزید تشخیص کی ضرورپیش نہ آئی اور صبح ہوتے ہی سید ھا بلا ما گیا اور الحاج مولوی نذیر احمد صاحب علیؓ اور مولوی محمد صدیق صاحب سے مل کر احمدیت قبول کرنے کی سعادت حاصل کی۔خدا تعالیٰ تادم زیست مجھے اس ایمان پر قائم رہنے کی توفیق بخشے۔آمین۔

موضع بلاما کے ایک دوست الفافوڈ موسیٰ کروما بیان کرتے ہیں کہ جبکہ میں ابھی جوانی کی حالت میں تھا اور پنڈہیمو (Pendhimo) نامی گاؤں میں رہائش رکھتا تھا۔ایک روز دوپہر کے وقت جب میں قیلولہ کر رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نہایت وجیہ شکل فرشتہ صورت انسان میرے پاس آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں ہی وہ مہدی ہوں جس کی فی زمانہ مسلمانوں کو انتظار ہے اس پر میں نے سوال کیا کہ کیا آپ فی الواقع صحیح کہہ رہے ہیں کہ آپ ہی موعود مہدی ہیں؟ جس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ ہاں میں سچ کہتا ہوں کہ میں ہی مہدی موعود ہوں۔ پھر میں نے کہا کہ ہم نے اپنے علماء سے سنا ہوا ہے کہ مہدی علیہ السلام کے وقت مسلمانوں اور کفاروں کے درمیان جنگ ہوگی۔ سو آج سے میں آپ کے سپاہیوں میں شامل ہوتا ہوں اور اس راستہ میں اگر میرا باپ بھی حائل ہوا تو اس کی بھی کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔ میرے اس اقرار پر حضرت مہدی علیہ السلام نے سوال کیا کہ کیا تم نے صدق دل سے یہ اقرار مجھ سے کیا ہے؟ جس کا جواب میں نے اثبات میں دیا اور اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس رویا پر ایک کافی لمبا عرصہ گزر گیا مگر مہدی کے ظہور کی کوئی خبر موصول نہ ہوئی حتیٰ کہ یہ خواب بھی آہستہ آہستہ میرے ذہن سے محو ہوگئی۔ کچھ مدت کے بعد میں پنڈہیمو سے منتقل ہو کر بلاما چلا آیا اور وہاں کے پیرامونٹ چیف کے کمپاؤنڈ میں رہائش اختیار کر لی۔ اس گاؤں میں میری رہائش پر ابھی چند سال ہی گزرے تھے کہ الحاج مولوی نذیر احمد صاحب علی اور مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری بلاما تشریف لائے اور لوگوں کو ظہور مہدی علیہ السلام کی بشارت دی۔ میں اس وقت وہاں موجود نہیں تھا بلکہ چند یوم کے لئے کسی ذاتی کام کے ضمن میں بلاما کے قریب ایک چھوٹے سے گاؤں میں مقیم تھا۔ جب یہ مبشرین بلاما پہنچے وہاں سے الفا موسیٰ کمارا نے فوراً میری ایک بیوی میرے پاس بھیجی تا کہ مجھے تمام حالات سے آگاہ کر سکے۔ چنانچہ میری بیوی نے مکمل واقعات سے مجھے مطلع کیا۔ چنانچہ مہدی علیہ السلام کے ظہور کی خبر سنتے ہی میں نے بلاما جانے کے وہاں ہی خدا تعالیٰ کے حضور دعا شروع کر دی کہ اے خداوند تعالیٰ تیری ذات عالم الغیب ہے۔ سو اگر ان لوگوں کا پیغام واقعی ہی صداقت پر مبنی ہے اور مہدی علیہ السلام فی الواقع ہی ظہور فرما چکے ہیں جیسا کہ ان کا کہنا ہے تو تو خود ہی میری راہنمائی فرما کہ ایسا نہ ہو کہ میں اس سعادت سے محروم رہ کر منکرین میں داخل ہو جاؤں۔

❁❁

محترم بشیر احمد صاحب آرچرڈ

مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ ٹرینیڈاڈ و برطانیہ

آپ ۱۹۲۰ء میں انگلستان میں پیدا ہوئے۔ آپ کا خاندان اگر چہ مذہبی خیالات رکھتا تھا مگر خود آپ کو مذہب سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ ۱۹۴۱ء میں آپ فوج میں بھرتی ہو گئے۔ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے بعد آپ نے واپس انگلستان میں رہے۔ پھر ۱۴ سال ٹرینیڈاڈ میں دعوت الیٰ اللہ کا فریضہ ادا کرنے کے بعد دوبارہ انگلستان میں تشریف لے آئے اور ۱۹۶۶ء تا ۱۹۸۷ء مختلف مقامات پر متعین رہ کر دعوت حق پہنچاتے رہے۔ آپ نے ۸ر جولائی ۱۹۸۷ء کو ۸۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آپ لکھتے ہیں:

''میرا اس ہلاکت سے اعجازی رنگ میں بچنا میری زندگی میں ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے کا موجب بن گیا اور اس گہرے یقین سے پُر ہو گیا کہ کوئی ایسی بالا ہستی ضرور موجود ہے، جو انسانی زندگی کی بقا و فنا پر قدرت رکھتی اور اسے اپنے منشاء کے مطابق تشکیل دیتی ہے۔ اسی دوران مجھے ایک احمدی حوالدار کلرک (محترم عبدالرحمن صاحب دہلوی، حال کینیڈا) کے ذریعہ اسلام کا پیغام پہنچا۔ میری مذہب سے دلچسپی کو دیکھ کر انہوں نے حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی معرکۃ الآرا تصنیف، ''اسلامی اصولوں کی فلاسفی''، کا انگریزی ترجمہ مرکز سلسلہ قادیان سے منگوا کر مجھے مطالعہ کے لئے دیا اور مزید مطالعہ کے لئے مجھے قادیان جانے کا مشورہ دیا۔ میرا قادیان کا یہی سفر بالآخر میرے اسلام قبول کرنے کا پیش خیمہ بنا۔''

آگے اپنے قادیان پہنچنے کی روئیداد بتاتے ہوئے اور یہ کہ انہوں نے وہاں کیا دیکھا اور محسوس کیا، مسٹر بشیر احمد آرچرڈ تحریر فرماتے ہیں:۔

''مجھے دو ہفتوں کی چھٹیاں تھیں اور مجھے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ میں یہ دن کہاں گزاروں اس پر میرے دوست عبدالرحمن صاحب (دہلوی) نے تجویز پیش کی کہ ان کے کچھ دوست قادیان میں رہتے ہیں میں وہاں چلا جاؤں اور یہ تعطیلات کے دن وہاں گزاروں۔ قادیان وہاں سے قریباً ایک

ہزار میل دور ہے۔ علاوہ ازیں یہ جگہ میرے لئے اجنبی بھی تھی۔ چنانچہ چند دن بعد میں نے انہیں بتلایا کہ میں وہاں نہیں جا رہا۔ یہ سنتے ہی ان کا چہرہ اتر گیا۔ مجھے محسوس ہوا کہ انہیں میرے اس جواب پر بہت صدمہ ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا ارادہ بدل لیا اور چند دن قادیان میں گزارنے کا پروگرام بنالیا۔''

پھر اہل قادیان کے بارے میں آپ نے اپنے تاثرات کا یوں اظہار کیا ہے:

''قادیان کا ہر باشندہ مجھ سے نہایت خندہ پیشانی سے پیش آیا۔ سب سے بڑی چیز جو مجھے اسلام کی طرف خاص طور پر راغب کرنے کا موجب بنی، وہ ان لوگوں کا حسن سلوک تھا۔ اگرچہ اُس وقت اسلام کے بارے میں میرا علم صفر کے برابر تھا، لیکن میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ جس درخت کے پھل ایسے میٹھے ہوں، وہ درخت کتنا عمدہ ہوگا۔''

(خلاصہ از ''عظیم زندگی''۔ انگریزی سے ترجمہ)

اسلام کی یہ چنگاری جو قادیان میں ان کے مختصر قیام کے دوران ان کے اندر پیدا ہوئی۔ ان کے قادیان سے واپس جانے کے بعد سلگتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ ان کے اپنے فوجی یونٹ میں واپس پہنچنے تک ایک نہ بجھنے والی آگ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ چنانچہ ۱۹۴۵ء میں انہوں نے فوج سے فراغت پانے اور انگلستان واپس جانے کے بعد پہلا کام یہ کیا کہ امام مسجد لندن مولانا جلال الدین صاحب شمس کے پاس پہنچ کر اپنی زندگی خدمت اسلام کے لئے وقف کر دی۔ یہ وہ زبردست موڑ تھا جس نے ان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور جو بالآخر ان کے پہلے یورپی مبلغ اسلام بن جانے پر منتج ہوا۔

ذیل میں حضرت المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ، کے ان کے نام لکھے ہوئے اس خط کا ایک اقتباس درج کیا جاتا ہے، جو حضورؓ نے ان کے وقف کی منظوری کے جواب میں انہیں تحریر فرمایا:

''بے شک آج تمہیں کوئی نہیں جانتا اور کسی نے تمہارا نام نہیں سنا۔ لیکن یاد رکھو، ایک زمانہ آئے گا کہ قومیں تم پر فخر کریں گی اور تمہاری تعریف کے گیت گائیں گی اس لئے تم اپنے کردار اور گفتار پر نظر رکھو۔ یہ مت خیال کرو کہ جو کچھ تم کر رہے ہو تمہارا ذاتی فعل ہے بلکہ وہ تمام برطانوی قوم کی طرف منسوب ہوگا۔ آئندہ آنے والی نسلیں تمہاری پیروی کریں گی۔ اگر تمہاری حرکات اور تمہارا کردار اسلامی تعلیم کے مطابق ہوگا اور تمہارے افعال عظیم ہوں گے تو ان کو دیکھ کر تمہاری

قوم کی اخلاقی حالت سدھر جائے گی۔لیکن اگر تمہارے افعال اس معیار پر پورے نہ اترے اور اسلامی تعلیم کے مطابق نہ ہوئے تو تمہاری قوم کو نقصان ہوگا۔اس لئے کوشش کرو کہ آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے اعلیٰ نمونہ قائم کرو ورنہ خدا تعالیٰ اپنے کسی اَور بندے کا انتخاب کرے گا جو یہ کام کر سکے...... جب احمدیت کا دنیا میں غلبہ ہو جائے گا اور انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا تو دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں جو اس غلبہ کو روک سکے۔تب لوگوں کے دلوں میں تمہاری عظمت ہوگی، اس عظمت سے بھی زیادہ جوان کے دلوں میں اپنے وزیراعظم کے لئے ہے۔''

(بحوالہ ''ریویو آف ریلیجنز'' جون ۱۹۴۷ء)

محترم مولانا سجاد احمد صاحب خالد
مبلغ انچارج احمدیہ مشن جزائر فجی

خاکسار جب بحکم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ ۶ رمئی ۱۹۷۷ء کو تبلیغ اسلام کی غرض سے جزائر فجی پہنچا۔ اس ملک میں تبلیغ کے دوران اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کے بے شمار جلوے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا۔ ۱۹۷۷ء کے آخر میں ایک مرتبہ اس ملک کے جزیرہ ممباسہ کے تبلیغی دورہ پر گیا۔ جس کے دوران قصبہ نصر وانگا کے ایک مخلص احمدی بھائی نورشاہ صاحب نے پروگرام بنایا کہ وہاں سے چالیس میل دوراان کے خسر مکرم عبدالغفور صاحب کے گھر پہنچ کر ان کو تبلیغ کی جائے۔ وہ عرصہ سے زیر تبلیغ تھے اور احمدیت کی سچائی کا اقرار کرنے کے باوجود جماعت میں شمولیت سے گریز کر رہے تھے۔

ایک خاندان کے قبول احمدیت کی دلچسپ رُوداد

چنانچہ نورشاہ صاحب، مکرم حامد حسین صاحب، مکرم شاہ محمد صاحب، مکرم محمود شاہ صاحب اور خاکسار پر مشتمل تبلیغی وفد ایک روز عبدالغفور صاحب کے گھر پہنچا۔ ان کی بیگم صاحبہ کو ہمارا اس غرض کے لئے ان کے گھر آنا سخت ناگوار گزرا اور انہوں نے ہمیں دیکھتے ہی کچن سے نکل کر ڈانٹ ڈپٹ شروع کر دی اور کہنے لگیں کہ ان کے گھر میں احمدیت کے بارہ میں کوئی بات نہ کی جائے اور کچن میں واپس چلی گئیں۔ ہم مکرم عبدالغفور صاحب کو تقریباً ایک گھنٹہ تبلیغ کرتے رہے چنانچہ انہوں نے شرح صدر ہونے پر بخوشی بیعت فارم پر کر دیا۔ دعا کے بعد جب ان کی بیگم کو پتہ لگا کہ ان کے خاوند نے بیعت کر لی ہے تو بہت جز بز ہوئیں اور کمرے میں آتے ہی شور ڈال دیا کہ آپ نے ہمارے گھر میں فتنہ ڈال دیا ہے میری بیٹی اور داماد پہلے ہی احمدی ہیں اب آپ لوگوں نے میرے خاوند کو بھی احمدی بنا لیا ہے۔ آپ ابھی فوراً یہاں سے چلے جائیں۔ اس پر خاکسار نے ان کو بڑی نرمی اور عاجزی سے سمجھایا کہ ہم نے کوئی برا کام تو نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ خلیفہ اور امام وقت کی بیعت کرائی ہے اور اب باقاعدہ الٰہی جماعت میں شمولیت سے ان کے اسلام کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ اس پر وہ کچھ سنجیدہ ہو کر سوالات کرنے لگیں جن کے میں جواب

دیتا رہا حتیٰ کہ ان کے شکوک وشبہات بھی سب دور ہو گئے اور انہوں نے بھی اسی وقت بیعت کر لی۔ اس وقت کا ماحول روحانی لحاظ سے اتنا پیارا اور خوشگوار ہو گیا کہ بیگم عبدالغفور صاحبہ خود ہی کہنے لگیں کہ اگر بیعت کرنا اور امام وقت کی جماعت میں شامل ہونے کا کام ہے تو پھر آپ ہمارے بیٹے محمد تقی کو بھی ضرور اس میں شامل کریں تاکہ ہمارے کنبے میں کوئی اختلاف نہ رہے۔ اس پر ہم سب ان کے بیٹے محمد تقی صاحب کے گھر گئے۔ میں نے انہیں کہا ہم آپ کے لئے ایک تحفہ لے کر آئے ہیں وہ ہم اس شرط پر آپ کو پیش کریں گے کہ آپ اسے رد نہ کریں۔ چنانچہ دو گھنٹہ کی بحث کے بعد ان کی تسلی ہو گئی اور انہوں نے بیعت کر لی اور یوں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ سارا خاندان ہدایت پا گیا۔

ایک خطرناک حادثہ اور حفاظت الٰہی

آخر مغرب اور عشاء کی نماز کے بعد تقریباً ۹ بجے شب ہم بذریعہ ویگن ان کے گاؤں سے واپس نصروانگا روانہ ہوئے۔ ویگن خاکسار خود چلا رہا تھا چونکہ اس کی ہینڈ بریک خراب تھی اور راستہ بھی کچا تھا اور چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں سے گزرتا تھا اس لئے راستے میں بعض دفعہ سخت مشکل پیش آتی رہی خصوصاً جب چڑھائی ہوتی۔ چنانچہ دس پندرہ میل طے کرنے کے بعد ایک اڑھائی تین سو فٹ اونچی پہاڑی آئی۔ ہم اس کے اوپر چڑھ رہے تھے لیکن چونکہ مجھے اس راستے کا تجربہ نہیں تھا میں یہ اندازہ نہ کرسکا کہ گیئر تبدیل کرنا ضروری ہے۔ جب گاڑی کھڑی ہوتی نظر آئی تو میں نے فوراً دوسرا گیئر لگایا لیکن پھر بھی ویگن آگے نہ چل سکی فوراً سیکنڈ گیئر تبدیل کیا لیکن اب ویگن بالکل کھڑی ہوگئی، لائٹ بجھ گئی اور بریک بھی فیل ہوگئی۔ ہمارے پیچھے تقریباً دو فرلانگ کی اترائی تھی جو ہم چڑھ چکے تھے اور سڑک کے دونوں طرف ڈیڑھ ڈیڑھ دو دو فٹ گہرائی اور گڑھے اور جھاڑیاں تھیں۔ اب ویگن بڑی تیزی سے پیچھے کی طرف روانہ ہونا شروع ہوگئی پیچھے بیٹھے ہوئے تینوں دوستوں نے زمین پر چھلانگ لگا دی کیونکہ ویگن کنٹرول سے باہر ہو چکی تھی اور سامنے موت نظر آرہی تھی۔ میں نے آخری حربہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے حضور اضطراری التجاء میں اور مسنون دعا رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنَا وَانْصُرْنَا وَارْحَمْنَا اونچی آواز سے پڑھنی شروع کر دی۔ بھائی حامد حسین صاحب آگے میرے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے اس گھبراہٹ کے عالم میں یکدم تیزی سے فرمایا۔ مولانا! دائیں طرف جھاڑیاں ہیں ویگن فوراً دائیں طرف گھمائیں شاید جھاڑیوں سے ٹکرا کر ویگن رک جائے دراصل وہاں کوئی جھاڑی نہیں تھی بلکہ تقریباً چھ سات فٹ گہرا گڑھا

تھا اندھیرے میں ہمیں یونہی جھاڑیوں کا گمان ہو رہا تھا۔ میں نے تیزی سے ویگن کو گھمایا اور پھر ہم ایک دھماکے کے ساتھ گڑھے میں جا گرے لیکن ویگن گڑھے سے اچھلی اور آگے ایک چھوٹے سے درخت کے ساتھ ٹکرا کر رک گئی اور اس طرح مزید نیچے کی طرف رول ہونے سے بچ گئی۔ اس حادثہ کی دہشت اور صدمہ کی وجہ سے اس وقت ہم سمجھے کہ اگر ہم مر نہیں گئے تو بھی ویگن کے اندر سخت زخمی حالت میں پڑے ہیں اور ویگن سے کودنے والے دوست بھی یہی سمجھے تاہم وہ بھاگ کر زور زور سے ہمیں آوازیں دیتے ہوئے ہمارے پاس پہنچے اور ہمیں ویگن سے باہر نکالا۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم بالکل محفوظ رہے صرف بعض معمولی زخم اور خراشیں آئیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہماری اضطراری دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور ہمیں بچا لیا ورنہ اتنے بڑے حادثے سے بچ نکلنا ناممکنات میں سے تھا۔

ایک سکھ دوست کا بروقت تعاون

اب رات کے گیارہ بج چکے تھے۔ بیس بیس میل پر وہاں کوئی گاؤں نہ تھا اور ویگن کو اس جگہ سے نکالنا اور سڑک پر لانا ہمارے بس کی بات نہیں تھی۔ ہم میں سے ایک دوست کو یاد آیا کہ وہاں سے چار پانچ میل کے فاصلہ پر ایک سکھ زمیندار جنگل میں اپنی زمینوں پر رہتے ہیں چنانچہ ہم میں سے دو بھائی جلد ان کے پاس گئے وہ سکھ دوست اپنی کار اور ٹریکٹر لے کر ہماری مدد کو پہنچ گئے اس جگہ تک راستہ بناتے بناتے رات کے دو بج گئے آخر ہم نے ٹریکٹر کے ذریعہ ویگن کو کھینچ کر باہر نکالا۔ اللہ تعالیٰ کی شان دیکھئے کہ اتنے شدید حادثے کے باوجود ہماری ویگن بھی اس حد تک محفوظ رہی کہ سٹارٹ کرنے پر فوراً سٹارٹ ہوگئی اور پھر ہم سب اسی میں سوار ہو کر اس سکھ دوست کا شکریہ ادا کرتے ہوئے وہاں سے روانہ ہو کر بخیر وعافیت نصروانگا پہنچ گئے اور یوں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے ہمارا یہ دورہ نہ صرف تبلیغی لحاظ سے کامیاب رہا بلکہ اس حادثے کے باوجود جانی اور مالی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہر طرح سے محفوظ رکھا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی دعا سے بارانِ رحمت

جب ۱۹۷۷ء میں خاکسار فجی پہنچا تو مجھے معلوم ہوا کہ اس ملک کے باشندے اس سال بارش کی بڑی شدت محسوس کر رہے ہیں اور خشک سالی سے سخت پریشان ہیں۔ ملک کے مولوی صاحبان بارش کے لئے دعائیں کر چکے تھے۔ اس ملک کے ہندوؤں میں یہ رسم ہے کہ اگر حسب ضرورت بارش نہ ہوا اور قحط سالی کا خطرہ ہو تو میدانوں میں مِل کر آگ جلاتے اور ڈھول بجا بجا کر اپنے دیوتاؤں کو بارش کی کمی کا احساس

دلاتے ہیں۔تاہم اس وقت ان کی سب رسمیں بیکار اور بے جان ثابت ہوئیں اور بارش نہ ہوئی جس سے حکومتی حلقوں میں بھی تشویش کا اظہار کیا جار ہا تھا کیونکہ یہ خشک شالی تقریباً سال بھر لمبی ہوگئی تھی جو ملک کے لئے سخت نقصان دہ تھی۔

اس دوران ایک روز قصبہ مارو میں خاکسار برادرم مکرم ماسٹر محمد یونس خان صاحب کے مکان پر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں خط لکھ رہا تھا مکرم ماسٹر یونس صاحب کو جب یہ معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ ابھی ابھی اسی وقت حضور کی خدمت میں خصوصی طور پر لکھیں کہ سال بھر سے سارے ملک فجی میں بارش کا فقدان اور خشک سالی تباہی کا موجب ہو رہی ہے اور ملک کے لوگوں کی اور ہماری دعائی ناور دیگر رسوم بھی سب بیکار ثابت ہو چکی ہیں۔حضور اس ملک کے باشندوں پر رحم فرماتے ہوئے متواتر خاص دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ جلد از جلد اس سرزمین کو حسب ضرورت بارش سے سیراب فرمائے نیز میری طرف سے بھی خاص التجا کریں کہ اپنے ایک ادنیٰ مرید ماسٹر محمد یونس خان کے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے ہائی بلڈ پریشر کی تکلیف سے شفا عطا فرمائے۔

خاکسار نے اسی وقت ان دونوں اہم امور کے لئے حضور کی خدمت میں خاص دعا کی درخواست لکھ کر روانہ کر دی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس سلسلہ میں حضور کی دعاؤں کو قبول فرمایا اور خط کا جواب آنے سے پہلے پہلے سارے ملک میں اتنی شدید بارشیں ہوئی کہ ہر طرف ہریالی اور سبزا ہی سبزا ہو گیا اور ہر شخص کی زبان پر بلکہ لوکل اخباروں میں اس رائے کا اظہار کیا گیا کہ کئی سالوں کے بعد ملک میں اتنی اچھی اور وسیع پیمانے پر بارشیں ہوئی ہیں لیکن یہ بہت کم لوگوں کو معلوم تھا کہ پاکستان کے دریائے چناب کے کنارے بسنے والے ایک مرد باخدا حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اور دردمندانہ دعائیں فجی میں اس باران رحمت کے نزول کا موجب ہوئی ہیں۔مکرم ماسٹر محمد یونس صاحب کی صحت کے لئے بھی اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا اور وہ خدا کے فضل سے صحت یاب ہو گئے اور جماعتی خدمات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

خوابوں کے ذریعہ رہنمائی اور قبول احمدیت

دنیا کے دوسرے ممالک کی طرح جزائر فجی میں بھی بہت سے ایسے مخلص احمدی دوست موجود ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاؤں کے نتیجہ میں بذریعہ خواب احمدیت کی صداقت کا انکشاف فرما کر انہیں جماعت

احمدیہ میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی۔

مکرم مولانا محمد صدیق صاحب ایم۔اے امرتسری سابق مبلغ انچارج احمدیہ مشن جزائر فجی کے ارشاد پر خاکسار نے اس سلسلہ میں بعض احباب جماعت سے ان کی ایسی خوابیں تحریر کروائی ہیں جو قارئین کے ازدیاد ایمان کے لئے درج کی جاتی ہیں:

(۱) مکرم جناب ماسٹر محمد حسین صاحب ہیڈ ماسٹر لٹوکا تحریر فرماتے ہیں:

''۱۹۶۳ء سے قبل جب خاکسار ابھی لاہوری احمدیہ جماعت کیساتھ منسلک تھا اور قصبہ مارو (Maro) کے پرائمری سکول کے ہیڈ ماسٹر کے طور پر مارو میں مقیم تھا ایک روز سکول کی ایک طالبہ اپنے گھر سے دس پونڈ سٹرلنگ چوری اٹھا کر لے آئی اور سکول کی دوسری بچیوں کے ساتھ مل کر اس نے سکول میں ایک پونڈ بھی خرچ کر لیا اس پر ان بچیوں کے والدین کے درمیان جھگڑا چل پڑا جس میں بعض والدین نے ہیڈ ماسٹر کو بھی ملوث کر دیا اور مجھ پر بھی ناراض ہوئے کہ میں نے اس معاملے میں کیوں داخلہ دیا۔ یہاں تک کہ معاملہ پولیس تک پہنچ گیا۔

میں اس واقعہ سے سخت پریشان ہوا۔ کیونکہ میں نے والدین میں محض باہمی مصالحت کی غرض سے اور نیک نیتی سے اس معاملے میں دخل دیا تھا اور کسی کی بے جا طرف داری نہیں کی تھی۔ اس پیشانی کے عالم میں خاکسار نے اللہ تعالیٰ کے حضور بھی دعا کی کہ وہ مجھے اس تنازعہ کے بداثرات سے محفوظ رکھے چنانچہ اس دوران جزائر فجی کے پہلے مبلغ مکرم مولانا شیخ عبدالواحد صاحب فاضل مجھے خواب میں ایک فرشتہ سیرت بزرگ کی شکل میں ملے اور مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا۔ انشاءاللہ آپ کی پریشانی دور ہو جائے گی۔ جب یہ خواب میں نے ناندی جا کر مکرم شیخ عبدالواحد صاحب فاضل سے بیان کیا تو انہوں نے یہ تعبیر کی کہ آپ کی پریشانی انشاءاللہ واقعتہً دور ہو جائے گی۔ لیکن خواب میں آپ کا مجھے دیکھنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا منشاء یہ ہے کہ آپ بیعت کر کے جماعت مبائعین میں شامل ہو جائیں کیونکہ آپ کی سب مشکلات کا حل احمدیت میں ہے چنانچہ اس کے بعد میں شرح صدر سے بیعت کر کے جماعت احمدیہ مبائعین میں شامل ہو گیا جس کے نتیجہ میں واقعی اللہ تعالیٰ نے میری تمام پریشانیاں دور فرما دیں اور وہ سکول والا معاملہ بھی باحسن صورت طے ہو گیا۔''

❁❁

محترم عبدالوہاب آدم صاحب
امیر جماعت احمدیہ گھانا

اللہ تعالیٰ کی نصرت کا ایک عظیم نشان

آپ تحریر فرماتے ہیں:

گھانا کے وسطی صوبہ کے شہر سالٹ پانڈ میں احمدیہ دارالتبلیغ کی عمارت میں ایک لکڑی سے بنا ہوا باورچی خانہ تھا۔ ایک دفعہ وہاں گیس سے بھرا ہوا ایک سلینڈر رکھا تھا جس میں آگ لگ گئی۔ اس کے قریب ہی ایک دوسرا سلینڈر بھی تھا۔ آگ دوسرے سلینڈر میں بھی لگ گئی اور تھوڑی ہی دیر میں شعلے بھڑکنے لگے۔ اس واقعہ کے چند ماہ پہلے میں نے گیس سلینڈر میں آگ لگنے کا ایک ہیبت ناک واقعہ دیکھا تھا۔ اس قسم کے ایک سلینڈر میں ''اکرا'' میں آگ لگ گئی تھی جو تیسری منزل کے ایک مکان میں تھی وہاں سے سلینڈر کو نیچے کھینچ کر لائے اور باہر کھلی جگہ میں پھینک دیا لیکن اس میں آگ بھڑکتی رہی اور اچانک وہ سلینڈر ایک بم کی طرح پھٹا اور اُس سے عمارت کے سارے دروازے اور کھڑکیاں ٹوٹ پھوٹ گئے۔ اس طرح میں نے اپنی آنکھوں سے گیس سلینڈر میں آگ لگنے سے تباہی کا مشاہدہ کیا ہوا تھا۔ سالٹ پانڈ میں آگ ایک نہیں دو گیس سلینڈروں میں لگی ہوئی تھی اور وہ بھی مشن ہاؤس کے لکڑی سے بنے ہوئے باورچی خانہ میں۔ 'اکرا' والے مشاہدہ کی بنا پر میں تصور کرسکتا تھا کہ سالٹ پانڈ والے دارالتبلیغ کا کیا حال ہوگا۔ یہاں زیادہ خوف اور خطرے کی یہ بات تھی کہ مشن ہاؤس کے قریب ہی ایک پٹرول سٹیشن تھا۔ ہمارے کچن کی آگ باآسانی پٹرول سٹیشن تک پہنچ سکتی تھی اور اِس طرح یہ آگ سارے شہر اور اس کے لوگوں اور عمارت کو اپنی لپیٹ میں لے سکتی تھی۔ یہ سانحہ اس قدر خوفناک نظر آرہا تھا کہ لگتا تھا کہ سارا شہر راکھ بن جائے گا۔ ہمارے پاس فوری طور پر آگ بجھانے کیلئے کوئی سامان موجود نہیں تھا اس لئے آگ تیز سے تیز تر ہوتی چلی گئی۔ اس وقت میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا سوائے اس کے کہ میں اللہ کے حضور دعاؤں میں گر جاؤں اور وہ اپنی رحمت کا نشان دکھائے۔ میں نے دعا کی: میرے پیارے اللہ تو رحیم وکریم

ہے تو آسمانوں اور زمین کا خالق ہے اور تو ہر قدرت رکھتا ہے صرف تو ہی ہے جو ان غضبناک شعلوں کو کنٹرول میں لاسکتا ہے اور ہمارے مشن ہاؤس کو اور اس شہر کو تباہی سے بچا سکتا ہے۔ مجھ سے پہلے بہت سارے مبلغین نے اِس مشن ہاؤس میں بہت سارے قیمتی علم وعرفان کے خزانے جمع کئے ہوئے ہیں۔ اور یہاں پر جماعت کے نہایت قیمتی تاریخی ریکارڈ اور دستاویزات بھی ہیں۔ میرے اللہ! کیا تو چاہے گا کہ اس ملک کا پہلا افریقن امیر ان سارے ریکارڈز اور دستاویزات کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھے جن کی حفاظت اس ملک میں احمدیت کی ترقی کیلئے خصوصی اہمیت رکھتی ہے؟

ایسے مضطر مواقع پر دعا دِل کی عمیق گہرائیوں سے نکلتی ہے اور تضرع کی ایسی کیفیت حاوی ہو جاتی ہے کہ بہتے ہوئے آنسوؤں پر کوئی کنٹرول نہیں رہتا۔ دعا کے بعد ایک دوست جو مشن ہاؤس میں رہتے تھے اور اس آگ سے جھلس گئے تھے۔ میں اُن کو لیکر ہسپتال چلا گیا۔ جب میں واپس آیا تو آگ کنٹرول میں تھی دو گیس سلینڈر تقریباً دو گھنٹے سے ایک لکڑی کے بنے ہوئے کچن میں سالٹ پانڈ میں جل رہے تھے لیکن اللہ کی قدرت سے یہ آگ صرف کچن کی حدود تک ہی رہی اور عمارت کے کسی اور حصہ میں بالکل نہیں پھیلی۔ ایک بہت ایمان افروز بات یہ ہے کہ اِس لکڑی کے کچن میں دیوار پر رمضان المبارک کا چارٹ لگا ہوا تھا جو صحیح سلامت رہا اور اس کو آنچ تک نہ آئی۔ ایک عورت جو ہمسائے میں رہتی تھی اور اس نے یہ سارا سانحہ دیکھا تھا وہ اتنی متأثر ہوئی کہ اس کا ایمان اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ ہو گیا اور اُس نے اسلام قبول کرلیا اور جماعت احمدیہ میں شامل ہوگئی۔ اُس نے کہا ''یہ حقیقتاً ایک زندہ خدا کا نشان ہے''۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ یہ ایک مادہ پرست دنیادار عورت تھی اور سالٹ پانڈ کے لوگ اس کو اسی صفت سے جانتے تھے۔ سالٹ پانڈ کے مشن ہاؤس کا نشان جو اُس نے دیکھا اُس سے اس کا اللہ تعالیٰ کے بارہ میں تصور بالکل بدل گیا اور اس کی زندگی میں ایک ایسی زبردست تبدیلی پیدا ہوئی جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے وفاداروں اور خدمتگاروں میں شامل ہوگئی۔

کون کہتا ہے کہ خدا نہیں ہے؟ یہ سوال حضرت مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام کے اِس الہام کو ذہن میں لاتا ہے کہ ''آگ میری غلام ہے بلکہ غلاموں کی بھی غلام ہے''۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تیسرے درجے سے پہلے درجے میں

حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ یہ عاجز لائبیریا جا کر وہاں قرآن کریم اور دوسرے اسلامی لٹریچر کی نمائش کا انتظام کرے۔ یہ نمائش خاص طور پر افریقہ کے

ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس کے موقع پر کرنی تھی جو افریقن اتحاد کی تنظیم (OAU) کے تحت ہو رہی تھی۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب قرآن مجید انگریزی ترجمہ کے ساتھ غانا سے شائع ہوا تھا اور اُس میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک تصدیقی نوٹ بھی تھا۔ اس اسلامی لٹریچر کی نمائش میں قرآن مجید انگریزی جو گھانا سے شائع ہوا تھا پہلی مرتبہ عوام کے سامنے پیش کیا جا رہا تھا۔ اس کے علاوہ کچھ لٹریچر غانا کا چھپا ہوا تھا اور کچھ برطانیہ اور دنیا کے دوسرے ممالک میں چھپا تھا۔ "OAU" کانفرنس کی تاریخیں مقرر تھیں اور ہماری نمائش بھی اُنہی تاریخوں میں رکھی جانی تھی اور ہماری نمائش کی تاریخیں "OAU" کی کانفرنس کی تاریخوں سے الگ نہیں ہوسکتی تھیں۔ اس غرض کیلئے میں نے مونروویا (لائبیریا) جانے کیلئے ہوائی جہاز کا ٹکٹ خریدا اور کوٹو کا (Kotoka) انٹرنیشنل ایئرپورٹ پہنچ کر چیک اِن کرالیا۔ جب میں ہوائی جہاز کے اندر داخل ہوا تو یہ دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا کہ مجھ سے پہلے چار مسافر کھڑے تھے کیونکہ جہاز میں کوئی سیٹیں باقی نہیں تھیں۔ ساری سیٹیں بھر چکی تھیں اور اُن کیلئے کوئی سیٹ ہی نہیں تھی۔ ہوائی جہاز کے کیپٹن نے حکم دیا کہ سب کی ٹکٹیں چیک کریں۔ اور جس نے ٹکٹ پہلے خریدی تھی اس کو پہلے سیٹ دی جائے اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار مسافروں کو جن میں میں بھی شامل تھا جہاز سے اُتار دیا گیا۔ جب میں نیچے اُترا تو میں نے گھانا ایئرویز کے سٹاف کو کہا کہ ہوائی جہاز سے میرا سامان جو چڑھایا جا چکا تھا اُتروا دیں۔ ایئرلائن کے ایک افسر نے مجھے کہا کہ آپ فکر نہ کریں اگلے دن آپ کو سیٹ ضرور مل جائے گی اور آپ کا سامان وہاں محفوظ موجود ہوگا۔ اور آپ اگلے دن جب وہاں پہنچیں گے تو اپنا سامان وصول کرسکیں گے۔ اس کی یہ تجویز مجھے پسند نہیں آئی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ کہیں میرا سامان اِدھر اُدھر نہ ہو جائے کیونکہ اس میں نمائش کے تعلق میں نہایت ضروری کاغذات تھے اس لئے میں نے اُس نے پرزور انداز میں کہا کہ مجھے اپنا سامان چاہئے اور وہ جہاز کے روانہ ہونے سے پہلے میرا سامان اتروا دیں چنانچہ ایک افسر نے اپنے کاغذات میں میرے سامان کا شناختی نمبر ڈھونڈنا شروع کر دیا۔ اس اثنا میں ایئرلائن کا ایک اور افسر میرے پاس آیا اور نہایت حیرت انگیز لہجہ میں مجھ سے مخاطب ہوا ''تم ابھی تک یہاں کھڑے ہو'' میں نے اُسے بتایا کہ میں یہاں پر اپنا سامان وصول کرنے کیلئے کھڑا ہوں کیونکہ فلائٹ کیلئے سیٹوں سے زیادہ ٹکٹ جاری کر دیئے گئے تھے اور اِس کے نتیجہ میں مجھے سیٹ نہیں مل سکتی۔ اس پر میرے تعجب کی انتہا نہ رہی جب اُس افیسر نے حاکمانہ انداز میں کہا ''میں نے تمہیں کہا بھی تھا کہ تم فرسٹ کلاس میں جا کر بیٹھ جاؤ''۔

میرا ٹکٹ تیسرے درجے کا تھا۔ میں اللہ تعالیٰ کے کلام اور اسلام اور احمدیت کی تعلیم کو پھیلانے کیلئے

خلیفہ وقت کی ہدایت کے تحت ایک خاص مقصد کیلئے یہ سفر اختیار کر رہا تھا۔ اِس غرض کیلئے میرا اُس فلائٹ سے جانا ازحد ضروری تھا۔لیکن مجھے فلائٹ سے اُتار دیا گیا اور اللہ کی قدرت دیکھیں کہ بالآخر اسی جہاز میں مجھے فرسٹ کلاس میں سیٹ مل گئی۔اس سے یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب بھی کوئی مرد ہو یا عورت جوان ہو یا بوڑھا اللہ کی خدمت کی خاطر خلوص کے ساتھ اپنے آپ کو پیش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی قربانیوں کو کبھی ضائع نہیں کرتا اور اس کو ہر تکلیف سے محفوظ رکھتا ہے اور کوئی بھی زمینی طاقت اللہ تعالیٰ کے پروگراموں کو بگاڑ نہیں سکتی۔اور اللہ تعالیٰ اپنے کاموں کی تکمیل کیلئے اپنی خاص تائید و نصرت کے نشان دکھاتا ہے۔

مجھے علم ہے کہ کون مسلمان ہے اور کون نہیں

میں نے سعودی عرب کی ایمبیسی Embassy، جو اکرا میں ہے، میں حج پر جانے کیلئے ویزا کیلئے درخواست دی ہوئی تھی۔اُن دنوں میں گھانا کے ایک غیر احمدی مسلمان نے یہ مہم شروع کی ہوئی تھی کہ کسی بھی معروف احمدی کو حج کا ویزا نہ ملے۔میں اُس وقت Brong anafo صوبے کا ریجنل مشنری تھا۔ مجھے انہوں نے ایک فارم بغرض تکمیل دیا۔یہ سادہ سا فارم تھا جو میں نے چند منٹوں میں مکمل کر دیا کیونکہ اس میں صرف ذاتی کوائف درج کرنے تھے جس میں مذہب کا بھی پوچھا ہوا تھا میں نے اُس میں اپنا مذہب اسلام لکھ دیا۔ایمبیسی والوں نے مجھے تین دن کے بعد آنے کو کہا جب میں تین دن کے بعد وہاں گیا تو انہوں نے مجھے ایک اور فارم دے دیا جو پہلے سے بالکل مختلف تھا اور اس میں خاص طور پر پوچھا گیا تھا کہ آپ کا کس فرقے سے تعلق ہے؟ میں نے اُس خانے میں لکھ دیا ''سنی''۔ایمبیسی کے جو افسر تھے وہ میرے اس جواب پر تھوڑے سے اُلجھن میں پڑ گئے وہ کہنے لگے کہ گھانا میں صرف دو فرقے ہیں مسلمانوں کے یعنی احمدی اور غیر احمدی۔اتفاق سے اِس واقعہ سے دو ہفتے پہلے میں نے ایک مذہبی بحث میں حصہ لیا تھا جو گھانا کے شہر ٹیچی مان میں ہوئی تھی اور اِس بحث میں اِس ایمبیسی کا وہ سینئر سیکرٹری بھی شامل ہوا تھا جو مجھ سے سوالات کر رہا تھا۔میں نے اُسے کہا کہ تمہیں علم ہے کہ میں ایک احمدی مسلمان ہوں۔اس نے کہا کہ اس وجہ سے کہ تم احمدی ہو میں تمہیں حج کیلئے ویزا نہیں دے سکتا۔میں نے اُسے کہا کہ تمہیں یہ پتہ ہونا چاہئے کہ تاریخ میں ایک ایسا وقت بھی آیا تھا جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی حج کرنے سے روک دیا گیا تھا۔اِس وجہ سے مجھے یقین ہے کہ جو انجام مکہ کے ان لوگوں کا ہوا تھا جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو

حج سے روکا تھا وہی انجام تمہارا اور تمہارے مالکوں کا ہوگا۔اس کے چند سال بعد جب میں (O.A.U) کی کانفرنس پر مانسرو ویا (لائبیریا) گیا تو میری وہاں اُس شخص سے ملاقات ہوئی۔ وہ میرے ساتھ نہایت خندہ پیشانی اور شفقت سے پیش آیا اور مجھے OAU کے لاؤنج میں چائے کیلئے ساتھ لے گیا۔اس کا نام عثمان تھا۔میں نے اس سے پوچھا مسٹر عثمان !تم نے مجھے اس لئے ویزا دینے سے انکار کیا تھا کہ میں احمدی ہوں۔آج کیا وجہ ہے کہ تم میرے ساتھ اتنے اچھے اور مہربان ہو رہے ہو؟ اُس نے جواباً کہا کہ جو بھی یہ کہتا ہے کہ ایک احمدی مسلمان نہیں ہے وہ بد دیانت ہے اور اُس کا ضمیر مر چکا ہے۔تم یہاں ہر طرف اپنے اردگرد دیکھ لو بہت سارے مسلم ممالک کے نمائندے اس کانفرنس کے لئے یہاں پر موجود ہیں۔اگر کسی مسلمان فرقے کو یہ خیال آیا کہ ایسے موقع پر قرآنِ کریم کی ایک نمائش ہونی چاہئے تو وہ صرف احمدی جماعت ہی ہے اُس نے مزید کہا کہ میں نے تمہیں ویزا دینے سے اس وجہ سے انکار کیا تھا کہ میں اُس وقت سعودی عرب حکومت کا ملازم تھا۔آج میں اُن کا ملازم نہیں ہوں۔میں OAU کا ایک آزاد افسر ہوں اور میں جانتا ہوں کہ کون مسلمان ہے اور کون سچا مسلمان نہیں ہے۔

’’اگر مسیح موعود سچے ہیں پھر کعبہ ہمارا ہے‘‘

حج پر جانے کے لئے ویزا نہ مل سکنے کے وجہ سے میں نے ربوہ جانے کا پروگرام بنالیا۔وہاں میں احمد نگر میں صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب کے فارم احمد نگر میں ایک تقریب میں شامل ہوا اس تقریب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ بھی موجود تھے تو کسی نے حضور سے مجھے حج کیلئے ویزا نہ ملنے کا ذکر کیا۔حضور نے مجھ سے فرمایا’’کیا آپ کو خواہش تھی کہ آپ حج پر جائیں اور آپ کو ویزا نہیں دیا گیا؟‘‘ میں نے کہا’’جی حضور‘‘ آپ نے فرمایا’’اگر ایسے ہوا ہے تو پھر آپ اب’’الحاج‘‘ ہیں۔پھر چند منٹ کے توقف کے بعد آپ نے فرمایا: میں دیکھ رہا ہوں کہ تم ساٹھ ہزار لوگوں کے ساتھ امیر کی حیثیت سے کعبہ کے گرد طواف کر رہے ہو‘‘۔اُس سال ایوانِ محمود میں، جو ربوہ میں مجلس خدام الاحمدیہ کا ہال ہے، مجلس شوریٰ کی تقریب تھی۔اس شوریٰ کے دوران احمدیوں کو حج کا ویزا نہ دیئے جانے کا ذکر بھی آیا۔ایک نمائندے نے کہا کہ احمدیوں کو حج کرنے کیلئے سعودی عرب والے ویزا نہیں دیتے۔اس وقت شوریٰ میں حضورؒ بھی تشریف فرما تھے جب آپ نے اُس نمائندے کی یہ بات سنی تو آپ اپنی کرسی سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے اور جوش سے فرمایا:’’اگر حضرت مسیح موعودؑ سچے ہیں تو پھر کعبہ ہمارا ہے۔جس دن کعبہ کی باگ ڈور ہم

سنبھالیں گے، ہم کعبہ کے سارے دروازے اُن سب پر کھول دیں گے جو کلمہ پر ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سروں پر

جن دنوں میں میں ربوہ میں طالب علم تھا (1952-1960)، میں اس لحاظ سے بہت خوش قسمت تھا کہ مجھے اس دوران حضرت مسیح موعودؑ کے بہت سارے صحابہ کی صحبت نصیب ہوئی ہے۔ان میں حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی بھی تھے جو دعاؤں کی قبولیت کے تعلق سے خاص شہرت رکھتے تھے۔وہاں میں خاص دوستوں میں تنزانیہ کے شیخ عمری عبیدی صاحب مرحوم ومغفور بھی تھے جو بعد میں اپنے ملک کے وزیر انصاف بھی مقرر ہوئے۔وہ ربوہ بحیثیت مبلغ اس غرض کیلئے آئے تھے کہ قرآن کریم کا سواحیلی زبان میں ترجمہ کریں۔اس دوران اُن کیلئے ایک سپیشل کورس تشکیل دیا گیا تھا اور میں ''شاہد'' کورس کا طالب علم تھا۔ میرے امتحان کے دن قریب تھے اور مجھے منطق کا مضمون بہت مشکل لگتا تھا۔میں نے اس کا ذکر شیخ عمری عبیدی صاحب سے کیا۔اور انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ ہم حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے پاس اُن کے گھر جائیں اور اُن سے دعا کی درخواست کریں۔چنانچہ ایک دن جمعہ کی نماز کے بعد شیخ عمری عبیدی صاحب اور میں مولانا غلام رسول صاحب راجیکیؓ کے گھر گئے اور اُن سے دعا کی درخواست کی۔انہوں نے اُسی وقت دعا کے لئے ہاتھ اُٹھا لئے اور دعا کے بعد کہا کہ انہوں نے دعا کے دوران ایک رویاء دیکھی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ دونوں کے سر پر اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں۔انہوں نے ہمیں تسلی دلائی کہ ہم اپنے امتحانوں میں کامیاب ہو جائیں گے۔جب امتحان ہو گئے تو جامعہ احمدیہ کے پرنسپل مولانا قاضی محمد نذیر لائلپوری صاحب نے حسب دستور جامعہ کے طلباء کی اسمبلی بُلائی اور اُس میں نتائج کا اعلان کیا اور بتایا کہ میں اپنی کلاس میں سیکنڈ آیا ہوں۔اس پر میں بہت خوش ہوا اور اُسی وقت یہ خبر شیخ عمری عبیدی صاحب کو بتانے کیلئے ان کے پاس گیا۔وہ یہ خبر سن کر کچھ مایوس سے ہوئے۔اگلے دِن پرنسپل صاحب نے دوبارہ اسمبلی بلائی جس میں جامعہ کے اساتذہ بھی شامل تھے اور اعلان کیا کہ میری کلاس کے نتیجے میں غلطی ہوگئی تھی اور میں کلاس میں سیکنڈ نہیں بلکہ فرسٹ آیا ہوں۔بعد میں میں شیخ عمری عبیدی صاحب کے پاس یہ نئی خبر بتانے کیلئے گیا۔اِس دفعہ وہ بہت خوش ہوئے اور مٹھائی منگوائی اور خوشی منائی۔

شیخ عمری عبیدی صاحب نے کہا کہ دوسری دفعہ کا جو نتیجہ تھا وہی حقیقت میں حضرت مولانا غلام رسول

راجیکی صاحب کے رؤیا کی تعبیر تھی۔ الحمدللہ۔

اگر یہ بات میری حکومت کے علم میں آئی تو وہ تعارف میں سے اِس کو نکال دے گی

سعودی عرب ایمبیسی یوسف علی صاحب کے انگریزی ترجمہ والا قرآن کریم تقسیم کرتی تھی۔ مولانا بشارت احمد بشیر مرحوم ومغفور جب گھانا کے امیر اور مشنری انچارج تھے۔ وہ ایک دفعہ ازراہِ شفقت سعودی عرب ایمبیسی مجھے ایک گفتگو کے سلسلہ میں اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں جناب ایمبیسڈر صاحب سے ہماری ملاقات ہوئی اور دورانِ گفتگو انہوں نے کہا کہ اُن کے علم میں یہ بات آئی ہے کہ ہماری نماز مسلمانوں کی نماز سے مختلف ہے۔ اس پر جناب امیر صاحب نے جماعت کی طرف سے شائع شدہ نماز کی کتاب ایمبیسڈر صاحب کو دی۔ انہوں نے وہ کتاب کھولی اور اس کا کچھ حصہ پڑھنے کے بعد کہا کہ یہ نماز کی کتاب جو نماز ہم روز پڑھتے ہیں اُس سے ہرگز مختلف نہیں۔ اس پر مولانا بشارت احمد بشیر صاحب نے ایمبیسڈر سے کہا کہ وہ اُنہیں ایک دو باتیں جو یوسف علی صاحب نے اپنے قرآن کریم کے تعارف میں لکھی ہیں دکھانا چاہیں گے۔ اُس تعارف میں یوسف علی صاحب نے لکھا ہوا ہے کہ سب سے پہلی اسلامی تنظیم جس کو قرآن کریم کا انگریزی میں ترجمہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی وہ احمدیہ مسلم جماعت ہے۔ جب ایمبیسڈر صاحب نے یہ دیکھا تو اُن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہی قرآ آن جو وہ تقسیم کرتے ہیں اس میں احمدیہ مسلم جماعت کے بارہ میں یہ لکھا ہوا ہے یہ دیکھ کر ایمبیسڈر نے کہا کہ یہ بات اگر میری حکومت کے علم میں آئی ہوتی تو وہ تعارف میں سے اُن کو نکال دے گی۔

''تمہارے قرآن اور دوسرے سب قرآنوں میں کوئی فرق نہیں ہے''

گھانا کے امیر اور مشنری انچارج کی حیثیت سے میں یہاں اکثر ایمبیسڈرز اور ہائی کمشنرز سے خیرسگالی ملاقاتیں کرتا رہتا ہوں۔ جب ایران کا پہلا ایمبیسڈر گھانا آیا تو میں اُسے ملنے کیلئے گیا۔ وہ مجھے بہت تپاک سے ملا۔ گفتگو کے دوران اُس نے مجھے بتایا کہ بعض اور مسلم تنظیموں کے نمائندے بھی اُسے آ کر ملے ہیں اور اُن میں سے اکثر نے مجھے بتایا کہ احمدی جو ہیں وہ مسلمان نہیں ہے۔ میں نے اُس کا شکریہ ادا کیا کہ مجھے خوشی ہوئی ہے کہ اُس نے بلاتکلف جو بات تھی وہ بیان کردی اور میں نے اس سے درخواست کی کہ وہ یہ بھی بتائے کہ اُن لوگوں نے احمدیوں کے مسلمان نہ ہونے کی کیا وجہ بتائی۔ اُس نے کہا کہ اُن کے مطابق

احمدیوں کا قرآن دوسرے مسلمانوں کے قرآن سے مختلف ہے۔ میں نے اس کا دوبارہ شکریہ ادا کیا اور کہا کہ اِس پیمانے کے مطابق یہ فیصلہ کرنا، کہ احمدی مسلمان ہیں کہ نہیں، آسان ہو جائے گا۔ میں نے کہا کہ اِس کیلئے یہی ضرورت ہے کہ میں جماعت کی طرف سے شائع شدہ قرآن کی ایک کاپی مطالعہ کے لئے اِس کو دوں۔ چنانچہ میں نے واپس جا کر قرآن کریم کی ایک کاپی جو جماعت کی طرف سے شائع ہوئی تھی ایمبسڈر کو بھجوا دی۔ اس کے چند ہفتے بعد ایک تقریب میں میری اُس ایمبسڈر سے ملاقات ہوئی۔ اُس نے مجھے بتایا کہ اُس نے احمدیہ مسلم جماعت کا شائع شدہ قرآن کریم شروع سے آخر تک پڑھا ہے اور اُس کو اُس میں ایک نقطے کا فرق بھی نظر نہیں آیا۔ اُس نے کہا کہ جو قرآن میں نے اُسے بھجوایا تھا اُس نے وہ اپنی حکومت کو ایران بھجوا دیا ہے۔ اور اُن کو لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ احمدیوں کا قرآن الگ ہے تو آپ کو یہ علم ہونا چاہئے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اُس وقت سے لیکر آج تک جو بھی ایران کے ایمبسڈر گھانا آتے رہے ہیں وہ ہمیشہ جماعت کو اپنی تقاریب میں شمولیت کی دعوت دیتے ہیں۔ حال ہی میں انہوں نے قرآن مجید کی قرأت کے مقابلوں کا اہتمام کیا جس میں ہمارے جامعۃ المبشرین گھانا کے چار طلبا بھی شامل ہوئے اور ان میں سے مقابلہ میں شامل ہونے والے پچاس قارئین میں سے ہمارے جامعہ کے دو طلبا اوّل قرار پائے۔ اُن میں سے ایک کو ایمبیسی نے اپنے خرچ پر ایران، وہاں جو قرأت کے عالمی مقابلہ ہونے تھے، اُن میں شامل ہونے کیلئے بھجوایا۔ الحمدللہ۔

احمدیہ پاکستانی ہیں

پاکستان میں اُس قانون سازی سے قبل، جس میں احمدیوں کو قانونی لحاظ سے غیر مسلم قرار دیا گیا تھا، پاکستانی ایمبسڈر جو گھانا آتے تھے وہ احمدیہ مسلم جماعت گھانا کے ساتھ قریبی تعلق رکھتے تھے لیکن اس قانون سازی کے بعد جماعت کے ساتھ اُن کا روّیہ بدل گیا۔ ایک دفعہ پاکستان کی ایمبسڈر ایک خاتون تھیں جنہوں نے بذریعہ کار'اکرا' سے کماسی جانا تھا۔ روانہ ہونے سے قبل اُس نے اپنی ایمبیسی کے سیکرٹری سے پوچھا کہ کماسی میں کوئی پاکستانی ہے؟ انہوں نے کہاں کہ وہاں صرف ایک پاکستانی ہے۔ بدقسمتی سے راستے میں ایمبیسڈر کی کار کا ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ ایمبیسڈر کو کچھ چوٹیں آئیں اور اُسے کماسی کے ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ اُس علاقہ میں جماعت کے ٹیچر اور ڈاکٹر جو جماعت کے سکولوں اور ہسپتالوں میں کام کرتے تھے اور اِس علاقہ کے مبلغ سب پاکستانی تھے۔ جب اُن کو خبر ملی کہ پاکستان کی ایمبسڈر صاحبہ ہسپتال میں

ہیں تو وہ سب اُن کی عیادت کیلئے وہاں گئے۔ ایمبیسڈر کو ان سب کو دیکھ کر بہت حیرت ہوئی۔ اُس نے اُن سے کہا کہ 'اکرا' میں اُسے بتایا گیا تھا کہ کماسی میں صرف ایک پاکستانی ہے اور اُن کے ایسے کہنے کا یہ مطلب تھا کہ کماسی میں صرف ایک غیر احمدی پاکستانی ہے۔ احمدیوں نے اس کو بتایا کہ احمدی ہونے کی وجہ سے گھانا میں پاکستان کی ایمبیسی ان کو پاکستانی نہیں مانتی۔ وہ کہنے لگی کہ یہ صحیح نہیں ہوسکتا۔ سب پاکستانی پاکستان کے شہری ہیں خواہ اُن کا مذہب کوئی بھی ہو۔ اس نے احمدی ڈاکٹروں سے اپنے لئے ادویات منگوائیں اور اپنی دوسری ضروریات کی چیزوں کے لئے بھی کہا اور وہ سب اس کو مہیا کی گئیں۔ الحمدللہ۔

محترم گیانی عبید اللہ صاحب
سابق مینجر روزنامہ الفضل ربوہ

خاکسار نے 1930ء میں سیدنا حضرت (مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ) کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہونے کی سعادت حاصل کی۔ اس وقت خاکسار کی عمر 23، 24 سال کے درمیان تھی۔ خاکسار کو احمدیت قبول کرنے کا شرف اپنے بھانجے محمود الحسن صاحب بنی اسرائیل کے ذریعہ ہوا۔ وہ ہمارے خاندان میں پہلے احمدی تھے اور 1932ء میں خاکسار محترم سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی ترغیب اور تحریک پر نظارت دعوت وتبلیغ قادیان سے منسلک ہو گیا اور 1953ء تک بطور مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خدمت کی توفیق ملی۔ اس عرصہ میں خاکسار کو سارے ہندوستان میں سفر کرنے کے مواقع میسر آئے اور ہندوؤں کے بڑے بڑے تیرتھوں مثلاً ہردوار، متھرا، اجودھیا، دوارکا جگن ناتھ پوری تک گیا اور بڑے بڑے پنڈتوں سے تبلیغی گفتگو کی نیز سکھوں کے بڑے بڑے تاریخی گردواروں، ننکانہ صاحب، حسن ابدال، تخت مری، کیس گڑھ اور انچل نگر حضور حیدرآباد دکن کے درشن کرنے کے مواقع بھی ملے اور ان گردواروں کے بڑے بڑے گیانیوں اور پرچارکوں تک اسلام کا پیغام پہنچانے کی سعادت حاصل ہوئی۔

بالآخر کافر نے ہی اسلام کی لاج رکھ لی

خاکسار کو اپنے تبلیغی سفروں کے دوران سنگرور جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں جماعت احمدیہ کا دو دن جلسہ تھا اور مرکزی مبلغین کا جو قافلہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب نیر کی قیادت میں روانہ ہوا۔ اس میں خاکسار بھی تھا۔ جب ہم سنگرور پہنچے تو وہاں دھوری کے دوست جو خاکسار کے ہی ہم نام تھے اور وکالت کا کام کرتے تھے تشریف لائے۔ ان سے معلوم ہوا کہ ہمارے جلسہ سے ایک دن قبل انجمن اسلامیہ دھوری کا سہ روزہ سالانہ جلسہ ہو رہا ہے اور پہلے ایک دن مولوی صاحب نے دوران تقریر یہ کہہ دیا کہ گرونانک جی

نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی ہے۔ دھوری ریاست پٹیالہ کا ایک قصبہ ہے اور وہاں سکھوں کو بہت بڑی کثرت حاصل تھی۔ جب مولوی صاحب نے یہ کہا کہ گرونانک جی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت کی ہے اور اپنے اس خیال کی تائید میں جنم ساکھی سے گرونانک کا یہ شلوک بھی پڑھ دیا:

اول ناؤں خدائیدادا در دربان رسول

شیخا ئیت راس کرتاں درگاہ پویں قبول

توسکھوں نے شور مچا دیا اور مولوی صاحب سے حوالہ طلب کیا چونکہ مولوی صاحب گورمکھی نہیں جانتے تھے وہ حوالہ نہ دکھا سکے۔ اس پر انجمن اسلامیہ والوں نے سکھوں سے معافی مانگ کر پیچھا چھڑایا۔ جب یہ بات خاکسار نے سنی تو حضرت نیر صاحب سے کہا کہ آپ امیر قافلہ ہیں خاکسار کو ایک دو دن دھوری میں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا: بیٹا وہ سکھوں کا قصبہ ہے اور ریاست پٹیالہ میں ہے کوئی قباحت نہ ہو۔ خاکسار نے ان سے منت سماجت کر کے اجازت حاصل کر لی۔ میں اور میرے ہم نام وکیل صاحب دونوں سنگرور سے دھوری آ گئے اور سیکرٹری صاحب انجمن اسلامیہ سے ملے۔ ان کا پنڈال بھی جوں کا توں تھا کیونکہ ہمارے جانے سے ایک دن پہلے ہی رات کو ان کا جلسہ ختم ہو گیا تھا۔ ان سے عرض کیا کہ یہ پنڈال جوں کا توں رہنے دیں خاکسار یہاں تقریر کرے گا۔ وہ کچھ گھبرائے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ہم یہ سب سامان کسی دوسری جگہ اپنے آدمیوں کے ذریعہ منتقل کروا دیتے ہیں۔ ایک دن کا مزید کرایہ بھی انجمن کی طرف سے ادا کریں گے۔ آپ یہاں کی بجائے دوسری جگہ جلسہ کریں۔ چنانچہ ہم نے مکرم عباداللہ صاحب وکیل کے ساتھ ہی جلسہ منعقد کرنے کا اعلان کر دیا۔ چونکہ ایک دو دن پہلے واقعہ ہو چکا تھا اس لئے لوگ جلسہ میں ہزاروں کی تعداد میں آئے۔ کم از کم پانچ ہزار کے قریب حاضری ہو گی جن میں سکھ بہت کثرت سے تھے۔ دھوری میں صرف عباداللہ صاحب وکیل ان دنوں اکیلے احمدی تھے اور کوئی دوسرا گھر احمدیوں کا نہ تھا۔ دھوری کے افسر اعلیٰ ایک شیعہ دوست تھے جو ریاست کی طرف سے غالباً وہاں مجسٹریٹ یا ایس ڈی او تھے ان کی خدمت میں جلسہ کے لئے درخواست دی گئی چونکہ مکرم عباداللہ وکیل کی طرف سے تھی انہوں نے جلسہ کی منظوری دے دی مگر بعض شرائط زبانی طور پر بیان کر دیں۔ رات کو نماز مغرب کے بعد جلسہ کیا گیا۔

خاکسار نے جلسہ میں تقریر شروع کی اور دوران تقریر میں دھوری کے تازہ واقعہ کا ذکر کیا۔ میں نے

کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو مولوی صاحب گرونانک صاحب کی تعلیم سے آشنا تھے اور نہ وہ سکھ صاحب جس نے یہ اعتراض اٹھایا تھا کیونکہ یہ کوئی قابل اعتراض بات یا کوئی قابل تحقیق بات نہیں تھی۔ دنیا میں ہر شریف انسان دوسرے شریف انسان کی عزت کرتا ہے۔ اس کے بعد خاکسار نے بیان کیا کہ میرے سکھ دوستوں کو اس امر کا خیال ہے کہ ان کی مقدس کتاب گروگرنتھ صاحب میں مسلمان بزرگوں کا بھی کلام درج ہے اور جب وہ گروگرنتھ صاحب کو سجدہ کرتے ہیں تو اس کلام کو بھی سجدہ ہو جاتا ہے جو مسلمانوں کا بیان کردہ ہے اور وہ مسلمان بزرگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں غلاموں میں سے ایک غلام ہے۔ جس مذہب میں لوگ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کے کلام کو سجدے کرتے ہیں تو وہ یہ کہنے کا حق نہیں رکھتے کہ ان کے گرو نے رسول خدا کی عزت نہیں کی۔ میں نے سکھوں سے یہ بھی کہا کہ آپ پہلے گروگرنتھ صاحب میں سے مسلمان بزرگوں کا کلام نکال کر ہمارے حوالے کر دیں پھر آپ بے شک یہ کہنے کا حق رکھ سکیں گے کہ سکھ مذہب میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت نہیں کی گئی مگر کون سکھ ہے جو ایسا کر سکتا ہے جو بھی گرنتھ صاحب سے کوئی کلام نکالنے کی کوشش کرے گا وہ خود سکھی سے خارج ہو جائے گا۔ خاکسار نے اس وقت یہ الفاظ کچھ ایسے رنگ میں کہے اور ایسے انداز میں کہے کہ خدا تعالیٰ نے ان میں اچھا خاصہ اثر پیدا کر دیا اور سکھوں میں ایک سناٹا سا چھا گیا۔ اس کے بعد میں نے گرونانک جی کے وہ شبد اشلوک پڑھنے شروع کر دیئے جن میں انہوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ روانی میں میں متنازعہ شلوک بھی پڑھ گیا۔ جب میں نے وہ اشلوک پڑھا تو ایک سکھ ودوان سٹیج پر تشریف لے آئے اور کہنے لگے۔ گیانی صاحب یہ جو شلوک آپ نے پڑھا ہے اس کا حوالہ چاہیے۔ ان دنوں میرا طریق یہ تھا کہ میں ضروری کتب ساتھ رکھتا تھا۔ جوانی کا عالم تھا کئی دفعہ کوئی کلی یا تانگہ نہ ملنے کی وجہ سے میں خود وہ ٹرنک اٹھا کر دیہات میں چل پڑتا۔ دو دو چار چار میل بلکہ کئی مرتبہ آٹھ آٹھ دس دس میل بھی راستہ میں ٹھہرتا ہوا پیدل چلا جاتا۔ اس وقت بھی کتابیں میرے ساتھ تھیں اور سٹیج پر پڑی تھیں میں نے جنم ساکھی اٹھائی اور ان سے کہا کہ یہ وہ شلوک ہے۔ اب آپ خود لوگوں کو پڑھ کر سنائیں۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ سکھ ودوان بھی اپنی بات میں سچا تھا کیونکہ اس نے جو جنم ساکھی پڑھی ہوئی تھی اس میں یہ اشلوک بدل کر چھاپا گیا تھا۔ میں نے اسے بتایا کہ اب یہ اشلوک بدل گیا ہے اور

اول ناؤں خدائیدا اد در بان رسول شیخا ئیت راس کرتاں درگاہ پویں قبول کی بجائے

اول ناؤں خدائیدا در کتے نبی رسول شیخانیت راس کرتا درگاہ پویں قبول

کر دیا گیا۔اس پر اس کی تسلی ہوگئی۔خاکسار نے ابھی اپنی تقریر کے چند جملے ہی بیان کئے تھے کہ ایک اور سکھ کھڑا ہوا۔ اس نے دور سے آواز دی۔ گیانی صاحب میرا ایک سوال ہے اس کا جواب دیا جائے۔میں نے ان سے یہ شرط کی کہ ایک سوال آپ کریں میں اس کا جواب دوں گا اس کے بعد میں آپ پر ایک سوال اسی قسم کا کروں گا اس پر جواب دینا ہوگا اور یہ سوال و جواب ہار جیت کے لئے نہیں بلکہ تحقیق کی غرض سے ہوں گے۔انہوں نے یہ شرط مان لی اور اپنا سوال پیش کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ اسلام ایک صلح کا مذہب ہے اور گرو نانک جی نے بھی اسلام کی تعلیمات کو اپنا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ سرہند میں گرو گوبند سنگھ جی کے چھوٹے بچے زندہ دیوار میں چنوا دیئے گئے۔خاکسار نے ان سے عرض کیا کہ صوبہ سرہند یا کسی اور فعل کا اسلام ذمہ دار نہیں ہے اگر کسی نے ایسا کیا ہے تو اچھا نہیں کیا اور نہ اسے اچھا کہا جا سکتا ہے۔

اس پر اس نے کہا کہ میرا جواب آ گیا۔ میں نے کہا۔ میرا سوال رہ گیا ہے۔خاکسار نے ان سے یہ سوال کیا کہ سردار صاحب آپ یہ بتائیں کہ سکھ مذہب کی رو سے بچوں کو مارنا اور ایسے بچوں کو مارنا جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے بلکہ اپنی ماؤں کے شکموں میں ہی ہوں جائز ہے یا ناجائز؟ انہوں نے فوراً کہا کہ سراسر ناجائز ہے اور جو اس فعل کا مرتکب ہے اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے۔اس پر گیانی گیان سنگھ جی کا پنتھ پرکاش اٹھایا اور اس میں سے پڑھ کر سنایا کہ جب بندہ بیراگی سرہند میں داخل ہوا تو اس کے بارے میں یہ مرقوم ہے:

بال بردھ تہہ تیرں تجائے پھڑ پھڑ بندے قتل کرائے
تر کنیاں کے پیٹوں بچے تہہ کڈھوائے تھے سب کچے

میں نے یہ شعر پڑھنے کے بعد ان سے کہا کہ سردار صاحب اب فرمایئے کیا ارشاد ہے۔سردار صاحب بہت گھبرائے اور انہوں نے ہزاروں کے مجمع میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگی۔ان کا معافی مانگنا تھا کہ شر پسندان پر ٹوٹ پڑے اور مار مار کر ان کا کچومر نکال دیا اور سارا جلسہ درہم برہم ہو گیا۔

صبح جب خاکسار بازار میں گیا تو تمام مسلمان خوش تھے۔جس دوکان پر ہم نے چائے پی وہاں مسلمان تپاک سے ملتے اور کہتے کہ آپ نے اسلام کی لاج رکھ لی۔ میں نے ان کو یہی جواب دیا کہ ہم تمہاری نظر میں کافر جو ٹھہرے۔

کرشن اوّل اور کرشن ثانی

خاکسار ایک مرتبہ اپنے تبلیغی سفروں کے دوران میں ایک مرتبہ مراد آباد گیا وہاں محلہ لال کنواں میں اپنے ایک احمدی دوست کے ہاں مقیم ہوا۔ ایک ہندو پنڈت صاحب وہاں صاحب خانہ کے بچوں کو پڑھانے آیا کرتے تھے۔ ایک دن انہیں جب یہ معلوم ہوا کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کرشن ثانی مانتے ہیں تو وہ بڑی حقارت سے بولا کہ ہم لوگ زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمان کی باتیں بتا دیتے ہیں، سال بھر پہلے سورج گرہن اور چاند گرہن کا اعلان کر دیتے ہیں اور ہمارے بتائے ہوئے وقت پر ہی گرہن لگا کرتے ہیں اس لئے اگر کرشن کا ظہور ہوا ہے تو ہم کو اس کا علم نہ ہو یہ ناممکن ہے۔

خاکسار نے نہایت ادب سے ان سے ذکر کیا۔ پنڈت جی یہ حساب کی باتیں ہیں ان کا روحانی علوم اور روحانی باتوں سے کوئی تعلق نہیں۔ روحانی باتیں تو روح کی پاکیزگی اور خشیۃ اللہ سے تعلق رکھتی ہیں۔ آپ لوگوں نے کرشن اول کی جو اخلاقی اور روحانی تصویر ہمارے سامنے پیش کی ہے اس سے یہ تو واضح ہوتا ہے کہ جس کرشن کو آپ مانتے ہیں اس کے متعلق بھی آپ بہت بڑی غلطی میں مبتلا ہیں۔ جس کرشن ثانی پر آپ کا ایمان ہی نہیں اس کے بارہ میں آپ کو کیا علم ہوسکتا ہے۔ خاکسار اپنے ان سفروں میں کرشن جی کی مختلف تصاویر جو خود ہندوؤں نے شائع کی ہوئی ہیں ساتھ رکھا کرتا تھا۔ چنانچہ میں نے دو تین تصاویر جن میں سے ایک تصویر عورتوں کے ساتھ جو دریا میں نہا رہی تھیں ان کے سامنے پیش کر دی۔ اس میں کرشن جی کا ان کے کپڑے اٹھا کر درخت پر چڑھ جانا اور وہاں بانسری بجانا دکھایا گیا تھا۔ میں نے یہ تصویر ان کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا۔ یہ ہیں وہ کرشن اول جن پر آپ کا ایمان ہے۔ کیا کوئی بااخلاق آدمی ایسا پسند کرے گا کہ وہ اس طرح ننگی عورتوں کے کپڑے اٹھا کر لے جائے اور درخت پر چڑھ کر انہیں پریشان کرے۔ اس پر وہ جھنجھلا کہنے لگا کہ تصویریں غلط ہیں میں انہیں درست نہیں جانتا۔ میں نے ہنس کر کہا کہ پنڈت جی! اگر میں اس تصویر میں بیان کردہ مضمون آپ پر واضح کر دوں تو آپ کو اسے تسلیم کرنے میں تامل نہیں ہونا چاہیے کہ آپ کرشن اوّل کو بھی نہیں سمجھ سکے اس صورت میں آپ کرشن ثانی کی شناخت کیونکر کر سکتے ہیں۔

میں نے ان سے عرض کیا کہ دنیا کے اکثر مذاہب نے دنیا دار لوگوں کو عورت کے نام سے موسوم کیا ہے اور ہمارے ہاں تو صوفیاء کرام کا یہ مشہور مقولہ ہے طَالِبُ الدُّنْيَا مُؤَنَّثٌ دنیا کا طالب عورت ہے تو یہ عورتیں جو تصویر میں دکھائی گئی ہیں دراصل دنیا دار لوگ ہیں اور انہیں دریا میں ڈوبتے ہوئے دکھایا گیا ہے

اور آپ کے ہاں تو دنیا کا نام ہی بھوسا گر ہے یعنی ڈراؤنا دریا۔ تو اس تصویر کا مضمون یہ ہوا کہ جب سری کرشن جی تشریف لائے تو دنیا کے لوگ دنیا میں غرق تھے اور خدا تعالیٰ کو انہوں نے سرے سے بھلا دیا تھا اور انہیں ننگا اس لئے دکھایا گیا ہے کہ انہوں نے تقویٰ کا لباس اتار دیا تھا اور وہ ننگے ہو گئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ کرشن ثانی کا بھی یہی کام ہے۔ مولوی سب ننگے ہو گئے اور اس تصویر میں سری کرشن جی کو درخت پر دکھایا گیا ہے وہ درخت اصل میں کلمہ طیبہ ہے جسے ہمارے قرآن شریف میں بھی درخت سے تشبیہہ دی گئی ہے خود گیتا میں بھی گیان کو درخت سے مشابہت دی ہے اور کرشن جی کے پاس کپڑے بھی دکھائے گئے ہیں اور کپڑے اصل تقویٰ کا لباس ہے اور کرشن جی کے پاس نبوت اور رسالت کی بانسری تھی اور وہ لوگوں سے یہی کہتے تھے کہ اب اگر تم تقویٰ کا لباس پہن کر اپنا ننگ ڈھانکنا چاہتے ہو اور خدا رسیدہ بننا چاہتے ہو تو میرے پیچھے آؤ میں تمہیں نجات کا صحیح راستہ بتاؤں گا۔ میں نے پنڈت جی سے کہا کہ کرشن ثانی نے بھی یہی کہا ہے ؎

صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

جب خاکسار نے یہ بیان کیا تو پنڈت جی پر سکوت طاری ہو گیا۔ میں نے آخر میں انہیں کہا کہ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ کرشن اول کو آپ نے صحیح سمجھا یا کرشن ثانی نے عین صحیح سمجھایا۔

محترم مولانا دوست محمد صاحب شاہد
مؤرخ احمدیت

قرآن مجید کی موجودگی میں وحی والہام اور نبی کی ضرورت

ایک بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ’’مسجد فضل‘‘ اسلام آباد کی بالائی منزل میں قیام فرما تھے اور خاکسار نیچے کمرہ میں۔ پرویزی مسلک کے ایک نوجوان پیغام لائے کہ آپ کے مرزا صاحب نے مجھے آپ کے پاس بغرض گفتگو بھیجا ہے۔ میرا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد مجدد، ولی، امام، نبی اور وحی والہام بلکہ سچی خواب کا دعویٰ ختم نبوت کے منافی ہے۔ اب ہمارے لئے قیامت تک قرآن کافی ہے۔ (یاد رہے کہ یہی نظریہ ملک محمد جعفر خاں وزیر مملکت مذہبی امور کا تھا اور اسی کے مطابق انہوں نے ۷ ستمبر کی قرارداد کا مسودہ لکھا۔ شاہدؔ) میں نے ان کا پُرتپاک استقبال کیا اور عرض کیا کہ اس میں کسی مسلمان کو کلام نہیں کہ قرآن مجید مکمل دستور ہے مگر قیامت کا عالم یہ ہے کہ مسلم دنیا کے تمام ۷۲ فرقے اسی کامل قانون کے الگ الگ اور متضاد معنی کرتے ہیں۔ بالفاظ دیگر ایک قرآن کی ۷۲ تفسیریں ہیں۔ قرآن میں یہ بھی پیشگوئی ہے کہ دینِ کامل کو ساری دنیا پر غلبہ نصیب ہوگا۔ مگر سوال یہ ہے کہ دستورِ قرآنی کی ۷۲ تفسیروں میں سے کس کو مستند (Authority) قرار دیں تا اس پر خود عمل کریں اور غیر مسلموں کو بھی دعوتِ قرآن دیں۔ علماء خواہ لاکھوں ہوں وہ صرف اپنے فرقہ کے وکیل ہیں اور فیصلہ وکیل نہیں کر سکتے، حکومت کا مقرر کردہ جج ہی کر سکتا ہے۔

اس دستوری نکتہ کو پیش کرنے کے بعد میں نے ان سے دریافت کیا کہ قرآن عظیم نے عاد، ارم، اصحاب الاخدود، اصحاب الحجر، تُبّع اور قوم فراعنہ مصر کا ذکر کیا ہے جن میں بعض کی آبادی متحدہ پاکستان سے بھی کم تھی۔ اگر آپ واقعی قرآن مجید کو کامل سمجھتے ہیں تو بتائیے کیا آج پوری امت مسلمہ (جو کروڑوں پر محیط ہے) کی اس عالمی مصیبت اور اس کے علاج کا ذکر بھی اس میں لکھا ہے۔ میرے اس سوال پر وہ سخت پریشان ہو کر فرمانے لگے کہ میں نے کبھی اس پہلو سے قرآن پڑھا ہی نہیں، آپ بتائیے۔ اس پر میں نے کہا جماعت احمدیہ کا یقین ہے کہ بلاشبہ کتاب اللہ مکمل شریعت ہے جس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے عہد حاضر کے

مسلمانوں کی کیفیت کا نقشہ ہی نہیں کھینچا، اس کا علاج بھی بتا دیا ہے۔ چنانچہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۸۰ میں صاف پیشگوئی موجود ہے کہ ایک وقت امت پر ایسا آئے گا جبکہ خبیث اور طیب یعنی قرآن کے غلط اور صحیح معانی آپس میں مخلوط ہو جائیں گے مگر خدا تعالیٰ جس نے اس آفاقی قانون کو اتارا ہے، اس صورتِ حال پر معاذ اللہ خاموش تماشائی نہیں بنا رہے گا۔ نہ وہ ہر مسلمان کو اصل معنی سے باخبر فرمائے گا بلکہ جسے وہ چاہے گا اسے رسول کے طور پر چن لے گا۔ اس وقت تمہارا فرض ہوگا کہ دستور قرآنی کی اس تشریح کو قبول کرو جو اس آسمانی جج کی طرف سے کی جائے اور گو اس میں مشکلات بے انداز ہوں گی لیکن اگر ایمان لاؤ گے اور تقویٰ پر بھی قدم مارو گے تو تمہیں اجر عظیم سے نوازا جائے گا۔ یہ قرآنی فیصلہ انہوں نے گہری دلچسپی سے سنا اور اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کا وعدہ کر کے رخصت ہو گئے۔

اسلامی نظام کا نفاذ

ایک بار مجھے جناب مولانا مبارک احمد صاحب نذیر مجاہد افریقہ (حال مشنری انچارج کینیڈا) کے ساتھ بذریعہ بس اسلام آباد جانے کا قیمتی موقع میسر آیا۔ میرے ساتھ جماعت اسلامی کے ایک پُرجوش رکن بیٹھے تھے جو نظام اسلامی کے نفاذ میں اپنی پارٹی کی مساعی کا تذکرہ فرما رہے تھے۔ میں نے نہایت ادب سے ان کی توجہ اس حقیقت کی طرف منعطف کرنے کی کوشش کی کہ نظامِ اسلامی تو اللہ جلّشانہ نے چودہ سوسال قبل قرآن مجید کی صورت میں قیامت تک کے لیے نافذ فرما دیا ہے۔ اب ضرورت صرف یہ ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اور جو لوگ اپنے چھ فٹ کے جسم پر قرآن کی حکومت قائم نہیں کر سکتے ان کا دنیا بھر میں نظام اسلامی کے قیام کا پراپیگنڈا کرنا نہ صرف سیاسی ہتھکنڈا ہے بلکہ خدا، قرآن اور رسول کی گستاخی بھی ہے۔ خصوصاً جبکہ بانی جماعت اسلامی مودودی صاحب نے ''تنقیحات'' میں صاف اقرار کیا ہے کہ علماء کی نظام اسلامی کا نقشہ دریافت کرنے کی تمام تر کوششیں عبث اور بے کار ہو گئی ہیں کیونکہ ''زمانہ بالکل بدل چکا تھا اور علم و عمل کی دنیا میں ایسا عظیم تغیر واقع ہو چکا تھا جس کو خدا کی نظر تو دیکھ سکتی تھی مگر کسی غیر نبی انسان کی نظر میں طاقت نہ تھی کہ قرنوں اور صدیوں کے پردے اٹھا کر اُن تک پہنچ سکتی۔''

(''تنقیحات'' صفحہ ۲۷ ناشر مکتبہ جماعت اسلامی پٹھان کوٹ)

مودودی صاحب واضح طور پر اعتراف کرتے ہیں کہ غیر نبی کی نظر آج اسلام کے صحیح خدوخال سے ہی

آشنا نہیں ہوسکتی کجا یہ کہ اس کے عملی قیام کا ادعا کر سکے۔

مگر یہ حضرت آخر سفر تک یہی رٹ لگاتے رہے کہ عہد حاضر کے دوسرے دساتیر عالم کی طرح جب تک قرآن کے فوجداری، دیوانی اور مالی احکام کو آرٹیکل (Article) اور کلاز (Clause) میں نہ ڈھالا جائے، اسلام کا عملی نفاذ ہر گز ممکن نہیں۔

تکمیل دین اور اتمام نعمت کی تشریح

زیارت ربوہ کے لیے آنے والے وفد مین شامل ایک سنجیدہ نوجوان نے دریافت کیا کہ جب دین کامل ہوگیا تو اب کسی نبی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں نے اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ (المائدہ:۴) کی مکمل آیت پڑھی اور بتایا کہ یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ اس نے چودہ سو سال قبل کمال دین کی خوشخبری دیتے ہوئے ساتھ ہی یہ خبر بھی دے دی تھی کہ ہم نے امت پر ''اتمام نعمت'' بھی فرما دی ہے جس کے معنیٰ سورہ یوسف کی ابتدائی آیات کے مطابق فیضانِ نبوت کے عطا کیے جانے کے ہیں۔ چنانچہ ان آیات میں ہے کہ ہم نے حضرت یوسف، آل یعقوب اور ابراہیم و اسحاق پر بھی اتمام نعمت فرمائی۔ یعنی اُن کو نعمت نبوت سے سرفراز فرمایا۔ انہیں از حد حیرت ہوئی کہ واقعی یہ الفاظ کلام اللہ میں موجود ہیں۔ چنانچہ المائدہ اور سورہ یوسف کی معین آیات ملاحظہ کر کے وہ مطمئن ہوگئے۔ دوران گفتگو ان کی خدمت میں یہ نکتہ بھی پیش کرنے کی توفیق ملی کہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ کتابیں چار نازل ہوئیں اور نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار آئے۔ دوسرے الفاظ میں مذہب کی ۵ ہزار سالہ تاریخ میں صرف چار شرعی نبی مبعوث ہوئے اور باقی سب کا مشن پہلی شریعت ہی کا احیا اور از سرنو قیام تھا۔ اس اعتبار سے بھی اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ کے فقط یہی معنی متعین ہوتے ہیں کہ قرآن شریف قیامت تک کے لیے مکمل کتاب ہے۔ اب کوئی شخص کسی نئی شریعت کا حامل نہیں ہوسکتا اور اس عقیدہ پر احمدیوں کا مکمل ایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بابیت و بہائیت کے خلاف شروع سے لسانی و قلمی جہاد کر رہے ہیں۔ دوسری طرف مخالف احمدیت علماء جو ''ختم نبوت'' کے محافظ بنے پھرتے ہیں ان دجالی تحریکوں کے پشت پناہ بنے ہوئے ہیں جس سے آنحضرتؐ کی پر انوار ذاتِ اقدس سے ان کی پوشیدہ عداوت اور دشمنی کا صاف پتہ چل جاتا ہے۔ یہ گروہ قرآنی روح سے بیگانہ محض طبقہ رسول اور نبی میں امتیاز کرتا ہے۔ اس کے عقیدہ کے مطابق رسول نئی شریعت لاتا ہے جبکہ نبی کے لئے یہ

ضروری نہیں۔قرآن سے باغی بہائی فرقہ کی بنیاد بالکل یہی ہے اور اُن کا استدلال یہ ہے کہ قرآن نے آنحضرتؐ کو ’’خاتم النبیین‘‘ کا خطاب دیا ہے خاتم الرسل کا نہیں۔ثابت ہوا نئی شریعت آسکتی ہے اور یہی دعویٰ باب اور بہاء اللہ کا تھا۔فرمائیے مکفر علماء پر کیوں سکوتِ مرگ طاری ہے اور وہ کیوں اس کا جواب نہیں دیتے۔

احمدی چونکہ عاشق قرآن ہیں اس لیے وہ ایک سیکنڈ کے لیے بھی اس شرمناک عقیدہ کو گوارا نہیں کر سکتے۔قرآن مجید نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بیک وقت رسول و نبی دونوں القاب سے یاد فرمایا ہے۔(سورہ مریم: ۵۵)اور یہ حقیقت ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ابراہیمی شریعت کے تابع تھے۔ ہرگز کوئی نئی شریعت لے کر نہیں آئے تھے۔

دراصل رسول و نبی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔اس پہلو سے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق خدا کی رہنمائی کے لیے اس کو مامور کیا جاتا ہے وہ رسول کہلاتا ہے اور کثرتِ مکالمہ مخاطبہ سے مشرف ہونے کے باعث اُس کا نام نبی رکھا جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے یا بشر؟

۱۹۶۳ء میں راقم الحروف ’’تاریخ احمدیت‘‘ عہد خلافت اولیٰ کی معلومات کی تلاش میں بذریعہ ریل بھیرہ گیا۔میرے کمرہ میں بریلوی اور دیوبندی علماء میں آنحضرت ﷺ کے نور اور بشر ہونے کی بحث چھڑ گئی۔قریب تھا کہ نوبت ہاتھا پائی تک پہنچتی، ایک نوجوان نے میری طرف مخاطب ہوکر کہا یہ صاحب بھی عالم دین معلوم ہوتے ہیں ان کی رائے بھی معلوم کر لی جائے۔اس معقول تجویز پر یکایک فضا بدل گئی اور تمام لوگ میری طرف متوجہ ہو گئے۔میں نے اپنا نقطہ نگاہ یہ پیش کیا کہ ہمارے آقا محمد مصطفی خاتم الانبیا ﷺ نوری بشر تھے اس لیے کہ نور تو جبریل بھی تھے مگر معراجِ رسالت میں نورِ محمدیؐ نورِ جبرائیل سے آگے بڑھ کر عرشِ عظیم تک پہنچ گیا۔وجہ یہ کہ نورِ محمدی نورِ بشریت کے جلوہ سے بھی منور تھا۔میں نے دونوں مکتبہ فکر کے علماء کرام سے دردمندانہ اپیل کی کہ قرآن مجید نے آنحضرتؐ کو صرف نور نہیں سراج منیر قرار دیا ہے یعنی نور پھیلانے والا سورج۔چنانچہ آنحضور کی قوت قدسیہ نے تمام صحابہؓ، خلفاؓ اور اولیائے امت کو نور بنا دیا۔اسی طرح سرکار مدینہ کو ’’یٰسٓ‘‘ کا لقب بھی عطا ہوا ہے جس کے معنی سید البشر کے ہیں۔پس میں درخواست کروں گا بریلوی حضرات آنحضرت ﷺ کو ’’سراج منیر‘‘ سے

موسوم کیا کریں اور اہل حدیث اور دیوبندی بزرگ ''یٰسٓ'' (یعنی سید البشر) کے خطاب سے یاد فرمائیں۔اس طرح امت مرحومہ انتشار سے بچ جائے گی اور سب غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں سرگرم عمل ہوجائیں گے۔میرے خیالات کا سبھی پر گہرا اثر ہوا۔ بعدازاں میں نے بتایا کہ یہ عاجز جماعت احمدیہ سے وابستہ ہے۔اس وقت میں نے ان کی آنکھوں سے اندازہ لگایا کہ اُن کے دل میرے لئے جذبات تشکر سے لبریز ہیں۔فالحمدللہ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام خاتم النبیین کے معنی

سیدنا محمود حضرت مصلح موعود کے عہد مبارک کے آخری دور کا واقعہ ہے جبکہ حضرت سیدی مرزا ناصر احمد صاحب نے مجھے جلسہ سالانہ کے لیے پرالی فراہم کرنے کی غرض سے تحصیل حافظ آباد بھجوایا۔ میں شام کو حافظ آباد سے بذریعہ ٹانگا کولوتارڑ پہنچا۔ جہاں قصبہ کے رئیس اعظم چوہدری محمد فیروز صاحب تارڑ جماعت کے پریذیڈنٹ تھے۔اگرچہ آپ اس وقت بستی میں نہ تھے مگر ان کی حویلی میں اُن کے بعض عزیز مجلس لگائے بیٹھے تھے۔وہیں ایک اہل حدیث عالم جناب مولوی عبدالقادر صاحب بھی موجود تھے۔ جونہی میں نے سلام کیا انہوں نے فرمایا معلوم ہوتا ہے آپ ربوہ سے آرہے ہیں۔آپ لوگ بہت اچھے ہیں۔اے کاش آپ کا ختم نبوت پر بھی ایمان ہوتا۔میں نے بے ساختہ جواب دیا آج پوری دنیا میں صرف احمدی ہی ختم نبوت کے قائل ہیں جس کا ایک فیصلہ کن ثبوت یہ ہے کہ دیوبندی عالم دین شبیر احمد عثمانی صاحب نے اپنے رسالہ ''الشہاب'' میں اگرچہ ہمیں کافر اور واجب القتل تک لکھا ہے مگر آیت خاتم النبیین کی یہ تفسیر کرنے پر وہ بھی مجبور ہیں کہ:

''جس طرح روشنی کے تمام مراتب عالم اسباب میں آفتاب پر ختم ہوجاتے ہیں اسی طرح نبوت و رسالت کے تمام مراتب وکمالات کا سلسلہ بھی روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے۔ بدیں لحاظ کہہ سکتے ہیں کہ آپ رُتبی اور زمانی ہر حیثیت سے خاتم النبیین ہیں اور جن کو نبوت ملی ہے آپ ہی کی مہر لگ کر ملی ہے۔ (ترجمہ قرآن مجید حاشیہ بر خاتم النبیین)

میری زبان سے یہ الفاظ سنتے ہی جناب ''مولانا'' صاحب سخت مشتعل ہوگئے اور تحدی کے ساتھ کہا کہ یہ بالکل غلط ہے۔میرے پاس علامہ عثمانی کا ترجمہ موجود ہے جس میں ہرگز یہ تشریح موجود نہیں۔ یہ کہہ کر وہ تیزی سے بھاگتے ہوئے گھر گئے اور ترجمہ لے آئے اور چیلنج کیا کہ یہ عبارت اس میں سے نکال کر دکھاؤ ورنہ

افترا پردازی کا اقرار کرو۔ مجھے معلوم تھا کہ یہ تشریح آیت خاتم النبیین کے ترجمہ کے دوسرے صفحہ پر ہے میں نے اطمینان سے آیت کے ترجمہ کا صفحہ الٹ کر دوسرے صفحہ پر موجود یہ پوری عبارت اُن کے سامنے رکھ دی۔ مولوی صاحب یہ دیکھ کر ہکا بکا رہ گئے اور ساتھ ہی مجلس میں موجود احمدیوں میں خوشی کی زبردست لہر دوڑ گئی۔ میں نے پُرزور الفاظ میں کہا کہ اس تفسیر سے صاف ثابت ہوا کہ ''خاتم'' کے معنے مہر کے اور خاتم النبیین کے معنی نبی بنانے والی مہر کے ہیں جس نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو اپنی مہر سے نبوت بخشی۔ عہد حاضر کے تمام مکفر علماء فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مہر اب نبی نہیں بنا سکتی۔ لیکن احمدی ڈنکے کی چوٹ پر ایک صدی سے اعلان عام کر رہے ہیں کہ مہرِ محمدی ازلی اور ابدی ہے اور آج بھی نبی بنا سکتی ہے۔ لہٰذا صرف اور صرف احمدی ہی ختم نبوت کے قائل ہیں اور انہی ہاتھوں ہی میں اللہ جلشانہ نے ختم نبوت کا پرچم تھمایا ہے۔ یہ سنتے ہی مولوی عبدالقادر صاحب نے بھی خدا ترسی کا ثبوت دیتے ہوئے بھری مجلس میں اقرار کیا کہ بلاشبہ تمام مسلمانوں میں احمدی ہی خاتم النبیین کو صحیح معنوں میں تسلیم کرتے ہیں۔

۷۴ء میں اسمبلی کا فیصلہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مرتدین کا عقیدہ

۷ ؍ستمبر کے بدنامِ زمانہ فیصلہ کے چند ماہ بعد جدہ سے ایک عرب بزرگ سیالکوٹ کے ایک احمدی دوست کے ہمراہ دفتر شعبہ تاریخ تشریف لائے۔ فرمانے لگے مختصر وقت میں مجھے صرف یہ معلوم کرنا ہے کہ اسمبلی نے آپ لوگوں کے متعلق کیا فیصلہ کیا ہے؟ میں نے از خود جواب دینے کی بجائے سعودی عرب کے مسلّمہ مجدد حضرت محمد بن عبدالوہاب (المتوفی ۱۲۰۶ھ مطابق ۱۷۹۲ء) کی ''مختصر سیرت الرسول'' مطبوعہ بیروت کا صفحہ ۱۷۲۔۱۷۳ ان کے سامنے رکھا جس میں لکھا تھا کہ امیر المومنین ابوبکر صدیق اور تمام امتِ مسلمہ جن مرتدوں کے خلاف سر بکف ہوئی اُن کا عقیدہ تھا ''انقضت النبوۃ فلا نطیع احدًا بعدہٗ'' یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا غیر مشروط اور قطعی طور پر خاتمہ ہو گیا ہے۔ اس لیے آپ کے بعد ہم کسی اور کی اطاعت ہرگز نہیں کریں گے اور بالکل نہیں کریں گے۔

میں نے دیارِ حرم کے اس معزز مہمان سے پوچھا کہ عہد صدیقی کے ان مرتدوں اور اسمبلی کی موجودہ قرارداد میں آپ کیا فرق محسوس کرتے ہیں۔ وہ پکار اٹھے ''واللّٰہ لافرق بینھما اِلّا ان عقیدۃ المرتدین طبعت فی اللسان العربیہ ونص البارلیمان فی الاردیہ'' یعنی خدا کی قسم دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ مرتدوں کا عقیدہ عربی زبان میں ہے اور پاکستان پارلیمنٹ کی قرارداد اردو میں ہے۔

اس کے بعد میں نے کتاب کے صفحات ۱۲، ۱۳، ۱۹۶، ۱۹۷ بھی انہیں دکھائے جن میں حضرت علامہ محمد بن عبد الوہابؒ نے لکھا ہے کہ آج اصل اور بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ فیصلۂ رسول کے مطابق تہتر فرقوں میں سے صرف ایک کو ناجی کہا جائے۔ جو شخص اس کی معرفت رکھتا ہے وہی فقیہ ہے اور جو اس پر عمل پیرا ہے وہی مسلمان ہے۔ نیز یہ کہ صحابی رسول حضرت جارود بن معلیٰ نے آنحضرتؐ کے وصال پر مرتد ہونے والے قبیلہ عبد القیس میں یہ باطل شکن بیان دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اسی طرح وفات پا گئے جس طرح حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام۔ یہ سنتے ہی پورا قبیلہ از سرِ نو حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔

جنوبی ہند کے شہر تامل ناڈو میں مناظرہ

اواخر ۱۹۹۴ء میں جنوبی ہند کے شہر کوئمبٹور (تامل ناڈو) میں تین اختلافی مباحث پر نہایت پُرامن مباحثہ ہوا۔ امام عالی مقام سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حافظ مظفر احمد صاحب اور خاکسار کو احمدی مناظرین کی معاونت کے لیے بذریعہ ہوائی جہاز بھجوایا۔ ختم نبوت کے موضوع پر اہل حدیث مناظر مولوی زین العابدین صاحب (نمائندہ جمعیۃ اہل القرآن والحدیث) نے پورے زور سے یہ نظریہ بار بار پیش کیا کہ قرآن مجید کی رو سے ہر رسول کی امت ہے **لکل امة رسول** (یونس) لہٰذا اگر مرزا صاحب نبی ہیں تو اُن کی امت مسلمانوں سے بالکل الگ اور نئی امت ہے۔ دوران مباحثہ اللہ جلّشانہ نے حضرت امام ہمام خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی زبردست روحانی توجہ کی برکت سے میری توجہ اس طرف منعطف کرائی کہ حدیث نبوی کے انڈیکس سے معلوم کیا جائے کہ نبی کتنے ہوئے اور امتیں کس قدر گزریں۔ خدا کی اعجازی نصرت دیکھئے چند منٹوں کی ورق گردانی سے مسند احمد بن حنبل جلد ۵ ہی سے اسی مضمون کی دو حدیثیں مل گئیں جن میں فرمان نبوی درج تھا۔ امت مسلمہ سے قبل انہتر امتیں ہوئیں اور نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار تھیں۔ بوقت شب حسب دستور مناظر جماعت مولانا محمد عمر صاحب فاضل مبلغ کیرالہ (حال نائب ناظر اعلیٰ قادیان)، جناب حافظ مظفر احمد صاحب اور یہ عاجز بغرض مشورہ بیٹھے تو میں نے مولانا محمد عمر صاحب سے عرض کیا کہ کل ’’ختم نبوت‘‘ پر بحث کا آخری دن ہے۔ آپ آخری تقریر میں پورے جلال وتمکنت کے ساتھ سامعین کو بتائیں کہ ہم نے تو قرآنی دلائل سے فیضان کا جاری ہونا ثابت کر دیا ہے مگر افسوس جناب مولانا زین العابدین صاحب قرآن مجید کے فیصلہ کو تسلیم کرنے کی بجائے ہم سے نہیں سید المرسلین خاتم المرسلین کے خلاف جنگ کرتے رہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے کہ امتیں صرف ۶۹ آئیں مگر نبی

ایک لاکھ چوبیس ہزار کی تعداد میں مبعوث ہوئے۔مگر ہر عاشق رسول کا دل یہ دیکھ کر پاش پاش ہوجاتا ہے کہ فاضل مناظر نے دربارِ خاتم النبیین کا فیصلہ نہایت بے دردی سے چاک چاک کرڈالا اور سارا وقت اپنا خودساختہ نظریہ اورڈھکونسلا پیش کرنے میں ضائع کردیا۔

چنانچہ اگلے روز مکرم مولانا محمد عمر صاحب فاضل نے جونہی اپنی تقریر میں یہ اثر انگیز اور انقلابی نکتہ پیش فرمایا، مولوی زین العابدین صاحب اور اُن کے مددگار علماء (جو شروع دن سے ہمیں مرعوب کرنے کے لیے سینکڑوں کتابیں میزوں پر سجائے اور بازار لگائے بیٹھے تھے) یکا یک کھڑے ہوگئے اور احمدی مناظر سے اصل احادیث دکھلانے کا مطالبہ کیا جو بفضلہٖ تعالیٰ اسی وقت پورا کردیا گیا مگر روایت دیکھنے کے باوجود ان حضرات نے اپنا ہنگامہ جاری رکھا اور دہشت زدہ ہوکر یہ دعویٰ کیا کہ علم اسماء الرجال کے مطابق ان حدیثوں کا فلاں راوی ضعیف ہے۔مکرم حافظ مظفر احمد صاحب نے فوراً بآواز بلند یہ پرشوکت جواب دیا کہ آپ حضرات جس راوی پر جرح وتنقید فرمارہے ہیں وہ ان احادیث کی اسناد میں سرے سے موجود ہی نہیں۔ یہ سن کر فریق ثانی کے علمائے کرام پر تو گویا ایک بجلی سی گر پڑی اور وہ آپس میں ہی الجھ پڑے اور اپنے نمائندہ مناظر پر خفگی کا اظہار کیا۔ یہاں تک کہہ ڈالا کہ ایسے بے بنیاد سوال کرنے کی بھلا ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ تاریخی دن ہمارے لیے یوم الفرقان سے کم نہ تھا جسے ویڈیو کیمرہ کی آنکھ نے بھی ہمیشہ کے لیے محفوظ کردیا۔

کسی اُمتی نبی کو مرتبہ صدیقیت کیسے مل سکے گا

اگرچہ سورہ نساء میں اطاعت رسول عربی کی برکت سے نبی، صدیق، شہید اور صالح کے درجات کی خوشخبری دی گئی ہے۔ایک عالم دین نے بوقت ملاقات یہ عجیب بات کی کہ ان چار درجات میں سے نبی کا ذکر میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔آپ صرف باقی درجوں کی نسبت کچھ روشنی ڈالیے۔ میں نے دریافت کیا کہ ’’صدیق‘‘ آسکتے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔اب میرا سوال یہ تھا کہ صدیق کی اصطلاحی تعریف بتلائیے۔اُن کی زبان سے بےساختہ نکلا جو خدا کے نبی کا پاک چہرہ دیکھتے ہی اول نمبر پر ایمان لے آئے، صدیق کہلاتا ہے۔میں نے اُن کی علمی معلومات کو سراہتے ہوئے کہا کہ آپ نے صدیق کی بالکل ٹھیک تعریف کی ہے اور حضرت حکیم الامت شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغۃ میں، حضرت علامہ سیوطی نے تفسیر درمنثور میں، حضرت خواجہ میر درد دہلوی نے ملفوظات میں، حضرت علامہ حلبی نے سیرت حلبیہ میں اور

چشتی بزرگ حضرت نظام الدین بدایونی نے ہشت بہشت میں بالکل یہی تعریف ''صدیق'' کی بیان فرمائی ہے۔اب میں آپ سے بصد ادب پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر فیضان کوثر نبوی کی بدولت بابِ نبوت بند ہے تو کسی امتی کو مرتبہ صدیقیت کیسے مل سکے گا۔ یہ بزرگ عالم آبدیدہ ہو کر فرمانے لگے کہ خدا شاہد ہے کہ اس طرف نہ کسی نے مجھے توجہ دلائی نہ خود مجھے ہی اس کا خیال آیا۔ یہاں میں یہ تصریح کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ خاکسار نے سب سے پہلے حضرت مسیح موعود کے ملفوظات میں یہ تعریف دیکھی تھی جس کی سحر آفرینی کا مشاہدہ اُس دن ہوا۔

کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد بھی نبی آ سکتا ہے

خدام الاحمدیہ مرکزیہ پاکستان کے اجتماع ۱۹۸۲ء پر حسب دستور مجلس سوال وجواب کا خصوصی پروگرام تھا جس میں حضرت سیدی مرزا طاہر احمد صاحب، حضرت ملک سیف الرحمن صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ اور پروفیسر نصیر احمد خاں صاحب بھی شریک محفل تھے۔ایک پرچی کے ذریعہ سوال کیا گیا کہ کیا حضرت مسیح موعود کے بعد بھی کوئی نبی آ سکتا ہے۔میں نے جواباً بتایا کہ اس سوال کا جواب حضرت خلیفہ ثالثؒ نے اسمبلی ۱۹۷۴ء میں یہ ارشاد فرمایا کہ حضرت شاہ اسماعیل شہید بالاکوٹ نے ''تقویۃ الایمان'' میں تحریر فرمایا ہے کہ خدا تو وہ شہنشاہ ہے جو ایک حرف کُنْ کے نتیجہ میں کروڑوں نبی ہی نہیں کروڑوں محمد بھی پیدا کر سکتا ہے۔خاکسار کا بھی یہی جواب ہے البتہ مزید مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ سوال کرنے والے صاحب اگر احمدی ہیں تو انہیں یقین رکھنا چاہیے کہ اگر خدا کی جناب میں مستقبل میں کسی مامور کا آنا مقدر ہے تو اُن کی صالح اولادیں اُس پر ضرور ایمان لے آئیں گے لیکن یہ سوال اگر کسی غیر از جماعت بزرگ کا ہے تو میں اُن سے باادب کہوں گا کہ جو امتی نبی خاتم النبیین کی غلامی میں برپا ہو چکا ہے پہلے اُس کو تو صدق دل سے قبول فرمائیں وگرنہ ایسا سوال ''ذہنی عیاشی'' کے سوا کچھ نہیں۔

بریلوی دوستوں سے بحث

''تاریخ احمدیت'' کی تیسری جلد کی نفیس کتابت جناب شاہ محمد صاحب خوشنویس (مقیم چھانگا مانگا ضلع لاہور) کی مرہون منت ہے۔خاکسار ۱۹۵۹ء کے آخر میں کتابت کا جائزہ لینے کے لیے اُن کے پاس گیا۔ آپ کی قیام گاہ کے قریب معزز بریلوی دوستوں کی مسجد تھی جہاں اگلے دن نماز فجر کے بعد ایک ''رضوی''

عالم نے ''وعظ شریف'' فرمایا کہ محبوب خدا آنحضرت ﷺ مع ازواج واولاد کے روضہ مبارک میں زندہ موجود ہیں۔ یہ سنتے ہی میرا جگر پارہ پارہ ہوگیا اور جونہی یہ ''خطاب'' ختم ہوا، میں مسجد کے اندر چلا گیا اور ان کی خدمت میں حاضر ہوکر نہایت ادب سے عرض کی کہ کیا آپ ہی نے ابھی روضہ مبارک میں آنحضورؐ کے مع ازواج کے زندہ ہونے کا ذکر کرکے اسے آنحضورؐ کا معجزہ قرار دیا ہے اور اسی سے آپ کی سب نبیوں پر فضیلت ثابت کی ہے۔ جواب دیا بالکل یہی میرا عقیدہ ہے اور اس پر ہم سب اہل سنت قائم ہیں۔ خاکسار نے سوال کیا کہ اگر خدانخواستہ آپ کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ جتنی جگہ میں مع خاندان کے زندہ دفن کردیا جائے اور اوپر ایک گنبد خضرا بھی بنادیا جائے تو آپ اسے خدا کا بہت بڑا انعام سمجھیں گے یا اسے سزا سے تعبیر کریں گے؟ علامہ یہ بات سنتے ہی اپنے حواریوں سمیت اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت تیزی سے مسجد سے باہر نکل گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے نظر سے اوجھل ہوگئے۔

خاتم النبیین کے لغوی معنی

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے زمانہ خلافت کے پہلے سال کا واقعہ ہے کہ اخویم محترم جناب شیخ محمد حنیف صاحب رحمہ اللہ امیر جماعت احمدیہ کوئٹہ کی درخواست پر حضور نے مجھے کوئٹہ بھجوایا جہاں خدا کے فضل وکرم سے کئی روز تک دعوتِ حق کا سلسلہ کامیابی سے جاری رہا۔ ایک ضیافت میں کوئٹہ کے ایک وکیل بھی تشریف لائے اور ''خاتم النبیین'' کا لغوی معنیٰ دریافت کیا۔ عاجز نے بتلایا کہ عربی زبان میں زیر اور زبر کے فرق سے مفہوم ہی بدل جاتے ہیں۔ مثلاً عالَم جہان کو کہتے ہیں مگر عالِم کا مطلب ہے علم رکھنے والا۔ اسی طرح اہل عرب کے یہاں ختم کرنے کے لیے خاتِم کا لفظ مستعمل ہے۔ اس کے برعکس وہ ہمیشہ خاتَم مہر کو کہتے ہیں۔ اور کالجوں اور مدرسوں کے سرٹیفکیٹوں پر خاتَم الکلیہ یا خاتَم المدرسہ ضرور لکھا ہوتا ہے۔ خود ہماری ہائی کورٹوں بلکہ سپریم کورٹ تک بعض اوقات اپنے فیصلہ کے بعد میں اس عبارت کا اضافہ کرتی ہیں۔ ''مہرِ عدالت سے جاری ہوا''

کبھی سیشن کورٹ، ہائی کورٹ یا سپریم کورٹ کے کسی فیصلہ میں آپ نے یہ الفاظ بھی پڑھے ہیں کہ:

''مہرِ عدالت سے بند ہوا''

جناب وکیل کہنے لگے بس میں سمجھ گیا کہ آنحضرت ﷺ نبیوں کی مہر ہیں۔ ایسی مہر جس سے فیضان

نبوت بند نہیں ہوتا بلکہ جاری ہوتا ہے۔ میں نے عرض کیا اب آنجناب بآسانی اس نتیجہ تک پہنچ سکتے ہیں کہ آج احمدی ہی ہیں جو خاتمیتِ محمدی پر دلی ایمان رکھتے ہیں۔

بیداد پور میں مناظرہ

قیام پاکستان کے بعد میرا پہلا اور آخری پبلک مناظرہ (DEBATE) 1951ء کے لگ بھگ بیداد پور (ضلع شیخو پورہ) میں ہوا جبکہ میری عمر قریباً چوبیس برس ہوگی۔ فریق ثانی کے مناظر حکیم محمد اسحق صاحب وزیرآبادی تھے جو ایک ماہنامہ غالباً ''اولی الامر'' کے ایڈیٹر بھی تھے۔ آپ ماشاء اللہ بہت لحیم وشحیم اور فربہ جسم کے تھے۔ ایک وسیع حویلی بغرض مباحثہ مختص کی گئی۔ گاؤں میں زیادہ تعداد سنی مسلمانوں کی تھی۔ استاذی المحترم خالدِ احمدیت حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب نے میرے استفسار پر ایک دفعہ بتایا تھا کہ میں نے ہر مناظرہ سے پہلے حضرت مسیح پاک کا یہ دعائیہ شعر سجدہ میں نہایت تضرع اور گریہ وزاری سے پڑھا ہے ؎

میرے سقم و عیب سے اب کیجئے قطع نظر
تا نہ ہو خوش دشمنِ دیں جس پہ ہے لعنت کی مار

میں نے بھی نماز ظہر وعصر کے دوران سجدہ گاہ کو اس رقّت بھری دعا کے ساتھ تر کر دیا اور بارگاہ خداوندی میں عاجزانہ التجا کی کہ تیرا وعدہ ہے کہ میں مسیح موعود کی نصرت کا ارادہ کرنے والوں کی بھی نصرت کروں گا۔ میں پہلی بار میدان میں قدم رکھ رہا ہوں۔ میں کم عمر اور بے علم اور ناتجربہ کار ہوں۔ اپنے پاک وعدہ کے مطابق مصلح موعود کے اس نالائق خادم کی تائید فرما۔ یہی دعا کرتے ہوئے میں چند احمدی بزرگوں کے جَلو میں احاطہ میں داخل ہوا اور مقررہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ حویلی سامعین سے بھری ہوئی تھی اور احمدی معدودے چند تھے۔ حکیم محمد اسحاق صاحب کی نظر جونہی مجھ پر پڑی انہوں نے میرا قد اور کمزور جُثہ دیکھتے ہی خوب مذاق اڑایا اور فرمایا قادیانیو! کسی آدمی کو میرے مقابل پر لانا تھا۔ میں نے تو آپ کے چوٹی کے علماء کو میدانِ بحث میں لتاڑا اور پچھاڑا ہے اور شکست فاش دی ہے۔ یہ سن کر مجھے اپنے اندر ایک غیبی جوش اور طاقت محسوس ہوئی۔ میں فوراً کھڑا ہو گیا اور بلند آواز سے انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ مولانا ابھی تو مناظرہ شروع بھی نہیں ہوا۔ انشاء اللہ ابھی پتہ چل جائے گا کہ ''**اصحاب الفیل**'' کون ہیں اور ''**ابابیل**''

کون؟ یہ سن کر پوری مجلس میں سناٹا چھا گیا اوران مخلص احمدیوں کی بھی جان میں جان آ گئی جو مرکز کی طرف سے ایک نامی گرامی مناظر کے مقابلہ کے لئے ایک طالب علم بھجوانے پر میرے نارنگ اسٹیشن پہنچتے ہی برملا اپنی تشویش واضطراب کا اظہار فرما چکے تھے لیکن اس پہلی للکار نے انہیں اتنا ضرور محسوس کرا دیا کہ اس ''بچہ'' میں بھی کچھ دم خم اور روح موجود ہے۔

میں نے جناب حکیم صاحب سے استفسار کیا کہ جناب کس موضوع پر بحث فرمائیں گے۔ ''مسئلہ حیات و وفات مسیح پر'' انہوں نے کڑک کر جواب دیا۔ میں نے بھی پورے جذبے اور جوش وخروش سے کہا کہ مجھے حیرت ہے کہ آپ جیسے بلند بانگ دعاوی کرنے والے ''عالم دین'' اور ''مناظر بے بدل'' کو اتنا بھی علم نہیں کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ ہی نہیں ہے۔ چنانچہ میں نے ان سے دریافت کیا کہ کیا آپ کو کبھی آسمان پر تشریف لے جانے کا اتفاق ہوا ہے۔ مسکراتے ہوئے فرمانے لگے نہیں۔ میں نے بھی کہا کہ میں بھی نہیں جاسکتا (واضح ہو کہ یہ 1951ء کی بات ہے جبکہ ابھی روس کے پہلے خلانورد یوری گیگارین نے پرواز نہیں کی تھی اور نہ امریکن خلاباز چاند کی سطح پر اتر سکے تھے۔ یہ دونوں واقعات بالترتیب اپریل 1961ء اور 20 جولائی 1969ء کے ہیں)

اب آگے سنئے۔ اس ماحول میں عاجز نے تمام سامعین کو مخاطب کرتے ہوئے بتایا کہ آسمان پر جانے والے صرف ایک ہی وجود ہیں یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ شبِ معراج میں ہفت افلاک سے گذر کر عرشِ عظیم تک پہنچے اور تمام نبیوں کو نہ صرف شرفِ زیارت بخشا بلکہ ان کی امامت بھی کرائی۔ میں نے احمدی بزرگوں سے دریافت کیا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس غیبی شہادت پر آپ کامل ایمان رکھتے ہیں کہ سب نبی آسمانوں پر زندہ موجود ہیں۔ سبھی نے بیک زبان اقرار کیا کہ ہمیں مکمل یقین ہے کہ آنحضورؐ کی شہادت برحق ہے۔ میں نے حاضرین سے کہا کہ جماعت احمدیہ تو ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو آسمان پر زندہ یقین کرتی ہے جس میں حضرت عیسیٰؑ مسیح ناصری بھی شامل ہیں لہٰذا یہ ہرگز کوئی متنازعہ امر نہیں کہلا سکتا۔ اصل اختلافی مبحث یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کی رُو سے جملہ انبیاء اپنا جسم خاکی زمین میں چھوڑ کر آسمان تک پہنچے ہیں مگر جناب حکیم صاحب اوران کے ہمنواؤں کا ادعا یہ ہے کہ آسمانوں پر باقی نبیوں کی تو واقعی روحیں تھیں مگر حضرت مسیحؑ کا جسدِ عنصری بھی تھا۔ اب اس کا فیصلہ دربار مصطفیٰ سے ہی ہوسکتا ہے کیونکہ حضرت شہ لولاکؐ ہی عینی شاہد ہیں اور آنحضورؐ ہی آسمان پر تشریف لے گئے لہٰذا میں حکیم صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ کسی مسلک کی مطبوعہ احادیث میں کوئی ایک اصل حدیث ہمیں دکھا دیں جس میں خود حضرت محمد عربی صلی

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو کہ آسمان پر میں نے جملہ انبیاء کی صرف روحوں کی امامت کرائی ماسوا حضرت عیسیٰؑ کے جن کا خاکی جسم بھی تھا۔ ؎

نہ خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

یہ شعر پڑھ کر میں دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔ چیلنج سن کر ''مناظر لاثانی'' نے فرمایا کہ میری طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اس پر اُن کو لانے والے ساتھیوں نے ان کی سخت ملامت کی کہ بڑی بڑی تعلّیاں کرنے کے بعد ایک بچے کے سامنے تم نے ہتھیار ڈال دیئے ہیں۔ میں نے گذارش کی کہ علامہ کی ناسازی طبع پر انہیں کچھ نہ کہا جائے۔ میں دوروز تک یہاں ہوں جب طبع مبارک ٹھیک ہو جائے، یہ خادم حاضر ہو جائے گا مگر میرے قیام کے دوران بھی ان کی طبیعت سنبھل نہ سکی اور وہ وزیر آباد چلے گئے اور میں واپس مرکزِ احمدیت ربوہ میں پہنچ گیا۔

پارلیمنٹ میں پاس ہونے والا قانون مؤثر با ماضی نہیں ہو سکتا

۱۹۸۱ء کا واقعہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے ارشاد پر عاجز ایک وفد کے ساتھ پہلی بار بنگلہ دیش گیا۔ چٹا گانگ میں نائب امیر جماعت چوہدری عبدالصمد صاحب مرحوم نے اپنی کوٹھی میں ایک شاندار ڈنر کا اہتمام فرمایا جس میں بنگلہ دیش کے قریباً ہر اہم طبقے کے معززین نے شرکت فرمائی۔ مدعوین میں جماعت اسلامی کے ایک لیڈر بھی تھے جو ڈھاکہ سپریم کورٹ یا ملک کی کسی ہائی کورٹ کے نامور ایڈووکیٹ تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ لوگوں کو تو پاکستان پارلیمنٹ نے ''غیر مسلم'' قرار دے رکھا ہے۔ اب آپ کو یہاں تبلیغ کرنے کا کیا حق ہے۔ میں نے ان کے سوال کا بہت شکریہ ادا کیا اور بتایا کہ حدیث نبوی میں ہے کہ سوال علمی خزانوں کی کنجی ہے (جامع الصغیر للسیوطی) لہٰذا آپ کی عطا فرمودہ کنجی کے لیے آپ کا ممنون احسان ہوں۔ ان تمہیدی الفاظ کے بعد اول طور پر میں نے اُن سے یہ پہلا سوال کیا کہ کیا بنگلہ دیش کی عدالتوں میں بھی دستور پاکستان کی عملداری ہے؟ کہنے لگے ہرگز نہیں۔ بعدازاں پوچھا کہ پارلیمنٹ میں پاس ہونے والا قانون کیا موثر بہ ماضی ہوتا ہے؟ انہوں نے بالوضاحت جواب دیا کہ سوائے اس کے کہ خود قانون میں اس کا ذکر موجود ہو نئے قانون کا نفاذ پارلیمنٹ کی منظوری کے بعد ہی ہوتا ہے پہلے ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس وضاحت کی روشنی میں خاکسار نے یہ آئینی نکتہ پیش کیا کہ پاکستان اسمبلی نے ہمارے خلاف ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو جو قانون پاس کیا اس کے ابتدائی الفاظ یہ ہیں کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو

غیر مشروط طور پر آخری نبی نہیں مانتا یا کسی قسم کے نبی ہونے کا دعویٰ کرتا یا اس مدعی کو نبی یا مجدد مانتا ہے وہ اغراضِ قانون کی خاطر ''ناٹ مسلم'' ہے۔ اب آپ مجھے بتائیے کہ اس شق میں کس مدعی نبوت کی طرف اشارہ ہے۔ فرمانے لگے آپ کی جماعت کے بانی کی طرف۔ اب میں نے انہیں ان کی وضاحت ہی کا حوالہ دے کر یہ تاریخی حقیقت پیش کی کہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کا وصال ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء کو برٹش انڈیا میں ہوا جس کے ۳۹ سال بعد ۱۴ راگست ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرض وجود میں آیا اور ۱۹۷۴ء میں اس کی اسمبلی نے قانون پاس کیا۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ شیر خدا جو قیامِ پاکستان سے ۳۹ سال قبل اور قرارداد اسمبلی ۷ ستمبر سے ۶۶ سال قبل سے خالق حقیقی کے دربار اور آنحضرت ﷺ کے قدموں میں آرام کر رہا ہے اس پر اسمبلی پاکستان کا ۱۹۷۴ء کا قانون کس طرح لاگو ہوسکتا ہے۔ جماعتِ اسلامی کے ایڈووکیٹ نے بے ساختہ جواب دیا کہ ہرگز نہیں۔ اس پر میں نے بھی بآواز بلند کہا اس صورت میں واضح نتیجہ نکلا کہ ہم احمدیوں پر بھی اس ایکٹ کا نفاذ جائز نہیں اور ہرگز نہیں۔

فرقان بٹالین میں خدمت

قیام پاکستان کے دوسرے سال جبکہ یہ عاجز فرقان بٹالین کا رضا کار تھا۔ ''امام بربط'' سے رخصت لے کر راولپنڈی آیا جہاں لیاقت باغ میں ایک طرف احرار کے اجتماع میں احسان شجاع آبادی صاحب تقریر کر رہے تھے اور دوسری طرف جماعت اسلامی کی مجلس مذاکرہ کا کیمپ تھا۔ میں فوجی وردی میں ہی کیمپ کے اندر جا بیٹھا اور سوال و جواب کی کارروائی سننے لگا۔ میں نے دیکھا کہ کالجیٹ نوجوان کثیر تعداد میں شریک محفل ہیں۔ اس وقت جماعت اسلامی کے ایک عالم دین (غالباً مولوی صدرالدین صاحب) بڑی عمدگی سے اپنا نقطہ نگاہ پیش کر رہے تھے۔ یکا یک میرے دل میں بھی جوش اٹھا اور اُن کی خدمت میں یہ سوال پیش کر دیا کہ جماعت اسلامی کا نصب العین اسلامی نظام کا قیام بتایا گیا ہے۔ میں ایک فوجی سپاہی کی حیثیت سے اپنے مطالعہ کی بنا پر اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ''اسلامی نظام'' کا از سرِ نو قیام گدی نشینوں، واعظوں اور ادیبوں سے نہیں بلکہ ہمیشہ خدا کے نبیوں کے ذریعہ سے ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا یا تو قادیانیوں کی طرح صاف اقرار کریں کہ فیضان نبوت پر کوئی قدغن نہیں ہے یا پانچ ہزار سالہ مذہبی تاریخ میں سے صرف ایک مثال پیش کریں کہ کسی غیر نبی کے ہاتھوں خالص اسلامی نظامِ حیات از سرِ نو معرض وجود میں آیا ہو۔ میرے اس سوال پر موصوف کے پاؤں تلے زمین نکل گئی اور اپنی بجائے ایک اور صاحب کو کھڑا کر کے

مجلس سے چل دیئے۔ ''جماعت اسلامی'' کے نئے ترجمان بہت تیز طرار تھے۔ فرمانے لگے کہ آپ کا اصل سوال کیا ہے؟ اُن کی فرمائش پر میں نے اپنا سوال دوہرایا۔ فرمانے لگے نبی کی تعریف کیا ہے؟ میں نے کہا اس وقت جواب دینے کا فرض تو آپ کا ہے۔ اسی لیے آپ کیمپ لگا کر دوسروں کو دعوت مذاکرہ دے رہے ہیں۔ بایں ہمہ میں اس وقت حاضرین کے سامنے خود کچھ عرض کرنے کی بجائے قرآن مجید سے نبی کی تعریف پیش کرتا ہوں۔ کیوں کہ خدا ہی نبی بناتا ہے اور وہی اس مقام بلند کی اصل حقیقت بتلا سکتا ہے۔ چنانچہ میں نے سورہ آل عمران (آیت ۱۸۰) مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ کا ترجمہ کیا کہ اس میں تین بار مضارع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو حال اور مستقبل دونوں پر محیط ہے اور خدا کی ازلی سنت کی نشان دہی کرتا ہے اور اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ نبی و رسول وہ شخص ہے جو خبیث وطیب (یعنی حق و باطل) مخلوط ہوجانے کے وقت خدا سے منتخب ہوکر بھیجا جاتا ہے اور اس کی رہنمائی سے حق و باطل کو ممتاز کردیتا ہے۔ اس لیے اس کی دعوت پر ایمان فرض ہے۔ قرآن مجید کی رو سے یہ تعریف پیش کرنے کے بعد میں نے پُرجوش لب ولہجہ میں چیلنج کیا کہ اب آپ ہمیں بتائیں کہ ان تین شقوں میں سے کون سی شق دائرہ امکان سے خارج ہوچکی ہے؟

1- کیا خبیث وطیب یعنی حق و باطل آپس میں گڈمڈ نہیں ہوسکتے۔

2- کیا خدا نے اپنے اوپر دین حق کو خود ممتاز کرنے پر کوئی پابندی لگا رکھی ہے۔

3- کیا وہ زندہ خدا جو ہمیشہ سے کلام کرتا تھا اب قوت گویائی سے محروم ہوچکا ہے اور بذریعہ الہام رہنمائی کرنے سے قاصر ہے۔

اب میں ڈنکے کی چوٹ کہتا ہوں کہ اگر ان امور میں سے کوئی امر بھی ناممکن نہیں تو خدا کی طرف سے اصل نظامِ اسلام کے حقیقی خدوخال بتانے اور ان کو دنیا پر دوبارہ نافذ کرنے کے لیے آنا کیوں محال یا ممنوع ہے؟ پس یا تو آپ کو احمدی ہونے کا اعلان کرنا ہوگا یا نظام اسلامی کے نفاذ کے بلند بانگ دعاوی سے دستبردار ہونا پڑے گا۔ میں نے دیکھا کہ کیمپ حاضرین سے کھچا کھچ بھرا ہوا ہے اور کالج کے طلبہ کی خاصی تعداد باہر کھڑی ہے اور بڑے اشتیاق اور بے تابی سے جواب کی منتظر ہے۔ لیکن افسوس کہ جماعت اسلامی کے ناقوس خصوصی نے ''وقتِ نماز'' کا بہانہ بنا کر اجلاسِ عام کے خاتمہ کا اعلان کردیا۔ مجلس میں راولپنڈی کے بعض احمدی طلبا کے علاوہ حضرت ماسٹر میر عالم صاحب سابق پریذیڈنٹ کوٹلی آزاد کشمیر بھی موجود تھے

جنہوں نے حق کی اس فتح مبین پر مجھے کندھے پر بٹھالیا اور مری روڈ کی قدیم احمدیہ مسجد میں لے آئے جہاں کئی اور احمدی بزرگ بھی پہنچ گئے اور راولپنڈی جماعت میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوشیوں کی ایک برقی لہر دوڑ گئی اور مسیح موعود سے خدا کا یہ الہامی وعدہ ایک بار پھر ہم نے اپنی آنکھوں سے پورا ہوتا دیکھا کہ جو تیری مدد کا ارادہ بھی کرے گا میں خود اس کی نصرت و اعانت کروں گا۔ **اللھم صل علی محمد وآل محمد.**

۱۹۷۴ء کا سال

1974ء کا سال عام الفرقان اور عام الوفود کہلانے کا مستحق ہے کیونکہ اس سال آنحضرتؐ کی پیشگوئی (مشکوٰۃ) کے عین مطابق ملک کے بہتر فرقوں نے جماعت احمدیہ کو الگ کر کے اس کے حقیقی مسلمان ہونے پر مہر تصدیق کر دی جس کے بعد ملک کے طول وعرض سے ربوہ میں غیر احمدی معززین کے وفود کا ایک تانتا بندھ گیا۔ یہ زائرین حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی زیارت کے بعد حضور ہی کی ہدایت کے مطابق خلافت لائبریری میں تشریف لاتے اور خاکسار حضور کے فرمان مبارک کی تعمیل میں ان کے سوالوں کے جوابات پیش کرنے کے علاوہ اصل کتابیں بھی دکھلاتا تھا۔ ان دنوں لائبریری کا ہال ہر جمعرات کو ایک پرہجوم پریس کانفرنس کا منظر پیش کرتا تھا۔ ایک مرتبہ تشریف لانے والے معززین کی بھاری تعداد اہل السنت والجماعت پر مشتمل تھی۔ میں نے سبھی حضرات کا خیر مقدم کرتے ہوئے خوشخبری سنائی کہ الحمدللہ آپ حقیقی اہلسنت کے مرکز میں پہنچ گئے ہیں۔ جس کے ثبوت میں خاکسار نے مجدد اہلسنت حضرت امام علی القاری (مدفون مکہ معظّمہ ۱۰۱۴ھ/۱۶۰۶ء) کی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ سے ۷۳ فرقوں والی حدیث کی شرح دکھلائی جس میں مجدد اہلسنت نے فرمایا کہ ۷۲ فرقے جسے آخری زمانہ میں جدا کریں گے وہی اہلسنت والجماعت ہوگا اور وہ طریقہ احمدیہ پر ہوگا۔

جلسہ سیرت النبی سے علماء رحیم یار خان کو شدید خطرہ

خلافت ثانیہ کے آخری دور کی بات ہے کہ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس ناظر اصلاح وارشاد اور حضرت مولانا شیخ مبارک احمد صاحب سابق رئیس التبلیغ مشرقی افریقہ اور خاکسار مرکز سے جلسہ سیرت النبی میں شمولیت کے لیے شہر رحیم یار خاں میں پہنچے۔ مگر وہاں پہنچتے ہی پتہ چلا کہ ہمارے

''کرم فرما'' علماء کے دباؤ میں ڈی سی صاحب ضلع نے جلسہ کا اجازت نامہ منسوخ کر دیا ہے۔ اس پر میں نے سلسلہ کے ان بزرگ علماء ربانی کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ جلسہ پر ممانعت ہے مگر ہمیں بذریعہ تحریر علاقہ کے رؤسا، معززین اور عوام کو اس کی اطلاع دینے پر تو پابندی نہیں۔ حضرت مولانا شمس صاحب نے میرے خیال کی حمایت فرمائی اور مجھے ہی ایک دوورقہ لکھنے کی ہدایت فرمائی۔ چنانچہ میں نے **''جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے علماء رحیم یارخان کو شدید خطرہ''** کے عنوان سے مضمون دو ایک گھنٹہ میں لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ یہاں ہر قسم کے کلب، سینما گھر اور بداخلاقی کے اڈے موجود ہیں مگر علماء رحیم یارخان نے کبھی ان کے خلاف کوئی احتجاج نہیں کیا لیکن حال ہی میں انہیں جب احمدیوں کے ''جلسہ سیرت النبی'' کا پتہ چلا تو انہیں سخت خطرہ لاحق ہوگیا اور انہوں نے اسے بزور بند کرا دیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس مقدس تقریب پر احمدی مقررین نے کیا خطاب کرنا تھا؟ ہم اس کا ملخص حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے عشق رسول میں ڈوبے ہوئے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد حضرت مسیح موعود کے بارگاہ خاتم النبیین میں ہدیہ عقیدت کے نثری وشعری کلام کے چند رُوح پرور اور وجد آفریں نمونے سپرد قرطاس کیے گئے۔ خالدِ احمدیت حضرت مولانا شمس صاحب کے حکم سے راتوں رات یہ دوورقہ چھپوالیا گیا اور ضلع کے پُرجوش احمدی نوجوانوں نے عین اس وقت جب جلسہ سیرت النبیؐ کے انعقاد کا پروگرام تھا، یہ پمفلٹ نہ صرف شہر کے تمام حلقوں میں پہنچا دیا بلکہ رحیم یارخاں سٹیشن میں آنے جانے والی گاڑیوں میں بھی تقسیم کر کے اپنے خلوص کی ایک نئی مثال قائم کر دکھائی جو میرے قلب وسینہ میں اب تک نقش ہے۔ فجز اھم اللہ تعالیٰ.

مولانا مودودی سے بحث

جلسہ سالانہ ۱۹۵۱ء کے شبینہ اجلاس میں حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد کی فرمائش پر مجھے ''جماعت اسلامی پر تبصرہ'' کے زیر عنوان جلسہ سالانہ کے مقدس سٹیج سے پہلی بار تقریر کی سعادت نصیب ہوئی جو اللہ کے فضل وکرم سے خاص طور پر نوجوانان احمدیت میں غیر معمولی طور پر مقبول ہوئی اور صیغہ اشاعت نے ۱۹۵۸ء کی مشاورت کے موقع پر اسے شائع بھی کر دیا۔ جس کا حضرت مصلح موعودؓ نے ممبران مشاورت میں خاص طور پر تذکرہ فرمایا اور اس کی خرید کی تحریک فرمائی۔

اب میں جناب مودودی صاحب کی دلچسپ ملاقات کی طرف آتا ہوں۔ پاکستان میں پہلے صوبائی انتخابات کی سرگرمیاں صوبہ میں عروج پر تھیں کہ پریس نے خبر دی کہ مودودی صاحب اپنے بعض رفقاء کے

ساتھ ایک طوفانی انتخابی دورہ فرما رہے ہیں اور سرگودھا کے بعد چنیوٹ کی پرانی منڈی کے جلسہ عام سے خطاب کریں گے۔ میں نے حضرت پرنسپل صاحب سے اجازت حاصل کی اور اپنی کلاس کے دوسرے طلبہ کے ساتھ خطاب سننے کے لئے چنیوٹ پہنچ گیا۔ مودودی صاحب نے دہلی کی نہایت شستہ زبان میں اپنی جماعت کا تعارف کرایا اور کئی سوالات کے نہایت قابلیت اور عمدگی سے جواب بھی دیئے۔ ساتھ ہی سامعین کو دعوت دی کہ وہ مزید استفسارات کے لیے میری قیامگاہ (مکان شیخ فیروز دین صاحب) پر تشریف لے آئیں۔ مجھے اپنے دوسرے دوستوں کا علم نہیں مجھ پر مودودی صاحب کی اس برجستہ، شائستہ اور متین خطاب کا گہرا اثر ہوا۔ چونکہ آج تک میں نے دوسرے فرقوں کے علماء کی تقریر میں سنجیدگی کا ایسا رنگ کبھی نہیں دیکھا تھا۔ خصوصاً سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب جن کی ایک تقریر میں نے مرید کے میں احراری سٹیج پر بیٹھے سنی تھی۔ عنوان ''ختم نبوت'' تھا مگر زبان بازاری تھی جس سے سخت بیزار ہو کر کئی لوگ پنڈال سے بھاگ گئے۔ جناب مودودی صاحب نے اپنی تقریر میں خاص طور پر یہ بتایا کہ برٹش انڈیا میں غیر ملکی حکومت تھی اس لیے نظام اسلامی کا قیام عملاً ناممکن تھا۔ لیکن اب خدا کے فضل سے اُفقِ عالم پر پاکستان کا ستارہ طلوع ہو گیا ہے اب ہمارا فرض ہے کہ یہاں نفاذ اسلام کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں اور اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دیں۔ اس لیے پنجاب الیکشن کے لیے ہم نے یہ عہد نامہ شائع کیا ہے کہ ووٹر صرف اس امیدوار کو ووٹ دیں جو اسمبلی میں اسلامی دستور نافذ کرنے کا اقرار کرے۔ اس ضمن میں جماعتِ اسلامی نے ''اسلامی پنچائتوں'' کی تشکیل کا اعلان کر دیا ہے۔

جناب مودودی صاحب کی تقریر ختم ہوتے ہی ہم سب طلبہ اُن کی قیام گاہ پہ پہنچ گئے۔ ہمیں دیکھتے ہی ایک احراری مُلّا (عتیق الرحمن) نے اُن سے پوچھا کہ کیا وہ مرزائیوں کو مسلمان سمجھتے ہیں؟ جناب مودودی صاحب نے بے ساختہ جواب دیا کہ یہ فیصلہ کرنا اسمبلی کا کام ہے۔ ہمارا کام پاکستان میں دستور اسلامی کا نفاذ ہے۔ مودودی صاحب چاہتے تو مجمع کو خوش کرنے کے لیے اپنا عقیدہ بتا سکتے تھے کہ میں انہیں کافر و مرتد سمجھتا ہوں جیسا کہ ہندوستان میں وہ اپنے رسالہ ''ترجمان القرآن'' میں لکھ چکے تھے مگر انہوں نے ایسا شریفانہ و حکیمانہ جواب دیا کہ میرا دل عش عش کر اٹھا۔

بخدا ہم اُن سے سوالات کرنے ہرگز نہیں گئے تھے۔ صرف جلسہ عام اور پرائیویٹ مجلس میں اُن کے اسلوب بیان اور اندازِ فکر سے متعارف ہونا مقصود تھا لیکن اُن کا جواب سن کر مجھے بھی اُن سے کچھ دریافت کرنے کی جرأت پیدا ہوئی۔ چنانچہ میں نے اُن کی خدمت میں ادب واحترام سے یہ سوال کیا کہ آپ

نے اپنے فصیح وبلیغ خطاب عام میں پاکستان کو نیا ستارہ قرار دے کر امید دلائی ہے کہ انتخاب کے ذریعہ اب نظام اسلامی کا قیام عمل میں آ سکتا ہے۔ یہ عمدہ تخیل ہے مگر میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر واقعی پاکستان سے اسلامی معاشرہ کے معرض وجود میں آنے کے امکانات روشن ہو گئے ہیں تو آپ نے تحریک پاکستان کی مخالفت کیوں کی؟ مجھے سخت افسوس ہے کہ آپ جیسے ''مفکر اسلام'' جنہیں قائداعظم کے ساتھ ہونا چاہیے تھا اُن ایام میں ہمیں ایک سٹیج پر گاندھی جی کے ساتھ نظر آتے ہیں۔

اس سوال نے مودودی صاحب پر گویا ایک بجلی سی گرادی اور آپ نے نمائشی شرافت کا پردہ چاک کر کے مجھے ''کذّاب'' کے لقب سے نوازا اور فرمایا کہ یہ سراسر غلط ہے۔ میں نے ہمیشہ پاکستان کی تائید کی ہے یہ پراپیگنڈا ہمارے مخالف کیمپوں کا ہے۔ اب خدا کی قدرت نمائی ملاحظہ ہو چند روز قبل مجھے مرکز کی طرف سے مجاہد روس حضرت مولانا ظہور حسین صاحب کے ساتھ قصور شہر کے جلسہ سیرت النبیؐ میں شرکت کے لیے بھجوایا گیا تھا۔ واپسی پر میں نے اچھرہ کے مرکز جماعت اسلامی سے کچھ لٹریچر حاصل کیا جس میں رسالہ ''ترجمان القرآن'' مارچ ۱۹۴۶ء کا پرچہ بھی تھا۔ باقی لٹریچر تو ہوسٹل میں رکھا تھا لیکن جونہی مودودی صاحب نے ''صالح لقب'' سے سرفراز فرمایا، مجھے خیال آیا کہ یہ رسالہ تو میرے کوٹ میں موجود ہے۔ جناب مودودی صاحب نے مجھے ایک نادان دیہاتی طالب علم سمجھ کر غلط بیانی کی جسارت کی تھی۔ میں نے اُن کے سامنے اصل رسالہ رکھ دیا جس میں انہوں نے کھل کر تحریکِ پاکستان کو زبردست تنقید کا نشانہ بنایا تھا۔ اصل رسالہ دیکھتے ہی مودودی صاحب نے ایک شاطر وکیل کا کردار ادا کرتے ہوئے یکا یک پینترا بدلا اور ارشاد فرمایا کہ ہاں مجھے یاد آ گیا ہے میں نے واقعی لکھا تھا مگر یہ اس زمانہ کی بات ہے جب محمد علی جناح، لیاقت علی، عبدالرب نشتر اور دوسرے مسلم لیگی زعماء کے سامنے پاکستان کا کوئی واضح نقشہ نہیں تھا نہ انہیں علم تھا کہ وہ مطالبۂ پاکستان کس غرض سے کر رہے ہیں؟

اس جواب نے مولانا کی ''اسلامیت'' پوری طرح بے نقاب کر ڈالی جس کا مجھ پر شدید ردعمل ہوا۔ میں نے بانی جماعت اسلامی کو مخاطب کرتے ہوئے جو تبصرہ کیا وہ کم وبیش ان الفاظ میں تھا کہ آپ کے جواب نے میرے آبگینۂ محبت وعقیدت کو پاش پاش کر دیا ہے۔ ایک ''مفکر اسلام'' کی زبان سے اس خلاف حقیقت توجیہہ کی قطعاً امید نہیں تھی کیونکہ یہ پرچہ جس میں آپ نے تحریک پاکستان پر شدید گولہ باری کی ہے مارچ ۱۹۴۶ء کا ہے جبکہ تین ماہ قبل آل انڈیا مسلم لیگ نے مرکزی انتخابات میں تمام مسلم نشستوں پر قبضہ کر لیا اور قائداعظم کی ہدایت پر پورے ملک میں جشنِ فتح منایا گیا۔ ازاں بعد مارچ ۱۹۴۶ء کے

صوبائی انتخابات میں بھی مسلم لیگ نے دوسرے تمام نیشنلسٹ اور کانگرسی امیدواروں کو زبردست شکست دی۔کیا آپ اس وقت ہم طالب علموں کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ مرکزی اور صوبائی فتوحات کے زمانہ تک قائداعظم اور دوسرے مسلم لیگی قائدین کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ ان کی تحریک پاکستان کی غرض وغایت کیا ہے؟ اور مسلمانانِ ہند بھی آنکھوں پر پٹی باندھے اندھا دھند مسلم لیگ کے حق میں ووٹ ڈال رہے تھے۔ دوسرے لفظوں میں ۱۹۴۶ء یعنی پاکستان کے نقشہ عالم پر ابھرنے سے ایک برس قبل بھی تحریک پاکستان محض ایک معمہ اور چیستان بنی ہوئی تھی؟؟

میں یہاں تک ہی کہنے پایا تھا کہ مودودی صاحب جلال میں آ گئے اور فرمایا اب ہمارے کھانے کا وقت ہے۔مجلس برخاست کی جاتی ہے لیکن میں نے ادب سے درخواست کی کہ آپ مجھے صرف ایک اور مختصر سوال پیش کرنے کی اجازت مرحمت فرمائیں۔میں آپ کا قیمتی وقت ضائع نہیں کروں گا۔میری اس یقین دہانی پر انہوں نے کمال فراخدلی سے مجھے اجازت بخشی۔میں نے اُن کی کتاب ''تجدید واحیائے دین'' سے تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد بریلویؒ کی اسلامی حکومت کی ناکامی کا یہ سبب اُن کے الفاظ میں بیان کیا کہ انہوں نے نام کے مسلمانوں کو حقیقی مسلمان سمجھ کر دھوکہ کھایا لہٰذا تاریخ کا یہ سبق ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جس انقلاب کی جڑیں اخلاق وتمدن میں جمی ہوئی نہ ہوں نقش برآب ہوتا ہے اور اگر عارضی طاقت سے قائم بھی ہو جائے تو ہمیشہ کے لیے پیوند خاک ہو جاتا ہے۔میری گزارش یہ ہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ مجدد تھے۔ اُن کا لشکر پورے ہندوستان کے پارسا اور خدا رسیدہ بزرگوں پر مشتمل تھا۔دوسری طرف صورت یہ ہے کہ آپ مجدد نہیں اور جیسا کہ آپ نے ''مسلمانانِ ہند کی سیاسی کشمکش'' میں تصریح فرمائی ہے کہ موجودہ مسلمان ہزار میں سے ۹۹۹ کافرانہ ٹائپ رکھتے ہیں۔اس لیے اگر جمہوری انتخاب ہوتا ہے تو اس کے نتیجہ میں اسلام نہیں لایا جا سکتا۔جب دودھ ہی کڑوا ہے تو بالائی کیونکر میٹھی ہو سکتی ہے۔اب بتائیے کہ اس صورت میں صوبائی اسمبلی کے لیے آپ اور آپ کی جماعت کا انتخابی دوڑ میں حصہ لینے کا کیا فائدہ ہوگا؟

''مولانا'' نے جواباً ارشاد فرمایا کہ یہ محض ایک تجربہ ہے۔ممکن ہے کامیاب ہو یا ناکام رہے۔میں نے اُن سے جانے کی اجازت چاہی اور یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا کہ جس معاملہ میں مجدد ناکام رہے آپ کی کامیابی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ہاں اس سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ آپ کے اپنے مخصوص سیاسی مقاصد ہیں جن کو بروئے کار لانے کے لیے آپ سادہ مسلمان عوام کو استعمال کرنا چاہتے ہیں۔

رئیس اعظم شارجہ (متحدہ عرب امارات)

''متحدہ عرب امارات'' دسمبر ۱۹۷۱ء میں قائم ہوئی۔ یہ وفاقی حکومت ابوظہبی، دبئی، شارجہ، عجمان، ام القوین، راس الخیمہ اور فجیرہ جیسی سات چھوٹی ریاستوں پر مشتمل ہے۔ ۱۹۸۸ء میں خاکسار تلونڈی موسیٰ کیس میں دیگر ۸ مخلص احمدیوں کے ساتھ سنٹرل جیل گوجرانوالہ سے ضمانت پر رہا ہوا تو پیارے حضور سیدی حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الرابع نور اللہ مرقدہٗ کی خصوصی ہدایت پر میں نے متحدہ عرب امارات کا دورہ کیا۔

چونکہ پاکستان سے کوئی جماعتی لٹریچر ساتھ لے جانا ممکن نہ تھا اس لیے میں نے ابوظہبی کی سرکاری لائبریری سے احمدی علم کلام کے تائید میں بزرگان سلف کی عربی کتب کے تائیدی حوالوں کا عکس حاصل کیا اور جس کی سات آٹھ کاپیاں امیر ابوظہبی جناب منیر احمد صاحب نے کرا دیں اور ان سب کو سات فائلوں کی صورت محفوظ کیا جس کے بعد امارات کی جملہ ریاستوں میں اُن پر تعارفی لیکچر دیئے اور ایک ایک کاپی بغرض ریکارڈ و استفادہ ہر ریاست کے امیر جماعت کو دیں۔ اس طرح ان ریاستوں کے احمدیوں نے محسوس کیا کہ اُن کے ہاتھوں میں دعوت الی اللہ کا ایک نیا علمی طریق مل گیا ہے اور وہ اپنے عرب بھائیوں کو کسی تمہید کے بغیر صرف فوٹو کاپیوں کے ذریعہ بآسانی احمدیت کا پیغام پہنچا سکتے ہیں۔

اُن دنوں شارجہ کے امیر محترم مرزا بشیر بیگ صاحب مرحوم (برادر نسبتی مولانا عبدالقدیر شاہد سابق مجاہد افریقہ حال کینیڈا) تھے۔ محترم مرزا صاحب کا حلقہ تعارف بہت وسیع تھا۔ خصوصاً مقامی رؤساء سے ان کے گہرے روابط ومراسم تھے۔ آپ نے خاکسار کی ملاقات شارجہ کے ایک رئیس اعظم (غالباً السید لوطا) سے کرانے کا انتظام فرمایا اور خاص اس غرض سے عربی لباس تیار کرایا جو میں زیب تن کئے ان کی خدمت میں پہنچا۔ دوران گفتگو میں نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ میرا تعلق اُسی جماعت سے ہے جس سے یو این او میں فلسطین کا مسئلہ پیش کرنے والے بطلِ اسلام السید چودھری محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو وابستگی کا شرف حاصل ہے۔ بعد ازاں میں نے آنحضرت ﷺ کی شان میں حضرت مسیح موعودؑ کے عربی قصائد کے اشعار سنائے اور پوری دنیا میں جماعت احمدیہ کے اشاعتی کارناموں کا مختصر تذکرہ کیا۔ ملاقات مختصر تھی مگر السید لوطا خاص طور پر حضرت مسیح موعودؑ کے عربی کلام سے غایت درجہ متاثر ہوئے۔ محل سے باہر نکلتے ہی امیر جماعت دوبئی فرمانے لگے واللہ اس ملاقات کے وقت اگر کوئی اور شخص بھی موجود ہوتا تو وہ پکار اٹھتا کہ تم عربی اور وہ عجمی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ میری تو اتنی بھی حیثیت نہیں جتنی زندہ آفتاب کے مقابل ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی ہوتی ہے۔ حق یہ ہے کہ سحر طرازی کے یہ علمی کرشمے آنحضرت ﷺ کے عاشق صادق مسیح موعودؑ کے چشمہ فیضان کی بدولت ہیں۔ وگرنہ من آنم کہ من دانم۔ **واللہ علی ما اقول شہید۔** ❁❁

محترم مولانا بشیر احمد صاحب قمر

سابق ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ربوہ

خاکسار پر اللہ تعالیٰ کے اَن گنت احسانات ہیں۔سب سے بڑا یہ کہ میں ایک ایسے خاندان میں پیدا ہوا جس کو مامورِ زمانہ حضرت مسیحِ موعودؑ کو پہچاننے اور قبول کرنے کی سعادت مل چکی تھی۔میرے دادا جان مکرم عطا محمد صاحب موضع چارکوٹ تحصیل وضلع راجوری کی ریاست جموں کے ان ابتدائی احمدیوں میں سے ہیں جن کو حضرت مسیحِ موعودؑ کے زمانہ ءحیات میں قبول احمدیت کا شرف حاصل ہوا۔ان احمدیوں کو بڑی مخالفت اور ابتلاؤں کا سامنا کرنا پڑا۔لیکن ساتھ کے ساتھ کئی آسمانی نشانات وتائیداتِ الٰہی ظاہر ہوکر ان کی تقویت ایمان کا موجب بھی ہوتے رہے۔ جماعت وہاں ترقی کرتی رہی اور مخالفین کے حصہ میں ذلت ورسوائی آئی۔میرے والدین پیدائشی احمدی ہیں اور ہمارے خاندان میں پانچویں نسل احمدیت میں جاری ہے۔**الحمدللہ**۔

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے کہ تا قیامت اس نعمتِ خداوندی کا ان میں سے ہر چھوٹے بڑے مردوزن کو قدردان بننے کی توفیق بخشا چلا جائے۔آمین.

والد صاحب کی وفات

میرے والد صاحب کا نام عبدالکریم تھا۔آپ عالمِ جوانی میں وفات پا گئے۔آپ باقاعدہ کسی سکول وغیرہ میں نہ پڑھے تھے لیکن اپنی محنت اور کوشش سے اردو پڑھنا سیکھ لیا تھا۔اردو اچھی طرح پڑھ لیتے تھے البتہ لکھنے کی مشق نہ تھی۔مطالعہ کا بہت شوق تھا۔قادیان اکثر جلسہ سالانہ پر جایا کرتے تھے اور سلسلہ کی کوئی نہ کوئی کتاب خرید کر لایا کرتے تھے۔کتابوں کے لئے خاص طور پر ایک الماری بنوائی ہوئی تھی اور ان کی حفاظت کا خاص خیال رکھتے تھے۔رات کو دیر تک مطالعہ کرتے تھے اور صبح کے وقت تلاوتِ قرآنِ کریم باقاعدہ فرماتے تھے۔

میرے وقف اور تربیت میں میرے والد صاحب کی نیک خواہش اور دعاؤں کا بہت بڑا دخل ہے۔ آپ جہاں خود دعائیں کرتے، قرآنی دعاؤں کے ساتھ ساتھ حضرت مسیحِ موعودؑ کے دعائیہ منظوم کلام بحق اولاد اکثر بلند آواز سے پڑھتے اور میرے ہوش سنبھالنے پر میرے سامنے بھی میرے مبلغ بننے کی خواہش کا ذکر کرتے، وہاں دوستوں اور ملنے والے بزرگوں کو بھی تحریکِ دعا کرتے رہتے تھے۔ اب تک ان میں سے جو زندہ ہیں ان کے اس جذبہ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔

حفاظتِ الٰہی کا ایک واقعہ

مجھے بدوملہی مرکز میں کافی عرصہ رہنے کا موقعہ ملا۔ پھر میرا تبادلہ فیصل آباد (لائلپور) ہوا اور مجھے ایک گاؤں ۹۶ صرتح بھیجا گیا۔ کافی بڑی جماعت تھی لیکن مسجد میں حاضری کم ہوتی تھی۔ میں نے وہاں متفرق اوقات میں قرآن مجید، حدیث نبویؐ اور ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ کا درس دینا شروع کر دیا۔ اس سے جماعت میں بہت دلچسپی پیدا ہوگئی یہاں تک کہ عورتوں نے بھی پردہ کے انتظام کے ساتھ درس میں شریک ہونا شروع کر دیا اور خدا کے فضل سے مسجد بھر جاتی حتیٰ کہ اس کی توسیع کا منصوبہ بنانا پڑا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

وہاں میری رہائش ایک چوبارہ میں تھی جس کے ایک کونہ میں رہائش کا انتظام تھا اور دوسری طرف بیٹھک تھی۔ ایک دن مجھے ڈکشنری کی ضرورت پڑی۔ میں نے نصیر احمد کو کہا کہ وہاں ایک بڑی سی کتاب پڑی ہے وہ لے آؤ۔ وہ اس کو اُٹھا کر کھڑکی میں کھڑا تھا کہ اس کے ہاتھ سے کتاب نیچے گر گئی۔ کتاب کو پکڑنے کی کوشش میں قریب تھا کہ وہ بھی ساتھ ہی گر جاتا۔ یہ نظارہ بعض دوستوں نے دیکھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ کتاب لے کر آ گیا۔ چہرہ زرد تھا۔ اس نے مجھے کچھ نہ بتایا۔ دیکھنے والے بعض دوستوں نے مجھے سارا واقعہ بتا کر مبارکباد دی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو چھت سے گرنے سے گویا ہاتھ دے کر بچایا ہے۔ **الحمدللہ**۔

خلیفۂ وقت اور جماعت کا باہمی تعلّق

۱۹۷۴ء کے ہنگاموں کے ایام میں ایک روز دن بھر بارش ہوتی رہی۔ شام کو سارے شہر سے بجلی کا نظام بھی معطل ہو گیا۔ ہم نے مقامی جماعت اور ضلع کی جماعتوں سے رابطہ کا مرکز حضرت مرزا عبدالحق صاحب امیر مقامی وضلع سرگودھا کے ہاں ہی بنایا تھا۔ رات 9 اور 10 بجے کے درمیان سرگودھا کے پانچ

چھ خادم جو ربوہ مرکز میں ڈیوٹیاں دے رہے تھے مذکورہ سنٹر میں پہنچے اور بتایا کہ ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کچھ کھانے پینے کا سامان دے کر بھیجا ہے۔ حضور اقدسؒ کو اطلاع ملی ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ہے (کیونکہ بازار سے کوئی چیز خریدنے نہیں دیا جاتا تھا) اور حضور اقدسؒ نے فرمایا ہے کہ "**کوئی احمدی بھوکا نہیں رہے گا**" اور ساتھ وفد نے یہ بھی کہا کہ بارہ بجے رات کی گاڑی پر ہم نے واپس جا کر حضور اقدسؒ کو رپورٹ کرنی ہے۔ ہم نے اُن کو کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت مخالفوں نے سخت پہرہ کیا ہوا ہے۔ راستے بارش کی وجہ سے خراب ہیں۔ لیکن وہ نہ مانے۔ ہم نے کچھ سائیکلیں اکٹھی کی ہوئی تھیں۔ چند مقامی خدام کو جو احمدی گھروں کو جانتے تھے اُن کے ساتھ بھیجا اور دعا کے ساتھ رخصت کیا۔ میں مرزا صاحب کی مسجد میں دعا کے لئے چلا گیا۔ میرا خیال تھا کہ دو تین گھنٹے خرچ ہوں گے کیونکہ راستے خراب ہیں۔ لیکن ابھی ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ وہ واپس آئے۔ میں نے سمجھا کہ یہ ناکام آرہے ہیں۔ جب اُن سے رپورٹ لی تو پتہ چلا کہ سارے حلقوں کا دورہ کر کے آگئے ہیں۔ جب یہ دروازہ پر دستک دیتے تو مالک مکان ڈرتے ڈرتے دروازہ کے پاس آ کر پہلے تسلی کرتے کہ اپنے خدام ہیں تب وہ دروازہ کھولتے۔ یہ حضور اقدسؒ کا پیغام اور سلام پہنچاتے اور سارا واقعہ سناتے۔ اس پر ان دوستوں کے عجیب جذبات ہوتے۔ آنکھوں میں خوشی کے آنسو اور یقین دلاتے کہ ہم بھوکے نہیں۔ وہ چیزیں تبرکاً وصول کرتے۔ اس وفد کے ممبران نے کہا کہ ہمیں واپس جانا ہے۔ لالیاں اترنا ہے کیونکہ ربوہ مسافر نہیں اترنے دیتے اور وہاں سے پیدل جانا ہے اور جب تک حضورؒ کو اطلاع نہیں ملے گی، حضور اقدسؒ آرام نہیں کر سکیں گے۔ اس واقعہ سے خلیفۂ وقت کو جماعت سے اور جماعت کو اپنے امام سے محبت اور فدائیت کا جو تعلق ہے وہ ظاہر ہوتا ہے۔

ایک ایمان افروز واقعہ

1974ء میں پاکستان میں جماعت احمدیہ کے خلاف ایک ملک گیر مخالفت کا منصوبہ مخالفین کی طرف سے بنایا گیا تھا۔ ہر طرف طوفان بدتمیزی برپا تھا۔ لیکن اس کے مقابل پر اللہ تعالیٰ احمدی افراد مرد و زن اور بچوں کو بھی خوابوں کے ذریعہ خوشخبریاں دیتا تھا۔ چنانچہ ایک ایسے ہی نہ بھولنے والے ایمان افروز واقعہ کا عرض کرتا ہوں:

اس فتنہ کے دوران خاکسار جماعتوں کا دورہ کیا کرتا تھا۔ حسب توفیق انہیں تسلی دیتا تھا اور اُن سے بھی حالات و واقعات سنتا تھا۔ اس سلسلہ میں خاکسار چک 153 شمالی ضلع سرگودھا دورہ پر گیا۔ وہاں کے صدر جماعت ملک نور محمد صاحب جوئیہ نے مجھے بتایا کہ پیرو چک جو اس جماعت کے قریب ضلع جھنگ کا ایک

گاؤں ہے وہاں ایک احمدی خاندان ہے اور ایک نوجوان لڑکے نے جماعت سے علیحدگی کا اعلان کروایا ہے۔اس کی بوڑھی والدہ اس کی اس کمزوری پر بہت غمزدہ اور پریشان ہیں۔اس کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی کے لئے جانا ہے۔ چنانچہ میں چند دوستوں کے ساتھ وہاں پہنچا اور اس بزرگ خاتون سے ملاقات ہوئی۔ اس موقعہ پر اس نے اپنی ایک عجیب اور ایمان افروز خواب سنائی۔ اس نے کہا کہ میں اس لڑکے کی جماعت سے علیحدگی پر بہت پریشان تھی۔اس دوران میں نے ایک خواب دیکھی اور وہ اس طرح ہے کہ میں نے دیکھا کہ لوگ ایک پودا لگا رہے ہیں اور وہ پودا دیکھتے دیکھتے ایک بہت بڑا درخت بن گیا۔اور لوگ کہتے ہیں کہ اس درخت کا نام ''احمدیہ درخت ہے۔'' اس خواب کو سن کر مجھے اس عورت کو سمجھانے اور تسلی دینے کا ایک مضمون مل گیا۔ میں نے کہا کہ دیکھیں پھلدار درخت لگائے جاتے ہیں۔اُن میں سے بعض سوکھ بھی جاتے ہیں، بعض قائم رہتے ہیں۔ جب پھل دینے کی عمر کو پہنچتے ہیں تو ان پر کثرت سے پھول لگتے ہیں لیکن سب پھول، پھل نہیں بنتے۔ جو پھل بنتے ہیں وہ سب پکتے نہیں بلکہ بعض آندھی اور طوفانوں اور بعض دفعہ معمولی صدمہ سے گر جاتے ہیں۔ بہت تھوڑا پھل پک کر کھانے کے قابل ہوتا ہے لیکن مالک اس درخت کی حفاظت کرتا ہے۔آپ کو اس خواب کے ذریعہ سے یہ خوشخبری سنائی گئی ہے اور ایک حقیقت بتائی گئی ہے کہ احمدیت کا پودا خدا کا لگایا ہوا ہے اور یہ بڑھے گا، پھلے اور پھولے گا اور ساری دنیا میں اس کی شاخیں پھیل جائیں گی۔لیکن جو علیحدہ ہونے والے ہیں وہ ان کی اپنی کمزوری اور بدقسمتی ہے۔ مَیں نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات اور کلام کی روشنی میں بتایا کہ آپ علیہ السلام نے اپنے آپ کو ایک درخت قرار دیا ہے۔ اور قرآن کریم میں سورۃ سجدہ میں اللہ تعالیٰ مومنوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا تعالیٰ پر ایمان لا کر اس دعویٰ بیعت پر قائم رہتے ہیں تو خوف کے مواقع پر ان پر فرشتے اترتے ہیں اور تسلیاں دیتے ہیں کہ تم ڈرو نہیں اور غم نہ کرو اور ان کو جنت کی بشارتیں دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی استقامت پر آپ کو اپنے اس انعام سے نوازا ہے اور آپ کو تسلّی دی ہے۔ان باتوں کو سن کر اس بزرگ خاتون کے چہرہ پر بشاشت آ گئی اور خدا کے فضل سے وہ احمدیت پر تا وفات قائم رہی۔ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلَھَا وَارْحَمْھَا وَاَدْخِلْھَا فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔

غانا میں قیام

دوسری دفعہ 1978ء میں مجھے دوبارہ غانا بھجوایا گیا اور میرا حلقہ ٹمالے شمالی ریجن مقرر کیا گیا۔ یہ علاقہ

نسبتاً گرم ہے۔ اس ریجن میں مسلمانوں کی آبادی بھی زیادہ ہے۔ اب کی دفعہ مجھے ملیریا کا سخت حملہ ہوا۔ ان دنوں فوجی انقلاب کی وجہ سے رات نو بجے سے صبح پانچ بجے تک کرفیو ہوتا تھا۔ ایک رات مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور پسینہ بہت آتا تھا۔ میرے کپڑے پسینہ سے تر تھے۔ ایسا کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔ اس دن مجھے موت کا خیال آرہا تھا۔ جب کرفیو کا وقت ختم ہوا تو میں نے مقامی معلم کو جو میرے پاس تھا آواز دے کر کہا کہ ڈاکٹر لال صاحب کو فون کر کے میری حالت ان کو بتاؤ۔ وہاں ایک ہندو ڈاکٹر لال ہسپتال میں ہوتے تھے۔ بہت اچھے اور ہمدرد انسان تھے۔ ان کی بیگم نے سن کر کہا کہ ڈاکٹر صاحب سوئے ہوئے ہیں جب آٹھ بجے ہسپتال جائیں گے تو وہ آپ کو دیکھتے جائیں گے۔ میں ان کو پیغام دے دوں گی۔ فون بند ہو گیا لیکن دس پندرہ منٹ کے بعد ڈاکٹر صاحب دوائیں اٹھائے ہوئے بلڈ پرشر دیکھنے کا آلہ لئے ہوئے نائٹ ڈریس ہی میں مشن ہاؤس آگئے اور آتے ہی مجھ سے سوال کیا کہ سینہ میں کوئی درد تو نہیں۔ میں نے کہا نہیں۔ انہوں نے بلڈ پریشر چیک کیا۔ تھرمامیٹر سے بخار وغیرہ دیکھنے کے بعد مجھے تسلی دی۔ اسی وقت ایک احمدی میل نرس کو بلا کر جس کا مکان مشن ہاؤس کے قریب ہی تھا اور وہ ہسپتال میں ملازم تھا نسخہ دیا کہ فوراً ہسپتال سے یہ دوائیں لے آؤ۔ پھر مجھے بتایا کہ جب آپ نے فون کیا اگرچہ میں لیٹا ہوا تھا لیکن جاگتا تھا۔ جب میں نے اپنی بیگم سے پوچھا کہ کون تھا تو اس نے آپ کا نام لے کر حالت بیان کی تو پھر میرے لئے آٹھ بجے تک انتظار کرنا مشکل تھا اس لئے میں فوراً اسی لباس میں آگیا۔ **جزاھم اللہ**۔ انہوں نے کہا کہ یہ ملیریا بخار کی وجہ سے ہوا ہے۔ **الحمدللہ** شافی مطلق نے مجھے اس مرض سے شفا دی۔

تیسری دفعہ مجھے پھر 1984ء میں غانا بھجوایا گیا۔ اب کے میری تقرری اپر ریجن (U.R) میں ہوئی جس کا ریجنل ہیڈ کوارٹر وا (WA) تھا۔ وا قصبے کی اکثر آبادی مسلمانوں کی ہے۔ عیسائیوں نے 1928/29ء میں جب کہیں وہاں اپنا مشن قائم کرنا چاہا تو مسلمانوں نے سخت مخالفت کی اور ان کو آبادی میں جگہ نہ دی۔ انہوں نے قصبہ سے ہٹ کر وسیع جگہ حاصل کر لی اور قصبہ کو ہر طرف سے گھیر لیا۔ اب وہاں ان کے مختلف فرقوں کے بڑے بڑے گرجے، طبی اور تعلیمی ادارے ہیں۔ جماعتِ احمدیہ 1933/34ء کے قریب وہاں قائم ہوئی۔ اس علاقے کے ایک بااثر دوست الحاج امام صالح احمدی ہوئے۔ سخت مخالفت ہوئی، لڑائی جھگڑے ہوتے رہے اور احباب نے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا لیکن صداقت پر قائم رہے۔ آہستہ آہستہ جماعت نے مقامی طور پر ترقی کی۔ غانا میں مقامی اور ایک ہی قبیلہ کی یہ بہت بڑی جماعت ہے۔ اس

وقت وہاں ہمارے کئی تعلیمی ادارے ہیں۔ کے جی، پرائمری، مڈل، جونئیر اور سکینڈری سکول کے علاوہ ایک ٹیچرز ٹریننگ کالج بھی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ۔

حفاظت الٰہی

مجھے یہاں بھی ایک حادثہ سے دو چار ہونا پڑا۔ ایک دن ہم واسے 60/70 کلومیٹر دور دورہ پر گئے۔ رات کے دس بجے وہاں سے واپسی ہوئی۔ میرے ساتھ مسٹر یحیٰ ڈرائیور تھے اور عبداللہ بن صالح ترجمان تھے۔ ایک سنسان جنگل سے گزر رہے تھے کہ سامنے ایک موڑ آ گیا۔ ڈرائیور اندازہ نہ کر سکا۔ کار سیدھی جھاڑی میں چلی گئی اور ریت میں پھنس گئی۔ آس پاس بڑی بڑی اونچی خشک گھاس کھڑی تھی۔ جب میں پچھلی سیٹ سے باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کار کے نیچے گھاس میں آگ بھڑکی ہوئی ہے۔ ادھر ٹینکی پٹرول سے بھری ہوئی۔ میں نے ڈرائیور اور ترجمان کو اس خطرہ سے آگاہ کرتے ہوئے بدحواسی میں ہاتھوں سے آگ بجھانا شروع کی۔ وہ بھی باہر آ گئے۔ دعائیں کرتے ہوئے درختوں کی سبز شاخوں سے چند لمحوں میں آگ پر قابو پا لیا۔ جب دوبارہ انجن سٹارٹ کیا تو پھر آگ لگ گئی۔ پھر بجھا کر آخر فیصلہ کیا گیا کہ کار کو سپارک کرنے کی بجائے دھکا دے کر نکالا جائے اور یہ کہ یہاں سے تین چار میل دور ایک گاؤں ہے ایک دوست وہاں جائے وہاں کچھ احمدی بھی ہیں ان کو لایا جائے اور دھکا سے کار کو نکالا جائے۔ دو تین آدمیوں کا یہاں کام نہیں۔ عبداللہ بن صالح فوراً چلے گئے۔ چاندنی رات تھی۔ جنگل کی خاموشی میں جنگلی پرندوں اور جانوروں کی عجیب آوازیں آ رہی تھیں۔ ایک ٹرک کے آنے کی آواز آئی۔ ڈرائیور نے مجھے کہا کہ آپ سڑک پر آ جائیں شاید آپ کو دیکھ کر ٹرک رک جائے اور وہ ہماری مدد کر سکیں ورنہ اس جنگل میں چوروں کے ڈر سے وہ نہیں رکے گا۔ میں سر پر پگڑی رکھ کر سڑک پر آ گیا۔ ٹرک ڈرائیور نے کوئی سو گز آگے جا کر بریک لگائی۔ وہ ہمارے ڈرائیور کا واقف نکلا۔ ٹرک میں کافی مسافر تھے۔ وہ دھکا دے کر کار نکال کر سڑک پر لے آئے اور ہمیں مبارکباد دی کہ آپ کی کار کے بڑے درخت سے ٹکرانے میں صرف چار پانچ انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔ کیونکہ کئی دفعہ ایسے حادثے ہوئے ہیں کہ کاروں کی ٹینکی کو آگ نے پکڑ لیا اور اکثر دفعہ سواریاں بھی جل گئیں اور آگ نے ان کو نکلنے کا موقعہ بھی نہ دیا اور ان کی راکھ ہو جانے پر لوگوں کو حادثے کا علم ہوا۔ بہر حال کچھ دیر کے بعد مسٹر عبداللہ اور تین چار احمدی سائیکلوں پر ہمارے لئے چائے اور پانی لے کر پہنچ گئے۔ اس حادثے کا کئی دن تک طبیعت پر اثر رہا۔ لیکن ایک دوسری سوچ سے بہت محظوظ ہوا۔ وہ یہ کہ خدا نے اپنے مسیح موعود سے کئے گئے وعدوں کو کس شان سے پورا کیا کہ ’’میں

تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا‘۔اس جنگل میں بھی اس مسیح پاک کے ماننے والے ہیں۔اور یہ وعدہ بھی پورا ہوا کہ”آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے“۔ **الحمدللہ** خدا تعالیٰ نے اس آگ سے ہمیں بچایا۔**الحمدللہ الذی صدقنا وعدہ**۔اس کی اطلاع حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کو بھی تفصیلاً دی گئی۔ حضورانور نے بھی دعاؤں کے ساتھ مبارکباد دی۔**جزاھم اللہ احسن الجزاء**.

کوٹلی آزاد کشمیر کا سفر اور حادثہ

1993ء کی بات ہے۔مجھے مرکز کی طرف سے کوٹلی آزاد کشمیر ایک جلسہ میں شمولیت کے لئے مرکزی نمائندے کے طور پر بھجوایا گیا۔بمقام چرناڑی جلسہ تھا۔جلسہ کے بعد ایک احمدی کی جیپ پر ہم تتہ پانی کے لئے روانہ ہوئے کہ وہاں پہنچ کر ہم حضورانور کا خطبہ سنیں گے۔جیپ بڑے مشکل راستہ سے تو نکل آئی لیکن گوئی کے نالہ کو عبور کر کے جیپ چڑھائی چڑھ رہی تھی تو اس کی بریک نے کام کرنا چھوڑ دیا اور وہ پیچھے کی طرف لڑھکنا شروع ہوگئی۔دائیں طرف پہاڑ تھا اور بائیں طرف خطرناک گہرا کھڈ۔کچھ دوستوں نے چھلانگیں لگائیں۔بعض کو چوٹیں بھی آئیں۔خاکسار فرنٹ سیٹ پر ڈاکٹر بشیر احمد صاحب امیر ضلع کے ساتھ بیٹھا تھا۔ڈرائیور نے عقلمندی اور ہوش وحواس کو قائم رکھتے ہوئے جیپ کو دائیں طرف پہاڑ کے ساتھ ٹکرا دیا اور وہ ٹکر لگتے ہی سڑک پر گر گئی۔کئی دوستوں کو چوٹیں آئیں۔ڈاکٹر صاحب تو جلدی نکل گئے۔میں بری طرح پھنسا ہوا تھا۔سنبھلتے سنبھلتے ڈیزل میرے کپڑوں پر گر گیا۔بمشکل باہر نکلا۔**الحمدللہ** کہ کوئی زخم نہ آیا۔البتہ چند دوستوں کو معمولی زخم آئے۔سب خیریت سے تھے۔

خاکسار کا طریق ہے کہ سفر میں خواہ اسی دن واپسی ہو،کپڑوں کا ایک زائد سوٹ رکھ لیتا ہے۔چنانچہ میں نے کپڑے تبدیل کئے۔اس حادثے کی خبر کوٹلی پہنچ گئی تھی۔کوٹلی کے احباب پریشان انتظار کر رہے تھے۔ہم دیر سے کوٹلی پہنچے۔وہاں عزیزم عبدالسلام کے ہاں رات گزاری۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ اس علاقہ کے چپہ چپہ سے واقف تھے۔جب آپ کو اس حادثے کا علم ہوا تو حضور نے ازراہِ شفقت خط لکھا جس میں زخمیوں کی جلد صحت یابی کی دعا اور بڑے نقصان سے محفوظ رہنے پر مبارکباد دی۔

حادثہ سے معجزانہ طور پر محفوظ رہنا

1995ء کی عیدالفطر کی نماز کے لئے خاکسار اپنے مکان واقعہ دارالنصر غربی ربوہ سے سائیکل پر روانہ

ہوا۔ میری درمیانی بہو عزیزہ امتہ الوحید اہلیہ حافظ ناصر احمد قمر صاحب میرے ساتھ تھیں۔ چھوٹی بہو عزیزہ عطیہ اپنے شوہر مظفر احمد قمر صاحب کے ہمراہ اپنی امی کے پاس عید منانے کے لئے راولپنڈی گئے ہوئے تھے۔ ہم عید کی نماز سے 15/20 منٹ پہلے گھر سے نکلے۔ جب سڑک پر آئے تو وہاں بہت سے لوگ کھڑے تھے۔ کچھ بچے، بوڑھے، جوان، ٹرکوں پر سوار ہو رہے تھے۔ ٹرک بھی احمدی احباب کے تھے۔ ایک ٹرک کے پاس سے جو ہم گزرے تو ٹرک نے چلنا شروع کر دیا۔ اس کی ایک زنجیر لٹک رہی تھی جس کے آگے ہُک (کنڈی) سی بنی ہوئی تھی۔ وہ جھومتی ہوئی ہماری سائیکل کے اگلے پہیے میں پھنس گئی۔ ٹرک کچھ تیز ہو گیا۔ جھٹکے سے امتہ الوحید پیچھے سے گر گئی۔ چند گز چلنے کے بعد سائیکل میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ نہ جانے کس طرح میں سیدھا پاؤں کے بل زمین پر گرا۔ سائیکل ایک فرلانگ تک گھسٹتی ہوئی آگے چلی گئی۔ لوگوں نے شور ڈالا تب جا کر ٹرک رکا۔ مجھے کئی دن تک پنڈلیوں اور رانوں میں درد رہا۔ زخم تو کوئی نہ آیا۔ لیکن دباؤ کی وجہ سے رانوں اور پنڈلیوں میں درد رہا۔ میں کئی دن تک نماز کے لئے مسجد نہ جا سکا۔ دیکھنے والے کہتے ہیں کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے تمہیں سائیکل سے اتار کر نیچے کھڑا کر دیا۔ اور اگر سائیکل نہ چھوٹتی تو خطرہ تھا کہ میں جھٹکے سے ٹرک کے نیچے آ جاتا یا اس کے ساتھ سر ٹکرانے سے کسی شدید صدمے کا شکار ہو جاتا۔ خوشی کے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے مجھے، میرے خاندان، دوستوں اور خیر خواہوں کو کسی افسوسناک حادثے سے محفوظ رکھا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ فَاللّٰہُ خَیْرٌ حَافِظاً وَّھُوَ اَرْحَمُ الرّٰاحِمِیْنَ۔

محترم مولانا صدیق احمد منور صاحب

سابق مبلغ سلسلہ ماریشس، کانگو، مڈغاسکر

۱۹۷۶ء میں ماریشس میں قومی انتخابات تھے۔ ملک کی آزادی کے بعد سے سرسیوسا گررام غلام صاحب ہی وزیراعظم تھے۔ ان کی لیبر پارٹی بہت کمزور ہوچکی تھی اس کے مقابل پر M.M.M پارٹی غیر معموی طور پر مقبول اور طاقت ورتھی۔ لیبر پارٹی کے فتح یاب ہونے کے بظاہر کوئی امکانات نہ تھے۔ خاکسار نے خواب میں دیکھا کہ مرکزی مسجد دارالسلام کے صحن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ آئے ہیں اور یوں لگتا ہے کہ جلسہ سالانہ میں سب جماعت کے دوست جمع ہیں حضور نے مجھے (جب کہ میں جماعت کا امیر تھا) فرمایا کہ جماعت کو بتادیں کہ میرے ساتھ تجدید بیعت کریں اور ساتھ ہی حضور کا وجود سرسیوسا گررام غلام صاحب کا روپ اختیار کرگیا۔ اس خواب کی تعبیر میرے لئے بہت واضح تھی اور یہ ارشاد تھا کہ اگرچہ سرسیوسا گررام غلام صاحب غیر مقبول ہیں اور بظاہر ان کے فتح پانے کی کوئی امید نہیں ہے۔ تاہم جماعت احمدیہ کو اپنا ووٹ انہیں ہی دینا چاہئے۔ میرا یہ خواب احمدی دوست بھی عمومی میلان کے برعکس ہونے کے باعث سننے کو تیار نہ تھے لیکن خاکسار نے احمدی دوستوں کو بتایا کہ یہ الٰہی اشارہ ہے اس لئے ہمیں اپنا ووٹ موجودہ وزیراعظم کو ہی دینا چاہئے۔

خاکسار نے ایک خط کے ذریعہ وزیراعظم کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ انہیں باوجود مشکل حالات کے فتح دے گا اور یہ فتح اس بات کی ثبوت ہوگی کہ عالم الغیب خدا نے احمدیہ جماعت کو قائم کیا ہے اور آج بھی وہ غیب کی خبریں اپنے بندوں کو دیتا ہے۔

۲۰/دسمبر ۱۹۷۶ء کو ملک میں قومی انتخاب ہوئے اور صرف ایک پارلیمنٹ سیٹ کے ساتھ سرسیوسا گررام غلام صاحب ملک کے وزیراعظم بن گئے اور وہ چند سو ووٹ بھی احمدیوں کے ہی تھے جو ان کی فتح کا باعث بن گئے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔ اس کامیابی سے متعدد احمدی آفیسرز بڑی آزمائشوں سے بچ گئے کیونکہ انہوں نے بروقت اپنا فیصلہ تبدیل کرکے صحیح راستہ اختیار کرلیا اور حکومت کا جماعت احمدیہ سے

متعلق رویہ پہلے کی نسبت بہت اچھا ہو گیا۔

احمدی مبلغ کی قبولیت دعا کا ایک زندہ نشان

اپریل ۱۹۸۳ء میں ایک خوف ناک سوموار آیا جبکہ میرا بیٹا خالد شدید درجہ حرارت سے بیدار ہو گیا۔ اس کے جسم پر چھوٹے چھوٹے سرخ نشان پڑ گئے۔ اس کی عمر آٹھ سال کی تھی۔ ہم نے اس تکلیف کو چیچک سمجھا۔ جب ہم بچے کو پچھلے پہر اس کے چچا ڈاکٹر محمد اسحاق جواہ صاحب کے پاس لے گئے تو مجھے فکر لاحق ہوئی کیونکہ میں نے ڈاکٹر صاحب کی آنکھوں میں پریشانی دیکھی۔ انہوں نے مجھے خالد کو ہسپتال یا پرائیویٹ کلینک میں داخل کرانے کا مشورہ دیا۔ میں نے ان سے بیماری کے بارہ میں دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ Septicemia کا عارضہ ہے۔ مجھے اس مرض کا کوئی علم نہ تھا۔ مجھے فوری طور پر اس بیماری کے خطرناک ہونے کا کوئی احساس نہ ہوا۔ ڈاکٹر اسحاق صاحب نے مجھے کہا کہ اگر مجھے ان پر اعتماد ہے تو وہ گھر پر اس کا علاج کریں۔ میں نے ڈاکٹر صاحب پر ہمیشہ اعتماد کیا ہے اور اب بھی کرتا ہوں میں نے ان کی بات مان لی۔

ہم گھر واپس آ گئے اور علاج شروع کر دیا۔ علاج آئندہ دنوں جاری رہا اور ہم خالد کی صحت یابی پر خوش تھے۔ اس کی صحت کے بارہ میں بروز جمعرات یعنی تین دن بعد میں نے ڈاکٹر صاحب کے چہرے پر افسردگی اور پریشانی دیکھی۔ درحقیقت خالد کی صحت سخت خراب ہو گئی تھی اور اب تشویشناک ہو رہی تھی۔ مغرب کے بعد شام کے سات بج چکے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ دوائیاں لانے کو کہا اور یہ کہ اسے خون دیا جائے گا۔ ہم سب سخت گھبرا گئے اور دعاؤں میں لگ گئے۔

رات نو بجے عشاء کی نماز کے بعد مجھے یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ کثیر تعداد میں ہمارے رشتہ دار اور دوست اظہار ہمدردی کے لئے میرے گھر آ رہے ہیں۔ میرے ایک مخلص دوست نے بتایا کہ ڈاکٹر اسحاق صاحب نے مسجد میں دوستوں سے خالد کے لئے دعا کے لئے درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ خالد آج کی رات بھی پوری نہ کرے گا یہ سن کر مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا۔ میں صدمہ سے نڈھال ہو گیا اور میں نے یوں محسوس کیا کہ میری دنیا اندھیر ہو گئی۔

انہی لمحات میں مولانا صدیق احمد منور صاحب امیر مشنری انچارج جماعت احمدیہ ماریشس تشریف لائے۔ ان کے ساتھ میرا ایک قلبی تعلق تھا وہ میرے گھرانے سے بہت مانوس تھے۔ جب انہوں نے دیکھا

کہ اتنے لوگ میرے گھر پر جمع ہیں انہوں نے مجھے کہا کہ گھر میں کوئی کمرہ مجھے دیں جہاں میں اکیلا دعا کرسکوں۔ میں نے انہیں ایک کمرہ فراہم کردیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ روشنی بجھادی اور دروازہ بند کرلیا اور دعا شروع کردی۔ اس دوران لوگ ہمارے ہاں چلے آرہے تھے۔ میں اور میری اہلیہ ہم قریبی مسجد میں دعا کرنے کے لئے چلے گئے۔ قریباً ایک گھنٹہ کے بعد مولانا صاحب کمرہ سے باہر آئے۔ ان کے چہرے پر فکر کے کوئی آثار نہ تھے وہ میری طرف آئے اور کہا کہ ''فکر نہ کریں خالد ٹھیک ہوجائے گا'' مجھے یہ سن کر آرام محسوس ہوا اور مجھے پورا اعتماد ہوگیا کہ خالد ٹھیک ہوجائے گا۔ ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق ہم ساری رات اس کا درجہ حرارت چیک کرتے رہے۔ اگلے روز جمعہ کے بعد کچھ انتہائی بے آرامی کے لمحات کے بعد خالد گہری نیند سو گیا۔ میں اسے مضبوطی سے پکڑتے ہوئے درود شریف پڑھتا رہا ڈاکٹر صاحب نے ہدایت دی کہ خالد کے کمرہ میں کوئی داخل نہ ہو۔ اس دوران میرے بڑے بھائی بشیر تیجو صاحب جو خالد سے بہت پیار کرتے تھے خالد کے کمرہ میں داخل ہوئے اور اپنے بازوؤں سے خالد کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے اس کے ساتھ سو گئے یہاں تک شام پانچ بجے ڈاکٹر اسحاق صاحب آگئے۔ جب ڈاکٹر صاحب خالد کے کمرہ سے باہر آئے تو وہ مسکرا رہے تھے انہوں نے مجھے کہا کہ ''آپ کا بیٹا خطرہ سے باہر ہے'' میں نے فوری طور پر مولانا صدیق صاحب کو فون کیا اور انہیں خوشخبری دی۔ یہ واقعی ایک معجزہ تھا۔ خدا نے اپنا رحم ظاہر کیا۔ یہ ہماری زندگی میں انتہائی خوفناک اور ناخوشگوار تجربہ تھا۔ تاہم آخر کار ہم نے دعاؤں کی طاقت کا مشاہدہ کیا اور ایک زندہ خدا کے رحم وکرم سے ہم فیضیاب ہوئے۔ الحمدللہ۔

زائیرے میں قیام کے دوران احمدیت کی صداقت کا ایک نشان

جماعت احمدیہ زائیرے (موجودہ نام کانگو ڈی۔آر) کے ایک ممبر مکرم یونس MBEMBA صاحب نے ۱۹۸۶ء میں بیعت کی۔ بیعت کے بعد خاکسار نے انہیں بتایا کہ اب آپ کے لئے دو خوشخبریاں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کی اولاد میں برکت دے گا اور دوسرے یہ کہ آپ کے اموال میں بھی برکت پیدا ہوگی کیونکہ خداوند کریم نے بذریعہ الہام بانی جماعت احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ ''میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بڑھاؤں گا اور ان کے نفوس اور اموال میں برکت دوں گا'' یہ بات سن کر مکرم یونس صاحب نے مجھے مخاطب ہوکر کہا کہ مولانا یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میری تو اولاد ہی نہیں اور قریباً چار سال کا عرصہ شادی پر گزر چکا ہے اور میرے سسرال والے ہماری شادی ختم کرنا چاہتے ہیں ان کی یہ مایوسی کی

کیفیت سن کر میں نے ایک دکھ محسوس کیا۔ انہی لمحات میں خاکسار کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء ہوا کہ انہیں اولاد کی خوشخبری دے دی جائے چنانچہ راقم الحروف نے پورے اعتماد اور یقین سے مکرم یونس صاحب کو کہا کہ اللہ آپ کو اولاد دے گا اور انشاء اللہ نرینہ اولاد دے گا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مذکورہ پیشگوئی آپ کے حق میں بھی پوری ہوگی اور یہ امر احمدیت کی صداقت کا ایک نشان ہوگا۔ اس وقت تک مکرم یونس صاحب کی اہلیہ عیسائی تھیں۔ میں نے انہیں پیغام بھیجا کہ اگر اللہ تعالیٰ انہیں اولاد عطا فرمائے تو وہ بھی یہ نشان دیکھ کر بیعت کرلیں چنانچہ انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر نشان ظاہر ہوتو وہ اسلام قبول کرلیں گی۔ خاکسار نے تفصیل لکھ کر حضور خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کو خصوصی دعا کے لئے درخواست کی کہ اگر اللہ تعالیٰ ایسا نشان کانگو جماعت کی ابتدائی تاریخ میں ظاہر فرمادے تو تبلیغی لحاظ سے جماعت کے حق میں بہت اچھا ہوگا میں نے مکرم یونس صاحب کو بتایا تھا کہ دنیا کے پردہ پر سب سے زیادہ جس شخص کی دعا قبول ہوتی ہے وہ جماعت احمدیہ کے خلیفہ ہیں چنانچہ خاکسار کے کہنے پر مکرم یونس صاحب نے حضور خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خدمت عالیہ میں اولاد کے لئے دعا کی درخواست کی جس کے جواب میں حضور نے جوابی خط میں فرمایا:

''دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو نرینہ اور صالح اولاد عطا فرمائے''

یہ کتنا بڑا احمدیت کی صداقت کا نشان ہے کہ ہمارے قادر مطلق اور سمیع الدعا خدا نے اپنے خلیفہ کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے جنوری ۱۹۸۷ء میں مکرم یونس صاحب کو پہلے بیٹے سے نوازا۔ ۱۹۸۶ء کے شروع میں انہوں نے بیعت کی اور جنوری ۱۹۸۷ء میں اللہ تعالیٰ انہیں اولاد کی نعمت سے نوازا یہ نشان دیکھ کر ان کی عیسائی بیوی نے بھی فوراً بیعت کرلی اور ان کا اسلامی نام آمنہ رکھا گیا خاکسار کی کانگو سے واپسی تک مکرم یونس صاحب کے تین بیٹے اور ایک بیٹی تھی پہلے بیٹے کا نام احمد رکھا تھا اور اسے وقف کردیا تھا مکرم یونس صاحب تبلیغ کے دوران احمدیت کی صداقت کے اس نشان کا اکثر ذکر کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے ایک ریڈیو سٹیشن پر نشر ہونے والی اپنی تقریر میں اس واقعہ کا ذکر کیا تھا۔ **الحمدللہ علٰی ذٰلک**۔ احمدیت کی سچائی کے نشانات اللہ تعالیٰ ہر ملک میں ظاہر کررہا ہے۔ دشمن کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

❁❁

محترم محمد اسد اللہ قریشی صاحب مربی سلسلہ

گٹھڑی بھی واپس لے لی اور سامان بھی

''جس سال مجھے ادارہ فضل عمر فاؤنڈیشن (ربوہ) کی طرف سے اپنا انعامی مقالہ بعنوان ''انبیاء پاک و ہند'' لکھنے پر انعام ملا (اس انعام کی مقدار مبلغ ایک ہزار روپے تھی) تو میں نے ایک خواب دیکھا۔ یہ جون ۱۹۶۹ء کی بات ہے کہ میرے کمرے کے اندر کوئی چور گھس کر وہاں سے میرا نقد ایک ہزار روپیہ جو مجھے اس ہفتہ فضل عمر فاؤنڈیشن سے مقالہ پیش کرنے پر انعام ملا مع سامان گٹھڑی باندھ کر لے جارہا ہے وہ ابھی کمرے سے نکلا ہی ہے کہ میں نے اسے پکڑ لیا ہے اور اس سے گٹھڑی واپس لے لی ہے اور ایک ہزار روپیہ بھی رکھوالیا ہے۔''

اب یہ خواب کیسے پورا ہوا اور پھر اس کے پورا ہو جانے پر مخالفین احمدیت جنہوں نے میرے نقصان کی خبر ملنے پر خوشی کے جشن منائے تھے کیسے شرمندہ ہوئے۔ یہ ایک دلچسپ کہانی ہے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''خاکسار ۲۰ رجون ۶۹ء کو ربوہ سے کوٹلی آزاد کشمیر روانہ ہوا جہاں کے لئے میں بحیثیت مربی سلسلہ متعین تھا اور ایک ہزار روپیہ مع مختصر سامان کی گٹھڑی بھی ہمراہ تھی۔ راولپنڈی سے کوٹلی کے لئے گورنمنٹ ٹرانسپورٹ کی بس جس پر میں موضع نکیال کی ایک سواری کے ساتھ سوار تھا نارہ مٹور نامی مقام پر ٹھہری میں یہاں چائے کی دوکان پر چائے پینے بیٹھا کہ بس نکل گئی اور میں پیچھے رہ گیا۔ میں نے چند گھنٹوں کے بعد دوسری بس پکڑ لی مگر جب کوٹلی پہنچا تو میرا سامان ایک مع ایک ہزار روپیہ گم تھا۔ اُسی وقت میں نے کوٹلی سے ایک اور دوست ظہور احمد صاحب کو جو نکیال کے علاقہ کا واقف تھا۔ جیپ کے ساتھ ہمراہ لیا اس خیال سے کہ شاید وہ سواری سامان اکٹھا کر کے لے گئی جو میری ساتھ والی سیٹ پر نکیال جانے والی بیٹھی تھی۔ نکیال پہنچ کر ہم نے پولیس والوں کو اطلاع دی اور پھر ہوٹلوں وغیرہ سے پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ نکیال جو سواریاں اُتری تھیں وہ ڈبسی کی تھیں جو یہاں سے چار پانچ میل دُور دشوار گزار پہاڑ پر جنگلی علاقہ میں ایک

گاؤں ہے۔اب شام ہو چکی تھی ہم نے روشنی کا انتظام کر کے موضع ڈبسی میں جا کر تین سواریوں سے پتہ کیا لیکن سامان نہیں ملا۔ چوتھی سواری غلام حسین نامی سے سامان کا پتہ مل گیا اور اُس نے اقرار کرلیا میں سامان اٹھالایا ہوں چنانچہ گٹھری اور بیگ منگوائے گئے تو ایک ہزار روپیہ کا وہ لفافہ بھی مل گیا جس پر لکھا ہوا تھا ''فضل عمر فاؤنڈیشن کی طرف سے انعام'' دوسرے دن واپس کوٹلی آ گئے۔کوٹلی کے مخالف لوگوں نے بازار میں خوشی منائی تھی کہ احمدی مولوی کا ایک ہزار روپیہ چوری ہو گیا۔اب وہ ہرگز نہیں ملنے کا بعض نے کہا اگر ملا تو احمدی ہو جائیں گے۔خدا کا کرنا جب راستہ کے لوگوں نے جو یہ کہانی سن چکے تھے اور کوٹلی والوں نے بھی سنا کہ مولوی صاحب کی چوری برآمد ہو گئی ہے اور ایک ہزار روپیہ بھی مل گیا ہے تو مخالفین شرمندہ ہو گئے اور اس طرح خدا کی غیبی امداد اور دعاؤں کی قبولیت کا ایسا نشان ظاہر ہوا کہ پورے علاقہ میں اس کی شہرت ہو گئی لوگ حیران تھے کہ جس رقم اور سامان کو شائد پولیس بھی برآمد نہ کرا سکتی تھی وہ کس طرح سب کا سب برآمد ہو گیا۔''

محترم محمد عثمان چاؤ صاحب

مربی سلسلہ انگلستان وانچارج چینی ڈیسک

میرا ایمان ہے کہ حقیقی اسلام اور احمدیت کی تعلیمات، آنحضورؐ اور خلفاء راشدین کی پاک سیرت اور تعلیمات پر عمل کرتے ہوئے نیز حضرت مسیح موعود علیہ السلام، خلفاء کرام، صحابہ اور دیگر بزرگوں کے نمونہ پر چل کر بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کی طرف سے خصوصی سلوک اور اس کے فضلوں کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض لوگوں کو بیان کرنے کا موقع نہیں ملتا اور بعض طبعاً ایسی باتوں کا بیان کرنا پسند نہیں کرتے لیکن یہ حقیقت ہے کہ بعض اوقات دنیا میں معمولی سمجھے جانے والے لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے اور ان پر اپنے فضل نازل فرماتا ہے۔ میری زندگی بھی اللہ تعالیٰ کے فضلوں سے بھری پڑی ہے اور مجھے بھی ایسے واقعات کے ذکر سے شرم محسوس ہوتی ہے۔ مکرمی افتخار ایاز صاحب نے خاکسار کو چند ایمان افروز واقعات لکھنے کے لئے کہا ہے۔ ویسے تو زندگی کا ہر لمحہ ہی خدا تعالیٰ کے فضلوں سے معمور ہے۔ تاہم بعض واقعات تو محض خدا تعالیٰ کی صفت رحمانیت سے وجود میں آئے۔ خاکسار کے بیان کردہ چند واقعات اگر کسی کے لئے ایمان افروز ثابت ہوں تو یہ کوئی میری ذاتی خوبی نہیں ہے بلکہ محض خدا کا فضل ہے اور اسی کی صفات کا پرتو ہے۔ مجھے بارہا خیال آتا ہے کہ چین جیسے اسلام سے دور ایک ملک سے خدا تعالیٰ کا ایک شخص کو خاص طور پر معرفت سکھانا یہ محض اس کا فضل ہے اپنے کسی عمل کا نتیجہ نہیں ہے۔ بہرحال ان واقعات کے بیان کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان سے خدا تعالیٰ کی صفات کا ثبوت ملتا ہے اور اسلام اور احمدیت کی سچائی نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ یعنی جہاں تک تیرے رب کی نعمت کا تعلق ہے تو (اسے) بکثرت بیان کیا کر۔ پس جو باتیں ذیل کی سطور میں پڑھیں گے ان کا خود مجھے یہ فائدہ ہوا ہے کہ سالہا سال پہلے گزرے ہوئے واقعات کو یاد کر کے خدا تعالیٰ کا شکر کرنے کا ایک موقعہ مل گیا ہے۔

بچپن میں خواب کا پورا ہونا

چین کی بات ہے۔اس وقت میری عمر نو، دس سال ہوگی۔ایک دن دو تین لڑکوں کے ساتھ کھلی جگہ پر پتنگ بازی کررہا تھا۔اس دوران میں نے اپنے دستانے جو سردی سے محفوظ رہنے کے لئے پہنتا تھا زمین پر رکھ دیئے اور کھیل میں مشغول ہوگیا۔اچانک دیکھا کہ پتنگ دور جارہی ہے۔ میں اسے پکڑنے کے لئے پتنگ کے پیچھے دوڑا۔ جب واپس آیا تو دستانے غائب تھے۔میرے دل میں شک گزرا کہ ساتھ کھیلنے والے ان لڑکوں میں سے کسی نے لئے ہوں گے مگر میں نے کسی سے بات نہ کی۔دل میں کافی تکلیف تھی۔ دستانے کافی قیمتی تھے۔ضرورت بھی تھی۔ وہ میری والدہ صاحبہ اس کے متعلق ضرور پوچھیں گی اور میری لاپرواہی پر مجھے ڈانٹیں گی۔ایک دن خواب میں دیکھا کہ ان میں سے ایک لڑکا جس کے سر پر ایگزیما تھا، اسے خارش ہوتی تھی اور وہ سر سے گنجا تھا وہ دستانے لے گیا ہے۔میں یہ خواب بھلا نہیں سکا مگر یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ واقعتاً وہی لڑکا لے گیا تھا۔ بہرحال ایک دو سال بعد واقعتاً اسی گنجے لڑکے کے ہاتھوں پر میں نے وہ دستانے دیکھ لئے۔اس وقت وہ دستانے خراب ہو چکے تھے مگر میں نے پہچان لیے تاہم اسے کچھ نہیں کہا۔ اس خواب کے پورا ہونے سے میرے ایمان کو تقویت ملی۔ میں سوچتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنے قریب لانے کے سامان پیدا فرمارہا تھا۔

حفاظت الٰہی کا نظارہ

میرے بچپن ہی کا ایک اور واقعہ ہے اس وقت میری عمر دو تین سال تھی۔ایک دفعہ جب میں بیمار تھا۔ مجھے والدہ صاحبہ دوائی کھلا رہی تھیں اور میں رورہا تھا۔اچانک باہر سے ایک خوفناک آواز سنائی دی۔ والدہ صاحبہ کو پتہ چلا کہ کوئی ڈاکو ہے جو ہمارے گھر کے باہر کے دروازے سے اندر آنا چاہتا ہے۔انہوں نے مجھے کہا چپ ہوجاؤ۔ میں سہم گیا اور خاموش ہوگیا۔ پھر میری والدہ صاحبہ اور ہماری ایک رشتہ دار خاتون نے جلد ہی مجھے اٹھایا اور گھر کے دوسرے دروازے سے باہر نکل کر بھاگ گئیں۔قریب ہی ایک گھر کا دروازہ جا کر کھٹکھٹایا مگر انہوں نے ڈاکو کے خوف سے دروازہ نہ کھولا۔اسی اثناء میں ڈاکو ہمارے قریب آپہنچا۔ڈاکو نے کہا کہ اب کدھر بھاگو گے؟ میری والدہ اور ان کی ساتھی بزرگ عورت نے کہا کہ ہم دیہاتی لوگ ہیں اور غریب ہیں، ہمارے پاس کچھ نہیں۔ ہمارا بچہ چھوٹا ہے اور ہم تو ابھی اس کا علاج کروا کر واپس

آئے ہیں۔ بچہ آپ کو دیکھ کر ڈر رہا ہے۔ آپ ہمیں چھوڑ دیں۔ (گویا ڈاکو کو یہ احساس دلایا کہ جس گھر کے باہر ہم کھڑے ہیں یہ ہمارا ہی گھر ہے)۔ڈاکو نے کہا آپ تو خود بھی محفوظ نہیں ہیں اور بچے کی فکر کر رہی ہیں؟ اس کے بعد ڈاکو چلا گیا مگر اس کے چلے جانے کے بعد بھی اس گھر والوں نے ہمارے لئے دروازہ نہ کھولا۔ اس وقت والدہ صاحبہ حاملہ تھیں۔ مجھے اٹھا کر کسی اور گاؤں میں چلی گئیں۔ راستے میں کئی بار گریں مگر ہمت نہ ہاری اور چلتی رہیں۔ آخر ایک رشتہ دار کے گھر جا کر پناہ لی۔

ہمارے تعاقب سے پہلے ڈاکو جب ہمارے گھر میں داخل ہوا تو اس وقت ہمارے گھروں کا نقشہ اس طرح ہوا کرتا تھا کہ پہلے پھوپھا جان کا گھر آتا تھا اور اس کے اندر سے گزر کر ہم اپنے گھر داخل ہوا کرتے تھے۔ ڈاکو کا ٹارگٹ ہمارے پھوپھا کا گھر تھا جو پہلے ضلع کے اعلیٰ افسر تھے اور فوت ہو چکے تھے۔ ان کے پاس سونا اور چاندی تھا جو پھوپھی جان نے اپنی چارپائی کے نیچے چھپایا ہوا تھا۔ چنانچہ ڈاکو پھوپھا جان کے گھر سے ہی داخل ہوا لیکن ان کے مکان کو خاص دھیان سے نہ دیکھا۔ دراصل اسے غلطی لگی اور اس نے خود ہی خیال کیا کہ اگلا گھر اس ضلعی افسر کا ہوگا۔ چنانچہ وہ اگلے گھر میں داخل ہوا۔ آگ جلائی اور ادھر ادھر کی تلاشی بھی لی مگر اسے کچھ نہ ملا۔ میری پھوپھی جان بچوں سمیت ایک کمرے میں چھپ گئیں جو مویشیوں کے لئے تھا۔ وہاں پر موجود مویشیوں کا نگران دروازے پر کھڑا ہو گیا اور ڈاکو سے کہا کہ ادھر تو مویشی ہیں اور کچھ نہیں۔ اس پر وہ ڈاکو مویشیوں والے کمرے کے اندر داخل نہیں ہوا اور گھر کے ایک اور دروازے سے باہر چلا گیا اور اپنے مطلوبہ آدمیوں کو تلاش کرنے لگا۔ (اسی دروازے سے میری والدہ مجھے لے کر باہر کی طرف بھاگی تھیں)۔ جب یہ واقعہ وقوع پذیر ہوا تو اس وقت میرے والد صاحب بیٹھک میں سوئے ہوئے تھے میرے چچا نے آ کر انہیں ڈاکو کی آمد کی اطلاع کی۔ ڈاکو نے والد صاحب کا تعاقب کیا مگر انہیں پکڑ نہ سکا۔ البتہ میرے چچا جان کو پکڑ لیا اور کہیں لے گیا۔ گاؤں سے باہر جا کر اس ڈاکو کے باقی ساتھی بھی جمع ہو گئے۔ ڈاکوؤں میں سے ایک شخص ان کا گائیڈ تھا اس نے اپنے ساتھیوں کو ڈانٹا اور کہا کہ جسے پکڑنا چاہیئے تھا اسے تو آپ نے پکڑا ہی نہیں اور چھوڑ دیا ہے۔ جاؤ اور اسے پکڑ لاؤ۔ وہ دوبارہ ہمیں پکڑنا چاہتے تھے۔ چچا نے انہیں کہا آپ لوگوں نے جب مجھے پکڑ لیا ہے تو اب کسی اور کو پکڑنے کی کیا ضرورت ہے؟ چنانچہ ڈاکو نہ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے چچا کی آنکھوں پر کچھ چڑھا دیا اور کہیں دور لے گئے اور کئی مہینوں تک اپنے پاس رکھا۔ پھر ایک بڑی رقم بطور تاوان لے کر اندھیرے میں جنگل میں چچا کو چھوڑ دیا۔

چچا ساری رات شور مچاتے رہے۔ کوئی پاس نہ آیا۔ صبح جب ایک کسان کھیتی باڑی کے لئے اپنی زمین پر گیا تو وہ انہیں گھر واپس چھوڑ گیا۔ اس قوت چچا کافی کمزور ہو چکے تھے۔ یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل ہے اس نے اپنے فضل سے ہمیں بچا لیا ورنہ چچا جان کی طرح ہمیں بھی کئی ماہ تک ڈاکوؤں کے پاس رہنا پڑتا بلکہ زندہ بچ کر واپس آنا مشکل اور ناممکن تھا۔ گو بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے لیکن اس میں خدا تعالیٰ کی خاص حفاظت کا سلوک نظر آتا ہے جو اس نے ہمارے ساتھ کیا ورنہ کبھی دینی خدمت کا موقعہ نہ ملتا۔ گویا یہ بھی خدا تعالیٰ کے خاص فضلوں میں سے ایک ہے۔

موت کے پنجے سے نجات

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ چین میں لوگ آپس میں لڑائی میں مصروف تھے۔ میں اس وقت نان چنگ یونیورسٹی میں پڑھتا تھا۔ لڑائی کی وجہ سے بعض طالب علموں نے ایک اور یونیورسٹی میں داخلے کا پروگرام بنایا۔ مجھے بھی اس بارہ میں کافی فکر ہوئی لیکن مالی حالات ایسے نہ تھے کہ اس یونیورسٹی میں جا سکتا۔ آخر سوچا کہ کوانگ چو (Canton) کی ایک یونیورسٹی میں جا کر داخلہ لے لوں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے لئے اس کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے ایک ریل گاڑی پر بیٹھا لیکن راستہ میں لڑائی کی وجہ سے وہ روک دی گئی۔ میں نے ارادہ تبدیل نہ کیا اور پیدل ہی چل پڑا۔ خیال تھا کہ شائد آگے کے لئے کوئی گاڑی مل جائے مگر پتہ چلا کہ آگے جانے والی اور کوئی گاڑی نہیں ہے۔ بعض طالب علم تو پیدل ہی Canton چلے گئے جبکہ کینٹن کا راستہ اتنا لمبا ہے کہ وہاں سے ریل گاڑی پر جائیں تب بھی دو دن لگتے تھے پیدل کے لئے تو دو مہینے سفر کرنا پڑتا تھا۔ بہر حال اب ایک ہی صورت باقی تھی کہ پہلے شنگھائی جاتا اور پھر اگلی منزل کا رخ کرتا لیکن اس جگہ سے شنگھائی کے لئے گاڑی ملنا بھی مشکل دکھائی دیتا تھا۔ اسٹیشن کی طرف چل پڑے۔ حالات کی خرابی کی وجہ سے یہ بھی تکلیف دہ بات تھی کہ راستے میں فوجی راہ چلنے والوں پر اندھا دھند گولیاں چلا دیتے تھے۔ گولیوں سے بچنے کے لئے ہم نے ایک ہوٹل میں جانا چاہا مگر ہوٹل والے نے ہمیں قیام کرنے کی اجازت نہ دی۔ اس وقت عزت نفس کا تقاضا یہی تھا کہ ہم وہیں پر سامنے ہی ایک اور ہوٹل میں چلے جاتے۔ چنانچہ ہم دوسرے ہوٹل کی طرف چل پڑے۔ میں تو ہوٹل کے اندر داخل ہو گیا مگر ایک اور آدمی جو میرے بعد داخل ہو ہی رہا تھا اسے گولی لگی اور وہ ہوٹل کے دروازے میں ہی گر پڑا۔ اس کا آدھا جسم ابھی باہر تھا اسی حالت میں وہ وہاں فوت ہو گیا۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کی حفاظت ہی تھی جس نے مجھے محفوظ رکھا ورنہ مرنے والے

شخص اور میرے درمیان صرف چند سیکنڈ کا فرق تھا۔ میں ہوٹل کے اندر آیا اور بچ گیا جبکہ دوسرا داخل ہوتے ہی حادثے کا شکار ہوگیا۔ بہرحال جب ہم سٹیشن پہنچتے تو معلوم ہوا کہ شنگھائی جانے والی ایک ہی گاڑی ہے۔ ہم دونوں ٹکٹ لینے کے لئے قطار میں کھڑے ہوگئے۔ اس وقت میرے پاس تو ٹکٹ کی رقم بھی کافی نہ تھی میرے ساتھ ایک شخص نے کہا کہ بقیہ رقم میں دوں گا۔ چنانچہ میں نے ان کی پیشکش سے فائدہ اٹھایا، ٹکٹ حاصل کرلیا گیا اور پھر گاڑی پر سوار ہوگیا۔

پاکستان میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا مشورہ

شنگھائی پہنچے تو شروع کے ایک دو دن کی بات ہے۔ میں ایک دفعہ بازار جارہا تھا کہ حسن اتفاق سے راستے میں میرا کالج کا ایک ساتھی مل گیا۔ اس نے کہا کہ Canton جانے کے لئے بحری جہاز کی ٹکٹیں مل رہی ہیں آپ ٹکٹ لے لیں ہم اکٹھے چلتے ہیں۔ چنانچہ اسی دن ٹکٹ لیا اور تین دن کے سفر کے بعد اپنی مطلوبہ Zhongshan یونیورسٹی پہنچ کر داخلہ لے لیا۔ کینٹن میں رہتے ہوئے میں چین کی سب سے پرانی مسجد کوانگ تھا (Guang ta) دیکھنے گیا۔ ایک دو سال سے میرا ارادہ تھا کہ ترکی جاکر اسلامیات پڑھی جائے۔ جب مسجد دیکھنے گیا تو وہاں ایک پرانے جاننے والے مسلمان بزرگ سے ملاقات ہوگئی جنہیں میرے اس ارادے کا علم تھا اور انہوں نے مجھے مشورہ دیا تھا کہ آپ ترکی کی بجائے انڈیا جاکر دینیات سیکھیں تو زیادہ بہتر ہوگیا۔ اس دفعہ جب ان سے ملا تو انہوں نے کہا کہ یہاں آپ یونیورسٹی میں کیا پڑھیں گے۔ اسلام کی خدمت کی زیادہ ضرورت ہے۔ تبلیغ کا کام کریں۔ میں نے کہا مجھے تو خود اسلام کا پورا علم نہیں میں کسی اور کو کیا تبلیغ کروں گا۔ انہوں نے مجھے ایک انگریزی ترجمہ قرآن دکھایا جو مولوی محمد علی صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی راہنمائی میں تیار کیا تھا۔ میں نے کہا کہ میں یونیورسٹی کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس ترجمہ قرآن کو بھی پڑھتا رہوں گا۔ انہوں نے میرے خیال سے اتفاق کیا۔ بعد میں میں نے اس معاملے پر مزید غور وفکر کیا تو اس نتیجے پر پہنچا کہ صرف ترجمہ پڑھنے کی بجائے بہتر ہوگا کہ پاکستان جاکر بہتر طور پر دینی تعلیم حاصل کی جائے۔ اس طرح زیادہ اچھی طرح دین کی خدمت کرسکوں گا۔ چنانچہ ایک دوست کو ساتھ لے کر ان بزرگ سے پھر ملا اور کہا کہ میں آپ کے مشورے کے مطابق پاکستان جاکر تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ (اس وقت پاکستان وجود میں آچکا تھا)۔ انہوں نے کہا کہ میں چوہدری ظفر اللہ خان صاحب سے کہہ کر آپ کے لئے انتظام کرتا ہوں (حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب

رضی اللہ عنہ تقسیم ہند سے پہلے چین میں انڈیا کے ہائی کمشنر رہے تھے اور اب پاکستان کے وزیر خارجہ تھے۔حضرت چوہدری صاحب اوران کی آپس میں ملاقات رہتی تھی)۔انہی دنوں میں Canton مسلم ایسوسی ایشن کے صدر سے بھی ملا اوراپنا ارادہ انہیں بتایا۔انہوں نے کہا کہ ایک پاکستانی ڈاکٹر لطیف احمد صاحب مجھے ملے ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ اگر کوئی پاکستان جا کر دینی تعلیم حاصل کرنا چاہے تو اس کا مجھ سے رابطہ کروائیں اور کسی اخبار میں اس بات کا اشتہار بھی دلوادیں۔(ڈاکٹر صاحب کو اس سلسلہ میں اپنی جماعت کی طرف سے چٹھی ملی تھی جس کی بناء پر انہوں نے یہ بات کی تھی)۔بہرحال ایسوسی ایشن کے صدر صاحب نے کہا ان کا اشتہار تو میں شائع نہیں کرواسکا لیکن اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ان سے ملواسکتا ہوں۔چنانچہ انہوں نے مجھے ڈاکٹر صاحب سے ملوایا۔ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ آپ پاسپورٹ بنوائیں۔اس وقت چینی حکومت اس طالب علم کو پاسپورٹ جاری کرتی تھی جسے غیر ملک سے کسی ادارے نے sponsor کیا ہو۔میں نے ڈاکٹر صاحب کی چٹھی کی بناء پر پاسپورٹ بننے کے لئے دے دیا جو ایک دو ہفتے میں ہی بن گیا۔اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے مجھے کہا کہ آپ تیاری کریں میں آپ کے سفر خرچ کے لئے جماعت کو لکھتا ہوں۔میں نے کہا کہ سفر خرچ میں خود ہی برداشت کرلوں گا۔اس کے بعد میں اپنے خرچ پر ہی سفر پر روانہ ہوا اور سنگاپور پہنچا۔

سنگاپور میں احمدیہ مبلغ سے ملاقات

سنگاپور کے بحری اڈے پر امیگریشن آفیسر نے کہا کہ آپ کے پاس پاکستان جانے کا ٹکٹ بھی نہیں ہے اور خرچ کے لئے پیسے بھی کافی نہیں۔اس لئے انہوں نے مجھے وہیں روک لیا اور سنگاپور میں بھی داخل نہ ہونے دیا۔ہاں مجھے یہ پیشکش کی کہ اگر میں کوئی ضامن پیش کردوں جو میرے پاکستان پہنچنے کا انتظام کر سکے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر یہی جہاز جب واپس آئے گا تو مجھے اس پر بٹھا کر چین واپس بھجوادیا جائے گا۔جہاز کے واپس آنے میں دو دن باقی تھے۔امیگریشن والوں نے سنگاپور میں صرف دو آدمیوں سے ملنے کی مجھے اجازت دی۔وہاں پر جس جگہ بھی میں جانا چاہتا ایک پولیس کا آدمی میرے ساتھ ہوتا۔میں وہاں اپنے ایک کلاس فیلو سے ملنے گیا وہ نہ مل سکا۔پھر ایک اور چینی مسلمان سے (جن کا سنگاپور میں متعین احمدی مبلغ مکرم غلام حسین ایاز صاحب سے تعلق تھا) ملنے گیا وہ کہیں گئے ہوئے تھے اس لئے ان سے بھی نہ مل سکا۔کسی نے بتایا کہ اگر تو وہ شخص ہوائی جہاز پر آئے تو آپ کو مل سکے گا لیکن اگر گاڑی پر آئے تو آپ اس سے مل نہیں سکیں گے۔

چنانچہ اگلے دن وہ ہوائی جہاز پر آئے۔ امیگریشن آفیسر نے مجھے ان سے ملوایا۔ میں نے انہیں اپنے سفر کا مقصد بتایا کہ میں دینیات سیکھنے جارہا ہوں اور جماعت احمدیہ میری تعلیم کا انتظام کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں غلام حسین ایاز صاحب سے جا کر بات کرتا ہوں۔ اس کے بعد غلام حسین ایاز صاحب خود آئے اور امیگریشن والوں کو یقین دہانی کروائی جس پر انہوں نے مجھے سنگاپور میں داخل ہونے کی اجازت دی۔ میرے پاس پاکستان کا ویزا موجود تھا۔ دو تین ہفتہ بعد میری پاکستان روانگی ہوئی۔

مرکز احمدیت ربوہ میں آمد

جب میں مرکزِ احمدیت ربوہ پہنچا تو اس وقت ربوہ ابھی بن رہا تھا۔ چند ایک کچے مکان تھے۔ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کا دور مبارک تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ حضور ان دنوں کوئٹہ تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ جماعت نے میرے لئے تعلیم کا انتظام کیا۔ شروع میں زبان کی کچھ سمجھ نہ آتی تھی۔ بیک وقت اردو، عربی اور انگریزی زبانیں سیکھنا شروع کیں۔ میں نے ربوہ پہنچ کر یہ ارادہ کیا کہ یہاں جو کچھ بھی سیکھوں گا اس کا عملی تجربہ بھی کروں گا۔ چنانچہ اس نیت کا بہت فائدہ ہوا۔ اس وقت ربوہ میں مذہبی ذہن کے نیک، دعا گو بزرگ کافی تعداد میں موجود تھے۔ میں ان کے نیک نمونہ کو غور سے دیکھتا اور اس کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کرتا۔ مثلاً دیکھتا کہ وہ نماز کس طرح پڑھتے ہیں۔ رمضان کیسے گزارتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، قرآن شریف پڑھتے اور پڑھاتے ہیں، اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ میں نے اس بات کا بھی مشاہدہ کیا کہ کیسے ان بزرگوں نے خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق بنایا ہوا ہے۔ کس طرح خدا تعالیٰ ان کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ کیسے خدا تعالیٰ رویا اور کشوف کے ذریعہ ان کی راہنمائی کرتا ہے۔ گو میں اس میدان میں بہت پیچھے تھا مگر بزرگوں کے نیک نمونوں کو سامنے رکھ کر نیک راہوں پر چلنے کی کوشش کرتا رہا اور اس کا مجھے بہت فائدہ ہوا۔ بزرگوں کو دیکھ کر میں نے اعتکاف بھی بیٹھنا شروع کیا۔ ان بزرگوں کا تو بہت بڑا مقام تھا مگر خدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے بھی دعاؤں کی قبولیت کا تجربہ ہوا اور معرفت میں اضافہ ہوا۔

رمضان میں اعتکاف بیٹھنا

پہلی دفعہ میں جب اعتکاف بیٹھنے لگا تو مجھے جامعہ کے ایک ساتھی میر غلام احمد نسیم صاحب ملے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ بعض لوگوں کا طریق ہے کہ وہ لوگوں کی لسٹ بنا کر دعائیں کرتے ہیں۔ آپ بھی لسٹ بنالیں

اور لسٹ میں سب سے اوپر میرا نام لکھ لیں۔ چنانچہ میں نے ایک سادہ کاغذ پر ایک لسٹ بنائی اور تقریباً ۸۰ یا ۱۰۰ نام لکھ لئے۔ میں لسٹ کے مطابق دعائیں کرتا رہا۔ رمضان کے معاً بعد میں جامعہ احمدیہ کے ہوسٹل میں چلا گیا۔ واپس آکر پہلی رات خواب میں دیکھا کہ میر غلام احمد نسیم صاحب آئے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں بھی امتحان میں پاس ہو گیا ہوں اور آپ بھی۔ خواب کے مضمون سے مجھے بہت حیرت ہوئی کہ انہوں نے تو ایف اے کا امتحان دیا ہوا ہے جس میں پاس ہو گئے ہیں جبکہ میں نے تو کوئی امتحان ہی نہیں دیا۔ پھر میرا خیال اعتکاف کی طرف گیا اور میں نے سوچا کہ اعتکاف بھی میرے لئے ایک امتحان تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں مجھے پاس کر دیا ہے۔

اس خواب کے ایک دو ماہ بعد انہوں نے مجھے شکریئے کا خط لکھا کہ میرا امتحان تو ٹھیک نہیں ہوا تھا مگر دعاؤں کے طفیل اللہ تعالیٰ نے پاس کر دیا ہے اور یہ خط آپ کو شکریئے کی غرض سے لکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد میں نے اپنی وہ لسٹ جو دعاؤں کی غرض سے اعتکاف کے وقت بنائی تھی دیکھی اور ان لوگوں سے مل کر پوچھا جنہوں نے مختلف معاملات کے سلسلہ میں مجھے دعا کے لئے کہا تھا۔ اس لسٹ میں زیادہ تعداد طالب علموں کی تھی۔ ان سے مل کر معلوم ہوا کہ ان میں سے اکثر کامیاب ہو گئے ہیں۔ اس بات سے مجھ ایمانی تقویت ملی۔

ایک مرتبہ پھر اعتکاف کے بعد جب ہوسٹل واپس آیا تو پہلی رات خواب میں دیکھا کہ ایک کھلا میدان ہے۔ اس کے اردگرد چار دیواری ہے۔ میدان کے ایک کونے میں ایک کھلی قبر ہے۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام لیٹے ہوئے ہیں اور چاروں طرف لوگ زیارت کے لئے کھڑے ہیں۔ میں نے بھی آگے بڑھ کر حضور کو دیکھا۔ خواب میں حضور کی عمر اتنی زیادہ نہ تھی جتنی تصویروں میں ہم دیکھتے ہیں۔ مجھے حضور کی شکل دکھائی دی مگر داڑھی دکھائی نہ دی۔ اس وقت لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے میں پیچھے ہٹ گیا بلکہ احاطہ سے باہر نکل گیا۔ جب دیکھا کہ لوگ چلے گئے ہیں تو میں اندر گیا اور حضور سے ملاقات کی۔ اس وقت حضور چہل قدمی کر رہے تھے۔ حضور نے مجھے ایک دعا سکھائی جو خواب ہی میں مجھے ایک پاکستانی دوست یاد کرواتے رہے۔ دعا کے الفاظ تو یاد نہیں ہیں اس میں سے صرف **اَللّٰھم** یاد رہ گیا ہے۔ اس سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور بھی مجھ پر واضح ہوگئی۔

میں نے اس خواب کا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ دعا کا **اَللّٰھم** سے شروع ہونا بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دعاؤں کی توفیق بخشے گا۔ چنانچہ اس کے بعد واقعتاً اللہ

تعالیٰ نے ہمیشہ مجھے دعاؤں کی توفیق بخشی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت

ایک دفعہ خواب میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوئی۔ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور علیہ السلام تشریف فرما ہیں اور میں اپنی جیب سے پیسے نکال نکال کر کئی مرتبہ حضور اقدس کی خدمت میں نذرانہ پیش کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ میری اوپر والی جیب میں صرف دو تین روپے رہ گئے۔ میرے دل میں خیال گزرا یا شاید میں نے حضور اقدس علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں نے کافی کچھ دے دیا ہے۔ اس پر حضور نے فرمایا کہ باہر جا کر چائے کیوں پیتے ہیں؟ میں نے کہا میں اپنے خرچ سے پیتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مبارک ارشاد کی مجھے بعد میں اس طرح سمجھ آئی کہ میں ان دنوں چینی طرز کی چائے پیا کرتا تھا جس کی تاثیر مجھے گرم محسوس ہوتی تھی اور اس کی وجہ سے بعض دفعہ نیند بھی کم آتی تھی۔ خواب میں حضور علیہ السلام کی ہدایت سننے کے بعد سوائے چند استثناؤں کے میں نے کافی عرصہ تک چائے صرف اس لئے چھوڑے رکھی کہ جوانی کی عمر میں یہ صحت پر برا اثر ڈالے گی اور وہ طاقت جو خدمت دین میں لگانی چاہئے چائے کے استعمال سے اس میں سے کچھ ضائع ہوگی۔ اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اب جبکہ بڑھاپے کو پہنچ چکا ہوں اب بھی کسی قسم کی چائے نہیں پیتا۔ ہاں شاذ کے طور پر پی لیتا ہوں اور اب گرمی بھی محسوس نہیں کرتا۔ تاہم رات کو چائے پینے سے ابھی بھی گریز کرتا ہوں۔ اس واقعہ پر میرا دل خدا تعالیٰ کے شکر سے بھرا رہتا ہے کہ وہ کس طرح چھوٹی چھوٹی باتوں میں انسان کی راہنمائی فرماتا ہے۔

اسی طرح ایک اور مرتبہ بھی حضرت مسیح ومعو د علیہ السلام سے خواب میں ملاقات ہوئی۔ اس وقت اور لوگ بھی حضور علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ میں بھی ساتھ ہولیا۔ ہم سب حضور کے ساتھ چل رہے تھے۔ دوران گفتگو حضور نے فرمایا عثمان چینی روزانہ ہم سے چند آنے کی دوائی لیتے ہیں۔ چلتے چلتے ہم حضور کے ساتھ ایک دکان پر پہنچے۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ گویا حضور اس دکان پر کام کرتے ہیں جہاں پر کاغذوں کا کاروبار بھی ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ مختلف لوگ آتے ہیں کاغذ خریدتے ہیں اور کاغذ کے متعلق حضور سے بار بار پوچھتے ہیں۔ حضور ذرہ بھی ناراض نہیں ہوتے، بڑے اطمینان سے ان کی باتوں کا جواب دیتے ہیں اور ان سے خوش معاملگی سے پیش آتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ حضور کی دکان کے

سامنے کچھ سکّے گرے پڑے ہیں۔کسی نے مجھ سے پوچھا کہ یہ سکے آپ کے تو نہیں ہیں؟ میں نے کہا مجھے تو پتہ نہیں کہ میرے پیسے کہیں گرے ہیں؟

اس خواب سے بھی اس تربیت کا رنگ نظر آتا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قول وفعل سے اس عاجز کی کی۔خصوصاً لوگوں کے پوچھنے پر میں نے کوئی لالچ نہیں دکھایا۔دوسرے حضور سے دوائی لینے سے بھی یہی سمجھ آتی ہے کہ حضور ہمارے لئے طبیب ہیں اور ہم ان سے روحانی شفا پاتے ہیں۔

کلرکہار میں چلّہ کشی

ایک دفعہ گرمی کے دنوں میں میں کلرکہار گیا۔ جہاں موسم اچھا ہوتا ہے۔میں وہاں ایک باغ میں چلا جایا کرتا اور حقیقۃ الوحی یا بعض اور کتابیں پڑھتا تھا۔ میں سوچتا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میرے وہ استاد و مرشد ہیں جن کی تحریروں سے میں اب تربیت پاتا ہوں۔کئی دفعہ خیال آیا کہ آپ نے چلہ کشی کی تھی حضور کی اس سنت پر عمل کرنا چاہئے۔ چنانچہ چالیس دنوں تک جس قدر بھی عبادات، محاسبے اور دعاؤں کی مجھے توفیق ملی کی۔ میں نے ان دنوں اہتمام کیا کہ خود لوگوں سے نہیں ملوں گا اور بغیر وجہ کے گفتگو بھی نہیں کروں گا اور جس قدر ممکن ہوسکے عبادت اور قرآن کریم پڑھنے میں مشغول رہوں گا۔ وہاں پر ایک تخت بنا ہوا تھا جو تخت بابر کے نام سے مشہور ہے۔کہا جاتا ہے کہ بادشاہ بابر یہاں بیٹھ کر جنگ وغیرہ کی سکیمیں بنایا کرتا تھا۔ میں وہاں رات کو مصلیٰ بچھا کر عبادت کیا کرتا تھا۔ایک احمدی گھرانہ مجھے رات کے وقت کھانا دیا کرتا تھا۔ جسے میں رات کو اور اگلے دن صبح کے وقت کھایا کرتا تھا۔

چلہ کشی شروع کرنے سے پہلے ہی میرے دل میں خیال آیا کہ یہ گھرانہ جو میرے کھانے کا انتظام کرتا ہے ان کا یہ مجھ پر احسان ہے۔میں نے اس احمدی گھرانے کے لئے نرینہ اولاد کی دعا کرنا شروع کر دی۔ اس سے قبل ان کے ہاں صرف دو تین لڑکیاں تھیں اور کوئی لڑکا نہ تھا۔ میں نے انہیں کہا کہ میں آپ کے لئے لڑکے کے لئے دعا کروں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بعد میں انہیں دو تین لڑکے عطا فرمائے۔اسی طرح دنوں ایک اور احمدی خاندان کے لئے بھی دعا کی جنہیں لڑکے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی لڑکے عطا فرمائے تھے۔اول الذکر کے متعلق میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے اور وہ دودھ میں ڈوب گیا ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے جن میں سے ایک فوت ہوگیا۔ چندسال قبل جب میں پاکستان گیا تھا تو اس وقت ایک خاتون مجھے ملیں۔انہوں نے

لوگوں کے سامنے شکر کے رنگ میں بتایا تھا کہ آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں لڑکے دیئے تھے۔

یہ سب احمدیت کی برکت سے ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجاہدہ سے مجھے اپنی ذات کا ثبوت دیا۔

کلر کہار میں چلہ کشی کے لئے مجھے ایک کمرہ میسر آ گیا جو ایک باغ کے اندر تھا اور اس کے اردگرد بے شمار درخت تھے۔ اس کمرے کے سامنے چند کمروں پر مشتمل ایک ریسٹ ہاؤس تھا اور ان کمروں سے ملحق ایک کھلا برآمدہ تھا۔ کھلی درختوں والی جگہ ہونے کی وجہ سے وہاں پر جنگلی جانور بھی تھے۔ سانپ کافی ہوتے تھے جو زہریلے بھی ہوتے تھے اور وہ رات کو راستوں پر آ جاتے تھے۔ ان دنوں میرا معمول تھا کہ صبح سویرے نماز کے بعد برآمدے میں دعاؤں کی کتاب لے کر پڑھتا رہتا تھا۔ ایک دفعہ برآمدہ میں جبکہ میں دعا میں مصروف تھا اور کمروں کے دروازے اندر سے بند تھے۔ میں نے اچانک اپنے پیچھے سے ایک آواز سنی۔ مڑ کر دیکھا تو حیران رہ گیا کہ مالی نے برآمدے میں کھڑے ہو کر دروازہ کھولا ہے اور ابھی ابھی ایک سانپ کو مارا ہے اور یہ سانپ کو مارنے کی آواز ہی تھی جس کی وجہ سے میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا ورنہ میں حالات سے بالکل بے خبر تھا۔ دراصل وہ سانپ بالکل میرے پیچھے برآمدے میں دروازے کی چوکھٹ پر بیٹھا تھا اور دروازہ کھلتے ہی زمین پر گر پڑا۔ مالی نے مجھے بتایا کہ سانپ تو میں نے مار دیا ہے لیکن قدرتی طور پر اس طرح گرا ہے کہ میں نے فوراً اسے مار دیا ورنہ اگر وہ آپ گر جاتا تو میں اسے مار نہ سکتا اور وہ آپ کو نقصان پہنچا سکتا تھا۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے سانپ کے شر سے اپنی پناہ میں لئے رکھا ورنہ وہ تو مکان کے اندر تھا اور میں روزانہ وہاں اکیلا ہوتا تھا۔ گر وہ مجھے ڈس لیتا تو میری چیخ و پکار بھی کسی نے نہیں سننی تھی اور میرے لئے ممکن نہ تھا کہ میں اس سے بچ سکتا۔ خطرات کے اس ماحول میں میں نے چالیس دن گزارے اور یہ سارا وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیر معمولی حفاظت میں گزرا۔ **فالحمدللہ**

عمرہ اور مقامات مقدسہ کی زیارت

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے تعلیم کے معاً بعد عمرہ کرنے اور مقامات مقدسہ کی زیادت کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ جامعہ احمدیہ میں طالب علمی کے زمانے میں مکرمی عبداللطیف شاہد صاحب نے مجھے کہا کہ حضرت حکیم نظام جان صاحب کی اہلیہ محترمہ آپ کے ذریعہ حج بدل کرانا چاہتی ہیں۔ میں نے ان سے اتفاق کیا لیکن یہ معاملہ کچھ وقت کے لئے رک گیا۔ ایک روز مجھے جماعت کی طرف سے ہانگ کانگ جا کر

تبلیغ کرنے کا ارشاد موصول ہوا۔ اس وقت میں نے فیصلہ کیا کہ اب ہانگ کانگ جانے کو ہی افضلیت دینا ہوگی اور اگر کوئی مجھے حج بدل کرانا چاہے بھی تو میں نہیں جاؤ ں گا۔ اس کے بعد میں نے ایک خواب دیکھی کہ میں کسی عرب ملک پہنچ گیا ہوں۔ جاگنے کے بعد مجھے خیال آیا کہ خدا تعالیٰ کا منشاء یہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حج کروں اور بعد میں ہانگ کانگ جاؤ۔ ادھر لطیف صاحب نے ایک بار پھر مجھ سے رابطہ کیا اور کہا کہ اگر آپ کہیں تو آپ کے حج پر جانے کے لئے کارروائی شروع کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں کوشش بھی کی گئی لیکن کسی وجہ سے میرے لئے حج پر جانا ممکن نہ ہوسکا۔

خدا تعالیٰ کے کام بھی عجیب ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے بیت اللہ کی زیارت مقدر کی ہوئی تھی اس لئے گو حج بدل کی پیشکش سے تو میں فائدہ نہ اٹھا سکا تاہم عمرہ کرنے کا موقعہ بھی مل گیا اور عرب ممالک کی سیر بھی کی۔

ہوا یوں کہ لاہور کے ایک دوست نے مجھے کہا کہ آپ حج پر جائیں۔ میں آپ کا خرچ دوں گا۔ انہوں نے کہا کہ آپ نے چونکہ تبلیغ کا کام کرنا ہے اس لئے حج بھی کریں اور اسی سفر میں کچھ عرب ممالک کی سیر بھی کر آئیں تا کہ عربی ممالک میں مسلمانوں کے حالات سے واقفیت حاصل ہوجائے۔ چنانچہ ویزا حاصل کرنے کی کوشش شروع کی گئی۔ اس وقت کراچی میں سعودی سفارتخانہ تھا۔ میں وہاں گیا مگر میرے پاسپورٹ پر چونکہ احمدیہ مسلم مشنری لکھا ہوا تھا اس لئے سعودی سفیر نے مجھے صاف انکار نہ کیا اور کئی مہینوں تک ٹالتا رہا۔ بالآخر ہم نے سعودی عرب سے کسی دوست کے ذریعہ معلوم کروایا تو معلوم ہوا کہ پہلے تو حکومت نے میرے ویزے کے احکامات جاری کئے تھے لیکن بعد میں جماعتی مخالفت کی وجہ سے ان احکامات کو واپس لے کر ویزا دینے سے انکار کردیا۔

اب یہ تجویز ذہن میں آئی کہ یہاں سے کویت کا سفر کروں اور وہاں سے آگے سعودی عرب کا ویزا لے کر حج کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ پہلے میں کویت گیا۔ وہاں سے حج کے لئے ویزا حاصل کرنا چاہا تو انہوں نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ ہم آپ کو ویزا تو دے دیں مگر جہاز میں سیٹ نہیں ہے، بس کا راستہ بھی بند ہوگیا ہے۔ اس وقت میں جن احمدی دوست کے ہاں مقیم تھا انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ ہمارے پاس ہی ٹھہریں جب حج ختم ہوجائے گا تو آپ عمرہ کے لئے ویزا لے لیں اور عمرہ کرلیں۔ چنانچہ یہی ایک Option باقی تھی اور اسی کو ہی مجبوراً اختیار کرنا پڑا۔

ویزا ملنے کے بعد کویت سے سڑک کے راستے عراق پہنچا۔ ایک ہفتہ بعض مقدس مقامات کی زیارت کی اور وہاں سیر وغیرہ کی۔ پھر وہاں سے شام میں داخل ہوا۔ شام میں ایک ماہ ٹھہرا۔ اس دوران عربی سیکھنے کی کوشش کی اور تبلیغ بھی کرتا رہا۔ یہیں سے آگے لبنان میں داخل ہونے کا بھی پروگرام تھا تا کہ وہاں اپنے ہم وطن تین چینی طالب علموں سے بھی مل لوں گا جن کے متعلق میری معلومات تھیں کہ وہ وہاں دینیات پڑھ رہے ہیں۔ مجھے وہاں جانے کا بہت شوق تھا لیکن لوگوں نے مشورہ دیا کہ لبنان کے حالات اچھے نہیں ہیں اس لئے وہاں نہ جائیں۔ اس بارہ میں استخارہ کیا تو استخارہ کے دوران ایک رات خواب میں دیکھا کہ میں لبنان نہیں گیا بلکہ میں کسی ٹرک کے ذریعہ سعودی عرب جارہا ہوں اور سعودی عرب بارڈر پر مجھے داخل ہونے کی بجائے مع ٹرانسپورٹ ایک طرف کھڑا کر دیا گیا ہے اور بعد میں داخل ہونے دیا ہے۔ چنانچہ اپنی اس خواب اور لوگوں کے مشورہ کے پیش نظر میں نے لبنان جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

شام میں مکرم سلیم جابی صاحب سے ملاقات

شام میں وہاں کے مقامی احمدی مکرم سلیم جابی صاحب نے مجھے کہا کہ ہمارا ایک تجارتی ٹرک سعودی عرب جارہا ہے اس میں ایک آدمی کی سیٹ موجود ہے اگر آپ کہیں تو وہ سیٹ میں آپ کے لئے مخصوص کروادوں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے۔ وہاں سے سعودی عرب جانے کے لئے ہمارے راستہ میں زیادہ تر صحرا تھا جس میں سڑک نہ تھی لیکن تجربہ کار ڈرائیور ان راستوں سے واقف ہوتے ہیں۔ چنانچہ ٹرک والے کو راستے کے معاملے میں تو کوئی دشواری نہ ہوئی تاہم اس لمبے اور بے آب و گیاہ صحرا میں کئی دفعہ وزن سے بھرے ہوئے ٹرک کا ٹائر ڈرائیور کو بدلنا پڑا۔ ہر دفعہ جب اسے یہ مشکل پیش آتی تو وہ گھبرا جاتا لیکن میں دعائیں بھی کرتا اور اسے حوصلہ بھی دیتا۔ آخر ایک دفعہ ٹائر بدلتے ہوئے اس نے کہا کہ میرے پاس جتنے ٹائر تھے بدل چکا ہوں اب اگر مزید ضرورت پڑی تو پڑتی کیا کریں گے میرے پاس تو کوئی اور ٹائر بھی نہیں۔ میں نے کہا اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا آپ گھبرائیں نہیں اب انشاءاللہ ٹائر بدلنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خاص فضل فرمایا اور ہمیں ٹائر بدلنے کی ضرورت پیش ہی نہ آئی یہاں تک کہ ہم سعودی عرب کے قرأت نامی ایک مقام پہنچ گئے۔

یہاں ایک بات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب ہم سعودی عرب کے بارڈر پر پہنچے تو کسٹم حکام نے ٹرک کو سعودی بارڈر سے اندر داخل نہ ہونے دیا بلکہ ایک طرف کھڑا کر دیا۔ مجھے اس وقت اپنی وہ خواب یاد

آ گئی جو میں نے لبنان جانے کے سلسلہ میں استخارہ کے دوران دیکھی تھی اور جس کا گزشتہ سطور میں ذکر بھی کر چکا ہوں۔ بہرحال ٹرک سٹیشنری وغیرہ سے لدا ہوا تھا۔ کسٹم والوں نے ٹرک کے ایک ایک ڈبے کو دیکھنا چاہا لیکن ڈرائیور نے ان سے ساز باز کرلی اور انہوں نے اسے جانے دیا۔ ہمارا یہ سفر دس دن کا تھا۔ سفر کے لوازمات ساتھ رکھے ہوئے تھے۔ سفر سے پہلے ہم نے یہ طے کرلیا تھا کہ ٹرک ڈرائیور امیر قافلہ ہوں گے اور مجھے امامت کی ذمہ داری سونپی گئی۔ سفر کے دوران اس ٹرک ڈرائیور کو میں تبلیغ بھی کرتا رہا۔ وہ وفات مسیح کا تو قائل ہوگیا۔ ختم نبوت کے مسئلہ پر ابھی بات ہورہی تھی کہ ہمارا سفر ختم ہوگیا۔

خانہ کعبہ کا طواف

جدہ پہنچ کر چند چینی دوستوں سے ملاقات ہوئی۔ باتوں باتوں میں ان سے ذکر ہوا کہ میں لبنان جانا چاہتا تھا اور وہاں اپنے تین ہم وطنوں سے بھی ملنا چاہتا تھا جو وہاں دینیات سیکھنے گئے ہوئے ہیں لیکن بوجوہ نہ جاسکا۔ اس پر وہ چینی دوست (جو ان کے متعلق معلومات رکھتے تھے) کہنے لگے کہ وہ طالب علم لبنان میں نہیں بلکہ لیبیا میں تعلیم حاصل کررہے ہیں۔ اس کی یہ بات سن کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے لبنان کے سفر سے باز رکھا۔ کیونکہ جن کو ملنے جانا تھا وہ تو وہاں تھے ہی نہیں۔ اس لئے اگر جاتا بھی تو کافی پریشانی اٹھانا پڑتی۔ جدہ میں ملنے والے ایک دوست نے مجھے مصر کے ٹکٹ کی پیشکش کی لیکن میں نے کہا کہ میں نے یہاں سے فارغ ہوکر اشاعت اسلام کے لئے ہانگ کانگ جانا ہے۔ اس لئے اس کی پیشکش کو قبول نہ کیا۔

پھر الحمدللہ وہ گھڑی بھی آ پہنچی کہ مجھے خانہ کعبہ کا طواف کرنے اور عمرہ کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ عمرہ سے فارغ ہوکر جب میں مکہ کے ایک گیٹ سے نکل رہا تھا تو مجھے ایک شخص نے مل کر ایک خط دیا۔ (یہ خط میرے بھائی نے مجھے سعودی عرب کے ایک احمدی کے ایڈریس پر بھیجا جو میں نے سعودی عرب جانے سے پہلے انہیں دیا تھا کہ اگر ضرورت ہو تو ان کے پتہ پر مجھے خط لکھ دیں)۔ یہ خط میرے لئے بڑی خوشی اور تسکین کا سامان لئے ہوئے تھا۔ اس خط میں میرے بھائی نے لکھا کہ والدہ صاحبہ کا پاسپورٹ بن گیا ہے اور پاکستان کا ویزا بھی مل گیا ہے آپ جلد ان کے سفر کا انتظام کردیں۔ مجھے اس خط کے پڑھنے سے ایک عجیب خوشگوار حیرت ہوئی کیونکہ والدہ صاحبہ دس مرتبہ خواب میں ملی تھیں۔ والدہ صاحبہ کو اپنے پاس بلانے کے لئے حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کے ذریعہ بھی کوشش کر چکا تھا لیکن کچھ پتہ نہ

چلتا تھا۔ مجھے اس وقت دو تین اور باتوں کا خیال بھی آیا جس سے میں نے خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور وہ یہ کہ اگر میں لبنان چلا جاتا یا عمرہ کے بعد مصر روانہ ہو جاتا تو شائد یہ خط وصول نہ کر سکتا اور اگر بعد میں کہیں مل بھی جاتا تو والدہ صاحبہ کو بلانے کے انتظام میں تاخیر ہو جاتی۔

اس بارہ میں مذکورہ بالا دس خوابوں میں سے ایک خواب کا ذکر کرتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ مکرم عبدالوھاب آدم صاحب جو اس وقت امیر جماعت غانا ہیں) میرے ساتھ ہیں۔ مجھے پیٹ میں تکلیف محسوس ہوئی۔ میں نے خواب میں ہی سوچا کہ عورت کو اگر پیٹ میں درد ہو تو اسے کیا پتہ ہوتا ہے کہ واقعتا اسے پیٹ درد ہے یا بچے کی پیدائش کے لئے درد ہو رہا ہے۔ بہر حال مجھے درد ہوا۔ یوں محسوس ہوا کہ بچہ پیدا ہو رہا ہے اور وہاب صاحب میری مدد کر رہے ہیں۔ بچہ پیدا ہو گیا لیکن میں چونکہ آگے جھک کر دیکھ نہ سکتا تھا اس لئے وہاں صاحب سے پوچھا کہ لڑکا ہے یا لڑکی؟ اس کے بعد والدہ صاحبہ سامنے آگئیں۔ پھر یوں معلوم ہوا کہ جیسے انہیں کسی نے Invite کیا ہے لیکن میں انہیں کہتا ہوں کہ مجھے تو آپ کی مدد کی ضرورت ہے کیا آپ اسی طرح مجھے چھوڑ کر چلی جائیں گی۔ اس کے بعد خواب ختم ہو گئی۔

والدہ صاحبہ کی پاکستان آمد

بہر حال والدہ صاحبہ آئیں اور مجھے پاکستان اور سنگاپور میں تبلیغ کے کام میں پندرہ سال ان کو ساتھ رکھنے اور دعائیں حاصل کرنے کا موقع ملا۔ آخر وہ بلانے والے کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ہمیں الوداع کہہ گئیں۔ والدہ صاحبہ کے بعض حالات بھی ایمان افروز ہیں۔ والدہ صاحب نے بالکل تعلیم حاصل نہیں کی تھی مگر فطرتاً نیک خاتون تھیں۔ بچپن اور جوانی کی عمر میں بھی آپ نیک سیرت تھیں۔ آپ ہمارے خاندان کے لئے بابرکت وجود تھیں۔ گو میرے والد صاحب کے گھر کی حالت پہلے بھی اچھی تھی لیکن والدہ صاحبہ کے آنے کے بعد مزید اچھی ہو گئی۔ والدہ صاحبہ بہت حلیم اور صبر وتحمل والی خاتون تھیں۔ انہیں بہت سے ابتلاؤں سے گزرنا پڑا لیکن ہمیشہ ثابت قدم رہیں۔ آپ کو بہت دفعہ بچوں کے فوت ہو جانے کا صدمہ بھی سہنا پڑا۔ مثلاً میرے بڑے بھائی اور میرے درمیان بارہ سال کے عرصے میں بہت سے بچے پیدا ہوئے سب فوت ہو گئے۔ میرے بعد بھی ایک بچہ پیدا ہو کر فوت ہو گیا۔ پھر میرے ایک چھوٹے بھائی جو زندہ رہے ان کے بعد پیدا ہونے والے بچے بھی فوت ہو گئے مگر لمبے اور مسلسل امتحان میں والدہ صاحبہ نے صبر اور برداشت کا نیک نمونہ قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ میرے بڑے بھائی والدہ صاحبہ کی زندگی میں

ہی فوت ہو گئے۔ میں خود وطن سے دور پاکستان آ گیا۔ والد صاحب کی وفات ہو گئی۔ ملک میں کیمونزم آنے سے جو جائیداد تھی اس سے ہاتھ دھونے پڑے۔ مختلف قسم کی مشکلات اور پریشان کن حالات سے گزر کر بھی آپ نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اس صبر وتحمل کے پیچھے دراصل خدا تعالیٰ کی طرف سے ملنے والی وہ تسلیاں تھیں جنہوں نے والدہ صاحبہ کو استقامت بخشی۔ مثلاً ایک دفعہ آپ نے خواب دیکھی کہ کوئی شخص ان کے پاس آیا ہے اور ان کے پاس کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے وغیرہ رکھ گیا ہے۔ بعد میں غیر معمولی حالات میں اللہ تعالیٰ انہیں پاکستان لے آیا۔ آپ جب چین سے پاکستان آئیں تو اکیلی تھیں۔ لاہور پہنچیں تو مجھے یہ تو پتہ تھا کہ آپ آ رہی ہیں لیکن تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اور عمر رسیدہ ہونے کی وجہ سے مجھے اس وقت تک یقین نہیں آیا جب تک آپ کو واقعتاً اپنی آنکھوں سے دیکھ نہیں لیا۔ حکام آپ کی زبان تو نہ سمجھتے تھے لیکن آپ کے روحانی چہرے سے متاثر ہوتے تھے۔ بہرحال ہم ملے اور پھر انہیں ربوہ لے آئے۔ آپ نے پاکستان آ کر احمدیت قبول کی۔ آپ نمازوں اور تہجد کی پابندی کرتی تھیں جب تک روزے رکھ سکتی تھیں روزے رکھتی رہیں۔ ربوہ آ کر تعلق باللہ میں ترقی کی۔ پھر نظام وصیت میں بھی شامل ہوئیں اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں دفن ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ کس قدر فضل اور احسان ہے کہ کیمونسٹ چین کے ملک سے انہیں بہشتی مقبرہ لے آیا۔ والدہ کی وفات کے بعد میری اہلیہ ان سے خواب میں ملیں تو کہنے لگیں کہ میں تو جنت میں ہوں۔ بعض اور خواتین نے بھی انہیں اچھی حالت میں دیکھا۔

والدہ صاحبہ کا دینی تعلیم حاصل کرنے کا شوق

والدہ صاحبہ جب پاکستان آئیں تو کافی عمر رسیدہ تھیں۔ تقریباً اسی سال کی عمر کی ہوں گی۔ اس پیرانہ سالی میں بھی آپ دینیات سیکھنے کی کوشش کرتی رہیں لیکن حافظہ کمزور ہو چکا تھا اور کچھ یاد نہ رہتا تھا۔ میں نے کہا کہ آپ کی زبان پر جو بھی اچھی دعا آئے نماز میں کر لیا کریں۔ اللہ تعالیٰ بقبول فرمائے گا۔ آپ اکثر یہ دعا کیا کرتی تھیں کہ خدایا میں آپ سے پیار کرتی ہوں کیا آپ بھی مجھ سے پیار کرتے ہیں؟ آپ اپنی یہ دعا بار بار کیا کرتی تھیں۔ ایک دفعہ آپ کی زبان پر یہ جاری ہو گیا کہ کیوں نہیں میں بھی آپ سے پیار کرتا ہوں۔ یہ آواز انہیں بار بار سنائی دی۔ میں نے انہیں کہا کہ اب جب آپ کو آواز آئے تو اللہ تعالیٰ سے پوچھیں کہ یہ آواز آپ کی طرف سے ہے یا شیطان کی طرف سے ہے تو آپ کو آواز آئی کہ آپ میری عبادت کرتی ہیں، شیطان کیسے آپ کے پاس آ سکتا ہے۔ میں ہی ہوں جس کی آواز آپ سنتی ہیں۔ ایک

دفعہ یہ بھی آواز سنی کہ میں آپ سے پیار کرتا ہوں کسی دن آپ کو بلا لوں گا۔

والدہ صاحبہ کے ربوہ آنے کے بعد مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب مرحوم وکیل التبشیر نے مجھے کہا کہ اب آپ جہاں بھی جائیں اپنی والدہ صاحبہ کو ساتھ رکھیں اور اکٹھے خدمت کریں۔ چنانچہ جب خاکسار سنگاپور گیا تو انہیں بھی ساتھ لے گیا۔

مبلغ انچارج سلسلہ سنگاپور

سنگاپور میں مشن ہاؤس کے پاس کی بعض چینی خواتین آپ سے مل کر بہت حیران اور خوش ہوئیں۔ وہ سب Cantonese زبان بولتی تھیں اور والدہ صاحبہ کی زبان نہ سمجھتی تھیں۔ وہ لوگ امیر تھے اور ان کے اچھے کاروبار تھے۔ ایسی ہی ایک خاتون جو ہمارے ہمسایہ میں رہتی تھیں اور خود بھی بڑی عمر کی تھیں میری والدہ صاحبہ کو اپنی والدہ کہتی تھیں اور تقریباً روزانہ ملنے آتیں۔ والدہ صاحبہ کی خدمت کرتیں۔ انہیں مسجد لے جاتیں اور واپس لے آتیں۔ دونوں کو ایک دوسرے کی زبان کی بھی سمجھ نہ آتی تھی لیکن آپ میں بہت پیار اور محبت کا سلوک تھا۔ اشاروں سے ایک دوسرے کو اپنی بات سمجھا لیا کرتی تھیں۔ ان پر بھی دراصل والدہ صاحبہ کی روحانیت کا نیک اثر تھا۔ ایک دفعہ اس خاتون کو خواب میں کہا گیا کہ آپ مسلمان ہو جائیں۔ آپ امیر بھی ہو جائیں گی۔ مگر انہوں نے اپنی گھریلو مجبوریوں کی وجہ سے خواب میں ہی کہا کہ دوستانہ تعلق کافی ہے مسلمان ہونا مشکل ہے۔ چنانچہ مسلمان نہ ہوئیں۔ بعد میں ان کے شہر کی دکان میں چوری ہو گئی۔ اس وقت میں نے انہیں احساس دلایا کہ آپ مسلمان ہو جاتیں تو نقصانات سے بچ جاتیں۔ چنانچہ وہ دلی طور پر تو اسلام کی تعلیم کا اچھا سمجھنے لگیں مگر معاشرتی دباؤ کی وجہ سے اس کا اظہار نہیں کرتی تھیں۔

مربی جماعت احمدیہ کراچی

جب میں کراچی میں مربی تھا تو والدہ صاحبہ بڑھاپے کے باوجود کھانا وغیرہ خود بناتی تھیں۔ میرے لئے رشتہ کا انتظام کافی مشکل کام تھا آخرکار چین میں ایک رشتہ مل گیا۔ کئی سال تک اہلیہ کو پاکستان بلانے کی کوشش کی لیکن حکومت کوئی نہ کوئی عذر بنا کر اجازت نہ دیتی تھی۔ والدہ صاحبہ کو اس سلسلہ میں دعا کے لئے کہا۔ چنانچہ انہیں جواب ملا کہ آپ کے معاملے میں کوئی روک پیدا نہیں کر سکتا۔ میں اس کو لے آؤں گا۔ چنانچہ والدہ صاحبہ بہت خوش ہوئیں اور دل کو تسلی ہوئی مگر چند ماہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں بلا لیا۔ **انا للّٰہ و انا الیہ راجعون**

اہلیہ کو دینی علم حاصل کرنے کا شوق

خاکسار کی اہلیہ کے پاکستان پہنچنے کے سلسلہ میں بعض باتیں اظہار تشکر کے طور پر ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ ان کے لئے ویزا کا حصول کافی مشکل امر تھا۔ اس سلسلہ میں حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ سے بھی مدد لی گئی لیکن بات بنتی نظر نہ آتی تھی۔ مجھے خواب میں ان کی آمد کی خبر دی گئی۔ ایک دن میں نے خواب میں دیکھا کہ ماؤزے تنگ کی وفات کے بعد میری اہلیہ آجائیں گی۔ میں پریشان ہوا کہ مسٹر ماؤ تو ٹھیک ٹھاک ہیں اس کا مطلب ہے کہ لمبا انتظار کرنا پڑے گا۔ بہرحال جب اس کام میں غیر معمولی تاخیر ہوتی جارہی تھی تو رمضان کے دنوں میں ایک روز میں نے سوچا کہ چین کے صدر Mr. Hua Guo Feng اور Chairman Mao Ze Tong کو اس بارہ میں خطوط لکھنے چاہئیں۔ چنانچہ صدر کو خط تو میں نے لکھ لیا۔ مسٹر ماؤ کو خط لکھنا تھا کہ ادھر درس کا وقت ہوگیا لہٰذا انہیں نہ لکھ سکا۔ درس پر جاتے ہوئے راستے میں مجھے کسی نے بتایا کہ کیا آپ کو پتہ ہے کہ ماؤزے تنگ فوت ہوگیا ہے۔ میں یہ خبر سن کر بہت حیران ہوا۔ اس کے بعد میرے بھائی کو حکومت کی طرف سے ایک خط آیا جس میں لکھا ہوا تھا کہ آپ کے بھائی کی بیوی کے بیرون ملک بھجوانے کے سلسلہ میں ایک سوالنامہ ہے اپنے بھائی سے کہیں کہ وہ پُر کرکے ہمیں بھیج دیں تب ان کی درخواست پر مزید کام ہوسکے گا۔ چنانچہ میں نے وہ سوالنامہ پر کرکے دے دیا۔ اس کے بعد دو تین ماہ کے اندر ہی اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور میری اہلیہ پاکستان پہنچ گئیں۔

خاکسار کی اہلیہ کو بھی علم سیکھنے کا بہت شوق تھا۔ ایک دن خواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں آواز سنائی دی کہ تم علم کے علاوہ اور کیا چاہتی ہو؟ اس دوران انہیں بچے دکھائی دیئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بچوں کی بھی بشارت دی۔ پھر ایک دن خواب میں اہلیہ نے دیکھا کہ ایک شخص انہیں ایک دعا سکھا رہا ہے جو بعد میں انہوں نے مجھے بھی بتائی۔ وہ دعا یہ ہے رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ۔ سکھانے والے شخص نے یہ دعا انہیں اس کثرت کے ساتھ یاد کروائی کہ خواب کے دوران ہی یاد ہوگئی۔ حالانکہ ابھی ابھی چین سے آئی تھیں۔ عربی بھی نہیں جانتی تھیں۔ اس طرح ایک دعا کا یاد کروایا جانا خدا تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری کا رنگ رکھتا تھا۔ اس کے بعد ایک دفعہ اہلیہ نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے گھر میں تین بچے ہوئے ہیں۔ چنانچہ ان خوابوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں تین بچے دیئے ہیں۔ سب جوان ہیں۔ یہ سب احمدیت کی برکات ہیں اور احمدیت کی سچائی کا ثبوت ہیں۔

چینی زبان میں ترجمہ قرآن پاک کی اشاعت

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کے ارشاد پر قرآن کریم کے چینی ترجمہ اور اس کی وہاں سے طباعت کے کام کے سلسلہ میں خاکسار سنگاپور گیا اور وہاں رہ کر سارا کام مکمل کیا۔ سنگاپور پہنچ کر اشاعت قرآن کے کام کے دوران دل میں خوف اور فکر دامن گیر رہتی کہ یہ کام احسن طور پر وقت کے اندر مکمل ہو جائے کیونکہ احمدیہ صد سالہ جشن تشکر کے موقعہ پر اسے شائع کروانے کی حضور رحمہ اللہ کی طرف سے ہدایت تھی۔ چنانچہ اس کام کے لئے مرکز کی طرف سے مربی بھی میری مدد کرتے رہے لیکن کام کا پھیلاؤ اتنا تھا کہ اس کے لئے مزید آدمیوں کی ضرورت تھی اور تھوڑے وقت کے اندر پیسوں کا انتظام ہونے کے باوجود مناسب آدمی تلاش کرنا کافی مشکل کام تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مددگار بھی مہیا فرما دیئے۔ پہلے مشن ہاؤس کے دائیں طرف سے ہمسایوں سے ایک لڑکا اور اس کی منگیتر دونوں اس کام میں میرے ساتھ شامل ہو گئے اور ان سب کی یہ رضا کارانہ خدمات کئی مہینوں تک میسر رہیں یہاں تک کہ قرآن کریم کا چینی ترجمہ مکمل ہو گیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اول الذکر لڑکی اسی بزرگ خاتون کی پوتی ہے جو والدہ صاحبہ کی خدمت کرتی تھیں۔ مذکورہ بالا خواب کے مطابق وہ خود تو مسلمان نہ ہوئیں لیکن ان کی پوتی کو اسلام کی خدمت کرنے کا موقع مل گیا۔ حال ہی میں جب حضور ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سنگاپور دورے پر گئے تو اس لڑکی کو انگوٹھی بھی دی تھی۔

دوسری زبانوں کے اسماء کو چینی زبان میں لکھنا کافی مشکل کام ہوتا ہے۔ میں اس سلسلہ میں پریشان رہتا تھا۔ ایک دن ایسے ہوا کہ میرے سامنے ایک کتاب پڑی تھی۔ میں نے کسی اور مقصد کے لئے اسے اٹھایا اور کھولا تو اچانک ایک صفحہ سامنے آیا جسے پڑھ کر اسماء لکھنے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس کے بعد ترجمہ کے کام میں ان سے بہت فائدہ اٹھایا۔ یہ بھی ایک معمولی سا واقعہ دکھائی دے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے بغیر وقت ضائع کئے تھوڑے وقت میں مطلوبہ مواد سمجھا دیا۔

سنگاپور مشن ہاؤس کے ہمسائے میں ایک فوتگی ہو گئی۔ وہاں کے مشن ہاؤس اور مسجد کے درمیان ایک سڑک ہے۔ وہاں کے رواج کے مطابق لوگ سڑک پر آ گئے اور کچھ گاتے اور پڑھتے رہے۔ یہ مجمع کافی دیر جاری رہا۔ ایسے موقعوں پر کسی مذہبی پس منظر کے تحت وہاں کے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آئندہ زندگی میں فوت ہونے والے کو دنیا کی اشیاء کی ضرورت ہو گی۔ چنانچہ وہ کاغذ کی چیزیں بنا کر اور جعلی کرنسی وغیرہ

اکٹھی کر کے جلا دیتے ہیں اور یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ فوت ہونے والے کو اگلے جہان میں کام آئیں گی۔ بہر حال میرے دل میں خیال آیا کہ ان کے رسم و رواج سے آگاہی حاصل کرنی چاہئے اور ان سے مل کر پوچھنا چاہئے کہ آپ یہاں اکٹھے ہو کر کیا رسومات بجالاتے ہیں اور ان رسومات کی فلاسفی اور مقصد کیا ہے؟ چنانچہ انہی خیالات میں مگن میں مشن ہاؤس کے باہر کھلے برآمدے میں ایک بنچ پر بیٹھا تھا اور اپنی اس خواہش کا ابھی کسی سے اظہار بھی نہیں کر پایا تھا کہ ان تمام انتظامات کے نگران چلتے چلتے out of the way میرے پاس آگئے۔ میں بھی ان کی تعظیم کی خاطر کھڑا ہو گیا۔ اس وقت میرے دل میں جو جو سوالات تھے میں ان سے پوچھتا رہا اور وہ مجھے جواب دیتے رہے۔ اس واقعہ کو ذہن میں لا کر میں سوچا کرتا ہوں کہ یہ سب کام خدا تعالیٰ کے فضل اور تائید سے ہوتے رہے۔ چونکہ ان دنوں ترجمہ قرآن کا کام کر رہا تھا اس لئے میرے دل کی جائز خواہشات کو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے پورا فرماتا رہا۔

چینی ترجمہ قرآن ۱۹۸۹ء میں شائع ہو گیا لیکن چین میں پہنچانا اور تقسیم میں بعض مشکلات تھیں جبکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی خواہش تھی کہ جماعت کے چینی ترجمہ قرآن کی چین میں کثرت سے اشاعت ہو۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ چین جا کر اسے وہاں سے بھی طبع کروانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ ۱۹۹۴ء میں خاکسار اور رشید ارشد صاحب چین گئے لیکن بہت کوشش کے باوجود اس کی چین سے طباعت کی اجازت نہ مل سکی۔ بہت سے ایسے لوگوں کے ذریعہ بھی کوشش کی گئی جن پر ہمارے ترجمہ کا اچھا اثر تھا لیکن حالات کسی طرح بھی اس کے لئے سازگار نہ تھے۔ ہم مزید کوشش کرنا چاہتے تھے کہ اسی دوران رشید ارشد صاحب نے ایک خواب دیکھی کہ ہم اچانک لندن واپس آگئے ہیں۔ اس کے بعد یوں ہوا کہ مکرم چوہدری ہادی علی صاحب نے (جو ایڈیشنل وکیل التبشیر تھے) حضور سے اس امر کا ذکر کیا کہ اگر عثمان چینی صاحب دس دن کے اندر اندر واپس نہ آئے تو ان کے لئے یوکے کے مستقل ویزے کے حصول میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ اس پر حضور انور نے ہمیں فوراً واپس آجانے کا ارشاد فرمایا۔ چنانچہ کافی تگ ودو کے بعد ہم مقررہ وقت سے پہلے واپس لندن پہنچ گئے گو بظاہر تو ہمارے سفر میں اس لحاظ سے کامیابی نہ ہوئی کہ ہم ترجمہ قرآن کو چین سے شائع کروا سکتے لیکن کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ کسی نے ہمارے علم کے بغیر ہی اسے من و عن شائع کر دیا جس سے **الحمدللہ** ہمارا مقصد پورا ہو گیا اور حضور کی یہ خواہش بھی پوری ہوئی کہ چین سے اسے شائع کروایا جائے۔

حضور رحمہ اللہ کی خواہش کی تکمیل کے لئے جس حد تک ممکن ہوا یہاں سے بھی بعض لوگوں کو قرآن کریم بھجوایا گیا۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام بھی فرمایا کہ غیروں کے ذریعہ لوگوں میں ہمارے ترجمہ قرآن کے تعارف کا بندوبست فرمایا۔ چنانچہ حال ہی میں چین کے ایک بہت بڑے دانشور نے بیسویں صدی میں چھپنے والے قرآن کریم کے چینی تراجم کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کتاب میں ہمارے ترجمہ قرآن کا بھی ذکر ہے گویا ایک غیر کے ہاتھوں ان کی اپنی کتاب میں جماعت کے ترجمہ قرآن کی تعریف حضور رحمہ اللہ کی اس خواہش کو پورا کر رہی ہے کہ چین میں جماعت کا ترجمہ قرآن کثرت کے ساتھ پھیلایا جائے۔ یعنی ایک معروف دانشور کا اپنی کتاب میں اچھا ذکر کرنا بھی جزوی طور پر حضور کی خواہش کی تکمیل کر رہا ہے۔ چنانچہ مذکورہ بالا چینی سکالر لکھتے ہیں کہ اس میں (جماعت کے ترجمہ قرآن میں) کئی امتیازی پہلو ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے کہ اس میں احمدیہ نقطۂ نظر اور اعتقادات کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ نیز لکھا ہے کہ دراصل یہ عثمان چینی صاحب کے ذاتی خیالات نہیں بلکہ احمدیہ علم کلام ہی بیان کیا گیا ہے۔

محترم بشیر احمد رفیق خان صاحب
سابق امام مسجد فضل لندن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیارے مکرم ومحترم بھائی افتخار ایاز صاحب

اللہ آپ کو ہمیشہ صاحب افتخار رکھے۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے اصرار پر میں نے بہت سارے قبولیت دعا کے واقعات میں سے چند کا انتخاب کیا ہے جو پیش خدمت ہیں۔ آپ کو پورا اختیار ہے کہ اس مضمون کو جتنا بھی حصہ شائع کرنا چاہیں وہ کرلیں۔ اور اگر یہ آپ کے معیار پر پورا نہ اُترتا ہو تو بیشک اسے ضائع کر دیں۔ مجھے ہرگز اس پر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

محترمہ بہن صاحبہ کی خدمت میں ہمارا محبت بھرا سلام دیں۔ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیں۔

خاکسار آپ کا دعا گو بھائی

بشیر احمد رفیق

دُعا کا معجزانہ اثر

1960ء میں خاکسار ایک ماہ کی رخصت پر انگلستان سے پاکستان آیا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ حضورؓ نے دورانِ گفتگو فرمایا کہ تم واپس جا کر انگلستان کے شہر برائٹن میں تبلیغ کا کام شروع کرو۔ اللہ تعالیٰ اس شہر میں احمدیت کے لئے راستہ کھول دے گا۔ حضورؓ نے اپنا یہ ارشاد دو تین مرتبہ دہرایا اور فرمایا کہ ملکہ الزبتھ اوّل کے زمانہ میں جب انگلستان کو ہسپانوی بیڑے کے انگلستان پر حملہ آور ہونے کا خدشہ پیدا ہوا تو ملکہ الزبتھ نے ترکی کے سلطان سے مدد کی درخواست کی۔ سلطان ترکی نے اپنے چند جرنیلوں کو حالات کا جائزہ لینے کیلئے انگلستان بھجوایا۔ ملکہ انگلستان نے ان مسلمان جرنیلوں کو برائٹن شہر میں ٹھہرایا۔ جس مکان میں یہ مسلمان جرنیل ٹھہرائے گئے تھے، اس کے ایک کمرہ کو انہوں نے مسجد میں تبدیل کر کے اس کی دیوروں پر بعض قرآنی آیات لکھ دی تھیں۔

حضورؓ نے فرمایا کہ جب حضورؓ 1924ء میں دورۂ انگلستان پر تشریف لے گئے تھے تو حضورؓ برائٹن بھی تشریف لے گئے اور اس کمرہ کو جا کر دیکھا اور وہاں دُعا بھی کی۔ حضورؓ نے مزید فرمایا کہ اب جبکہ اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کا دور شروع ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ برائٹن میں اسلام اور احمدیت کیلئے دروازے کھول دے گا۔

برائٹن میں تبلیغ کے خوشکن نتائج

چنانچہ انگلستان پہنچنے پر خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کے اس ارشاد کی تعمیل میں برائٹن میں تبلیغ کا پروگرام بنایا۔ برائٹن میں ایک نہایت خوبصورت شاہی محل ہے جس کی طرزِ تعمیر ہندوستانی طرز تعمیر کے مطابق ہے۔ اس محل کے خوبصورت اور منقش گنبد اور مینار دور سے نظر آتے ہیں۔ اس محل کے ایک کمرہ کو ہم نے کرایہ پر حاصل کر لیا اور لوکل اخبارات میں اس بات کا اشتہار دیا کہ خاکسار (امام مسجد فضل لندن) ہفتہ کے روز اس کمرہ میں اسلام پر تقریر کرے گا۔ دستی اشتہارات پانچ ہزار کے قریب گھروں میں تقسیم کئے گئے۔ ہفتہ کے روز مقررہ وقت پر لندن سے خاکسار کے ہمراہ آٹھ دس افراد، مکرم مولوی عبدالکریم صاحب کی کار میں برائٹن پہنچے۔ ہم نے کمرہ کو لیکچر کے لئے تیار کیا۔ اس جلسہ کی صدارت مکرم عبدالعزیز دین صاحب مرحوم نے کرنی تھی۔ تاہم جوں جوں لیکچر کا وقت قریب آتا گیا، ہماری پریشانی میں اضافہ ہوتا رہا کیونکہ لیکچر کے شروع ہونے سے پندرہ منٹ قبل تک ایک شخص بھی ہال میں داخل نہ ہوا تھا۔ جب تقریر

میں صرف دس منٹ رہ گئے تو خاکسار نے وہاں موجود احمدی احباب کو تحریک کی کہ چونکہ ہم اس شہر میں تبلیغ کا آغاز سیدنا حضرت مصلح موعودؓ کے خاص ارشاد کے ماتحت کر رہے ہیں اور چونکہ حضورؓ کو اس شہر میں تبلیغ کی طرف خاص توجہ ہے اس لئے آیئے ہم اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ہمارے لئے سامعین مہیا کر کے حضورؓ کی خواہش کو پورا کرنے کی ہمیں توفیق عطا فرماوے۔ ہم سب کمرہ کے ایک کونے میں اجتماعی دعا میں لگ گئے اور اشکبار آنکھوں سے آستانۂ الٰہی پر گڑ گڑانے لگے۔ ہم نے غالباً پندرہ بیس منٹ دعا میں صرف کئے ہوں گے۔ جب دعا ختم ہوئی اور ہم نے کمرہ کی طرف نگاہ کی تو ہمارے دل اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء سے بھر گئے۔ ہم نے ایک عظیم اعجاز دعا کی فوری قبولیت کا یہ دیکھا کہ کمرہ سامعین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

الٰہی بشارتوں کے مطابق عمر بڑھا دی گئی

قیام انگلستان کے دوران خاکسار کو اپنے گاؤں سے یہ اندوہناک اطلاع ملی کہ میرے والد مرحوم حضرت دانشمند خان صاحب پر کسی ظالم نے فائر کر کے ان کو شدید زخمی کر دیا ہے۔ خاکسار کو علم تھا کہ گاؤں میں ہماری کسی سے دشمنی نہ تھی اور ہمارے والد صاحب اپنے حسن اخلاق کی وجہ سے گاؤں میں بیحد ہر دلعزیز اور مقبول شخصیت تھے اور سوائے احمدیت کے ان کے اقدام قتل کی اور کوئی وجہ نہ ہو سکتی تھی۔ خیر جب اطلاع ملی تو طبعاً بہت پریشانی اور اضطراب کی کیفیت طاری ہوئی اور دعا کی طرف طبیعت مائل ہوئی۔ میں نے مسجد فضل لندن میں جا کر مسجد کے دروازے بند کر کے بڑی ہی رقت اور تضرع سے دعا شروع کی کہ مولیٰ کریم میں اپنے باپ کا بڑا بیٹا ہوں اور اس وقت جبکہ مجھے ان کے قریب ہونا چاہیئے تھا ، بوجہ میدان تبلیغ میں ہونے کے، ان سے دور ہوں۔ تو محض اپنے فضل سے ان کو شفا دے اور عمر دراز عطا فرما۔ نہ معلوم وہ کیسا مبارک وقت تھا، میں نے محسوس کیا کہ میری دعا قبول ہو رہی ہے اور دل میں تسکین اور طمانیت کے آثار پیدا ہو گئے۔

رات کو سویا تو خواب میں ایک بزرگ انسان کو دیکھا جنہوں نے مجھے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ فکر نہ کرو تمہارے والد صاحب کی عمر اسّی سال ہو گی۔

اگلے دن صبح مجھے اپنے چھوٹے بھائی کرنل نذیر احمد کا خط ملا جس میں انہوں نے لکھا کہ جب یہ خط آپ کو ملے گا تو والد صاحب اس جہان سے رخصت ہو چکے ہوں گے میں نے اسی وقت ان کو خط لکھا اور اپنے

خواب سے ان کو اطلاع دے کر ان کو تسلی دی۔ میرے والد صاحب مرحوم کا ایک ہاتھ کاٹنا پڑا اور بظاہر مایوس کن حالات میں ہونے کے باوجود مولیٰ کریم نے ان کو صحت عطا فرمائی اور گویا مردہ کے زندہ ہو جانے کا معجزہ ظاہر ہوا۔

پانچ سال اور عمر بڑھ گئی

عجیب بات ہے کہ جب حضرت والد صاحب کی عمر اسّی سال کو پہنچنے لگی تو خاکسار ابھی انگلستان میں ہی میدان تبلیغ میں مشغول تھا۔ ان دنوں میری طبیعت میں بہت رقت پیدا ہوئی اور میں نے دعا شروع کی کہ مولیٰ کریم میرے والد صاحب کو مزید مہلت دے دے تا میں جلسہ سالانہ پر وطن جا کر ان سے ملاقات کرسکوں۔ عجیب بات ہے کہ اس رات پھر وہی بزرگ صورت شخص مجھے خواب میں ملے اور کہا کہ تمہاری دعا کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالیا ہے اور تمہارے والد صاحب کی عمر میں ۵ سال کی توسیع کر دی گئی ہے۔ میں نے اپنے والد صاحب مرحوم کو اس واقعہ کی اطلاع دی۔ انہوں نے ان واقعات کو الفرقان میں بھی شائع کرا دیا۔ چنانچہ میرے والد صاحب مرحوم کی وفات عین اس خواب کے مطابق 1976ء میں بعمر پچاسی سال ہوئی۔

میرے والد صاحب بزرگوارم جناب دانشمند خان صاحب کی زبانی قبولیت دُعا کا ایک ایمان افروز واقعہ

مورخہ 13۔14 جولائی 1959 کی درمیانی رات کو ڈیڑھ بجے اس عاجز پر (جبکہ میں اپنے موضع بانڈہ محب میں سویا ہوا تھا) کسی آدمی نے میرے بائیں کندھے پر بندوق سے فائر کیا اور زخمی کر کے بھاگ گیا۔ اس وقت یہ عاجز دائیں کروٹ پر رُو بقبلہ ہو کر لیٹا ہوا تھا اور حملہ آور نے کندھے کو میرا سر سمجھ کر فائر کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے میرے سر کو بچا لیا۔ حملہ آور نے چونکہ دو گز کے فاصلہ سے چھرّہ دار بندوق سے فائر کیا تھا اس لئے میرے ہاتھ کی بہت سی رگیں کٹ گئیں اور کافی خون جاری ہو جانے سے بہت ضعف ہو گیا۔

مجھ سے تھوڑے فاصلے پر داماد م محمد حسن خان صاحب دُرّانی سوئے ہوئے تھے وہ بھی جاگ کر آ گئے اور مجھے چارپائی پر ڈال کر اوّل تھانہ میں اور پھر سول ہسپتال نوشہرہ میں لے گئے مگر کچھ فائدہ نظر نہ آیا۔ پھر میرے بیٹے لفٹنٹ نذیر احمد خان اور ہمشیرہ زادہ میجر سیف علی خاں نے باہم مشورہ کر کے مجھے فوجی ہاسپٹل

نوشہرہ میں پہنچایا مگر میری حالت پھر بھی نہ سنبھلی۔

میرے بیٹے نذیر احمد خان نے لیڈی ریڈنگ ہاسپٹل نوشہرہ کے سول سرجن کوٹیلیفون کیا۔اس پر سول سرجن صاحب نے پہلے فوجی ڈاکٹر صاحب سے میرے حالات دریافت کئے۔ڈاکٹر صاحب نے انہیں بتایا کہ زخم میں پیپ پڑ گئی ہے اور زخم دل کے قریب ہے۔اسلئے کیس بڑا خطرناک ہے اور بچنے کی اُمید کم ہے۔ تب سول سرجن صاحب نے عذر کر کے میرے کیس کو لینے سے انکار کر دیا۔اس کے بعد پسرم نذیر احمد خان نے فوجی ہسپتال پشاور کے ڈاکٹر میجر اکرم خان کوٹیلیفون کیا۔(یہ ڈاکٹر صاحب پاکستان میں مانے ہوئے سپیشلسٹ سرجن ہیں) انہوں نے ٹیلیفون پر فرمایا کہ مریض کو رفوراً میرے پاس پہنچا دو۔ چنانچہ مجھے فوراً پشاور فوجی ہاسپٹل میں پہنچا دیا گیا اور آفیسر وارڈ کے کمرہ نمبر ایک میں مجھے اُتارا اور علاج شروع کیا۔

چند دن گزرنے کے بعد ایک اور ڈاکٹر کرنل صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ تمہارا کیا حال ہے۔ اس پر میں نے ان سے یہ شکایت کی کہ قیدیوں کی طرح میرے ہاتھ کو سخت باندھ کر مجھے تکلیف میں ڈالا گیا ہے۔اور چونکہ میرے ہاتھ کی رگیں تو کٹ چکی ہیں اس لئے براہ مہربانی میرے ہاتھ کو کاٹ کر الگ کر دیا جائے تا کہ میں اِس تکلیف سے چھوٹ جاؤں۔میرے بار بار کے اصرار پر ڈاکٹر صاحبان نے 15 اگست کی تاریخ میرا اپریشن کرنے کی مقرر کی۔

جب مجھے اپریشن روم میں میز پر لٹایا گیا تو میرے دیگر عزیز واقارب کے علاوہ پسرم نذیر احمد خان احمدی اور داماد محمد اسلم خان احمدی بھی موجود تھے۔

میجر ڈاکٹر محمد اکرم خان صاحب اور ایک اور میجر ڈاکٹر صاحب نے میرا تازہ معائنہ کیا تو اس وقت نبض اور دل کی حرکتیں بند تھیں اور بدن کا خون بھی رُکا ہوا تھا۔تب انہوں نے ہر چند کوشش کی کہ کسی طرح نبض اور دل چل پڑیں مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بالآخر ایک ڈاکٹر صاحب نے باہر آکر عزیزم نذیر احمد خان کو کہا کہ آپ کے والد صاحب 20-15 منٹ کے مہمان ہیں سواری کا جلد انتظام کرلو۔مگر عزیز نذیر احمد خان نے کہا کہ جناب آپ مطمئن ہو کر اپریشن کریں۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے والد صاحب ابھی نہیں مرتے۔مگر ڈاکٹر صاحبان اپریشن پر تیار نہ ہوتے تھے۔آخر نذیر احمد خان نے یہ تحریر لکھ کر ڈاکٹر صاحب کو دے دی کہ اگر اپریشن میں میرے والد صاحب فوت ہو گئے تو آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہ ہوگی۔

اِس فیصلہ کے بعد جناب ڈاکٹر صاحبان دوبارہ میرے پاس آکر میری نبض اور دل دیکھنے لگے تو دونوں

درست چل رہے تھے۔ تب بغیر کلوروافارم سونگھائے میرا اپریشن شروع کر دیا۔ اور بار بار میرے دل کی بابت پوچھتے کہ دل کا کیا حال ہے؟ میں جواب دیتا کہ ٹھیک ہے آپ بیشک اپنا کام کرتے جائیں۔ آخر انہوں نے میرا ہاتھ الگ کر دیا اور میں نے اطمینان کا سانس لیا۔ الحمدللہ۔

ڈاکٹر صاحب نے باہر آ کر نذیر احمد خان سے پوچھا کہ آپ کس بنا پر بڑے وثوق سے کہتے تھے کہ آپ بے شک اطمینان سے اپریشن کریں۔ میرے والد ابھی نہیں مرتے حالانکہ وہ تقریباً مر چکے تھے۔ تو برخوردار نے جواب دیا کہ میرے بڑے بھائی بشیر احمد خان بی اے کا لندن سے خط آیا ہے کہ انہوں نے والد صاحب کے زخمی ہو جانے کی خبر سن کر اللہ تعالیٰ سے بہت رو رو کر ان کی صحت کیلئے دعائیں کی ہیں اور اُنہیں اللہ تعالیٰ نے الہاماً بتایا ہے کہ تمہارا والد 80 سال زندہ رہے گا اور میرے والد صاحب کی عمر ابھی 70 سال ہے۔ گویا 10 سال باقی ہیں۔ اس بنا پر میں نے عرض کیا تھا کیونکہ مجھے یقین تھا کہ میرے بھائی کی بات ضرور سچی ہوگی کیونکہ وہ واقفِ زندگی ہو کر اسلام کی خدمت کو گیا ہے اور مبلغ اسلام ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بتائی ہے۔ وہ واقعہ سن کر جناب میجر ڈاکٹر محمد اکرم صاحب بہت متعجب اور متأثر ہوئے اور میرے بڑے بیٹے بشیر احمد خان مبلغ کا بار بار حال پوچھتے۔

یہ عاجز دو ماہ زیر علاج رہنے کے بعد 14 ستمبر 1959ء کو خدا تعالیٰ کے فضل اور احسان سے اور حضور امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ اور احباب جماعت کی دُعاؤں کی برکت سے صحتیاب ہو کر گھر آ گیا۔

الحمد للہ علی احسانہ ذالك فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔

دعا کے معجزانہ اثرات

خاکسار جب 1959ء میں انگلستان پہنچا تو کچھ ہی عرصہ بعد خاکسار نے باقاعدہ لندن کے ہائیڈ پارک میں جانا شروع کیا جہاں ویک اینڈ پر مقررین تقاریر کیا کرتے تھے۔ ہر مذہب نسل اور رنگ کے مقررین آزادی کے ساتھ مختلف موضوعات پر تقاریر کیا کرتے تھے۔ سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا ان دنوں چونکہ ٹی وی کا استعمال گھروں میں نہ ہونے کے برابر تھا۔ اسلئے لوگ گرمیوں میں ویک اینڈ پر کثرت سے ہائیڈ پارک اسپیکر کارنر میں مقررین کی تقاریر سے لطف اندوز ہوا کرتے تھے۔ جماعت احمدیہ کے مبلغین نے مستقلاً یہاں تبلیغی لیکچرز کا سلسلہ جاری رکھا ہوا تھا۔

ایک انگریز مقرر جان ویبسٹر نامی مسلسل 30 سال سے ہر ہفتہ اور اتوار کے دن یہاں تقریر کیا کرتے تھے۔اور پارک میں سب سے بڑا مجمع ان کے گرد ہی رہتا تھا۔ابتداء میں یہ کمیونسٹ تھے اور عموماً کمیونزم پر تقاریر کیا کرتے تھے۔ ویبسٹر صاحب نہ صرف زبردست مقرر تھے بلکہ بذلہ سنج بھی تھے۔ سوال وجواب کی محفل میں سائل کو نہایت خوبصورتی سے لاجواب کرنے کا ملکہ ان کو حاصل تھا۔

میں بھی ان کی تقاریر بڑی توجہ سے سنتا تھا اور اُن سے بے حد متاثر تھا۔اگرچہ میں ان کے خیالات سے تو متاثر نہیں تھا لیکن اُن کی حاضر جوابی اور زبردست اندازِ تقریر سے متاثر ہوا کرتا تھا اور میرے دل میں بار بار یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ اس کو اسلام اور احمدیت کا پیغام پہنچاؤں۔لیکن وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے اور ان کی عوام میں مقبولیت کچھ اس درجہ تھی کہ مجھے ان سے الگ بات کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔میں ان دنوں دُعا بھی کرتا رہا کہ مولیٰ کریم اس شخص کو اسلام اور احمدیت کا مقرر بنا دے اور اس کا سینہ سچائی کو سمجھنے کیلئے کھول دے۔

دعائیں جاری تھیں اور میں کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا کہ اس کو پیغام حق پہنچاؤں۔ایکدن مسٹر ویبسٹر اپنی تقریر ختم کر چکے اور ان کے گرد مجمع چھٹ گیا تو میں ان کے پاس گیا اور اپنا تعارف کرایا اور ان سے باہمی تبادلہ خیالات اور گفتگو کیلئے وقت مانگا۔انہوں نے کہا کہ تقریر کے بعد وہ سڑک کے اُس پار ایک کیفے میں چائے پینے جاتے ہیں اور جو لوگ ان سے بات کرنے کے خواہش مند ہوتے ہیں وہ ان سے وہاں گفتگو کر سکتے ہیں۔

اگلے ہفتے جب مسٹر ویبسٹر اپنی تقریر ختم کر چکے تو میری طرف اشارہ کر کے مجھے ریسٹورنٹ ساتھ چلنے کو کہا۔میں اُن کے ساتھ چل پڑا۔کیفے میں چائے کا دور شروع ہوا۔ان کے چند مداحین بھی ان کے ساتھ تھے۔کچھ دیر بعد ان کے مداحین رخصت ہو گئے تو میں نے جناب ویبسٹر صاحب کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور ان کی تعلیمات سے روشناس کرانے کی کوشش کی۔گفتگو کے اختتام پر میں نے انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب ’’اسلامی اصول کی فلاسفی‘‘ کا انگریزی ترجمہ پیش کیا۔جو انہوں نے بڑے شوق سے قبول کر لیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کتاب کا بغور مطالعہ کریں گے۔

میں دُعاؤں میں لگا رہا کہ اللہ تعالیٰ ان کا سینہ اسلام کے قبول کرنے کیلئے کھول دے۔میرے محترم دوست عبدالعزیز دین صاحب کو بھی میں نے دعا کیلئے درخواست کی۔

ایک دن میں نے قبولیت دعا کا ایک زبردست معجزہ دیکھا۔ مسٹر ویبسٹر نے مجھے بتایا کہ انہوں نے ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' کا بغور مطالعہ کیا ہے اور کتاب کو بار بار پڑھا ہے۔ کتاب کے مصنف حضرت میرزا غلام احمد صاحب (علیہ السلام) سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ پھر انہوں نے بتایا کہ میں نے دعا شروع کی کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرے۔ ایک رات خواب میں دیکھا کہ حضرت میرزا صاحب، جن کا چہرہ چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھا، نے مجھے فرمایا کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو۔ اسلام اور احمدیت میں ہی تمہاری بقا ہے اور تمہاری ابدی نجات ہے۔

میں ان کی زبانی یہ خواب سن کر بہت خوش ہوا اور اپنی دعاؤں کو قبول ہوتے محسوس کیا۔ مسٹر ویبسٹر نے انتہائی جذباتی حالت میں میرا ہاتھ پکڑا اور کہنے لگے مسٹر رفیق! جب سے میں نے یہ خواب دیکھی ہے میری دنیا بدل گئی ہے۔ میں احمدیت میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔ اس کے لئے مجھے جو کچھ کرنا ہے اس کی طرف میری رہنمائی کرو۔ میں انہیں مسجد فضل لے آیا۔ وہاں اُن سے بیعت فارم پُر کروایا اور احباب سے تعارف کرایا۔

احمدی ہو جانے کے بعد مسٹر ویبسٹر نے ہائیڈ پارک میں احمدیت کی سچائی پر تقاریر شروع کیں اور بعض متعصب پاکستانیوں کے غیض وغضب کا سامنا بھی کرنا پڑا لیکن وہ احمدیت پر سختی کے ساتھ قائم رہے۔ الحمد للہ۔

پولینڈ میں تبلیغ اور دعا کے نتیجہ میں ایک امام مسجد کا جماعت احمدیہ میں داخل ہونا

خاکسار کا جاری کردہ رسالہ ''دی مسلم ہیرلڈ'' دنیا کے مختلف ممالک کی لائبریریوں میں بھجوایا جاتا تھا اور مجھے بکثرت غیر از جماعت قارئین کے خطوط بھی ملتے تھے۔ ایک دن مجھے وارسا (پولینڈ) سے ایک خط ملا جو وہاں کے ایک امام مسجد کا تھا۔ اس خط میں انہوں نے لکھا تھا کہ ان کا نام زوک ہے اور انہیں عام طور پر امام زوک کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ پولش تھے۔ انہوں نے درخواست کی کہ رسالہ ان کے نام جاری کیا جائے اور یہ بھی لکھا کہ وہ انگریزی زبان زیادہ نہیں جانتے لیکن اس کے چند دوست انگریزی دان ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا ہے کہ وہ مجھے رسالہ کے مضامین پولش زبان میں ترجمہ کر کے دیا کریں گے۔

میں نے رسالہ ان کے نام جاری کر دیا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کو بھی مطلع کیا۔ حضورؒ نے تحریر فرمایا کہ اس سے مضبوط رابطہ رکھو۔ میں بھی دعا کر رہا ہوں۔ تم بھی دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کا سینہ احمدیت کیلئے کھول دے۔ میں نے دُعاؤں کے ساتھ کچھ مزید لٹریچر امام زوک صاحب کو بھجوایا اور خط وکتابت کے ذریعہ رابطہ قائم رکھا۔

کچھ عرصہ بعد امام زوک نے مجھے پولینڈ آنے کی دعوت دی۔ میں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں امام زوک کا دعوت نامہ بھجوایا۔ حضورؒ نے ارشاد فرمایا کہ امام زوک کی دعوت کو قبول کرلو۔ میں دعا کررہاہوں تم بھی دعائیں کرکے وہاں جاؤ تا اللہ تعالیٰ پولینڈ میں دوبارہ احمدیت کیلئے راستہ ہموار کرے۔

میں وارسا پہنچا۔ایک رات امام زوک سے ان کے فلیٹ پر ملاقات ہوئی۔ان کے ایک دوست بطور ترجمان موجود تھے۔انہوں نے کچھ سوالات لکھ رکھے تھے۔سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہوا۔ جونصف شب تک جاری رہا۔گفتگو کے اختتام پر امام زوک نے جذبات سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا امام صاحب! میری بیعت قبول کی جائے۔ میں صدق دل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لاتا ہوں۔

امام زوک 1978ء میں ربوہ کے سالانہ جلسہ میں بھی شامل ہوئے تھے۔

قبولیت دُعا کا چیلنج

1968ء کی بات ہے خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یہ ارشاد موصول ہوا کہ دُعاؤں کے ساتھ انگلستان کے آرچ بشپ آف کنٹربری اور رومن کیتھولک کے انگلستان میں سربراہ کو قبولیت دعا کا چیلنج دو۔ لیکن چیلنج دینے سے پہلے بڑی تضرع کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کی جائیں۔حضورؒ نے یہ بھی تحریر فرمایا کہ میں بھی دعا کروں گا اور انشاءاللہ اسلام کو فتح نصیب ہوگی۔

جب خاکسار کو حضورؒ کا یہ حکم ملا تو خاکسار نے چند مخلص احباب کو، جن میں حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی شامل تھے، حضورؒ کے اس حکم سے مطلع کیا اور ان سے دعائے خاص کی درخواست کی۔

دعاؤں کے ساتھ خاکسار نے دونوں بشپ صاحبان کو بذریعہ خطوط دعوت دی کہ وہ قبولیت دعا کے سلسلہ میں ہمارا مقابلہ کریں تا یہ ثابت ہوسکے کہ اللہ تعالیٰ کس کے ساتھ ہے اور کن کی دعائیں زیادہ سنتا ہے اور تا عوام پر یہ واضح ہوسکے کہ عیسائیت اور اسلام میں کون سا دین سچا اور برحق ہے۔ یہ دونوں خطوط لمبے ہیں۔صرف وہ حصہ نقل کرتا ہوں جس میں انہیں قبولیت دعا کو سچائی کا نشان ظاہر کرتے ہوئے کسی مذہب کی سچائی ثابت کرنے کا معیار بنایا گیا ہو۔خاکسار نے لکھا:

’’میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ مرزا غلام احمد صاحب (علیہ السلام) کے ایک ادنیٰ ترین خادم اور غلام کی حیثیت سے جناب والا کی خدمت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور منجانب اللہ بعثت کو پرکھنے کا ایک معیار پیش کرتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ جناب والا پوری

سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کریں گے اور اس معیار کو آزمانا قبول فرمائیں گے۔ مسیح علیہ السلام نے فرمایا ہے:

''کوئی اچھا درخت نہیں جو بُرا پھل لائے اور نہ کوئی بُرا درخت ہے جو اچھا پھل لائے۔ ہر درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے''۔

انہوں نے مزید فرمایا ہے:

''اگر تم میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ تو اس پہاڑ سے کہہ سکو گے کہ یہاں سے سرک کر وہاں چلا جا اور وہ چلا جائے گا۔ اور کوئی بات تمہارے لئے ناممکن نہ ہوگی''۔

پھر انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے:

''اور تم جو کچھ دُعا میں ایمان کے ساتھ اس سے مانگو گے وہ سب کچھ تم کو ملے گا''

جناب والا: ہم جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ اگر جناب والا کلیسائے انگلستان کے روحانی پیشوا کی حیثیت سے اسلام اور عیسائیت کی صداقت پرکھنے کو تیار ہوں تو خدا تعالیٰ ایسا ہی کرے گا کہ اچھا درخت اچھے پھل لائے۔ وہ اپنے پیارے بیٹے کو مچھلی کی بجائے سانپ نہیں دے گا۔ اور روٹی کی بجائے پتھر نہیں عطا کرے گا۔ وہ اس کے لئے قبولیت دعا کے دروازے کھولے گا۔ اور اس کی دعاؤں کو ضرور سنے گا''

آگے چل کر خاکسار نے لکھا:

''میں آپ کی خدمت میں اور آپ کی وساطت سے دنیا کے ہر سربرآوردہ عیسائی بزرگ کی خدمت میں یہ التماس کرتا ہوں کہ ہم سب اپنے اپنے مذہب کی سچائی ظاہر کرنے کیلئے کسی مشکل امر کے بارہ میں دُعا کریں۔ مثال کے طور پر ایک خاص تعداد میں ایسے بیمار لیں جن کے زندہ رہنے کی ڈاکٹروں کے نزدیک کوئی امید نہ ہو۔ اور پھر قرعہ کے ذریعہ انہیں آپس میں تقسیم کرلیں۔ عیسائی کلیسا اپنے حصہ کے مریضوں کی شفایابی کیلئے دُعا کرے۔ اور ہم اپنے حصہ کے مریضوں کی شفایابی کیلئے دعا کریں اور پھر دنیا خدا کے فضل اور رحم کا یہ نشان دیکھے کہ وہ اپنے اُن بندوں کی دعاؤں کو جو صداقت پر ہیں کس طرح سنتا ہے؟ مسیح علیہ السلام کے مقرر کردہ معیار کے مطابق صاحب ایمان بندوں کی دعائیں خدا کی جناب میں مقبول ہوں گی۔ اور اُن کے حصے میں آنے

والے مریضوں کی اکثریت شفایاب ہوجائے گی۔ جبکہ دوسرے مذہب کے حصہ میں آنے والے مریضوں کی اکثریت حسب معمول اُسی انجام سے ہمکنار ہوگی جس کا اظہار طبی ماہرین پہلے کر چکے ہوں گے''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل اور خلیفہ وقت کی دعاؤں سے دونوں بشپ صاحبان کو اس مقابلہ میں یوں شکست دی کہ دونوں نے مقابلہ پرآنے سے معذوری ظاہر کی۔

دونوں بشپ صاحبان نے اپنے خطوط محررہ 22 اپریل 1968 اور 23 اپریل 1968 میں مقابلہ میں آنے سے معذرت کر کے اپنی جان چھڑائی۔ فالحمدللہ۔

قبولیت دُعا کا ایک اور معجزانہ واقعہ

1964ء میں میں لندن میں مقیم تھا اور امام مسجد فضل لندن کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ میرے بڑے بیٹے نے پرائمری تک تعلیم مکمل کی تو اُسے گرامر سکول میں داخلہ کیلئے سکول کے انتخاب کا مرحلہ تھا۔ میری خواہش تھی کہ اُسے ایک اعلیٰ تعلیمی ادارہ Emanual School میں داخلہ ملے۔ اس کے داخلہ کا امتحان بہت سخت تھا اور بظاہر داخلہ کی امید بہت کم تھی۔ میں نے دن رات دعائیں شروع کیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اسے اس سکول میں داخلہ عطا فرمائے۔ کچھ دنوں بعد نتیجہ نکلا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ داخلہ ملنے میں کامیاب نہیں ہوسکا ہے۔ مجھے اس سے بہت صدمہ ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں تھا۔ میں نے بڑی تضرع سے دعائیں کیں کہ اللہ تعالیٰ غیب سے میرے بیٹے کے اس سکول میں داخلہ کی کوئی صورت نکالے۔ چند دن کے بعد ایک دن صبح کے وقت جب میں نیند سے جاگا تو میری زبان پر یہ مصرعہ جاری تھا۔

بر کریما کارہا دشوار نیست

یعنی اللہ تعالیٰ کیلئے کوئی کام مشکل نہیں ہے اور تفہیم یہ ہوئی کہ میرے بیٹے کو اُسی سکول میں داخلہ مل جائے گا۔ اسی دن جب ڈاک آئی تو اس میں عمانویل سکول کی طرف سے یہ اطلاع تھی کہ ایک لڑکا جسے داخلہ مل چکا تھا نقل مکانی کی وجہ سے اس علاقہ سے چلا گیا۔ اسلئے میرے بیٹے کو داخلہ مل گیا ہے۔ اُسے یہ داخلہ محض اور محض قبولیت دعا کے نشان کے طور پر ملا تھا۔ فالحمدللہ۔

قبولیت دعا کا ایک ایمان افروز واقعہ

1978 کے آخر میں مجھے شدید Depression اور Acute anxiety کا دورہ پڑا۔ پھر آہستہ آہستہ بیماری نے شدت اختیار کر لی۔ اور حالت یہ ہوگئی کہ جب گھبراہٹ اور شدید Depression کا حملہ ہوتا تھا تو مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ گویا میرا دل ڈوب رہا ہے۔ کسی پل چین نہ ملتا تھا۔ اکیلے باہر جانے سے خوف آتا تھا گھر میں بھی کمروں کی روشنیاں جلائے رکھتا تھا۔ جب یہ بیماری بہت بڑھ گئی تو میں نے ڈاکٹر سے مشورہ کیا انہوں نے Anti Depression دوائیں دیں۔ لیکن اُن سے سوائے اس کے کہ کچھ غنودگی طاری ہوجانے کے علاوہ کوئی فائدہ نہ ہوا اور ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دعا کی'' والی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس بیماری نے مجھے اس قدر خوفزدہ کر دیا کہ میں اکیلے باہر جانے سے، کسی سفر پر جانے سے گھبرانے لگا۔ بند کمروں سے شدید گھٹن محسوس کرتا تھا۔

انہی دنوں مجھے اللہ تعالیٰ نے عمرہ پر جانے کی توفیق عطا فرمائی۔ میں نے دل میں یہ عہد کیا کہ خانہ کعبہ کے طواف اور سعی کے دوران میری تمام تر دعاؤں کا مرکز اِس موذی مرض سے نجات حاصل کرنا ہوگا۔

میں نے دورانِ طواف وسعی بڑے تضرع اور رقت کے ساتھ اس مرض سے نجات کی دعائیں مانگیں۔ مدینہ شریف میں بھی مسجد نبوی اور روضۂ اطہر پر کھڑے ہوکر زیادہ تر اس مرض سے نجات کی دعائیں کرتا رہا۔

عمرہ سے فراغت کے بعد میں پاکستان چلا گیا اور وہاں سے چند دن کے بعد عازمِ قادیان ہوگیا۔ وہاں بھی میں نے متعدد مرتبہ بیعت الدعا میں بڑے تضرع اور رقت کے ساتھ دعائیں کیں۔ قادیان میں دورانِ قیام میں ایک رات میں نے خواب میں ایک بزرگ شخص کو دیکھا۔ اس بزرگ شخص نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا:

''تمہاری دعاؤں کو اللہ تعالیٰ نے شرف قبولیت عطا فرمایا ہے۔ اب تمہیں کبھی بھی گھبراہٹ کا دورہ نہیں پڑے گا''

میں نے اپنی بیگم سے اسی خواب کا ذکر کیا اور اللہ کا شکر ادا کیا۔ میں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اس دن کے بعد سے آج تک مجھے کبھی گھبراہٹ کا دورہ نہیں پڑا۔ الحمدللہ۔

ایک پادری کا اقرار کہ اللہ تعالیٰ سچے مسلمانوں کی دعائیں زیادہ قبول کرتا ہے۔

1965 کا ذکر ہے مجھے ایک چرچ ایسوسی ایشن کی طرف سے خط ملا کہ ان کے ایک پادری صاحب کی تعیناتی پاکستان اور افغانستان کے بارڈر پر ہوئی ہے۔ یہ وہاں مسیحیت کا پرچار کریں گے۔ چونکہ آپ بھی پاکستانی ہیں اس لئے ہم ان کو چند مرتبہ آپکے پاس بھیج کر یہ چاہیں گے کہ آپ انہیں اُس علاقہ کی معاشرت رہن سہن اور مذاہب سے باخبر کریں۔

میں نے انہیں لکھا کہ وہ بخوشی پادری صاحب کو بھجوادیں۔ چند دن بعد ایک نوجوان جو بمشکل 25 سال کا ہوگا مشن ہاؤس آیا اور چرچ ایسوسی ایشن کا تعارفی خط مجھے دیا۔ میں نے انہیں خوش آمدید کہا اور ان کا تعارف وہاں موجود چند احمدی احباب سے کرایا۔

گفتگو کا آغاز ہوا۔ تو میں نے اسے بتایا کہ اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آج بھی اللہ تعالیٰ نہ صرف اپنے نیک بندوں کی دعاؤں کو سنتا ہے بلکہ جواب بھی دیتا ہے۔ اس پر پادری صاحب نے جھٹ کہا کہ یہ خصوصیت عیسائیوں میں بدرجہ اتم موجود ہے اور میں اس کا زندہ ثبوت ہوں۔ یسوع مسیح میری دعاؤں کو نہ صرف قبول کرتے ہیں بلکہ جواب بھی دیتے ہیں اور میں جن لوگوں کی درخواست پر ان کیلئے دعا کرتا ہوں تو دو ایک روز کے اندر انہیں بتا بھی دیتا ہوں کہ یسوع نے میری دعا قبول کر لی ہے۔

میں نے پادری صاحب سے کہا کہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی دعاؤں کو سنتا ہے خواہ وہ کسی مذہب سے ہوں۔ لیکن جب اس بات کا فیصلہ کرنا ہو کہ اسلام اور دیگر ادیان کے مدعیان میں سے کون سچا ہے وہ اسلام کے مدعی کو فتح سے یوں ہمکنار کرتا ہے کہ اس کی دُعاؤں کو کثرت سے قبول فرماتا ہے۔

پادری صاحب جوش میں آگئے اور کہنے لگے: میں صداقت عیسائیت کو یوں ثابت کرنے کو تیار ہوں کہ آپ میں سے جو بھی چاہے مجھے کسی خاص کام کیلئے دعا کیلئے کہے۔ میں دعا کروں گا تو نہ صرف میری دعا قبول ہوگی بلکہ میں ایک دو دن کے اندر قبل از وقت اطلاع بھی کردوں گا کہ یسوع نے میری دعا سن بھی لی ہے اور قبول بھی کر لی ہے۔

میں اس دوران خاموش بیٹھا اس کی باتوں کو سنتا رہا اور دل ہی دل میں دعا بھی کرتا رہا کہ مولیٰ کریم آج اسلام کی فتح کو نمایاں کردے۔ مجھے ان دنوں چہرہ پر ایک جلدی بیماری کی وجہ سے بہت تکلیف تھی اور جلد کے اس مرض نے چہرہ کو بدنما بھی کر دیا ہوا تھا۔ میں نے پادری صاحب سے کہا کہ میں اپنے آپ کو پیش کرتا

ہوں ۔تم میرے لئے دُعا کرو اور مجھے یسوع مسیح سے جواب لے کر دو۔ میں خود بھی اپنے لئے دعا کروں گا۔ پادری صاحب اپنی سیٹ سے اُٹھ کر میرے پہلو میں صوفہ پر بیٹھ گئے اور آنکھیں بند کر کے دعا شروع کی۔ میں نے بھی محفل میں موجود احباب جماعت سے دعا کی درخواست کی۔تھوڑی دیر کے بعد پادری صاحب نے کہا کہ اس نے دعائیں کر لی ہیں اور انہیں امید ہے کہ ایک دو دن میں یسوع مسیح کی طرف سے جواب بھی آ جائے گا۔ میں نے انہیں کہا کہ دو تین دن کی بجائے ایک ہفتہ کے بعد وہ تشریف لائیں اور ان سب احباب کے سامنے یسوع مسیح کے جواب سے مطلع کریں۔اس پر محفل برخواست ہوگئی۔

اگلے ہفتہ مشن ہاؤس کا Sitting room احمدی احباب سے بھرا ہوا تھا۔ پادری صاحب تشریف لائے۔ان کا چہرہ لٹکا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے بیٹھ گئے۔ میں نے ان سے درخواست کی کہ یسوع مسیح کے جواب سے ہمیں مطلع کیا جائے تو پادری صاحب نے فرمایا: یہ میری زندگی میں پہلی مرتبہ ہوا ہے کہ یسوع مسیح خاموش ہوگیا ہے۔ اور باوجود میری تضرعات کے ان کی طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا۔ میں نے پادری صاحب سے کہا کہ کیا یہ اسلام کی سچائی کا چمکتا ہوا نشان نہیں ہے؟ پادری صاحب نے فرمایا کہ انہیں مزید کچھ دن دعاؤں کیلئے دیئے جائیں۔ چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ وہ 15 دن کے بعد تشریف لا کر ہمیں جواب مسیح سے مطلع کریں گے۔ پندرہ دن کے بعد یہ مشن آئے ۔احباب کی ایک بڑی تعداد موجود تھی ۔ پادری صاحب نے نہایت افسردگی میں فرمایا کہ میں اس مقابلہ میں فیل ہوگیا ہوں۔ مجھ سے یسوع مسیح نے قطع تعلق کر لیا ہے اور میں نے چرچ ایسوسی ایشن کو مطلع کر دیا ہے کہ میں اب افغانستان کی سرحد پر تبلیغ کیلئے نہیں جا سکوں گا کیونکہ میرا دل ودماغ شکوک وشبہات کا شکار ہے۔

ہم سب کے دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر گئے اور جہاں اللہ تعالیٰ نے اس پادری کو شکست سے دوچار کیا وہاں کچھ عرصہ کے اندر مجھے بھی دعاؤں کی بدولت چہرہ پر جلدی بیماری سے نجات دی ۔ فالحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔

محترم مولانا محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری

سابق مبلغ انچارج احمدیہ مشن سیرالیون وامریکہ

حال نائب وکیل التبشیر تحریک جدید ربوہ

محترم مولانا محمد صدیق صاحب شاہد گورداسپوری جامعہ احمدیہ ربوہ کے فارغ التحصیل واقفِ زندگی مبلغ ہیں۔تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں وہ ربوہ سے پہلی مرتبہ ۱۸/اکتوبر ۱۹۵۲ءکو روانہ ہوئے اور ۱۳/دسمبر ۱۹۵۲ء سیرالیون (مغربی افریقہ) پہنچ کر تبلیغی فرائض ادا کرنے لگے۔ وہاں پر چار سال فریضہ تبلیغ ادا کرنے کے بعد ۱۹/اکتوبر ۱۹۵۶ء کو واپس پاکستان روانہ ہوئے اور ۲۲/دسمبر ۱۹۵۶ء کو بخیریت ربوہ پہنچ گئے۔ ملک میں تین سال تک مختلف فرائض ادا کرنے کے بعد ۹/دسمبر ۱۹۵۹ء کو دوبارہ سیرالیون کے لئے روانہ ہوئے اور ۱۵/دسمبر ۱۹۵۹ء کو فری ٹاؤن پہنچ کر ۱۷/دسمبر ۱۹۶۲ء تک بطور امیر و مبلغ انچارج سیرالیون احمدیہ مشن کام کرتے رہے اس کے بعد مولانا بشارت احمد صاحب بشیر کو سیرالیون مشن کا چارج دے کر ۲۲/دسمبر ۱۹۶۲ء کو ربوہ واپس آ گئے۔تیسری مرتبہ ۱۵/جنوری ۱۹۶۶ء کو اکرا پہنچنے اور سالٹ پانڈ میں تقریباً دو سال تک پرنسپل احمدیہ مشنری ٹریننگ کالج کے فرائض انجام دیتے رہے۔وہاں سے ۲۴/جولائی ۱۹۷۲ء تک امیر و مبلغ انچارج احمدیہ مشن سیرالیون کے فرائض ادا کرتے رہے جس کے بعد ۲۹/مئی ۱۹۷۲ء کو ربوہ تشریف لے آئے۔ ربوہ سے چوتھی مرتبہ بطور مبلغ اسلام وہ ۱۳/جولائی ۱۹۷۳ء کو امریکہ کے لئے روانہ ہو کر ۱۲/اگست ۱۹۷۳ء کو بخیریت واشنگٹن پہنچ گئے اور ایک سال حلقہ نیویارک میں فریضہ تبلیغ ادا کرتے رہے۔ ۱۸/جولائی ۱۹۷۴ء کو وہاں سے مکرم چوہدری شریف احمد صاحب باجوہ کی مرکز واپسی پر امریکہ احمدیہ مشن کے امیر او مبلغ انچارج کے فرائض ان کے سپرد کئے گئے۔

امریکہ سے حسب ارشاد مرکز ۶ ستمبر ۱۹۷۷ء کو پاکستان کے لئے روانہ ہو کر ۹ ستمبر ۱۹۷۷ء کو ربوہ پہنچ گئے۔ آج کل نائب وکیل التبشیر تحریک جدید انجمن احمدیہ ربوہ خدمات دینیہ کی توفیق پا رہے ہیں۔ (مرتب)

آپ کے تحریر فرمودہ چند ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

تائیداتِ الٰہیہ کی چند جھلکیاں

خاکسار کو سیرالیون مغربی افریقہ میں مختلف اوقات میں ۵۲ء سے ۷۲ء تک اشاعت اسلام کا مقدس فریضہ سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ الحمدللہ۔ سیرالیون میں مجھے وہ بھی وقت دیکھنے کا موقع ملا جو اگرچہ مکرم مولوی نذیر احمد علی مرحوم اور مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے ابتدائی زمانہ سے تو کسی حد تک بہتر تھا لیکن مشن کے بعد کی غیر معمولی ترقیات کے مقابل وہ وقت بھی اس مشن کے لئے نہایت تنگدستی اور مشکلات کا تھا۔ مبلغین احمدیت کو اس وقت نو پونڈ ماہوار الاؤنس ملتا تھا مگر وہ بھی کبھی کبھی بروقت میسر آتا تھا اور کئی قسم کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔

خلیفہ وقت کی دعاؤں کے اثرات

دنیا میں اس وقت جماعت احمدیہ ہی وہ خوش قسمت جماعت ہے جس کو خدا تعالیٰ نے خلافت جیسی نعمت سے نوازا ہے اور اس کی برکات سے متمتع فرمایا ہے۔ اس خلافت کی بے شمار برکات میں سے ایک عظیم الشان برکت یہ بھی ہے کہ خلیفہ کی صورت میں تمام جماعت کو ایک ایسا وجود مل جاتا ہے جو ہر دم ان کے لئے خدا تعالیٰ کے حضور سربسجود رہتا ہے اور ان کے لئے دعائیں کرتا ہے۔ ان کے ہر دکھ درد میں شریک ہوتا ہے اور ہر احمدی اپنے کسی مشکل وقت میں اپنے پیارے امام کی خدمت میں دعا کی درخواست کر کے اپنے دل کو اس یقین اور ایمان سے لبریز پاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے پیارے امام کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخش کر اس کے لئے ضرور اس مشکل سے نجات کے سامان پیدا فرما دے گا۔ اس امر کا تجربہ اکثر احمدیوں کی زندگی میں کسی نہ کسی رنگ میں پایا جاتا ہے۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی فوری امر کے بارہ میں حضور کو بذریعہ خط کس طرح درخواست دعا کی جا سکتی ہے کیونکہ دعا تو حضور اس وقت کریں گے جب خط حضور کو مل جائے گا۔ گو یہ مشکل بھی اب کسی حد تک

اس صورت میں حل ہوگئی ہے کہ ایسی درخواست حضور سے فیکس کے ذریعہ کی جاسکتی ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے جیسا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میری دعا تو کسی دوست کے لئے اس وقت شروع ہوجاتی ہے جب وہ خط لکھ کر سپرد ڈاک کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس امر کا تجربہ بھی بہت سے احمدیوں کو ذاتی طور پر حاصل ہوگا۔خاکسار اس ضمن میں اپنا ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہے۔

خاکسار جب پہلی بار دسمبر ۱۹۵۲ء میں سیرالیون مغربی افریقہ میں خدمتِ دین کے لئے گیا تو جنوری ۱۹۵۳ء میں میرا تقرر شمالی صوبہ کے ایک قصبہ ''مگبورکا'' میں کر دیا گیا۔ وہاں تقریباً پچاس افراد پر مشتمل ایک پرانی جماعت تھی۔ ایک پرائمری سکول تھا۔مشن ہاؤس کی عمارت تھی مگر کچی اور نہایت خستہ حالت میں۔جس کے ایک حصہ میں ایک افریقن ٹیچر مع فیملی رہائش رکھے ہوئے تھے۔بہرحال خاکسار وہاں گیا دو کمروں کی صفائی وغیرہ کرائی جو ایک عرصہ سے مبلغ نہ ہونے کی وجہ سے بند پڑے تھے۔سامان وغیرہ تو وہاں خاص تھا نہیں،ایک میز چند کرسیاں وہ بھی ٹوٹی ہوئیں،ایک لوہے کی چارپائی۔بہرحال جو کچھ موجود تھا اسے ٹھیک کیا مگر مچھر سے بچاؤ کا کوئی سامان پیدا نہ ہوسکا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کچھ عرصہ بعد خاکسار کو ملیریا بخار کا شدید حملہ ہوا جس سے خاکسار کے لئے چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔سیرالیون میں ملیریا بخار کا جو اثر ہوتا ہے اور جسم میں جو نقاہت اور کمزوری پیدا ہوجاتی ہے اس کا اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کو سیرالیون کے مچھر سے واسطہ پڑا ہو اور اس فضاء میں سانس لینے کا موقع ملا ہو۔پھر مزید یہ ہوا کہ اس وقت مگبورکا میں نہ کوئی ہسپتال تھا نہ کوئی ڈاکٹر۔ہسپتال مکینی شہر میں تھا جو مگبورکا سے قریباً اٹھارہ میل دور تھا اور وہاں جانے کے لئے ایک دریا عبور کرنا پڑتا تھا جس پر کوئی پل اس وقت نہیں تھا۔لاریاں وغیرہ بھی ایک فیری (FERRY) یعنی کشتی کے ذریعہ دریا پر سے گذار دی جاتیں جس کو آدمی کھینچتے تھے۔اس وجہ سے دونوں جانب لاریوں کی ایک قطار لگ جاتی اور دریا عبور کرنے کے لئے بعض اوقات دو دو تین تین گھنٹے لگ جاتے۔ بہرحال خاکسار نے جو علاج وہاں میسر تھا وہ کیا مگر بخار میں کمی نہ ہوئی بلکہ شدت اختیار کر گیا۔ جب طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو احباب جماعت نے مشورہ دیا کہ مکینی جا کر ہسپتال سے علاج کروایا جائے۔

چنانچہ میں ایک لاری میں سوار ہوکر فیری (FERRY) پر پہنچا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ فیری خراب ہے اور درست ہونے پر چلائی جائے گی اس انتظار میں قریباً تین گھنٹے لاری میں ہی پڑا رہا مگر وہ درست نہ ہوئی آخر جب دیر ہوگئی تو خاکسار واپس مشن ہاؤس کی طرف چل پڑا۔راستہ میں ستانے کے لئے اپنے ایک

احمدی دوست پاسنفا ئلّہ کے گھر آ کر اس کے برآمدہ میں جو ہیمک (HAMMOCK) لٹک رہا تھا اس میں لیٹ گیا یہ رسیوں کا ایک قسم کا جھولا بنایا جاتا ہے جو دونوں طرف سے چھت کے ساتھ باندھا جاتا ہے اور انسان اس میں جھولتا رہتا ہے جس سے بہت آرام محسوس ہوتا ہے سیرالیون میں یہ چیز بہت عام ہے۔ کچھ دیر وہاں آرام کرنے کے بعد آہستہ آہستہ مشن ہاؤس پہنچ گیا اس حالت میں یکدم میرے ذہن میں آیا کہ کیوں نہ اپنے پیارے امام کو اپنی حالت سے آگاہ کیا جائے۔ چنانچہ میں نے فوری طور پر ایک خط حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں تحریر کیا اور اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے دعا کی درخواست کی اور ایک لڑکے کو اسی وقت خط پوسٹ کرنے کے لئے ڈاکخانہ بھجوادیا یہ رمضان کے آخری روزے کا دن تھا اور اگلے دن عید تھی۔

خدا تعالیٰ کی قدرت کہ خط پوسٹ کرنے کے کچھ عرصہ بعد مجھے بخار میں کمی محسوس ہونے لگی اور طبیعت بھی سنبھلنے لگی اور شام تک خدا تعالیٰ کے فضل سے بخار ٹوٹ چکا تھا تاہم کمزوری باقی تھی۔ اگلی صبح عید تھی اور خدا تعالیٰ نے محض اپنے فضل اور خلیفہ وقت کی دعاؤں کے طفیل مجھے عید الفطر پڑھانے کی توفیق بھی عطاء فرمادی۔ **فالحمدللہ علٰی ذٰلک۔**

۱۹۵۵ء میں احمدیہ مشن ''بو'' کے احاطہ میں فولانی قبیلہ کا ایک شخص رہتا تھا مشن نے احسان کے طور پر اسے رہائش کے لئے کچھ جگہ دے رکھی تھی مگر بعد میں جب سکول کی ضرورت کے پیش نظر اسے وہ جگہ خالی کرنے کے لئے کہا گیا تو اس نے جھگڑا کھڑا کر دیا اور اپنے قبیلے کے لوگوں اور عیسائیوں کے اکسانے پر مکرم مولوی محمد صدیق صاحب امرتسری کے خلاف جو اس وقت جماعت کے امیر و مبلغ انچارج تھے۔ عدالت عالیہ میں اقدام قتل کا بالکل جھوٹا مقدمہ دائر کر دیا۔ مشن کے پاس اس وقت اتنی رقم بھی نہ تھی کہ کوئی وکیل کیا جا سکے لیکن اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہ تھا۔ لہٰذا مولوی صاحب اور خاکسار ایک وکیل کے پاس گئے وہ اس وقت ایک ہوٹل میں اپنے ہمجولیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے مولوی صاحب نے انہیں باہر بلا کر ان سے مقدمہ کے بارے میں بات چیت کی اور بطور فیس دس پونڈ کی رقم پیش کی۔ وہ اس پر مولوی صاحب کے چہرہ کی طرف دیکھنے لگے اور کہنے لگے کیا آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں۔ دس پونڈ تو میں ایک ہی مجلس میں شراب پر خرچ کر دیتا ہوں یہ آپ مجھے کیا دے رہے ہیں؟ پھر اس قسم کے اہم مقدمہ کی پیروی کے لئے۔ اس پر مولوی صاحب نے اسے کہا کہ میں تو آپ کو اپنے ماہوار الاؤنس سے ایک پونڈ زائد پیش

کرر ہا ہوں۔اس پر وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ میں سوچ ہی نہیں سکتا کہ کوئی شخص آج کل نو پونڈ میں مہینہ بھر گزارہ کرسکتا ہے۔ بعد میں گو انہیں مزید رقم ادا کی گئی لیکن اس وقت مشن کی مالی حالت حد درجہ کمزور تھی۔ مبلغین کرام کو عام ٹرکوں میں سفر کرنا پڑتا جن میں بعض اوقات چاولوں کی بوریاں یا جانور لدے ہوتے جبکہ دوسری طرف عیسائی منا داور مبلغ کاروں میں ادھر ادھر دندناتے پھرتے۔ مشن کے صرف چند سکول تھے اور وہ بھی پرائمری حد تک جبکہ عیسائیوں کے سینکڑوں پرائمری اور سیکنڈری سکول قائم تھے۔ ہمارے مشن کا کوئی ہسپتال نہ تھا جب کہ درجنوں اعلیٰ درجہ کے عیسائی ہسپتال ملک کے مختلف حصوں میں چل رہے تھے۔ یہ وہ ابتدائی حالات تھے جن میں خاکسار دسمبر ۱۹۵۲ء میں پہلی بار بغرض اعلائے کلمۃ اللہ سیرالیون پہنچا۔

ایک ظاہر بین انسان اس وقت احمدیہ مشن کی حالت کو دیکھ کر یہ قطعاً تصور نہیں کرسکتا تھا کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے جب کہ یہ ظاہری ساز وسامان سے عاری جماعت اس ملک کے طول وعرض میں پھیل جائے گی۔ عیسائی مشنوں کی طرح اس کے پرائمری سکولوں کے علاوہ کئی سیکنڈری سکول بھی ہوں گے۔جن کے دروازے ہر مذہب وملت اور ہر رنگ ونسل کے بچوں کے لئے کھلے ہوں گے اس کے بھی کئی اپنے ہسپتال ہوں گے جن میں بنی نوع انسان کے جسمانی دکھوں کا علاج کیا جائے گا۔اس کے مبلغین اور اساتذہ کے پاس بھی کاریں ہوں گی جن میں وہ ملک کے کونہ کونہ میں پہنچ کر اسلام کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں گے۔ اس کے بھی مشن ہاؤس اور کثیر التعداد مساجد ہوں گی جن سے اللہ اکبر کی صدا پانچ وقت روزانہ بلند ہوا کرے گی۔

اللہ تعالیٰ جو سچے وعدوں والا ہے اس نے اپنے پیارے مسیح موعود علیہ السلام سے کئے ہوئے وعدے پورے کئے کہ ''میں تیرے خاص محبوں کا گروہ بڑھاؤں گا اوران کے نفوس واموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا۔'' ان سچے وعدوں کو ہم نے سیرالیون میں نہایت شان کے ساتھ پورا ہوتے دیکھ لیا۔ چنانچہ جب خاکسار جولائی ۱۹۶۸ء میں گھانا میں تبدیل ہوکر بطور امیر ومبلغ انچارج تیسری مرتبہ سیرالیون پہنچا تو میرا دل ان سب ترقیات کو بچشم خود دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہوگیا اور اس وقت میرے کانوں میں پندرہ سال قبل کے وہ الفاظ گونجنے لگے جو ایک غیر تعلیم یافتہ دیہاتی کے منہ سے نکلے تھے:

”کہ عنقریب سیرالیون میں احمدیہ مشن اور احمدیہ فرقہ سارے سیرالیون میں ایسے ہی چھا جائے گا جیسے کہ آج عیسائی مشن چھائے ہوئے ہیں اور ہر طرف اسلام کا چرچا اور غلبہ ہوگا۔“

تفصیل اس واقعہ کی یہ ہے کہ ۱۹۵۴ء میں خاکسار ایک تبلیغی دورے کے دوران اپنے ایک معلم پاسوری باہ بنگورا مرحوم کی معیت میں ایک جماعت بالا ہوں سے واپس آ رہا تھا اور راستہ میں ہم کو مانو کوٹو ہوں کی احمدیہ جماعت میں بھی جانا تھا یہ گاؤں بڑی سڑک سے کوئی چھ سات میل ہٹ کر جنگل میں اندر کی طرف واقعہ تھا۔ خاکسار اور پاسوری باہ بنگورا جب اس طرف پیدل جانے کے لئے ٹرک سے اترے تو ہمارے کپڑے اور سر منہ گرد وغبار سے اٹے ہوئے تھے اور ہماری عجیب حالت تھی ہم اس حالت میں سڑک کے کنارے ایک چھوٹی سی دکان میں گئے اور پینے کا پانی مانگا۔ دوکاندار نے ہمیں دیکھتے ہی ہمارے لباس وغیرہ سے پہچان لیا کہ ہم احمدی ہیں چنانچہ وہ کہنے لگا میں جانتا ہوں آپ احمدی مسلمان ہیں کیونکہ اکثر احمدی لوگ ہی لاری سے یہاں اتر کر مانو کوٹو ہوں جاتے ہیں گو اس وقت تو آپ کی حالت قابل رحم ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اب اس ملک میں آپ ہی غالب آئیں گے اور عیسائیت آہستہ آہستہ اب ختم ہو جائے گی اور آپ ایسے ہی ملک پر چھا جائیں گے جیسے اب عیسائی چھائے ہوئے ہیں اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہو کر رہتے ہیں اور ان کا اثر انسانوں پر بھی ضرور پڑتا ہے اور اس امر کیا اثر اب خدا کے فضل وکرم سے نمایاں تر ہو رہے ہیں کہ سیرالیون میں احمدیت کے ذریعہ بہت جلد اسلام کو فتح اور غلبہ نصیب ہوگا۔

جس بات کو کہے کہ کروں گا میں یہ ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

مکرم مولانا نذیر احمد صاحب علی مرحوم جولائی ۱۹۵۴ء میں جب آخری بار سیرالیون گئے تو میں اس وقت مشرقی صوبہ کے ایک قصبہ باجے بو (Boajibu) خدمات سرانجام دے رہا تھا۔ ماہ اکتوبر میں محترم مولوی صاحب کی طرف سے مجھے ایک دورہ کا پروگرام ملا جس کے تحت مجھے ۸/ اکتوبر تا ۸/ نومبر ۱۹۵۴ء بلاما، سرایو، مانو کوٹو ہوں، پوٹے ہوں اور ہانگا وغیرہ جماعتوں کا دورہ کرنا تھا اور ہر جگہ ایک ایک ہفتہ قیام کر کے ان جماعتوں میں تعلیم وتربیت اور دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دینا تھا۔ ساتھ ہی آپ نے چٹھی کے اخیر میں لکھا کہ اس وقت سیرالیون مشن بعض مالی مشکلات سے دوچار ہے لہٰذا تہجد میں ناغہ نہ ہونے

دیں اور دعاؤں پر انتہائی زور دیں۔

چنانچہ خاکسار تعمیل ارشاد میں بارہ بجے سے پہلے بلاما گیا وہاں لاری کے ذریعہ سفر کیا وہاں ایک ہفتہ گزارہ اب وہاں سے پروگرام کے مطابق مجھے دوسری جماعت مانوکوٹو ہوں جانا تھا بذریعہ گاڑی۔ اب مشکل یہ تھی کہ یہ گاؤں کومنڈے اسٹیشن سے جہاں گاڑی سے اترنا تھا پانچ چھ میل دور جنگل میں واقع تھا جو پیدل سفر تھا پھر ان دنوں ایک مبلغ کو دورہ پر جاتے وقت سامان خورد ونوش بھی ساتھ رکھنا پڑتا تھا کیونکہ گاؤں میں کوئی چیز نہیں ملتی تھی خصوصاً روٹی ملنے کا تو کوئی سوال ہی نہیں تھا۔ سٹوو بھی ساتھ ہوتا کیونکہ کھانا خود تیار کیا جاتا۔ مختصر بستر بھی ساتھ رکھنا پڑتا پھر مزید یہ کہ گاڑی رات گئے اس اسٹیشن پر پہنچتی تھی جہاں سے رات کے وقت جنگل میں اکیلے سفر کرنا خطرہ سے خالی نہیں تھا۔ بہرحال خاکسار حکم کی تعمیل میں سامان وغیرہ لے کر اسٹیشن پر پہنچ گیا وہاں جا کر معلوم ہوا کہ گاڑی معمول سے بھی دو گھنٹے لیٹ ہے جس سے اور بھی فکر لاحق ہوئی۔ بہرحال جب گاڑی آئی تو خدا تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس میں سوار ہو گیا مگر ذہن میں بار بار یہ امر گردش کر رہا تھا کہ رات کے وقت اتنے سامان کے ساتھ آگے جنگل میں سے کس طرح سفر اختیار کیا جائے گا۔ لہٰذا خدا تعالیٰ سے اس مشکل کے لئے خصوصی دعا کا موقع میسر آ گیا۔ اسی اثناء میں یکدم ذہن میں ایک عیسائی دوست کا نام آیا جس سے کسی وقت گاڑی میں سفر کرتے وقت ملاقات ہوئی تھی اور اس سے تبادلہ خیالات بھی ہوا تھا اس نے بتایا تھا کہ وہ کومنڈے گاؤں میں رہائش رکھتا ہے جب موقع ملے اس کے ہاں ضرور آؤں۔ میں نے سوچا کہ کیوں نہ آج رات اس دوست کے ہاں بسر کی جائے اور صبح کے وقت مانوکوٹو ہوں کا سفر اختیار کیا جائے لیکن پھر یہ خیال آیا کہ اس کے مکان کا تو مجھے علم ہی نہیں رات کے وقت کون ایسے اندھیرے میں مجھے اس کے مکان کی راہنمائی کرے گا لیکن خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت کی راہیں نرالی ہیں اور ان سے وہی شخص لطف اندوز ہو سکتا ہے جس کی ایسے آڑے وقت میں خدا تعالیٰ کی غیبی مدد سہارا بنی ہو۔ یہی کیفیت میری تھی۔ جس رنگ میں خدا تعالیٰ نے اس اندھیرے میں میری مدد کے لئے غیب سے سامان پیدا فرمایا اس کا تصور کرتے ہوئے اب بھی خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کے گیت گانے کو دل چاہتا ہے میں سمجھتا ہوں یہ سب احمدیت کی برکت اور امیر کی اطاعت کے نتیجہ میں تھا۔

ہوا یہ کہ جب گاڑی کومنڈے اسٹیشن پر رکی تو رات کے تقریباً دس بج چکے تھے اسٹیشن پر ہر طرف تاریکی ہی تاریکی تھی کیونکہ وہاں بجلی وغیرہ تو تھی نہیں نہ ہی کوئی اور روشنی کا مناسب انتظام تھا۔ ایسی حالت

میں میں نے اپنا سامان ابھی گاڑی سے اتارا ہی تھا کہ دو تین لڑکے میرے پاس آ موجود ہوئے۔ پہلے تو میں ان کو دیکھ کر گھبرا گیا کہ اس اندھیرے میں وہ کہیں چوری کی غرض سے نہ آئے لیکن میں اس وقت حیران رہ گیا جب انہوں نے کہا کہ آپ احمدیہ مبلغ معلوم ہوتے ہیں ہم آپ کی مدد کے لئے موجود ہیں جہاں آپ جانا چاہتے ہیں ہم آپ کو وہاں چھوڑ آتے ہیں۔ پھر میں سمجھا کہ جن لڑکوں کو میں چور سمجھ رہا تھا ان کو دراصل خدا تعالیٰ نے میری مدد کے لئے بھجوایا ہے میں نے جب ان کو اس عیسائی دوست کا نام بتایا جس کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے تو وہ کہنے لگے ہم اسے اچھی طرح جانتے ہیں ابھی آپ کو وہاں لے چلتے ہیں چنانچہ انہوں نے میرا سامان اٹھایا اور اس دوست کے مکان پر پہنچ گئے۔ رات کا وقت تھا وہ سوئے ہوئے تھے بہر حال دروازہ پر دستک دینے پر وہ نیند سے بیدار ہوئے اور باہر تشریف لائے ایسے وقت میں مجھے دیکھ کر وہ سخت حیران ہوئے انہوں نے فوری طور پر ایک کمرہ میں میری رہائش کا انتظام کیا روٹی میرے پاس موجود تھی گو سوکھ چکی تھی۔ سارڈین کاٹن اس سے لیا اور روٹی کھا کر سو گیا۔ صبح میزبان نے ناشتہ وغیرہ کرایا اور کچھ دیر اس سے تبادلہ خیالات کے بعد سامان اس کے پاس چھوڑا اور خود پیدل مانوکوٹو ہوں کے لئے روانہ ہو گیا۔ وہاں جا کر دو لڑکے جماعت کے سامان کے لئے بھجوائے چنانچہ شام تک سامان بھی پہنچ گیا۔ پھر باقی جماعتوں کا دورہ کرنے کے ۸ رنومبر کو واپس باجے بو آیا اور ۸ رنومبر کو بو (Bo) پہنچ کر حضرت مولانا نذیر احمد صاحب علی کی خدمت میں مفصل رپورٹ پیش کی جس سے آپ بہت خوش ہوئے۔

اب ذیل میں دو تبلیغی واقعات پیش ہیں جو مجھے قیام سیرالیون کے دوران پیش آئے:

ایک مباحثہ

اپریل ۱۹۵۵ء میں خاکسار مگبورکا احمدیہ مشن اکا نچارج تھا۔ ان دنوں ملبورکا سے قریباً تیس میل دور ایک قصبہ یونی بانا (Yonibana) سے ایک پیرا مونٹ چیف اور اس کے چند سرکردہ اصحاب مگبورکا آئے اور ایک احمدی دوست پاسیکا سیسے کے ہاں قیام کیا۔ احمدیہ مسجد میں مغرب کی نماز کے بعد پاسیکا سیسے (Pasaika Sisay) مجھے مسجد سے اپنے گھر لے گئے اور ان مہمانوں سے ملاقات کرائی۔ خاکسار نے انہیں جماعت احمدیہ کے عقائد اور تبلیغی مساعی سے آگاہ کیا۔ سیرالیون میں ان دنوں (اور غالباً اب بھی) احمدیوں اور دوسرے مسلمانوں میں زیادہ تر یہی مسئلہ زیر بحث رہتا تھا کہ آیا نماز میں سینہ پر ہاتھ

باندھنے چاہئیں یا پہلوؤں پر چھوڑنے چاہئیں۔ وہ لوگ چونکہ سب مالکی فقہ سے تعلق رکھتے ہیں اسلئے امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی اقتداء میں وہ نماز ہاتھ چھوڑ کر ادا کرتے ہیں اور گو حضرت امام مالکؒ نے بامرِ مجبوری ایسا کیا تھا۔

چنانچہ ان مہمانوں سے بھی زیادہ تر اس مسئلہ پر ہی گفتگو ہوئی۔ کہنے لگے آپ ہمارے گاؤں آ کر ہمارے عالم سے گفتگو کریں۔ اگر وہاں آپ نے ثابت کر دیا کہ واقعی نماز میں ہاتھ سینہ پر باندھنے ہی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے تو ہم آپ کی دوسری بات یعنی آمد امام الزمان بھی قبول کر کے آپ کی جماعت میں داخل ہو جائیں گے۔

غرض ان کی دعوت پر جمعہ کے روز خاکسار وہاں گیا میرے ساتھ ہمارے ایک سکول ماسٹر مکرم مجید صاحب بھی تھے۔ پیراموئنٹ چیف نے اپنے احاطہ میں اس عالم کو بلا لیا اور گفتگو شروع ہوئی۔ خاکسار نے حدیث بخاریؒ اور موطا امام مالکؒ سے احادیث پیش کر کے یہ ثابت کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق مسلمانوں کو نماز میں سینہ پر ہاتھ باندھنے چاہئے مگر دوسری طرف مالکی امام صاحب نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز ادا کرنی ضروری ہے لیکن ان کے پاس کسی حدیث یا فقہ کی کتاب کا حوالہ نہیں تھا۔ محض زبانی جمع خرچ تھا۔ آخر پیراموئنٹ چیف صاحب نے اپنے عالم سے کہا کہ ہم اس وقت آپ کی بات تسلیم نہیں کر سکتے جب تک کسی کتاب کے حوالہ سے آپ اپنی بات کو ثابت نہ کریں۔ آخر میں امام صاحب لاچار ہو کر کہنے لگے کہ اچھا نماز جمعہ کے بعد میں کتاب لے آؤں گا اور پھر اس مسئلہ پر بحث کی جائے گی۔

ہم نے نماز جمعہ پیراموئنٹ چیف کے احاطہ میں ہی ادا کی۔ حقیقت تو بحث کے دوران ہی کسی حد تک حاضرین پر واضح ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اس عالم کو موقع دیا گیا۔ جمعہ کی نماز کے بعد پیراموئنٹ چیف صاحب نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ حسب وعدہ کتاب لے کر آ جائیں مگر اس کی طرف سے جواب ملا کہ میں ہرگز آنے کے لئے تیار نہیں اور نہ ان امور پر اب بحث کرنا چاہتا ہوں۔ ان کو یہ جواب سن کر سب پر واضح ہو گیا کہ درحقیقت ان کے پاس کوئی صحیح جواب تھا ہی نہیں۔ چنانچہ پھر میں نے حاضرین کو حضرت امام وقت کی آمد سے متعلق سب امور سمجھائے اور خدا تعالیٰ کے فضل سے تیس افراد بیعت کر کے جماعت میں شامل ہو گئے۔

اس واقعہ کی اطلاع میں نے مکرم وکیل التبشیر صاحب کی خدمت میں تحریر کی۔ان دنوں حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ علاج کی غرض سے یورپ تشریف لے گئے تھے مگر وکیل التبشیر صاحب نے خاکسار کی وہ رپورٹ حضورؓ کی خدمت میں یورپ بھجوادی۔ چنانچہ چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ نے جو ان دنوں حضور کے پرائیویٹ سیکرٹری تھے حضور کی طرف سے اس رپورٹ پر جوریمارکس مکرم وکیل التبشیر صاحب کو تحریر کئے ان کی نقل خاکسار کو سیرالیون بھجوائی گئی جو ذیل میں درج ہے:

۲۲۵۴ (۵۵/۵/۱۹) زیورک

مکرم وکیل التبشیر صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آپ کی رپورٹ ۱۲۲۱ (۵۵/۵/۷) حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کی گئی حضور نے مولوی محمد صدیق صاحب شاہد کی اس رپورٹ پر مسرت کا اظہار فرمایا کہ ۱۳۰ اشخاص نے نماز کے وقت سینہ پر ہاتھ باندھنے کے مسئلہ میں شکست پر بیعت کر لی۔ حضور نے فرمایا اس مسئلہ کی تحقیق کی جائے مولوی نذیر احمد علی صاحب نے حوالہ نکالا ہے کہ گو امام مالکؒ کا مذہب بھی یہی ہے کہ سینہ پر ہاتھ باندھے جائیں لیکن وہ بازو کے ٹوٹے ہونے کے باعث ایسا کرنے سے قاصر تھے۔ پہلے بھی اس مسئلہ پر احمدی مبلغین کی کامیابی پر جماعتیں قائم ہوئی ہیں اس لئے اس طرف خاص توجہ دی جائے۔ہم تو خواہش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ جلد از جلد سارا سیرالیون احمدی ہو جائے۔

دستخط مشتاق احمد باجوہ۔ پرائیویٹ سیکرٹری

خدا کرے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی یہ خواہش جلد از جلد پوری ہو اور سارا سیرالیون حلقہ بگوش احمدیت ہو کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی غلاموں اور اسلام کے شیدائیوں میں شامل ہو جائے۔

ایک اشتعال انگیز کتاب کے خلاف احتجاج

فروری ۱۹۶۲ء کا ذکر ہے کہ فری ٹاؤن کتاب ’’عائشہ‘‘ نامی میری نظر سے گزری جو ایک جرمن مستشرق کی تصنیف تھی اور انگریزی میں ترجمہ ہو کر لندن میں شائع ہوئی تھی۔ میں نے اس کے پیش لفظ کو پڑھا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک نہایت ہی گندی قسم کا ناول ہے۔جس میں اُم المومنین حضرت عائشہ آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور آپؐ کی دیگر ازواج مطہرات اور بعض صحابہ کرام کا نہایت گندے اور دلآزار طریق سے ذکر کیا گیا ہے۔ اور نہایت درجہ ودلخراش اور اشتعال انگیز باتیں لکھی ہیں۔

خاکسار نے اس بارے میں مکرم وکیل التبشیر صاحب اور مکرم رئیس التبلیغ صاحب مغربی افریقہ کو مطلع کیا نیز ملک کے مسلمان نائب وزیراعظم جناب مصطفیٰ سنوسی اور سیرالیون مسلم کانگرس کے جنرل سیکرٹری الحاج جبریل سیسے کو بھی اس امر سے آگاہ کیا۔ چنانچہ مکرم رئیس التبلیغ مغربی افریقہ نے اس سلسلہ میں ایک احتجاجی خط سیرالیون کے وزیراعظم کو تحریر کیا جس کی نقول مسلم ممالک کے بعض سربراہوں کو ارسال کر کے اس کتاب کے خلاف نوٹس لینے کی طرف توجہ دلائی گئی۔

خاکسار نے بھی وزیراعظم سیرالیون کو خط لکھ کر اس کتاب کے خلاف جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف احتجاج کیا اور پھر اس معاملہ کو سیرالیون مسلم کانگریس کے ایک اجلاس میں پیش کر کے کتاب کے خلاف احتجاج کرنے کی اپیل کی۔ الحاج جبریل سیسے جنرل سیکرٹری مسلم کانگریس چونکہ ہماری جماعت کے مخالف تھے وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے کہ کسی احمدی مبلغ کی طرف سے اٹھائے گئے معاملہ کی مسلم کانگریس میں تائید کرے خواہ وہ معاملہ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کی ازواج مطہرات کی عزت وناموس کی حفاظت کا ہی کیوں نہ ہو۔ انہوں نے میری وہاں سخت مخالفت کی اور کہنے لگے کہ میں نے اس کتاب کے بعض حصے پڑھے ہیں مجھے تو ان میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آئی۔ لیکن جب خاکسار نے اس کتاب کے بعض حصے پڑھ کر سنائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کا واسطہ دے کر حاضرین کو غیرت دلائی تو ساری مجلس میں شور پڑ گیا اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ ہم احمدی مبلغ کی تائید کرتے ہیں۔ مسلم کانگریس کی طرف سے اس کتاب کے خلاف ضرور فوری طور پر ایک ریزولیوشن وزیراعظم کی بھیجا جائے۔

چنانچہ اسی وقت چار ممبروں پر مشتمل ایک کمیٹی اس غرض کے لئے بنائی گئی جس کا خاکسار بھی ممبر تھا۔ اس کمیٹی نے فوری طور پر ایک زیرولیوشن تیار کر کے ملک کے وزیراعظم کو پیش کرنے کے لئے نائب وزیراعظم آنرایبل نسوسی مصطفیٰ کے سپرد کر دیا اور خاکسار اور جماعت کے دوست اس بارے میں دعاؤں میں لگ گئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے احتجاج کا بہتر نتیجہ پیدا فرمائے۔ چنانچہ انہی دنوں خاکسار نے خواب میں دیکھا کہ میں وزیراعظم سے ملا ہوں اور ان سے پوچھ رہا ہوں کہ میں نے عائشہ نامی کتاب کے خلاف

کارروائی کرنے کے لئے آپ کی خدمت میں لکھا تھا۔اس بارے میں کیا کاروائی کی گئی ہے وزیر اعظم نے مجھے جواب دیا کہ آپ کا خط تو ملا ہے لیکن ابھی اس پر غور ہو رہا ہے۔ پھر خواب ہی میں میں نے اس سے پوچھا کہ کیا سیرالیون مسلم کانگریس کی طرف سے اس کتاب کیخلاف کوئی ریزولیوشن بھی ملا ہے انہوں نے کہا۔نہیں ابھی تک تو نہیں ملا۔

اس خواب کے بعد میں متفکر ہوا کہ مسلم کانگریس کی مقرر کردہ کمیٹی کی طرف سے پاس کردہ ریزولیوشن وزیر اعظم کو کیوں نہیں ملا حالانکہ اسے بھجوائے ہوئے ایک ہفتہ ہو چکا ہے چنانچہ میں فوراً آنریبل سنوسی مصطفی نائب وزیر اعظم سے رابطہ قائم کر کے پتہ کیا تو انہوں نے بتایا کہ افسوس ہے کہ وہ ریزولیوشن ان کی میز سے کسی نے غائب کر لیا تھا۔اور باوجود تلاش کے نہیں مل سکا لیکن اب میں نے دوبارہ ٹائپ کروا کے مع متعلقہ کتاب کے وزیر اعظم کو بھجوا دیا ہے۔گویا ایک طرح سے میرا خواب پورا ہو گیا۔ یہ واقعہ سن کر مجھے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا اور اس کتاب کے خلاف نوٹس لیا جائے گا۔

اس کے چند روز بعد میں کسی کام کے لئے پھر اسی بک شاپ میں گیا تو مینیجر بک شاپ مجھے دیکھ کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے آپ سے ایک بات کرنی ہے ذرا میرے دفتر تشریف لائیں۔ چنانچہ میں وہاں گیا تو وہ معذرت کرتے ہوئے مجھے کہنے لگے افسوس ہے کہ اس قسم کی کتاب ہمارے بک شاپ میں آپ کو نظر آئی مگر آپ بجائے حکومت سے اس کے خلاف احتجاج کرنے کے مجھے براہ راست مل کر اس کتاب کے قابل اعتراض حصوں سے مطلع کرتے تو میں فوراً اس کی فروخت بند کر دیتا۔اب مجھے وزیر اعظم کی طرف سے نوٹس ملا ہے کہ اس کتاب کی فروخت بند کر دی جائے اور تمام کاپیاں تلف کر دی جائیں کیونکہ اس سے مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس پہنچتی ہے وزیر اعظم صاحب نے نہ صرف معافی مانگی تھی بلکہ یہ بھی لکھا تھا کہ متعلقہ کتاب کی تمام کاپیاں تلف کر دی گئی ہیں اور احمدیہ مشن کے مبلغ انچارج صاحب سے مل کر ان سے بھی اس بارے میں معذرت کی گئی ہے اور اس طرح باوجود سیرالیون کی حکومت میں اس وقت عیسائی اثر و نفوذ ہونے کے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس دل آزار کتاب کی ضبطی کے سلسلہ میں ہماری مدد فرمائی اور سیرالیون میں اس کی خرید و فروخت اور اشاعت بند کر دی گئی اور تمام کاپیاں تلف کر دی گئیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

رؤیا کے ذریعہ احمدیت کی صداقت کا انکشاف

روکوپر وہ جگہ ہے جہاں فری ٹاؤن کے بعد سیرالیون میں سب سے پہلے جماعت قائم ہوئی۔اس گاؤں

کے ایک دوست الفا احمد کمارہ بیان کرتے ہیں کہ ۱۹۳۶ء میں جب کہ میں روکو پر سے منتقل ہو کر اونو بنونامی گاؤں میں رہائش رکھتا تھا۔ ایک رات نماز تہجد کے بعد کچھ دیر کے لئے لیٹ گیا۔ اسی حالت میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ شخص سفید ریش لمبے لمبے چوغوں میں ملبوس جن کے سروں پر عمامے ہیں میرے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم مشرق سے آئے ہیں اور تمہیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ جس مہدی کا دیر سے انتظار تھا وہ ظاہر ہو چکا ہے سو اٹھ اور اپنے اصل گاؤں میں جا کر لوگوں کو یہ خوشخبری سنا اور انہیں نماز کی پابندی کی تلقین کر۔ اگر لوگوں نے اس بات پر کان نہ دھرا تو وہ خدائی سزا کے مستوجب ہوں گے۔ اس پر میری آنکھ کھل گئی۔

صبح ہوتے ہی میں نے اپنا سارا ساز وسامان اکٹھا کیا اور واپس روکو پر چلا آیا جو کہ میرا آبائی گاؤں ہے۔ یہاں آ کر میں نے اپنے بھائی سے اس خواب کا ذکر کیا اور بتایا کہ مہدی علیہ السلام کا ظہور ہو چکا ہے اس لئے ہمیں لوگوں کو اس امر سے آگاہ کرنا چاہئے اور نماز کی طرف توجہ دلانی چاہئے۔ اس وقت گو چند مسلمان نماز کے پابند تھے مگر اجتماعی رنگ میں نماز کا کوئی انتظام نہیں تھا اور نہ ہی جمعہ کی نماز ہوتی تھی۔ میں نے اور میرے بھائی نے لوگوں کو نماز کی پابندی کی طرف توجہ دلائی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمیں کامیابی ہوئی اور ۴۶ کے قریب مسلمان باقاعدہ نماز کے لئے آنے لگے۔ جس پر میں نے ہر ایک سے ایک پینی وصول کی اور ۴۶ پنس اکٹھے ہونے پر ایک دوست انعا شیخنا کے پاس گئے اور اسے امام بننے کی پیش کش کی جو اس نے قبول کر لی اور اس طرح سے باجماعت نماز کا رواج پیدا ہوا۔

اس واقعہ کے چار سال بعد الحاج مولوی نذیر احمد صاحب علی مرحوم تشریف لائے جنہیں دیکھتے ہی الفا شیخنا امام مسجد نے کہا کہ مسٹر احمد آپ کی خواب پوری ہوگئی کیونکہ الحاج مولوی نذیر احمد صاحب مرحوم کا لباس و پیغام بعینہٖ وہی ہے جو مجھے خواب میں دکھایا گیا۔ اس موقع پر نہ صرف خاکسار کو بلکہ ایک کثیر تعداد کو ہدایت نصیب ہوئی۔ اور خدا تعالیٰ نے قبل از وقت آپ عاجز کو مہدی علیہ السلام کے ظہور کی خبر سے نواز کر ایک گراں قدر احسان کیا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

ایک عیسائی رومن کیتھولک سکول میں لیکچر

۱۹۷۳ء میں جب میں نیویارک امریکہ میں دعوت الی اللہ کا فریضہ سرانجام دے رہا تھا ایک روز ایک رومن کیتھولک سکول (Bishop Hanly High School) کی طرف سے چٹھی ملی کہ ہمارے سکول میں

آ کر اسلام کے بارہ میں لیکچر دوں۔ چنانچہ میں اپنے ایک امریکن احمدی مسٹر بشیر افضل صاحب کے ساتھ ۹؍اکتوبر ۱۹۷۳ء کو اس سکول میں گیا۔ یہ لیکچر ایک کلاس میں ہونا تھا وہاں پہنچے پر ایک پروفیسر نے ہمارا استقبال کیا اور Sitting Room میں لے جا کر چائے وغیرہ پیش کی۔ وہاں مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی۔ دوران گفتگو وہ کہنے لگے میں آپ سے ایک گذارش کرنا چاہتا ہوں کہ لیکچر کے بعد طلباء کو سوالات کا موقع بھی دیا جائے گا ان سوالات میں اگر کوئی ایسا سوال بھی ہو جو آپ کی طبیعت پر ناگوار گذرے تو میں پہلے سے اس کی معذرت کر دینا چاہتا ہوں کیونکہ ہمارے طلباء اسلام کے بارے میں پوری معلومات نہیں رکھتے۔

ان کی اس بات سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ اسلام کے خلاف سوالات کرنے کے لئے انہیں تیار کیا گیا ہے اور ایسے سوالات بھی ہوں گے جن میں اسلام اور بانی اسلام کے بارہ میں بعض ناپسندیدہ اور بے بنیاد باتیں بھی پوچھی جائیں گی جس سے مجھے طبعاً فکر لاحق ہوئی کہ کہیں ایسا نہ ہو میری کسی غلطی اور کم مائیگی اور مناسب جواب نہ دینے کی وجہ سے آج اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات پر کسی قسم کا کوئی حرف آ جائے اور ان لوگوں کو تضحیک کا موقع مل جائے۔ لہٰذا میں زیرِ لب دعاؤں میں لگ گیا اور خدا تعالیٰ سے نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کی کہ آج اسلام اور بانیٔ اسلام کی عزت کا سوال ہے لہٰذا تو ہی میری رہنمائی فرمانا اور مدد فرمانا۔ اسی فکر اور دعاؤں کے ساتھ ہم کلاس میں گئے اور کارروائی شروع ہوئی، طلباء نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا۔

برادرم بشیر افضل صاحب نے تلاوت قرآن کریم کی پھر میں نے قریباً نصف گھنٹہ تک لیکچر دیا جس میں اسلام کے محاسن اس کی اعلیٰ تعلیمات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی اور اخلاق حسنہ پر روشنی ڈالی۔ میں نے اپنے لیکچر میں ان اعتراضات کو مدنظر رکھا جو عموماً مغربی اقوام کی طرف سے اسلام اور بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خلاف کئے جاتے ہیں۔ میں نے محسوس کیا کہ میری بتائی ہوئی باتیں کافی حد تک اسلام کے خلاف ان کی غلط فہمیوں کو دور کر رہی ہیں اور میری باتوں کی طرف وہ پوری توجہ دے رہے ہیں یہ محض خدا تعالیٰ کا فضل اور احسان تھا جو اس وقت ظاہر ہو رہا تھا۔ لیکچر کے بعد میں نے اب اگر کوئی سوال ہو تو کریں میں نے دیکھا کہ چند منٹ تک سب طلباء خاموش رہے اور کوئی سوال نہ کیا۔ پھر پروفیسر صاحب نے خود ایک دو سوال کئے جو معقولیت کا رنگ رکھتے تھے۔ میں نے جوابات دیئے جن میں خاص اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت نظر آ رہی تھی۔ پھر بعض طلبا و طالبات نے بھی سوالات کئے مگر وہ سب ایسے تھے جن سے ظاہر ہوتا تھا کہ کافی حد تک ان کی اسلام و بانی اسلام کے خلاف غلط فہمیاں دور ہو چکی ہیں اور وہ اسلام

تعلیمات کو مزید سمجھنے کی کوشش کررہے ہیں۔ مثلاً ایک لڑکی نے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے مسلمانوں کی مساجد میں نہ کوئی تصویر ہوتی ہے نہ کوئی بت وغیرہ ہوتے ہیں نہ ہی کسی قسم کی پینٹنگ ہوتی ہے جب کہ عیسائی چرچوں میں یہ سب چیزیں موجود ہوتی ہیں؟ میں نے اسے بتایا کہ مسجد تو خدا تعالیٰ کا گھر ہوتا ہے جہاں ہم خالصتاً خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے جاتے ہیں وہاں کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہئے جو ایک نمازی کی توجہ خدا تعالیٰ کی بجائے اپنی طرف پھیر سکے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت تو ایسے طریق سے ہونی چاہئے جیسا کہ خدا تعالیٰ کو ہم اپنے سامنے دیکھ رہے ہیں اس کے بغیر عبادت کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔ اس وضاحت نے ان پر کافی اثر ڈالا۔

بہرحال یہ میٹنگ خدا تعالیٰ کے فضل سے کافی کامیاب رہی اور جیسا کہ پروفیسر صاحب نے خدشہ ظاہر کیا تھا ایسی کوئی بات وہاں پیدا نہ ہوئی۔ بعد ازاں پروفیسر صاحب نے بھی اس امر کا اظہار کیا کہ آج ہمیں اسلام کے بارہ میں بعض نئی باتیں سننے اور سمجھنے کا موقع ملا ہے جس سے ہماری بعض غلط فہمیاں دور ہوگئی ہیں جن کے لئے میں آپ کا شکر گذار ہوں۔ اس پر یہ میٹنگ ختم ہوئی اور ہم واپس مشن ہاؤس نیویارک آ گئے۔ **فالحمدللہ علیٰ ذٰلک۔**

محترم شیخ مبارک احمد صاحب

مبلغ سلسلہ مشرقی افریقہ، انگلستان وامریکہ

آپ اپنے خودنوشت حالات میں فرماتے ہیں:

زندگی کے ابتدائی ایام

بزرگ سیرت، نیک صفت، فدائی مخلص احمدی کا بیٹا ہوں۔ نام شیخ مبارک احمد ہے۔ خاکسار کی پیدائش کے وقت جہاں تک سوچ ساتھ دیتی ہے میرے دادا جو ایک نیک، پابند صوم وصلوٰۃ اور بزرگ خصلت تھے۔ ان کا اسم گرامی شیخ قطب دین تھا۔ ان کے بیٹے کا نام محمد دین تھا جو خاکسار کے والد محترم تھے۔ اس نام کی بناء پر ان کا خیال تھا کہ میرا نام مبارک دین رکھا جائے۔ میرے ماموں محترم شیخ اللہ بخش صاحب نے اپنے بڑے بیٹے کا نام محمد علی رکھا ہوا تھا اور منجھلے بیٹے کا نام احمد علی۔ انہوں نے اپنی بہن (خاکسار کی والدہ) سے خاکسار کا نام مبارک علی رکھنے کا سوچا۔ لیکن میرے والد بزرگوار نے خاکسار کا نام مبارک احمد تجویز کیا۔ الحمدللہ تادم تحریر خاکسار اس مبارک نام سے موسوم اور معروف ہے۔

خاکسار کی پیدائش اکتوبر کے مہینہ میں ۱۰ تاریخ کو ہوئی۔ شمسی سن ۱۹۱۰ء اور قمری سال ۱۳۲۸ھ تھا۔ جمعرات کا دن اور شوال کی ۱۶ تاریخ۔ شجاع آباد ضلع ملتان میں پیدائش ہوئی۔ میرے والد ان دنوں یہاں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ آپ پٹواری نہر تھے۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں دو اور احمدی بزرگ اس شہر میں بطور پٹواری مقیم تھے۔ جس مکان میں یہ بزرگ رہتے تھے اسی مکان میں میرے والد صاحب کا بھی ان کے ساتھ رہنا ہوا۔ یہ دونوں احمدی ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے۔ ایک کا نام منشی سربلند خاںؓ صاحب تھا اور دوسرے بزرگ کا نام منشی عمر دینؓ صاحب تھا۔ میرے والد صاحب کو احمدیت سے تعارف ان ہر دو بزرگوں کے ذریعہ ہوا۔ یہ دونوں احمدی صحابی بھی تھے۔ ان دنوں قادیان سے اخبار ''بدر'' اور اخبار ''الحکم'' شائع ہوتے تھے۔ یہ اخبار ان احمدی احباب کو بھی آتے تھے۔ میرے والد صاحب بھی

شوق سے ان اخبارات کو پڑھنے لگے۔ آہستہ آہستہ ان اخبارات کے مطالعہ سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہامات اور کشوف ورؤیا جو شائع ہوتے بہت توجہ سے ان کو پڑھتے اور ان کے پورا ہونے کی اطلاعات سے جو ان اخبارات میں چھپتی تھیں ان سے متاثر ہوتے بالآخر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سعادت بخشی کہ ۱۹۰۷ء میں بذریعہ خط حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کر لی۔ آپ کی بیعت کا ذکر اخبار ''بدر'' ۱۴؍ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۱ کالم ۳ میں بعنوان ذیل ''سلسلہ حقہ کے نئے ممبر محمد دین صاحب پٹواری نہر شجاع آباد ضلع ملتان'' ہوا۔

یہ زمانہ میرے والد صاحب کی جوانی کا تھا۔ آپ نے مڈل کا امتحان پاس کرنے کے بعد پٹوار کا امتحان دیا۔ اس میں کامیابی کے بعد آپ کا تقرر شجاع آباد میں ہوا۔ میرے والد صاحب کے احمدیت قبول کرنے کے تین سال بعد خاکسار کی پیدائش ہوئی۔ اس لحاظ سے خاکسار بفضل خدا پیدائشی احمدی ہے۔

مدرسہ احمدیہ میں داخلہ

سب بزرگ نیک، خیر خواہ اور ہمدرد اساتذہ تھے۔ ان کی زیر نگرانی خاکسار سالہا سال مدرسہ احمدیہ میں تعلیم حاصل کرتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحب بھی مدرسہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ خاکسار کے کلاس فیلو تھے۔ مولوی فاضل کی ڈگری میں نے پنجاب یونیورسٹی سے حاصل کی۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ

بعد ازاں بذریعہ انتخاب خاکسار کو جامعہ احمدیہ کی مبلغین کلاس میں داخلہ ملا لیکن مدرسہ احمدیہ سے جن طلبہ نے مولوی فاضل تک تعلیم حاصل کر لی تھی۔ ان کے لئے اب دو سال کا عرصہ صرف تبلیغی ٹریننگ کے لئے مقرر تھا۔ اس انتظام کی وجہ سے مدرسہ احمدیہ کے بعض اساتذہ جامعہ احمدیہ میں پروفیسر مقرر ہو گئے۔ اولاً حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب پرنسپل کے طور پر مقرر ہوئے اور دوسرے اساتذہ حضرت مولوی اسماعیل صاحب ہلال پوری، حضرت میر سید محمد اسحاق صاحب، حضرت مولوی ارجمند خان صاحب اور حضرت حافظ روشن علی صاحب کے علاوہ حضرت حافظ مبارک احمد صاحب اور حضرت مولوی محمد یار صاحب عارف بھی تعلیم دینے کی غرض سے مقرر ہوئے۔ یہ ایسے بزرگ اساتذہ تھے جو جامعہ کے اوقات میں تعلیم دینے کے علاوہ دوسرے اوقات میں اپنے گھروں میں بھی تعلیم دیتے تھے۔ خوب یاد ہے حضرت

حافظ روشن علی صاحب ایک دفعہ بیمار ہوئے تو اپنے گھر میں چار پائی پر لیٹے ہوئے فقہ کا سبق دیا۔ یہ سب کے سب اساتذہ بے حد ہمدرد، خیر خواہ تھے۔ حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب بھی بلا ناغہ جامعہ سے پہلے اور کبھی دوسرے اوقات میں اپنے گھر طلباء کو تعلیم دینے کا اہتمام رکھتے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزاء خیر دے۔ ان سب اساتذہ نے خوب خوب اپنا فریضہ انجام دیا۔ جامعہ احمدیہ کی تبلیغی کلاس سے فراغت پانے والوں کیلئے ایک کمیشن مقرر ہوا جنہوں نے انٹرویو کے ذریعہ آئندہ مبلغ بننے والوں کا انٹرویو لیا۔ خاکسار کی آخری کلاس میں سولہ طالب علم تھے۔ آخری امتحان میں تین کامیاب ہوئے۔ مولوی محمد سلیم صاحب، شیخ عبدالقادر صاحب سابق سوداگرمل اور خاکسار۔ انٹرویو میں بھی کامیاب ہوئے۔ ان دنوں مبلغین کلاس کے طلباء کے لئے ضروری تھا کہ وہ ہر مضمون کے پرچہ میں کم از کم ساٹھ فیصدی نمبر لیں اور میزان کل میں بھی خاص نسبت سے نمبر حاصل کریں۔ آخری کلاس کے ممتحن اس سال نامور سکالر اور دانشور بزرگ تھے۔ خاکسار کو یاد آ رہا ہے کہ مقالہ کے ممتحن حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ تھے۔ ایک تبلیغی خط کے ممتحن حضرت مولانا شمس صاحب تھے، اسی طرح دوسرے مضامین اور پرچوں کے بھی۔ مقالہ میں خاکسار کو ۱۰۰ میں سے ۸۰ نمبر ملے۔ اور تبلیغی خط میں ۱۰۰ میں سے ۱۰۰ نمبر ملے۔ وللہ الحمد۔

پشاور میں جلسہ سیرت النبیؐ سے خطاب

پشاور میں سیرۃ النبی کے جلسہ کا انتظام کیا گیا۔ نومبر ۱۹۳۳ء کے آخری ہفتہ کی یہ بات ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ کے ارشاد پر اس سال بھی سارے ہندوستان میں جماعتیں جلسے منعقد کر رہی تھیں۔ اس سال کے جلسہ کے لئے جو مضمون مقرر کیا گیا وہ یہ تھا کہ ''آنحضرتؐ نے غلامی کا انسداد کیا اور ایسے قوانین جاری کئے جن سے آزاد شدہ غلام اچھے شہری بن سکیں اور عزت کا مقام حاصل کر سکیں۔'' پشاور میں کئی سالوں سے احراری شورش اور مخالفت کی وجہ سے یہ جلسے کامیاب نہ ہو سکے۔ ہر بار مخالفین کوئی نہ کوئی رخنہ پیدا کر دیتے۔ پشاور اور سارے سرحدی علاقہ کے ان دنوں امیر حضرت قاضی محمد یوسف صاحبؓ تھے۔ انہوں نے نظارت تبلیغ کی خدمت میں درخواست کی کہ کئی سالوں سے پشاور میں احرار کی شورش کے باعث جلسہ کے کامیابی کے ساتھ منعقد ہونے میں روکیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بنا بریں جلسہ کی کامیابی کے لئے انہوں نے یہ تجویز پیش کی کہ محترم مولانا جلال الدین صاحب شمس جو حال ہی میں انگلستان میں فریضہ تبلیغ اسلام انجام دے کر واپس آئے انہیں پشاور بھجوایا جائے۔ اگر انہیں نہ بھجوایا جا سکے تو مولوی علی محمد صاحب اجمیری

کو بھجوایا جائے۔ نظارت نے حضور اقدس کی خدمت میں یہ خط پیش کیا۔ اس خط پر حضور نے نظارت کو ہدایت فرمائی کہ ’’مجھے چار ناموں سے اطلاع دیں‘‘ نظارت نے حضرت قاضی صاحب کے پیش کردہ دو نام اور تیسرا نام حضرت حافظ مبارک احمد صاحب پروفیسر جامعہ احمدیہ کا لکھا اور چوتھا نام آخر میں خاکسار احقر شیخ مبارک احمد کا پیش کیا۔ حضور نے جب ان ناموں سے اطلاع پائی تو اس عاجز کے متعلق ارشاد فرمایا کہ پشاور کے جلسہ میں انہیں بھجوایا جائے۔ ان دنوں حضرت مولوی شیر علی صاحب قائمقام ناظر دعوت تبلیغ تھے۔ حضرت مولوی صاحب نے حضور کے ارشاد کی تعمیل میں خاکسار کو فرمایا کہ پشاور کے جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں شرکت کے لئے جاویں۔ خوب یاد ہے۔ حضرت مولوی صاحب خاکسار کے غریب خانہ محلہ دارالبرکات خود تشریف لائے اس ہدایت سے آگاہ فرمایا اور ساتھ ہی ارشاد کہ ’’تقریر کے لئے اچھی طرح تیاری کر لیں‘‘ جیسا کہ اوپر لکھ آیا ہوں اس سال سیرۃ النبیؐ کے جلسوں کے لئے موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلاموں کو آزاد کرنا اور غلامی سے آزادی کے بارہ میں آپ کی تعلیم اور بابرکت نتائج تھا۔

قادیان سے جمعہ کے دن پشاور کے لئے روانگی عصر کے بعد قادیان ریلوے سٹیشن سے ہوئی۔ جمعہ کے دن حضور جب جمعہ کی نماز کے لئے مسجد اقصیٰ میں تشریف لائے۔ منبر پر رونق افروز ہوئے تو عاجز نے مصافحہ کیا اور دعا کی درخواست کی۔ خود بھی دعا کرتا رہا۔ قادیان ریلوے سٹیشن سے امرتسر اور امرتسر سے لاہور ریلوے سٹیشن پر پہنچا۔ فرنٹیر میل کی انتظار میں کچھ وقت خاکسار نے پلیٹ فارم پر گزارا اور مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے ادا کیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور گریہ وزاری سے دعا کی اور ان الفاظ میں اپنے آقا سے استدعا کی:

> ’’میرے مولیٰ و آقا میں تیرا ایک عاجز بندہ نوخیز اور حال ہی میں تبلیغی میدان میں داخل ہوا ہوں۔ خاص تجربہ بھی نہیں۔ پشاور کے امیر نے حضرت شمس صاحب کا مطالبہ کیا تھا۔ خاکسار نہ ہی مولانا شمس ہے اور نہ ان کے پایہ کا عالم۔ نہ دوسرے بزرگوں کا ہم پلہ۔ جماعت سرحد کے امیر خود بڑے عالم، سکالر اور نقاد ہیں۔ آپ ہی اس عاجز کو اپنی خاص تقدیر سے علم سے بھی نوازیں اور خاص شرح صدر بھی عطا کریں اور جلسہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر معمولی کامیابی سے منعقد ہو اور آپ کے مقررہ کردہ خلیفہ وقت کے تجویز کردہ مقرر کو تقریر کرنے کی اعلیٰ صلاحیت و توفیق نصیب ہو۔‘‘

فرنٹیر میل آئی۔ دعا کرتا ہوا اس پر سوار ہو گیا۔ سارا راستہ دعا کرتا رہا۔ اگلی صبح ہفتہ کے روز ٹرین پشاور کینٹ پہنچی۔ محترم حضرت قاضی محمد یوسف صاحب، مکرم احمد گل صاحب پراچہ اور مکرم الطاف خاں صاحب سٹیشن پر خاکسار کو Receive کرنے کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔ شہر کی پرانی مسجد غالباً عیسیٰ خیل مسجد میں خاکسار کو پہنچایا گیا۔ مسجد کے اوپر کے حصہ میں خود قاضی صاحب رہتے تھے۔ خاکسار دبلا پتلا نوجوان غیر معروف، یہ بزرگ حضرات اور دوست سب احباب جو سارا دن مسجد آتے رہے اور مجھے دیکھتے رہے۔ ان احباب کی نظروں میں اور بالخصوص احباب سرحد کے علماء طبقہ میں اجنبی محسوس ہوتا رہا۔ حتّٰی کہ نماز مغرب کا وقت ہوا۔ حضرت قاضی صاحب نے امامت کرائی۔ ان کی اقتداء میں خاکسار نے نماز ادا کی۔ سارا دن احباب کی کیفیت کو دیکھ کر نماز میں بہت گریہ وزاری سے دعا کی توفیق ملی۔ جونہی نماز ختم ہوئی خاکسار نے کھڑے ہو کر احباب سے کہا دو ایک منٹ سنتوں سے قبل احباب تشریف رکھیں۔ ایک خاص جذبہ سے جو اس وقت اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا احباب سے مخاطب ہوا اور کہا:۔

''آپ پریشان کیوں ہیں۔ خدا تعالیٰ نے تو آپ کی خدمت کے لئے مبارک کو بھیجا ہے۔''

ان الفاظ کا سننا تھا کہ حضرت قاضی صاحب جماعت کے خاص بزرگ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی نے بھی خاص انداز اور جذبہ سے کہا ''ہم ہرگز پریشان نہیں۔ انشاءاللہ جلسہ کامیاب ہوگا۔'' رات گذر گئی جو دعاؤں میں کٹی۔

اتوار کے دن فرنٹیر ہائی سکول کے وسیع وعریض صحن کو قالینوں سے اور اطراف میں کرسیوں سے سجایا ہوا تھا۔ ایک اچھی طرز کا سٹیج بنایا گیا۔ جلسہ کے دو سیشن تھے۔ ایک قبل دوپہر جو اردو میں تھا دوسرا بعد دوپہر جو انگریزی میں تھا۔ پہلا اجلاس شروع ہوا۔ حاضری توقع سے بڑھ کر تھی۔ معززین شہر ہندو، سکھ اور غیر از جماعت مسلمان بھی شریک جلسہ تھے۔ تقریر کرنے والوں میں مختلف مذاہب کی خاص الخاص اور معروف ہستیاں تھیں۔ اس اجلاس کی صدارت محترم خان بہادر مرزا غلام صمدانی صاحب سابق افسر مال نے کی۔ اس اجلاس میں جناب شیخ اللہ بخش صاحب ایل ایل بی، سردار ملاپ سنگھ، خاکسار شیخ مبارک احمد اور حضرت قاضی محمد یوسف صاحب کی آخری تقریر تھی۔ ہر مقرر نے اپنی تقریر اچھے انداز میں وقت مقررہ کے اندر ختم کی۔ خاکسار کی تقریر کے لئے کافی وقت پہلے سے ہی پروگرام میں مقرر تھا۔ جب خاکسار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ تعلیم اور آپ کے اسوہ اور تعلیم کو جو غلاموں کو آزاد کرنے کے بارے میں تھی تفصیل

سے پیش کیا تو اس مبسوط تقریر کا وقت ختم ہو رہا تھا۔ حضرت قاضی صاحب نے ہاتھ کے اشارہ سے مجھے تقریر جاری رکھنے کا ارشاد کیا۔ بفضل خدا حضور کی پاکیزہ تعلیم جو غلامی کے انسداد کے بارہ میں تھی اور ان کو انسانیت کا بہتر نمونہ بنا کر اچھے شہری اور باوقار اور اعلیٰ عہدوں پر سرفراز کر دینے کا رویہ تھا۔ سامعین نے اسے شوق سے سنا اور اس سے بے حد متأثر ہوئے۔ وللہ الحمد۔

اس جلسہ کی رپورٹ اخبار الفضل قادیان نے ۵؍دسمبر ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں حسب ذیل عنوان سے شائع کی:

''پشاور میں اتحاد مذاہب کا ایک شاندار نظارہ

''پشاور ۲۶؍نومبر ۱۹۳۳ء صوبہ سرحد کی تاریخ میں یہ پہلا موقع دیکھنے میں آیا جب کہ ہندو، سکھ، مسلمان معززین نے ایک مذہبی پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اتحاد ملی کی شاندار عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ گو یہ پلیٹ فارم انجمن ترقی اسلام پشاور نے بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی علو مرتبت کے اظہار کے لئے تیار کیا تھا لیکن متعدد غیر مسلم معززین شہر کو بھی پیغمبر اسلام کی تحمید و توصیف میں شمولیت کی دعوت دی گئی''۔

نیروبی کینیا مشرقی افریقہ میں غیر احمدیوں سے عظیم الشان مناظرہ

''ایک عرصہ سے مشرقی افریقہ میں ایک فیصلہ کن مباحثہ کے انعقاد کے متعلق مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا مگر باوجود پبلک کی شدید خواہش کے منکرین حضرت مسیح موعود کے دونوں مولوی (جو سالہا سال سے اس ملک میں مقیم تھے) میدان میں آنے کی تاب نہ رکھتے تھے کیونکہ ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن کریم کلی طور پر احمدیت کا ساتھ دیتا ہے۔ آخر لشکر مستھزئین نے یہ تجویز سوچی کہ عالم نہیں بلکہ کسی غیر عالم اور زبان درازی میں ماہر کو ہندوستان سے منگوانا چاہئے اور قرعہ فال لال حسین اختر صاحب کے نام نکلا۔

اس شخص نے آتے ہی غرور و کبر اور گستاخی کے ساتھ خدا کے نور کے مقابلہ میں اپنے منہ کی پھونکوں کا استعمال شروع کر دیا اور گذشتہ نبیوں کے منکرین کی طرح ان سچائی کے دشمنوں کے پاس استہزاء اور تمسخر کے سوا اور کوئی ہتھیار ہو بھی کیا سکتا ہے۔ تقریری اور تحریری طور پر اس نے بار بار مناظرہ کا چیلنج بھی دیا۔ جسے خاکسار نے منظور کر لیا اور قرار پایا کہ مسٹر ورما صاحب بیرسٹر، پنڈت دولت رام صاحب اور پنڈت

آریہ منی صاحب کی موجودگی میں فریقین شرائط مباحثہ کا تصفیہ کرلیں۔

تصفیہ شرائط کے موقع پر مولوی لال حسین صاحب وفات مسیح اور اجرائے نبوت کے مسائل کو بحث کے لئے مقرر کئے جانے سے یوں بھاگتا تھا جیسے کانھم حمر مستنفرۃ فرت من قسورہ۔ تصفیہ شرائط کے وقت ہی قرآنی تلوار کی چمک اس کی آنکھوں کے سامنے پھرتی تھی اور اس کا دل دہلا جاتا تھا۔ گو ابتداً مقررہ شدہ ججوں کا رجحان بھی اسی طرف تھا کہ یہ مضامین بحث کے لئے مقرر نہ ہوں مگر انجام کار کچھ ایسا تصرف الٰہی ہوا کہ بحث کے لئے تین مضمون مقرر ہو گئے۔ (۱) حیات مسیحؑ۔ (۲) اجرائے نبوت (۳) صداقت مسیح موعودؑ۔ نیز بہت سی ردوکد کے بعد دیگر امور بھی متعلق وقت، مقام اور انتظام مناظرہ طے پا گئے۔

شرائط مناظرہ کے ضمن میں یہ امر بھی قارئین کرام کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ منکر مسیح موعود علیہ السلام مولوی اختر کی طرف سے ایک یہ شرط پیش کی گئی کہ مناظرہ میں پیش کردہ ہر اقتباس کے ساتھ حوالہ کا دیا جانا ضروری نہ ہوگا۔ کیا خوب منصفانہ تجویز ہے مگر تصرف الٰہی سے یہ امر معرض تحریر میں نہ آیا۔

انجام کار ۱۹، ۲۰ ر جنوری ۱۹۳۵ء بروز ہفتہ۔ اتوار تین مختلف اوقات میں مسلم سپورٹس گراؤنڈ نیروبی میں مندرجہ بالا تین مضامین پر مباحثے ہوئے۔ یہ مباحثے کیا تھے خدا کے پیارے مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت اور نور کے ظہور کا باعث تھے۔ سبحان اللہ والحمد للہ۔ مسیح موعود جری اللہ کے ایک نوعمر غلام کی زبان سے حمد الٰہی کا پیغام نیروبی کی مسلم وغیر مسلم ہندوستانی اقوام کو کھلے طور پر پہنچایا گیا۔ ایک نور کی بارش تھی جو کج فہم متعصبین کی آنکھوں کو چندھیا مگر سعیدوں کے قلوب کو سیراب کر رہی تھی۔ اللّٰھم صل علی محمد و علی ال محمد و بارك وسلم انك حميد مجيد۔

وفات مسیح پر مناظرہ

دنیا جانتی ہے کہ حیات ووفات مسیح علیہ السلام کے مسئلہ میں احمدیت کے مقابلہ میں غیر احمدی دہائی دے کر اپنی شکست کا اعلان کر رہے ہیں۔ مولوی لال حسین شاید اپنی کج بحثی پر توکل کر کے یہ سمجھ بیٹھا کہ قرآن سے ناواقف مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک جھونک سکنے میں کامیاب ہو جائے گا مگر ہر قدم پر اسے ذلت کی مار کھانی پڑی۔ فحش کلامی اور بیہودہ گوئی سے تو وہ بے شک جہلاء میں تمسخرانہ مضحکہ کی لہر پیدا کر دیتا تھا۔ مگر قرآنی تلوار ہر مرتبہ اسے زخموں سے گھائل کر دیتی۔ ایک سورج کی طرح سچائی ظاہر ہو گئی اور سامعین کے دل مان گئے کہ کلام الٰہی بار بار مسیح علیہ السلام کو وفات یافتہ قرار دیتا ہے۔ اسی طرح جس طرح تمام نبی فوت ہو گئے اور جس طرح تمام نبیوں کے سردار حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بھی فوت ہو گئے۔

صداقت مسیح موعودؑ پر مناظرہ

تیسرا مباحثہ صداقت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق تھا۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ پہلے دو مضمونوں میں بوجہ قرآن سے کورے ہونے کے لال حسین مغلوب ہوا۔ مگر تیسرے مضمون میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف بیہودہ گوئی کے زور سے عوام میں اپنی دھاک بٹھالے گا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس تیسرے موقع پر پہلے سے بھی زیادہ اس کے لئے ذلت اور روسیاہی کا سامان تیار کر رکھا تھا۔ احمدی مناظر نے پہلی ہی تقریر میں قرآنی معیاروں کی رو سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت ثابت کر دی۔ لال حسین نے اپنی تقریر میں قرآنی معیاروں کو چھوا ابھی نہ اور کہہ دیا کہ مرزا صاحب کی صداقت کو قرآنی معیاروں سے پرکھنا ہی درست نہیں۔

اس مباحثہ میں لال حسین کا ارادہ یہ تھا کہ غیر مسلم پبلک کو بھی احمدیوں کے خلاف اشتعال دلائے مگر اس میں اسے سخت ذلیل ہونا پڑا۔ واقعہ یوں ہوا کہ پہلی تقریر میں ہی لال حسین نے حضرت اقدس کا جب یہ الہام پڑھا کہ ''ہے کرشن رودر گوپال تیری مہما ہو۔ تیری استتی گیتا میں موجود ہے۔'' اور کہا گیتا سے یہ مہما دکھائی جائے۔ تو احمدی پریذیڈنٹ ملک احمد حسین صاحب نے مطالبہ کیا کہ لائسنس کی اس شرط کو نہ توڑا جائے کہ غیر مسلموں کے متعلق کوئی بات بحث میں نہ لائی جائے گی۔ مگر لال حسین اس بات پر مصر رہا کہ ضرور ایسے حوالے پیش کرے گا۔ اس پر غیر مسلم پبلک نے شور ڈال دیا کہ ہم لال حسین کی ان چالاکیوں کو سننے کے لئے نہیں آئے۔ اس مباحثہ کو اسلامی مسائل کے دائرے سے باہر نہ لے جایا جائے۔ لال حسین نے پھر بھی نہ مانا تو پولیس افسر نے حکم دیا کہ مباحثہ اسی صورت میں جاری رکھا جا سکتا ہے جب کہ معاہدہ کی پیروی کی جائے۔ تب پولیس کے ڈر سے دب کر لال حسین چپ ہوا۔

لا یمسہ الا المطھرون کے معیار کے مطابق احمدی مناظر نے حضرت اقدس علیہ السلام کی عربی تصنیف ''اعجاز المسیح'' پیش کی اور کھول کر بتایا کہ سورۃ فاتحہ کی اس عربی تفسیر کو حضور نے اللہ تعالیٰ کی خاص تائید ونصرت سے لکھ کر اعلان کیا کہ مخالف مولوی اس کی نظیر لانے سے قاصر رہیں گے اور یہ کہ علماء کا اس کی نظیر نہ لاسکنا خدا تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول مسیح محمدی کی صداقت کا زبردست نشان ہے۔ لال حسین نے اس کا جواب تو کیا دینا تھا مولوی ثناء اللہ کے مقابلہ میں تفسیر نویسی وغیرہ کا ذکر کرنے لگ گیا۔ احمدی مناظر نے کہا کہ اسی میدان مباحثہ میں تم اور تمہارے حواشی اور تمہارے مددگار مولوی جو سٹیج پر بیٹھے ہیں سب مل کر

آؤ۔قرعہ اندازی سے قرآن کا کوئی حصہ نکال کر اس کی تفسیر عربی میں لکھیں پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ کس کی تائید کرتا ہے اور کون اس کی نگاہ میں مخزول ثابت ہوتا ہے۔اس کا کچھ جواب اس سے نہ بن سکا اور دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ کیونکر خدا کے پیاروں کا مقابلہ کرنے والے مغلوب، ذلیل اور خوار ہوتے ہیں۔

چار دفعہ یہ چیلنج دیا گیا اور چاروں دفعہ لال حسین مبہوت ہوا۔آخری دفعہ احمدی مناظر نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ شعر پڑھا:

کبھی نصرت نہیں ملتی در مولیٰ سے گندوں کو
کبھی ضائع نہیں کرتا وہ اپنے نیک بندوں کو

اس موقع پر یہ شعر عجب برکت اور ظفر سے پر ہوکر مخلوق الٰہی کے دلوں میں اثر کر گیا۔غیر مسلم پبلک نے بالخصوص احمدی مناظر کے پاس آ کر مبارکباد دی۔صداقت کے بیج دلوں میں بوئے گئے اور آستانہ الوہیت پر گر کر یہ التجا کی کہ خدا تعالیٰ اس باغ کو بڑھائے، اس کے فضل سے یہ باغ پھولے پھلے۔

بلی گراہم کو دعا کا چیلنج

مارچ ۱۹۶۰ء میں ایک خاص خدمت کا خدا تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت سے موقع ملا جس کا دنیا بھر میں شہرہ ہوا۔مشرقی افریقہ میں بالخصوص، ڈاکٹر بلی گراہم کی دعا کا چیلنج تھا۔مغربی، مشرقی افریقہ اور امریکہ اور دیگر مختلف ممالک میں بذریعہ اخبارات اس کا چرچا ہوا۔میڈیا نے خوب اچھالا۔اس چیلنج کے بارہ میں یہ لکھنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ چند دن پہلے خاکسار عدن میں تھا اور عدن کے اخبارات میں خبر پڑھی کہ چند دن بعد نیروبی میں بلی گراہم کی آمد آمد ہے۔اخبارات اور پوسٹر ان کی آمد کے سلسلہ میں شائع کئے گئے۔بہت زور شور سے اس کی آمد کی خبر و اعلان اور پراپیگنڈا ہوا۔خاکسار کو انہی دنوں دعا کی طرف غیر معمولی طور پر خاص توجہ ہوئی۔نیروبی واپس آیا تو مکرم مولوی محمد منور صاحب سے جو میرے رفیق تھے مشورہ کیا۔چیلنج کے تعلق میں ذکر کیا۔ان کی طرف سے حوصلہ افزائی ہوئی۔ان دنوں محترم قاضی عبدالسلام صاحب جماعت کے صدر تھے ان سے بات کی۔فون پر قدرے تفصیل سے چیلنج کی نوعیت سے انہیں آگاہ کیا اور اپنے رفیق کار کے مشورہ سے بھی مطلع کیا۔حضرت قاضی صاحب نے میری تائید کی اور پُرزور انداز میں فرمایا کہ ضرور چیلنج دینا چاہئے اور کہا ''میں ابھی آپ کے پاس آتا ہوں۔انگریزی میں جو خط لکھا جا رہا ہے اس کی نوک پلک بھی آ کر درست کرتا ہوں۔'' حضرت قاضی صاحب کے جرأت دلانے پر خاکسار نے

فیصلہ کرلیا کہ بلی گراہم کو چیلنج دیا جائے۔ چنانچہ حضرت قاضی صاحب تشریف لائے۔ خط دیکھا نوک پلک درست کی لفافہ میں بند کیا اور مکرم مولوی محمد منور صاحب کے ذریعہ بلی گراہم کے کیمپ میں بھجوا دیا۔ نیروبی کے اخبارات کو بھی اس خط کی نقول ارسال کی گئیں۔ بالخصوص ایسٹ افریقن سٹینڈرڈ اور سنڈے پوسٹ کو پریس کے نمائندوں نے اس دن مجھے احمدیہ مشن ہاؤس میں آ گھیرا اور کہنے لگے۔ ''شیخ! آپ نے تو یہ چیلنج دے کر ورلڈ نیوز بنا دی ہے۔'' بلی گراہم سے جب بھری مجلس میں اس چیلنج کے بارے میں بات ہوئی تو اس نے اسے قبول کرنے سے معذرت کی۔ ساری دنیا میں خبر پھیل گئی اور اس کے انکار کا خوب خوب چرچا ہوا۔ مجھے تاریں اور خطوط آنے لگے۔ ملے جلے اثرات پر مشتمل کہیں مبارکبادی کے اور کہیں ہم سے مقابلہ کرو وغیرہ وغیرہ۔ اس انکار کی خبر نیویارک ٹائمز کے صفحہ اول پر شائع ہوئی جس کے متعلق محترم غلام یٰسین صاحب نے جوان دنوں وہاں کے مبلغ تھے مجھے اطلاع بھجوائی اور تراشہ بھی۔ شہر نیروبی اور ملحقات میں بھی اس کے انکار کا خوب چرچا ہوا۔ ایک دن مسٹر ابراہیم نتھو جو اسماعیلیہ کمیونٹی کے معزز رکن ہیں اور لیجسلیٹو کونسل کے ممبر کے علاوہ گورنر کینیا کی ایگزیکٹو کے رکن بھی خاکسار سے ملے اور کہنے لگے:

''ساری رات ہم اپنے کلب میں بیٹھ کر آپ کے اس چیلنج اور بلی گراہم کے انکار کا ذکر کرتے رہے۔ آپ نے اسلام کے جھنڈا کو خوب اونچا رکھا۔''

نیروبی کی گورنمنٹ روڈ پر جناب علامہ مشرقی کے ایک عقیدت مند سے خاکسار کے ایک دوست ملے۔ بڑے جوش اور خاص تپاک سے گلے ملے اور خاص جذبہ سے اس خدمت کو سراہنے لگے اور کہنے لگے کہ ''آج آپ نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے۔''

ہندوستانی اور پاکستانی احباب میں ہزارہا کی تعداد میں پمفلٹ شائع کئے گئے اور خوب خوب تقسیم کئے گئے۔ امریکہ کے بعض مشہور و معروف مصنفین نے اور نامہ نگاروں نے بھی اپنی کتب اور مضامین میں نہایت دیانتداری کے ساتھ من وعن چیلنج کا ذکر کیا اور بلی گراہم کی معذرت اور انکار کا بھی۔ اس واقعہ کے تین چار سال بعد بوسٹن رائس یونیورسٹی کے پروفیسر آف سوشیالوجی نے بلی گراہم پر سات سو صفحات کی ضخیم کتاب لکھی۔ اس میں اس کے سفروں، اس کے انٹرویو اور ملاقاتوں کا تفصیل سے ذکر ہے۔ اس کتاب کا نام A Prophet with honour The Billy Graham story اور مصنف کا نام William Martine ہے۔

اس مصنف کے علاوہ مارشل فریڈی جو اٹلانٹا کے آزاد نامہ نگار اور قلمکار تھے نے بھی ''بلی گراہم'' پر

پانچ صد صفحات کی کتاب میں اس سارے چیلنج اور بلی گراہم کے انکار و معذرت کا تفصیل سے ذکر کیا۔ لاہور کے مشہور ہفت روزہ ''لاہور'' نے ہر دو مصنفوں کا ذکر کرتے ہوئے خاص انداز میں اس سارے واقعہ اور چیلنج کا مندرجہ ذیل عنوان کے ساتھ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔

ڈاکٹر بلی گراہم کی قبولیت دعا کا چیلنج ماننے سے انکار کی کہانی

رائس یونیورسٹی ہوسٹن (امریکہ) کے پروفیسر ڈاکٹر ولیم مارٹن اور مارشل فریڈی کی زبانی:

''حال ہی میں امریکہ کے مشہور و معروف عیسائی مناد ڈاکٹر بلی گراہم کی زندگی کے حالات پر ایک ضخیم کتاب طبع ہو کر امریکہ کے ہر شہر کے کتب فروشوں کی دکانوں کی بطور خاص زینت بنی ہوئی ہے۔''

مشرقی افریقہ بالخصوص نیروبی میں مزید گرما گرمی

نیروبی میں جماعت احمدیہ کے ایک معروف بزرگ حضرت سیٹھ عثمان یعقوب صاحب تھے جنہیں تبلیغ کا خاص جنون تھا کوئی نہ کوئی موقع تبلیغ کا نکال لیتے۔ نیروبی میں جن دنوں جماعت تبلیغی جدوجہد میں مصروف تھی اور مخالفت بھی شدت کی تھی۔ سیٹھ صاحب موصوف نے پندرہ ہزار شلنگ کے انعام کا اعلان کیا۔ بذریعہ اشتہار اس کی عام تشہیر ہوئی اور لکھا کہ جو کوئی قرآن مجید سے حضرت مسیح کی جسمانی زندگی کے بارہ میں کوئی ایک ہی آیت پیش کرے گا اسے یہ انعام دیا جائے گا۔ اس مقصد کے لئے دونوں طرف سے اشتہارات چھپتے رہے۔ جب لال حسین اختر نیروبی پہنچا تو نیروبی کے مخالفین اور مولویوں نے سمجھا کہ یہ کوئی آیت نکال دکھائے گا اور جماعت سے انہوں نے مطالبہ شروع کیا کہ پندرہ ہزار شلنگ کا چیک پیش کرو اور قرآن مجید کی آیت دربارہ حیات مسیح دیکھ لو۔ خاکسار نے فوری طور پر پندرہ ہزار شلنگ کا چیک سیٹھ صاحب سے لکھوا کر مکرم ملک احمد حسین صاحب جو جماعت کے ذمہ دار عہدیدار تھے اور مکرم شیخ غلام فرید صاحب سیکرٹری تبلیغ ہر دو کو جامع مسجد جہاں ایک بہت بڑا جلسہ ہو رہا تھا بھجوایا۔ ان ہر دو احباب نے مخالفین کے سرکردہ احباب اور مولویوں اور اجتماع کے سامنے یہ اعلان کیا کہ یہ پندرہ ہزار شلنگ کا چیک ہے۔ قرآن مجید سے حیات مسیح کے بارہ کوئی آیت دکھا دو اور چیک وصول کر لو۔ لال حسین اختر کھڑا ہوا۔ بجائے قرآن کریم سے آیت دکھانے کے کہنے لگا کہ مرزا صاحب نے خود براہین احمدیہ میں لکھا ہے کہ حضرت مسیح زندہ ہیں۔ ہمارے نمائندوں نے کہا کہ ہمارا مطالبہ تو قرآن کریم سے آیت دکھانے کا ہے۔ مولوی عبداللہ جو اس انعام کا اول مخاطب تھا۔ خاموش بیٹھا رہا۔ تمام ہندو اور سکھ اور مسلمان جو جلسہ

میں موجود تھے ان پر ظاہر ہو گیا کہ کوئی ایسی آیت قرآن کریم میں نہیں۔شور مچا۔لال حسین اختر نے بالآخر بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط (النساء:١٥٩) جس کا ترجمہ اور وضاحت کی گئی تو سامعین اور مجمع کے لوگوں نے اعتراف کیا کہ یہ تو حیات مسیح کی آیت نہیں۔ بالآخران مخالفین نے اس آیت کا انگریزی میں ترجمہ کر کے نیروبی کے ایک مشہور وکیل سے رائے لی کہ کیا اس آیت کی روشنی میں سیٹھ عثمان صاحب کا پیش کردہ انعام لیا جا سکتا ہے۔وکیل نے فیس لی اور کہا کہ اس ترجمہ سے جو آپ نے پیش کیا ہے۔آپ انعام کے مستحق نہیں ٹھہرتے۔مسیح کی زندگی کا اس میں تو ذکر نہیں۔انجام کار اپنا منہ لے کر بیٹھ گئے۔اس پر ہماری طرف سے ''سچائی کی فتح'' اشتہار شائع کیا گیا پبلک اور شہر میں جس کی تقسیم ہوئی۔مخالفین اپنی اس ہزیمت سے بجائے نادم ہونے کے احمدیت کے خلاف انہونی باتوں سے اپنے آپ کو مطمئن کرنے لگے۔

جماعت نے اس اثناء میں نظارت دعوت وتبلیغ قادیان کو جماعت کے پریذیڈنٹ مکرم جناب سید معراج الدین صاحب کے ذریعہ حسب ذیل تار دے کر حضور کی اجازت طلب کی۔

"Request Khalifatul Masih permission for *Mubahala*,
Mirajuddin Municipality Nairobi."

اس تار کے جواب میں حضور کی طرف سے اجازت کا حسب ذیل تار موصول ہوا۔

"Mirajuddin Municipality Nairobi

Yes, permitted. Hold according to conditions published by me with reference to Mohammad Sharif challenges.

Khalifatul Masih"

شرائط یہ تھیں کہ جتنے آدمی احمدیوں کے مباہلہ میں شامل ہوں گے اتنے ہی غیر احمدیوں کے شامل ہوں اور اس بات کی وہ تصدیق کریں کہ مباہلہ کے نتیجہ کو قبول کریں گے۔مباہلہ سے پہلے فریقین اپنے موقف کی اجتماع میں وضاحت کریں۔اس منظوری کی اطلاع آنے پر جماعت نے ''مباہلہ'' کے عنوان سے اشتہار شائع کیا کہ جماعت ہر طرح ان شرائط کی روشنی میں مباہلہ کے لئے تیار ہے۔اشتہار کی خوب تقسیم کی گئی۔اس پر نیروبی کے مولویوں اور معاندین کو بلایا گیا کہ اب وہ آئیں اور مباہلہ کریں مگر معاندین اس اشتہار کے بعد ایسے خاموش ہوئے جیسے کسی کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔مباہلہ کے لئے جس قدر شور مچایا تھا وہ سب جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ جماعت نے اس موقع پر ''آسمانی نصرت کا تازہ نشان'' کے عنوان سے ایک خاص بڑا اشتہار شائع کیا۔خدا تعالیٰ نے اس موقع پر بھی جماعت کو فتح دی اور مخالفین کو ندامت کا سامنا کرنا پڑا۔و **الحمدللہ علی ذالک۔** ❁

محترم حکیم محمد دین صاحب
صدر صدر انجمن احمدیہ قادیان

خاکسار حکیم محمد دین ابن حضرت مولوی محمد عزیز الدین رضی اللہ عنہ ابن حضرت حکیم مولوی محمد وزیر الدین ؓ صاحب، یکم جون ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوا۔ خاکسار کا نام والد صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ سے رکھوایا جب خاکسار تقریباً دس سال کا ہوا ان دنوں ہمارے گھر میں ہماری چھوٹی پھوپھی برکت بی بی صاحبہؓ ہمارے گھر آئی ہوئی تھیں ان کی واپسی کے موقعہ پر مکرم والد صاحبؓ نے انہیں چلتے چلتے ایک خواب سنائی جسے خاکسار نے بھی سن لیا اور ہمیشہ نہ صرف اسے یاد رکھا بلکہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا رہا کہ خدا تعالیٰ مجھے اس خواب کا مصداق بنائے۔ وہ خواب میرے الفاظ میں ذیل میں درج ہے:

”مکرم والد صاحب نے پھوپھی صاحبہؓ مذکورہ بالا کو بتایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنے ایک بیٹے کو ذبح کیا ہے مگر کسی کا نام نہیں لیا کچھ اور بھی بتایا جو خاکسار سن نہ سکا۔“

وقفِ زندگی کی بچپن میں خدائی رہنمائی

بچپن میں سن شعور سے قبل خاکسار ایک خواب دیکھ کر روتے ہوئے بیدار ہوا کرتا تھا۔ یہ خواب مجھے کئی سال تک وقفہ وقفہ سے آیا کرتی تھی۔ بعض اوقات والدہ صاحبہ مرحومہ مجھے روتے دیکھ کر دریافت کرتی تھیں کہ کس وجہ سے تم نیند سے روتے ہوئے بیدار ہوتے ہو اور پھر دن بھر افسردہ رہتے ہو۔ ان کے اصرار پر میں نے بتایا کہ خواب میں مجھے بار بار دیکھنے میں آتا ہے کہ گویا میں اپنے آبائی گھر کیریاں میں ہوں اور ساری فیملی کے ساتھ ہوں۔ دیکھتے دیکھتے ایسے معلوم ہوتا کہ ساری فیملی مجھے گھر میں اکیلا چھوڑ کر ہجرت کر گئی ہے۔ سب گھر والوں کی جدائی اور گھر میں اکیلا چھوڑ جانے کی وجہ سے خاکسار روتے ہوئے اٹھتا تھا۔ جب خاکسار سنِ شعور کو پہنچا تو یہ خواب آنی بند ہو گئی مگر بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے مطالعہ سے اس کی تعبیر کا علم ہوا کہ ایسی خواب ایک عرصہ کے بعد پوری ہوا کرتی ہے اور اس

وقت تک خدا تعالیٰ خواب بین کو زندہ رکھتا ہے چنانچہ یہ خواب ملک میں پارٹیشن ہونے سے پوری ہوگئی۔ ہندوستان میں میرے سوا سارا خاندان ہجرت کر کے پاکستان چلا گیا اور اس وقت خاکسار بطور مبلغ انچارج خاندان کا اکیلا فرد رہ گیا اور اس وقت احساس ہوا کہ میری بچپن کی خواب کی تعبیر اب ظاہر ہوگئی ہے۔

حصول تعلیم

ابتدائی کلاسوں کی تعلیم پنجاب و دیگر اطراف کے علاقہ جات کی مختلف سکولز میں حاصل کی اور پھر اسلامیہ ہائی اسکول شیراں والا دوازہ لاہور سے میٹرک پاس کی۔ بعد ازاں طیبہ کالج لاہور سے حکیم حاذق کی سند حاصل کی۔

دور ملازمت

اس کے بعد خاکسار نے بڑے بھائی صاحب کے اصرار پر ریلوے کی سروس اختیار کی اور ہندوستان کے مختلف مقامات پر بطور Assistant Station Master کام کرتا رہا۔ بھٹنڈا کے قریب خاکسار متعین تھا۔ وہاں ایک پنڈت جی جن کا نام یاد نہیں رہا اسٹیشن ماسٹر تھے۔ جب پنڈت جی کو پتہ چلا کہ خاکسار احمدی ہے تو انہوں نے پنڈت لیکھرام کے بارے میں حضرت مسیح موعودؑ کی تکذیب اور توہین کی۔ جس پر خاکسار نے سارے سٹاف کے روبرو بشدت احتجاج کیا مگر وہ باز نہ آئے۔ جب وہ ایسی باتوں کا سٹاف کے سامنے اظہار کرتا خاکسار اسے لیکھرام کے بارے میں درثمین کے اشعار بلند آواز سے سناتا چونکہ اس نے یہ گستاخی جاری رکھی اس لئے وہ اس کی پاداش میں خدا تعالیٰ کی گرفت میں آ گیا اسے سخت بخار شروع ہوا جس میں وہ چلّا چلّا کر مجھے برا بھلا کہتا اور کہتا کہ اس قادیانی نے مجھ پر جادو کر دیا ہے اسی حالت میں اس نے مجھے بلایا اور کہا کہ دعا کرو کہ بخار اتر جائے۔ میں نے کہا جب تک آپ سچی توبہ نہیں کرو گے یہ نہیں اترے گا۔ چنانچہ اس نے سب سٹاف کے سامنے توبہ کی جس پر میں نے دُعا کی اور وہ صحت یاب ہوگیا۔ پھر اس نے کبھی بھی وہ گستاخی نہیں کی جس کی اسے سزا ملی تھی۔ بالآخر بہت عزت اور تعظیم سے مسیح موعود علیہ السلام کا نام لیا کرتا تھا۔

وقفِ زندگی کی تحریک

۱۹۴۳ء میں خاکسار نے حضرت مصلح موعودؓ کے خطبات میں وقفِ زندگی کی تحریک سے متأثر ہوکر اپنی زندگی سلسلہ کی خدمت کے لئے وقف کی۔ خاکسار کو حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے یہ ہدایت ملی کہ

خاکسار اپنی سروس جاری رکھے اور فارغ اوقات میں تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیتا رہے اور اپنی ماہانہ کارگزاری کی رپورٹ حضور کی خدمت میں بھجواتا رہے۔

ریلوے میں ملازمت

ریلوے سروس کے دوران لاہور میں رہتے وقت قادیان سے ایک واقفین کا گروپ لاہور میں گیا ہوا تھا جو خاکسار کے بہنوئی مکرم حکیم محمد جمیل صاحبؓ کے مکان واقعہ محلہ مصری شاہ میں قیام پزیر تھے خاکسار بھی اسی مکان میں کچھ عرصہ مقیم رہا۔ اس قیام کے دوران خاکسار نے حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا بیان فرمودہ ایک خطبہ جمعہ مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ میں سنا جس میں حضورؓ نے ہندوستان میں پانچ چھ اہم تبلیغی مراکز قائم کرنے کی سکیم پیش فرما کر جماعت کو اس کے لئے جلدی انتظامات کرنے کی تلقین فرمائی تھی اس خطبہ کا خاکسار پر بہت گہرا اثر ہوا۔ میں نے بہت الحاح سے خدا تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ خدایا میں نے ریلوے کی ملازمت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ یہ لائن میرے مناسب حال نہیں ہے اور یہ تحریک جو حضرت خلیفۂ ثانیؓ نے فرمائی ہے میں نے ایسی دینی تعلیم حاصل نہیں کی کہ حضور کے بیان فرمودہ ان مقامات میں سے کسی جگہ بھی خدمت کے لئے اپنے آپ کو پیش کرسکوں۔ ہاں میری بے کسی و بے بضاعتی سے تو واقف ہے تو مجھ ناکارہ پر ایسا فضل فرما کہ ان مقامات میں سے میرا تقرر بمبئی میں بطور مبلغ انچارج ہوجائے اور میں اپنی ساری عمر خدمت دین بجالاتے ہوئے صرف کروں۔

خدمت دین کی تڑپ

یہ دعا ایسے وقفِ صافی میں میرے دل سے نکلی کہ میرے خدا کا رحم اور فضل میری دستگیری کا باعث بنا۔

فالحمد للہ علیٰ اٰلآئِہٖ وافضالِہٖ علی احقر العباد.

جیسا کہ حضور کا ارشاد تھا کہ خاکسار اپنی تبلیغی کارگزاری کی رپورٹ ہر ماہ حضور کی خدمت میں بھیجتا رہے محض خدا تعالیٰ کے فضل سے خاکسار اس ارشاد کی تعمیل کرتا رہا۔ کچھ عرصہ بعد خواب میں دیکھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ مجھے خدمت دین کے لئے مرکز قادیان پہنچ جانا چاہئے ورنہ میری زندگی تین چار سال تک کی ہی سمجھ لینی چاہئے۔ چنانچہ ۱۹۴۴ء کے اوائل کا خواب تھا جس کی بناء پر خاکسار نے فیصلہ کیا کہ اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے کر خدمت دین بجالانے کے لئے خاکسار قادیان پہنچے۔ چنانچہ خاکسار نے پہلے

ریلوے سے جلسہ سالانہ سے استعفیٰ دے کر فراغت حاصل کی۔ اس کے بعد کچھ ماہ میرے اس تگ ودو میں گزرے کہ کس طرح اپنے آپ کو خدمت دین کے لئے پیش کروں ان دنوں صدر انجمن احمدیہ میں کچھ آسامیوں کا اعلان ہوا جن کے لئے میں نے درخواست دی۔ درخواست دہندگان کا ٹیسٹ لیا گیا اور خاکسار اس ٹیسٹ میں شریک ہوا۔ چنانچہ اس ناچیز نے بفضلہٖ تعالیٰ سب سے زیادہ نمبر حاصل کئے اور نظارت امور عامہ کے تحت راشننگ کے تعلق سے ایک خدمت پر لگا یا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ خاکسار نے اپنے وقفِ زندگی کے حوالہ سے حضور کی خدمت میں لکھا کہ خاکسار کو تبلیغ کی لائن میں کام کرنے کا موقعہ عطا فرمایا جائے۔ حضور انور ان دنوں ڈلہوزی میں تھے۔ حضور انور کی طرف سے مجھے جواب ملا کہ حضور میرے بارہ میں فیصلہ فرما کر مکرم عبدالرحمٰن انور صاحب جو ان دنوں سیکرٹری تحریک جدید تھے کہ پاس بھیج چکے ہیں۔ خاکسار موصوف سے ملا کئی بار ملنے کے بعد معلوم ہوا کہ میری مسل جس میں وہ فیصلہ تھا مکرم موصوف سے گم ہوگئی ہے۔ اس کے بعد حضرت ذوالفقار علی خان صاحبؓ کے ساتھ بطور کلرک لگا یا گیا۔ خاکسار نے بعض واقفین کے مشورہ سے حضور انور کی خدمت میں اپنے تقرر کے تعلق سے یاددہانی کرائی میری اس درخواست کی بناء پر حضور انور نے میرا معاملہ حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے پاس بھجوایا کہ اچھی طرح خاکسار کی قابلیت کا جائزہ لے کر حضور کی خدمت میں رپورٹ دیں۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے جامعہ کے پرنسپل صاحب اور مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کی خدمت میں خاکسار کی تعلیمی قابلیت کا جائزہ لے کر رپورٹ بھجوانے کا ارشاد فرمایا۔ ہر دو نے اپنی اپنی رپورٹ موصوف کی خدمت میں ارسال کی جو بہت مشفقانہ انداز سے تحریر فرمودہ تھی۔ **جزاھم اللہ واحسن الجزاء**۔

ازاں بعد مجھ سے اردو اور انگریزی زبان میں تقاریر مکرم مولوی محمد ابراہیم صاحب فاضل اور نظارت دعوت التبلیغ کے زیر انتظام کروائی گئیں۔ جن کی رپورٹ بھی بفضلہٖ میری حوصلہ افزائی پر مشتمل تھی۔ ثم **الحمدللہ** یہ رپورٹیں حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں بھجوائیں۔ جس پر حضور کا ارشاد موصول ہوا خاکسار حضور انور کی ہدایت کے مطابق جس کورس کی تعلیم پا رہا ہے اس کے فائنل امتحان کا نتیجہ حضور انور کی خدمت میں آنے پر حضور فیصلہ فرمائیں گے۔

امتحان میں اول پوزیشن

چنانچہ محض خدا کے فضل سے ایک سو پچاس طلبہ کے اس امتحان میں ناچیز کے نمبر سب سے زیادہ تھے اور خاکسار کو اوّل قرار دیا گیا تھا اس نتیجہ کے حضور انور کی خدمت میں پیش ہونے پر حضور نے جو فیصلہ فرمایا وہ میرے الفاظ میں درج ذیل ہے۔

''اس کلاس کے جملہ طلباء کی پوسٹنگ جہاں مناسب ہو کر دی جائے اور ناچیز کا تقرر نہ کیا جائے حضور انور خود ناچیز کا تقرر فرمائیں گے۔''

اس فیصلہ کے ایام میں حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیرؓ کا بمبئی سے حضور کی خدمت میں مراسلہ پہنچا کہ موصوف کی صحت دن بدن کمزور ہو رہی ہے۔

اب حضور انور ان کی جگہ بمبئی میں کسی مبلغ کو بطور قائمقام مقرر فرمائیں۔ اس خط کے ملنے پر حضور انور کے دفتر کے انچارج بیعت مکرم نورالدین صاحب بی اے نے حضور انور کی خدمت میں ناچیز کے بارہ میں حضور کے مذکورہ بالا ارشاد کو پیش کرتے ہوئے حضرت نیّر صاحبؓ کی ریٹائرمنٹ پر ناچیز کے تقرر کی تجویز پیش کی۔ جس پر حضور انور نے فیصلہ فرمایا ٹھیک ہے انہیں مقرر کر دیں تا کہ یہ پہلے کچھ عرصہ ان کے ماتحت کام کر کے ٹریننگ حاصل کر لیں اور مکرم نیّر صاحبؓ کی ریٹائرمنٹ کے بعد انہیں اس پوسٹ پر مبلغ انچارج کی ڈیوٹی دی جائے۔ **الحمدللہ علٰی ذالک**۔ غرض اس طرح ناچیز کی وہ دعا جو ناچیز نے لاہور کی احمدیہ مسجد دہلی دروازہ میں کی تھی کی قبولیت سے خاکسار کو بطور مبلغ انچارج خدمت کی توفیق ملی جو سراسر خدا تعالیٰ کی ناچیز پر ذرہ نوازی تھی اگست ۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک عمل میں آئی اور خاکسار کو سوا چھ سال بمبئی میں بطور مبلغ انچارج اور اس کے بعد حیدرآباد میں سوا آٹھ سال تک اور شموگہ میں چھ سال تک۔ شموگہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے ناچیز کا تبادلہ بنگلور میں فرما دیا۔ جو صوبہ کرناٹک کا صدر مقام ہے۔ جہاں سے تین سال کے بعد ناچیز کو حضرت خلیفۃ الثالثؒ نے کلکتہ کا مبلغ انچارج مقرر فرمایا جہاں خاکسار کو بنگال کے علاوہ اڑیسہ اور بہار میں بھی فرائض تبلیغ سرانجام دینے کی توفیق ملی۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک**

اگرچہ کہ ہر سلسلہ کے کارکن کے لئے دعاؤں میں شغف کے بغیر اپنے فرائض کو سرانجام دینا ممکن ہی نہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کے بارے میں تعلیم کی برکت سے ہر کارکن کو یہ توفیق حاصل ہے۔

اسی طرح ناچیز کو بھی سلسلہ کی خدمت کے طفیل جو دعاؤں کی توفیق ملی اس کے چند واقعات تحدیث بانعمت کے طور پر تحریر کئے جاتے ہیں اور قارئین سے نہایت عاجزانہ و دردمندانہ التجاء ہے کہ ناچیز کے لئے دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے تادمِ زیست مقبول خدمت دین اور مقبول دعاؤں کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

الغرض دوران تبلیغ اللہ تعالیٰ سے بہت دعائیں کرنے کی سعادت حاصل ہوئی اور خدائے رحیم وکریم نے اس ناچیز کی دعاؤں کو شرف قبولیت بخشا۔ یہ سراسر مولیٰ کریم کا مجھ پر احسان ہے۔

دوران تبلیغ قبولیت دعا کے چند نشانات

''بمبئی میں پارٹیشن سے قبل فسادات کے ایام میں خدائی حفاظت کے واقعات''

ابھی ملک میں پارٹیشن نہیں ہوئی تھی لیکن ملک بھر میں اہل مذاہب کے غیر سمجھدار طبقہ میں تعلق باہمی میں بری طرح سے بگاڑ اور فسادات نہایت بھیانک شکل اختیار کر چکے تھے کبھی کسی جگہ کبھی کسی جگہ شہر میں قتل وغارت کی وارداتیں ہو رہی تھیں اور ان ایام میں حضرت نیّر صاحبؓ کی قیام گاہ پر غنڈوں نے آپ پر حملہ آور ہونے کی دھمکیاں دیں جن سے متاثر ہو کر حضرت نیّر صاحبؓ نے بحالیءامن کی دعائیں کیں اور خدا تعالیٰ سے رہنمائی طلب کی الہاماً آپ کو مندرجہ ذیل الفاظ میں تسلی دی:

Darling Madho do not fear, God of heaven and earth is approching. He will shine forth from the mount of Qadian.

حضرت نیّر صاحبؓ نے مجھے اس الہام اور پیش آمدہ حالت سے آگاہ فرمایا اس الہام کا ترجمہ یہ ہے:

پیارے مادھو خوف زدہ نہ ہوں۔ زمین وآسمان کا خدا آپ کی مدد کے لئے پہنچ رہا ہے۔ وہ قادیان کے بلند و بالا مقام سے جلوہ گر ہوگا۔

ان دنوں حضرت نیّر صاحبؓ دارالتبلیغ الحق کے افتتاح کے سلسلہ میں بمبئی آئے ہوئے تھے موصوف مجھے لے کر حضرت سیٹھ اسماعیل آدم صاحبؓ سے ملنے کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ ایک ہم Hanging Garden میں سے گزر رہے تھے کہ ہر طرف سے بندوق کی خوفناک آوازیں آ رہی تھیں۔ میں نے نیّر صاحبؓ سے عرض کیا کہ ایسے خطرناک حالات میں کیا ہمیں ایسا سفر کرنا چاہئے تھا موصوف نے فرمایا کہ میں جس وجود کے پاس جا رہا ہوں اس کی پاک صحبت میں مجھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشبو

آتی ہے اس لئے خدا میرا محافظ ہے۔ یہ جواب سن کر ناچیز خاموش ہو گیا۔ یہ صحابہ رضوان اللہ عنھم کی آپس میں بے مثال محبت کی جھلک تھی۔ جو سبق آموز پیرایہ میں تھی جس سے روح کو تسکین ملی ایسا خطرناک ماحول کئی ماہ تک رہا خاکسار کو کم از کم بیس پچیس مرتبہ خدا تعالیٰ نے موت کے منہ سے بچایا۔ کئی مرتبہ غنڈے ڈراؤنے انداز اختیار کر کے مارنے کو آتے مگر خدائی ہاتھ نے مجھے ہر دن معجزانہ طور پر بچایا۔ یہ خدائی تائید ونصرت کے مسلسل وپیہم نشانات ہر لحہ از دیا دا ایمان کا موجب بنے۔ خاکسار ایک دو پیش آمدہ واقعات کا ذکر کرتا ہے تا کہ اندازہ ہو سکے کہ کس طرح خدا تعالیٰ نے اس بے یارومددگار کی حفاظت فرمائی خاکسار Marine Drive کے ایک احمدی دوست کے گھر سے بعد نماز عشاء والکیشو ر روڈ کی طرف جار ہا تھا کہ متوازی سڑک سے ایک شخص نے میری پگڑی کو دیکھ کر زور زور سے چلّا چلّا کر پکارا اور پھر دوڑ کر میرے پاس پہنچا اور بتایا کہ جس طرف خاکسار جارہا ہے وہاں مسلمانوں پر گولیاں چل رہی ہیں۔ خاکسار واپس لوٹ جائے اور کسی محفوظ جگہ پر حالات نارمل ہونے تک قیام کر لے چنانچہ خاکسار مکرم عبدالحمید صاحب جو فوج میں Captain Rank کے فیلڈ کیشیئر تھے ان کے Marine Drive کے بنگلہ میں دستک دے کر پناہ گزیں ہوا۔ وہاں دو دن تک حالات مخدوش رہے پھر وہاں سے اپنی قیام گاہ کا راستہ پر امن ہوا تو اپنی جائے رہائش پر پہنچا اور اس طرح اس ناگہانی آفت سے جان بچی۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک۔**

بمبئی میں پادری سے مناظرہ

خاکسار بمبئی میں ایک پادری صاحب سے زبانِ گجراتی سیکھنے جایا کرتا تھا۔ اس نے مجھے تبلیغ شروع کی جس پر میں نے اسے بتایا کہ تمہارا مذہب عیسوی نہیں ہے یہ پولوسی ہے۔ جب آپ اپنے مذہب سے ناواقف ہیں تو مجھے تبلیغ کس منہ سے کر رہے ہو۔ تم پہلے مسیح کے ماننے والے ہو اب تو مسیح محمدی کا دور ہے۔ اس پر وہ مجھے اپنے بڑے پادری کے پاس لے گیا۔ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں توہین کے الفاظ کہنے شروع کئے میں نے اسے سختی سے روکا اور کہا یہاں اپنے چرچ میں بیٹھ کر ڈینگیں مارنا بیکار ہے۔ اگر مجھ سے تبادلہ خیال کرنا ہے تو آؤ میں تمہیں ہوٹل میں بات کرنے کی اجازت دیتا ہوں۔ میری دعوت قبول کرو۔ اس پر وہ میرے ساتھ اتفاق ریسٹورینٹ میں آیا۔ میں نے اسے ہوٹل میں کچھ کھلا پلا کر اسی لہجہ میں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کی عزت کی ہے اور مسلمان وہ ہے جو کسی نبی کی توہین کا کبھی مرتکب نہیں ہوتا۔ بلکہ سب پر ایمان لاتا

ہے۔ یہ کس کی تعلیم ہے کہ جس کا آپ نے چرچ میں اظہار کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین میں گستاخانہ بے ادبی کے الفاظ استعمال کئے تھے۔ میری بلند آواز ہوٹل میں سن کر دیکھتے دیکھتے ایک بہت بڑا ہجوم مسلمانوں کا جمع ہوگیا۔ پادری ان سے خائف ہوگیا۔ میں نے کہا یہ مت سمجھو کہ یہ لوگ تم پر حملہ آور ہوں گے ہاں اگر تم سچے دل سے توبہ کرو کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شان میں ناگفتی بیہودہ ہرزہ سرائی کی تھی اور آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرو گے تو میں ان سب کو سمجھا دیتا ہوں کہ آپ کو کچھ نہ کہیں۔ اس نے برملا توبہ کی اور قسم کھائی کہ وہ آئندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اقرار کرتا ہے کہ وہ آئندہ کبھی ایسی گستاخی نہیں کرے گا بلکہ اپنی فیملی بائبل بھی مجھے سونپ دی۔ یہ بائبل میرے پاس محفوظ رہے۔ اس کے بعد یہ پادری اس چرچ کو چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے راہِ فرار اختیار کر گیا۔

(۳) اسی طرح بعض لوگ مسلمانوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر چرنی روڈ کے علاقہ میں قتل کر رہے تھے وہاں بعض اسی قماش کے لوگوں نے مجھے دیکھا اور میری طرف دوڑ کر آرہے تھے اتنے میں ایک بس میرے سامنے سے گزر رہی تھی بس کنڈکٹر نے مجھے بلا کر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اپنی بس میں سوار کیا اور بدمعاش نرغہ سے بچا کر محفوظ جگہ پر اتار دیا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ علیٰ ذالک۔

قبولت دعا

خاکسار کسی ضروری کام کے سلسلہ میں ہی ایک روز کمشنر آف پولیس کے آفس میں اندر گیا۔ راستہ میں ایک شخص نے روتے ہوئے مجھ سے منت سماجت سے التجاء کی کہ اسے پھانسی کی سزا کا حکم عدالت سے صادر ہو چکا ہے اور آج اس پر اپیل کا فیصلہ سنایا جائے گا خدا کے لئے میرے حق میں دعا کریں کہ خدا تعالیٰ یہ فیصلہ میری برّیت کا صادر فرمائے۔ مجھ سے وعدہ لئے بغیر اس نے مجھے نہ چھوڑا پھر وہ مجھے راستہ میں کچھ وقت گزرنے کے بعد ملا اور اس قدر خوش تھا کہ وہاں سے مجھے کھینچ کر گھر لے گیا۔ گھر میں بہت بڑا دستر خوان لگا ہوا تھا طرح طرح کی نعمتیں رکھی ہوئی تھیں۔ میں نے اس کے بار بار اصرار پر اس کی پیش کردہ اشیاء میں سے کھایا اور اس کا شکریہ ادا کر کے اجازت چاہی مگر وہ میرے ساتھ ہی دار التبلیغ تک پہنچا اور بار بار اصرار کرتا رہا کہ اس کے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤں۔ میں نے شکریہ شکریہ کہہ کر نجات حاصل کی اور خدا تعالیٰ کی حمد وثناء کرتا رہا۔

(۵)۔ اسی طرح ایک عورت دار التبلیغ میں آئی اور کہنے لگی کہ اس کے دونوں ہاتھوں پر چنبل کی طرح کے زخم ہیں اور کسی بھی علاج سے اسے کچھ فائدہ نہیں ہوا میں نے اس کی حالت زار دیکھ کر اسے کہا کہ مٹی

کے تیل میں رس کپور حل کر کے روزانہ زخموں پر لگایا کرو چنانچہ اس علاج سے خدا تعالیٰ نے اس کے بازوؤں اور ہاتھوں کو نئی زندگی عطا فرمائی۔ **فالحمدللّٰہ** بعد میں وہ عورت اپنے گھر کے سامنے سے گزرتے ہوئے مجھے دیکھ کر شکریہ ادا کیا کرتی تھی۔

(۶)۔نندگڑھ ضلع بیلگام میں جماعت احمدیہ کے پریذیڈنٹ مکرم امام حسین صاحب مرحوم نے مجھ سے بار بار درخواست کی کہ اُن کے لئے دعا بھی کروں کہ خدا تعالیٰ اُنہیں نرینہ اولاد عطا فرمائے اور علاج بھی کروں اس کے ہاں بیٹیاں تھیں جو جوان ہو چکی تھیں چنانچہ خدا تعالیٰ سے دعا کی گئی اور علاج کے لئے نسخہ بنا کر دیا گیا خدا تعالیٰ نے اپنے فضل سے اسے فرزند عطا فرمایا جس کا نام حضرت خلیفۂ ثانی نے امداد حسین تجویز فرمایا۔ یہ لڑکا بفضلہٖ زندہ ہے۔

(۷)۔باندہ ضلع رتنا گیری میں خاکسار کو تبلیغی جلسہ میں تقریر کے لئے بلایا گیا۔حاضرین میں جماعت کے افراد کے علاوہ باندہ کے غیر احمدی متعدد افراد بھی شریک جلسہ ہوئے اور ان کے لئے مکرم احمد خان صاحب مرحوم احمدی نے کھانے کا بھی انتظام کیا ہوا تھا۔اس جلسہ میں بعض غیر احمدی افراد نے اعتراض کیا کہ احمدی صرف انڈیا میں چند ہیں اور امت مسلمہ کے سوادِ اعظم سے الگ ہو کر یہ فرقہ الگ بن گیا ہے۔ یہ اس کے ناحق ہونے پر پختہ دلیل ہے۔خاکسار نے جواب میں بتایا کہ آپ کو نظریہ من گھڑت ہے اور قرآن پاک کی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنۡ تُطِعۡ اَکۡثَرَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ یُضِلُّوۡکَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ ؕ (الانعام: 114)

اور **کَمۡ مِّنۡ فِئَۃٍ قَلِیۡلَۃٍ غَلَبَتۡ فِئَۃً کَثِیۡرَۃً** (البقرہ 250) ان آیات بیّنات میں آپ کے من گھڑت خیال کی تردید موجود ہے بالآخر انہوں نے چیلنج دیا اسی موضوع پر یہاں مناظرہ کرایا جائے اور تاریخ بھی قریب میں مقرر کی گئی خاکسار مقررہ تاریخ کو وہاں پہنچا مگر غیر احمدی افراد نے پورے بمبئی میں مولویوں کو لانے کی ہر ممکن کوشش کی سب نے انکار کر دیا بالآخر ان غیر احمدیوں سے تحریر لی گئی کہ وہ بوجہ کسی بھی مولوی کے مناظرہ کے لئے آمادہ ہونے کی وجہ سے اپنے چیلنج کردہ مناظرہ کرانے سے قاصر ہیں۔ یہ تحریر مجھ سے جماعت احمدیہ کے پریذیڈنٹ مکرم قاسم داؤد ہریکر صاحب نے لے لی تا کہ آئندہ وہ یہ معاملہ اٹھنے پر ان کو لاجواب کرتے رہیں یہ اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے مفت میں کامیابی حاصل ہوئی۔ **فالحمدللّٰہ علٰی ذالک**

ناچیز کا بمبئی سے حیدرآباد کا تبادلہ

ماہِ مارچ ۱۹۵۳ء میں یہ تبادلہ حسب ارشاد حضرت مصلح موعودؓ عمل میں آیا خاکسار کی جگہ مکرم ومولانا شریف احمد امینی کو حیدرآباد سے تبدیل کر کے بمبئی کے مبلغ انچارج کے طور پر مقرر کیا گیا اور ناچیز بمبئی سے تبدیل ہو کر حیدرآباد کا مبلغ انچارج مقرر ہوا۔ حیدرآباد پہنچنے پر بہت پریشان کن صورت حال جماعت کے سامنے آئی تقریباً ہر ذمہ دار فرد کسی نہ کسی جماعتی فرد سے شاکی تھا خاکسار نے بہت الحاح سے خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں یہ ساری شکایات مکرم ومحترم حضرت نواب اکبر یار جنگ ؓ جو ان دنوں حضرت مصلح موعودؓ کی طرف سے حیدرآباد کے قاضی سلسلہ مقرر تھے کے پاس زیر کارروائی تھیں۔ نواب صاحب ہائی کورٹ کے جج بھی رہ چکے تھے اور نظام حیدرآباد کے ہوم سیکرٹری بھی رہ چکے تھے۔ خاکسار نے تمام افراد جماعت سے فرداً فرداً حالات کا جائزہ لے کر یہ مناسب سمجھا کہ ان کی آپس میں مصالحت کرائے اس معاملہ کے بارہ میں سب سے ایسی تحریر لی کہ مصالحت کرنا ہی اس معاملے کا صحیح حل ہے سب نے ناچیز کی تجویز سے متفق ہو کر مصالحت پر رضامندی کا اظہار کیا۔ یہ صورت حال محترم نواب صاحب کی خدمت میں پیش کر کے درخواست کی کہ سب سے آپ زبانی یا تحریری بیان لے کر اس مصالحت کی کاروائی کو پایۂ تکمیل پر پہنچائیں اور اس مثل کو ختم فرماویں۔ نواب صاحب محترم نے جنرل میٹنگ بلا کر سب کی اتفاق رائے سے اس مصالحت پر خوشنودی کا اظہار فرمایا اور مثل کو تلف فرمادیا۔ **فالحمدللّٰہ علٰی ذالک۔**

شموگہ کے تقرر کے زمانہ میں جبکہ یادگیر کی جماعت بھی خاکسار کے حلقہ کارکردگی میں تھی مکرم مولوی فیض احمد صاحب جو یادگیر کے مبلغ تھے موصوف نے ہنچال علاقہ بیجاپور میں اپنے قیام کے دوران خاکسار کو بھی اس جماعت اور علاقہ میں تبلیغ کے سلسلہ میں بلایا خاکسار کے پہنچنے پر تقریباً روزانہ خاکسار کو مسجد کے پیش امام کے تعاون سے ان کی مسجد میں نمازیں پڑھانے اور اس حلقہ کے جو لوگ نمازوں میں آتے تھے ان کو تبلیغ اور احمدیت کا پیغام پہنچانے نیز غیر احمدی احباب سے تبادلہ خیال کا موقع ملا اس اثنا میں خاکسار اور مکرم مولوی فیض احمد صاحب کا اس دوران زادِراہ ختم ہو گیا ایک دن تقریباً نماز عصر تک دونوں خدائی دعوت کے منتظر تھے اچانک وہاں مکرم پٹیل صاحب جو کہ غیر احمدی تھے وہ تشریف لائے اور انہوں نے بااصرار اپنے گھر پر بلایا ہم دونوں ان کے ساتھ ان کے گھر گئے موصوف نے ہم دونوں کے سامنے ماحضر پیش کیا اور تواضع کے دوران بہت ہی درد بھرے الفاظ میں ذکر کیا کہ ان کو خدا تعالیٰ نے سترہ سال قبل ایک

لڑکی عطا فرمائی تھی اس کے بعد اولاد کا سلسلہ منقطع ہوگیا دعا کریں کہ خدا تعالیٰ مجھے نیک صالح اولادِ نرینہ عطا فرمائے ان کی اس درد بھری التجاء سے متاثر ہوکر ان کے گھر پر اختتام ضیافت کے بعد بارگاہ رب العزت میں اظہار تشکر کے ساتھ میں نے دیر تک سب حاضرین کے ساتھ مل کر دعا کی دوران دعا میں نے محسوس کیا کہ میری دردمندانہ دعا بارگاہ حضرت احدیت میں قبول ہوگئی ہے۔ اسی اندرونی تأثر کا میری زبان سے مندرجہ ذیل الفاظ میں بہ آواز بلند اظہار ہوا۔ جو سب حاضرین نے بہت تعجب اور حیرت سے سنا وہ الفاظ یہ تھے:

مستجاب انشاء اللہ (یعنی انشاء اللہ یہ دعا بارگاہ رب العزت میں قبول ہوگی)

اس موقعہ پر ابھی پورا سال نہیں گزرا تھا کہ مجھے شموگہ میں پٹیل صاحب کا خط ملا کہ آپ نے میرے گھر میں جو فلاں موقعہ پر دعا کرکے اس کی قبولیت کا اظہار کیا تھا آج میرے گھر میں مجھے خدا تعالیٰ نے اولاد نرینہ سے نوازا ہے۔ اس کا نام تجویز کرکے شکریہ کا موقع عطا فرمائیں۔ خاکسار نے اس نومولود کا نام فضل الٰہی تجویز کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کا والد فوت ہوگیا۔

بعض مخیّر احباب جن میں سے ایک سیٹھ محمد الیاس صاحب مرحوم سابق امیر یادگیر بھی تھے جن کے حسن تعاون سے اس بچے نے تعلیم پائی پھر مرکز میں آکر معلم کی ٹریننگ لی اور اپنی زندگی وقف کی اور اپنے علاقہ میں بطور معلم کام کرنے کی بفضلہٖ توفیق پا رہا ہے۔ یہ نوجوان مجھ سے اپنے بچپن کے زمانہ سے بہت عقیدت رکھتا ہے۔ یہ اور اس کی مرحومہ والدہ مجھ سے بار بار دعاؤں کے خطوط لکھواتے رہے ہیں۔ میں نے بفضلہٖ ان کے لئے دعا کا سلسلہ جاری رکھا اور انہیں خوشخبری سے مطلع کرتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے انہیں یکے بعد دیگرے دو بیٹوں کی ولادت سے نوازا ہے **الحمد للہ ثم الحمد للہ علی ذالک**۔

موصوف کے متعدد خطوط اظہار تشکر اور مزید تحریک دعا کے لئے آرہے ہیں۔ دعا ہے خدا تعالیٰ انہیں احمدیت کے ہونہار فدائی احمدی بنائے اور انہیں اور ان کی اولاد کو نسلاً بعد نسلٍ مقبول خدمت دین کی توفیق عطا فرمائے۔ **آمین اللّٰھم آمین**۔

بمبئی میں خاکسار سے جماعت احمدیہ کے تعلق سے تبادلہ خیال کے لئے مسٹر قدوائی جرنلسٹ جو لکھنؤ باشندہ تھے آیا کرتے تھے۔ موصوف نے اپنے ایک میگزین کے لئے اسی موضوع پر حضرت خلیفہ ثانی رضی اللہ عنہ سے مضمون ارسال فرمانے کی خواہش کا بار بار اظہار کیا۔ جس کا ناچیز نے حضور کی خدمت میں عرض

کرنے پر حضور نے از راہِ نوازش مضمون ارسال فرمایا جو کی قدوائی صاحب کو پہنچانے پر موصوف نے اسے اپنے میگزین میں شائع کرایا۔قدوائی صاحب اپنے ایک کمیونسٹ جرنلسٹ کو لے کر میرے پاس آئے کہ یہ مسٹر ایس اے بریلوی صاحب ایڈیٹر بمبئی کرانک کے نائب ایڈیٹر ہیں ایک عرصہ سے ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ان کی اس بیماری میں انہوں نے ہر ایک سے علاج معالجہ میں تعاون کی درخواست کی مگر کسی نے بھی ان سے کوئی تعاون نہیں کیا۔اب انہیں لے کر احمدیہ مشن ہاؤس میں آیا ہوں ان کو تبلیغ بھی کریں اور ان کی حسبِ توفیق امداد بھی کریں۔ چنانچہ خاکسار نے انہیں احمدیت یعنی حقیقی اسلام سے روشناس کیا اور دعاؤں کی ترغیب دلائی جس پر موصوف نے عمل شروع کیا اور میرے ساتھ سلسلہ ملاقات جاری رکھا۔کبھی کبھی خاکسار حسبِ توفیق ان کو بس کا کرایہ وغیرہ کی حد تک مدد باہم پہنچاتا رہا موصوف کے دعا کے لئے بار بار اصرار کرنے پر میں نے التزام سے ان کے لئے دعا کی چنانچہ یہ ایک روز بہت پریشانی کی حالت میں میرے پاس آئے اور اسی روز خدا تعالیٰ نے ان کے حق میں دعا کی قبولیت کا اشارہ فرمایا تھا اور میں نے اسی کے مطابق ان کے خاص طور پر دعا کی۔صبح صبح یہ بس کے کرایہ کے لئے مجھ سے معمولی مدد لے کر بس سٹینڈ پہنچے ان کے بس سٹینڈ جانے سے پیشتر انہیں قبولیت دعا کی بشارت سنائی تھی بس سٹینڈ پہنچ کر تھوڑی دیر کے بعد یہ بھاگے بھاگے واپس دار التبلیغ الحق پہنچے اور کہا کہ جیسا کہ آپ نے بتایا ہے کہ آپ نے میرے حق میں دعا کی اور بتایا کہ مجھے یقین ہے کہ خدا تعالیٰ نے میری دعا آپ کے حق میں قبول فرمالی ہے۔بس کے انتظار میں بس سٹاپ پر کھڑا تھا کہ یکا یک ایک کار میں سے Mr.Dalmia نے مجھے دیکھ کر اپنی کار روک کر مجھے اپنے پاس بلایا اور ایک بڑی رقم بطور امداد دی اور کسی اچھی سروس اور کام کے لئے اپنے آفس میں مجھے بلایا۔قبولیت دعا کا یہ نشان دیکھ کر یہ بھاگے بھاگے الحق آئے اور سارا واقعہ مجھے سنایا اور بے حد خوشی کا اظہار کیا اور اس کے بعد میرے ساتھ تبلیغی معاملات میں مجھے بہت تعاون دیتے رہے مختلف اخباروں کے ایڈیٹروں سے ملاقات کراتے تھے نیز پر میرے ساتھ تبلیغی معاملات میں مدد دینے کی انہیں تحریک کیا کرتے تھے۔ان کا نام Mr. Naithani تھا۔اس کے بعد مجھے پُونا سٹیشن پر دورانِ سفر ملنے آیا کرتے تھے اور مجھ سے پوچھا کرتے تھے کہ ان کے لائق کوئی خدمت ہے تو ضرور انہیں موقع دیں۔ چنانچہ ان سے خط و کتابت رہی جس میں یہ مجھ سے بار بار خواہش کرتے تھے کہ احمدیہ جماعت کے لٹریچر کا اگر انگریزی یا ہندی میں ترجمہ کا کام ہو تو یہ بلا معاوضہ یہ خدمت خوش دلی سے رضاء الٰہی کے حصول کے لئے

سرانجام دینے میں بخوشی حصہ لیں گے۔مگر بعد میں موصوف سے مراسلت کا سلسلہ قائم نہ رہ سکا۔

بطور ہیڈ ماسٹر جامعہ احمدیہ

کلکتہ سے خاکسار کو قادیان بلا لیا گیا اور جامعہ احمدیہ میں بطور مدرس سات آٹھ سال تک مختلف کلاسوں میں مختلف مضامین پڑھانے کی خدمت سپرد ہوئی۔انہیں ایام میں خاکسار نے دیگر مبلغین کے ساتھ سینئر شاہد (Senior Shahid) کا امتحان پاس کیا اس کے کچھ عرصہ بعد جامعہ کے ہیڈ ماسٹر مکرم محمد حفیظ صاحب بقاپوری مرحوم نے اپنی علالت کی وجہ سے فراغت کی درخواست دی جس پر حضرت خلیفہ ثالثؒ نے قائمقام کا نام حضور کی خدمت میں بھجوانے کا ارشاد فرمایا۔مکرم ناظر صاحب تعلیم نے خاکسار کا ریکارڈ پیش کرتے ہوئے خاکسار کے بطور ہیڈ ماسٹر مقرر ہونے کی حضور کی خدمت میں رپورٹ بھجوائی جس پر حضور انور نے ناچیز کو جامعہ احمدیہ کا ہیڈ ماسٹر مقرر فرمایا اِس پوسٹ پر ناچیز نے گیارہ سال بطور ہیڈ ماسٹر خدمت دین کی توفیق پائی۔اِس کے بعد خاکسار کو نائب ناظم وقفِ جدید مقرر کیا گیا کچھ ماہ بعد مجلس انصار اللہ کے صدر منتخب ہونے پر ناچیز کو تین تین سال کے دو ٹرم بطور صدر مجلس انصار اللہ ہند کام کرنے کی توفیق ملی۔اس عرصہ میں ناچیز نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے اجازت لے کر مجلس انصار اللہ کے مرکزی آفس کے لئے حضور انور سے جگہ کی منظوری لے کر ایوان انصار اللہ تعمیر کرنے کی توفیق پائی۔جس کے لئے حضور انور کی یہ ہدایت تھی کہ اپنے وسائل سے یعنی مجلس انصار اللہ مرکزیہ کے وسائل سے تعمیر کرائیں۔یہ بھی خدا تعالیٰ کا فضل خدا تعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہونے سے اس کی تعمیر مکمل ہوئی اور اس دفتر میں بفضلہٖ منتقل ہو کر اپنے فرائض انجام دینے کے قابل ہوا۔**فالحمدللہ علٰی ذالک**

۱۹۷۹ء میں حضرت مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور نے ناچیز کا نام بطور ناظم دارالقضاء بھجوایا جس پر حضور نے منظوری عطا فرمائی۔یہ آنریری خدمت ناچیز نے اٹھائیس سال تک سرانجام دی۔چنانچہ جب تک صحت نے اجازت دی تھی خاکسار نے اسے ممکن طور پر نبھایا۔لیکن اب صحت بار بار خراب ہو رہی ہے۔اس لئے خاکسار نے حضرت مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور سے درخواست کی کہ خاکسار کی ڈیوٹی کسی اور کے سپرد فرمائی جائے۔چنانچہ موصوف نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی خدمت میں درخواست فرمائی کہ ناچیز کو اِس کام سے فراغت عطا فرمائی جائے اور ناچیز کا قائمقام کسی اور کو مقرر فرمائیں جسے حضور انور نے ازراہِ شفقت منظور فرمایا۔

بطورصدرمجلس کارپرداز

اس کے علاوہ خاکسار کے سپرد ۱۹۹۰ء سے محترم ناظر اعلیٰ حضرت مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور کے تحریر فرمانے پر صدر مجلس کارپرداز مقبرہ بہشتی مقرر فرمایا اوراس کے کچھ عرصہ کے بعد صدر مجلس وقفِ جدید اندرون وبیرون بھی مقرر فرمایا۔ یہ دونوں خدمتیں بھی آنریری طور پر بجالانے کی تادمِ تحریر توفیق پارہا ہوں۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک** ان فرائض کے علاوہ ناچیز اب صدر صدرانجمن احمدیہ کے فرائض منصبی کی ادائیگی کی بھی توفیق پا رہا ہے۔ **فالحمدللہ علٰی ذٰلک** اس کے علاوہ بیوت الحمد کے شعبہ میں بھی خاکسار حضور انور کی منظوری سے بطور صدر مجلس وقفِ جدید ممبر ہے۔ خدا تعالیٰ ناچیز کو یہ آنریری خدمات تادمِ زیست سرانجام دینے کی سعادت عطا فرمائے اور اِن خدمات کو محض اپنے لطف وکرم سے شرف قبولیت عطا فرمائے اور انجام بخیر کرے۔ آمین اللّٰھم آمین۔

محترم مولانا محمد عمر صاحب

نائب ناظر اعلیٰ قادیان

خدا تعالیٰ کے بے انتہا فضل و کرم سے خاکسار 1961 میں مدرسہ احمدیہ قادیان سے فارغ التحصیل ہوکر دو سال مدرسہ احمدیہ میں ہی بطور معلم خدمت بجالاتا رہا۔اس کے بعد خاکسار کا پہلا تقرر بطور مبلغ انچارج اگست 1962ء میں حیدرآباد (دکن) میں ہوا۔اس کے بعد 1967ء میں ممبئی اور اس کے بعد 1970ء تا 1990ء مدارس میں۔بعدہ 1990 تا 2000ء کیرلہ سٹیٹ میں بطور انچارج خدمات کی توفیق ملتی رہی۔فالحمدللہ علیٰ ذالک

سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اِس ناچیز کو ناظر اصلاح وارشاد قادیان مقرر فرمایا۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مفوضہ فریضہ کما حقہ ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت کے واقعات

اس 45 سالہ عرصہ خدمت میں کئی دفعہ خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت کے نظارے اپنی زندگی میں دیکھنا نصیب ہوا۔ان سب کا بیان ناممکن ہے تاہم حسب فرمائش ان میں سے تین کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

تامل ناڈو کے قیام کے دوران خاکسار کی زیر ادارت ''راہِ اَمَن'' کے نام سے تامل زبان میں ایک ماہنامہ نکلتا تھا۔اس وقت تامل ناڈو سے شائع ہونے والے ''الرحمت'' ''الجنتہ'' ''النجاۃ'' ''جماعت العماء'' وغیرہ مسلمانوں کے رسالوں میں احمدیہ جماعت کے خلاف شائع ہونے والے مضامین کا جواب خاکسار اپنے رسالہ ''رَاہِ اَمَن'' میں شائع کیا کرتا تھا۔اس دوران رسالہ النجاۃ کے ایڈیٹر مولوی زین العابدین صاحب جو انجمن اشاعت القرآن والحدیث کے سربراہ تھے نے خاکسار کے ساتھ عقائد احمدیت پر مناظرہ کرنے کا چیلنج دیا۔خاکسار نے اس بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تفصیلی چٹھی لکھی تو حضور انور نے ان کے ساتھ مناظرہ کرنے کی اجازت فرمادی۔

مولوی زین العابدین صاحب اپنے علاقہ میں چرب زبانی اور چالاکی میں بہت مشہور تھے۔ ان کے ساتھ مناظرہ کی شرائط طے ہوئیں کہ وفات مسیح، ختم نبوت اور صدق وکذب مرزا صاحب کے عنوانوں پر تین تین روز صبح چار گھنٹے اور شام چار گھنٹے بحث ہوگئی۔ اس طرح کل 9 دن روزانہ 8 گھنٹے کے حساب سے 72 گھنٹے مباحثہ ہوگا۔ مدمقابل نے اصرار کیا کہ مناظرہ کی کاروائی کسی صورت میں شائع نہیں ہوگی۔ بالآخر ہمیں یہ شرط ماننی پڑی۔

خاکسار کو اس مناظرے میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مناظر مقرر کیا تھا اور خاکسار کی مدد سے کے لئے مکرم مولوی محمد ایوب صاحب کو معاون مقرر کیا گیا تھا۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے از راہِ شفقت ہماری معاونت کے لئے ربوہ سے مکرم مولانا دوست محمد صاحب مؤرّخ احمدیت اور محترم حافظ مظفر احمد صاحب کو بھیجا۔ یہ مناظرہ تامل ناڈو کے شہر کوئمبٹور میں ماہ نومبر 1994ء میں ہوا۔ مسلسل 9 دن تک ہوئے اس مناظر کے دوران قدم قدم پر خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت کے نظارے ہم دیکھتے رہے۔ ہر موقع پر مولوی زین العابدین صاحب اور ان کے ساتھیوں کو احمدیت کے مقابلہ میں شکست کا منہ دیکھنا نصیب ہوا۔ اس مناظرہ کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس مناظرہ میں ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی راہنمائی حاصل ہوتی رہی یعنی ہر روز مناظرہ کے معاً بعد محترم حافظ مظفر احمد صاحب حضور اقدس کی خدمت میں بذریعہ فیکس رپورٹ بھیجتے رہے تو اس کا جواب دوسرے ہی دن صبح مناظرہ شروع ہونے سے قبل ہمیں حضور انور کی طرف سے بذریعہ فیکس ملتا رہا تھا جس میں حضور ہمیں رہنمائی فرماتے رہے کہ کس نہج پر بحث کرنا ہے۔ اس سے ہمیں بہت مدد ملتی رہی۔

بالآخر حق وصداقت کا بول بالا ہوا۔ کوئمبٹور میں چند افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی جماعت تھی اس مناظرہ کے بعد کئی سعید روحوں کو قبول احمدیت کی توفیق ملی۔ خود مولوی زین العابدین کے کئی چیلوں کو جماعت میں داخل ہونا نصیب ہوا۔ اس مناظرہ کے بعد کوئمبٹور میں نہایت علی شان پُر وقار اور بہت خوبصورت مسجد تعمیر ہوئی۔ دوسری طرف مولوی زین العابدین صاحب کی جماعت درہم برہم ہوگئی اور موصوف مالی بے ضابطگیوں میں موردالزام رہے۔

تامل ناڈو کے Capital مدارس میں ایک محلہ Phdupet ہے جہاں کی جامعہ مسجد کے پیش امام مولوی عبد الرحمن صاحب بہت مشہور عالم اور مقرر تھے۔ انہوں نے ہماری جماعت کے صدر محترم محی

الدین صاحب مرحوم سے خواہش کی کہ خاکسار سے عقائد احمدیت پر تبادلہ خیالات کریں محترم صدر صاحب اور مولوی صاحب موصوف کے درمیان دوستانہ مراسم تھے۔ خاکسار نے یہ پیش کش منظور کی اور یہ طے پایا کہ ایک دن عصر کی نماز کے بعد مکرم صدر صاحب کے مکان میں ہی تبادلہ خیالات کیا جائے۔

اس طرح ایک دن عصر کی نماز کے بعد عشاء تک صرف وفاتِ مسیح پر ہی گفتگو ہوتی رہی۔ مولوی صاحب کسی صورت میں حیاتِ مسیح ثابت کرنے سے عاجز رہے۔ بالآخر انہیں اعتراف کرنا پڑا کہ مجھے اب تک اس موضوع کے بارے میں تحقیق اور غور کرنے کی نوبت نہیں آئی جب کہ آپ لوگ دن رات اسی کام میں لگے ہوئے ہیں۔

موصوف دوران گفتگو غصہ میں آپے سے باہر ہوجاتے تھے۔ آخر میں خاکسار نے اُن سے دریافت کیا کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ مَنْ لَّمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ فَقَدْ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں کوئی زمانہ امام سے خالی نہیں ہوگا۔ آپ بتائیں کہ اس زمانہ کا امام کون ہے؟ اور اس نے امام الزمان ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ تو انہوں نے جھٹ کہا کہ میں اس زمانہ کا امام ہوں۔ موصوف غصہ میں بھری آواز میں کہہ رہے تھے۔ میں نے کہا کہ میں Pudupet کے امام کی بات نہیں کر رہا اس زمانہ کے امام کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔ تو انہوں نے اصرار کے لہجہ میں کہا کہ میں ہی اس زمانہ کا امام ہوں میں نے پھر ان سے پوچھا کہ آپ سنجیدگی سے عاقبت کے انجام کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہہ رہے ہیں؟ تو کہنے لگے ہاں میں سنجیدگی سے کہہ رہا ہوں۔

اس وقت خاکسار نے کہا کہ اب ہم گفتگو ختم کرتے ہیں اور فیصلہ خدا پر چھوڑتے ہیں۔ اس کے چند دنوں کے بعد یہ اطلاع ملتی ہے کہ جس مسجد میں موصوف امامت کرتے تھے وہاں یہ بدفعلی کرتے ہوئے پکڑے گئے اور مسجد کے متوّلی نے ان کے بستر وغیرہ مسجد سے باہر پھینک کر انہیں بہت ذلیل کر کے مسجد سے باہر کر دیا۔ اس کے بعد سے موصوف کا کوئی پتہ نہیں۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے اسے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔

جیسا کہ خاکسار نے ذکر کیا کہ خاکسار کا تقرر 1962ء تا 1967ء حیدرآباد میں بطور مبلغ انچارج ہوا تھا۔ وہاں ہمارا مشن ہاؤس تین منزلہ تھا اور احمدیہ جوبلی ہال کے نام سے مشہور تھا۔

اہل وعیال کی حفاظت الٰہی

اس عمارت کی تیسری منزل پر خاکسار مع اہل وعیال مقیم تھا ایک دن شدید بارش ہوئی اس کے دو تین

دن کے بعد اچانک جوبلی ہال کا آدھا حصہ دھڑام سے نیچے گر گیا۔ نیچے کرایہ کی دو کانیں تھیں ان میں ایک دوکاندار مٹی میں دب کر مر گیا۔ خاکسار اس حادثہ کے وقت گھر میں موجود نہیں تھا۔ جب میں نے آ کر دیکھا تو نہایت خوفناک منظر سامنے آیا۔ تیسری منزل پر میری اہلیہ اپنی تین ماہ کی بچی کو لے کر کھڑی تھی۔ چھت ان کے اوپر سے پھسل کر نیچے گری۔ سامنے اتھاہ گہرائی قدم رکھتے ہی نیچے کو چلی جاتی۔ پکڑنے کے لئے صرف ایک دیوار کا حصہ تھا۔ یہ نظارہ دیکھ کر یقین ہو گیا کہ میری اہلیہ اور بچی کا بچنا محال ہے سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کوئی معجزہ دکھائے یہ خوفناک منظر دیکھنے کے لئے سینکڑوں لوگ جمع تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس وقت میری اہلیہ کو غیر معمولی ہمت دی۔ ان کی نگاہ اپنی تین ماہ کی بچی کو بچانے پر مرکوز تھی۔ اس وقت Fire Service والے ایک فولڈنگ سیڑھی لے آئے۔ اب سیڑھی بہت مشکل سے ٹک گئی۔ لیکن کسی کو بھی سیڑھی پر چڑھنے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ دھڑام سے نیچے گرنے کا اندیشہ تھا۔ بالآخر ایک عمر رسیدہ مسلمان کو ترس آیا وہ جان ہتھیلی پر رکھ پر اوپر چڑھ گئے اور آہستہ سے بچی کو اپنے ہاتھ میں لیا اس کے بعد آہستہ سے ماں کو بھی نیچے اُتارا۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے معجزانہ رنگ میں میری اہلیہ اور بچی کو ایک بہت بڑے حادثہ سے بچا لیا۔

دوسرے دن اخباروں میں بڑی سرخی کے ساتھ یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ ایک ماں اور بچی کا معجزانہ رنگ میں بچنا۔ الغرض خاکسار کو عرصہ خدمت میں خدا تعالیٰ کی تائید ونصرت قدم قدم پر محسوس ہوتی رہی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھ ناچیز کے گناہوں کو محض اپنے فضل سے معاف فرمائے اور میرا انجام بخیر ہو۔ آمین۔

محترم مولانا بشیر احمد صاحب خادم درویش قادیان

محترم مولانا منیر احمد صاحب خادم، ناظر اصلاح ارشاد قادیان تحریر فرماتے ہیں:

والد محترم مولانا بشیر احمد خادم صاحب درویش نے اپنی وفات سے چند ماہ قبل اپنے خاندان کے اور اپنے بعض حالات ایک ڈائری میں لکھے تھے۔ خاکسار انہیں سے فائدہ اٹھا کر یہ مضمون لکھ رہا ہے۔ اپنے خاندانی حالات لکھتے ہوئے محترم والد صاحب مرحوم ومغفور نے تحریر فرمایا کہ:

''خاکسار ناچیز بشیر احمد خادم کی پیدائش قریباً 1925ء کی ہے۔ ہمارے خاندان میں سب سے پہلے میری دادی محترمہ حضرت مائی جیواں رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک صحابی حضرت مولوی جان محمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعہ بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہوئیں تھیں۔ اس کے بعد والد محترم حضرت میاں اللہ بخش صاحب رضی اللہ عنہ اور والدہ محترمہ حضرت عمراں بی بی صاحبہؓ اور پھر چچا اللہ رکھا صاحب اور چچا محمد دین صاحب اور چچا احمد دین صاحب اور چچا محمد حسین صاحب بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہوئے۔ ان تمام بزرگوں کی اپنے غیر احمدی رشتہ داروں اور غیر رشتہ داروں میں انتہائی مخالفت ہوئی مگر یہ سب بفضل خدا ثابت قدم رہے اور احمدیت کی تبلیغ کرتے رہے۔

میری والدہ محترمہ ہمارے بچپن میں ہی وفات پا گئی تھیں۔ ان کی بہت معمولی پہچان ہے۔ ان کی وفات کے بعد والد محترم نے ہمیں بڑی محبت سے پالا اور تربیت کی۔ مجھے یاد ہے بچپن میں مجھے وہ اکثر اپنے ساتھ نماز کیلئے لے جایا کرتے تھے اور محض ہماری تربیت کیلئے وہ ڈسکہ سے قادیان ہجرت کر کے آ بسے اور پھر ہمیشہ کیلئے ہم لوگ قادیان کے ہو گئے۔ ہم تین بھائی تھے۔ بڑے بھائی خدا بخش صاحب اور چھوٹے بھائی نذیر احمد صاحب جو بعد میں زندگی وقف کر کے تحریک جدید کی زمینوں پر سندھ میں بطور منشی مقرر ہوئے۔

1941ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر کہ نوجوان فوج میں بھرتی ہو جائیں خاکسار بھی جنگ عظیم ثانی کے موقع پر فوج میں بھرتی ہو گیا اور پھر عرصہ پانچ سال تک فوج میں رہا۔ مجھے

خدا کے فضل سے بچپن سے ہی تبلیغ کا بہت شوق تھا۔فوج میں اکثر تبلیغ کرتا رہتا تھا۔آخر 1946ء میں فوج میں ہی یہ عہد کر کے فراغت حاصل کر لی کہ اب زندگی وقف کر دوں گا۔ چنانچہ فوج سے آتے ہی دیہاتی مبلغین میں اپنے آپ کو پیش کر دیا۔فوج میں مجھے ہندوستانیوں کے علاوہ جاپانیوں کو بھی تبلیغ کرنے کا موقعہ ملا۔''

تقسیم ملک کے وقت بعد حالات کا ذکر کرتے ہوئے محترم والد صاحب مرحوم نے لکھا کہ:

''1947 میں تقسیم ملک ہوئی جس کی وجہ سے مسلمانوں کا کافی نقصان ہوا اور قتل وغارت بھی ہوئی۔ اُن ایام میں نہایت ہی خطرناک قسم کے فسادات ہوئے جس کی تفصیل تاریخ احمدیت میں موجود ہے اور آخر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کی بنا پر اکثر احمدیوں کو قادیان سے ہجرت کرنی پڑی اور سوائے حلقہ مسجد مبارک کے باقی تمام احمدی احباب حالات کی مجبوری کی وجہ سے قادیان سے ہجرت کر گئے۔ اُس وقت قادیان کی مجموعی آبادی قریباً پندرہ سولہ ہزار تھی۔قادیان کی اکثریت کی ہجرت اور دیار مسیح یعنی حلقہ مسجد مبارک کا آباد رہنا اور محفوظ رہنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کے مطابق ہے۔ایسے وقت میں اپنے تمام خاندان میں سے خاکسار کو قادیان میں قیام اور خدمت کا موقعہ ملا۔الحمدللہ علی ذالک۔

خاکسار ابتدائی ۳۱۳ درویشوں میں سے ہے جن کو ہجرت کے وقت یہاں قیام کی توفیق ملی۔حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کے فرمان کے مطابق اور انتخاب کے مطابق ہم لوگ یہاں رہے۔انشراح صدر اور محض خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کیلئے انتہائی خطرناک حالات میں خاکسار یہاں قیام پذیر رہا۔

ہندوستان کے مختلف علاقوں، یوپی، پنجاب (مالیرکوٹلہ) مضافات پنجاب بہار، حیدرآباد، آندھرا ،اڑیسہ، بنگال، بمبئی، ہبلی، نندگڑھ وغیرہ علاقوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجموعی لحاظ (سے) قریباً گیارہ سو غیر احمدی اور بعض ہندو خاکسار کے ذریعہ بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے اور جماعتوں کی تربیت کا اچھا موقع ملا۔اسی عرصہ میں کافی تعداد میں احمدی احباب کی وصیتیں کروائیں اور رشتے ناطے میں تعاون کیا اور قریباً دو درجن احمدی اور بعض غیر احمدی بچے مرکز میں لا کر مدرسہ احمدیہ میں داخل کیے۔ بعض ان میں سے بفضلہٖ تعالیٰ کامیاب مبلغ ہیں۔''

دیہاتی مبلغین کی کلاس سے فراغت کے بعد محترم والد صاحب نے عرصہ چالیس سال تک ہندوستان کے مختلف علاقوں میں تبلیغ وتربیت کا فریضہ سرانجام دیا۔ بفضلہٖ تعالیٰ آپ کو یوپی کی مختلف جماعتوں میں

پنجاب کے ملیر کوٹلہ میں اور مضافات قادیان میں اسی طرح بہار، آندھرا، آڑیسہ، بنگال، مہاراشٹر، کے کئی علاقوں میں تبلیغ وتربیت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس دوران دو درجن سے زائد بچوں کو قادیان لاکر ابتدائی تربیت دیکر اور بعضوں کا خرچ خود برداشت کر کے مدرسہ احمدیہ قادیان میں داخلہ دلوانے کی توفیق ملی۔ میدان تبلیغ میں والد مرحوم کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ احباب جماعت کو زیادہ سے زیادہ نظام وصیت میں لانے کی کوشش کرتے تھے اور رشتے احمدی خاندانوں میں کروانے کی طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے۔ والد صاحب مرحوم ومغفور کو تبلیغ اور دعوت الی اللہ کا ایک جنون تھا۔ قادیان میں آنے والے غیر احمدی اور غیر مسلم مہمانوں کو تبلیغ کے لئے بہت دلچسپی سے وقت دیتے تھے۔ ایک لمبا عرصہ آپ دفتر زائرین میں بھی خدمت بجالاتے رہے اور بڑے پراثر انداز میں تبلیغ کرتے رہے۔ تبلیغ اور دعوۃ الی اللہ کے لئے آپ کی ایک انفرادیت یہ بھی تھی کہ آپ گھر میں خاص طور پر نماز تہجد ادا کرتے تھے اور رو رو کر دعا کرتے تھے۔ تمام مبلغین اور معلمین اور خلیفہ وقت کے لئے دعائیں کرنا آپ کا معمول تھا۔ نماز تہجد بہت رقت اور سوز کے ساتھ ادا کرتے تھے اور چلتے پھرتے بھی ذکر الٰہی کرتے۔ گھر میں بھی بچوں کی تربیت کا بلکہ ماحول کی تربیت کا بھی خاص طور پر خیال رکھتے تھے۔

والد محترم کو بفضلہٖ تعالیٰ عرصہ آٹھ سال بحیثیت صدر مجلس انصار اللہ بھارت خدمت کی توفیق ملی آپ کے وقت میں مجلس انصار اللہ بھارت کو مجالس کے قیام اور تنظیم کی فعالیت کے علاوہ نیا دفتر تعمیر کرنے کی توفیق بھی ملی۔ اسی طرح بھارت میں مجلس کے اجتماعات کا آغاز بھی آپ کے دور میں ہوا۔ آپ نے اپنی تمام اولاد کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا۔

خدمت خلق والد صاحب کی زندگی کا خصوصی شعار تھا۔ یتیم بچوں اور بچیوں کو گھر میں لاکر ان کی پرورش کرتے تھے۔ کئی غریب اور یتیم بچیوں کی شادیاں ہمارے گھر میں ہوئیں۔ اس کے لئے محترم حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب مرحوم ومغفور والد صاحب کا خاص خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ یوپی کے گاوں انجولی سے حکیم عبدالقدوس صاحب جو لاوارث تھے، ان کو میرے چھوٹے بھائی مکرم ظہیر احمد خادم صاحب قادیان لائے۔ انکی ایک زمین تھی جو انہوں نے جماعت کے نام وقف کر دی تھی اور پھر وہ ہمارے گھر میں رہا کرتے تھے۔ آخری عمر میں والد صاحب ان کی معصوم بچوں کے طرح نگہداشت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ گھر میں اس بات کا تذکرہ ہوا کہ آپ حکیم صاحب کا بہت خیال رکھتے ہیں۔ اس پر والد

صاحب نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ان کی خدمت کی وجہ سے جنت کی بشارت دی ہے۔

محترم والد صاحب مرحوم کی زندگی کی خاص واقعہ یہ بھی تھا کہ نہایت خاموش اور چھپ کر غرباء کی مدد کیا کرتے تھے اور بعض دفعہ اپنی ضرورت کو نظر انداز کرتے تھے اور دوسروں کی مدد کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب کہ گھر میں گندم کی قلت تھی، فاقے چل رہے تھے۔ محترم والد صاحب نے محترم حضرت مولانا عبدالرحمان جٹ صاحب امیر مقامی کو درخواست دی، جس پر آپ نے بیس کلو گندم جماعتی اسٹور سے مہیا کروادی۔ والد صاحب جب گندم لے کر گھر جا رہے تھے تو راستے میں قادیان میں ان دنوں رہائش کے لئے آنے والے ایک دوست نے محترم والد صاحب کو کہا کے آپ تو یہاں کے پرانے باشندے ہیں آپ کو تو اور گندم مل جائیگی۔ میرے گھر میں گندم نہیں ہے۔ اس پر والد صاحب نے یہ گندم ان کو اٹھوادی اور خود خالی ہاتھ گھر آ گئے۔

ہماری والدہ مرحومہ عطیہ بیگم صاحبہ کی وفات 1970ء میں ہوگئی تھی۔ آپ حضرت فضل الدین عبداللہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور حضرت مصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قیادت وتربیت کے زیر اثر تھیں۔

محترم والد صاحب نے اپنی ذاتی ڈائری میں اپنے بعض رویاء وکشوف لکھے ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

''آج مورخہ 10.12.77 بروز ہفتہ بوقت شب تہجد کے ٹائم میں بیدار ہو رہا تھا تو نیم بیداری کی حالت میں خواب دیکھا کہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ انسان کی شکل میں کھڑے ہیں۔ اور میں ان سے لپٹ لپٹ کر پیار کر رہا ہوں اور پیار کے ساتھ جسم دبا رہا ہوں اور کہہ رہا ہوں کہ اللہ میاں واقعی مخلوق پر آپ کے بڑے احسان ہیں۔ آپ بہت ہی بہت مہربان ہیں۔ ہمیں آپ کا بیحد شکر کرنا چاہیئے۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

(دستخط بشیر احمد خادم درویش)

21.3.79 کو دو مہمان میاں بیوی تعلیم یافتہ ہندو قوم سے قادیان آئے اور تحقیق کی غرض سے مہمان خانہ میں ایک دن کیلئے ٹھہر گئے ان کو پیغام حق پہنچایا گیا اور کچھ لٹریچر دیا۔

22.3.79 بعد نماز فجر میں تلاوت کر کے لیٹ گیا اور مہمانوں کے پاس پہنچنے میں اور مزید تبادلہ خیالات کرنے میں کچھ سستی اور بے توجہی کر رہا تھا کروٹیں بدل رہا تھا کہ الہام ہوا'' وصل مولیٰ کے جو

بھوکے ہیں انہیں سیر کرو“

اسی وقت فوراً اُٹھ کر گیا اور ان سے محبت الٰہی کے موضوع پر باتیں کیں جس کا ان پر خدا کے فضل سے بڑا اچھا اثر ہوا۔ اور وہ دونوں خود کو احمدیت میں شامل کرنے کا اقرار کر کے دوبارہ آنے کی تمنا لیکر رخصت ہوئے۔ (دستخط بشیر احمد خادم درویش)

آج مورخہ 17 رمضان المبارک غالباً جمعۃ المبارک کا روز تھا دُعاؤں اور تلاوت قرآن کریم کے بعد لیٹا تو خواب میں میں بڑے ترنم سے ذیل کا شعر پڑھ رہا ہوں:

اب نہیں ہیں دوستو گھبرانے کے دن
اب تو ہیں اے دوستو فتح کے پانے کے دن

مورخہ 24.9.78 بعد نماز فجر تلاوت کر کے لیٹ گیا تو خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام لیٹے ہوئے ہیں کچھ تھکاوٹ محسوس فرما رہے ہیں اور میرے تمام بچے حضور علیہ السلام کے جسم مبارک کو دبا رہے ہیں اور میں بھی پاس ہی بیٹھا نظارہ دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا کہ میں بھی حضور کا جسم مبارک دباؤں گا کہ حضور دُعا دیں۔ چنانچہ میں نے بھی ٹانگوں کی طرف سے دبانا شروع کیا اور لڑکوں سے کہہ رہا ہوں کہ اچھے انداز سے دباؤ کہ حضور علیہ السلام کو زیادہ سے زیادہ آرام ملے۔ اس کے بعد حضور اُٹھ کر بیٹھ گئے اور حضور خوش ہیں۔ پھر اُٹھ کر ایک چارپائی پر بیٹھ گئے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے جسم مبارک میں کسی حصہ میں درد تھا جو دبانے سے ٹھیک ہو گیا ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ خدا ہم سب کو حضور کی خدمت کی توفیق دے۔ (دستخط بشیر احمد خادم درویش)

چندروز قبل خاکسار کو الہام ہوا کہ ”وَبَشِّرِ الصَّابِرِيْنَ“

مورخہ 23.10.77 قریباً ایک ماہ قبل (23.9.77 ناقل) خاکسار نے خواب دیکھا کہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہوں اور دائیں طرف کھڑا ہوں۔ اور اپنے جسم کو حضور علیہ السلام کے جسم کے ساتھ مل رہا ہوں تا برکت حاصل کروں۔ اس کے بعد حضور علیہ السلام نے مجھے ایک بہت بڑا پیالہ شربت کا بھر کر دیا ہے۔ میں اپنے دونوں ہاتھوں میں لیکر رقت بھرے لہجے میں عرض کرتا ہوں کہ حضور دعا فرماویں کہ یہ پیالہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت کا ہو۔ حضور فرماتے ہیں آمین۔

اس کے بعد شربت تمام کا تمام میں پی گیا اور کچھ باقی بچا ہوا شربت ہے۔ وہ بھی حضور نے میرے

پیالے میں ڈال دیا اور وہ بھی میں نے پی لیا۔اس کے بعد میں بیدار ہو گیا۔ یہ دن کے وقت بعد ظہر آرام کیلئے لیٹا تو اس وقت،خواب ہے۔

خدا اس کو میرے لئے اور میری اولاد کیلئے دنیا و آخرت کے لحاظ سے مبارک کرے۔(آمین)

خلافت ثالثہ کے ابتدائی دور میں خاکسار نے خواب دیکھا کہ حضرت مرزا طاہر احمد سلمہ اللہ تعالیٰ میرے سامنے آئے ہیں اور آواز آئی ہے کہ قادیان کی واپسی کا تعلق مرزا طاہر احمد کے ساتھ ہے۔خاکسار اُسی وقت سمجھ گیا کہ چوتھے خلیفہ حضرت میاں طاہر احمد صاحب ہوں گے اور قادیان کی واپسی کا عظیم نشان ان کے ذریعہ ظاہر ہوگا۔انشاءاللہ۔ہم درویش لوگ خاص طور پر قادیان کی واپسی اور عظیم فتح کے شائق اور متمنی ہیں کیونکہ عرصہ سے محدود اور گھٹن والی اور کم ذرائع معیشت والی زندگی گزار رہے ہیں۔رشتہ داروں اور جائیدادوں سے محروم ہو چکے ہیں۔اس لئے شروع سے ہی توجہ اور ابتہال کے ساتھ قادیان کی واپسی کی دُعائیں کرتے رہے ہیں۔خلافت ثانیہ میں اُمید تھی مگر نہ پوری ہو سکی پھر خلافت ثالثہ میں اُمید بندھی کہ شائد اب مشکل کشائی ہو۔لیکن مولیٰ کریم محسن منان آقا نے بتایا کہ ابھی مزید انتظار کرو اور خلافت رابعہ جس کا تعلق مرزا طاہر احمد صاحب سلمہ اللہ کے ساتھ ہے اس کے منتظر رہو۔

والد صاحب مرحوم کی وفات 26 جولائی 2001ء میں ہوئی۔اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں اپنے مقام قرب سے نوازے۔آمین۔

محترم مولانا خورشید احمد صاحب پربھاکر درویش قادیان

۞

خاکسار 9 اپریل 1921ء کو لائل پور (چک نمبر 332JB) میں پیدا ہوا۔ خاکسار کے والد صاحب محترم چوہدری نواب دین صاحب جٹ زمیندار تھے۔ خاکسار نے 1946ء میں زندگی وقف کی اور خدا تعالیٰ نے درویشی کیلئے 1947ء میں چن لیا۔

حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب ناظر دعوت وتبلیغ کی زیرنگرانی خاکسار کو پارٹیشن کے بعد قادیان سے یوپی بھیجا گیا۔ شاہجہانپور تبلیغی مرکز تھا اس کے بیس بیس میل چاروں طرف پہلے پیدل پھر سائیکل پر تبلیغ کرنا میرا فریضہ تھا۔ یہ علاقہ پنجاب کے 1947ء کے خونی انقلاب کے بعد 1950ء میں فرقہ وارانہ فسادات کی شدید لپیٹ میں آچکا تھا۔ ماحول سہما سہما اور دہشت ناک تھا۔

ایک روز شاہجہانپور سے بیس میل دور قصبہ محمدی ضلع لکھیم پور کھیری میں تبادلہ خیالات میں دیر شام ہوچکی تھی۔ برسات کا موسم تھا اور اس روز اس پہاڑی علاقہ میں زور کی بارش بھی ہوچکی تھی جس کے سبب بارش کا پانی سیلاب کی صورت میں بہہ رہا تھا۔

دہشت ،وحشت اور خوفناک ماحول کے مدنظر رات گاؤں بیدہ پور میں ایک احمدی بھائی کے ہاں گذارنے کا خیال آیا۔ قصبہ محمدی سے تھوڑے فاصلہ پر ایک کچی سڑک نظر آئی۔ جو وہاں کھڑے ایک شخص کے کہنے کے مطابق ٹھیک بیدہ پورہ کی سیدھ میں جاتی تھی سفر مزید کم ہونے کے خیال سے پکی سڑک کو چھوڑ کر کچی سڑک پر چلنا شروع کیا۔ تھوڑا فاصلہ چلنے پر دیکھا کہ سڑک جگہ جگہ سے ٹوٹی ہوئی ہے۔ پانی کھڑا ہے۔ بڑے بڑے گڑھے تھے۔ سڑک دلدل بنی ہوئی پانی میں ڈوبی ہوئی تھی۔ کانٹے دار جھاڑیاں، سرکنڈے، کہیں کہیں دھان کے کھیت پانی میں ڈوبے ہوئے۔ میں سائیکل کو کھینچتا ہوا کھیتوں اور پانی میں سے ہوتا ہوا آگے بڑھتا رہا۔ سورج غروب ہورہا تھا۔ ہر جگہ دو فٹ گہرا پانی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ میں دھان کے کھیتوں کی بلند منڈھیروں سے سائیکل کھینچتا ہوا جارہا تھا کہ ایک برساتی نالہ پوری طغیانی میں برق رفتاری سے بہہ رہا تھا۔ وہاں نہ آدم نہ آدم زاد۔ حواس اُڑ گئے۔ کلمہ طیبہ اور دعاؤں کا ورد کرتا رہا۔ نالے کے

کناروں پر اُگے ہوئے سرکنڈے سے نالے کے پانی کی گہرائی کا اندازہ لگایا۔ جو اندازہ آٹھ فٹ ہوگی۔ نالے کے اس پار مجھے جانا تھا۔ نالہ کی تیز رفتاری۔ شام کا دُھندلکا، بے یار و مددگار، تنہائی کا عالم، پورا ماحول حوصلہ شکن تھا۔ میرے سامنے ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کا سچا جیتا جاگتا منظر تھا۔

میں نے چار فٹ گہرے پانی میں دھان کی اُونچی منڈیر پر طغیانی بپھرتی، ابلتی متلاطم جوشیلی لہروں کا دوبارہ جائزہ لیا۔ میں نے پایا کہ سب سے بڑی اور پندرہ فٹ لمبی ایک مچلتی ہوئی لہر نالے کے پار والے اُتھلے پانی کے کنارے سے ٹکرا کر میرے پاؤں والے اس کنارے کے اُتھلے پانی سے آٹکرائی تھی۔ پھر میرے پاؤں کو گویا چھو کر دوسرے پار والے کنارے کے اُتھلے پانی سے جاٹکراتی تھی۔ لہر کا یہ چکر وقفہ وقفہ سے متواتر بلا روک ٹوک چل رہا تھا۔

پار والے کنارے جانے کے لئے میں نے اس طوفانی لہر کو اپنا مددگار سمجھا اور سائیکل سمیت اپنے آپ کو نالے میں ڈال دیا۔ وزن زیادہ تھا۔ اس لہر نے آٹھ فٹ گہرے پانی کے نالے میں عین درمیان میں لے جا کر چھوڑ دیا اور خود آگے نکل گئی۔

''جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے''

سائیکل کندھے سے اُتر نہ سکا تیرنے کیلئے میں نے اپنی پوری طاقت خرچ کر دی۔ ایک لمحہ کے سویں حصہ میں حالت بدل جاتی رہی۔ شاید موت کا وقت آچکا تھا۔

میں نہ زمین پر تھا نہ آسمان پر نہ کوئی سنگھی ساتھی۔ نہ کوئی دیکھنے والا نہ کوئی مددگار نہ کوئی خیر خواہ۔ میں پانیوں میں معلق تھا اور قدرت کا منتظر۔ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا متواتر ورد کرتا رہا اور بین الخوف والرجا موت کا انتظار کرتا رہا۔

خدا کی قسم! میں نے پانیوں میں اپنے خالق و مالک قادر مطلق کو پکارا کہ ''اے میرے خدا اب یہاں سوائے تیرے کوئی سننے والا۔ کوئی دیکھنے والا کوئی مددگار۔ کوئی چارہ گر، نہ ہی کوئی راہ نجات ہے اے خدا! اگر موت آچکی ہے تو تو اپنے فرشتوں کو حکم فرما کہ وہ میری اس حالت سے میری اس موت سے میرے آقا خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو اطلاع کریں، تا کہ حضورؓ میری نماز جنازہ ادا فرمائیں۔

''حیلے سب جاتے رہے اِک حضرت توّاب ہے''

اتنے میں ایک بڑی دوسری لہر آئی اس لہر نے ڈوبتے ہوئے کو اُٹھا کر پار والے کنارے کے اُتھلے پانی

میں لے جا کر پھینک دیا۔

یہاں اک موج ہے خونی، وہاں موجِ ظفر رحمان
موسیٰ کو اُٹھاکر جو پھر ساحل پہ لے آئی

میرے پاؤں زمین پر لگ گئے۔ پھر بھی پانی کمر تک تھا۔ زندگی نے نیا حوصلہ دیا۔ خدا نے میری دعا سن لی۔ پانی کو چیرتا ہوا خشکی پر جا پہنچا۔

دھان کے کھیتوں، جھاڑیوں اور سرکنڈوں میں چلتے چلتے سامنے ایک قبلہ نماز چبوترہ نمودار ہوا۔ میں نے اس طلسماتی چبوترے کو ہاتھوں کی انگلیوں سے ٹٹولا۔ اور اس پر بیٹھ گیا۔ اسی چبوترے پر ساری رات گذارنے کا سوچا۔ میں بیحد نڈھال ہو چکا تھا۔ طوفانی نالے میں موت سے مقابلہ کرتے ہوئے میری ساری طاقت قریباً ختم ہو چکی تھی۔ ادھر سارے دن کا بھوکا بھی تھا۔ مغرب وعشا کی نمازیں ادا کیں۔ اس طرح غیب سے نمودار ہونے والے چبوترے کا حق ادا ہوا۔

کیا وقت تھا میں کہاں تھا۔ کچھ اتا پتہ نہ چلا۔ وہ سارا علاقہ سرکنڈوں، جھاڑیوں اور دھان کے کھیتوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ سانپ بچھو، مچھر کیڑے مکوڑے اور ناگہانی آفات کا خدشہ، میں نیم بیہوشی کی سی حالت میں چبوترے پر لیٹ گیا۔ دور سے کہیں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دیں۔ کتے آبادی میں ہی تو ہوتے ہیں۔ آبادی کا خیال آتے ہی ٹوٹی ہوئی ہمت عود کر آئی۔ ان منے دل سے کتوں کی آواز پر دور تک سائیکل گھسیٹے چلتا چلا گیا۔ سامنے کھپریل پوش ایک گاؤں نظر آیا۔ یہ بیدہ پور تھا۔ تمام لوگ سو چکے تھے تاہم ایک جگہ چار چھ بزرگ لوگ درختوں کے تنوں بیٹھے باہم باتیں کر رہے تھے۔ ان میں پیر محمد خان صاحب، واجد علی خان صاحب کو سوتے ہوئے کو بلا لائے۔ اور پھر بفضلہٖ تعالیٰ رات ان کے ہاں آرام سے گزاری۔''

(مطبوعہ: ہفت روزہ بدر قادیان 5 مارچ 2005ء بعنوان ''تبلیغی میدان میں کوفتہ جانوں پہ کیا گذری'')

محترم چوہدری مبارک مصلح الدین احمد صاحب

وکیل التعلیم تحریک جدید صدر انجمن احمدیہ ربوہ

خاکسار کے والد محترم حضرت صوفی غلام محمد صاحب کو رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں سے ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ کے والد صاحب (یعنی میرے دادا جان) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی رفقاء میں سے تھے اور ان کو یہ شرف حاصل ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 313 رفقاء کی جو فہرست ضمیمہ انجام آتھم میں تحریر فرمائی اس میں آپ کا نام بھی تیسرے نمبر پر ''میاں محمد الدین پٹواری بلانی تحصیل کھاریاں ضلع گجرات'' درج ہے۔ بیعت کے وقت آپ پٹواری تھے بعدۂ ترقی کر کے گرداور قانو گو اور واصل باقی نویس ہو گئے۔ 1929ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد زندگی وقف کر کے ہجرت کر کے قادیان آ بسے۔ حضرت المصلح الموعودؓ آپ کو حضرت منشی محمد الدین صاحب واصلباقی کے نام سے پکارتے اور اسی نام سے آپ کا نام احمدیہ لٹریچر میں مذکور ہے۔

آپ کی یہ خوش بختی ہے کہ 313 درویشان قادیان میں بھی آپ کو شمولیت کی توفیق ملی اور اس کی فہرست میں آپ کا نام نمبر 1 پر درج ہے۔ 313 رفقاء میں سے آپ واحد ہیں جن کو 313 درویشان میں سے ہونے کی بھی اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا فرمائی الحمدللہ۔

میرے دادا جان نے میرے والد صاحب (حضرت صوفی غلام محمد صاحب) کو بہت چھوٹی عمر میں 1902ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے قادیان بھجوا دیا اور اس طرح میرے والد صاحب کو حضرت مسیح موعودؑ کی صحبت میں رہنے کی سعادت ملی اور رفقاء میں شامل ہوئے۔

آپ خلافت ثانیہ کے ابتدائی واقفین زندگی میں تھے۔ 1916ء میں زندگی وقف کی اور تادمِ آخر 1985ء تک 70 سال اللہ تعالیٰ نے آپ کو خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائی۔ الحمدللہ

خلافت رابعہ میں آپ کا ناظر بیت المال (خرچ) کے علاوہ ناظر اعلیٰ (ثانی) کے طور پر بھی تقرر ہوا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

والد محترم کے بعض ایمان افروز واقعات

تحریک شدھی

1923ء میں ملکانہ میں شدھی کی تحریک کے وقت آپ کو بطور مبلغ کام کرنے کی توفیق عطا ہوئی، حضرت ملک غلام فرید صاحب اور مکرم محترم صوفی محمد ابراہیم صاحب وغیرہ آپ کے ساتھی تھے اور حضرت چوہدری فتح محمد سیال صاحب رئیس المبلغین تھے۔ جب کبھی بھی یہ دوست مکرم والد صاحب کے ساتھ اکٹھے ہوکر پرانی یادیں تازہ کرتے تو ملکانہ کا ایک واقعہ محترم والد صاحب سے اکثر سنانے کی فرمائش کرتے جو یہ ہے کہ، ایٹا کے ضلع میں ایک نامی گرامی پہلوان تھا اُس نے یہ چیلنج دیا کہ ہم تب احمدیوں/مسلمانوں کو سچا سمجھیں گے کہ کوئی مولوی میرے ساتھ کشتی کر کے جیت جائے۔ حضرت ملک غلام فرید صاحب وغیرہ نے محترم والد صاحب سے کہا یار! تم بہت مگدر پھیرتے رہتے ہو اور باقاعدہ ورزش کرتے ہو تم اس پہلوان سے کشتی لڑو۔ والد صاحب محترم نے کہا کہ بھائی! ٹھیک ہے میں ورزش تو کرتا ہوں لیکن میں پہلوان تو نہیں ہوں۔ بہر حال دینی غیرت کی خاطر آپ رضامند ہو گئے اور پہلوان کا چیلنج قبول کر لیا۔ بڑے میدان میں کثیر تعداد جمع ہو کر کشتی دیکھنے کے لئے آ گئی اور پہلوان نے 'جانگیا' پہنے تیل لگے ہوئے جسم کے ساتھ میدان میں بڑے فخر وغرور کے ساتھ چکر لگانا شروع کیا اور پہلوانوں کے مخصوص طریق پر فاتح ہونے کا نعرہ لگاتے ہوئے میرے والد محترم کی طرف یکدم لپکا۔ محترم والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ الحمد شریف کا ورد کرتے ہوئے اور لاحول پڑھتے ہوئے، جونہی پہلوان میری طرف لپکا، میں نے اُس کی گردن پر ایک زوردار ''ڈنڈا'' مارا اور وہ نیچے گر گیا۔ میں نے جھٹ اُسے قابو کیا اور چند سیکنڈ میں ہی اُسے دوشانوں چت کر دیا۔ پبلک نے زور زور سے پہلوان کو کہا اوئے! تو نے ہمارے کئی بکرے کھائے اور دودھ دہی کی بالٹیاں اور کنالیاں پی گئے اور حال تمہارا یہ ہے کہ تم ایک ''ملوئی'' (مولوی) سے ہار گئے ہو۔ اس پر پہلوان کہنے لگا خدا کی قسم! یہ ''ملوئی'' نہیں پہلوان ہے۔ احمدی مبلغین خدا کا شکر کرتے ہوئے بخوشی واپس آ گئے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے خاص فضل سے ایک واقف زندگی کو فتح عطا فرمائی۔ اور ہمارا بول بالا ہوا۔

پارٹیشن کے وقت خدمت کی توفیق

میرے والد صاحب (حضرت صوفی غلام محمد صاحب) کا ایک اور ایمان افروز واقعہ یہ ہے کہ جب

پارٹیشن کا اعلان ہوا تو اردگرد سے شر پسندوں نے قادیان پر چڑھائی کر دی اور ہمارے گنتی کے چند مجاہد دارالمسیح میں مقید ہو گئے۔ جس وقت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس امیر مقامی قادیان تھے آپ کے نائب میرے والد صاحب محترم تھے۔ ایک احمدی واویلا کرتا ہوا آیا کہ شر پسند میرے مکان پر ہلہ بول کر میری دولڑکیوں کو اغوا کر کے لے گئے ہیں۔ محترم شمس صاحب نے میرے والد صاحب کو ہمراہ لیا اور ڈیوٹی مجسٹریٹ سوہندی صاحب کو ساتھ لے کر اُس شخص کے گھر کی طرف روانہ ہوئے جو محلہ دارالفتوح میں تھا۔ اُس وقت کرفیو کی وجہ سے سپاہی ڈیوٹی دے رہے تھے۔ جونہی آپ اُس گلی کے سامنے پہنچے، جو دارالصناعۃ والی تھی، تو کونے پر ڈیوٹی پر متعین سپاہی نے اپنی بندوق ان کی طرف تان لی۔ مجسٹریٹ نے اونچی اونچی کہا کیا کر رہے ہو میں مجسٹریٹ سوہندی ہوں اس پر اُس نے بندوق نیچے کر لی۔ لیکن جونہی آپ وہاں سے گزرنے لگے اُس نے جھٹ میرے والد صاحب کے پیٹ پر بندوق کی نالی رکھ دی اور کہنے لگا اس میں اسلحہ ہے۔ والد صاحب محترم کہتے ہیں کہ میں نے الحمد شریف کا ورد شروع کیا، تھوڑے عرصہ بعد سپاہی نے بندوق ہٹالی اور ان کو گزرنے دیا اور خدا تعالیٰ کے فضل سے دونوں لڑکیاں برآمد بھی ہو گئیں۔ یہ ایک واقف زندگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خاص سلوک اور اس کے فضل کی ایک مثال ہے۔ اس واقعہ کا ذکر حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس نے کیا جس پر والد صاحب نے ہمیں یہ واقعہ سنایا۔

بطور استاد تعلیم الاسلام ہائی سکول

محترم والد صاحب (حضرت صوفی غلام محمد صاحب بی ایس سی۔ بی ٹی) تعلیم الاسلام ہائی سکول میں ٹیچر تھے اور وہاں سے 1955ء میں ریٹائر ہوئے۔ قادیان میں ہی انکا گریڈ ختم ہو چکا تھا اور پارٹیشن کے بعد اُسی الاؤنس پر ہی پنشن پر ریٹائرڈ ہوئے اس لئے معمولی پنشن بنی۔ مزید برآں قادیان میں ضیاء الاسلام پریس سے قریب دارالانوار کی طرف آپ کا ایک ٹکڑا زمین کا تھا جس پر مکان بنانے کے لئے صدر انجمن احمدیہ سے قرضہ حاصل کیا۔ لیکن ابھی دروازوں کھڑکیوں کے لئے لکڑی لے کر پریس کے ایک حصہ میں رکھی تھی اور اینٹیں وغیرہ بھی منگوالی تھیں کہ پارٹیشن کا اعلان ہو گیا اور یہ سب سامان اُسی طرح وہاں پڑا رہا۔ اس قرضہ مکان کی قسط ابھی جاری تھی کہ آپ کی پنشن ہو گئی اور بقیہ رقم قرضہ آپ کے پراویڈنٹ فنڈ سے وضع ہو کر باقی چھ سات سو روپے ملے۔ جس سے جلد ہی ایک بیٹی کی شادی کا انتظام اللہ تعالیٰ نے کر دیا۔ ریٹائر ہوتے ہی محترم والد صاحب نے حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمت میں تحریر کیا کہ حضور!

مجھے سکول سے ریٹائر کر دیا گیا ہے لیکن میں تو واقف زندگی ہوں اب حضور انور کا میرے متعلق کیا حکم ہے۔اس کے جواب میں پانچ چھ ماہ کوئی ہدایت نہ ملی۔ میں اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور ایم اے فائنل کا سٹوڈنٹ تھا۔ میری کم عمری کی وجہ سے مجھے خوف ہوا کہ والد صاحب ریٹائر ہو گئے اس لئے میں جنوری میں ہی ہوسٹل سے فارغ ہو کر اپنے گھر آ گیا اور مجھے ہر ماہ ملنے والے وظیفہ کی رقم میں والد صاحب کو دے دیتا۔ پانچ چھ ماہ یہ سلسلہ جاری رہا اور گھر کا خرچ بمشکل چل رہا تھا کیونکہ صرف دو بیٹیاں ہی بیاہی گئی تھیں باقی سب پڑھ رہی تھیں۔اس دوران آپ کو کئی طرف سے کام کرنے کے لئے آفرز بھی ہوئیں لیکن آپ یہی کہتے کہ میں تو واقف زندگی ہوں جو حضور فرمائیں گے وہی کروں گا۔ایک روز میں نے عرض کیا کہ حضور کی خدمت میں ایک دفعہ پھر لکھ دیں،فرمانے لگے خلیفہ وقت کو صرف ایک دفعہ عرض کرنا کافی ہے دوبارہ نہیں کرنا چاہیے۔

صدر انجمن میں خدمت کی توفیق

آخر جب 5۔6 ماہ گزر گئے اور میں نے امتحان دینے کے لئے لاہور جانا تھا،تو خاکسار سے مکرم صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب (وکیل اعلیٰ) نے فرمایا میں نے حضور کی خدمت میں لکھا تھا کہ مکرم صوفی غلام محمد صاحب تحریک جدید کو دے دیئے جاویں تو حضور نے فرمایا کہ میں تو ان کو بیت المال میں لگا چکا ہوں۔تم پرائیوٹ سیکرٹری سے پتہ کرلو۔ میں محترم مولانا عبدالرحمن صاحب انور پرائیوٹ سیکرٹری سے ملا انہوں نے فرمایا کہ ہاں بیت المال میں لگانے کی ہدایت صدر انجمن احمدیہ کو کب کی جا چکی ہے، میں نے اُس کی نقل کے لئے عرض کیا۔حضرت المصلح الموعودؓ نے ارشاد فرمایا تھا بیت المال میں نائب لگائے جائیں اور اگر اچھے ثابت ہوں تو ایڈیشنل لگائے جائیں۔ میں نے پھر انجمن سے پتہ کیا تو حضور کے ارشاد کے مطابق محترم والد صاحب کو ڈیوٹی پر لگا دیا گیا۔اس صبر وتحمل اور کوئی مطالبہ نہ کرنا (جو کہ واقف زندگی کی بنیادی شرط ہے) اور محض اللہ تعالیٰ پر توکل،اللہ تعالیٰ کو اس قدر پسند آیا کہ اپنے اس واقف زندگی بندے کو جو محض ایک سکول ٹیچر ریٹائر ہوا نائب ناظر بیت المال بعدہٗ ایڈیشنل ناظر بیت المال (آمد) اور پہلا ناظر بیت المال خرچ (جس پر تا حیات رہے) اور پھر ناظر اعلیٰ (ثانی) کے صف اوّل کے خدمتگار کے طور پر دین اور سلسلہ کی خدمت کی توفیق عطا فرمائی۔ اس واقعہ میں ایک واقف زندگی سے (جو وقف کی شرائط پوری کرے) اللہ تعالیٰ کا خاص سلوک اور فضل روشن ہوتا ہے۔

چنیوٹ میں قیام

آخر 1947ء میں ہم نئے نئے چنیوٹ آئے۔ جہاں تعلیم الاسلام ہائی سکول کا دوبارہ اجراء ہوا تھا۔ لاہور جودھامل بلڈنگ اور رتن باغ کے لئے گندم بھجوانے کی ہدایت پر مکرم والد صاحب کی یہ ڈیوٹی لگی۔ لاہور روڈ پر نومیل کے فاصلہ پر ہرسہ شیخ کے بعد 3 میل آگے دولووالہ کے اڈہ سے کوئی 2۔3 میل پیدل جا کر گھبر کا گاؤں میں ننگل کے احمدی تھے جن کے ذریعہ گندم لینے کا طے کیا گیا۔ والد صاحب نے خاکسار کو ہمراہ لیا اور ٹانگہ پر دولووالہ گئے اور پھر گھبر کا۔ متعلقہ دوست کہیں گئے ہوئے تھے، انتظار کیا بالآخر وہ آ گئے اور کچھ گندم بھجوانے کا وعدہ کیا جس کی رقم پیشگی وصول کر لی اور باقی رقم لے کر ہم واپس نکلے۔ عصر کا وقت ہو چکا تھا دولووالہ آئے تو کوئی ٹانگہ نہ تھا شام ہونے کے خوف سے ہرسہ شیخ کی طرف پیدل چل پڑے اور تیز قدمی سے وہاں اُس وقت پہنچے جب کہ سورج غروب ہوئے کوئی نصف گھنٹہ ہو چکا تھا۔ والد صاحب مجھے بھی کہتے جاتے تھے دعا کرو اور خود بھی دعا کر رہے تھے۔ اچانک ایک ٹانگے والا چنیوٹ کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے بھیج دیا اور اُس پر سوار ہو کر ہم چنیوٹ روانہ ہوئے۔ ٹانگے والا بار بار کہتا تھا میاں جی! اللہ میاں مجھے صرف آپ کے لئے لے آیا ہے ورنہ اس وقت ہم ادھر نہیں آتے خواہ کچھ ہو، دعا کریں خیریت سے چنیوٹ پہنچ جائیں۔ بالآخر الحمد للہ ہم رات گئے چنیوٹ پہنچ گئے اور سکھ کا سانس لیا۔ گھر پہنچ کر والد صاحب نے مجھے فرمایا کہ مجھے بہت فکر تھی کیونکہ سلسلہ کی ایک بڑی رقم تین ہزار روپے میری جیب میں تھی (جو اُس وقت کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی) یہ واقعہ ایک واقف زندگی خادم سلسلہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے خاص سلوک اور فضل کا مظہر ہے۔

ذاتی واقعات مبارک مصلح الدین احمد

محترم بھائی افتخار احمد ایاز صاحب کے اصرار پر اپنے بھی چند واقعات بیان کر دیتا ہوں:

زندگی وقف کرنے کی سعادت

ایک میرا ذاتی ایمان افروز واقعہ پیش ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا ایک واقف زندگی سے دوسروں کی نسبت خاص سلوک کا پتہ چلتا ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ خاکسار آٹھ بہنوں کا اکیلا بھائی ہے۔ والدین نے میری پیدائش (1934ء) سے قبل ہی ''وقف اولاد'' کے تحت مجھے وقف کر دیا۔ پھر

1944ء میں جب تحریک جدید کے دور ثانی میں حضرت المصلح الموعودؓ نے وقف زندگی کی تحریک فرمائی تو خاکسار کو ذاتی طور پر زندگی وقف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ محض اللہ تعالیٰ کے خاص فضل سے خاکسار کو گزشتہ 54 سال سے خدمت دین وسلسلہ کی سعادت حاصل ہورہی ہے۔ **الحمدللہ علیٰ ذالک۔**

وقف زندگی کی برکات

1964ء کی بات ہے مجھے سلسلہ کا ایک ضروری کام سرانجام دینے کے لئے راولپنڈی بھجوایا گیا۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کا ایک ''اولڈ بوائے'' جو کراچی بھی میرے ساتھ تعلق رکھتا تھا، کئی سال سے راولپنڈی چلے جانے پر اُس سے ملنے کا موقع نہ ملا۔ مجھے خیال آیا کہ رات اُس کے پاس رہ کر اگلے روز صبح صبح سیکریٹریٹ متعلقہ کام کے لئے جایا جائے۔ رات کو کھانے کے وقت اُس نے یہ گفتگو چھیڑ دی کہ واقفین زندگی کو گزارہ کے لئے بہت کم الاؤنس دیتے ہیں اور مجھ سے پوچھنے لگا کہ اس وقت تمہیں کیا الاؤنس مل رہا ہے جب کہ تم ایم اے (ریاضی) اور نائب وکیل ہو۔ میں سمجھ گیا کہ وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سوسائٹی ایسی ہوگئی جس نے ایسا تأثر دیا ہے کہ واقف زندگی بڑی مشکل سے زندگی گزارتا ہے اور اس کا الاؤنس بہت معمولی ہے جب کہ جماعت کے پاس کافی چندہ آجاتا ہے۔ میں نے اُس سے کہا تم جو تنخواہ لیتے ہو اُس سے میرا الاؤنس پچاس ساٹھ گنا زیادہ ہے اور تم سے بہت بہتر زندگی میں گزار رہا ہوں جب کہ تم ایک اچھے سرکاری عہدہ پر سیکرٹریٹ میں کام کررہے ہو۔ وہ ہنس کر کہنے لگا یہ کیسے ہوسکتا ہے آپ تو ''دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔'' والی بات کررہے ہیں۔ میں نے اس سے کہا نہیں، یہ واقعی حقیقت ہے۔ اُس نے کہا میں یہ نہیں مان سکتا، مجھے علم ہے کہ آپ کا الاؤنس میری تنخواہ سے کہیں کم ہے۔ میں نے بعض مثالیں دیں مثلاً کسی کو ضروری کام سے ملنے جانا ہے جب بس لینے کے لئے اڈہ کی طرف جارہے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو سامنے آتا ہوا دکھائی دے دیا اور سفر کی کوفت اور اخراجات سے بچ گئے اور یہیں پر کام ہوگیا۔ ایسے اللہ تعالیٰ کے سلوک کے بیشمار واقعات ہیں جس سے کہ واقفِ زندگی کے اخراجات میں کمی ہوتی ہے۔ ایک بات اور اُس سے یہ کہی کہ تمہارا جو کام 200 روپے میں ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے واقف زندگی کا 5 روپے میں ہوجاتا ہے گویا تمہاری جیب میں جو 5 روپے کا نوٹ ہوتا ہے اس کی Potential Value 5 روپے ہی ہے جب کہ ایک واقف زندگی کی جیب میں وہی 5 کا نوٹ 300 روپے کی Potential Value رکھتا ہے۔ مثلاً تمہارا بچہ بیمار ہوتا ہے سخت پریشانی ہوتی ہے، ڈاکٹروں کے پاس جارہے ہیں وہ کئی

ٹیسٹ کروانے کا کہتا ہے پھر وہ دوائی دیتا ہے اور تمہارا 300 روپے کے قریب لگ جاتا ہے دوسری طرف ایک واقف زندگی کا بچہ بیمار ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کرتا ہے مولیٰ تو جانتا ہے کہ میری جیب میں تو اس وقت صرف پانچ روپے ہی ہیں تو ہم پر رحم فرما اور اس بچے کو شفا عطا فرما۔ اور پھر اس بچے کو شہد، چینی قہوہ، جوشاندہ، ملٹھیا چورن وغیرہ دیتا ہے، اور اللہ تعالیٰ خاص فضل فرماتے ہوئے اسے شفا عطا فرما دیتا ہے اس طرح جو دوسروں کا علاج 300 روپے میں ہوتا ہے اس کا علاج 5 روپے سے بھی کم میں ہو جاتا ہے۔ تو پھر بتاؤ ایک واقف زندگی کا جو الاؤنس تم سمجھتے ہو کیا وہ اس سے 60 گنا زیادہ نہیں جو غیر واقف زندگی تنخواہ لے رہا ہے۔ خیر وہ مزید بات کئے سو گیا۔ صبح ناشتہ پر پھر اس نے یہ بات چھیڑ دی۔ میں نے کہا یار! کیا تمہاری ابھی تک تسلی نہیں ہوئی چلو ناشتہ کر کے سیکرٹریٹ جانے کے لئے نکلتے ہیں اور راستہ میں مزید گفتگو کر لیں گے۔ ہم نے چکلالہ سے سیکرٹریٹ نمبر II جانا تھا باہر نکلے تو اُس نے کہا ٹیکسی لے لیں میں نے کہا جب تک نہیں ملتی ہم چلتے جاتے ہیں۔ اُس نے سوٹ پہنا ہوا تھا اور میں نے ایک عام سفید بشرٹ اور پینٹ پہنی ہوئی تھی, اس کا ہینڈ بیگ بہت اعلیٰ تھا میرا غریبانہ۔ کچھ دور گئے تو ایک بڑی گاڑی جس کے ایک طرف جھنڈا لہرانے کا ڈنڈا تھا اُس کے باوردی ڈرائیور نے گاڑی بہت آہستہ کرتے ہوئے ہمارے قریب آ کر دروازہ کھولا اور مجھے مخاطب ہو کر کہنے لگا ''صاحب! آپ نے سیکریٹریٹ نمبر II جانا ہے'' میں نے کہا جی، وہ کہنے لگا صاحب! ہم سیکریٹریٹ II والوں کو دور سے پہنچانتے ہیں اور ہمیں بٹھا لیا۔ میں نے اس سے پوچھا یہ کس کی گاڑی ہے تو کہنے لگا لفٹیننٹ جنرل اے کے شیخ کی (جو اُس وقت جنرل ایوب خاں صاحب کی کابینہ میں منسٹر تھے) اور پھر ہم سیکریٹیریٹ نمبر II میں فر فر کرتے ہوئے اندر چلے گئے۔ میں نے ڈرائیور کا شکریہ ادا کیا اور اُس کے جانے کے بعد میں نے اپنے ساتھی سے کہا بتاؤ تم روز سیکریٹیریٹ نمبر II آتے ہو جب کہ میں پہلی دفعہ آیا ہوں اس کو کیسے علم ہو گیا کہ میں نے سیکریٹیریٹ نمبر II جانا ہے، تمہیں یہ نہیں پوچھتا بلکہ مجھے پوچھتا ہے۔ یہ محض اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں ڈالا ہے۔ پھر ٹیکسی کے 16-17 روپے بھی میرے وجہ سے بچ گئے پھر گیٹ پر مجھ سے یہ پوچھنا تھا کن صاحب سے ملنا ہے اور اندر فون کر کے اجازت لے کر رجسٹر پر کوائف لکھ کر اندر جانے کا اجازت نامہ دینا تھا واپس آ کر پھر نوٹ کروانا تھا کہ اتنے بجے میں باہر آ گیا ہوں۔ اس سارے جھمیلے سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا اور ایک منسٹر کی گاڑی میں ایک واقف زندگی کو اندر پہنچا دیا۔ کیا اب بھی تم کو سمجھ آئی کہ نہیں کہ واقف زندگی سے اللہ تعالیٰ کا سلوک خاص ہوتا ہے۔ کہنے لگا

CHANCE ہو گیا ہے میں نے کہا جسے تم CHANCE کہتے ہو ہم اسے الٰہی تصرف کہتے ہیں اور ہم روزمرہ ایسے تصرفات الٰہیہ پر اُس کا سجدہ شکر ادا کرتے ہیں اور اس بناء پر ایک واقف زندگی کو جو اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے وہ غیر واقف زندگی کو کم ہی حاصل ہوتا ہے الحمدللہ۔

ھدایات کے مطابق کام کی توفیق

قریباً 50 سال قبل جنوری 1958ء کی بات ہے خاکسار (واقف زندگی) کی ڈیوٹی حضرت المصلح الموعودؓ نے ایک ایسے ادارے میں لگائی جس میں حضورؓ اور سلسلہ کے اموال کی حفاظت اور اس پر نگاہ رکھنے کے لئے مجھے ہدایات دیں اور یہ امر کھول کر بتایا کہ گو جو موقعہ پر سب سے بڑا افسر ہے وہ احمدی ہے لیکن وہ اپنے علاقے کے غیر از جماعت لوگوں کو ملازمت دے کر اپنے مطلب نکالے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اُس افسر اعلیٰ نے نہ صرف اپنے علاقہ کے لوگوں کو لگایا بلکہ ان کا منتظم اعلیٰ بھی اپنے علاقہ کا ایک نہایت معاند سلسلہ ،جس کا اندرونہ ہمارے خلاف بغض وعناد سے بھرا ہوا تھا، کو لگا دیا اور مجھے عہدہ کے لحاظ سے اُس کا نائب لگا دیا۔ میں نے چونکہ جماعت کے مفاد کی دیکھ بھال کرنی تھی اس لئے مجھ سے وہ ہر کام کو خفیہ رکھتے تھے۔ تاہم اللہ تعالیٰ ایسے تصرف فرماتا رہا کہ بہت سے امور کا مجھے علم ہو جاتا۔ اس کی ایک مثال پیش کرتا ہوں:

ایک موقعہ پر حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ نے وہاں آنا تھا اور مجھے ان کو ادارے کے کام کی صورت حال کی رپورٹ دینا تھی۔ لیکن کوئی معلومات حاصل نہ ہو رہی تھیں۔ حضرت میاں صاحب کے آنے سے دو دن قبل منتظم اعلیٰ نے بڑی لجاجت سے مجھ سے کہا بھائی مبارک! ایک درخواست ہے براہ کرم اس کو قبول کرلیں مجھ پر احسان ہوگا۔ میں بڑا حیران آج اس طرح لجاجت سے بات ہو رہی ہے، مجھے شک گزرا کہ کسی بات میں یہ مجھے TRAP کرنا چاہتے ہیں۔ بہر حال میں نے کہا فرمایئے! کہنے لگے میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور بینک میں رقم جمع کروانی ہے بڑی رقم ہے (قریباً 6 لاکھ روپے) ذرا تکلیف کر کے یہ رقم جمع کروا آئیں بڑی مہربانی ہوگی۔ پہلے مجھے فکر ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے تسلی دلائی کہ کوئی حرج نہیں اور میرے ذہن میں اپنا یہ قول ڈالا کہ: عین ممکن ہے ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اس میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بہتری کے سامان رکھے ہوں۔ چنانچہ میں نے حامی بھر لی اور ادارہ کی کار منتظم اعلیٰ نے مجھے دی اور میں پچھلی سیٹ پر بیٹھ کر ڈرائیور کے ساتھ بینک روانہ ہو گیا۔ ابھی تھوڑی دور گیا تھا کہ مجھے میری گردن سے کوئی سخت چیز ٹکرائی، اُٹھا کر دیکھا تو یہ ایک اہم فائل تھی جس میں وہ تمام مطلوبہ معلومات تھیں

جن کا مجھے علم حاصل کرنا درکار تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار نے تین دفعہ اسے پڑھا اور وہ باتیں اور اعداد وشمار مجھے حفظ ہو گئے۔واپس آ کر میں نے جلدی جلدی اس کے نوٹس بنا لئے اور پھر ایک سوالنامہ تیار کیا اور حضرت میاں صاحب کو میں نے وہ دیا کہ یہ سوال آپ ترتیب سے ان لوگوں سے پوچھتے جائیں انشاءاللہ تمام معلومات آپ کو مل جائیں گی اور اگر کسی جگہ انہوں نے گڑ بڑ کی تو میں آپ کی فوراً مدد کروں گا۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب کو مطلوبہ تمام معلومات مل گئیں اور آپ کا دورہ نہایت کامیاب رہا۔اس واقعہ سے یہ بات عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ واقفِ زندگی خادمِ سلسلہ کی اپنے خاص تصرف کے ساتھ رہنمائی فرماتا اور اس کے رستے میں جو روکیں ہوتی ہیں ان کو دور کر کے اُسے کامیابی سے ہمکنار فرماتا ہے۔الحمدللہ

سلسلہ کے مفاد کا ہر حال میں خیال رکھنا

اسی ادارے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہمیشہ کسی نہ کسی طرح معلومات بروقت مہیا فرما دیتا اور میں حضرت المصلح الموعود کے ارشاد ''تعاون کے ساتھ کام کرنا اور سیکھنا ہے لیکن جہاں دیکھا سلسلہ کا مفاد خطرہ میں ہے پھر کسی کی پرواہ نہیں کرنی'' پر عمل کرتے ہوئے خاکسار ان کو سلسلہ کے مفاد کے خلاف کام کرنے کی ابتداء میں ہی روک دیتا۔ اس بناء پر یہ لوگ میرے اس قدر مخالف ہو گئے کہ مجھے قتل کی دھمکیاں دینے لگے۔ افسر اعلیٰ کا بیٹا بھی وہاں تھا اسے منتظم اعلیٰ نے میرے خلاف بہت بھڑکایا اور اس نے مجھے دھمکی دی کہ باز آ جاؤ ورنہ ڈیڑھ دولاکھ روپیہ ہی لگے گا نا تمہاری لاش بھی نہیں ملے گی۔ میری رہائش گاہ پر انہوں نے کافی آدمی لے کر مجھ پر حملہ کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے شر سے مجھے محفوظ رکھا۔اور پھر اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف فرمایا کہ میری ڈیوٹی ان کے کاموں کی رپورٹ اور مالی حسابات کے آڈٹ پر لگی اور حقائق سے ثبوت مہیا ہو گئے کہ انہوں نے بدعہدی اور بدمعاملگی کی ہے۔ بڑی میٹنگ میں مجھے بلا کر ان کا پول کھلوانے کا موقعہ اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اور یہ لوگ ادارہ سے فرار ہو گئے اور ان کا انجام یہ ہوا کہ خائب وخاسر ہو کر اس دنیا سے کوچ کر گئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک حقیر واقفِ زندگی غلام کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ اس کے بعد بھی لمبا عرصہ خدمتِ دین وسلسلہ کی توفیق دیتا چلا آ رہا ہے۔وَذَالِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے 1953ء میں خدمت کی توفیق ملنا

1953ء کی بات ہے خاکسار تعلیم الاسلام کالج لاہور میں بی ایس سی دوسرے سال کا طالبعلم

تھا۔ ہمارے خلاف فسادات شروع ہو گئے۔ ہماری ڈیوٹیاں مختلف جگہ جانے کی لگتی رہتیں۔ چار پانچ لڑکوں کا گروپ ہر ایک اڑھائی کا فٹ ڈنڈا لئے جاتے تھے کالج/ ہوسٹل کے سامنے سڑک کے دوسری طرف شر پسندوں کی PICKET تھی، درجنوں بیٹھے پتھر اور دیگر ہتھیار لئے۔ہم کالج کے گیٹ کے اوپر سے پھلانگ کر جاتے وہ شور ڈالتے جاتے پکڑو پکڑو مارڈالو، ہم ان کی طرف دیکھتے ہوئے چلتے جاتے۔ان کو جرأت نہ ہوتی کہ ہمارے قریب آویں، اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں خوف ڈالا ہوا تھا۔ایک روز ہم پانچ لڑکوں کو بھجوایا گیا اور جہاں ہم ڈیوٹی دینے گئے وہاں اس بلڈنگ پر شر پسندوں کے جلوس نے ہمارا گھراؤ کر لیا اور گیٹ جو لکڑی کا تھا اسے آگ لگا کر اندر کمپونڈ میں آنے لگے۔ ہماری حفاظت کے لئے چھت پر تین ڈیوٹی والے ہوائی فائر کرنے کے لئے 22 بور کی بندوقیں لئے لیٹے ہوئے تھے، باقی نہتے تھے، اوپر والا ایک خاکسار تھا۔جلوس نے شدید پتھراؤ کیا اور ایک سیڑھی ایسی تھی کہ وہ لوگ وہاں سے اوپر جا سکتے تھے۔ ہمارے انچارج بزرگ بھاگتے ہوئے اوپر آئے اور مجھے فرمانے لگے تم یہاں کیا کر رہے ہو؟ اور بندوق مجھ سے لے کر دوسرے لڑکے کو دے دی اور مجھے سیڑھیوں سے نیچے لا کر حکم دیا کہ یہ لاٹھی لے کر یہاں کھڑے ہو جاؤ تا کہ ادھر سے آنے والوں کو روک سکو۔ مجھ پر شدید پتھراؤ ہوتا میں اوٹ میں ہو کر بچا تا اور دل میں خیال گزرا کہ ان بزرگوں نے مجھے اچھی جگہ سے نکال کر مشکل جگہ لا کھڑا کیا ہے۔ بہر حال جب ان لوگوں نے ہلہ بول دیا تو چھت والوں نے حفاظتی ہوائی فائر کئے اور نیچے بھی دو ڈیوٹی پر تھے انہوں نے بھی حفاظتی فائر کئے۔اس کے نتیجہ میں وہ سب لوگ بھاگ گئے۔ کچھ دیر کے بعد فوج کے نوجوان آ گئے انہوں نے ہمیں راشن دیا اور پھر ہمیں بتایا کہ مارشل لاء لگ چکا ہے تمہارے پاس جو بھی اسلحہ ہے ہمیں دے دو۔ کچھ کارروائی کے بعد جتنے بندوق والے تھے ان کو قید کر لیا اور خاکسار کو مع دو جونیئر لڑکوں کے کچھ نہ کہا۔ 4، 5 دن کے بعد فسادات پر کنٹرول ہو جانے پر ہم تینوں کو جانے کی اجازت دے دی اور ہم کالج ہوسٹل چلے گئے۔ باقی لوگوں کو حراست میں لے کر ان پر مقدمہ چلا اور کئی ماہ کی قید کے بعد یہ لوگ بری ہوئے۔ جو قابل ذکر خاص بات ہے وہ یہ ہے کہ ان سب میں خاکسار اکیلا واقفِ زندگی تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص تصرف سے مجھے وہاں سے نجات دی اور خاکسار نے تھوڑے ہی عرصہ کے بعد بی ایس سی فائنل کے امتحان میں بیٹھنے کی توفیق پائی جس کے بعد حضرت المصلح الموعودؓ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضورؓ نے مجھے وکالتِ دیوان میں ڈیوٹی پر لگایا اور اس طرح 1953ء سے خاکسار کو خدمت سلسلہ کی بطور

واقفِ زندگی توفیق مل رہی ہے، الحمدللہ۔ سال بعد حضورؓ نے خاکسار کو ایم اے (ریاضی) کرنے کا ارشاد فرمایا اور 1956ء میں خاکسار کو اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ پوزیشن کے ساتھ کامیابی عطا فرمائی۔ مجھے کیمبرج یونیورسٹی جاکر پی ایچ ڈی کرنے کے لئے میریٹ سکالرشپ کی آفر ملی۔ وکالت کی طرف سے حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحبؒ پرنسپل تعلیم الاسلام کالج سے رائے لینے پر حضرت میاں صاحب نے اسے avail کرنے کی پرزور سفارش کی لیکن حضور نے فرمایا جتنی تعلیم ہمارے کام کے لئے چاہئے تھی وہ ہوگئی ہے اور خاکسار کو دفاتر میں ہی کام کرنے کا ارشاد فرمایا اور بطور نائب وکیل خدمت لینے کا احسان فرمایا اور پھر نومبر 1971ء سے اللہ تعالیٰ خاکسار کو بطور وکیل کے خدمت لینے کا احسان فرماتا چلا آرہا ہے۔ یہ واقعہ اس بات کا غماز ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ ایک واقفِ زندگی کے ساتھ خاص سلوک فرماتے ہوئے، اُسے ہر مشکل سے نجات دیتے ہوئے پھر خدمتِ دین کی توفیق عطا فرماتا چلا جاتا ہے۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

محترم مولانا سلطان محمود صاحب انور

ناظر صدر انجمن احمدیہ پاکستان۔ربوہ

خاکسار کا نام سلطان محمود ولد چوہدری محمد دین صاحب قوم گجر ساکن کھاریاں ضلع گجرات ہے خاکسار کی والدہ محترمہ کا نام رحمت بی بی ہے ۔خاکسار 11 مارچ 1932ء کو بروز جمعہ صبح کے وقت پیدا ہوا۔خاکسار والدین کا اکلوتا بیٹا ہے البتہ چار بہنیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں جن میں سے دو چھوٹی عمر میں وفات پا گئیں چاروں میں سے بڑی بہن کی 1955ء میں وفات ہوئی اور خاکسار کی ایک بہن جو عمر میں مجھ سے تقریباً 16,15 سال بڑی ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے زندہ ہیں اور کھاریاں میں قیام پذیر ہیں۔خاکسار کی والدہ محترمہ کی 1957 میں وفات ہوئی اور محترم والد صاحب 1967 میں فوت ہوئے اور والد صاحب ربوہ بہشتی مقبرہ میں مدفون ہیں خاکسار کی ابتدائی تعلیم چھٹی کلاس تک خالصہ سکول گلیانہ روڈ کھاریاں میں ہوئی جس کے بعد گورنمنٹ ہائی سکول میں ساتویں کلاس میں پڑھائی شروع کی اور خاکسار اپنی کلاس میں شروع سے چوٹی کے طالب علموں میں ہمیشہ رہا ہے لیکن نویں جماعت میں پہنچ کر اپنے شفیق اساتذہ کی توقع کے عین خلاف فیل ہو گیا اس کے پس پردہ کیا حکمت الٰہی نہاں تھی اس کی تفصیل آگے چل کر بیان کی جائے گی۔

ابتدائی تعلیم

قرآن کریم کی ابتدائی تعلیم اولاً غیر احمدی گھرانے میں ایک بزرگ خاتون کے ذریعہ حاصل کی جو سادہ قرآن شریف پڑھاتی تھیں لیکن ترجمہ سے ناواقف تھیں راج بی بی موصوفہ کا نام تھا۔کچھ عرصہ کے بعد کھاریاں میں مرکز قادیان سے ایک معلم صاحب نامزد ہو کر آئے جن کا اسم گرامی محترم مولوی غلام حیدر صاحب تھا۔

مجھے جہاں تک یاد ہے پانچویں یا چھٹی جماعت کا میں اس وقت طالب علم ہوں گا گرمیوں کی چھٹیوں

میں بخار ہو گیا۔ ملیریا بخار رہا جو بڑھتے بڑھتے ٹائیفائیڈ میں تبدیل ہو گیا جو ڈاکٹری کوششیں تھیں وہ تو ہو رہی تھیں اور ہو گئیں لیکن بخار جان نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اس کے بعد ایک ایسا وقت آیا کہ میں بستر پر سکتے میں چلا گیا۔ نہ حرکت، نہ کھانا پینا، نہ آنکھ کھولنا اور دیکھنے والا کہہ سکتا تھا کہ شاید یہ ڈیڈ باڈی پڑی ہے۔ میرے والد صاحب سیدنا حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں اس کیفیت سے پریشان ہو کر روزانہ ایک پوسٹ کارڈ لکھ رہے تھے اور اس طرف سے بھی روزانہ سیکرٹری صاحب کے دستخط سے جواب آ رہا تھا کہ حضور نے خط ملاحظہ فرمایا اور آپ کے بیٹے کے لئے دعا کی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے صحت و عافیت بخشے۔ یہ کیفیت چل رہی تھی اور پورے اکیس دن میں ڈیڈ باڈی کے طور پر پڑا رہا۔ نہ کچھ کھایا، نہ کچھ پیا، نہ ہلنا نہ جلنا اور نہ آنکھ کھولی اور سارے رشتے دار جو جماعت سے باہر تھے ان میں سے اکثر کہنے لگے کہ ''بس ہُن مُنڈا گیا'' اور والد صاحب حضور کی خدمت میں مسلسل دعا کی غرض سے لکھ رہے تھے اور حضور کی طرف سے تسلی کا جواب بھی آ رہا تھا اس لئے والد صاحب کو پورا یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں صحت یاب ضرور ہوں گا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اور پیارے آقا کی دعا کو قبول کرتے ہوئے مجھے صحت بخشی اور پورے اکیس دن بعد جب میں نے آنکھ کھولی تو یوں محسوس ہوا کہ میں کل شام کو سویا تھا اور اب صبح اٹھ گیا ہوں۔ پھر مجھے بتایا گیا کہ اکیس دن تک تم اسی طرح پڑے رہے ہو۔ گویا کہ سوئے رہے ہو اور نہ کوئی حرکت کی اور نہ کچھ کھایا پیا اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے شفا عطا کی۔

حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی شفقت

آپ کی پیشگوئی جس کا مجھے سب سے پہلے تجربہ ہوا کہ اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار کے حوالے سے آپ کی ذات کا بابرکت نمونہ دکھایا اور بہت زیادہ چرچا ہوا میرے گاؤں میں۔ کھاریاں میرا گاؤں تھا۔ وہاں کا میں رہنے والا ہوں۔ یہ لوگ بہت حیران تھے کہ یہ کس طرح ہو گیا۔ بہر حال اس کے بعد میرے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ انتظام کیا کہ مجھے زندگی وقف کرنی چاہیے۔ وہ ایسے ہوا، 1942ء کا دور تھا۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طرف حکومت کو توجہ دلائی کہ ہم ایک احمدیہ کمپنی جنگ کے لیے آپ کو دینا چاہتے ہیں۔ اس وقت ورلڈ وار چل رہی تھی اور اس کے پیش نظر حضور نے ایک وفد قائم فرمایا جو کہ مختلف جماعتوں

میں جا کر نوجوانوں کی بھرتی کر رہا تھا۔اس وفد کے سربراہ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ ایک دن کھاریاں بھی تشریف لے آئے اوران کے ساتھ مولانا احمد خان صاحب نسیم اور محترم مولانا عبدالعزیز بھامبڑی صاحب یہ دونوں نمائندے ساتھ تھے۔کھاریاں میں اعلان ہوگیا کہ بھرتی کے لئے دارلضیافت میں اکھٹے ہوجائیں۔کھاریاں میں جماعت کی ایک عمارت ہے،اُس کا نام دارالضیافت تھا۔وہاں دوست اکھٹے ہوگئے تو میں بھی چلا گیا۔میری عمر اس وقت دس سال کی تھی۔نوجوان جب لائن میں کھڑے ہوگئے تو میں بھی کھڑا ہوگیا۔یہ مجھے یاد نہیں کہ شاید مولانا احمد خان صاحب یا عبدالعزیز بھامبڑی صاحب دونوں میں سے کسی ایک کی جو مجھ پر نظر پڑی تو مجھ کو پکڑ کر لائن سے باہر نکال دیا کہ تم تو ابھی چھوٹے ہو،بھرتی نہیں ہوسکتے۔اس پر میں نے رونا چیخنا شروع کر دیا اوراتنا رویا اور چلایا کہ صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحب رضی اللہ عنہ کمرے میں بیٹھے تھے اٹھے اور باہر تشریف لائے اورحاضرین سے پوچھا۔یہ بچہ کیوں رورہا ہے تو حضرت میاں صاحب کو بتایا گیا کہ بچہ بھرتی ہونے کے لئے لائن میں کھڑا تھا مگر اس کو لائن سے باہر نکال دیا گیا کہ اس کی عمر ابھی چھوٹی ہے اس لیے اس نے رونا شروع کر دیا ہے۔اس پر حضرت میاں صاحب نے خاکسار کو اپنی بغل میں لے لیا خاکسار کے آنسو پونچھتے رہے اور نہایت شفقت اور پیار سے فرمایا کہ بیٹا آپ روئیں نہ!میں انشاء اللہ قادیان واپس جالوں تو ہم آپ کو بھرتی بھی کریں گے پڑھائیں گے بھی اور تنخواہ بھی دیں گے۔حضرت میاں صاحب کے اس نہایت مشفقانہ اورمحبت بھرے انداز سے خاکسار اتنا متأثر ہوا کہ رونا چیخنا بند کر دیا اور مطمئن ہوگیا کہ انشاءاللہ آئندہ وقت آنے پر بھرتی ہوجاؤں گا۔حضرت مرزا شریف احمد صاحب جب اپنا دورہ مکمل کر کے واپس قادیان پہنچے تو خاکسار کے والد صاحب کے نام وقف زندگی کا فارم بھجوایا کہ جب سکول کی تعلیم سے بیٹا فارغ ہو تو اسے قادیان بھجوا دیا جائے اس طرح وہ فارم وقف زندگی خاکسار کے وقف کی بنیاد بن گیا۔الحمدللہ۔

قادیان کا پہلا سفر

خاکسار آٹھویں جماعت تک سالانہ امتحان میں نمایاں پوزیشن لیتا رہا اور خاکسار کے غیر از جماعت رشتہ دار سبھی والد صاحب پر زور دیتے تھے کہ اس کو سکول کی زیادہ سے زیادہ تعلیم دلانا یہ ہماری قوم کے لئے نیک نامی اور شہرت والا وجود بنے گا لیکن نویں جماعت میں خاکسار اچھی پوزیشن تو کجا سالانہ

امتحان میں بھی فیل ہوگیا اسی دوران کھاریاں کے ایک احمدی طالب علم کے متعلق علم ہوا کہ وہ اگلی صبح قادیان مدرسہ احمدیہ میں داخل ہونے کے لئے جارہا ہے چنانچہ خاکسار ایک طرف امتحان میں ناکامی پر پریشان تھا اور دوسری طرف قادیان جانے والا ساتھی مل گیا اس لیے خاکسار نے والدین سے عرض کی کہ فوری طور پر میری بھی تیاری کردی جائے تاکہ میں بھی قادیان جاسکوں بوجہ اکلوتا بیٹا ہونے کے جبکہ خاکسار کی عمر تیرہ، چودہ سال تھی والدین مجھے قادیان بھیجنے کے لیے تیار نہیں ہورہے تھے لیکن جب خاکسار نے زیادہ ضد کی تو میری شفیق والدہ اور مہربان والد صاحب نے تسلی دلائی کہ ٹھیک ہے اگر آپ جانا چاہتے ہیں تو تیاری کرلیں اور صبح آپ کو روانہ کردیں گے۔ چنانچہ مختصر وقت میں جو تیاری ہوسکی وہ کر لی اور اگلی صبح ریلوے اسٹیشن پہنچ گئے خاکسار کے والد صاحب بھی ہمراہ تھے انہوں نے میرا اور اپنا ٹکٹ لیا اور اسی طالب علم کی انتظار شروع ہوگئی جس کی وجہ سے میں تیار ہوا تھا یہاں تک کہ گاڑی آگئی اور والد صاحب نے فرمایا کہ وہ تمہارا دوست آئے یا نہ آئے تمہیں قادیان پہنچا کہ آؤں گا۔ یہ دراصل الٰہی تصرف تھا کہ آٹھویں جماعت تک خاکسار اچھی پوزیشن پر کامیاب ہوتا رہا اور نویں جماعت میں فیل ہوگیا اور ایک لڑکا مل گیا کہ صبح قادیان جانا ہے اسی حوالے سے تیاری مکمل کرلی اور وہ نہ پہنچا یہ دراصل ان تصرف تھا کہ خاکسار کو دنیاوی تعلیم سے ہٹا کر دینی تعلیم کی طرف منتقل کردیا جائے۔

مدرسہ احمدیہ میں داخلہ

جب میرے والد صاحب مجھے ہمراہ لے کر قادیان پہنچے تو جاتے ہی حضرت مصلح موعودؓ کی خدمت میں مجھے پیش کیا خاکسار کی اس لمبی علالت کی کیفیت حضور کو یاد بھی تھی بڑی شفقت اور محبت سے باتیں کرتے رہے اور پھر ایک چٹ پر لکھوا کردیا کہ مولوی عبدالرحمن انور کے پاس جائیں (غالباً اس وقت وہ وکیل تھے) چنانچہ جب والد صاحب مجھے لے کر ان کی خدمت میں حاضر ہوئے انہوں نے ایک چٹ مجھے دے دی جس کے تحت خاکسار کو مدرسہ احمدیہ میں داخل ہونے کا موقعہ مل گیا۔ دفتری ٹائم کے بعد جب ہوسٹل میں داخلے کے لیے گیا اس وقت والد صاحب دارالضیافت میں آرام فرمارہے تھے اس وقت ہوسٹل کلرک محترم بزرگوار منشی عبدالحق صاحب تھے۔ میری ان سے یہ پہلی ملاقات تھی خاکسار سے فرمایا کہ کیا نام ہے میں نے عرض کیا سلطان محمود فرمانے لگے کون سا ضلع ہے میں نے عرض کیا ''گجرات'' اس پر بڑی سنجیدگی سے فرمانے لگے ''گجرات دے ضمانت تے رہو رات'' خاکسار ان کا یہ انداز اور بات سن کر ذرا

پریشان ہوگیا کہ کس کی ضمانت دوں تو موصوف فوراً مسکرا پڑے کہ بیٹے فکر نہ کرو میں نے تو مذاق کیا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے خاکسار دنیاوی تعلیم سے بچ بچا کر دینی تعلیم اور دینی تربیت گاہ کی طرف آ گیا اور اس طرح حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کو بھی یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے خاکسار کی وقف زندگی کا فارم عطا کر کے خاکسار کی زندگی کا رخ موڑ دیا اللہ ان کو بہت بہت اجر عظیم عطاء فرمائے۔ آمین۔

جامعہ احمدیہ کی تعلیم کے دوران ہی 1956ء کی بات ہے جب کہ حضرت مصلح موعود گرمیوں کے ایام گزارنے کے لئے مری میں خیبر لاج میں مقیم تھے اور ہم چار طالب علم جامعہ احمدیہ تعطیلات کے ایام ہونے کی وجہ سے حضور کی خدمت کے لئے حضور کے ہمراہ ڈیوٹی پر مری گئے تھے۔

تقرری بطور مربی سلسلہ گجرات

حضورؓ کے ارشاد پر حضرت ڈاکٹر غلام صاحب نے حضرت مرزا شریف احمد صاحب ناظر دعوت وتبلیغ کی خدمت میں گزارش کی کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے ازراہ شفقت عزیزم سلطان محمود انور کی بطور مربی گجرات میں تقرری کو ترجیح دی ہے۔ جبکہ دفتر کی طرف سے خاکسار کی تقرری کسی اور جگہ ہو چکی تھی لیکن خاکسار کو اطلاع نہیں تھی حضرت مرزا شریف احمد صاحب نے مکرم ڈاکٹر غلام مصطفی صاحب کی بات کو پیش نظر رکھ کر خاکسار کو دفتر میں بلایا اور فرمایا کہ میں نے آپ کی تقرری گجرات کر دی ہے۔ لیکن ایک شرط ہے آپ نے وہ شرط پوری کرنی ہے خاکسار نے عرض کیا کہ جو بھی حکم ہوگا خاکسار انشاء اللہ اس کی تعمیل کرے گا چنانچہ حضرت میاں صاحب نے فرمایا کہ میں نے آپ کی تقرری گجرات کر دی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ آپ آج ہی گجرات پہنچ جائیں۔ چنانچہ خاکسار نے عرض کیا ٹھیک ہے آج انشاء اللہ گجرات پہنچ جاؤں گا۔ اور حسب ارشاد حضرت مرزا شریف احمد صاحب دفتر ٹائم ختم ہوتے ہی گجرات روانہ ہو گیا اور بفضلہ تعالیٰ رات آٹھ بجے گجرات پہنچ گیا۔ یہ خالصتاً الٰہی تصرف تھا کہ خاکسار کو چھوٹی عمر میں ہی حضرت مرزا شریف احمد صاحب کی طرف سے وقف زندگی کا فارم موصول ہوا جس کے مطابق وقف زندگی کی سعادت ملی اور جامعہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد فیلڈ میں پہلی تقرری بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے مبارک ہاتھوں ہوئی الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

مباحثات میں غیر معمولی تائید ونصرت الٰہی

اسی عرصہ میں درجنوں مواقع ایسے نصیب ہوئے کہ مختلف مسالک سے تعلق رکھنے والے علماء سے

بحث مباحثے ہوتے رہے اور ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے خاکسار کو غیر معمولی کامیابیوں سے نوازا۔ چنانچہ مثال کے طور پر ایک دو مواقع کا ذکر کر دینا مناسب ہوگا۔ایک مناظرہ ہمارے احمدی مخلص بزرگ مکرم شیخ عبدالغفور صاحب تاجر کتب کے مکان پر ہوا۔ایک بزرگ اور معمر مولوی ابراہیم صاحب جوڈنگہ کے قریب ایک گاؤں تاجر آباد کے ایک مدرسہ کے نگران استاد تھے ان سے علمی بحث ہوئی تو دو چار دلیلوں کے بعد ہی موصوف ہمت ہار بیٹھے اور جب خاکسار اپنی باری پر جواب بیان کرنے لگتا تو وہ حاضرین سے مخاطب ہو کر کہتے کہ دیکھنا اب یہ دھوبی پیڑا لگائے گا اور اسی طرح یہ مناظرہ بھی جماعت کے حق میں دیا اور وہ مولوی صاحب بھی نیک طبیعت تھے کوئی لڑائی جھگڑے والا انداز نہیں اپنایا۔اسی طرح ایک دفعہ مناظرہ ہوا لالہ موسیٰ اور گجرات کے درمیان ریلوے اسٹیشن چک دیونا ہے وہاں پر کافی لمبا چوڑا بازار ہے اور کاروباری لوگوں میں سے ایک معقول تعداد لوگوں کی ہے جو پرویزی کہلاتے ہیں اور احادیث وسنت وغیرہ سے انکار کرتے ہیں۔وہاں پر جماعت کے معلم مکرم سید مصدق شاہ صاحب خدمت کر رہے تھے اور ان کے ساتھ پرویزی احباب آئے دن بحث مباحثہ کرتے رہے تھے۔ چنانچہ ایک موقعہ پر سید مصدق شاہ صاحب سے مطالبہ کیا گیا کہ آپ اپنی جماعت کا عالم بنائیں اور ہمارے گروپ پرویزی کے انچارج کی ان سے گفتگو کروائی جائے چنانچہ سید مصدق شاہ صاحب خاکسار کے پاس کھاریاں تشریف لائے اور ایک معین دن طے کر لیا گیا۔خاکسار کھاریاں سے دیونا پہنچا تو پرویزیوں کے مقامی انچارج جس کے ساتھ خاکسار کی گفتگو ہونی تھی وہ گجر فیملی سے تعلق رکھتے تھے۔میرے متعلق بھی انہوں نے کسی ذریعہ سے یہ تعارف حاصل کر لیا کہ خاکسار بھی قومیت کے لحاظ سے گجر ہے۔

چنانچہ وہ دن بھر سارے بازار میں لوگوں کو متوجہ کرنے کے لئے آوازے کستے رہے آج رات گجر کا گجر سے مقابلہ ہوگا۔سارے پرویزی افراد اور ان کے زیر اثر ایک خاصی تعداد لوگوں کی تھی جو بہت خوشی سے رات کی بحث میں شامل ہونے کے لئے جمع ہو گئے۔رات بہت بڑا مجمع لگ گیا اور ہم احمدی صرف تین چار تھے باقی پرویزی اور دیگر افراد جس وقت گفتگو شروع ہونے لگی تو پرویزی عالم نے حاضرین کو تاکیدی ہدایت کی کہ باہم گفتگو کریں گے لیکن مجمع سے کسی کو بولنے کی اجازت نہیں اس کے بعد پرویزی عالم نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ ہم پرویزی اور آپ احمدی قرآن کو مانتے ہیں ہم پرویزی لوگ حدیثوں اور روایتوں کو نہیں مانتے۔

پس آپ صرف قرآن کی حد تک رہ کر گفتگو کریں حدیثوں اور روایتوں کی ہرگز پیش نہ کریں۔ چنانچہ جب صرف اسی نے قرآن کی حد میں رہ کر گفتگو کرنے کی بات کی تو بڑے جلال اور تیز انداز سے اپنا موقف بیان کیا اور ساتھ بار بار یہ فقرہ دہراتا رہا کہ دنیا دیکھے گی کہ آج گجر کا گجر سے مقابلہ ہوا۔ جب وہ خاموش ہوا اور خاکسار کی باری آئی تو خاکسار نے اختصار سے بیان کیا کہ میں تین باتیں پیش کرنا چاہتا ہوں جس کو مجمع سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کسی منطق یا فلسفے کی ضرورت نہیں پرویزی عالم کہتے ہیں کہ قرآن سے باہر نہیں جانا اس پر خاکسار ان سے تین باتیں پوچھتا ہے پہلی بات یہ کہ قرآن کریم میں نماز قائم کرنے کا حکم ہے اگر ہے تو نماز کس طرح قائم کرنی ہے۔ کس طرح رکعتیں ادا کرنی ہیں۔ فرض اور سنتیں کتنی ہیں اور ان میں کیا پڑھنا ہے اور با جماعت پڑھنی ہیں تو صفیں کس رخ ہوں اور امام آگے کھڑا ہو یا پیچھے ہانک رہا ہو میرا ایک یہ سوال ہے۔ دوسرا یہ سوال ہے کہ قرآن کریم میں میاں بیوی کے نکاح کا حکم ہے وہ نکاح کس طرح پڑھا جائے کون پڑھے۔ گواہوں کی ضرورت ہے تو کتنے ہوں اقرار مجمع میں ہو یا تنہائی میں اور اس نکاح کے اوپر کوئی اور نکاح بھی ہوسکتا ہے یا نہیں۔ اور پھر نکاح کے بعد طلاق کے طریق اور شرائط کیا ہیں۔ تیسرا سوال خاکسار کا یہ ہے کہ میاں بیوی میں اگر ناچاکی ہو تو علیحدگی کے لئے خلع کا طریق کیا ہے اور طلاق کا طریق کیا ہے حق مہر کی ادائیگی ہونی چاہیے اور کتنا ہونا چاہیے اور دوبارہ وہ میاں بیوی بن سکتے ہیں یا نہیں یہ تفصیلات بھی جس تیسرے سوال کے طور پر پرویزی عالم سے پوچھتا ہوں۔ خاکسار نے جب تینوں باتیں تفصیل سے بیان کیں اور بیان پرویزی عالم پر یہ لازم ہے کہ ان کا قرآن سے جواب دے۔ اور آخری پوائنٹ یہ ہے کہ جب کوئی پرویزی شخص فوت ہو جائے تو اس کی نماز جنازہ ہو یا بغیر نماز جنازہ کے تدفین ہو اور اگر نماز جنازہ ضروری ہے تو اس کا طریق کیا ہے۔ نماز کون پڑھاتے، کفن پہنانا چاہیے یا اصل کپڑوں میں دفن کرنا چاہئیے۔ یہ چار امور پرویزی عالم سے میرا تقاضہ ہے کہ صرف قرآن کریم سے جواب دیں۔

خاکسار جب اپنی بات مکمل کر کے بیٹھ گیا تو پرویزی عالم نے اٹھ کر بھرے مجمعے میں معذرت کی کہ مجھے ان باتوں کے جواب کیلئے کچھ دن مہلت چاہئے اتنی بات اس نے کی تو مجمعے میں شور مچ گیا تو تم اتنے عرصے سے یہاں نعرے لگاتے رہتے ہو اب ان باتوں کا تمہارے پاس جواب نہیں تو پرویزیت کا جواز کیا رہ گیا ہے اور مجمع سے کسی نے گالیاں دیں اس طرح مجمع برخاست ہو گیا اس سے اگلے روز جمعہ تھا غیر از جماعت احباب نے اپنے خطبہ جمعہ میں خاکسار کی حمایت میں اور پرویزیوں کی مخالفت میں ببانگ دہل خطبے دیئے۔

غیر از جماعت علماء سے بحث

خاکسار کی بطور مربی پہلی تقرری گجرات میں ہوئی تھی جہاں چند مہینے گزارنے کے بعد خاکسار گجرات سے اپنے گاؤں کھاریاں میں منتقل ہوگیا۔ گجرات میں قیام کے دوران کئی ایسے مواقع ملے کہ غیراز جماعت علماء وغیرہ سے اختلافی مسائل پر گفتگو ہوتی رہی سب سے پہلا موقع گجرات شہر میں اس وقت ملا جبکہ نواب فضل علی خان صاحب کی کوٹھی سے متصل ایک مسجد میں خاکسار کی رہائش تھی اور یہ مسجد درحقیقت نواب فضل علی خان صاحب کے ایک قریبی عزیز نے بنوائی تھی اور ایک وقت میں جماعت احمدیہ کے سپرد کردی تھی۔ مسجد سے متصل ایک صحن میں درختوں کے سائے کے نیچے خاکسار اور تین چار دوست بیٹھے باہمی گفتگو میں مصروف تھے کہ اچانک باہر سے ایک دوست اندر داخل ہوئے۔ اونچا قد سفید لباس میں ملبوس سفید اور بھاری پگڑی باندھی ہوئی اندر داخل ہوتے ہی انہوں نے پوچھا ''خو یہ کس کا مسجد ہے'' خاکسار نے کہا ''احمدیوں کی'' انہوں نے پوچھا ''کون احمدی'' میں نے کہا ''جس کو آپ قادیانی بولتے ہیں'' کہنے لگے تو بھی ادیانی ہے تو پھر ہم تم سے بحث کرے گا۔ میں نے کہا بیٹھیں بات کر لیتے ہیں انہوں نے بیٹھتے ہی مجھ سے پوچھا۔ ''خو تو مرزا کو کیوں مانتا ہے؟'' میں نے انہیں جواباً کہا کہ خان صاحب پہلے آپ یہ بتائیں کہ آپ بھی کسی کو مانتے ہیں یا نہیں تو خان صاحب نے فوراً کہا ''خو ہم تو محمد ﷺ کو مانتا ہے'' میں نے پوچھا کہ آپ کیوں مانتے ہیں اس پر خان صاحب خاموش دیر تک سوچتے رہے میں نے دو تین دفعہ انہیں کہا کہ خان بابا کچھ تو بولو آخر خان صاحب نے جواب دیا کہ جب ہم ادھر دیکھتے ہیں ادھر دیکھتے ہیں ہر طرف لوگ ہیں جو محمدؐ کو مانتے ہیں اگر دو چار آدمی ماننے والے ہوتے تو ان کی بات غلط بھی ہو سکتی تھی لیکن جب اتنی کثرت سے ماننے والے لوگ موجود ہیں تو میں نے بھی مان لیا۔ اس پر خاکسار نے کہا کہ خان صاحب آپ دراصل یہ کہنا چاہتے ہیں کہ چونکہ لوگوں کی اکثریت حضرت محمدؐ کو مانتی ہے اس لئے آپ نے بھی مان لیا اس پر خان صاحب فوراً بولے ''ہاں تو میری بات کو ٹھیک سمجھا ہے''۔ خاکسار نے خان صاحب سے عرض کیا کہ آپ کے اس جواب پر مجھے تین اعتراض ہیں۔ پہلا یہ کہ اگر آپ نے اکثریت کے پیچھے جانا تھا تو دنیا میں مسلمانوں کی بجائے عیسائی، ہندو، کمیونسٹ اور دہریے وغیرہ زیادہ تعداد میں ہیں اور آپ نے اگر اکثریت پر فیصلہ کرنا تھا تو ان میں سے کسی میں شامل ہو جائے۔ مسلمان تو ان لوگوں کے مقابل پر اقلیت میں ہیں۔ میرا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آپ نے اکثریت کے پیچھے چلنے کا

اظہار کر کے قرآن شریف کے ایک حکم کی خلاف ورزی کی ہے اس پر خان صاحب فوراً بولے کہ کون سے حکم کی خلاف ورزی ہے۔ خاکسار نے انہیں آیت وَاِنۡ تُطِعۡ اَكۡثَرَ مَنۡ فِى الۡاَرۡضِ يُضِلُّوۡكَ عَنۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ (الانعام: ۱۱۷)

ترجمہ: اور اگر تو زمین میں بسنے والوں سے اکثر کی بات کی پیروی کرے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے گمراہ کر دیں گے۔

جبکہ قرآن تو اکثریت کے پیچھے چلنے سے منع کرتا ہے اور آپ اکثریت کے پیچھے چل پڑے۔ اور تیسرا اعتراض میرا یہ ہے کہ اگر آپ رسول کریمؐ کے وقت میں ہوتے تو آپ نے اکثریت دیکھنی تھی اور اکثریت تو اس وقت موجود نہیں تھی اس لئے آپ پکے کافر ہوتے۔ خاکسار کا یہ جواب سن کر خان صاحب فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے۔ خو ہم تم سے بحث نہیں کرتا کیونکہ تمہارا دماغ تازہ ہے اور ہمارا بوڑھا ہے۔

خاکسار کو کراچی میں بطور مربی خدمات بجالانے کا موقعہ دو مرتبہ ملا۔ اولاً جولائی 1970ء سے لے کر دسمبر 1974ء تک خاکسار کراچی میں بطور مربی کام کرتا رہا۔

ہنجرا کا واقعہ

گجرات شہر سے جلال پور جٹاں والی سڑک پر قریباً 7 میل کے فاصلہ پر ہنجرا گاؤں واقع ہے۔ یہاں کے ایک معزز زمیندار گریجوایٹ دوست احمدی ہوئے تھے ان کی وجہ سے احمدیت کے متعلق تحقیق کی طرف لوگوں کو توجہ پیدا ہوئی۔ جس کے نتیجہ میں یہ پروگرام بنایا گیا۔ کہ کسی احمدی عالم کو بلا کر حالات دریافت کئے جائیں۔ نیز ایک معزز شخص جو ہنجرا کے قریب سوک کلاں کے باشندے ہیں اور قریب ہی ایک ہائی سکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں اور جماعت اسلامی ضلع گجرات کے سابق امیر رہ چکے ہیں۔ ان کے ساتھ تبادلہ خیالات کا پروگرام بنایا گیا۔ چنانچہ ان کی خواہش پر مکرم چوہدری غلام حسن صاحب آف احمدی ہنجرا خاکسار کو 26 تاریخ کو بعد نماز جمعہ اپنے گاؤں ساتھ لے گئے۔ بعد نماز عصر چوہدری سلطان احمد صاحب کے ساتھ گفتگو شروع ہوئی۔ یہ ہی وہ صاحب ہیں۔ جن کے متعلق اوپر ذکر کیا ہے اور جو جماعت اسلامی کے امیر رہ چکے ہیں۔ گفتگو کے وقت قریباً 25 آدمی موجود تھے۔ آدھ پون گھنٹہ گفتگو ہوئی۔ موضوع یہ تھا کہ فی زمانہ دنیا کی ہدایت کیلئے غیر معمولی انسان کی ضرورت ہے یا نہیں۔ بالفاظ دیگر مسئلہ نبوت پر تان ٹوٹتی تھی صاحب موصوف کو بالآخر بھری مجلس میں یہ تسلیم کرنا پڑا۔ کہ فی الواقع ایک آدمی کی ضرورت ہے۔ اس

سے آگے بات چلنے ہی لگی تھی کہ انہوں نے اپنے گاؤں جانے کی اجازت چاہی۔ ہر گاہ کہ حاضرین نے زبردست اصرار کیا کہ گفتگو نامکمل چھوڑ کر نہ جائیں۔ خاص کر جبکہ بارش بھی زوروں پر تھی۔ مگر چوہدری سلطان احمد صاحب نے ایک نہ سنی اور اپنے سٹاف کے دو ماسٹر صاحبان (جو شروع سے ان کے ہمراہ تھے) کو ساتھ لے کر سخت بارش میں روانہ ہو پڑے۔

مجھے وہاں رات بھر اور صبح کی نماز کے بعد مقامی لوگوں کو تبلیغ کا اچھا موقع ہاتھ آ گیا اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا گیا۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے توقع سے بڑھ کر اچھے اثرات پیدا ہوئے۔ مولوی لطیف احمد صاحب سکنہ بارموسیٰ سے ان کی مسجد میں بعد نماز عشاء اتفاقاً گفتگو شروع ہوگئی۔ مسئلہ زیر بحث حاضر وناظر کا تھا۔ مولوی صاحب موصوف کتابی علم کافی زیادہ رکھتے ہیں۔ منطق، فلسفہ، صرف ونحو پر کافی عبور حاصل ہے۔ لیکن علم کے نتیجہ میں جو نور اور استعداد انسان میں پیدا ہونی چاہئے وہ سوائے احمدیت کے کسی اور جگہ ہرگز ہرگز میسر نہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کو نصف گھنٹہ کے اندر بھاگے بغیر چارہ نہ ہوا۔ حالانکہ ان کے اپنے آدمی ان کو ٹھہرنے پر مجبور کرتے رہے۔ خاکسار اکیلا تھا ابتداءً انہوں نے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی مگر دلائل کی بحث میں آ کر ان کو بھاگنا پڑا۔

اسی طرح سید حبیب اللہ صاحب آف کھائی تحصیل پھالیہ سے پھالیہ سول ہسپتال میں اسی مسئلہ پر بحث ہو گئی۔ بحث کی طرح اپنے آدمی چوہدری محمد علی صاحب نے ڈالی۔ لیکن سید صاحب بھی بالآخر ہمارے ساتھ اتفاق کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مولوی نعیم الرحمن امام مسجد منڈی بہاؤالدین سے ملاقات کی۔ مسجد میں انہوں نے درس میں آمین بالجہر کہنے والوں کو اس بناء پر کوسا کہ آمین تو دعا ہے اور دعا مخفی ہونی چاہئے۔ درس ختم کر کے اپنے حجرہ میں چلے گئے۔ میں بھی نماز ختم کر کے حجرہ میں چلا گیا۔ وہاں ان کے دو تین شاگرد بھی تھے میں نے ان سے سوال کیا کہ مولانا جو لوگ آمین خفی کہنے کے قائل ہیں وہ کس کی نصب کی بناء پر کہتے ہیں؟ فوراً کہنے لگے کہ وہ بھی حدیث سے ثابت ہے۔ میں نے کہا جو بالجہر کے قائل ہیں ان کا استدلال کیلئے ماخذ کیا ہے؟ ذرا جھجک کر کہنے لگے کہ وہ بھی حدیث سے ثابت ہے میں نے کہا کہ پھر وجہ ترجیح کیا ہوئی۔ کہنے لگے بس ہم ان کو بھی غلط نہیں کہتے میں نے کہا کہ آپ کے پیشرو تو محض اتنی سی بات پر فتوے ہائے کفر صادر کرتے رہے ہیں اس پر مولانا خاموش ہو گئے۔ مجھے چونکہ اسی وقت لاری سے پھالیہ روانہ ہونا تھا اس لئے زیادہ گفتگو نہ ہو سکی البتہ مولانا نے جو اپنا تعارف کروایا۔ وہ کچھ اس قسم کا تھا ''میرا نام نعیم الرحمن'' ہے۔

مربی سلسلہ کراچی تعیناتی

خاکسار کے ساتھ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا انتہائی شفقت اور پیار کا سلوک تھا۔ چنانچہ 1968ء میں حضورؒ کی منشاء کے تحت نظارت اصلاح وارشاد مرکزیہ کی طرف سے ہدایت ملی کہ فیلڈ سے واپس مرکز ربوہ میں آ کر حاضر ہوں۔ چنانچہ خاکسار نے دفتر مرکزیہ اصلاح وارشاد میں حضرت قاضی محمد نذیر صاحب کے تابع رہ کر کام شروع کر دیا۔ آپ میرے نہایت بزرگ اور شفیق استاد تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے حضورؒ کی خدمت میں خاکسار کے متعلق یہ تجویز پیش کی کہ اس کو لاہور میں مربی نامزد کر دیا جائے جس پر حضور انور کا یہ ارشاد موصول ہوا کہ ''ابھی نہیں'' چنانچہ خاکسار 1970ء کے وسط تک دفتر اصلاح وارشاد میں ڈیوٹی پر رہا اور اسی عرصہ میں متعدد تاریخی مواقع خدمت کے نصیب ہوئے۔ جو سراسر پیارے آقا کی شفقت کا ثمر تھا۔ جولائی 1970ء میں خاکسار ایسٹ پاکستان سے دورہ کے بعد واپس ربوہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ پیارے آقا نے خاکسار کو بطور مربی تقرری کراچی کیلئے فرما دی ہے۔ یہ وہ عرصہ تھا کہ جب حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب کراچی میں لمبا عرصہ خدمت بجالانے کے بعد ربوہ میں بطور نائب ناظر اصلاح وارشاد تشریف لا چکے تھے اور خاکسار کی ان کی جگہ کراچی میں بطور مربی نامزدگی ہوئی اور دفتر کی طرف سے ہدایت یہ تھی کہ فوری طور پر اپنے نئے مرکز کراچی پہنچ کر رپورٹ کریں۔ چنانچہ خاکسار کے پروگرام کی اطلاع مکرم امیر صاحب کراچی کو بھجوا دی گئی اور جس شام خاکسار ریل کے ذریعہ کراچی پہنچا اسٹیشن پر خاکسار کی رسیدگی کے پیش نظر محترم چوہدری احمد مختار صاحب، امیر جماعت احمدیہ کراچی مع چند اراکین مجلس عاملہ ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے خاکسار کو ہمراہ لے کر جملہ احباب اسٹیشن سے سیدھے احمدیہ ہال پہنچے اور دفتر میں بیٹھ کر ابتدائی تعارف اور عمومی باتیں ہوتی رہیں جس کے بعد محترم امیر صاحب کراچی نے خاکسار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں ایک ضروری بات آج پہلے دن ہی واضح کر دینا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ آپ بطور مربی ہمارے لئے مرکز کے نمائندے ہیں اور یہ آپ کا فرض ٹھہرتا ہے کہ آپ مرکز کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مرکزی نمائندے کے طور پر ہماری راہنمائی کریں اور اپنے مشوروں سے نوازیں اور جو آپ کی راہنمائی یا مشورہ ہوگا ہم اس پر پوری طرح عمل کریں گے اور آپ اس بات کی قطعاً پرواہ نہ کریں کہ اخراجات کا کیا بنے گا کیونکہ اگر اخراجات درکار ہوں تو مہیا کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔ لیکن آپ کو عندالضرورت مشورہ اور راہنمائی کا فریضہ لازماً ادا کرنا ہوگا۔ لیکن

اگر آپ نے مرکزی نمائندے کے طور پر ہماری راہنمائی نہ کی اور برموقع مشورے نہ دیئے تو پھر آپ سمجھ لیں کہ آپ سے ہماری آج سے ہی ''کُٹی'' نہ ہم آپ سے ملیں گے نہ آپ ہمیں پوچھیں بتائیں۔خاکسار کا احباب کراچی سے یہ سراسر پہلا اور ابتدائی موقع تھا اس لئے مکرم امیر صاحب کی گفتگوسن کر اندر ہی اندر پریشان بھی ہوا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل کرتے ہوئے مکرم امیر صاحب کو تسلی دلائی کہ آپ اور آپ کی توقعات پر پورا اترنے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہوں گا اور محض یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ کراچی میں خاکسار کو مجموعی طور پر تقریباً دس سال بطور مربی خدمت کی سعادت نصیب ہوئی۔لیکن اس سارے عرصہ میں ایک لحہ بھی ایسا نہیں آیا جبکہ امیر صاحب کے ساتھ خاکسار کا کوئی اختلاف یا گلے شکوے کی صورت پیدا ہوئی ہو۔ بلکہ امیر صاحب کے ساتھ خاکسار جملہ جماعتی امور میں باہمی تعاون اور اتفاق اتنا مثالی تھا کہ ایک موقعہ پر کراچی کی مجلس عاملہ کے اجلاس میں ایک رکن مجلس نے یہ اعتراض کر دیا کہ مربی صاحب انتظامی معاملات میں امیر صاحب کو ہر وقت ''پٹیاں'' پڑھاتے رہتے ہیں۔لہٰذا مربی صاحب کو اس بارے روکا جائے۔خاکسار اس ممبر کی بات کے جواب میں کچھ عرض کرنے ہی لگا تھا کہ امیر صاحب نے روک دیا اور خود اس ممبر سے مخاطب ہو کر فرمایا آپ کی بات اس حد تک درست ہے کہ مربی صاحب ہر وقت مشورہ دیتے ہیں لیکن معزز ممبر سے میرا سوال یہ ہے کہ کوئی ایسی مثال سامنے لائیں کہ مربی صاحب نے مجھے غلط مشورہ دیا ہو اور اگر وہ بروقت صحیح مشورہ دیں تو کیا مجھے وہ مشورہ قبول نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ اس پر اعتراض کرنے والے دوست تو دھیمے پڑ گئے مگر امیر صاحب نے کچھ وقت کیلئے جلالی خطاب فرمایا اور احباب کو اطاعت اور تعاون کی روح کو مقدم رکھنے کے نصائح فرمائے۔

مشرک نہ بنو

اوپر بیان کردہ صورت حال کو زیادہ واضح کرنے کا ایک اور نہایت ایمان افروز واقعہ کا محترم امیر صاحب کراچی نے اس وقت میرے سامنے انکشاف فرمایا جبکہ خاکسار بطور ناظر اصلاح وارشاد مرکزیہ خدمات بجالانے کی سعادت پا رہا تھا۔محترم امیر صاحب ربوہ تشریف لائے اور مجھ سے ملنے کے لئے دفتر اصلاح وارشاد میں کچھ وقت کے لئے بیٹھے اور بعض ضروری باتیں ہوتی رہیں۔اسی دوران فرمانے لگے کہ ایک خاص واقعہ جس کا آپ کے پاس ذکر نہیں کیا وہ آپ کو بتانا چاہتا ہوں چنانچہ امیر صاحب نے فرمایا کہ جن دنوں میں حضرت مولانا عبدالمالک خان صاحب مربی کراچی حضور کے ارشاد پر ربوہ حاضر ہوئے اور

بطور نائب ناظر اصلاح وارشاد آپ کی تقرری ہوگئی تھی تو عین انہی ایام میں خاکسار امیر صاحب کراچی ایک وفد لے کر ربوہ حاضر ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کی اجازت طلب کی وفد کے چار دیگر ارکان بھی تھے اور ہم پانچوں آپس میں ضروری نکات تقسیم کئے ہوئے تھے جو حضور کی خدمت میں اس غرض سے پیش کرنے تھے کہ مولانا عبدالمالک خان صاحب کو کراچی سے ٹرانسفر نہ کیا جائے چنانچہ ملاقات کی اجازت ملنے پر ہم پانچوں افراد کا وفد حضور کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضور کی اجازت سے پہلے خاکسار نے وفد کی حاضری کا مقصد بیان کیا کہ مولانا عبدالمالک خان صاحب کو کراچی سے تبدیل نہ کیا جائے۔ خاکسار کے بعد دیگر ارکان نے باری باری اسی مقصد کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اپنی گزارشات بیان کیں ۔ جب ہم پانچوں اپنا مدعا بیان کر رہے تھے تو اس سارے عرصہ میں پیارے حضور کلیتہً خاموشی سے ہماری باتیں سنتے رہے۔ جب ہم پانچوں افراد اپنا مدعا بیان کرنے کے بعد خاموش ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ ’’بس...... یا کچھ اور بھی مزید کہنا ہے۔‘‘ خاکسار نے عرض کیا کہ حضور ہم اپنی التجاء پیش کر چکے ہیں اب حضور کا ارشاد ہو اس کے ہم منتظر ہیں ۔ اس پر حضور نے بڑے سنجیدہ لہجے میں فرمایا ’’میری بات پوری توجہ سے سنیں‘‘ اس کے بعد فرمایا ’’مشرک نہ بنو‘‘ اتنا کہہ کر حضور اندر تشریف لے گئے۔ ہم لوگوں کی اس وقت جو حالت ہوئی اور جس قدر دل میں اپنی غلطی پر ملال اور افسوس ہوا وہ ناقابل بیان ہے ہم لوگ توبہ استغفار کرتے ہوئے باہر نکل آئے اور ہر ایک نے الگ الگ عریضہ لکھ کر حضور کی خدمت میں معافی اور دعا کی التجاء کی اور بڑے بوجھل دل کے ساتھ اپنی غلطی پر توبہ تائب کرتے ہوئے واپس کراچی چلے گئے۔

غانا سے واپسی اور کراچی دوبارہ تعیناتی

اس کے بعد امیر صاحب فرمانے لگے کہ جب آپ کراچی سے گھانا گئے تھے اور تین سال کے بعد واپس ربوہ آئے تو خاکسار کے دل میں دوبارہ یہ تحریک پیدا ہوئی کہ آپ کو مرکز دوبارہ کراچی میں بطور مربی بھجوائے اس کیلئے ہمارا پانچ افراد کا وفد ربوہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جیسے ہی خاکسار (امیر صاحب) نے بات شروع کی کہ ہمیں کراچی کے لئے ایک ایسا مربی چاہئے جو حالات کے مطابق جماعت کی رہنمائی کرے اور اچھا مقرر ہو تو خاکسار (امیر صاحب) کی بات کے دوران ہی حضور نے مجھے ٹوکا اور فرمایا سیدھی بات کیوں نہیں کرتے کہ سلطان محمود مربی چاہئے خاکسار (امیر صاحب) نے عرض کیا حضور یہی ہم لوگوں کی درخواست ہے اس پر حضور نے فرمایا عبدالمالک خان

صاحب ناظر اصلاح وارشاد کو میری طرف سے کہہ دیں کہ سلطان محمود انور کی تقرری کراچی کر دی جائے۔

محترم چوہدری احمد مختار صاحب نے جب یہ دونوں واقعات دفتر میں بیٹھے ہوئے مجھے سنائے تو جہاں اللہ تعالیٰ کی حمد کے جذبات ابھرے وہاں پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے لئے بھی دل سے دعاؤں کا شدت سے جوش پیدا ہوا۔ اس طرح گویا خاکسار کی کراچی کے لئے پہلی تقرری اور پھر دوسری تقرری درحقیقت پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی شفقت کے تابع تھی۔ الحمدللہ

بطور سیکرٹری بہشتی مقبرہ تعیناتی

کراچی میں خاکسار کو دو دفعہ بطور مربی کام کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ پہلی دفعہ جولائی 1970ء سے دسمبر 1974ء تک خاکسار کراچی سے فارغ ہو کر گھانا مغربی افریقہ کیلئے روانہ ہوا اسی طرح کراچی میں دوسری مرتبہ 1979ء سے 1982ء جون تک خدمت کی توفیق ملی اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع نے خاکسار کی تقرری سیکرٹری بہشتی مقبرہ فرمائی اس لئے کراچی سے ربوہ آ کر دفتر بہشتی مقبرہ میں کام شروع کر دیا۔ کراچی میں خاکسار کی پہلی تقرری مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب کی جگہ ہوئی اس لئے خاکسار کی رہائش کراچی جماعت کے مرکز احمدیہ ہال میگزین لین میں تھی۔ ابھی تھوڑا عرصہ گزرا تھا کہ کسی نے یہ سوال اٹھا دیا کہ احمدیہ ہال چونکہ جماعت کراچی کا مرکز ہے اس لئے یہاں سینئر مربی ہونا ضروری ہے اور سلطان محمود صاحب چونکہ جونیئر ہیں اس لئے ان کو کسی دوسرے حلقہ میں ٹرانسفر کر دیا جائے جب ان کا مکرم امیر صاحب سے اس غرض سے رابطہ ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ چونکہ مرکز کی طرف سے مربی سلطان محمود صاحب کی تقرری مولانا عبدالمالک خان صاحب کے متبادل کے طور پر ہوئی ہے۔ اس لئے میں ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گا۔ چنانچہ یہ معاملہ نظارت میں پیش کر دیا گیا تو ناظر اصلاح وارشاد حضرت قاضی محمد نذیر صاحب نے فرمایا کہ مربی سلطان محمود انور صاحب کی مولانا عبدالمالک خان صاحب کی جگہ تقرری کی گئی تھی اس لئے وہ احمدیہ ہال میں ہی کام و قیام کریں گے۔ چنانچہ یہ سوال بالآخر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کی خدمت میں پیش کر دیا گیا کہ احمدیہ ہال میں جونیئر مربی کی جگہ سینئر مربی ہونا چاہئے جس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ ''نظارت نے جو فیصلہ کیا ہے وہی درست ہے اسی پر عمل درآمد کیا جائے۔'' چنانچہ اس کے بعد پھر یہ معاملہ مستقلاً طے ہو گیا۔

مکرم مولانا عبدالمالک خان صاحب کو اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ صلاحیتوں سے نوازا ہوا تھا کراچی میں

آپ کو لمبا عرصہ قریباً 23 / 24 سال خدمات بجالانے کا موقع ملا۔ ایک پوری نسل ان کے ہاتھوں تربیت پا کر عروج کو پہنچی آپ جہاں وسیع علم رکھتے تھے وہاں اعلیٰ درجہ کے مقرر بھی تھے اور موقع کے مطابق بڑی سے بڑی شخصیت سے بھی جب گفتگو کرتے تو نہایت عمدہ انداز سے احمدیت کی فوقیت کو اجاگر کرتے تھے۔ ایک ایسے صاحب علم، صاحب تجربہ، معاملہ فہم اور شخصیت شناس، بے بدل مقرر اور بزرگ عالم کی جگہ پر خاکسار جیسے ادنیٰ، ناتجربہ کار اور ناقص علم خادم سلسلہ کو نامزد کر دیا گیا تھا یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی شفقت بھری دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ کراچی میں خدمات سلسلہ کی خاکسر کو توفیق نصیب ہوئی۔ الحمدللہ

مخالفین کا انجام

خاکسار کے لئے یہ پہلا موقع تھا کہ کراچی میں قیام اور کام کی سعادت نصیب ہوئی۔ پیشتر ازیں صرف ایک دفعہ مغرب کے قریب کراچی پہنچا تھا تو اگلی صبح واپس لوٹ آیا۔ اس لئے کراچی کا شہر اور ماحول خاکسار کے لئے بالکل نیا تھا۔ احباب جماعت اور انتظامیہ جماعت سے بھی پہلی دفعہ واقفیت ہوئی تھی اس لئے ابتدائی چند مہینے ایک اجنبی اور ناواقف فرد کے طور پر خاکسار نے بسر کئے اور پھر آہستہ آہستہ خدا کے فضل سے کراچی کے ہر گوشہ اور جماعت کے ہر فرد سے تعارف اور واقفیت ہوگئی بلکہ غیر از جماعت حلقوں میں ایک طرف سرکاری انتظامیہ سے پھر سیاسی شخصیات سے چیدہ علماء سے خاکسار کے گہرے مراسم تھے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک دفعہ حلقہ ماڈل کالونی سے بعد مغرب مجھے فون پر اطلاع ملی کہ علماء نے ایک بڑا جلوس تیار کرلیا ہے تا کہ حلقہ ماڈل کالونی کی احمدیہ بیت الذکر پر چڑھائی اور قبضہ کیا جائے اور حلقہ کے افراد بہت پریشان تھے کہ اتنے بڑے مجمع کو کس طرح Face کر سکیں گے۔ خاکسار نے یہ اطلاع ملتے کراچی ڈپٹی کمشنر صاحب کو ٹیلی فون پر گزارش کی کہ اس اس طرح ماڈل کالونی میں احمدیہ بیت الذکر پر حملہ کرنے کیلئے جلوس تیار ہوا بیٹھا ہے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے خاکسار کے عرض کرنے پر توجہ دینے کی بجائے ایسا لہجہ اختیار کیا جس سے مجھے بہت ملال ہوا۔ D.C صاحب نے خاکسار کی بات ادھوری سن کر لاپرواہی سی دکھاتے ہوئے فون بند کر دیا۔ جس پر خاکسار نے ہوم سیکرٹری صاحب سے فون پر رابطہ کیا۔ ساری صورتحال ان پر واضح کی اور خاص طور پر D.C صاحب کی لا اُبالیت کا بھی شکوہ کیا۔ جناب ہوم سیکرٹری صاحب نے جواباً فرمایا کہ اپنا ٹیلی فون نمبر مجھے نوٹ کروادیں ٹھیک 10 منٹ بعد آپ کو صحیح صورت حال

سے باخبر کردوں گا۔ چنانچہ ٹھیک 10 منٹ بعد ہوم سیکرٹری صاحب کی طرف سے مجھے ٹیلی فون موصول ہوا کہ پولیس اس موقع پر پہنچادی گئی ہے۔ جلوس کے لوگ منتشر ہوکر گھروں کولوٹ گئے ہیں اور خطرہ والی کوئی بات نہیں۔ خاکسار نے اللہ تعالیٰ نے شکرادا کیا۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی تشریف آوری

حضور مع اہل خانہ کراچی تشریف لائے اور جماعت کے ڈیفنس سوسائٹی والے گیسٹ ہاؤس میں حضور نے قیام فرمایا۔ حضور نے پہلے روز ہی خاکسار کوطلب فرمایا اور جب خاکسار حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا کہ:

> ''جہاں کہیں میں دورہ پر جاؤں گا تو ہر جگہ اپنا بینک قائم کرتا ہوں اور اب یہاں کراچی میں قیام کے پیش نظر آپ میرے بینک ہوں گے میں آپ کو پیشگی رقم دیتا ہوں اور میرے گھر سے جب بھی کوئی چیز منگوانے کے لئے مطالبہ آئے تو آپ اس رقم سے وہ چیزیں خرید کر دیں گے۔ جماعت کے بجٹ میں سے میرے گھر کے لئے خرچ نہیں کرنا۔''

چنانچہ حضورؒ نے خاکسار کو کچھ رقم پیشگی عطا فرمائی۔ اسی دوران حضرت آپا منصورہ بیگم صاحبہ نے بازار سے کوئی چیز منگوانی تھی۔ حضورؒ نے صلاح الدین ایوبی صاحب کو ''جو حضورؒ کے گھر قیام پذیر تھے'' فرمایا کہ سلطان محمود مربی سے کہو وہ بازار سے منگوادیں۔ اس پر ایوبی صاحب اور حضرت بیگم صاحبہ اور دیگر افراد خانہ نے کہا کہ سلطان محمود تو بے چارہ مربی ہے۔ اس کے پاس تو اتنی رقم نہیں ہوگی کہ مطلوبہ چیز خرید کر دے سکے۔ اس پر حضورؒ نے فرمایا کہ ''آپ لوگ اس بحث میں نہ پڑیں مربی صاحب سے کہیں وہ ضرور منگوادیں گے۔ اس پر پھر افراد خانہ نے اصرار کیا تو حضورؒ نے فرمایا ''میں جو کہہ رہا ہوں مربی کے ذریعے چیزیں منگوالیں آپ لوگوں کو پتہ نہیں وہ بینک ہے بینک'' اس پہ مکرم ایوبی صاحب اور مکرم مرزا فرید احمد صاحب نے نیچے دفتر میں آ کر مجھے خبر دی کہ حضورؒ نے آپ کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ تو ''بینک ہے بینک''

پیارے آقا کے منہ سے نکلے ہوئے یہ مبارک الفاظ اللہ تعالیٰ نے حقیقت بنا کر دکھا دیئے اور اس عاجز کو کبھی اور کسی موقع پر بھی مطلوبہ رقم کی کمی کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔ حضورؒ جب کراچی سے واپس تشریف لانے لگے تو خاکسار کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ ''جو رقم آپ کو ''بینک'' بنا کر دی تھی اس کا مجھے حساب پیش کریں۔''

خاکسار نے گزارش کی کہ حضور نہایت معمولی خرچ ہوا ہے اس لئے اگر حضور اجازت دیں تو وہ خرچ میں اپنی جیب سے ادا کر دوں اور جو رقم حضور نے عطا فرمائی تھی وہ من وعن واپس پیش کر دیتا ہوں۔اس پر حضورؒ نے فرمایا کہ ''بالکل نہیں جو خرچ ہوا ہے اس کا پورا حساب پیش کرو'' خاکسار نے پھر جب اصرار کیا تو حضورؒ فرمانے لگے کہ ''میں تو آپ کو ذہین آدمی سمجھتا تھا۔آپ یہ کیسی اُلٹی بات کہہ رہے ہیں۔'' چنانچہ اس پر ادب کے تقاضے کو پیش نظر رکھتے ہوئے خاکسار نے بوجھل دل کے ساتھ مکمل حساب اور بقیہ رقم حضورؒ کی خدمت میں پیش کر دی۔تھوڑی دیر گزار تو غالباً صاحبزادہ مرزا انس احمد صاحب میرے پاس تشریف لائے اور مجھے ایک بند لفافہ دیا کہ ابا نے آپ کے لئے یہ لفافہ دیا ہے۔خاکسار نے وہ لفافہ کھولا تو اس میں رقم تھی۔خاکسار نے دریافت کیا کہ یہ کس غرض سے بھجوائی ہے۔میاں انس احمد صاحب نے فرمایا کہ مجھے یہ ہدایت ہوئی ہے کہ میں یہ لفافہ آپ کو پہنچا دوں آپ حضورؒ کی طرف سے یہ لفافہ لے لیں۔ چنانچہ خاکسار نے حضورؒ کی عطا فرمودہ یہ رقم بطور تبرک محفوظ کر لی اور آج تک وہ بفضلہ تعالیٰ من وعن میرے پاس موجود ہے اور اس کے طفیل خدا تعالیٰ نے جو برکتیں عطا فرمائی ہیں وہ کسی گنتی میں شمار کرنی ممکن نہیں اور دل سے یہی دعا نکلتی ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے شفیق محسن آقا حضرت مرزا ناصر احمد صاحبؒ کو اپنے خاص الخاص سایہ قرب رحمت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حضورؒ کی شفقت بھری دعائیں ہمیشہ ہمارے شامل حال رکھے۔آمین۔

1974ء کے فسادات

1974ء میں خاکسار کی بطور امیر جماعت گھانا تقرری ہوئی تھی جب پاسپورٹ ویزہ وغیرہ کے مراحل میں سے گزر رہے تھے تو 1974ء کے فسادات شروع ہو گئے تھے اس لئے کچھ عرصہ کیلئے خاکسار کی روانگی Pending کر دی گئی کراچی میں ان فسادات کا وسیع اثر تھا اور جس دن یہ فساد شروع ہوئے تھے۔ خاکسار احمدیہ ہال میں اپنے دفتر میں بیٹھ گیا۔کراچی کے جملہ حلقہ جات سے بذریعہ ٹیلی فون انفرادی رابطہ قائم کر لیا گیا تھوڑے عرصہ کے بعد مختلف حلقہ جات سے اطلاعات ملتی تھیں کہ فلاں جگہ مار کٹائی ہوئی پتھراؤ کیا گیا یا بیت الذکر پر حملہ ہوا اور اس طرح کے حالات تھے جو احتیاطی اور دفاعی انتظامات ہو سکتے تھے خاکسار اور دیگر ساتھیوں کے ہمراہ دفتر میں بیٹھ کر خدمات بجالاتا رہا۔حالات میں اس قدر تشویش تھی کہ خاکسار کیلئے دفتر سے اٹھ کر جانا ممکن نہ تھا حالانکہ خاکسار کی رہائش بھی احمدیہ ہال کے اندر تھی لیکن مسلسل تین دن رات خاکسار کی حرکت دفتر تک محدود تھی اور اتنا عرصہ خاکسار ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سویا

جبکہ خاکسار کے ساتھ کام کرنے والے خدام کی شفٹیں مقرر تھیں جو تبدیل ہوتی رہتی تھیں لیکن خاکسار تنہا 72 گھنٹے دفتر میں کام کرتا رہا اس پر بعض خدام نے مکرم امیر صاحب کو یہ درخواست کی کہ تین دن رات سے مربی صاحب مسلسل بیٹھے ہوئے ہیں انہیں کچھ وقفہ اور آرام کرنا چاہئے۔ چنانچہ امیر صاحب کے اصرار پر بعدازاں کچھ دیر کیلئے خاکسار گھر جانے لگا۔لیکن ابتدائی دن رات مسلسل 72 گھنٹے خاکسار بغیر وقفے کے ڈیوٹی انجام دی۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد خاکسار کے علم میں یہ بات آئی کہ وہی 72 گھنٹے ہمارے پیارے آقا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے لمحہ لمحہ مصروف گزارے، جماعتوں کے آنے والے وفود کو ملاقات کا موقع عطا فرماتے رہے حالات سن کر ضروری ہدایات فرماتے رہے اور اسطرح 72 گھنٹے مسلسل حضور اپنے دفتر میں رہے۔ خاکسار کو یہ علم ہونے پر جہاں دلی خوشی ہوئی وہاں اللہ تعالیٰ کا دل کی گہرائیوں سے شکر ادا کیا کہ خاکسار کو وہی 72 گھنٹے بیدار اور فعال رہنے کی سعادت بخشی جبکہ ہمارے پیارے آقا بھی اس عرصہ میں مسلسل فعال اور حاضر و بیدار تھے۔ پیپلز پارٹی کے بعض لیڈروں سے خاکسار کے رابطے تھے جو انفرادی ملاقات میں جماعت احمدیہ کے متعلق نہایت اچھے تأثرات بیان کرتے بلکہ یہاں تک کہ آپ لوگ ہم سے بہتر مسلمان ہیں لیکن ہماری مجبوری یہ ہے کہ ہمارے ووٹ بھٹو صاحب کی جیب میں ہیں وہ جہاں چاہیں استعمال کر لیں۔ پھر ایک موقع پر خاکسار نے بعض سیاسی شخصیات کو درخواست کی کہ اگر آپ لوگ اسمبلی میں ہمیں غیر مسلم قرار دینے والے ہیں تو کم از کم اتنا ضرور کریں کہ اسمبلی میں مسلمان کی تعریف بھی کر دیں کہ مسلمان کون ہے اس پر ہر ایک نے جواب دیا کہ مسلمان کی متفقہ تعریف کرنا ممکن نہیں۔ اس پر خاکسار گزارش کرتا رہا کہ یہ کون سا اسلام ہے جس میں کسی کو غیر مسلم قرار دینا تو آسان ہے لیکن مسلمان کا تعین اور تعریف ممکن نہیں۔ اس پر ہر شخص کا موقف یہی تھا کہ یہ شریعت کا مسئلہ نہیں سیاسی مسئلہ ہے۔ بھٹو صاحب جانیں اور علماء جانیں۔ جو یہ سارا کھیل کھیل رہے ہیں۔ بالآخر 7 ستمبر 1974ء کی کارروائی اپنے انجام کو پہنچی اور 8 ستمبر 1974ء کے نوائے وقت کی ہیڈ لائن یہ تھی کہ امت کے 72 فرقوں نے متفقہ طور پر قادیانیوں کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ اسمبلی کے اس فیصلہ پر ایک لمبا عرصہ خوشیاں منائی گئیں لیکن اب علماء کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ یہ فیصلہ بھی درحقیقت قادیانیوں کے حق میں ہی ٹھہرتا ہے اور حدیث نبویؐ کے مطابق جو 72 فرقے ہیں وہ ناری اور دوزخی ہیں اور جو ایک ہے وہ جنتی ہے اور علماء بے چارے خود اس الجھن میں پھنسے ہوئے ہیں کہ قادیانیت کا قلع قمع کرنے کیلئے 1974ء کی

اسمبلی میں جو معرکہ مارا گیا۔ وہ تو اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارنے والی بات تھی۔ 1974ء کی اسمبلی کے بعد جماعت احمدیہ کا رخ بیرونی ممالک کی طرف ہوا اور اب خدا کے فضل سے دنیا کے قریباً 188 ممالک میں جماعت احمدیہ قائم ہو چکی ہے۔ لیکن 1974ء کے فیصلے کے وقت جو 72 گروہ متفق ہوئے تھے۔ ان میں آج تک کسی معاملہ میں بھی اتفاق نہیں۔ گویا یہ قوم غیر مسلم بنانے پر اتفاق رکھتی ہے کسی کو مسلمان بنانے یا قرار دینے پر اتفاق نہیں بلکہ اختلاف یہاں تک ہیں کہ امت کی وحدت والی کوئی خوبی یا صفت موجود نہیں مثلاً امام ایک نہیں، نظام ایک نہیں، پروگرام ایک نہیں، مرکز ایک نہیں، پالیسی ایک نہیں، آپس میں اخوت اور محبت نہیں، جبکہ یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ کو عطا کر رکھی ہیں جس کو 1974ء کی اسمبلی میں غیر مسلم قرار دیا گیا۔

اگر 1974ء کی اسمبلی کا یہ فیصلہ درست ہے تو کیا غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ نے ایک امام بین الاقوامی سطح پر دیا ہوا ہے کیا غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ نے ایک نظام دیا ہوا ہے۔ کیا غیر مسلموں کو اللہ تعالیٰ نے ایک پروگرام پر متفق کیا ہوا ہے اتنا تو سوچنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا ہے یا غیر مسلموں کا اور کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بہتر پہچانتا جانتا ہے یا کہ اسمبلی اور علماء؟ اور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے سلوک شناخت و پہچان کیلئے کافی نہیں؟ کاش کہ اہل عقل وعلم غور کر سکیں۔

محترم عطاء المجیب راشد صاحب ایم.اے

امام مسجد فضل لندن و مبلغ انچارج برطانیہ

اللہ تعالیٰ کا بے حد وحساب کرم اور اور احسان ہے کہ اس نے اس عاجز کو میری بے حساب کمزوریوں اور نالائقیوں کے باوجود محض اپنی عنایت خاص سے خدمت دین کے لئے زندگی وقف کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور پھر مزید احسان یہ کہ میدان تبلیغ میں اترنے کے بعد انگلستان، جاپان اور پھر دوسری بار انگلستان میں تبلیغ اسلام کی سعادت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ سلسلہ جاری ہے اور میری دعا ہے کہ زندگی کے آخری سانس تک خدمت دین کا یہ سلسلہ جاری وساری رہے اور یہی خدمت بجالاتے ہوئے میں اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو جاؤں۔

۱۹۵۹ء میں میٹرک کرنے کے بعد تعلیم الاسلام کالج میں داخل ہوا۔ ۱۹۶۱ء میں ایف۔اے اور ۱۹۶۳ء میں بی۔اے کیا۔ ۱۹۶۵ء میں عربی میں ایم۔اے کیا اور ۱۹۶۶ء میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور پنجاب یونیورسٹی میں اول رہا۔ جس روز میں نے ایم۔اے کا آخری پرچہ دیا۔ اس کے اگلے روز میں نے اپنی زندگی کا بہترین فیصلہ کیا اور وہ تھا وقف زندگی کا فیصلہ۔ اس وقت مجھے کہا جا رہا تھا کہ میں فوری طور پر کالج میں لیکچرار بن جاؤں اور اس کی گنجائش بھی تھی لیکن **الحمدللہ** کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس وقت صحیح اور مبارک فیصلہ کرنے کی توفیق دی۔ وَذَالِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

وقف زندگی کے بعد خاکسار نے چار سال جامعہ احمدیہ ربوہ میں دینی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۶۹ء میں **شاھد** کی ڈگری حاصل کر کے فارغ التحصیل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے کلاس میں اوّل پوزیشن حاصل کی۔ ایک سال تک دفتر وکالت تبشیر میں دفتری کام کا تجربہ حاصل کیا اور اس کے بعد ستمبر ۱۹۷۰ء میں بطور مبلغ سلسلہ ونائب امام مسجد فضل لندن انگلستان میں خدمت دین کا آغاز کیا۔ ستمبر ۱۹۷۳ء میں ربوہ واپسی ہوئی۔ نومبر ۱۹۷۳ء میں صدر مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی ذمہ داری سپرد ہوئی۔ اسی خدمت کے دوران فروری ۱۹۷۵ء کو جاپان روانگی کا ارشاد ہوا جہاں پر اس عاجز کو فروری ۱۹۷۵ء سے اکتوبر ۱۹۸۳ء تک

امیر ومبلغ انچارج جاپان کے طور پر خدمت کی سعادت ملی۔

اس کے بعد نومبر ۱۹۸۳ء میں اس عاجز کو انگلستان بھجوایا گیا۔ جہاں خاکسار کو امیر جماعت احمدیہ برطانیہ ومبلغ انچارج وامام مسجد فضل لندن کی عظیم ذمہ داری سپرد ہوئی۔ ایک سال کے بعد امارت کی ذمہ داری مکرم چوہدری انور کاہلوں صاحب کے سپرد ہوئی اور اس عاجز نے مبلغ انچارج برطانیہ وامام مسجد فضل لندن کے طور پر خدمت دین کا سلسلہ جاری رکھا اور الحمدللہ و المنة کہ یہ سلسلہ جاری وساری ہے۔ اللہ تعالیٰ آخری سانس تک نہایت سرخروئی کے ساتھ اس کی توفیق دیتا چلا جائے اور محض اپنے خاص فضل سے سب ادنیٰ خدمات کو اپنے حضور قبول فرمائے۔ آمین

اس عاجز کو میدان تبلیغ میں جو تجربات ہوئے ان میں سے بعض کا مختصر ذکر کرتا ہوں۔ ان واقعات میں کوئی خاص زمانی ترتیب نہیں ہے بلکہ واقعات کا ایک گلدستہ ہے جو قارئین کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اور سب قارئین سے دعا کی عاجزانہ درخواست ہے۔

برطانیہ میں پہلی تقریر کا تجربہ

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس عاجز کو پہلی بار ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۳ء تک برطانیہ میں خدمت اسلام کا موقع ملا اور اس کے بعد جاپان سے آکر ۱۹۸۳ء سے یہ سعادت محض اور محض اللہ تعالیٰ سے فضل وکرم سے نصیب ہو رہی ہے۔ اس عرصہ میں اس عاجز کو ملک کے طول وعرض میں سینکڑوں تبلیغی لیکچرز دینے کا موقعہ ملا ہے۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کروں وہ کم ہوگا۔ مجھے یاد ہے کہ ابتداء میں جب میں یہاں آیا تو کچھ عرصہ کے بعد مجھے لندن کے قلب میں واقعہ مشہور ومعروف ہائیڈ پارک میں بھی کئی بار عام پبلک میں تبلیغی تقاریر کا موقعہ ملا۔ وہاں پارک کے ایک کونے میں کھلی جگہ اس غرض سے بنی ہوئی ہے۔ اس کو SPEAKER'S CORNER یعنی گوشۂ مقررین کہا جاتا ہے۔ وہاں کوئی شخص بھی کسی موضوع پر تقریر کر سکتا ہے۔ سننے والوں کو بھی آزادی ہوتی ہے کہ تقریر کے دوران مقرر کو روک کر سوال بھی کر لیں اور تقریر نہ سننا چاہیں تو کسی اور طرف کو رخ کر لیں۔ اس ماحول میں بڑی محنت اور کوشش سے حاضرین کو متوجہ کرنا پڑتا ہے۔

مجھے یاد ہے کہ مسجد فضل سے اس غرض سے روانہ ہوتے تو راستہ میں مختلف سٹوروں اور دکانوں کے باہر لکڑی کے بنے ہوئے ڈبے پھینکے ہوتے تھے۔ ان ڈبوں میں سبزیاں، پھل اور دیگر اشیاء پیک ہو کر آتی

تھی۔ دکانداروں کی اجازت سے ہم چند ڈبے اٹھا کر کاروں میں رکھ لیتے اور ہائیڈ پارک کے کونے میں مناسب جگہ دیکھ کر یہ ڈبے اوپر نیچے رکھ کر ایک عارضی سا سٹیج بنا لیتے اور مناسب وقت دیکھ کر تقریر شروع کر دی جاتی۔ تقریر کا کوئی خاص موضوع نہ ہوتا تھا۔ کبھی حالات حاضرہ کے کسی پہلو سے بات کا آغاز کرتے اور کبھی کسی اور انداز میں۔ مقصد یہ ہوتا تھا کہ آہستہ آہستہ لوگ اکٹھے ہونے لگ جائیں۔ چند دوست جو میرے ساتھ ہوتے وہ دائرہ کی شکل میں کھڑے ہو جاتے اور باقی لوگ بھی جمع ہونے لگتے۔ کچھ حاضری ہو جانے پر پھر تقریر کا موضوع بدلتے ہوئے اسلامی تعلیمات کا تعارف شروع کیا جاتا۔ عیسائیت سے موازنہ کی بات بھی ہو جاتی اور پھر موقع کی مناسبت سے آگے سے آگے بڑھتی جاتی۔ درمیان میں سوال و جواب کا سلسلہ بھی شروع ہو جاتا اور کافی دیر جاری رہتا۔ لیکن یہ ان دنوں کی بات ہے جب یہاں کا ماحول آج کل کے متعصّبانہ ماحول سے یکسر مختلف تھا۔ اس زمانہ میں سنجیدہ لوگ بھی کثرت سے پارک کی سیر کے لئے آتے اور گوشۂ مقررین میں بھی توجہ سے باتیں سنتے۔ کبھی کبھار شر پسند عناصر بھی آ جاتے جو شور و غوغا کرتے اور خرابی پیدا کرتے لیکن سنجیدہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد تک پیغام حق پہنچانے کا اچھا موقع مل جاتا تھا۔ اب تو زمانہ بدل گیا ہے اور پہلے جیسا ماحول بالکل نہیں رہا۔ اس وجہ سے ان دنوں ہائیڈ پارک کارنر میں سنجیدہ مقررین اور سنجیدہ موضوعات پر تقاریر کا سلسلہ ختم ہو گیا ہے۔

تقاریر تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بکثرت کرنے کی توفیق ملی لیکن برطانیہ میں سب سے پہلی تبلیغی تقریر کرنے کا واقعہ میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ یہ ۱۹۷۰ء کی بات ہے مجھے لندن آئے ابھی قریباً دو ماہ ہوئے تھے۔ میں ابھی یہاں کے ماحول، انداز بیان اور تلفظ وغیرہ سے مانوس ہونے کی کوشش کر رہا تھا کہ میری تبلیغی تقاریر کے آغاز کا دن آ پہنچا۔ ان دنوں محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق مبلغ انچارج اور امام مسجد فضل لندن تھے۔ میں صبح کے وقت اپنے دفتر میں بیٹھے کام کر رہا تھا کہ وہ آئے اور بتایا کہ آج انہوں نے (غالباً) بریڈ فورڈ کے قریب کسی College for Further Eductaion میں تعارف اسلام پر تقریر کرنے جانا تھا لیکن شدید فلو کی وجہ سے نہ جا سکیں گے۔ چنانچہ ان کی جگہ مجھے اس کالج میں تقریر کے لئے ہدایت ہوئی۔

اچانک تقریر کا سن کر میں فکر مند تو ہوا لیکن دعا کرتے ہوئے کچھ دیر تیاری کی اور مشن سے روانہ ہوا۔ اس وقت تک میں نے برطانیہ میں گاڑی پر اکیلے سفر نہ کیا تھا۔ لندن سے باہر جانے والی گاڑیوں کا کچھ علم نہ تھا۔ بہر حال جو معلومات محترم خان صاحب نے مجھے دیں ان کے مطابق میں پوچھتے پچھاتے بالآخر صحیح

گاڑی میں سوار ہو گیا۔قریباً آدھے پونے گھنٹہ کا سفر تھا۔اس دوران میں نے دعا بھی کی اور کچھ نوٹس بھی لکھے۔سٹیشن پر اترا تو بیرونی دروازہ پر ایک انگریز ٹیچر میرے منتظر تھے۔غالباً ٹوپی کی وجہ سے انہوں نے فوراً مجھے پہچان لیا۔تعارف ہوا۔کار میں بیٹھے اور چند منٹ میں کالج پہنچ گئے۔انہوں نے چائے کا پوچھا تو میں نے معذرت کی کیونکہ رمضان کے دن تھے اور میں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔فوراً ہی لیکچر کا وقت ہو گیا اور وہ مجھے لے کر ہال میں داخل ہوئے۔پچاس سے زائد بڑی عمر کے احباب وخواتین اس ہال میں بطور طالب علم بیٹھے تھے۔میرا تعارف کروایا گیا اور تقریر کی دعوت دی گئی۔

اس طرح انگریزوں کے سامنے پبلک تبلیغی تقریر کا میرے لئے یہ پہلا تجربہ تھا۔طبعاً مجھے شدید گھبراہٹ تھی لیکن میں مسلسل دعاؤں میں مصروف تھا اور انہی کی وجہ سے مجھے سہارا تھا۔میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کھڑا ہو گیا اور تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد میں نے تقریر شروع کر دی۔مجھے قطعاً یاد نہیں کہ میں نے کس طرح آغاز کیا۔کیا کچھ بیان کیا اور کس طرح تقریر مکمل کی۔بہرصورت تقریر مکمل ہوئی اور لوگوں نے روایتی انداز میں تالیاں بجائیں۔ظاہر ہے کہ یہ تقریر کی کسی عمدگی کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ اس ملک کی روایت ہے جو انہوں نے پوری کی۔تقریر تو خیر جس طرح سے بھی ہوئی ہو گئی۔میں آج بھی یاد کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی میری نصرت اور پردہ پوشی فرمائی اور میں نے بیس پچیس منٹ کی تقریر اپنی طرف سے تسلی بخش انداز میں کر لی۔تقریر کے بعد سوال وجواب کا وقفہ تھا۔

یہ مرحلہ میرے لئے سب سے زیادہ مشکل تھا۔تقریر میرے لئے اس لحاظ سے قدرے آسان تھی کہ جو مجھے آتا تھا اور جو الفاظ میں جانتا تھا ان کو استعمال میں لاتے ہوئے میں نے اپنا مفہوم ادا کر دیا لیکن اب مرحلہ تھا انگریز حاضرین کے سوالات کو سمجھنے کا اور فوری طور پر ان کے جوابات دینے کا اور وہی ہوا جس کا مجھے دھڑکا لگا ہوا تھا۔پہلا سوال ہی ایسا ہوا کہ میں اس کو سمجھ نہ سکا۔سوال یہ تھا کہ Contraception کے بارہ میں اسلامی تعلیم کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ جب سوال ہی سمجھ نہ آئے تو اس کا جواب کیسے دیا جا سکتا ہے۔میں سخت پریشان ہوا۔قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس وقت میری کیا حالت ہوئی ہو گی۔گویا سر منڈاتے ہی اولے پڑے والی حالت تھی۔اللہ تعالیٰ نے میری حالت پر رحم کھایا اور میری توجہ اس طرف پھیر دی کہ میں سائل سے کچھ مزید وضاحت کی درخواست کروں۔سوال تو واضح تھا لیکن مجھے اس لفظ کا مطلب نہیں آتا تھا۔جو سوال میں استعمال ہوا تھا۔بہرحال میں نے جرأت کر کے سائل سے کہا کہ کیا آپ یہ وضاحت کریں گے

کہ آپ کس پہلو سے اسلام کی تعلیم جاننا چاہتے ہیں۔اس پر سائل نے جو فقرات ادا کئے ان میں ایک جگہ Family Planning یعنی خاندانی منصوبہ بندی بھی آتا تھا۔اس لفظ سے مجھے سوال کا اندازہ ہو گیا اور میں نے فوراً اس سوال کا جواب دے دیا۔ **الحمدللہ** کہ اللہ تعالیٰ نے میری لاعلمی کی لاج رکھ لی اور اس مشکل کو آسان کر دیا۔

اس کے بعد دیگر سوالات بھی ہوئے لیکن اس طرح کی کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔حاضرین کے چہروں سے نظر آ رہا تھا کہ وہ میری بات کو سمجھ رہے ہیں اور سوالات کے جوابات سے بھی مطمئن ہیں۔آخر میں حاضرین نے ایک بار پھر تالیاں بجا کر اپنا طریق پورا کیا اور میں اس وقت اس حالت میں تھا کہ میری روح آستانہ الٰہی پر جذبات تشکر کے ساتھ بچھی ہوئی تھی۔منتظمین نے بڑے احترام سے رخصت کیا۔

گاڑی میں بیٹھ کر جب روانہ ہوا تو ایک بار پھر میری عجیب کیفیت ہوئی۔اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی اور دستگیری اور پردہ پوشی پر میرا رؤاں رؤاں اس کے حضور جھکا ہوا تھا۔لاریب اللہ تعالیٰ ہی ہر کمزور اور عاجز انسان کا اول و آخر سہارا ہے اور جب کوئی تبلیغ اسلام کی راہ میں نکلتا ہے تو پھر تو اللہ تعالیٰ کے کارندوں پر رحمت الٰہی کی موسلا دھار بارش برستی ہے **والحمدللہ علیٰ ذالک**۔

ذرّہ نوازی کی ایک مثال

اللہ تعالیٰ کس طرح غیب سے مدد کرتا ہے اور ایک چھوٹی سی کوشش کو کس طرح اپنی شانِ کریمی سے نوازتا ہے اس کی ایک مثال یہ ہے کہ چند سال قبل اپنے معمول کے طریق کے مطابق ایک سرکلر تیار کر کے ملک کے قریباً سب تعلیمی ادارہ جات کو بھجوایا گیا جس میں یہ لکھا تھا کہ جماعت احمدیہ برطانیہ اس ملک میں قدیم ترین مسلم جماعت کے طور پر کام کر رہی ہے۔اسلام کی خاطر ہماری خدمات حاضر ہیں۔آپ چاہیں تو ہم آپ کے ادارہ میں اسلام کی وضاحت کے لئے کوئی مقرر بھجوا سکتے ہیں۔آپ مسجد آ کر اسلام کے بارہ میں معلومات حاصل کرنا چاہیں تو ہمارے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں۔لٹریچر کی ضرورت ہو تو وہ بھجوایا جا سکتا ہے یا اگر آپ کوئی معین سوال پوچھنا چاہتے ہیں تو فون پر دریافت کر لیں یا بذریعہ خط ہم سے رابطہ کر سکتے ہیں۔اس خط کو اپنے ریکارڈ میں رکھیں۔کسی وقت کام آئے گا۔

جس نوجوان کے سپرد یہ کام کیا گیا اس نے ڈائریکٹری دیکھ کر ہر قسم کے تعلیمی ادارہ جات کو یہ سرکلر پوسٹ کر دیا۔اس کے جواب میں ISLE OF MAN کے ایک سکول کی طرف سے خط آیا کہ ہمارے

سکول میں تقریر کے لئے ایک مقرر بھجوایا جائے۔ خط ملا تو مجھے حیرت بھی ہوئی اور خوشی بھی کہ ایک دور کے جزیرہ سے یہ خط آیا ہے جو لندن سے کافی دور ہے اور اس سے قبل ہمارا وہاں کبھی کوئی رابطہ نہیں ہو سکا تھا۔ میں نے جوابی فون کیا تو سکول کے استاد کو خود بھی یہ احساس ہوا کہ ہم نے بڑی دور سے مقرر بھجوانے کا مطالبہ کر دیا ہے لیکن میں نے کہا کہ ہرگز فکر نہ کریں ہم اپنے وعدہ کے مطابق ضرور اس کا انتظام کریں گے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ذکر کر دیا کہ اتنی دور سے ہم آئیں گے تو ضرور لیکن کیا یہ ممکن ہوگا کہ آپ ایک تقریر کی بجائے (جو صرف ایک کلاس میں ہوگی) آپ کوئی ایسا پروگرام بنالیں کہ سکول کے سب طلبہ اور طالبات نیز ممبران سٹاف سے بھی اسلام کے بارہ میں بات چیت کا موقع مل جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس تجویز پر غور کر کے رابطہ کریں گے۔

چند دنوں کے بعد انہوں نے بتایا کہ انہوں نے مشورہ کے بعد یہ طے کیا ہے کہ چونکہ یہ اسلام کے بارہ میں جاننے کا اس سکول میں پہلا موقعہ ہوگا اس لئے ہم نے سارے دن کا پروگرام بنالیا ہے اور اس دن کو گویا ISLAM DAY قرار دیا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ یہ طے پایا ہے کہ مختلف کلاسز کو اکٹھا کر کے سارے طلبہ و طالبات کو گروپس میں تقسیم کر دیا ہے۔ ایک گروپ سے صبح کے وقت خطاب اور سوال و جواب ہو جائے اور دوسرے گروپ سے بعد دوپہر اسی طرح خطاب اور سوال و جواب کا پروگرام ہو جائے۔ دوپہر کے کھانے کے وقت سب اساتذہ سے ملاقات اور بات چیت کا پروگرام رکھا گیا ہے۔ میں نے اس سارے پروگرام سے اتفاق کیا اور دیگر تفاصیل بھی طے کر لیں۔

مختصر یہ کہ چند دنوں کے بعد مقررہ پروگرام کے مطابق میں چند دوستوں کے ہمراہ اس جزیرہ میں گیا۔ ایک چھوٹے بحری جہاز میں سفر کرتے ہوئے ہم DOUGLOS شہر پہنچے ISLE OF MAN کا مرکزی شہر ہے اور سکول بھی اسی شہر میں تھا۔ اگلے روز اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس سکول میں صبح سے شام تک تبلیغ اسلام کا بھرپور پروگرام ہوا۔ دونوں تقاریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ دوپہر کے کھانے کے وقت سکول کے سارے اساتذہ کے ملاقات بھی بہت اچھی رہی۔ سب نے بڑی دلچسپی سے سوالات دریافت کئے اور جوابات سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے مطمئن ہوئے۔ میرے ساتھی دوستوں نے اس موقع پر سکول کے استقبالی ہال میں اسلامی لٹریچر کی ایک خوبصورت نمائش کا بھی اہتمام کیا جو سب طلبہ و طالبات کی دلچسپی کا مرکز بنی رہی۔ سکول کے سب طلبہ و طالبات کو مختصر اسلامی لٹریچر بھی دیا گیا

نیز سکول کی لائبریری کے لئے ہم نے قرآن مجید اور اسلامی لٹریچر کا تحفہ بھی پیش کیا جو بہت خوشی اور شوق سے قبول کیا گیا۔ الغرض سارا دن بھرپور مصروفیت میں گزرا۔

مجھے یاد ہے کہ اس روز میں شام کے وقت جب سکول سے باہر نکلا تو دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز تھا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ کریمی سے ذرّہ نوازی کرتے ہوئے ہماری ایک معمولی سی کوشش کو اتنا نوازا اور اتنا بارآور کیا کہ ہم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ تعلیمی اداروں کو سرکلر بھجواتے ہوئے یہ خیال تک نہ تھا کہ ایسی بھرپور اور خوش کن صورت تبلیغ اسلام کی پیدا ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر ادا کیا جائے وہ کم ہے۔

نیک تاثیر خدا تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے

قیام انگلستان کے دوران برطانیہ کے مختلف چرچوں میں جانے اور پادریوں اور عیسائیوں سے ملنے کے مواقع بکثرت ملتے رہے ہیں بعض اوقات چرچوں میں جا کر اسلام کے بارہ میں تقاریر کی بھی صورت پیدا ہوئی۔ ان تثلیث کدوں میں اعلائے کلمۂ اسلام کے مواقع پر جو روحانی لذت حاصل ہوتی ہے۔ اس کا بیان کرنا بہت مشکل بات ہے اس سلسلہ میں ایک یادگار موقعہ ایسا ہے جو میں کبھی بھی فراموش نہیں کر سکتا۔ اس کا ذکر کرتا ہوں:

غالباً ۲۰۰۵ء کی بات ہے کہ مجھے کارنوال کے علاقہ میں ایک قدرے تفصیلی دورہ کا موقع ملا۔ اس کا اہتمام ریجنل امیر مکرم چوہدری رشید احمد صاحب چھیدو مرحوم نے بڑی کوشش اور محنت سے کیا۔ دورہ کی ایک مصروفیت ایک دور دراز علاقہ میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں ایک بہت پرانے چرچ میں تعارف اسلام کی ایک تقریر تھی۔ جب ہم وہاں پہنچے تو چرچ کے پادری نے باہر آ کر ہمارا پرتپاک استقبال کیا۔ تقریر سے قبل چرچ کا تعارف کرواتے ہوئے بتایا کہ یہ کئی سو سال پرانا چرچ ہے اور آج یہ اس چرچ کی تاریخ میں پہلا موقعہ ہے کہ ہم نے اسلام کے بارہ میں تقریر کے لئے کسی مسلمان مقرر کو دعوت دی ہے۔ اجلاس کا وقت ہوا تو یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ علاقہ کے عیسائی لوگ شوق سے آنے لگے۔ جلد ہی چرچ کا ایک حصہ بھر گیا۔ تعداد ستر، اسی کے قریب ہوگی جو اس علاقہ کے لحاظ سے اور عام چرچوں میں عمومی حاضری کے اعتبار سے بہت خوشکن تھی۔ پادری نے ہمیں خوش آمدید کہا اور تعارف کے بعد تقریر کی دعوت دی۔

دعا کرتے ہوئے، اسلامی طریق کے مطابق میں نے تقریر کا آغاز کیا۔ اس تقریر کے لئے میں نے یہ

سوچا تھا کہ چونکہ تقریر کے جملہ سامعین باقاعدہ چرچ آنے والے پختہ عقیدہ کے عیسائی ہیں اس لئے حکمت کے طریق کو اختیار کرتے ہوئے اسلامی اور عیسائی تعلیم کے براہ راست موازنہ کو نہ لیا جائے بلکہ مثبت رنگ میں اسلامی تعلیمات اور ان کے فضائل کا ہی ذکر کیا جائے۔ چنانچہ اسی انداز میں میں نے تقریر کی اور اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی نصرت کرتے ہوئے کچھ اس رنگ میں توفیق عطا فرمائی کہ عیسائیت کا لفظ تک تقریر میں لائے بغیر اسلامی تعلیمات کو خوب اجاگر کرنے کا موقع ملا۔ تقریر کا وقت تو غالباً چالیس منٹ مقرر تھا (جو برطانیہ کے لحاظ سے معمول سے قدرے زیادہ تھا) لیکن میں اس مضمون میں ایسا مستغرق ہوا کہ مجھے وقت کا خیال نہ رہا اور سامعین بھی اس طرح توجہ سے سن رہے تھے کہ طوالت کا احساس تک نہ ہوا۔ تقریر کے آخر میں وقت دیکھا تو پچپن منٹ ہو چکے تھے لیکن سامعین بھی اسی طرح ہمہ تن گوش ہو کر سن رہے تھے کہ کسی کے چہرے پر اکتاہٹ کا کوئی بھی اثر نہ تھا۔

بہرحال تقریر ختم ہوئی تو پھر سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ خیال تھا کہ رات کافی دیر ہو جانے کی وجہ سے یہ بہت مختصر ہو گا لیکن نصف گھنٹے سے زائد عرصہ جاری رہا بلکہ اجلاس ختم ہونے کے بعد بھی سامعین کی بڑی تعداد نے انفرادی طور پر بھی سوالات دریافت کئے اور اس بات پر خوشی کا اظہار کیا کہ آج ہم نے پہلی بار اسلام کے بارہ میں اتنی معلومات حاصل کی ہیں۔ یہ تو سامعین کی خوشی کی بات تھی لیکن جس بات سے مجھے خوشی ہوئی اور دل پاتال تک اللہ تعالیٰ کے شکر سے بھر گیا، وہ میں عرض کرتا ہوں۔

اجلاس کے بعد جب عیسائی مہمان احباب اور خواتین باری باری آ کر مجھے مل رہے تھے تو ان میں ایک ادھیڑ عمر کی ایک خاتون بھی تھیں۔ بڑے احترام سے مجھے ملیں اور تقریر کی پسندیدگی کا ذکر کیا اور پھر کہنے لگیں کہ میں آپ کو یہ بات بتانے کے لئے آئی ہوں کہ آج جب میں اس پروگرام میں شریک ہونے کے لئے یہاں آ رہی تھی تو میرا دل اسلام کے خلاف نفرت سے پُر تھا۔ جو کچھ میں نے اسلام کے بارہ میں ذرائع ابلاغ سے سنا ہوا تھا اس کی وجہ سے میرا دل اسلام سے سخت متنفر تھا لیکن میں پھر بھی اس پروگرام کے لئے آ گئی لیکن اجلاس میں آپ کی تقریر اور سوال و جواب کا پروگرام سننے کے بعد اب میرے دل سے اسلام کے خلاف یہ ساری نفرت دور ہو گئی ہے! وہ خاتون بڑے خلوص اور سچے دل سے یہ بات کہہ رہی تھی اور میرا دل اللہ تعالیٰ کے شکر سے لبریز تھا کہ محض اس کے فضل سے یہ نیک تاثیر پیدا ہوئی۔ لاریب وہی مقلب القلوب ہے اور ہر نیک تاثیر محض اور محض اسی کے فضل سے پیدا ہوتی ہے **وللہِ الحمد**۔

تبلیغ کی برکت سے شفایابی

مارچ ۲۰۰۵ء کی بات ہے۔ میری پیاری امی جان مرحومہ سخت بیمار ہوگئیں اور ڈاکٹری ہدایت کے مطابق انہیں ہسپتال داخل ہونا پڑا۔ بیماری کی نوعیت ایسی تھی کہ آپ کو قریباً پانچ ہفتے وہاں رہنا پڑا۔ اس عرصہ میں ایک مرحلہ ایسا بھی آیا کہ آپ کی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔ لمبی بیماری اور عمر کی وجہ سے کمزوری تو تھی ہی لیکن بعض اورعوارض سے جسم کی قوت مدافعت بہت کم ہورہی تھی۔ ڈاکٹروں نے اشارۃً تو کمزور حالت کا ذکر کیا لیکن پوری تفصیل نہ بتائی۔ تاہم بعض عزیز رشتہ داروں نے بعض ڈاکٹری رپورٹوں سے دیکھ کر بتایا کہ حالت بہت نازک ہے اور کسی وقت بھی کوئی بات رونما ہوسکتی ہے۔ دعاؤں کا سلسلہ تو ہمیشہ جاری تھا اس اطلاع سے دعاؤں کی طرف زیادہ توجہ ہوگئی کیونکہ یہی تو ایک مومن کا اوّل وآخر سہارا ہوتا ہے۔

ایک طرف پیاری امی جان کی بیماری کی یہ حالت اور دوسری طرف بالکل اسی روز ایسٹ لندن کے علاقہ میں ایک تبلیغی مجلس کا پروگرام پہلے سے طے شدہ تھا۔ اجلاس میں اسلام احمدیت کے بارہ میں تعارفی تقریر کے بعد سوال وجواب کا پروگرام ہونا تھا جس کے لئے کافی تعداد میں مہمانوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ اب ایک عجیب کیفیت پیدا ہوگئی۔ صحت کی کمزور حالت اور سب عزیزان جن کو ڈاکٹروں کی رپورٹوں سے بیماری کی کیفیت کا تفصیلی علم تھا، ان کی طرف سے پُر زور اصرار کہ ایسی نازک حالت میں میں اس تقریب میں جانے کا پروگرام بدل دوں۔ یہ صورت ایک طرف اور دوسری طرف یہ خیال کہ تبلیغی پروگرام میں شمولیت بھی ضروری ہے غیر از جماعت مہمانوں کو بلایا ہوا ہے۔ بہرحال میں نے ذرا سا سوچا اور پھر پورے شرح صدر کے ساتھ یہ فیصلہ اورعزم کرلیا کہ میں تبلیغ کے پروگرام میں شمولیت کے لئے جاؤں۔ شفا تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ میں یہاں ہوکر سوائے دعا کے اور کیا کرسکتا ہوں اور دعا کا یہ موقعہ زیادہ بہتر رنگ میں حالت سفر میں نصیب ہوگا اور خدا کرے کہ اللہ تعالیٰ اس تبلیغی کام کی برکت سے پیاری امی جان کی زندگی میں برکت عطا فرمادے۔ چنانچہ میں پورے یقین اور عزم کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہوئے اس تبلیغی پروگرام پر روانہ ہوگیا۔

فکرمندی تو بے حد تھی اور سارا وقت دھیان (سفر کے دوران) اسی طرف رہا۔ میں نے کار کے ڈرائیور سے کہا کہ سفر میں مجھ سے باتیں نہ کریں۔ میرا مقصد یہ تھا کہ میں زیادہ توجہ سے دعا کرسکوں گا۔ **الحمدللہ** کہ اللہ تعالیٰ نے ایک گھنٹہ کے سفر میں دعاؤں کا خوب موقع دیا۔ تبلیغ کی مجلس والی جگہ پر پہنچتے

ہی میں نے فون پر امی جان کی خیریت کی خبر پوچھی اور پھر تبلیغی پروگرام میں مصروف ہو گیا۔ تقریر کے بعد سوال و جواب کا کافی لمبا سلسلہ جاری رہا۔ اس کے معاً بعد پھر فون پر خیریت دریافت کی۔ اس کے بعد دعوت طعام اور پھر نمازوں کی ادائیگی کے بعد وہاں سے واپسی ہوئی۔ راستہ میں بھی موبائل فون پر خیریت دریافت کرتا رہا۔ رات گئے کافی دیر سے واپسی ہوئی اور سیدھا ہسپتال پیاری امی جان کے کمرے میں گیا۔ آپ کی صحت بدستور کمزور تھی لیکن اب طبیعت میں ٹھہراؤ تھا۔ نازک مرحلہ گزر چکا تھا۔ اس کے چند روز بعد طبیعت قدرے بہتر ہونے پر ہسپتال سے گھر واپسی ہوئی۔ **الحمدللہ** کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ایک شدید نازک مرحلہ پر پیاری امی جان کو شفا عطا فرمائی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد ان کی عمر میں قریباً اڑھائی سال کا مزید عرصہ بڑھا دیا اور بالآخر آپ نے ۶ر ستمبر ۲۰۰۷ء کو ۹۵ سال سے زائد عمر پا کر اس عارضی دنیا سے رحلت فرمائی **انّا للّٰہ و انا الیہ راجعون**۔ پیاری امی جان کی زندگی میں یہ برکت یقیناً اس تبلیغی پروگرام میں شمولیت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت پر کامل یقین کی وجہ سے ہوئی!

ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ محکم اصول بیان فرمایا ہے کہ بندوں کو ہدایت دینا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ جب تک وہ کسی کو ہدایت دینے کا فیصلہ نہ فرمائے ناممکن ہے کہ کوئی اور اپنی کوشش، علم یا خواہش سے اس کو راہ راست پر لا سکے۔ مبلغ کا کام دراصل اتنا ہی ہوتا ہے کہ وہ پُر خلوص رنگ میں، بہتر سے بہتر انداز میں پیغام حق لوگوں تک پہنچا دے اور دعا کرے کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کلمات میں برکت عطا کرے اور مخاطبین کے دل کھول دے اور انہیں ہدایت عطا فرمائے۔

میدانِ تبلیغ میں ایسے واقعات بکثرت پیش آتے رہتے ہیں جن سے یہ اصول خوب کھل کر سامنے آتا اور بار بار روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس کا ایک بہت پُر لطف اور ایمان افروز تجربہ مجھے شیفیلڈ (برطانیہ) میں ایک تبلیغی مجلس کے بعد ہوا۔ اس مجلس کا انعقاد ڈاکٹر عبدالمنان شیخ صاحب کے مکان پر ہوا۔ چند عرب دوستوں کو بات چیت کے لئے بلایا گیا تھا۔ میرے ساتھ محترم ڈاکٹر سعید احمد خان صاحب مرحوم اور ان کی اہلیہ محترمہ سلمیٰ مبارکہ صاحبہ اور چند مقامی احباب تھے۔ عرب دوست خوب تیاری کر کے، بہت سی کتابیں ساتھ لے کر آئے ہوئے تھے۔ جیسا کہ ایسی مجالس میں اکثر ہوتا ہے بات چیت شروع ہوئی تو عرب دوستوں نے بجائے ہماری اصولی باتوں پر غور فکر کرنے اور توجہ دینے کے، بعض ضمنی باتوں کو اٹھا کر

اعتراضات کرنے شروع کر دیئے۔ان اعتراضات کے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت کافی اور شافی جوابات دیئے گئے لیکن وہ جوابات پر غور کرنے کی بجائے نئے سے نئے اعتراضات کرتے چلے جارہے تھے۔ شاید ان لوگوں کو اپنی عربی دانی کا زُعم تھا یا اپنے عرب ہونے پر فخر تھا کہ وہ ہماری سب وضاحتوں کو تخفیف کے رنگ میں نظر انداز کرتے چلے گئے اور یہی کہتے چلے گئے کہ ہماری تسلی نہیں ہوئی اور جوابات سے ہم مطمئن نہیں ہیں۔

یہ تبلیغی مجلس کم و بیش سات گھنٹے جاری رہی اور بظاہر کسی مثبت نتیجہ کے بغیر ہی ختم ہوئی۔اس بات کا طبیعتوں پر اثر تھا کہ اتنی لمبی مجلس بھی ہوئی اور ہر بات خوب کھل کر واضح کی گئی لیکن کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا اور کسی بات کو بھی ان عرب دوستوں نے تسلیم نہیں کیا۔ بہر حال اس کیفیت میں یہ مجلس برخاست ہوئی اور سب دوست ایک ایک کر کے رخصت ہوئے۔لیکن اس روز اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص لطف واحسان سے ایک عجیب نشان دکھایا جس سے ہمارے ایمانوں میں بہت اضافہ ہوا اور دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کے شکر سے بھر گئے۔ ہوا یہ کہ جونہی یہ عرب مہمان رخصت ہوئے تو کمرہ کے ایک کونے میں بیٹھی ہوئی مراکش کی ایک تعلیم یافتہ مسلمان خاتون **ملکہ** نے کہا کہ آج میں نے ایک خاموش مبصر کے طور پر ساری کارروائی کو دیکھا اور سنا ہے اور میں پورے یقین اور دیانت داری سے آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ میری رائے میں احمدیوں کا پلہ بھاری رہا ہے اور ان کے پیش کردہ دلائل ہر لحاظ سے مضبوط اور بالا رہے ہیں۔اس خاتون نے اس خواہش کا بھی اظہار کیا کہ وہ احمدیت کے بارہ میں مزید معلومات حاصل کرنا چاہتی ہیں۔

محترمہ سلمیٰ مبارکہ خان صاحبہ نے اسے فوری طور پر اپنے گھر آنے کی دعوت دی جو اس نے بڑی خوش دلی کے ساتھ قبول کی اور اس وقت ہمارے ساتھ ان کے گھر آئیں۔وہاں چائے پی اور رات نصف شب کے بعد تک مختلف موضوعات پر بات چیت ہوتی رہی۔**الحمدللہ** کہ یہ ساری گفتگو بہت اچھے ماحول میں ہوئی۔

تبلیغی مجلس کے روز جب ہم نے وہاں وقفہ کے دوران مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا کیں تو یہ خاتون ہمارے ساتھ شامل نہ ہوئی تھیں۔انہوں نے الگ اپنی نماز ادا کی۔**الحمدللہ** کہ دوسری صبح جب ہم سب افراد خانہ نے نماز فجر ڈاکٹر صاحب کے گھر میں باجماعت ادا کی تو اس مسلمان خاتون نے نماز فجر ہمارے ساتھ باجماعت ادا کی اور درس بھی سنا۔بعد ازاں انہیں مزید مطالعہ کے لئے لٹریچر دیا گیا اور مسلسل رابطہ رہا اور بالآخر تین ہفتوں کے اندر اندر وہ بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں شامل ہو گئیں۔تبلیغ میں ہمارے

براہ راست مخاطب دوسرے عرب دوست تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے کونے میں بیٹھی ہوئی ملکہ کے دل کو نور ہدایت سے منور فرما دیا۔ حق یہی ہے کہ وَاللّٰهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ (البقرۃ: ۲۱۴)

جوتی کا تسمہ بھی کام آ گیا

کئی سال پرانی بات ہے۔ ایک تبلیغی اجلاس سے واپس آتے ہوئے ایک عجیب مسئلہ پیش آ گیا۔ سخت فکرمندی اور پریشانی کی حالت میں ایک جوتی کے تسمہ سے ہمارا مسئلہ حل ہو گیا اور ساتھ ہی اس بات کی بے حد خوشی ہوئی جب یہ بات یاد آئی کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ اپنی جوتی کے لئے تسمہ کی ضرورت ہو تو وہ بھی خدا تعالیٰ سے مانگا کرو۔

تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ میں اور ہمارے انگریز مبلغ مکرم طاہر سلبی صاحب ایک تبلیغی پروگرام سے بیڈفورڈ واپس آ رہے تھے۔ طاہر صاحب کار چلا رہے تھے اور موٹروے M62 پر سفر تیزی سے طے ہو رہا تھا۔ ہمیں جلدی بھی تھی کیونکہ بریڈفورڈ میں بھی ایک پروگرام میں شمولیت کرنی تھی۔ اس اثناء میں تیز بارش شروع ہو گئی اور دوسرا مسئلہ یہ بن گیا کہ کار کا بونٹ bonnet کھل گیا اور جس hook کے ساتھ بند تھا اس سے آزاد ہو گیا تھا۔ ایسی حالت میں کار کے چلنے پر آواز بھی آتی تھی اور یہ بھی خطرہ تھا کہ تیز ہوا سے اگر یہ بونٹ اوپر ہو گیا تو کار کا سامنے کا شیشہ بھی ٹوٹ سکتا ہے۔ بہر حال ایسی صورت تھی کہ ہمیں رکنا پڑا۔ بارش میں باہر نکل کر صورت حال کا اندازہ کیا اور بہت کوشش کی کہ کسی طرح بونٹ کو کسی اور چیز کے ساتھ جوڑ دیا جائے تا کہ وہ اوپر کی طرف حرکت نہ کر سکے۔ بارش اور شام کے اندھیرے میں کسی مفید چیز کی تلاش اور بھی مشکل ہو رہی تھی۔ کار کا پچھلا boot کھول کر رسی ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی لیکن کچھ نہ مل سکا۔ موٹروے پر کوئی اور مددگار بھی نہ تھا اور ہم بہت پریشانی میں کھڑے تھے اور کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ہم مشکل سے کیسے نکلیں اور بروقت بریڈفورڈ پہنچ سکیں۔

پریشانی کے ایسے مواقع پر اوّل و آخر سہارا تو دعا ہی ہوتی ہے۔ دعا کی طرف خاص توجہ رہی۔ اتنے میں اچانک اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہماری مشکل کو آسان کرنے کی راہ دکھا دی۔ طاہر سلبی صاحب کی نظر اچانک اپنے بوٹوں پر پڑی اور خیال آیا کہ کیوں نہ بوٹ کے تسمہ کو رسی کے طور پر استعمال کیا جائے۔ یہ خیال آتے ہی انہوں نے بوٹوں کے تسمے اتارے اور ان دونوں کو اکٹھا کر کے ان کے ذریعہ کھلے ہوئے

bonnet کو کسی نہ کسی طرح اس طرح باندھ دیا کہ وہ اب مضبوطی سے اپنی جگہ پر فکس ہو گیا تھا۔ چند منٹوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ کام مکمل ہو گیا اور اچھی طرح تسلی کرنے کے بعد ہم اللہ کا نام لے کر، اس کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے سفر پر روانہ ہوئے اور قریباً بروقت ہی اپنے اگلے پروگرام کے لئے بریڈ فورڈ پہنچ گئے۔

بظاہر یہ ایک چھوٹا سا واقعہ تھا لیکن ان حالات میں ہمارے لئے بہت ہی اہمیت کا حامل تھا۔ اسی کی ضرورت ایسی تھی کہ اس کے بغیر وہ مسئلہ حل نہیں ہوسکتا تھا۔ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے جوتی کے تسموں کے ذریعہ ہماری اس ضرورت کو پورا فرمایا اور پھر حدیث نبویؐ کا حوالہ یاد کر کے تو بہت ہی لطف آیا اور دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے بھر گیا۔

میں نے اس واقعہ کے جلد بعد ہی اس بارہ میں ایک مضمون لکھا تھا جو الفضل ربوہ میں شائع شدہ ہے۔ اس میں اس واقعہ کی زیادہ معین تفاصیل دیکھی جاسکتی ہیں۔

لٹریچر ایک شخص کو دیا اور احمدی دوسرا شخص ہوا

سچی بات یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دینا چاہے وہی ہدایت پاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ انگلستان میں قیام کے دوران پیش آیا۔ Kent کے علاقہ میں ROCHESTER جیل سے ایک غانین مسلمان قیدی ابراہیم کا خط آیا کہ وہ ملنا چاہتا ہے۔ میں اس سے ملنے کے لئے گیا۔ تفصیلی ملاقات ہوئی۔ اس نے اپنے حالات بتائے۔ میں نے اسے مناسب حال مشورے دیئے اور ساتھ ہی جماعت احمدیہ کا بھی تعارف کروایا۔ کچھ عرصہ کے بعد میں دوبارہ انہیں ملنے اسی جیل میں گیا تو ان کو مطالعہ کے لئے قرآن مجید کا ایک نسخہ اور جماعت کا کچھ اور لٹریچر بھی دے آیا۔ اس کے بعد بھی ان سے ملاقات ہوتی رہی لیکن پھر یہ رابطہ قائم نہ رہا۔ شاید وہ رہا ہو گئے یا کسی اور جیل میں منتقل ہو گئے۔ انہوں نے ابتداء میں احمدیت میں دلچسپی کا اظہار کیا، لٹریچر بھی پڑھا لیکن احمدیت میں داخل نہ ہوسکے۔

کچھ عرصہ کے بعد معلوم ہوا کہ اسی جیل میں ایک انگریز MR. JONES نے، جو عیسائی تھا، احمدیت یعنی حقیقی اسلام کو قبول کر لیا ہے۔ اس نو احمدی انگریز کا اسلامی نام سعید رکھا گیا۔ ان سے رابطہ کیا تو یہ جان کر بہت حیرت اور خوشی ہوئی کہ اس عیسائی نوجوان دوست کو اسلام اور احمدیت کا علم اس لٹریچر کو پڑھ کر ہوا جو انہیں اسی جیل کے ایک ساتھی قیدی غانین دوست ابراہیم کے ذریعہ ملا تھا۔ انہوں نے لٹریچر پر مطبوعہ

پتہ کے حوالے سے جیل سے قریب ترین جماعت جلنگھم سے رابطہ کیا چنانچہ وہاں کے بعض دوست ان سے متواتر ملتے رہے۔ مزید لٹریچر دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے سینہ کو نورِ اسلام سے منور کر دیا۔ چنانچہ انہوں نے حالت اسیری میں ہی بیعت کر لی۔ ان کا جماعت سے رابطہ باقاعدہ رہا۔ احمدی دوست ملنے کے لئے جاتے تو سب جیل کے کمرے میں چادر بچھا کر نماز باجماعت ادا کرتے۔ اس عرصہ میں ایک عید بھی آئی تو چند احمدیوں نے وہ عید جیل میں جا کر سعید جونز صاحب کے ساتھ ادا کی۔ اسیری کے دوران ہی آپ نے نماز کے کلمات یاد کئے اور ترجمہ سیکھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جلد ہی ان کی رہائی کا دن بھی آ گیا۔ مجھے یاد ہے کہ اس وقت تک سعید جونز صاحب کی مذہبی کیفیت بہت بدل چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے جماعت سے اخلاص اور محبت عطا فرمادی تھی۔ جب ان کی رہائی کا دن آیا تو انہوں نے خواہش کی کہ وہ رہا ہوتے ہی سیدھے مسجد فضل لندن آئیں گے، مسجد میں نوافل ادا کرنے کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرنے کے بعد پھر اپنے گھر جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اسلام کے نور سے منور ہونے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ باقی احباب سے ملے اور پھر اپنے گھر گئے۔

سعید جونز صاحب کی شادی ایک احمدی خاندان میں ہوگئی۔ وہ خود جماعتی کاموں میں شامل ہونے لگے۔ جلد بعد ہی آپ نے اپنی زندگی بھی وقف کر دی اور ان کو MTA میں بعض ذمہ داریاں سپرد کی گئیں۔ خدمت کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ سعید جونز صاحب کو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انگریزی زبان کی بعض مجالس سوال و جواب میں شمولیت کا اعزاز بھی حاصل ہے۔

اس واقعہ سے لٹریچر کی افادیت کا بھی خوب اندازہ ہوتا ہے۔ حق و صداقت پر مشتمل پیغام جلد یا بدیر ضرور رنگ لاتا ہے اور جس کی فطرت میں سعادت اور خوش بختی ہو، اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے قبول حق کی توفیق بڑے غیر معمولی انداز میں عطا فرما دیتا ہے۔

احمدیت سے روکنے والا خود احمدی ہوگیا

احمدیت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر زمانہ میں احمدیت کی سچائی کے اظہار کے لئے غیر معمولی تائید و نصرت کے نشانات دکھاتا چلا آیا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک بہت ایمان افروز واقعہ برطانیہ میں نارتھ ویلز کے علاقہ میں ہوا۔ ایک تعلیم یافتہ پُرجوش نوجوان طاہر سلیم صاحب کو اللہ تعالیٰ نے احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل سے یہ توفیق بھی عطا فرمائی کہ

انہوں نے اپنے خاندان کے دیگر افراد کو بھی بھرپور تبلیغ کی جس کے نتیجہ میں تھوڑے سے عرصہ میں ہی ان کے خاندان کے دس گیارہ افراد بھی بیعت کر کے احمدی ہو گئے۔ ان افراد کے احمدی ہو جانے سے علاقہ کے غیر احمدی حلقوں میں سخت گھبراہٹ اور مخالفانہ جوش پیدا ہوا۔ نو احمدیوں کی شدید مخالفت بھی کی گئی اور انہیں احمدیت سے دور ہٹانے کے لئے سر توڑ کوشش کی گئی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سب نو احمدی احباب و خواتین بڑے عزم کے ساتھ احمدیت پر مضبوطی سے قائم رہے۔

ان کوششوں میں ناکامی کے بعد غیر احمدیوں نے ایک اور تدبیر سوچی۔ انہوں نے سعید نامی ایک شخص کو جو علاقہ کی ختم نبوت کمیٹی کا سیکرٹری تھا (اور اسی علاقہ میں گھڑیوں کی دکان کا مالک تھا) اسے خاص طور پر اس کام پر مقرر کیا کہ وہ ہمارے علاقہ کے پہلے پُرجوش نو احمدی طاہر سلیم صاحب کو احمدیت سے ہٹا کر دوبارہ غیر احمدی بنا دے۔ اس نیت کے ساتھ سعید صاحب نے طاہر سلیم صاحب سے روابط بڑھائے اور باہم تبلیغی بات چیت کا سلسلہ چل نکلا۔ سعید صاحب کی نیت اور کوشش یہ تھی کہ کسی طرح طاہر سلیم صاحب کو احمدیت کے متنفر کر دیں اور طاہر سلیم صاحب جو ایک پرجوش داعی الی اللہ تھے وہ اپنی جگہ اس کوشش میں لگے رہے کہ سعید صاحب کو بھی احمدیت میں داخل کر سکیں۔

یہ دوطرفہ تبلیغی کوششیں ایک لمبا عرصہ جاری رہیں اور بالآخر نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے سعید صاحب جو احمدی دوست طاہر سلیم صاحب کو دوبارہ غیر احمدی بنانے پر مقرر کئے گئے تھے اللہ تعالیٰ کے خاص الخاص لطف و احسان کے نتیجہ میں وہ خود احمدیت کے نور سے منور ہو کر حلقہ بگوش احمدیت ہو گئے۔

تصور کیا جا سکتا ہے کہ اس واقعہ پر غیر احمدی حلقوں میں کیا ردعمل ظاہر ہوا ہوگا۔ لیکن وہ غصہ میں پیچ و تاب کھانے کے سوا اور کچھ نہ کر سکے۔ سچی بات یہی ہے کہ **الحق یعلی ولا یُعلیٰ علیہ** کہ حق بات ہی ہمیشہ غالب آتی ہے اور حق کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔ احمدیت ایک صداقت ہے۔ ایک سچائی کا نام ہے اور کوئی نہیں جو اس آسمانی سچائی کو مغلوب کر سکے۔

دو مناظرات

جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ایک لمبا زمانہ ایسا گزرا ہے جسے مناظروں کا دور کہا جا سکتا ہے۔ ان دنوں بڑی کثرت کے ساتھ جگہ جگہ مناظرات ہوتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جماعت احمدیہ کے نہایت قابل اور بزرگ علماء کو اسلام کا دفاع کرنے اور احمدیت کی صداقت ثابت کرنے کی غیر معمولی

سعادت نصیب ہوتی تھی۔ بڑی عمر کے لوگوں کے ذہنوں میں ان مناظرات کی حسین اور ایمان افروز یادیں اب بھی قائم ہیں۔

پھر حالات بدلے اور تبلیغ کی یہ صورت اس طرح جاری نہ رہی لیکن ہر دور میں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے تبلیغ کے نئے سے نئے ذرائع جماعت کو عطا فرماتا رہا۔ تاہم آج کل بھی بعض اوقات مناظرات کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح کی ایک صورت اس وقت پیدا ہوئی جب ایک عیسائی حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک مجلس عرفان میں آیا۔ یہ غالباً سن ۱۹۸۵ء یا ۱۹۸۶ء کی بات ہے۔ مسجد فضل لندن میں ان دنوں قریباً روزانہ مجالس عرفان منعقد ہوتی تھیں اور احباب جماعت اور بعض اوقات غیر از جماعت بھی کسی احمدی کے ساتھ آ کر بعض سوالات دریافت کرتے تھے۔ یہ مجالس بحث ومباحثہ کی مجالس نہیں ہوتیں لیکن پھر بھی غیر از جماعت بعض اوقات سوال در سوال کر کے اسے اس طرح کی شکل دے دیا کرتے تھے۔ ایک روز ایک عیسائی نے چند سوالات یکے بعد دیگرے کئے اور پھر کچھ بحث کا سا رنگ بن گیا۔ اس پر حضور نے اسے فرمایا کہ دیکھو کہ یہ بحث ومباحثہ کی مجلس نہیں۔ اوّل تو دیا گیا جواب بہت کافی ہے لیکن اگر تم نے مزید کوئی بات کرنی ہے تو امام صاحب سے کر لو۔ وہ تمہیں کھلا وقت دیں گے۔ (حضور رحمہ اللہ تعالیٰ از راہ شفقت اس عاجز کے بارہ میں امام صاحب کے الفاظ ہی استعمال فرمایا کرتے تھے)۔

اس پر مجلس میں بات ختم ہو گئی اور بعد میں اس عیسائی سے میری بات چیت کئی بار ہوتی رہی اور پھر اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اسلام اور عیسائیت کے بارہ میں باہم مناظرہ ہو جائے۔ میں نے حضور انور سے ذکر کیا تو فرمایا کہ باقاعدہ شرائط طے کریں۔ شرائط لکھیں گئیں تو میں نے پھر حضور انور سے ان کے بارہ میں راہنمائی چاہی۔ حضور کی ہدایت پر ایک شرط تبدیل کی اور اس طرح ایک مناظرہ کی صورت پیدا ہو گئی۔

مناظرہ کا موضوع الوہیت مسیح مقرر ہوا۔ یہ ایسٹ ہیم (مشرقی لندن) کے ایک چرچ میں منعقد ہوا۔ علاقہ کی میئر ایک انگریز خاتون نے صدارت کی۔ مقررہ شرائط کے مطابق باری باری میں نے اور چرچ کے پادری نے تقاریر کیں۔ پھر دوبارہ دونوں نے مختصر تقاریر کیں۔ بعد ازاں حاضرین نے دونوں مقررین پر سوالات کئے اور آخر میں دونوں مقررین نے پھر اختتامی تقاریر کیں۔ دونوں طرف سے طے شدہ شرائط کے مطابق مقررہ تعداد میں احباب نے شرکت اور سوال و جواب میں شمولیت کی۔ الحمد للہ کہ بہت اچھا مناظرہ ہوا اور بغیر کسی الجھن کے سارا پروگرام مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت نے قدم قدم پر اس عاجز

خادم اسلام کی دستگیری فرمائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ علم کلام کی روشنی میں پُرزور دلائل مؤثر رنگ میں بیان کرنے کی توفیق ملی۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی ہوا کہ مناظرہ کے آخر میں جب غیر جانبدار صدر اجلاس علاقہ کی میئر صاحبہ نے مختصر خطاب کیا تو اس میں بھی ہمارے مؤقف کی تائید کا پہلو نمایاں تھا۔ **فالحمدللہ علیٰ ذالک**

مناظرہ بخیر وخوبی مکمل ہوگیا۔ جانے سے قبل حضور انور کی خدمت میں دعا کے لئے عرض کر کے گیا تھا۔ اگلے روز زبانی مختصر سی رپورٹ حضور کی خدمت میں پیش کردی تو معلوم ہوتا ہے کہ ساتھ جانے والے بعض اور دوستوں نے بھی اپنے طور پر اس مناظرہ کا کچھ ذکر حضور سے کیا ہوگا کیونکہ تیسرے روز جب میں نماز کی ادائیگی کے لئے حضور انور کے ساتھ مسجد جا رہا تھا تو حضور نے فرمایا کہ آپ نے مناظرہ کی ویڈیو تو مجھے بھجوائی ہی نہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں یہ سن کر خفیف سا ہوگیا اور عرض کیا کہ مجھے تو اس بات کا خیال بھی نہیں آیا کہ حضور نے یہ ویڈیو دیکھنی ہوگی۔ حضور نے فرمایا نہیں۔ مجھے ضرور بھجوادیں۔ چنانچہ اسی روز شام کو ویڈیو حضور انور کی خدمت میں پیش کردی۔ چند روز کے بعد ایک دفتری ملاقات کے دوران حضور نے اس کا ذکر عمدہ رنگ میں فرمایا اور یہ ہدایت فرمائی کہ فوری طور پر اس کی کاپیاں کروا کے افریقہ کے سب ممالک میں بھجوائیں۔ چنانچہ اس ارشاد کی تعمیل کی گئی۔ افریقہ کے بعض مبلغین نے بعد میں مجھ سے ذکر کیا کہ انہوں نے یہ ٹیپ بارہا اپنے تبلیغی اجلاسوں میں دکھائی اور اس کا بہت اچھا اثر ناظرین وسامعین پر ہوا۔ خاص طور پر افریقن دوست اس بات سے بہت متأثر ہوئے کہ کس طرح عیسائی مناد کے دلائل کا رد کرتے ہوئے صحیح اسلامی تعلیم پیش کی گئی اور اسلام کی تعلیمات کی برتری ثابت کی گئی ہے۔ الحمدللہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کا احسان اور اس کا فضل وکرم ہے کہ حضور کی راہنمائی اور دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اس کی توفیق عطا فرمائی۔

مجھے یاد ہے کہ جب حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے درس القرآن کرنے کا آغاز فرمایا تو چند ابتدائی درس انگریزی زبان میں بھی ارشاد فرمائے۔ اسی طرح کی ایک مجلس درس القرآن، جو محمود ہال لندن میں منعقد ہوئی، حضور نے ازراہ شفقت اس مناظرہ کا بھی مختصراً ذکر فرمایا اور ہمارے مصری عالم مصطفیٰ ثابت صاحب کو مخاطب فرماتے ہوئے کچھ اس رنگ میں بھی ذکر فرمایا کہ اس سے تو حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کے مباحثہ مصر کی یاد تازہ ہوجاتی ہے (کچھ ایسا مفہوم تھا) مجھے اپنی نالائقی اور کم علمی کا پورا احساس

ہے۔ یہ بات اس لئے تحریر میں لے آیا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت اور احسان کا شکر کے جذبات کے ساتھ ذکر ہو جائے اور خاص طور پر یہ بات ذہن میں ہے کہ حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کس کمال شفقت اور حوصلہ افزائی کے رنگ میں اپنے ادنیٰ ترین خدام کی معمولی خدمات کی بھی قدردانی فرماتے تھے رحمہ اللہ تعالیٰ فی جنّٰتِ النعیم۔

اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ایک دوسرے مناظرہ کی بھی توفیق ملی۔ یہ مناظرہ ۸ رمئی ۱۹۹۷ء کو لندن کے علاقہ TOOTING کے ایک چرچ ہال میں منعقد ہوا۔ اس کا موضوع تھا: ''عیسائیت اور اسلام کی رو سے گناہ اور نجات''۔ عیسائیت کی طرف سے ایک پادری ADRIAN FRICKER مناظر تھے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اسلام کی طرف سے نمائندگی کی سعادت اس عاجز کو ملی۔ یہ عیسائی پادری جگہ جگہ احمدی احباب سے تبلیغی بات چیت کرتے رہتے تھے اور اس بات کا بھی ادعا کرتے رہتے تھے کہ ان کی باتوں کا جواب کوئی مسلمان نہیں دے سکتا۔ بالآخر حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کی منظوری سے اس مناظرہ کی صورت میں پیدا ہوئی۔ مناظرہ کے لئے قواعد تحریر کئے گئے اور مقررہ تاریخ کو یہ عاجز مقررہ تعداد میں احمدی احباب کے ساتھ چرچ ہال میں گیا۔ جہاں اتنی ہی تعداد میں عیسائی حضرات بھی موجود تھے۔

الحمدللہ کہ یہ مناظرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور حضور انور کی دعاؤں کی برکت سے بہت کامیاب اور مؤثر ہوا۔ خاکسار نے اپنی باری پر قرآن مجید اور بائیبل کے حوالوں سے عقل و منطقی استدلال کرتے ہوئے اسلامی نقطہ نظر پیش کرنے کی توفیق پائی۔ ابتدائی بیانات کے بعد سوال و جواب کا موقع تھا اور آخر میں ہر دو مقررین کو اختتامی خطاب کا وقت دیا گیا۔ الحمدللّٰہ کہ اسلامی تعلیمات کی برتری بڑی نمایاں تھی اگرچہ عیسائی پادری آخر تک اپنی بات اور استدلال پر اصرار کرتا رہا لیکن احمدی احباب بہت مطمئن اور خوش تھے اور متعدد عیسائی دوستوں نے بھی اسلامی مؤقف کو بہت سراہا اور عمدہ خیالات کا اظہار کیا۔ اس مناظرہ کا عملی نتیجہ یہ نکلا کہ اس پادری کی طرف سے اس ادعا کا سلسلہ ختم ہو گیا کہ کوئی مسلمان اس کی باتوں کا جواب نہیں دے سکتا۔

ان مندرجہ بالا دونوں مناظروں کی ویڈیو ٹیپ جماعت احمدیہ یوکے کے شعبہ سمعی بصری کے ریکارڈ میں محفوظ ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علم کلام کی برتری

تبلیغی مجالس کے سلسلہ میں آکسفورڈ میں ہونے والے ایک اجلاس کی یاد ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ ہوا یوں کہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے منسلک ایک ادارہ نے ایک بار اس نوعیت کا اجلاس منعقد کیا جس میں تین مذاہب کے نمائندگان کو ایک جیسے سوالات دے کر ان پر اظہار خیال کی دعوت دی۔ تقاریر کے بعد سوالات کرنے کا بھی وقت رکھا گیا۔ اس اجلاس میں تین نمائندگان مدعو تھے۔ ایک تو یہودی RABBI تھا جو مشہور یہودی عالم ہے اور اکثر TV اور ریڈیو پر مختلف پروگراموں میں شامل ہوتا ہے۔ دوسرے عیسائیت کے نمائندہ کے طور پر بشپ آف آکسفورڈ تھے اور تیسرے یہ عاجز، اسلام کا ایک ادنیٰ ترین خادم۔

پروگرام میں جانے سے قبل خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ سے سوالات کے بارہ میں راہنمائی بھی لی اور دعا کے لئے بھی عرض کیا۔ خود بھی اس اہم اجلاس کے حوالہ سے خصوصی دعائیں کرتا ہوا وہاں گیا۔ پروگرام کی تفصیل تو لمبی ہے۔ خلاصہ کچھ یوں ہے کہ صدر مجلس کے ساتھ تینوں مقررین کو سٹیج پر بٹھایا گیا اور مختلف علمی طبقات سے تعلق رکھنے والے احباب کی کثیر تعداد حاضر تھی۔ سب سے پہلے یہودی عالم نے تقریر کی۔ پھر میری باری آئی اور آخر میں عیسائی بشپ نے تقریر کی۔ اس کے بعد تینوں مقررین نے حاضرین کے سوالات کے جوابات دیئے۔

جب میری باری آئی تو میں نے مقررہ سوالات کے جوابات میں وہی انداز اختیار کیا جس کا اسوہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے لئے جلسہ اعظم مذاہب لاہور کے موقع پر قائم فرمایا تھا۔ میں نے ابتداء میں ذکر کیا کہ اگرچہ منتظمین اجلاس کی طرف سے ایسی کوئی ہدایت یا پابندی نہیں لگائی گئی کہ سوالات کے جوابات مذہبی کتب کی بناء پر دیئے جائیں لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ ایسا ہونا چاہئے کیونکہ ہر مذہب کی مذہبی بنیادی کتاب میں بیان کردہ جواب اس مذہبی راہنما کے ذاتی خیالات سے بہت زیادہ وسیع اور مستند ہوگا اور دراصل مذہب کی راہنمائی کے تناظر میں وہی سب سے بہتر اور عمدہ جواب ہوگا۔ اس لئے میں اپنے لئے ازخود یہ اصول مقرر کرتا ہوں کہ میں ہر سوال کے جواب میں بنیادی طور پر اس سوال کے جواب سے متعلق آیات قرآنیہ بیان کرنے کے بعد کچھ وضاحت اپنے الفاظ میں کروں گا۔ الحمد للہ کہ میں نے اس اصول کی پابندی کی اور سب سوالوں کے جواب اسی طریق پر دیئے اور میں نے محسوس کیا کہ سامعین نے اس طریق کو پسند کیا۔ یہ سب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ علم کلام کی برکت کا نتیجہ تھا۔

اس اجلاس میں اس وقت بہت ہی دلچسپ اور ایمان افروز صورت حال پیدا ہوگئی جب سوالات کے وقفہ میں ایک تعلیم یافتہ خاتون نے یہ کہا کہ میں نے یہ بات نوٹ کی ہے کہ اسلام کے نمائندہ مقرر نے سب سوالات کے جوابات میں اپنی مذہبی کتاب قرآن مجید کی آیات پیش کی ہیں اور ان کی روشنی میں اپنے مؤقف کی وضاحت کی ہے لیکن باقی دونوں مقررین نے ایسا نہیں کیا۔ میرا یہ سوال ہے کہ کیا ان دونوں کی مذہبی کتب میں ان سوالات کے جوابات میں کوئی بات مذکور نہیں؟ اگر ہے تو انہوں نے اپنے ذاتی خیالات اور جوابات پیش کرنے کی بجائے مذہبی کتب میں مذکور اصلی جوابات کیوں پیش نہیں کئے؟

اس سوال کے جواب میں دونوں مقررین کو باری باری کھڑے ہو کر وضاحت کرنی پڑی لیکن یہ بات سب سامعین پر خوب عیاں ہو رہی تھی کہ اس خاتون نے ان کو بہت مشکل میں ڈال دیا ہے اور وہ کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے۔ ان کی توجیہات اور وضاحتیں ایسی تھیں کہ سامعین کے چہروں کے تأثرات بتا رہے تھے کہ وہ ان کی باتوں سے ہرگز مطمئن نہ تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر میرا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور شکر سے لبریز ہو رہا تھا کہ واقعی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جری اللہ فی حلل الانبیاء تھے اور آپ کے بیان کردہ اصول اور آپ کا مذہبی مناظرات میں زوردار طرز استدلال ایسا ہے کہ مخالفین کو اس کے مقابلہ کی تاب نہیں۔

ریڈیو پر تبلیغی پروگرامز کے خداداد مواقع

ریڈیو ساری دنیا میں تبلیغ کا ایک مؤثر ذریعہ رہا ہے۔ بعض لحاظ سے اور بعض حالات میں یہ TV سے بھی زیادہ مفید ثابت ہوتا ہے۔ اس ذریعہ کو استعمال کرنے کے مواقع اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے مبلغین کو ملتے رہتے ہیں اور ہر موقعہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میسر آتا ہے۔ کئی دفعہ تو کوشش کو اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے قبول فرماتے ہوئے ایسے مواقع عطا فرماتا ہے اور کبھی ایسی صورت ہوتی ہے کہ گھر بیٹھے بٹھائے اس کی صورت بن جاتی ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اپنی جناب سے چھپر پھاڑ کر یہ مواقع عطا فرماتا ہے۔ اس طرح کے تین مواقع کا بطور نمونہ ذکر کرتا ہوں:

ایک روز دفتر میں بیٹھا تھا کہ خدام الاحمدیہ کے مہتمم تبلیغ کا فون آیا کہ لندن کے بہت مشہور اور مقبول ریڈیو LBC پر تبلیغ کا موقع مل رہا ہے۔ میں نے تفصیل پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ میں اپنے دفتر میں بیٹھا یہ ریڈیو سن رہا تھا جس میں لندن کی کسی غیر احمدی مسجد کا ایک مولوی اپنے پُرتشدد نظریات کا پرچار کر رہا تھا۔ یہ

سوال و جواب کا پروگرام تھا۔ پروگرام سننے والے ایک اور شخص نے ریڈیو والوں کو فون کیا کہ یہ مولوی جو باتیں کر رہا ہے یہ تو اسلام کی صحیح تصویر نہیں ہے۔ یہ تو اسلام کو پُرتشدد مذہب کے طور پر بیان کر رہا ہے جو سراسر غلط ہے۔ آپ اپنے پروگرام میں کسی MODERATE IMAM کو کیوں مدعو نہیں کرتے جو اسلام کی پُرامن تعلیمات کی وضاحت کر سکے؟ ریڈیو والے نے جواباً کہا کہ ہاں ہم ایسے امام کو بلانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ کوئی ایسا امام پروگرام میں آنے کے لئے تیار ہو۔ مہتمم صاحب تبلیغ نے بتایا کہ میں نے اسی وقت ریڈیو والوں سے بات کی ہے اور وہ یہ موقع ہمیں دینے کے لئے تیار ہیں اور پوچھنے لگے کہ میں ہاں کر دوں؟

کہتے ہیں اندھے کو کیا چاہئے، دو آنکھیں۔ مبلغ تو ہمیشہ اس انتظار میں ہوتا ہے کہ تبلیغ کا کوئی موقعہ ملے اور اس سے استفادہ کیا جائے۔ میں نے فوراً کہا کہ ضرور۔ ان سے وقت طے کر لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد ان کا فون آیا کہ بات طے ہو گئی ہے۔ کل رات ایک بجے سے لے کر دو بجے تک ریڈیو پر ہمیں بلا لیا گیا ہے۔ اتنی جلدی میں یہ پروگرام طے ہوا کہ میں حیران رہ گیا۔ الحمدللہ کہا اور ذہنی طور پر تیاری شروع کر دی۔ حضور انور کی خدمت میں بھی دعا کے لئے عرض کیا۔ یہ ۲۰۰۶ء کی بات ہے۔ حسب پروگرام اگلے روز دو تین خدام کی معیت میں ریڈیو سٹیشن پہنچ گیا۔ جاتے ہوئے میں سوچ رہا تھا کہ رات ایک بجے سے دو بجے تک کا جو وقت دیا گیا ہے نہ معلوم اس وقت کوئی پروگرام سننے والا بھی ہو گا یا نہیں؟ کہیں انہوں نے جان بوجھ کر تو ہمیں یہ غیر موزوں وقت نہیں دیا؟ الحمدللہ کہ پروگرام میں شرکت کے بعد یہ خدشات یکسر دور ہو گئے کیونکہ رات کے وقت میں بھی سامعین کی ہرگز کوئی کمی نہ تھی بلکہ بعض لحاظ سے شاید دن کے وقت سے زیادہ سننے والے ہوں اور ویسے بھی اس ریڈیوں کی چوبیس گھنٹے کی نشریات INTERNET پر ساری دنیا میں سنی جاتی ہیں۔

ریڈیو سٹیشن پہنچتے ہی ریڈیو کے پروگرام PRESENTER سے تعارف ہوا اور چند منٹوں میں ایک بجے کی مختصر خبروں کے بعد LIVE سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پروگرام پیش کرنے والے نے میرا تعارف کروانے کے بعد پہلے وہ سوالات دریافت کئے جو اس نے خود جمع کر رکھے تھے۔ بڑی تیزی سے ایک کے بعد دوسرا سوال آتا رہا اور الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے مؤثر جوابات دینے کی توفیق ملی۔ اس کے بعد سامعین کے لئے ٹیلیفون پر براہ راست سوال کرنے کا موقع تھا۔ بیک وقت دس لائنوں پر سوالات آ رہے تھے اور پروگرام پیش کرنے والا ایک ایک کر کے ان کو باری دے رہا تھا۔ مختلف موضوعات پر سوالات ہوئے۔ تعارف اسلام، تعارف احمدیت، جہاد کی حقیقت، مذہبی آزادی، عورتوں کا مقام، بعض

اسلامی کہلانے والے ممالک کی قابل اعتراض سرگرمیاں مذہبی توہین کی اور ارتداد کی سزا وغیرہ متعدد موضوعات پر ہر طرف سے سوالات آنے لگے۔ ان سوال کرنے والوں میں عیسائی، یہودی، مسلمان اور مختلف نظریات رکھنے والے لوگ تھے۔ جوابات کا سلسلہ بڑی تیزی سے جاری تھا کہ دو بجے مختصر خبروں کا وقفہ ہوگیا۔ پروگرام پیش کرنے والے نے پوچھا کہ سوالات کرنے والوں کی تو لائنیں لگی ہوئی ہیں کیا آپ ایک گھنٹہ سے زائد وقت بھی دے سکتے ہیں؟ میں نے رضامندی کا اظہار کیا تو اس نے فوراً اعلان کر دیا کہ ہمارے مہمان ایک گھنٹہ اور ہمارے ساتھ رہیں گے۔ اس پر سوالات کا سلسلہ پھر جاری ہوگیا۔

پوری تفصیل تو یہاں درج نہیں ہوسکتی لیکن ایک دلچسپ بات کا ذکر کرنا چاہوں گا۔ جہاد کے بارہ میں دو تین سوالات ہوئے تو میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے کھل کر بتایا کہ یہ زمانہ اب تلوار کے جہاد کا نہیں بلکہ قلم کے ذریعہ اسلام کے دفاع کے جہاد کا زمانہ ہے۔ ان باتوں کو سن کر ایک غیر احمدی نے بڑے جوش میں ریڈیو والوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا یہ آپ نے کس امام کو سٹوڈیو میں بلا لیا ہے یہ تو جماعت احمدیہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ہم مسلمانوں کی نمائندگی نہیں کرتا۔ پروگرام کا انچارج کہنے لگا کہ آپ کا کیا جواب ہے؟ اس اچانک سوال کے جواب میں جو بہت ترش انداز میں پیش کیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فوری طور پر اس عاجز کی راہنمائی فرمائی اور میں جواباً کہا کہ میں نے کب یہ کہا ہے کہ میں مسلمانوں کی نمائندگی میں یہاں آیا ہوں میں ہرگز ان کا نمائندہ نہیں اور نہ ایسا کہلوانا چاہتا ہوں میں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حقیقی اسلام کا نمائندہ ہوں جس کی تعلیمات قرآن مجید پر مبنی ہیں۔ پروگرام کے بعد انچارج نے مجھے کہا کہ یہ ایک مشکل اور اچانک سوال تھا لیکن آپ کا برجستہ جواب بہت عمدہ اور زوردار تھا۔ **فالحمدللہ علٰی ذالک۔**

اللہ تعالیٰ کے فضل سے سوال و جواب کا یہ سلسلہ دو گھنٹے تک جاری رہا۔ ہر نصف گھنٹہ کے بعد دو منٹ کے لئے خبروں کا وقفہ ہوتا اور پھر سوالات کا سلسلہ چل پڑتا۔ میرے بعض جوابات سے کچھ لوگوں نے اختلاف بھی کیا اور متعدد بار لوگوں نے میری باتوں کی تائید بھی کی۔ مجھے یاد ہے کہ جہاد کے بارہ میں جب میں نے وضاحت کی تو ایک عرب مسلمان کا فون آیا اور اس برملا کہا کہ جہاد کے بارہ میں جو وضاحت کی گئی ہے وہ بالکل درست ہے اور میں خوش ہوں کہ یہ صحیح طور پر بیان کی گئی ہے۔ الغرض اللہ تعالیٰ کے فضل سے برطانیہ کے اس بہت مقبول ریڈیو LBC پر دو گھنٹے تک LIVE سوال و جواب کا شاندار موقع نصیب ہوا۔ فالحمدللہ۔

اسی طرح کا ایک اور شاندار موقع کارنوال کے دورہ کے دوران پیش آیا۔ ۲۰۰۶ء میں اس علاقہ کے تبلیغی دورہ میں جو مختلف مصروفیات طے ہوئی تھیں ان میں سے ایک BBC ریڈیو کارنوال پر انٹرویو تھا۔ جب میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ریڈیو سٹیشن پہنچا تو منتظمین نے بتایا کہ وہ طے شدہ انٹرویو کے علاوہ بھی ایک انٹرویو لینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک انٹرویو کی بجائے دو انٹرویوز کا موقع مل گیا۔ ایک پروگرام ریکارڈ کر کے بعد میں نشر کیا گیا اور دوسرا اس وقت LIVE نشر ہوا۔ الحمدللہ کہ سوالات کے مؤثر جوابات کی توفیق ملی۔ یہ بات بھی یہاں قابل ذکر ہے کہ کارنوال کا علاقہ برطانیہ کا جنوب مغربی علاقہ ہے اور لندن سے کافی دور ہے۔ اس علاقہ میں ہماری جماعت کی تعداد بھی بہت تھوڑی سی ہے لیکن ایک خاص بات کی وجہ سے اس طرف ہمیشہ توجہ رہی ہے کہ اس علاقہ میں اسلام احمدیت کے پیغام کی خوب خوب اشاعت ہو اور وہ بات یہ ہے کہ اس علاقہ کا انتہائی جنوب مغربی کنارہ LAND'S END کہلاتا ہے وہاں جاتے ہوئے اور اس علاقہ میں تبلیغی سرگرمیوں کی توفیق پاتے ہوئے ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ بابرکت الہام ذہن میں آجاتا ہے کہ

''میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا''

اللہ تعالیٰ کرے کہ اس علاقہ میں بھی کثرت سے احمدیت کی اشاعت ہو اور اللہ تعالیٰ اس الہام کو بار بار نئی سے نئی شان کے ساتھ پورا فرماتا رہے۔ آمین۔

اس روز اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت کا ایک نشان ہم نے اس رنگ میں مشاہدہ کیا کہ کارنوال ریڈیو کا یہ انٹرویو ایک اور ریڈیو انٹرویو کا ذریعہ بن گیا۔ جس روز یہ انٹرویو ہوا اور نشر بھی ہو گیا اس سے اگلے روز ہماری لندن کے لئے واپسی تھی۔ لیکن ہوا یہ کہ کارنوال کی قریبی COUNTY، ڈیون (DEVON) میں BBC ریڈیو والوں نے میرا یہ انٹرویو سن لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ خواہش پیدا فرمائی کہ وہ بھی اپنے ریڈیو کے لئے (جس کا دائرہ سامعین ریڈیو کارنوال سے بھی زیادہ ہے) بھی میرا انٹرویو کریں۔ انہوں نے غالباً کارنوال ریڈیو والوں سے ہمارا فون نمبر حاصل کیا اور اگلے روز ہماری واپسی سے قبل فون پر یہ خواہش کی کہ ان کے ریڈیو پر بھی انٹرویو اور سوال و جواب کا وقت دیا جائے۔ ہم نے کہا کہ آج تو ہماری لندن واپسی ہے۔ وہ کہنے لگے کہ آپ نے بذریعہ کار جاتے ہوئے اسی علاقہ سے گزر کر جانا ہے اس لئے ہمارے ہاں آنا کچھ مشکل نہیں ہوگا۔ چنانچہ پروگرام طے ہو گیا کہ ہم دن کے ایک بجے ریڈیو سٹیشن پہنچ جائیں گے

اور دو بجے تک فارغ ہو کر لندن کے لئے روانہ ہو سکیں گے۔

ہم NEWQUAY سے روانہ ہو کر PLYMOUTH شہر کے قریب پہنچے تو کار کے ریڈیو پر BBC ریڈیو DEVON کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ ریڈیو پر یہ اعلان سن کر خوشگوار حیرت ہوئی کہ آج دو پہر ایک بجے کی خبروں کے بعد امام مسجد لندن کا انٹرویو اور سوال و جواب ہوگا! دل اللہ تعالیٰ کی حمد سے لبریز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ خود ہی یہ سب کام کروا رہا تھا جبکہ ہم نے نہ اس بات کا سوچا نہ اس کے لئے کوئی تدبیر یا کوشش کی۔

عین وقت پر ہم ریڈیو سٹیشن پہنچ گئے اور میں سیدھا سٹوڈیو میں پروگرام کے پیش کرنے والے کے سامنے جا بیٹھا۔ خبریں ختم ہوتے ہی مجھ سے بات چیت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ LIVE پروگرام تھا۔ چند بنیادی سوال ہوئے جن کے جوابات دیئے اس کے ساتھ ہی بذریعہ فون LIVE سوال و جواب کا سلسلہ شروع ہو گیا اور پورے پینتالیس منٹ جاری رہا۔ ہر قسم کے سوالات بڑی تیزی سے آتے رہے اور ساتھ کے ساتھ ان کے جوابات دیئے جاتے رہے زیادہ تر سوالات اسلام کے بارہ میں غلط فہمیوں سے متعلق تھے۔ بعض سوال کرنے والوں کا انداز قدرے جارحانہ بھی تھا لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے پورے تحمل کے ساتھ مدلل جوابات دینے کی توفیق ملی۔ مسلسل پون گھنٹہ کے بعد یہ پروگرام ختم ہوا۔ ہم نے اس ریڈیو سٹیشن کے نگران کو اسلامی لٹریچر کا تحفہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی اس غیر معمولی عطائے خاص پر شکریہ ادا کرتے ہوئے لندن کے لئے روانہ ہو گئے۔ بعد میں یہ معلوم کر کے مزید شکر کا موقع ملا کہ ریڈیو نے اس انٹرویو کے بعض حصے متعدد بار نشر کئے۔

ریڈیو کا ذکر ہو رہا ہے تو ایک تیسری مثال بھی اس جگہ ذکر دیتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بغیر کسی کوشش کے جماعت کو عطا ہوئی۔ جماعت کے ایک دوست اپنے ایک محکمانہ اجلاس میں چند لوگوں کے ساتھ شامل تھے کہ باتوں باتوں میں علم ہوا کہ ان میں سے ایک افریقن دوست ایک FM ریڈیو کے مالک ہیں۔ ریڈیو کا نام VOICE OF AFRICA FM جس سے چوبیس گھنٹے افریقن لوگوں کے لئے پروگرام نشر ہوتے ہیں اس ریڈیو کی آواز لندن کے گرداگرد دائرہ کی صورت میں بنی ہوئی ایک سو آٹھ میل لمبی موٹرے M25 کے اندر سارے علاقہ میں سنائی دیتی ہے اور اس کے علاوہ انٹرنیٹ کے ذریعہ ساری دنیا میں جاتی ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک انٹرنیشنل ریڈیو بن جاتا ہے۔ جب احمدی دوست نے

جماعت کا تعارف کروایا تو بات اللہ تعالیٰ کے فضل سے جلد ہی اس مرحلہ پر آ گئی کہ ریڈیو کے مالک نے کہا کہ ہر اتوار کے روز شام سات سے آٹھ بجے تک جماعت احمدیہ کو اپنا تبلیغی یا تعلیمی پروگرام اس ریڈیو پر پیش کرنے کی اجازت دے گا اور لطف کی بات یہ کہ اس کا کوئی معاوضہ جماعت کو ادا نہیں کرنا ہوگا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے گھر بیٹھے بٹھائے غیب سے یہ غیر معمولی سہولت جماعت کو عطا فرمادی۔

الحمدللہ کہ دسمبر ۲۰۰۷ء سے اس ریڈیو پر جماعت احمدیہ کا ہفتہ وار تبلیغی اور تعلیمی پروگرام نشر ہونا شروع ہو گیا ہے۔ ہر بار نئے موضوع پر پروگرام پیش کیا جاتا ہے۔ مختلف دوست حصہ لیتے ہیں۔ ہر پروگرام کے دوران عربی اور اردو نظمیں بھی سنا دی جاتی ہیں۔ نیز پروگرام کے دوران TEXT کے ذریعہ موبائل فون پر سوالات بھی پوچھے جاتے ہیں جن کے جوابات اسی وقت دیئے جاتے ہیں۔ اب تک اس عاجز کو چار بار ایک ایک گھنٹہ کے پروگرام پیش کرنے کی توفیق مل چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ اس خداداد انعام کا سلسلہ جاری رہے اور تبلیغی لحاظ سے بہت مفید ثابت ہو۔ آمین

محترم حافظ مظفر احمد صاحب

ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی وصدر مجلس انصار اللہ پاکستان

صد سالہ خلافت جوبلی کے موقع پر شکر نعمت کے طور پر خلافت رابعہ کی بابرکت یادوں کا تذکرہ بعض رسائل میں شائع ہوا تو باقی ماندہ یادیں بھی قلمبند کرنے کی تحریک ہوئی۔ دریں اثناء بزرگوارم مکرم افتخار احمد ایاز صاحب سابق امیر برطانیہ نے بھی اس کا مطالبہ کیا اور ذاتی وانفرادی سطح پر برکات خلافت کے ترشّح کے اظہار کی خاطر چند مفید یادداشتیں جمع کرنے کی توفیق بالآخر مل ہی گئی۔

یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اپنی زندگی میں خلافت کی نعمت و برکت میسر آئی اور ایک کور دیہہ میں پیدا ہونے والے میرے جیسے بچے کو وہ سعادتیں عطاء ہوئیں جن کو حاصل کرنا دشوار ہی نہیں امر محال تھا۔ یہی سعادت کیا کم ہے کہ مسیح ومہدی کے چار خلفاء کا زمانہ پایا، اوران کی شفقتوں کا مورد ہوکر برکات خلافت سے حصہ پانے کی توفیق ملی۔ غور کیا جائے تو اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہی ہے کہ انسان کے دین ودنیا سنور جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو ان دونوں نعمتوں سے نوازے جانے کا ذکر کیا انہیں کتاب وحکمت اور ملک عظیم بخشا تھا (النساء:55) اور بنی اسرائیل کو بھی یہ دونوں نعمتیں یاد کروائیں کہ ان میں انبیاء اور بادشاہ بنائے (المائدہ:21)۔ قرآن شریف میں مومنوں کو یہ دعا سکھائی کہ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ○ (البقرہ :202) کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی عطا کر اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اگر انسان ان دونوں نعمتوں سے حسب مراتب کما حقہ، فائدہ اٹھائے تو دین ودنیا کی حسنات کا وارث ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی دینی وروحانی نعمت نبوت ہے۔ جس کا تتمّہ خلافت ہے اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو خلافت راشدہ کے دور اول میں برکات دینی ودنیوی کا وارث بنایا۔ آخری زمانہ میں خلافت علی منہاج النبوت کے دوسرے دور سے بھی یہ برکات وابستہ تھیں جن سے جماعت احمدیہ اس زمانہ میں وافر حصہ پارہی ہے۔ آج خلافت احمدیہ کی پہلی صدی کے موڑ پر کھڑے ہوکر جب ہم ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ

حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ گزشتہ سو سال میں خلافت احمدیہ کے ذریعہ ہماری جماعت کو قومی اور انفرادی ہر سطح پر اتنی عظیم الشان برکات حاصل ہوئی ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ آئندہ اس دور یعنی گزشتہ صدی کی دینی تاریخ لکھتے ہوئے کوئی حقیقت پسند خلافت اور اس کی برکات کو نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ یہ عاجز اس خوش نصیبی پر خدا کا شکر کرتا ہے کہ اپنی مختصر زندگی میں احمدیت کی چار خلافتوں کے بابرکت ادوار دیکھنا نصیب ہوئے۔

خلافت ثانیہ کا بابرکت دور

خلافت ثانیہ کے بابرکت دور میں محصولِ برکات کا سلسلہ شعور کی زندگی سے بھی قبل 1953ء میں اس وقت شروع ہوا جب سیدنا حضرت مصلح موعودؓ نے ''مظفر احمد'' نام رکھا۔ اس بزرگ خلیفہ کا دعاؤں کے ساتھ یہ نام رکھنا ہی بعد کی خدمات کے لئے نوید ظفر بن گیا۔ پھر والدین نے حضور کی خدمت میں میرا وقف قبول کئے جانے کی درخواست کی تو ارشاد ہوا کہ میٹرک کے بعد وکالت دیوان تحریک جدید سے رابطہ کریں۔

1965ء تک بچپن کا زمانہ بالعموم خلافت ثانیہ کی دعاؤں کے زیر سایہ گزرا مگر اس بابرکت دور کا ایک واقعہ ایسا بھی ہے جو اس عاجز کی نسبت حصول برکات کیلئے یادگار اور تاریخ ساز بن گیا۔

سیدنا حضرت مصلح موعودؓ تبدیلی ہوا کے لئے خوشاب سے قریباً ساٹھ کلومیٹر کے فاصلہ پر وادی سون میں ایک پرفضا پہاڑی مقام جابہ (جسے نخلہ بھی کہتے ہیں) میں 1962 تک موسم گرما کے ایام گزارتے۔ اس دوران آپ نے تفسیر صغیر جیسے اہم علمی کاموں کی تکمیل فرمائی۔ غالباً 1961ء کی بات ہے اس علاقہ میں مخالفت کی ایک لہر اٹھی اور احمدیوں کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا یہاں تک کہ سودا سلف کی خرید میں بھی دقت ہونے لگی۔ حضور انور کے افراد خاندان اور قافلہ کیلئے سامان ضرورت تو خوشاب وغیرہ سے منگوا لیا جاتا۔ تازہ دودھ کے حصول کے لئے جابہ میں اپنے دودھ کا جانور رکھنے کے سوا چارہ نہ تھا۔ خوشاب میں ان دنوں ہمارے گھر میں ایک شِیر دار گائے تھی جو حضور کی خاطر جابہ بھجوا دی گئی۔ اس کے چند روز بعد سیدنا حضرت مصلح موعودؓ سے ملاقات کیلئے والد صاحب کے ساتھ خوشاب میں حضور کی خدمت اقدس میں حاضری دینے کی توفیق ملی۔ حضور بوجہ ناسازی طبعیت گھر میں محو استراحت تھے۔ مکرم عبدالرحمن انور صاحب پرائیویٹ سیکرٹری نے ازراہ مہربانی ہمارے تعارفِ تازہ کے حوالہ سے اندر اطلاع بھجوائی اور خاکسار کیلئے زیارت اور ملاقات کا انتظام کروا دیا۔ اس وقت میری عمر قریباً نو برس تھی۔ دوپہر کے کھانے کے

بعد کا وقت تھا۔ برتن ابھی برآمدے کے فرشی دستر خوان سے اٹھائے نہ گئے تھے۔ حضور کی ایک بیگم صاحبہ (غالباً حضرت چھوٹی آپا جان) برآمدے میں سے میری رہنمائی فرماتے ہوئے حضور انور کے کمرے میں لے گئیں۔ حضور سفید لباس میں ملبوس چارپائی پر لیٹے آرام فرما رہے تھے۔ حضرت بیگم صاحبہ نے تعارف کروا کے دعا کے لئے کہا۔ حضور نے اپنا دست شفقت اس عاجز کے سر پر پھیرا اور دعا دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ رضائے مولیٰ کے عطر سے ممسوح اس مسیحا نفس کے دست شفقت اور دعا کی برکت کا وہ لمحہ اس عاجز کی زندگی کو سنوارنے کا سبب بن گیا۔

خلافت ثالثہ کا دور

خلافت ثالثہ کا بابرکت دور شروع ہوا تو حضرت خلیفہ ثانی کی لمبی بیماری کے بعد جماعت کو نئی زندگی عطا ہوئی۔ مسجد مبارک کی نمازوں میں حضور کی مخصوص پیاری لَے میں سورۃ فاتحہ اور تلاوت قرآن کی مترنم دھیمی اور ملائم آواز کا ایک گہرا نقش دل و دماغ اور سماعت پر ایسا مرتسم ہوا کہ جلسہ سالانہ اور اجتماعات کے علاوہ بھی اس یاد کو تازہ کرنے کی خواہش دل میں مچلتی رہتی۔ دعاؤں کے حوالہ سے خلافت ثالثہ سے بھی محبت کا ایک عجیب رشتہ قائم ہوا۔ ہر قدم پر رہنمائی، ہر مشکل کی آسانی اور کسی بھی پیچیدہ مسئلہ کے حل کیلئے دعا کی خاطر نگاہیں خلیفہ وقت کی طرف اٹھتیں اور ہمیشہ کامیاب واپس لوٹتی تھیں۔

میٹرک کا امتحان حضور کی دعاؤں کے طفیل 759/950 نمبر لے کر گورنمنٹ ہائی سکول خوشاب میں اول آنے کے اعزاز اور انعامی وظیفہ کے ساتھ پاس کیا۔ بعض عزیزوں نے مشورہ دیا کہ کالج میں سرکاری خرچ پر اعلیٰ تعلیم دلوانی چاہیے۔ اس کے بعد بھی وقف کے لئے پیش کیا جا سکتا ہے۔ والد صاحب کو حضرت مصلح موعودؓ کا ارشاد یاد تھا کہ میٹرک کے بعد تحریک جدید سے رابطہ کریں لہٰذا وہ مرکز سلسلہ میں مشورہ کئے بغیر کالج میں داخلہ کے حق میں نہ تھے۔ وہ مجھے ساتھ لے کر ربوہ آئے اور مولانا احمد خان نسیم صاحب مرحوم ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد مقامی جن سے ان کے ذاتی مراسم تھے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے فرمایا کہ دو سال قبل میرا بیٹا نسیم مہدی میٹرک میں 742 نمبر لے کر کامیاب ہوا ہے اور حضرت صاحب نے اسے بھی جامعہ آنے کا ہی مشورہ دیا ہے۔ میری تو یہی رائے ہے کہ اسے بھی جامعہ بھجوا دو۔

جامعہ میں داخلہ کے بعد اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات ہوئی اور میٹرک میں نمایاں کامیابی کا ذکر آیا تو آپ نے فرمایا کہ ’’جامعہ میں ہمیں بھی لائق لڑکوں کی ضرورت ہے۔‘‘ خلافت

ثالثہ کے دور میں جامعہ کی کٹھن منازل حضور کی دعاؤں کی برکت سے اعزاز کے ساتھ طے کیں۔ 1976ء تک ہر سال اپنی کلاس میں نمایاں امتیاز کے علاوہ اردو عربی تقریر اور مضمون نویسی کے مقابلوں میں پوزیشن اور بہترین طالب علم کے انعامات حضور کے دست مبارک سے حاصل کرنے کی سعادت میسر آتی رہی۔ جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران ہی ہمارے شفیق قابل احترام استاذ ملک سیف الرحمان صاحب پرنسپل جامعہ نے ذاتی دلچسپی سے اس عاجز کا انتخاب تخصص حدیث کے لئے کیا۔ جامعہ سے فارغ التحصیل کے ساتھ ہی تدریس کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ 1976ء سے ہی خدام الاحمدیہ کے ماہنامہ خالد کی ادارت اور مرکزی عاملہ میں بطور مہتمم تعلیم خدمت کی سعادت حاصل ہونے لگی۔

1980ء میں استاذی آنمکرم ملک سیف الرحمان صاحب (پرنسپل جامعہ احمدیہ) کی ہدایت پر تخصص حدیث کے سلسلہ میں پاکستان بھر کے بڑے بڑے دینی مدارس کے سروے کا پروگرام بنا۔ اس سلسلہ میں خصوصاً فیصل آباد، لاہور، ملتان، بہاولپور اور کراچی کے بعض مدارس میں جا کر علماء سے ملاقات اور حدیث کے موضوع پر تبادلہ ءخیال کا موقع ملا۔ مقصد یہ تھا کہ دینی مدارس میں حدیث کے نصاب اور طریق تدریس وغیرہ سے استفادہ کر کے اپنی معلومات میں وسعت پیدا کی جائے۔ نیز مشکلات حدیث کے حل کے لئے ماہرفن اساتذہ سے رہنمائی حاصل کرنے کے امکان کا جائزہ لیا جائے۔ چنانچہ فیصل آباد میں اہلحدیث کے بعض مدارس لاہور میں جامعہ اشرفیہ اور ملتان میں قاسم العلوم، خیر المدارس اور کراچی میں بنوری ٹاؤن وغیرہ کا دورہ کیا۔

لاہور کے جامعہ اشرفیہ میں علامہ عبد المالک کاندھلوی صاحب کی دورہ حدیث کی کلاس میں ان کی اجازت سے صحیح مسلم کا سماع چند دفعہ کیا۔ وہ حدیث کے ماہر عالم تھے اور بہت شستہ اردو بولتے تھے۔ ان سے علیحدگی میں ملاقات کر کے اس خواہش کا اظہار بھی کیا اگر وہ کچھ وقت عنایت فرماسکیں تو خاکسار روزانہ کتب حدیث کے بعض مشکل مقامات حل کروانا چاہے گا اور اس کے لئے معقول معاوضہ کی پیشکش بھی کی مگر انہوں نے اپنی مصروفیات کا عذر کیا۔

جامعہ اشرفیہ میں ہی عربی اور حدیث کے دوسرے بڑے عالم علامہ محمد موسیٰ خاں صاحب سے بھی ملاقات ہوئی۔ وہ ایک روایتی رکھ رکھاؤ والے وجیہ عالم دین تھے، ان کے سامنے بھی اپنی درخواست دہرائی مگر انہوں نے بھی اپنی تدریسی مصروفیات کے علاوہ حکومتی سطح پر آنے والے عرب مہمانوں کی

ترجمانی وغیرہ کی ذمہ داریوں کے باعث معذرت کی۔علامہ مالک کاندھلوی صاحب نے سماع درس حدیث کی اجازت کے وقت یہ دریافت نہیں فرمایا کہ ہمارا کس مسلک سے تعلق ہے؟ اتفاق سے دوران درس نزول ابن مریم کا ذکر آ گیا تو علامہ موصوف نے دورۂ حدیث کے طلبہ کو یہ نصیحت کی کہ قادیانیوں سے بحث کا ایک اصول ہمیشہ یادرکھو کہ ان سے وفات وحیات عیسیٰ کے موضوع پر بات نہ کرو بلکہ یہ کہو کہ عیسیٰ کے فوت ہونے سے مرزا صاحب کیسے سچا ثابت ہو گئے، پھران کی سیرت کے حوالے سے ثابت کرو کہ ایسا شخص نبی نہیں ہوسکتا۔اس مجلس میں خاکسار کے ساتھ برادرم مکرم تصور احمد خاں صاحب استاذ عربی جامعہ احمدیہ بھی شریک ہوئے تھے۔جو اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔

بعد میں ملتان کے خیر المدارس کے شیخ الحدیث علامہ محمد شریف کشمیری سے ٹیوشن فیس پر مشکلات حدیث کے حل کی استدعاء کی انہوں نے بھی وقت کی تنگی کی معذرت کرتے ہوئے خیر المدارس میں اپنے دورہ ءحدیث کے درس میں شرکت کی اجازت دے دی اور وہاں ان کے دورۂ حدیث میں قریباً چھ ماہ تک شامل ہونے کا موقع ملا۔ ملتان کے دوجواں سال علماء علامہ محمد حنیف جالندھری صاحب اور علامہ محمد عبدالقوی صاحب بھی اس دورۂ حدیث میں شریک تھے۔وہاں بھی دوران تدریس علماء نے یہ بات بتکرار دہرائی کہ قادیانیوں سے بحث کا یہ اصول کبھی فراموش نہ کیا جائے کہ وفات عیسیٰ پر بات نہیں کرنی۔چنانچہ اس کے بعد عملاً بھی اکثر مولوی حضرات کو گفتگو میں اسی اصول کا پابند پایا۔حالانکہ حضرت مرزا صاحب کا واضح مؤقف ہے کہ میرے دعوے کی جڑ یہی عقیدہ حیات و وفات مسیح ہے۔اگر حضرت مسیح زندہ ہیں اور ان کی کرسی خالی ہی نہیں ہوئی تو میرا دعویٰ مثیل مسیح جھوٹا اور میں اس سے دستبردار ہونے اور اپنی ساری کتب جلانے کے لئے تیار ہوں۔اس دعویٰ کی موجودگی میں اس بحث سے احتراز محل نظر ضرور ہے۔

1980ء کی بات ہے برادرم سید حسین احمد صاحب مربی سلسلہ گلبرگ لاہور اس وقت وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ میں مربی تعینات تھے انہوں نے مقامی جماعت کے مشورہ سے بعض تربیتی وتبلیغی پروگرام رکھ کر خاکسار کو وہاں آنے کی دعوت دی۔مکرم میاں غلام احمد صاحب امیر ضلع اور بزرگوارم ماسٹر عنایت اللہ صاحب نے ایک پروگرام یہ تجویز کیا کہ شہر کے معروف اہلحدیث عالم مولوی عبدالمنان صاحب سے وفات مسیح پر گفتگو ہو۔ان دونوں بزرگان کے علاوہ مربی صاحب اور چند اور احباب جماعت مجھے ہمراہ لئے 3 بجے سہ پہر اہلحدیث کی مسجد پہنچ گئے۔مولوی صاحب واقعی بہت شریف النفس واقع ہوئے تھے۔

پانچ پانچ منٹ کی باری کے ساتھ وفات مسیح کے موضوع پر گفتگو شروع ہوئی۔ خاکسار نے ہر باری میں وفات مسیح پر ایک قرآنی آیت پیش کرنی شروع کی۔ اگر ان کی طرف سے اس پر کوئی اعتراض ہوتا تو اگلی باری میں اس کا جواب دے کر دوسری آیت پیش کر دی جاتی۔ تھوڑی دیر میں سب حاضرین نے محسوس کیا کہ مولوی صاحب کے پاس ان آیات قرآنیہ کا کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ جبکہ ہماری طرف سے مسیح کے رفع الی اللہ کے بارہ میں ان کی پیش کردہ آیت کا جواب مع دلائل دے دیا گیا جس پر وہ اپنی طبعی شرافت کے باعث سراسیمہ تھے جبکہ حاضرین مجلس کی تعداد مسلسل بڑھ رہی تھی۔ اسی دوران نماز عصر کا وقت ہو گیا۔ دونوں فریق نے الگ الگ اپنی نماز با جماعت ادا کی۔ ادھر کسی نے جا کر اہلسنت کے ایک مولوی گل محمد توحیدی صاحب کو اس بحث کے بارہ میں اطلاع کی اور وہ گفتگو میں آ ٹپکے اور آتے ہی اپنا وہی پرانا حربہ آزمایا جو دلائل سے ہارے ہوئے ہمیشہ آزمایا کرتے ہیں۔ یعنی اوّل شور و شغب دوسرے مقررہ موضوع پر بات نہ کرنا۔ گفتگو میں دخل اندازی کر کے کہنے لگے کہ عیسیٰ کی موت کو چھوڑ و اس سے مرزا صاحب سچے ثابت نہیں ہو سکتے۔ پہلے ان کی سیرت پر بات کرو۔ اور یہ کہہ کر حضرت بانی جماعت احمدیہ کی ذات پر رکیک حملے کرنے شروع کر دیئے۔ جب ہمارا احتجاج صدا بصحرا ثابت ہونے لگا تو گفتگو روک دی گئی۔

اب مرحلہ پرامن واپسی کا تھا۔ کیونکہ بعض لوگ آوازے بھی کسنے لگے تھے۔ مگر اہلحدیث مولوی صاحب نے بعض معززین کے ذریعے یہ انتظام کروایا کہ نماز مغرب سے پہلے ہمارا قافلہ پرامن طور پر مسجد سے باہر چلا جائے۔ چنانچہ ہم اکٹھے ہو کر دعائیں کرتے واپس ہوئے۔ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کو اس مجلس کی رپورٹ ملی اور آپ نے فرمایا کہ اہلحدیث کی مسجد میں جا کر گفتگو کرنے میں احتیاط کرنی چاہئے تھی۔ یہ ہدایت آئندہ ہمیشہ مشعل راہ رہی۔

اسی زمانہ میں ایک مطالعاتی سفر اوچ شریف ضلع بہاولپور اور چاچڑاں شریف ضلع راجن پور جانے کا موقع ملا۔ اوچ شریف میں تو دراصل چاچڑاں جاتے ہوئے ایک پڑاؤ تھا۔ مگر وہاں بھی بعض اہم ملاقاتیں ہو گئیں۔ اوچ شریف میں سادات بخارا اور سادات گیلان کی دو پرانی گدیاں ہیں، بخاری اور گیلانی جن کے ذریعہ اس شہر میں علمی و عملی انقلاب پیدا ہوئے۔ 1980ء میں مخدوم شمس الدین گیلانی ماضی میں گدی کے جانشین اور پیر مغاں تھے۔ اوچ شریف کے پرانے مقامی احمدی دوست حکیم محمد افضل صاحب کے تعاون سے دونوں پیر حضرات سے وقت لے کر ملاقات کا موقع ملا۔ ہم آٹھ دس افراد گیلانی صاحب کے دولت

خانہ پہ حاضر ہوئے ، وہ جماعت احمدیہ اور اس کے امام حضرت مرزا ناصر احمد صاحب خلیفہ ثالث سے بھی متعارف تھے ، روایتی تپاک سے ملے اور باتوں باتوں میں حضور کے ہمراہ ایک ریلوے سفر میں ہونے والے اپنے دلچسپ تعارف کا ذکر کیا۔ انہوں نے بتایا کہ 1961ء کی دہائی کی بات ہے پیر پگاڑا صاحب سے ملاقات کے بعد کراچی سے اوچ شریف بذریعہ ریل فرسٹ کلاس میں سفر کر رہا تھا اتفاق سے گاڑی کے اسی ڈبہ میں آپ کے مرزا ناصر احمد نے بھی سفر کیا۔ راستہ میں رات کے وقت کسی اسٹیشن پر گاڑی رکی تو کسی اٹھائی گیرے نے باہر سے کھڑکی میں سے ہاتھ بڑھا کر کچھ چھینا جھپٹی کی کوشش کی ، مرزا صاحب نے اس کی کلائی ایسی مضبوطی سے پکڑ لی کہ اس کی تمام تر کوشش کے باوجود اسے نہیں چھوڑا یہاں تک کہ پولیس نے موقع پر پہنچ کر اسے گرفتار نہیں کر لیا۔ انہوں نے حضرت صاحب کی بہادری کی تعریف کی ۔ خاکسار نے حضرت خلیفہ ثالث کی خدمت میں یہ واقعہ تحریر کیا اور حضور بھی اس سے محظوظ ہوئے۔

چاچڑاں شریف میں حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کے مزار پر دعا کے علاوہ ان کے نواسے اور گدی نشین جناب خواجہ لال فرید صاحب سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے ہمارے قافلے کی (جو سات افراد پر مشتمل تھا) ناشتہ سے ضیافت کی ۔ خاکسار نے دوران ملاقات ان سے عرض کیا کہ آپ کے نانا حضرت خواجہ غلام فرید صاحب کے ذریعہ میرے پڑ دادا حضرت مولوی غلام حیدر صاحب (جو ایک اہلحدیث عالم تھے) کو حضرت بانی جماعت احمدیہ کے ہاتھ پر احمدیت قبول کرنے کی سعادت ملی تھی ۔ یہ عاجز اس احسان کا شکریہ ادا کرنے آیا ہے کیونکہ میرے پڑ دادا آپ کے نانا حضرت خواجہ صاحب سے حضرت مرزا صاحب کے دعوے کا علم پا کر بغرض تحقیق قادیان گئے تھے۔ عقیدہ حیات مسیح کے بارہ میں حضرت مولانا نورالدین صاحب نے انہیں بخاری (تقطیع کلاں) جلد اول ص 490 کی اس حدیث سے تسلی کروادی کہ رسول اللہؐ کو جب اپنے بعض اصحاب بائیں جانب لے جاتے دکھائی دئے تو فرمایا یہ تو میرے اصحاب تھے ۔ ارشاد ہوا۔ آپ کو کیا علم انہوں نے آپ کے بعد کیا نئی باتیں شروع کر دیں؟ اس پر نبی کریمؐ نے کہا کہ (اے اللہ!) جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان پر نگران تھا۔ (المائدہ :118) نبی کریمؐ بعینہٖ حضرت عیسیٰؑ والے الفاظ استعمال کرتے ہیں جس کے معنی موت لئے جاتے ہیں ، وہی الفاظ حضرت عیسیٰؑ نے استعمال کئے تو آسمان پر جانا کیسے مراد ہوا؟ اس پر ہمارے پڑ دادا حضرت مولوی غلام حیدر صاحب کا رد عمل یہ تھا کہ بغرض محال حضرت عیسیٰؑ کی وفات مان بھی لیں پھر بھی مرزا صاحب ابن مریم کیسے ہو گئے؟ جواب تھا کہ

قرآنی فیصلہ کے مطابق جو فوت ہوجائے وہ دوبارہ لوٹ کر دنیا میں نہیں آسکتا (الانبیاء:96) اس لئے نزول ابن مریم سے مراد ان کے مثیل یعنی ان جیسی صفات والے کسی شخص کا آنا ہے۔ اور بخاری و مسلم میں اما مکم منکم کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنے والا امت محمدیہ میں سے امام ہوگا۔ یہ علمی دلائل سن کر ہمارے پڑدادا صاحب کی تسلی ہوگئی اور انہوں نے حضرت بانی جماعت احمدیہ کی بیعت کر لی۔ یہ گفتگو جناب خواجہ لال فرید صاحب نے تحمل اور حوصلہ سے سنی۔ پھر میں نے پوچھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی جو خط وکتابت حضرت خواجہ صاحب کے ساتھ ہوئی تھی اور حضور نے کچھ کتابیں بھی موصوف کو بھجوائی تھیں ان میں سے کوئی کتاب یا خط محفوظ ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ لائبریری پر مختلف وقت کئی علماء نگران رہے ہیں۔ اس لئے نہیں کہہ سکتے کہ یہ چیزیں تھیں یا نہیں۔ الغرض یہ ملاقات خوب رہی۔ اور اس کی تفصیلی روداد خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں تحریر کر کے بھجوادی۔ حضور یہ رپورٹ پڑھ کر خوش ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ ''اس کی approach بہت اچھی ہے، اسے جامعہ میں کیوں لگا رکھا ہے؟ فیلڈ کے لئے مجھے بھجوادیں۔'' چنانچہ خاکسار حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

جون 1983ء میں موسم گرما میں کی تعطیلات اور رمضان کے مہینہ میں پہلی دفعہ قادیان جانے اور وہاں مقامات مقدسہ کی زیارت کی سعادت عطا ہوئی۔ مسجد اقصیٰ قادیان میں یکم رمضان کی رات تراویح کی امامت کے لئے حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب نے از راہ محبت ارشاد فرمایا۔ اور اگلے روز حیدر آباد دکن روانگی کے جملہ انتظام بھی کروائے۔ بعض تحائف کے ساتھ رخصت کیا۔ رمضان المبارک حیدر آباد میں گزرا اور تراویح میں قرآن کریم کا دور مکمل کرنے کے علاوہ درس وتدریس کا سلسلہ بھی جاری رہا اور مشہور زمانہ مکتبہ آصفیہ ان کے آرکائیو اور مختلف لائبریریوں میں جا کر بھی کتب وحوالہ جات دیکھنے کا موقع ملا۔ حیدر آباد کا قیام بہت خوشگوار تھا اور یہاں کی جماعت نے بہت محبت واُلفت کا سلوک کیا بلکہ اسی سال جب حضور سری لنکا دورہ پر تشریف لے گئے تو احباب جماعت حیدر آباد دکن جا کر حضور سے ملے اور رمضان میں ہماری تربیتی مصروفیات کا کچھ ایسا ذکر کیا کہ حضور نے سفر سری لنکا سے واپسی پر قصر خلافت میں استقبال کے موقع پر اس عاجز سے فرمایا کہ آپ حیدر آباد دکن والوں کو کیا کر آئے ہیں وہ بہت یاد کرتے تھے۔

اسی سفر میں واپسی پر دلّی میں بھی چند روز قیام رہا اور تاج محل آگرہ، فتح پور سیکری وغیرہ کی بھی سیاحت کی۔ دلّی میں حضرت صاحبزادہ مرزا وسیم احمد صاحب کی رہنمائی کے مطابق تغلق آباد میں ایک

ریسرچ سکالر ڈاکٹر برکات احمد سے بھی ملاقات ہوئی جو حکومتِ بھارت کے سفیر کے طور پر خدمات بجالا چکے تھے اور ان دنوں ہمدرد دواخانہ والوں کی لائبریری میں ریسرچ کر رہے تھے۔
"Muhammad and The Jews" (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور یہود مدینہ) کے نام سے ایک کتاب انہوں نے مستشرقین کے انداز تحقیق کے مطابق انگریزی میں تصنیف کی جس میں بنو قریظہ کے مقتولین کی تعداد پانچ سات صد کی بجائے سترہ تک ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ اپنی نوعیت کی جداگانہ تحقیق پر مشتمل ایسی کاوش ہے کہ ابھی تک مستشرقین میں سے کسی نے اس کے دلائل کو توڑنے کی جرأت نہیں کی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے اس بارہ میں عاجز سے بھی تبصرہ دریافت کیا تو میں نے عرض کیا تھا کہ ایک الزامی جواب کے رنگ میں یہ کوشش اپنی جگہ قابل تحقیق ہے تاہم اگر مقتولین کی تعداد زیادہ بھی ثابت ہو تو یہود کے متفقہ ثالث کا یہ فیصلہ عین ان کی کتاب تورات کے مطابق تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطور فریق اس کے پابند تھے اس لئے ان پر کسی طرح یہ الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

اس کے بارہ میں کئی علمی بحثوں کا ذکر کیا۔ بعد میں موصوف کو حضرت خلیفہ الرابعؒ کی خواہش کے مطابق کتاب مذہب کے نام پر خون کا انگریزی ترجمہ کرنے کی سعادت بھی عطا ہوئی۔

ہر چند کہ ڈاکٹر برکات صاحب سے یہ پہلی بالمشافہ ملاقات تھی ۔ بموجب حدیث نبوی کہ روحیں بھی مربوط لشکر کی طرح ہیں جب باہم متعارف ہوتی ہیں تو الفت وموانست بڑھتی ہے۔ کچھ یہی معاملہ ڈاکٹر صاحب موصوف کے ساتھ مختصر ملاقات میں ہوا جو جلد ایک تعلق قربت میں بدل گئی۔ چار سال بعد ڈاکٹر صاحب موصوف نے امریکہ سے اپنے مکتوب میں لکھا! ''عزیز مکرم! آپ سے صرف ایک بار ملاقات ہوئی ہے۔ مگر وہ ابھی تک بھولی نہیں''۔ موصوف نے دلی سے اپنی انگریزی کتاب کا اردو ترجمہ جو جامعہ ملیہ دہلی نے شائع کیا اپنے دستخط کے ساتھ خاکسار کو بھجوایا جو ان کی کرم نوازی تھی۔

مجھے بھی خوب یاد ہے دلی میں وہ پہلی اور آخری ملاقات ڈاکٹر صاحب موصوف نے سفید پاجامہ زیب تن کر رکھا تھا۔ سر پہ لٹھے کی سفید ٹوپی اور چہرے پہ خشخشی داڑھی سجی تھی ۔ کسے معلوم کہ دراں گردسوارے باشد۔ کون جانے کہ دستار وکلاہ سے بے نیاز یہ درویش منش ایک عالمِ بزرگ ہے جو بیک وقت اردو اور انگریزی زبان پر یکساں قدرت اور عربی میں گہری دسترس رکھتا ہے۔

دلّی کے اسلامی علمی وادبی حلقوں میں آپ کی مقبولیت ایک محقق سکالر کے طور پر مسلّم تھی۔ موصوف نے

مجھے یہ اعزاز بخشا کہ اپنے ہمراہ تغلق آباد دلّی میں ہمدرد دواخانہ کی عظیم الشان لائبریری لے گئے، جہاں کے دروازے ہم پر وا کر دیئے گئے۔

طبیعت پر سب سے زیادہ اثر ڈاکٹر صاحب کے علمی ذوق اور فکر و بصیرت کا تھا۔ آپ کی علمی گفتگو کا بھی ایک خاص انداز تھا۔ ان دنوں خلافت رابعہ کا ابھی آغاز تھا، ڈاکٹر صاحب نے مجھ سے ذکر کیا کہ حضرت مرزا طاہر صاحب نے خلافت سے قبل جو شہرہ آفاق کتاب ''مذہب کے نام پر خون'' تصنیف فرمائی تھی آپ اس سے بہت متأثر تھے، کہنے لگے میں نے ان کی ایک کتاب (مودودی اسلام) میں یہ واقعہ پڑھا کہ یونیورسٹی آف لنڈن میں آپ کے تاریخ کے ایک متعصب پروفیسر نے نبی کریم ﷺ پر بنو قریظہ کے ظالمانہ قتل کا الزام لگایا تو آپ نے کلاس میں ہی اس کا جواب دینا چاہا۔ پروفیسر نے دوران کلاس کہا کہ یہاں بحث کا وقت نہیں تم کو جو کچھ کہنا ہے میرے کمرے میں آکر کہنا۔ آپ اور مکرم سید میر محمود صاحب نے اسے کہا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ اعتراض تو بر سرِ عام ہو اور جواب ہم علیحدگی میں دیں چنانچہ ہم نے اس بارہ میں اپنا مؤقف واضح کیا۔ اس وقت حضرت مرزا طاہر احمد صاحب ابھی خلیفہ نہیں ہوئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کہتے ہیں میں نے دل میں سوچا کہ یہ نوجوان عالم جو اتنا جوش و جذبہ رکھتا ہے محقق کیسے بنے گا؟ محقق کو تو ٹھنڈے مزاج کا ہونا چاہئے۔ کہنے لگے پھر جب حضور خلیفہ ہوئے تو مجھے سمجھ آئی کہ اس شخص نے محض محقق نہیں بلکہ خلیفۃ المسیح بننا تھا اور واقعی ان کی دینی غیرت کا تقاضا یہی تھا کہ اس متعصب پروفیسر کو بانیٔ اسلام پر ہونے والے اعتراض کا جواب سرِ عام دے کر اتمام حجت کرتے جو واقعی آپ نے کر دکھائی۔

سفر دلّی سے ربوہ واپسی پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ سے ملاقات کے دوران جب عاجز نے ڈاکٹر برکات احمد صاحب کا یہ واقعہ حضور انور کی خدمت میں عرض کیا تو آپ بے ساختہ مسکرا دیئے اور بہت محظوظ ہوئے۔

1984ء میں جب حضور کو انگلستان ہجرت کرنا پڑی تو انٹی احمدیہ آرڈیننس کے خلاف قرآن و سنت ہونے کے متعلق مکرم مجیب الرحمان صاحب ایڈووکیٹ راولپنڈی اور دیگر ساتھیوں کی طرف سے شرعی عدالت میں رٹ کی گئی جن میں خاکسار بھی بطور درخواست دھندہ شریک تھا۔ چیف جسٹس آفتاب حسین سمیت پانچ ججوں پر مشتمل شرعی کورٹ کے بینچ میں ہمارا کیس زیر سماعت تھا روزانہ کارروائی کی رپورٹ اور اس کے بارے میں ماحول سے اخذ کردہ تأثرات حضور انور کی خدمت میں گاہے بگاہے عرض کر دئے

جاتے۔مقدمہ عدالت میں دائر کرنے کے ساتھ ہی خاکسار کو مکرم مجیب الرحمان ایڈووکیٹ کے پاس راولپنڈی اور مسجد الفضل اسلام آباد جا کر پہلے کیس کی تیاری اور پھر شرعی کورٹ میں درخواست فائل کرنے تک آمدورفت رہی تا آنکہ شریعت کورٹ کے لاہور بینچ میں کیس کی تاریخیں وسط جولائی میں مقرر ہوئیں۔تب علماء کی ایک ٹیم بھی ساتھ موجود تھی جن کے تعاون سے بحث کی تیاری ہوتی تھی۔عدالت میں خاکسار کو مکرم مجیب الرحمن صاحب کی معاونت کے لئے ان کے ڈائس کے قریب نشست مہیا کی جاتی تھی جب وہ کوئی حوالہ پیش کرتے تو خاکسار اس کی چھ کاپیاں ریڈر صاحب عدالت کو پیش کر دیتا جو ایک کاپی پاس رکھ کر باقی پانچ ججوں کو دے دیتے۔اس طرح دوران بحث حسب ضرورت مکرم مجیب صاحب کو آیت یا حدیث کا حوالہ بھی عندالطلب پیش کیا جاتا جسے کمرہ ء عدالت میں موجود جملہ غیر احمدی وکلاء بھی دیکھتے۔عدالت میں غیر از جماعت مشہور علماء بھی آتے رہے جیسے علامہ طاہر القادری صاحب اور قاضی مجیب الرحمن آف پشاور مشیر عدالت بن کر آئے اور شاہی مسجد کے لحیم شحیم امام علامہ عبدالقادر آزاد بھی کاروائی سننے کے لئے آتے رہے۔

بحث میں وقفہ کے دوران بار روم میں بھی خاکسار مجیب الرحمن صاحب اور دیگر وکلاء کے ساتھ جا کر چائے میں شریک ہوتا تھا۔ایک دن غیر از جماعت وکلاء نے مکرم مرزا نصیر برلاس صاحب ایڈووکیٹ کے سامنے باتوں باتوں میں یہ تبصرہ بھی کیا کہ تمہارا مولوی بھی کیا ہے دبلا پتلا سا۔ ہمارے مولوی کی تو گردن کے برابر بھی نہیں۔اس پر اپنوں پرایوں میں ایک زوردار قہقہہ لگا۔اس زمانے میں امیر جماعت لاہور مکرم چوہدری حمید نصر اللہ خاں صاحب اور ان کی ٹیم نے مرکزی نمائندوں کی مہمان نوازی اور حفاظت کا حق خوب ادا کیا۔اللہ انہیں جزاء دے۔آمین۔

خاکسار نے اس وقت بھی بعض تفاصیل اور تاثرات تحریر کئے جن میں یہ بھی ذکر تھا کہ عدالت میں کامیاب بحث اور بعض منصفین عدالت کے مثبت تبصروں سے امید ہے کہ فیصلہ ہمارے خلاف بھی ہوا تو متفقہ نہیں بلکہ شاید اختلافی ہو جائے۔حضور انور کی بصیرت اور دور بین نگاہ کی وسعت کا اندازہ آپ کے مکتوب گرامی سے خوب ہوتا ہے جس میں ایک طرف آپ نے حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے ہمیں دعائیں دیں تو دوسری طرف آپ کی یہ تحریر ایک عجیب مواحدانہ رنگ اور متوکلانہ شان اور اپنی جماعت کے لئے گہری محبت میں ڈوبی ہوئی ہے۔نیز اس دور ابتلاء میں احباب جماعت کی تکالیف اور پریشانیوں کے

خیال سے خلیفۃ المسیح کو جو بے چینی لاحق رہتی تھی اس کا خوب اندازہ ہوتا ہے اور خلافت و جماعت کے اٹوٹ رشتہ کا عرفان بڑھتا ہے فرمایا:

''پیارے عزیزم حافظ مظفر احمد!

آپ کا نہایت دلچسپ تفصیلی خط ملا۔ اللہ تعالیٰ جس احسن رنگ میں آپ کو اور آپ کے رفقائے کار کو خدمت کے میدان میں کارہائے سرانجام دینے کی توفیق عطا فرما رہا ہے یہ ایک عظیم سعادت ہے جو تاریخ احمدیت میں ہمیشہ سنہری حروف سے لکھی اور یاد کی جائے گی اور آنے والی نسلیں آپ سب پر سلام اور رحمتیں بھیجیں گی الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ اللہ مسلسل آپ کی روح القدس سے مدد فرماتا رہے۔ غیروں کے کلمات تحسین کو خاص اہمیت نہ دیں۔ آپ ماشاء اللہ نہایت ذہین اور متبحّر عالم ہیں لیکن ساتھ ہی سادگی بھی طبیعت میں بہت ہے۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ آج کل پاکستان میں منافقت کا معیار کس بلندی پر ہے۔ کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوں اپنے کام سے کام رکھیں اور دعائیں کرتے رہیں آج ہمارا کوئی دوست نہیں مگر وہی جو سب سچوں کا دوست ہے اور سب سچوں سے بڑھ کر سچا اور وفا کرنے والا ہے۔ **فنعم المولیٰ و نعم الوکیل**۔

سب رفقائے کار اور مخلصین لاہور کو جو ہمہ وقت خدمت میں مصروف ہیں اور الٰہی رنگ پکڑے ہوئے ہیں میری طرف سے نہایت محبت بھرا سلام اور پیار پہنچا دیں۔ میرا دل احمدیت کے لئے اور احمدیت کے شیدائیوں کے لئے سخت کرب میں مبتلا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس کی تقدیر خیر ہماری ہی بھلائی کی خاطر ابھی ہمیں کتنے دردناک ابتلاؤں سے گزارے گی۔ ہاں اتنا کرم ضرور فرمائے کہ اس خوشا وقت سے پہلے ہمارے دل صدموں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر عالم ہستی سے گزران نہ کر چکے ہوں۔ خدا حافظ خدا حافظ خدا حافظ۔ اب تو میرے دل کی ہر دھڑکن آپ کے لئے یہی گردان کرتی ہے کہ خدا حافظ۔

والسلام خاکسار

مرزا طاہر احمد''

چنانچہ وہی ہوا جو حضور کی بصیرت نے پہلے ہی بھانپ لیا تھا۔ عدالت میں بحث کی کارروائی جاری تھی کہ ایک روز چیف جسٹس صاحب کو اسلام آباد میں آمرِ وقت (چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق) کی طرف سے بلاوا آیا۔ وہ کورٹ کی کاروائی تشنۂ تکمیل چھوڑ کر وہاں گئے اور واپس آ کر کاروائی کو جوں کا

توں کر کے سمیٹ دیا۔اس کے بعد چیف جسٹس صاحب نے ہمیں اپنے ریٹائرنگ روم میں بلا کر ایک مختصر فیصلہ سنایا۔انہوں نے پہلے عدالت کی معاونت کے لئے ہمارا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ آپ لوگوں نے جس طرح تیاری کر کے قرآن وسنت کے مستند حوالہ جات عدالت میں پیش کئے ہیں اس سے پہلے اس کی مثال نہیں ملتی۔ پھر فیصلہ یہ سنایا کہ احمدی اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت وغیرہ میں آزاد ہیں ۔البتہ ان پر اصطلاحات کے استعمال پر پابندی رہے گی۔اس کے معاً بعد چیف جسٹس صاحب موصوف کو بیرون ملک دورے پر بھجوا دیا گیا جب وہ واپس آئے تو ان کا تقرر بطور مشیر صدر مملکت کیا گیا۔ہمارا مقدمہ جس کی سماعت پانچ ججوں نے چیف جسٹس کی سربراہی میں کی تھی اس کے 224 صفحات کے فیصلہ پر صرف باقی چار ججوں نے دستخط کئے۔فیصلہ سماعت کرنے والے بنچ کے چیف جسٹس کے اس پر دستخط نہیں ہیں۔جو عدالتی تاریخ کی بے ضابطگی کی بدترین مثالوں میں سے ایک ہے۔

1986ء کے جلسہ برطانیہ میں حسب ارشاد حضور برادرم مکرم مولانا مبشر احمد کاہلوں کی معیت میں نمائندگی علماء سلسلہ کی توفیق ملی۔لنڈن میں قریباً دو ماہ قیام رہا۔اس دوران حضور نے کئی بار یاد فرما کر شرف باریابی بخشا اور ہدایات سے نوازا۔ایک ملاقات میں برسبیل تذکرہ یہ ذکر فرمایا کہ سپین میں عیسائی پادریوں کی ایک کانفرنس میں امریکہ کے صدر جمی کارٹر نے یہ ذکر کیا کہ مسلمانوں کے مختلف فرقوں سے ہمارے مؤثر رابطے موجود ہیں سوائے جماعت احمدیہ کی قیادت کے جو ہمارے دائرۂ اثر میں نہیں آتی۔ایک اور ملاقات میں دعوت الی اللہ کے لئے استعمال ہونے والے حوالہ جات کے عکس اکٹھے کر کے شائع کروانے کے حوالے سے رہنمائی فرمائی۔ یہ ہدایت ابھی تک زیر تعمیل و تکمیل ہے۔اللہ تعالیٰ جلد پوری کرنے کی توفیق دے۔آمین۔

ایک اور ملاقات میں ارشاد فرمایا کہ میرا ارادہ ہے کہ حضرت مصلح موعودؓ کی تفسیر کبیر میں قرآن کے جن حصوں کی تفسیر نہیں ہوسکی وہاں سے درس قرآن شروع کیا جائے اس کیلئے واپس جاتے ہی سورۃ آل عمران سے متعلق لغت، تفاسیر، احادیث، مسیح موعود و خلفاء، اور مستشرقین کے حوالہ جات بھجوانے کا سلسلہ شروع کر دیں۔اس کی تعمیل بطور نگران ریسرچ سیل کروانے کی توفیق ملی اور حضور نے سورۃ آل عمران کے انگریزی میں درس کا معرکہ آراء سلسلہ شروع فرمایا۔جس کا ریکارڈ آڈیو کیسٹس میں محفوظ ہے۔اس شاندار تاریخی سلسلہ درس میں معاونت کی سعادت خاکسار کے ساتھ شریک اس وقت کے ممبران ریسرچ سیل کے حصہ

میں آئی۔آگے جا کر یہ درس افادہ عام کے لئے ایم ٹی اے پر اردو میں نشر ہونے لگا۔

ان درسوں کے دوران مختلف علمی موضوعات تفصیل سے زیر بحث آتے رہے۔مسئلہ تقدیر کی بحث میں حضور نے یہ لطیف مضمون بیان فرمایا کہ ہر انسان کی ایک اجل مسمّٰی یعنی آخری مقررہ میعاد ہوتی ہے جس تک وہ پہنچ سکتا ہے مگر اس کی شرائط اور کوشش کی پوری رعایت نہ رکھنے وغیرہ کی وجوہ سے بعض دفعہ دوسری اجل مقدر پہلے اس پر غالب آجاتی ہے ۔ اس لطیف نکتہ کی تائید میں خاکسار نے سورۃ اعراف کی آیات(135 تا137) کا ذکر کیا جن کا ترجمہ یہ ہے:

''اور جب بھی ان پر عذاب نازل ہوتا وہ کہتے اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے اس وعدہ کے نام پر جو اس نے تیرے ساتھ کیا ہے دعا کر۔پس اگر تو نے ہم سے یہ عذاب ٹال دیا تو ہم ضرور تیری بات مان لیں گے اور ضرور بنی اسرائیل کو تیرے ساتھ بھیج دیں گے۔پس جب ہم نے ان سے عذاب کو ایک معیّن مدت تک دور کر دیا جس تک انہیں بہرحال پہنچنا تھا تو اچانک وہ عہد شکنی کرنے لگے۔پس ہم نے ان سے انتقام لیا اور انہیں سمندر میں غرق کر دیا کیونکہ انہوں نے ہمارے نشانات کو جھٹلا دیا تھا اور وہ ان سے غافل تھے۔''

حضور اس بروقت حوالہ پر بہت خوش ہوئے اور اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''مسئلہ تقدیر کے ضمن میں آپ نے سورۃ اعراف کی جس آیت کا ذکر کیا ہے اس کا جو پہلا حصہ ہے اس پر تو میری نظر تھی لیکن اس کے بعد والے حصہ میں نئی بات ہے یہ بہت لطیف نکتہ آپ نے بیان کیا ہے ۔ بہت خوشی ہوئی جزاکم اللہ احسن الجزاء۔ اللہ آپ کے فہم قرآن کو اور بھی روشنی فرمائے۔اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مہلت دے کر فائدہ نہ اٹھانے پر پھر مہلت چھین لی گئی اور یہ بالکل نیا نکتہ ہے اس اجل اور اجل مسمّٰی کے مضمون پر بہت سی آیات میرے پیش نظر تھیں جن میں سے چند میں نے نمونۃً چُنی تھیں جو بہت ہی خصوصیت رکھتی تھیں ان میں سے ایک کا تعلق حضرت یونسؑ کی قوم سے تھا جن کیلئے عذاب مقدر تھا لیکن ٹال دیا گیا اور انہیں اجل مسمّٰی تک پہنچایا گیا دوسری قوم نوح کے متعلق تھی جن سے اجل مسمّٰی تک پہنچانے کا وعدہ کیا گیا بشرطیکہ وہ توبہ کریں لیکن انہیں ان کی شرارتوں کی وجہ سے اجل مسمّٰی سے پہلے ہلاک کر دیا گیا۔ یہ اجل مسمّٰی

کے دو کنارے ہیں ہوسکتا ہے کہ لاکھوں افراد ایسے ہوں جن پر یہ تقدیر اس طرح ظاہر ہوئی ہو۔ بہر حال آپ نے جن نکات کا ذکر کیا ہے وہ اللہ کے فضل سے مختلف وقتوں میں کہیں نہ کہیں بیان کر چکا ہوں لیکن جس طرح توجہ سے سن کر آپ نے ان کا ذکر کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نظر نکات پر باریک اترتی ہے اور سورۃ اعراف والی آیات سے استدلال کا ذکر پڑھ کر تو بے حد خوشی ہوئی۔ اس آیت پر پہلے اس طرح نظر نہیں تھی بلکہ اس درس کے بعد بھی میں سوچ رہا تھا کہ کوئی ایسی آیت بھی ضرور موجود ہوگی جس میں مہلت دے کر پھر چھین لی گئی ہو۔ سمندر میں کشتی کے ذریعہ سفر کرنے والوں کی جو مثال ہے اس میں یہ تو ذکر ہے کہ وہ مہلت کے باوجود شرک کر جائیں گے لیکن پکڑنے کا دوبارہ ذکر نہیں ہے جبکہ یہ آیت اس مضمون پر خوب عمدگی سے روشنی ڈالتی ہے آپ نے بہت اچھا کیا جو ذکر کر دیا۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

(مکتوب حضور انور 17 مئی 1993ء)

یہ خالصتہً حضور کی ذرہ نوازی تھی کہ اپنے غلاموں اور شاگردوں کا اسطرح حوصلہ بڑھاتے ورنہ خلفاء ربّانی کی طرح آپ کو علم قرآن سے جو وافر حصہ عطا فرمایا گیا تھا اس کے بیان کی حاجت نہیں۔ درس کے دوران بھی مضامین آپ پر منکشف ہوتے تھے۔ اسی خط میں ایک ایسی واردات کا ذکر بھی ضمناً حضور کے قلم سے ہوگیا۔ خاکسار نے اپنے خط میں تقدیر کے مضمون کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عمواس میں پڑنے والی طاعون کی روایت کا حوالہ بھی بھجوایا تھا کہ جب طاعون زدہ علاقہ کو چھوڑ کر حضرت عمرؓ جانے لگے تو حضرت ابوعبیدہؓ نے کہا تھا کیا آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگیں گے؟ حضرت عمرؓ نے کیا خوبصورت جواب دیا کہ ہاں! ہم اللہ کی ایک تقدیر سے دوسری تقدیر کی طرف بھاگیں گے۔ حضور نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر فرمایا ''طاعون عمواس والی جس روایت کا آپ نے ذکر کیا ہے اسے میں درسوں کے اسی سلسلہ میں پہلے بھی ایک موقع پر بیان کر چکا ہوں وہاں میں نے یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ (الرعد:12) کی بحث اٹھائی تھی لیکن وہ حصہ بھی بعضوں کے نزدیک متنازعہ ہوگیا تھا لیکن مجھے اس میں ذرہ بھی شک نہیں کیونکہ وہ نکتہ اللہ کی طرف سے معاً ذہن اور دل پر شعلہ کی طرح نازل ہوا تھا۔ (مکتوب 17 مئی 1993ء)

1992ء میں اس عاجز کو راہ مولیٰ کی اسیری کا اعزاز بھی عطا ہوا۔ جرم یہ تھا کہ بیت اقصیٰ ربوہ میں رمضان کے مہینے میں ایک خطبہ جمعہ میں احباب کو روزے رکھنے اور عبادات کی طرف توجہ دلائی تھی۔ جو بقول شکایت

کنندہ 298c کے تحت ایک غیر مسلم کے لئے جائز نہیں۔ ان کی مزید دلآزاری یہ ہوئی تھی کہ بقول ان کے اس خطبہ کی آواز بیت اقصیٰ سے باہر سنائی دے رہی تھی۔ ایف آئی آر درج ہونے کے بعد فرد جرم لگ چکی تھی اس لئے فوری طور پر ضمانت کا بندوبست کروایا گیا اور تاریخ پیشی پڑنے لگی۔ ایک معمول کی پیشی پر حاضر تھے کہ جج صاحب نے خلاف توقع ضمانت منسوخ کر کے گرفتاری کا حکم دے دیا۔ یہ سب ہمارے لئے اچانک تھا مگر مخالفین کی سوچی سمجھی اسکیم تھی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے سات دن تک چنیوٹ کے لاک اپ میں گزارے جہاں کوئی اور احمدی دوست ہمراہ نہیں تھے۔ تاہم ربوہ کے نواح کے ایک سیّدزادے اور پشاور کے علاقہ غیر کے ایک پٹھان قیدیوں میں تھے جن سے راہ ورسم ہوگئی یہ لوگ جماعت کی طرف سے بھجوائے گئے وافر کھانے میں بھی ساتھ شریک ہوتے اور حتی الوسع خیال بھی رکھتے۔ قید میں اندازہ ہوا سب سے زیادہ اذیت ناک چیز بندش کا احساس ہوتا ہے۔ یا پھر غسل خانہ وغیرہ کی تنگی۔

قید کے دوران ہمارے معمولات پنجگانہ نماز، تہجد اور تلاوت قرآن کی پابندی دیکھ کر قیدی باوجود جرائم پیشہ ہونے کے بھی متاثر تھے جب کہ پشاور کے وہ پٹھان جن میں کچھ رشد وسعادت کے آثار تھے اور حشیش کی اسمگلنگ کے الزام میں پکڑے گئے تھے۔ خود ان کے بقول ان کا جرم محض اس ٹرک میں سفر کرنا تھا جس سے حشیش برآمد ہوئی اور چھاپہ کے وقت ڈرائیور ان کو تنہا چھوڑ کر بھاگ گیا جبکہ یہ اس کے ساتھ پنجاب کی سیر کو آئے تھے۔ یہ صاحب بھی پابند نماز تھے ایک روز انہوں نے اپنی ایک خواب سنا کر مجھ سے حسن ظنّ کرتے ہوئے تعبیر چاہی۔ خواب میں انہوں نے بھیڑ کے دو بچے دیکھے جن کو وہ چرا رہے تھے۔ مجھے ان کے حالات وکوائف کا علم تو نہ تھا مگر ظاہری نیک آثار کی مناسبت سے اللہ تعالیٰ نے تعبیر سُجھا دی۔ میں نے ان سے کہا کہ آپ کے دو بچے ہیں کہنے لگے ہاں! میں نے کہا آپ کو جلد رہائی ملے گی اور آپ واپس جا کر اپنے بچوں کی تربیت کرنے کی توفیق پائیں گے۔ پھر واقعی ایسا ہی ہوا وہ کچھ عرصہ بعد بری ہو کر مجھے ربوہ ملنے آئے اور ہم بھی پشاور جا کر ان سے ملے۔ پھر مرور زمانہ سے رابطہ منقطع ہو گیا۔

دوسرا ایمان افروز واقعہ ان ایام میں یہ ہوا کہ خاکسار کی ضمانت کی کوشش تو گرفتاری کے دن سے ہی جاری تھی بوجہ مخالفت مختلف حیلوں بہانوں سے مقامی انتظامیہ سے اس میں تاخیر کروائی جا رہی تھی۔ پانچ چھ دن کے بعد جب بعض ساتھیوں نے پوچھا کہ آپ کی کب رہائی ہوگی تو اپنے عام معمول سے ہٹ کر قرآن کریم سے فال نکالنے کا ارادہ کیا۔ خیال یہ تھا کہ اگر لمبا عرصہ یہاں رہنا ہے تو پھر تسلی سے کوئی لکھنے پڑھنے

کا کام مستقل مزاجی سے شروع کیا جائے۔ فال نکالتے ہوئے دل میں سوچا کہ قرآن شریف کو کھولنے پر دائیں طرف جو پہلی سطر ہوگی اس آیت میں سے اللہ تعالیٰ جواب سمجھا دے۔ جب قرآن کھولا تو دائیں طرف گیارہویں پارے اور سورۂ یونس کی آیت نمبر 23 نکلی:

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ o

کہ اگر تو نے ہمیں اس سے نجات دی تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے۔ میں سمجھ گیا کہ جلد رہائی ہوگی اور یہ بات ساتھیوں کو بتادی چنانچہ ایک روز بعد رہائی بھی ہوگئی۔ حضور انور کی خدمت میں بھی اس اسیری کی واردات تحریر کی۔ حضور ان دنوں دورے پر تھے۔ مکرم نصیر احمد قمر صاحب پرائیویٹ سیکرٹری کی طرف سے خط موصول ہوا: ''کہ آپ کو جو اسیری کی سعادت ملی اور وہاں دعوت الی اللہ کی خاص توفیق نصیب ہوئی۔ اس پر حضور انور نے مبارک باد کا پیغام عنایت فرمایا ہے اور دعا کی ہے۔ حضور انور ان دنوں سفر پر تشریف لے گئے ہیں۔ حسب ہدایت آپ کو ارشاد حضور سے اطلاع دی جارہی ہے''۔

(مکتوب 19-5-1992)

مقدمہ کی پیشی ہر ماہ دو ماہ بعد پڑنے لگی اور ہم سترہ سال تک چنیوٹ عدالت میں حاضری دیتے رہے۔ جس کے بعد معجزانہ رنگ میں یہ مقدمہ اللہ تعالیٰ نے ختم کروایا۔ مقدمہ میں دو کرایہ کے گواہ تھے پہلا گواہ تو سترہ سال کے اس عرصہ میں وفات پا گیا۔ دوسرا ہمارے گھر کے چکر لگانے لگا کہ اگر کچھ انعام دے دیا جائے تو وہ حسب منشاء گواہی دے دے گا۔ ہمیں معذرت کے سوا چارہ نہ تھا۔ عدالت میں جب وہ گواہی کے لئے پیش ہوا تو اس سے سوال ہوا کہ خطبہ کی آواز جو چاردیواری سے باہر آرہی تھی تم نے خود سنی تھی؟ اس نے کہا میں نے خود تو نہیں سنی تھی مجھے کسی نے بتایا تھا۔ اس کمزور گواہی پر مقدمہ مزید کمزور ہوگیا اور بالآخر سترہ سال بعد یہ مقدمہ خارج ہوا۔

1994ء میں جنوبی ہندوستان میں مدراس کے علاقہ کوئمباتور (Coimbatoor) میں سعودی عرب سے تعلیم یافتہ اہل حدیث عالم زین العابدین صاحب صدر جمیعۃ القرآن والحدیث نے احمدیوں کو مناظرہ کا چیلنج دے دیا۔ حفظ امن کی ضمانت اور جماعت کی پیش کردہ شرائط تسلیم کئے جانے پر وفات مسیح، ختم نبوت اور صداقت مسیح موعود کے موضوعات پر مناظرہ ہوا جو نو 9 دن جاری رہا ہر موضوع پر تین دن بحث ہوئی۔ یہ مناظرہ وہاں کے ایک بڑے ہوٹل میں تامل زبان میں ہوا۔ فریقین کے 25-25 افراد تحریری اجازت

داخلہ کے ذریعہ اندر جاتے تھے۔ مناظرہ کی مکمل ویڈیو ریکارڈنگ ہوئی۔ پاکستان سے حضور انور نے ازراہ شفقت مکرم مولانا دوست محمد شاہد اور خاکسار کو مناظرہ کرنے والے احمدی علماء کی مدد کے لئے بھجوایا۔ الحمد للہ یہ مناظرہ خوب ہوا۔ روزانہ کی رپورٹ اور اگلے دن کا موضوع مع تفصیلی فہرست دلائل (آیات و احادیث) حضور کی خدمت میں بغرض دعا و رہنمائی بذریعہ فیکس بھجوائی جاتی۔ حضور انور کمال شفقت سے تفصیلی رہنمائی فرماتے حتی کہ دلائل میں پیش کی جانے والی آیات تک کی معین ہدایت فرماتے۔ نبوت کے موضوع پر

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ (النساء:70)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ (آل عمران:82)

اور اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ (الحج:76)

پیش کرنے کی ہدایت فرمائی۔ مناظرہ کے دوران خاکسار کو نزلہ وزکام کا شدید حملہ ہوا ایک رپورٹ میں دعا کی خاطر اس کا ذکر بھی کر دیا تو جوابی فیکس میں بطور خاص ارشاد فرمایا کہ فوری طور پر انفلوئنز ینیم اور بسلینیم دوسو کی طاقت میں روزانہ دو تین مرتبہ لیں۔ مناظرہ میں جماعت کے پیش کردہ دلائل کی غیر معمولی علمی برتری اور دشمن کے لاجواب ہو کر اپنے موقف سے پسپائی پر حضور اس قدر خوش ہوئے کہ مناظرہ میں شامل ہم پانچ افراد کے لئے دس ہزار روپیہ انعام بھجوایا اور بے شمار دعائیں اس پر مستزاد تھیں۔

1997ء میں دعوت الی اللہ کے جماعتی دورہ رحیم یار خان کے دوران خاکسار کو خان پور جانے کا بھی موقع ملا۔ مکرم امین الحق خان صاحب (صدر جماعت) نے ذکر کیا کہ مشہور دیوبندی عالم مولانا عبید اللہ سندھی صاحب (جو مجدد اعظم اور امام انقلاب کے خطابات سے معروف ہیں) کے نواسے علامہ مبشر احمد برکات صاحب کے ساتھ ان کے مراسم ہیں۔ علامہ سندھی صاحب نے اپنی تفسیر الہام الرحمن میں وفات مسیح کا اقرار کیا ہے۔ انہوں نے حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ کے خلاف فتویٰ تکفیر پر بھی دستخط نہیں کئے تھے۔ ان کے سوانح میں حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کے علم قرآن کی تعریف اور ان سے استفادہ کیلئے قادیان جانے کا ذکر ملتا ہے اور سیدنا حضرت مصلح موعود ؓ نے بھی تفسیر کبیر میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ ہمیں ان کے نواسہ سے ملنے کا اشتیاق ہوا چنانچہ ان کے مکان پر گئے ملاقات بہت مفید رہی اور پتہ چلا کہ ایک وقت علامہ سندھی کی وہیں رہائش تھی اور مدرسہ بھی تھا۔ یہیں ان کا مزار بھی ہے۔ علامہ مبشر برکات صاحب اس

وقت (90 سالہ) معمر بزرگ ہوں گے۔نہایت سنجیدہ اور متین عالم دین تھے درمیانہ قد، سانولا رنگ، ان کے ساتھ گروپ فوٹو محفوظ ہے۔مگر اس سے کہیں زیادہ ان کی بیان کردہ یہ روایت ذہن وقلب میں خوب نقش ہے جو انہوں نے اپنے نانا علامہ سندھی صاحب کی تفسیر الہام الرحمن کے بارہ میں سنائی کہ جب عربی زبان سے اردو میں اس تفسیر کا ترجمہ اس کے ناشر علامہ محمد معاویہ آف کبیر والا کے زیر اہتمام ہو رہا تھا تو ایک روز علامہ مفتی محمود صاحب کا اس مضمون کا خط آیا کہ آپ علامہ سندھی صاحب کی تفسیر کا اردو ترجمہ کروا رہے ہیں جس میں انہوں نے وفات عیسیٰؑ کا بھی ذکر کیا ہوا ہے جبکہ ہمارے جمہور علماء کا مسلک اس سے جدا ہے۔علامہ نانوتوی کی تحذیر الناس میں ختم نبوت کی موجود تشریح کی وجہ سے اہل دیوبند کو پہلے ہی اعتراض کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔اب اس حوالہ سے قادیانیوں کی تائید مزید کا نتیجہ اچھا نہ ہوگا اس لئے اس حصہ کو ترجمہ کے وقت تفسیر سے حذف کر دیا جائے۔

علامہ برکات صاحب فرمانے لگے کہ میں نے وہ خط مولانا معاویہ صاحب کو کبیر والا بھجوا دیا۔خط ملتے ہی وہ اسے لے کر خود خانپور آ گئے اور کہنے لگے کہ اگر تو آپ نے ہم سے ترجمہ کروانا ہے تو منّ وعن عربی تفسیر کا ترجمہ بغیر کسی ردوبدل کے ہوگا۔اور اگر کوئی تبدیلی کروانی ہے تو جہاں سے چاہیں ترجمہ کروالیں۔کہتے ہیں میں نے کہا کہ آپ ہی ترجمہ کریں اور کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔چنانچہ اردو ترجمہ الہام الرحمن شائع کردہ ادارہ بیت الحکمت امام ولی اللہ دہلوی کبیر والا ضلع ملتان جھنگ روڈ میں یہ حوالہ موجود ہے۔سورۃ آل عمران کی آیت 55 کے الفاظ اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ کے معنے موت کرتے ہوئے علامہ سندھی صاحب تحریر فرماتے ہیں۔

’’تجھے مارنے والا ہوں، یہ جو حیات عیسیٰ لوگوں میں مشہور ہے۔یہ یہودی کہانی نیز صابی من گھڑت کہانی ہے۔مسلمانوں میں فتنہ عثمانؓ کے بعد بواسطہ انصار بنی ہاشم یہ بات پھیلی اور یہ صابی اور یہودی تھے۔قرآن میں کوئی ایسی آیت نہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہو کہ عیسیٰ نہیں مرا اور وہ زندہ ہے اور نازل ہوگا یہ استنباطات ہیں اور اس میں شکوک وشبہات ہیں۔اور یہ ممکن نہیں کہ اس پر عقیدہ اسلامیہ کی بنیاد رکھی جائے‘‘۔ (الہام الرحمن جلد 1 ص 240,241)

خلافت خامسہ

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ساتھ خدام الاحمدیہ کے زمانہ

میں شناسائی ہوئی جب آپ نے گھانا مغربی افریقہ سے واپس تشریف لا کر خدام الاحمدیہ کی مرکزی عاملہ میں خدمات کی توفیق پائی۔

تعارف مزید بڑھا تو آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے روشناس ہوئے۔ مجھے یاد ہے 1986ء میں انتخاب صدر خدام الاحمدیہ کے موقع پر آپ کا نام بھی پیش تھا۔ خاکسار نے صدر مجلس انتخاب کی اجازت سے آپ کے تعارف کے لئے کچھ کلمات کہنے کی اجازت لے کر اس موقع پر یہ بھی عرض کیا کہ عاجز کی رائے میں آپ کا یہی ایک تعارف کافی ہے کہ آپ ان رجال فارس میں سے ہیں جن کے ذریعہ نبی کریمؐ نے ایمان کے قیام کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ خاکسار یہ بات بھول گیا تھا۔ حضور کے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد برادرم مکرم شیخ محمد یوسف صاحب ایڈووکیٹ امیر صاحب ضلع قصور نے خاکسار کو یہ بات دوبارہ یاد کروائی۔

خدام الاحمدیہ میں آپ کی رفاقت میں کام کرنے کی سعادت عطا ہوئی تو آپ کو بہت منکسر المزاج گوشۂ گمنامی پسند کرنے والا اور نظام کا پابند پایا۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں کوئٹہ کے ضلعی اجتماع پر تشریف لے جانے کے لئے درخواست کی تو فرمایا کہ پھر آپ تقریر کے لئے بھی کہیں گے۔ عرض کیا وہ تو اجتماع پر کرنی ہی ہوگی۔ فرمایا پھر عنوان بھی بتادیں۔ چنانچہ ''خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریاں'' کے عنوان کے ساتھ یہ بھی طے پایا کہ خاکسار بھی شریک سفر ہوگا۔ چنانچہ بذریعہ ہوائی جہاز آپ کے ساتھ کوئٹہ میں معیت کی توفیق ملی۔

یہ اجتماع کوئٹہ میں 14 اگست 1990ء کو منعقد ہوا جس میں صاحبزادہ صاحب موصوف نے (جو اس وقت نائب صدر خدام الاحمدیہ تھے) خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریوں پر ایک عمدہ تقریر فرمائی۔ کوئٹہ کے اس سفر میں یہ سعادت بھی ملی کہ وہاں آپ کے ساتھ ایک ہی کمرہ میں قیام رہا۔ رات سونے سے پہلے آپ کوئی دوا کھانے لگے تو میں نے بے تکلفی سے پوچھ لیا یہ کیا ہے؟ فرمایا پیراسٹامول۔ سفر میں تھکاوٹ یا سر درد وغیرہ کے لئے لے لیتا ہوں۔ عرض کیا کہ میں تو عادت پڑ جانے اور ایلوپیتھی ادویہ کے مضر اثرات کے اندیشے سے احتیاط ہی کرتا ہوں۔ فرمایا کبھی کبھی ضرورت کے لئے استعمال میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

واپسی سفر بھی آپ کی ہمراہی میں گزرا۔ مجھے یاد ہے کہ فیصل آباد رک کر آپ نے مسجد فضل کے قریب ایک بیکری سے کچھ سامان بھی لیا تھا۔ سفر میں آپ کی سادگی بے تکلفی اور انکسار کے اخلاق کھل کر سامنے

آئے۔

بعد میں 1994ء میں جب آپ ناظر تعلیم مقرر ہوئے اور صدر انجمن میں آپ کی رفاقت میں خدمت کا موقع ملا پھر 1997ء میں اپنے والد بزرگوار حضرت مرزا منصور احمد صاحب کی وفات پر آپ ناظر اعلیٰ مقرر ہوئے،تو دوسرے دن کسی نے فون پر پوچھا کہ معلوم ہے کس کا تقرر ہوا ہے؟ میں نے کہا اتنی بھی کیا جلدی ہے؟ کہنے لگے ہوگیا ہے آپ بوجھیں تو؟ میں نے ایک دو سینئرز کے نام لئے کہنے لگے نہیں بالکل ایک سادہ جاٹ کا تقرر ہوا ہے؟ پھر آپ کا بتایا تو اس وقت آپ کی سادگی اور انکساری کی وجہ سے یہ عمومی تأثر تھا،مگر خلیفہ وقت کی بصیرت کچھ اور دیکھ رہی تھی۔

حضرت مرزا منصور احمد صاحب کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وہ الہام بھی بیان کیا تھا جو حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے بارہ میں تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں غیر معمولی عمر اور خلاف توقع لمبی امارت عطا کرے گا جو فی الواقعہ حضرت مرزا منصور احمد صاحب کے ذریعہ پورا ہوا جیسا کہ پیشگوئیوں میں ہوتا ہے۔وہ خلافت ثالثہ اور رابعہ کے دور میں پینتالیس بار امیر مقامی مقرر ہوئے اور ہجرت خلافت رابعہ کے دور میں مسلسل چودہ سال تک امیر مقامی رہے۔

اسی طرح حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے بارہ میں ایک دوسرے کشف ''اب تو ہماری جگہ بیٹھ،ہم چلتے ہیں'' کے متعلق حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے فرمایا:

''یہ الہام حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے متعلق پورا نہیں ہوا۔اب جبکہ میں نے ان کی جگہ ناظر اعلیٰ اور امیر مقامی مرزا مسرور احمد صاحب کو بنایا ہے تو میرا اس الہام کی طرف دھیان پھرا کہ گویا آپ (حضرت مرزا منصور احمد صاحب ناقل) اب یہ کہہ رہے ہیں کہ میری جگہ بیٹھ ......اب میں ساری جماعت کو حضرت مرزا منصور احمد صاحب کے لئے دعا کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور بعد میں مرزا مسرور احمد صاحب کے متعلق بھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی صحیح جانشین بنائے۔''تو ہماری جگہ بیٹھ جا'' کا مضمون پوری طرح ان پر صادق آجائے اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ خود ان کی حفاظت فرمائے اور ان کی اعانت فرمائے''۔

(الفضل انٹرنیشنل 30 جنوری تا 5 فروری 1998)

اس سب کچھ کے باوجود حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کے انکسار اور گوشہء گمنامی میں راضی وخوش

رہنے کا بھی عجب عالم تھا۔ حضرت مرزا منصور احمد صاحب کے زیر سایہ ہمیں نو سال تک خدمت کا موقع ملا ان کی وفات پر اس مناسبت سے ایک مضمون ان یادوں پر مشتمل تحریر کیا جس میں آپ کے بارہ میں بھی کچھ ذکر تھا کہ حضرت میاں صاحب نے آپ کی تربیت میں قناعت اور جفاکشی کا پہلو کس طرح ابھارا۔ وہ مضمون آپ کی خدمت میں پیش کر کے بطور مشورہ ایک نظر اس پر ڈالنے کے لئے دیا۔ آپ وہ مضمون ساتھ گھر میں لے گئے۔ اس کے آخر میں خاکسار نے الہام ان کو خلاف توقع امیر رکھا کی مناسبت سے آپ کے بطور ناظر اعلیٰ و امیر مقامی تقرر کا بھی ذکر کیا تھا کہ یہ بھی دراصل حضرت مرزا منصور احمد صاحب کی امارت کا ہی تسلسل ہے...... آپ نے وہ مضمون پڑھا اور عمومی طور پر پسند بھی کیا مگر آخری نوٹ کے بارہ میں فرمایا کہ اسے رہنے دیں۔ عرض کیا کیا حرج ہے؟ فرمایا ایک تو مضمون حضرت میاں صاحب کے بارہ میں ہے انہیں کے بارے میں رہنے دیں دوسرے یہ ذوقی بات ہے۔

اب میں سوچتا ہوں کہ اپنے حق میں ایسی واضح بات کا اظہار بھی جس کی تائید حضرت خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ بھی فرما چکے تھے آپ نے پسند نہ فرمائی۔ انتہائی انکسار کے سوا اسے کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ یا پھر غالب تقدیر اور حکمت الٰہی کا تقاضا اس گوہر نایاب کے اخفاء کا تھا جس کے آگے آپ نے ہمیشہ سر تسلیم خم رکھا تا آنکہ مجلس انتخاب میں آپ کو آخر سے اٹھا کر اس مسند پر بٹھا دیا گیا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

صدر انجمن احمدیہ میں حضور کے ساتھ رفاقت کی سعادت کے زمانہ کی چند باتیں جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے قابل ذکر ہیں حضرت میاں صاحب کو ایک لمبے عرصہ تک مسجد مبارک میں اہتمام سے باقاعدہ باجماعت نمازیں پڑھتے اور نوافل ادا کرتے ہوئے مشاہدہ کیا آپ ایک گہرے انہماک اور توجہ سے نماز ادا فرماتے تھے۔ اس کا تجربہ بعض اوقات یوں ہوجاتا کہ دورہ پر جانے سے پہلے بطور امیر مقامی آپ سے اجازت حاصل کرنا ہوتی تھی۔ دفتر میں رابطہ نہ ہونے کی صورت میں بض دفعہ مسجد مبارک میں آپ سے کسی نماز کے بعد استفسار کر لیا جاتا اور اس خیال سے آپ نماز ادا کر کے جلد تشریف نہ لے جائیں اپنی نماز نسبتاً ہلکی ادا کر کے آپ کا انتظار کیا جاتا اور بعض اوقات یہ انتظار خاصہ طویل ہوتا کیونکہ آپ لمبی نماز ادا فرماتے تھے۔ نماز فجر کے بعد آپ درس قرآن سن کر گھر تشریف لے جاتے تھے۔

دوروں سے واپسی پر بھی خاکسار دفتر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر رپورٹ عرض کر دیا کرتا تھا۔

آپ گاہے مناسب رہنمائی بھی فرما دیتے۔ایک دفعہ فرمایا کہ حضرت صاحب کی خدمت میں دورے کی رپورٹ کا خلاصہ مختصراً لکھ دینا چاہئے۔بے شک مختصر ایک صفحہ کا ہو۔میں تو ایک صفحہ کا خط لکھتا ہوں کہ ایک ہی نظر میں ملاحظہ ہو جائے۔یہ عمدہ گُر بھی آپ سے سیکھا جس پر اب تک عمل ہے۔

آپ کے طبعی انکسار کی ایک اور بات یاد آئی کہ بعض اوقات نماز جنازہ کے لئے لواحقین کی خواہش کے مطابق ناظر اعلیٰ و امیر مقامی جنازہ پڑھایا کرتے ہیں۔حضرت مرزا منصور احمد صاحب تو ایسے موقع پر نماز نہیں پڑھاتے تھے۔حضور بھی جب ناظر اعلیٰ ہوئے تو ابتدائی جنازے جو آپ نے پڑھائے اس میں سابقہ معمول کے مطابق مسجد مبارک کے مقررہ امام کے نماز پڑھانے کے بعد آپ نماز جنازہ پڑھا دیتے رہے۔ایک روز خاکسار نے عرض کیا کہ جنازہ کے موقع پر نماز بھی آپ پڑھا دیا کریں تو پہلے ازراہ تفنن فرمایا: آپ لوگ موقع کب دیتے ہیں؟ پھر کچھ ہچکچاہٹ کے بعد درخواست قبول فرمائی اور آئندہ سے یہی معمول ہوا جو اب تک جاری ہے۔

دوسرا پہلو حقوق العباد کا ہے۔ایک چھوٹا سا واقعہ عرض کرتا ہوں۔صدر عمومی صاحب ربوہ کے زیر اہتمام پھل حاصل کرنے والے داعیان کے اعزاز میں سالانہ دعوت طعام تھی۔حضور اس وقت ناظر اعلیٰ تھے اور خاکسار ناظر دعوت الی اللہ۔کھانے کی میز پر ہم اکٹھے بیٹھے تھے۔میاں صاحب کو پانی کی طلب ہوئی تو سامنے موجود گلاس کے بارہ میں پوچھا کہ یہ میرا گلاس ہے یا آپ کا۔عرض کیا آپ لیں فرمایا مجھے طبعاً دوسرے کی چیز کے استعمال میں روک ہوتی ہے۔یہ ایک عجیب عدل اور حقوق العباد کے قیام کا مادہ اللہ نے آپ کو ودیعت فرمایا تھا۔

جنوری 2002ء میں جب آپ ناظر اعلیٰ تھے خاکسار نے اپنی ایک ضرورت کے بارہ میں عرض کیا کہ والدین میرے پاس مقیم ہیں اور کوارٹر میں ان کے لئے ایک اور کمرہ کا اضافہ درکار ہے تو فرمایا کہ اگلے مالی سال میں دیکھیں گے۔پھر اسی سال جولائی میں خاکسار کی یاددہانی پر ازراہ شفقت کمرہ کی تعمیر کروا دی جو دسمبر تک تیار ہو گیا۔اب خاکسار نے عرض کیا کہ کسی وقت تشریف لا کر ملاحظہ بھی فرمالیں اور ہمارے ہاں کھانا تناول بھی کریں۔اس دعوت میں کبھی میاں صاحب کی مصروفیات اور کبھی میرے جماعتی دوروں کے باعث تاخیر ہوتی رہی۔میاں صاحب موصوف اپنے ساتھیوں کو حسب تعلق مناسب انداز میں نصیحت بھی فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھ سے پوچھا کہ آپ کے گھر میں کتنے موصی ہیں؟ میں نے بتایا کہ الحمدللہ والدین

کے علاوہ چاروں بچے اور ہم دونوں میاں بیوی سات افراد کی وصیت ہے، دوسری اہلیہ کئی دفعہ نظام وصیت میں شامل ہونے کا اظہار کر چکی ہیں مگر وہ ابھی تک معرض التواء میں ہے۔فرمایا ان کی بھی جلدی کروادیں۔ چنانچہ اس کے جلد بعد انہوں نے بھی وصیت کر دی اور اس نیک تحریک میں بالواسطہ مکرم میاں صاحب بھی شامل ہو گئے۔

آخر اپریل 2003ء میں جب آپ سندھ کے دورہ سے واپس تشریف لائے،تو 16/اپریل بروز جمعرات خاکسار نے دفتر میں پھر یاددہانی کروائی فرمانے لگے: اچھا! کل جمعہ کی شام رکھ لیں۔ چنانچہ اگلے روز بعد نماز عشاء آپ اپنی جیپ خود ڈرائیو کر کے ہماری درخواست قبول فرماتے ہوئے مع بیگم صاحبہ غریب خانہ پر تشریف لائے۔کھانے کے دوران بچوں سے مزید تعارف ہوا کہ کس کس کلاس میں ہیں، ہمارے بیٹے فاتح نے پوچھنے پر بتایا کہ وہ ایگری کلچر یونیورسٹی فیصل آباد میں ایم ایس سی کر رہا ہے، آپ نے فرمایا میں جب فیصل آباد یونیورسٹی میں پڑھتا تھا تو ہم ہفتہ بعد ربوہ آتے تھے اور اس طرح اس زمانے میں روزانہ آمدورفت کا کرایہ ایک روپیہ بچا لیتے تھے۔فاتح کے جواب پر آپ مسکرادئے اس نے کہا میں تو روزانہ آتا جاتا ہوں کیونکہ آج کل بسوں میں طلبہ سے کرایہ نہیں لیا جاتا۔اسی طرح عزیز مظہر اور انصر سے بھی احوال پُرسی ہوئی۔کھانے کے بعد آپ نے عاجز کی درخواست پر گھر اور خصوصاً بالائی منزل میں جا کر نئے کمرہ کا جائزہ لیا۔آپ کی نظر دوربین تھی کمرے کی بیرونی کھڑکی پر پردے سے بچنے کے لئے جو گرل (Grill) تھی اسے دیکھ کر فرمایا کہ اسے اگر ذرا کشادہ رکھ دیتے تو کمرہ زیادہ روشن اور ہوادار ہو جاتا۔

اوپر کے گھر میں خاکسار کے والدین اور دوسری فیملی کے بچوں تصور اور مدثر سے بھی ملاقات ہوئی۔آپ قریباً ایک گھنٹہ ہمارے ساتھ رہے۔یہ 17/اپریل جمعہ 2003ء کی تاریخی شام تھی۔

18/اپریل ہفتہ کو پشاور کے دورہ پر جانے کا پروگرام تھا،اس روز دفتر میں حضور سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کی صحت کے بارہ میں کوئی خاص فکر والی بات نہ تھی سوائے اس کے کچھ نزلہ زکام کی شکایت کا ذکر تھا۔مسجد مبارک میں نماز ظہر کی ادائیگی کے بعد برادرم مکرم ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کے ساتھ پشاور کے لئے روانگی ہوئی۔کوئی ڈیڑھ گھنٹہ کا سفر موٹروے پر کیا ہوگا کہ بذریعہ فون معتمد خدام الاحمدیہ نے ناظر اعلیٰ صاحب کا یہ پیغام دیا کہ جہاں بھی ہیں واپس آجائیں۔دو گھنٹے بعد کوئی پانچ بجے شام

واپس پہنچے حسب ہدایت وکیل اعلیٰ صاحب کے دفتر پہنچے۔ وہاں نماز عصر باجماعت ادا کی جا رہی تھی اور سسکیوں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی دل بیٹھا جاتا تھا۔ نماز کے بعد حضرت میاں صاحب موصوف نے حضرت خلیفہ الرابعؒ کے انتقال پرملال کی خبر دی۔ دونوں انجمنوں کے ممبران پر اضطراب اور گہرے غم کا عالم تھا۔ جملہ انتظامات کے بعد اسی شام حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کے ساتھ ہی لندن کے لئے روانگی ہوئی۔

نو افراد کے اس پہلے قافلے میں میاں صاحب موصوف کے علاوہ صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب، میر محمود احمد ناصر صاحب، صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب، مکرم مبارک مصلح الدین صاحب، مکرم مولانا سلطان محمود انور صاحب، مکرم چوہدری محمد علی صاحب، مکرم نواب منصور احمد خان صاحب اور خاکسار شامل تھے۔

ابوظہبی میں چند گھنٹے قیام کرتے ہوئے ہم لندن پہنچے جہاں میاں صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح رابعؒ کے فیصلہ کے مطابق بطور ناظر اعلیٰ انجمن کے مشورہ سے نہایت خوش اسلوبی سے جملہ انتظامات مکمل کروائے۔ آپ کے سب فیصلوں میں اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی برکت ڈالی۔ مجلس انتخاب میں تلاوت کی ذمہ داری خاکسار کی تھی۔ عاجز نے آپ سے بطور مشورہ عرض کیا کہ مجلس انتخاب میں سورہ بقرہ کی آخری دعائیہ آیات کی تلاوت کی جائے یا سورہ نور کی آیت استخلاف؟ آپ نے فرمایا آیت استخلاف والی آیات اور مجھے یاد ہے کہ مسجد فضل میں ان آیات کی تلاوت کے وقت ممبران قیام خلافت کے ذکر کے موقع پر سسکیاں لے لے کر رو رہے تھے۔

الحمدللہ کہ انتخاب خلافت بخیر وخوبی مکمل ہوا اور ہمیں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ کی اولین بیعت کرنے والوں میں شرکت کی سعادت ملی۔ بعد میں مجھے برادرم مکرم لئیق احمد طاہر صاحب مربی سلسلہ کی ایک خواب یاد آئی۔ جب حضور ناظر اعلیٰ تھے تو مربی صاحب موصوف نے ایک روز دفتر میں مجھے وہ رؤیا سنائی تھی کہ حضرت خلیفہ رابعؒ نے اپنی پگڑی مرزا مسرور احمد صاحب کے سر پر رکھ دی ہے۔ اس وقت مصلحتاً یہ تعبیر کی تھی کہ ''امیر مقامی'' کے طور پر حضور نے اپنی پگڑی تو ان کو عطا فرمائی ہوئی ہے۔ حضور کے مسند خلافت پر بیٹھنے کے بعد جب آپ کی خدمت بعض دیگر حوالوں کے ساتھ اس رؤیا کا ذکر تحدیث نعمت کے طور پر کیا تو آپ نے جواباً اپنے مکتوب 24/4/2003 میں تحریر فرمایا:

''پیارے مکرم حافظ مظفر احمد صاحب ...... آپ کے پرخلوص خطوط ملے جن میں آپ نے بعض احباب کی رؤیا کا ذکر کیا ہے۔ الحمدللہ۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود کی پیاری جماعت کو ایک بار پھر اپنے وعدوں کے مطابق قدرت ثانیہ اور خلافت حقّہ سے نوازا۔ اللہ تعالیٰ اس نعمت عظمیٰ کو دائمی بنائے اور آپ سب کو اس کی غیر معمولی برکات عطا فرمائے اور دعاؤں سے جماعت کی مدد کرنے کی توفیق دے۔ بس دعاؤں پر زور دیں۔ میری طرف سے عزیزم لئیق احمد طاہر صاحب کو محبت بھرا اسلام''۔

اللہ جس شخص کو خلافت پر سرفراز فرماتا ہے ملائکہ کو اس کی تائید میں لگا دیتا ہے، فرشتوں کو خلافت آدم کی اطلاع دینے میں بھی یہی راز مضمر تھا۔ ان تائیدات سماوی کے نظارے ان کے علم وعرفان تاثیر وزبان وبیان، اخلاق فاضلہ خصوصاً شجاعت وسعت حوصلہ، قوت فیصلہ، روحانی کشش اور دعاؤں کی قبولیت میں غیر معمولی برکت کے مشاہدات دیکھے جاسکتے ہیں۔ یہ بات ہر فرد جماعت نے محسوس کی کہ خلافت سے پہلے طبعاً دعا وتقریر سے جھجک تھی لیکن خلافت کے بعد اس میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنے منتخب کردہ خلیفہ کی دعاؤں کی مقبولیت پہلے سے کہیں بڑھا دیتا ہے۔ جس کا مشاہدہ خلافت خامسہ میں بھی بچشم خود کرنے کی توفیق عطا ہوئی کہ بعض الجھے یا اٹکے ہوئے کام اللہ تعالیٰ نے حضور کی دعاؤں سے معجزانہ رنگ میں مکمل کروائے۔

یوں تو مختلف سفروں کے وقت حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی ہی جاتی ہے لیکن 2003ء میں امریکہ کے پہلے سفر کی وجہ سے طبعاً گھبراہٹ تھی۔ حضور کی خدمت میں دعا کے لئے تحریر کیا کہ اگر یہ سفر عاجز کے حق میں اور جماعتی لحاظ سے بہتر ہے تو اللہ تعالیٰ ویزا سمیت اس کے سارے انتظام خود فرمادے۔ حضور نے اپنے دست مبارک سے تحریر فرمایا ''اللہ فضل فرمائے۔'' آمین اور پھر حضور کے قلم مبارک سے نکلے ان الفاظ کی برکت ہم نے حصول ویزا سے لے کر کامیاب سفر اور بخیریت مراجعت تک لمحہ بہ لمحہ محسوس کی فالحمدللہ علی ذلک۔ 9/11 کے بعد امریکہ کے سفروں میں خصوصاً اہل پاکستان کے لئے مکمل سفری دستاویزات کے باوجود جو دقتیں حائل ہوچکی تھیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ان حالات میں میزبان کے کپڑے دھونے کی مشین میں ہمارا پاسپورٹ دھل جانے کے باوجود کینیڈا اور امریکہ کا سفر جاری رکھنا اور بر وقت جلسہ سالانہ لندن میں شرکت کرکے تقریر کی توفیق پانا معجزہ سے کم نہیں تھا۔ لاس اینجلس میں 8 راگست کو برادرم مکرم ڈاکٹر حمید الرحمان صاحب کے گھر قیام کے دوران جب یہ سانحہ پیش آیا تو ایک دفعہ تو اوسان خطا ہوگئے کہ ابھی سفر کینیڈا تشنۂ تکمیل تھا۔ دو ہفتہ بعد واپسی سفر میں جلسہ

سالانہ برطانیہ میں تقریر کی ذمہ داری بھی تھی۔ یہ سب کچھ بظاہر ناممکن نظر آتا تھا۔ پہلا کام حضور کی خدمت میں دعا کی غرض سے فیکس کرنے کا کیا، جواباً حضور نے دعا کے ساتھ یہ نصیحت بھی فرمائی کہ دوران سفر دستاویزات پاؤچ میں رکھنی چاہئیں۔ اور ہمیں یہ ڈھارس بندھ گئی کہ اب اللہ تعالیٰ ضرور فضل فرمائے گا۔ ہر چند کہ اس وقت سفر کینیڈا معطل اور دو روز بعد کی سیٹ کینسل کروا کے اپنے میزبانوں کو اس کی اطلاع بھی کردی۔ اگلی صبح لاس اینجلس کے پاکستان کونسلیٹ میں جا کر اپنی ضائع شدہ دستاویز سفر دکھا کر نئے پاسپورٹ کے لئے درخواست دی۔ پتہ چلا کہ کونسلیٹ کو روزانہ متعدد ضائع شدہ پاسپورٹوں کے مشکوک معاملات نبٹانے پڑتے ہیں۔ اور مکمل چھان بین کے بعد ہی وہ نیا پاسپورٹ جاری کرتے ہیں۔ مگر حضور کی دعاؤں کے طفیل اللہ کا فضل ہوا اور انہیں ہمارے پاسپورٹ پر احمدی لکھا دیکھ کر کچھ ایسی تسلی ہوگئی کہ نہ صرف اسی روز تین بجے سہ پہر نیا پاسپورٹ ہمارے ہاتھوں میں تھا بلکہ کونسلیٹ نے اس پر مہر بھی لگادی کہ پرانا ضائع شدہ پاسپورٹ کینسل ہے تاہم ویزا جات Valid ہیں۔ یہ ویزا جات پھٹے ہوئے الگ الگ صفحات پر موجود تھے۔ پاسپورٹ کی پیشانی کی تصویر مع نام دھل چکی تھی۔

کونسلیٹ سے واپسی پر اب مرحلہ امریکہ، کینیڈا، یوکے وغیرہ کے ویزے تجدید کروانے کا تھا جو دنوں بلکہ ہفتوں کا کام تھا جب کہ وقت کی تنگی اس کی اجازت نہ دیتی تھی۔ تین بجے سہ پہر برطانیہ کی ایمبیسی گئے تو پتہ چلا کہ ویزا اسیکشن کا وقت ختم ہو چکا ہے لہٰذا حصول ویزا کی کاروائی کے لئے اگلے دن حاضر ہوا جائے۔ ناچار انہیں یوکے کا سابقہ ضائع شدہ ویزا (جو پڑھا جاتا تھا) دکھا کر مشورہ کیا کہ کیا اس پر سفر جاری رکھا جا سکتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ احتیاطاً ویزا لینا بہتر ہے، باقی یہ فیصلہ تو ایئر لائن نے کرنا ہے کہ وہ ضائع شدہ پاسپورٹ کے ویزا پر سفر کی اجازت دیتی ہے یا نہیں؟ اور ہم نے اگلے روز دعاؤں کے جلو میں اس کڑے امتحان میں پڑنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔ دوبارہ دو دن بعد والی تاریخ میں سیٹ بُک کروا کے وینکوور اپنے میزبانوں کو آمد کی اطلاع دے کر ائیر پورٹ روانہ ہوگئے۔

کاؤنٹر پر موجود ائیر لائن کے نمائندہ بھی ضائع شدہ پاسپورٹ کے ورق ورق ویزا جات دیکھ کر ایک دفعہ تو پریشان ہوگئے مگر شاید ہماری مجبوری پر ترس کھا کر اپنے سینئرز سے مشورہ کرنے چلے گئے بالآخر ہمیں جہاز پر سوار کروا ہی دیا مگر تین گھنٹے بعد کینیڈا میں وینکوور پہنچ کر وہی مسئلہ پھر امیگریشن ڈیسک پر درپیش تھا نئے پاسپورٹ پر ویزا نہیں، پرانا ضائع اور کینسل صرف ویزا کے اوراق کو کیسے معتبر سمجھا جائے جو مشتبہ

ہو چکے تھے لیکن یہاں بھی خدا کے فضل نے دستگیری کی اور بالآخر انٹری دے دی۔ باہر استقبال کے لئے موجود دوست غیر متوقع طور پر خوش تھے۔ کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ ایسی مخدوش سفری دستاویزات کے ساتھ کہیں واپس ہی نہ لوٹا دیا جائے۔ یہی مشکل مرحلہ وینکوور سے واشنگٹن واپسی پر پیش آیا جب امریکن امیگریشن کے موجود افسران حیران تھے کہ ضائع شدہ پاسپورٹ کے ویزوں پر سفر کیسے جاری ہے پہلے انہوں نے وہیں سے لندن بھجوانے کا بھی عندیہ دیا لیکن خاکسار کی اس درخواست پر کہ براستہ واشنگٹن جانا ضروری ہے کیونکہ سامان وہاں پڑا ہے انہوں نے ان حالات میں براستہ واشنگٹن لندن جانے کی کاغذی کاروائی مکمل کر دی اور یہ محض خدا کا فضل تھا۔

واشنگٹن سے لندن روانگی کا آخری مرحلہ سب سے کٹھن اور مشکل ثابت ہوا جب کہ ائیر لائن کے افسران بالا کو مشکوک دستاویزات کے ساتھ شریک سفر کرنے پر اعتراض تھا۔ برادرم مکرم ظہیر احمد باجوہ صاحب الوداع کرنے ائیر پورٹ پر ساتھ تھے۔ ہماری تشویش طبعی تھی مگر باجوہ صاحب بہت پر امید تھے کہ آپ ضرور جائیں گے۔ بالآخر انتظامیہ ائیر لائن نے بھی لندن سے واپس (Deport) کئے جانے کی صورت میں اخراجات کی ذمہ داری مسافر پر ڈالنے کی شرط پر ہمرکاب کر ہی لیا۔ اور ہم نے ہرچہ بادا باد کہہ کر اس معاہدے پر دستخط کر کے حامی بھر لی اور خدا خدا کر کے لندن پہنچے۔ خدا بھلا کرے برطانیہ والوں کا جو پاسپورٹ دیکھ کر جھلاّ جانے کے باوجود انٹری کی مہر لگائے بغیر اپنے ملک میں داخل کرنے پر راضی ہوئے اور ہم نے اگلے روز ہوم آفس جا کر چھ ماہ کا ویزا لگوالیا تا کہ پاکستان واپسی کے وقت پھر دقت کا سامنا نہ ہو اور یوں یہ سفر اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا ایک نشان بن گیا۔

اسی سفر میں ہماری بیٹی کی امریکہ رشتہ کی تجویز کا معاملہ بھی آگے بڑھا جو کچھ عرصہ سے زیر غور تھا لیکن اکلوتی بیٹی کو امریکہ جیسی دوسری دنیا میں بھجوانے پر اہلیہ کا دل راضی ہونا کارے دارد تھا۔ اس سلسلہ میں امریکہ سے واپسی پر حضور کی خدمت میں دعا کی درخواست کی تو حضور نے 9-8-2003 کو جواباً تحریر فرمایا۔ ”اللہ آپ کو مقبول خدمات کی توفیق دے مقاصد پورے ہوں اور آپ کی بچی کی بات پکی ہو اور فریقین کے لئے بابرکت ہو“۔ آمین

اس وقت تک امریکہ کی اس تجویز کے بارہ میں بچی اور اس کی والدہ کی رائے موافق نہ تھی۔ بعد میں اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا فرمائے کہ ایک لمبے تعطّل اور وقفے کے بعد اچانک معجزانہ رنگ میں اور

غیر معمولی طور پر اس رشتہ کے سامان ہوئے۔

حضور انور کی قبولیت دعا کا ایک اور پہلو سفروں میں حفاظت سے متعلق ہے، اپنے فرائض منصبی خصوصاً دعوت الیٰ اللہ کے کاموں کی بجا آوری کے سلسلہ میں اس عاجز کو پاکستان کے طول وعرض میں لمبے سفر کرنے کا موقع ملا۔ چند سال ادھر کی بات ہے دعوت الیٰ اللہ کے لئے سندھ کا دورہ تھا حضور کی خدمت میں سابقہ دورہ کی کسی رپورٹ کے ساتھ اس دورہ کے لئے دعا کی بھی درخواست کی۔ حضور انور کے جوابی مکتوب میں آخری فقرہ میں یہ دعا تھی کہ ''اللہ تعالیٰ سفر وحضر میں خود حفاظت فرمائے''۔

اس دعا کی قبولیت کا احساس اس وقت ہوا جب اس دورہ میں ایک خوفناک حادثہ میں اللہ تعالیٰ نے بال بال بچالیا۔ جماعت کراچی کی گاڑی میں محترم نصیر احمد شاہد صاحب مربی دعوت الیٰ اللہ کی ہمراہی میں میر پور خاص سے واپس آتے ہوئے موری جگہ کے موڑ سے سامنے سے آنے والی کار سے ہماری کار کی اچانک ٹکر ہوگئی۔ خاکسار فرنٹ سیٹ پر تھا اور چند لمحے قبل ہی اچانک قلبی تحریک کے نتیجہ میں Belt باندھی تھی۔ اس شدید تصادم کے نتیجہ میں دونوں گاڑیوں کے اگلے حصے بالکل پچک کر رہ گئے اور فوری استعمال کے قابل نہ رہیں مگر دونوں طرف سے کوئی جانی نقصان نہیں ہوا اور ہمیں حضور کی دعا کے طفیل اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر یوں محفوظ رکھا کہ خراش تک نہیں آئی سوائے بیلٹ کے اس دباؤ کے جس کا اثر پسلیوں پر ایک ماہ تک رہا۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کی یہ حفاظت اکثر جماعتی سفروں میں خلفاء سلسلہ کی دعاؤں کے نتیجہ میں مشاہدہ کی ہے۔

محترم فضل الٰہی صاحب انوری

سابق مبلغ مغربی افریقہ و جرمنی

خاکسار کا وطن مالوف بھیرہ ضلع شاہ پور حال ضلع سرگودھا، ہے۔ اِس اعتبار سے خاکسار کو حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے ساتھ نسبت وطنی کا شرف حاصل ہے۔ خاکسار کی پیدائش ۱۹۲۷ء میں ہوئی۔ ابتدائی تعلیم گورنمنٹ ہائی سکول بھیرہ میں اس زمانے میں ہوئی جب ہندوستان پر انگریزی حکومت کی حکمرانی تھی۔ میٹرکولیشن کا امتحان خاکسار نے ۱۹۴۴ء میں پاس کیا اور یونیورسٹی کے امتحان میں اپنے سکول میں اول آیا۔ اسی سال قادیان دارالامان میں تعلیم الاسلام کالج کے کھل جانے پر خاکسار نے قادیان پہنچ کر فرسٹ ائر میں داخلہ لے لیا۔ کالج کی اُس پہلی کلاس کے طلبہ کو جو رول نمبر الاٹ کئے گئے، وہ یونیورسٹی میں حاصل کردہ نمبروں کے لحاظ سے تھے، اور خاکسار کے اُس وقت تک کالج میں داخل ہونے والے طلبہ میں سے سب سے زیادہ نمبر ہونے کے لحاظ سے خاکسار کو رول نمبر One ملا۔ اس اعتبار سے خاکسار کہہ سکتا ہے کہ خاکسار تعلیم الاسلام کالج کا سب سے پہلا طالب علم ہے۔ ولافخر!

۱۹۵۶ء میں جامعہ کا آخری امتحان پاس کرنے کے ساتھ ہی میری عملی زندگی کا آغاز ہو گیا۔ یعنی مجھے وکالت تبشیر کی طرف سے ارشاد موصول ہوا کہ میری تعیناتی مغربی افریقہ کے ملک گولڈکوسٹ (موجودہ نام ''گھانا'') میں سویڈرو میں ایک احمدیہ عربی سکول میں بطور پرنسپل ہو گئی ہے۔ تاہم غانا جانے سے پہلے مجھے کچھ عرصہ تک دمشق (ملک شام) میں ٹھہر کر اپنی عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کا ارشاد ہوا۔ چنانچہ فروری ۱۹۵۶ء کی کسی تاریخ کو میں اپنی بیوی اور چار سالہ بچی، حفصہ، کو ربوہ چھوڑ کر پہلے کراچی پہنچا۔ پھر وہاں سے بذریعہ بحری جہاز بصرہ، اور پھر بغداد سے ہوتا ہوا دمشق پہنچ گیا۔

دمشق میں عرب احمدیوں پر مشتمل ایک مختصر مگر فعال جماعت موجود ہے۔ ان کے امیر، السید منیر الحصنی صاحب، مجھے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خاکسار نے انہیں اُس وقت سے دیکھا ہوا تھا، جب وہ پارٹیشن سے قبل کچھ عرصہ قادیان آ کر رہے تھے۔ انہیں مرکز سے میرے بارے میں اطلاع پہلے ہی مل چکی

تھی۔ چنانچہ انہوں نے جماعت کے دوستوں سے میرا تعارف کرایا اور میرے آنے کا مدعا بیان کیا۔ میری رہائش انہی کے آبائی مکانات، ''زاویۃ الحصنی''، شاغور، میں ہوئی۔ خود السید منیر الحصنی صاحب بھی زاویۃ الحصنی کے ایک حصہ میں رہتے تھے۔

میرے دمشق پہنچتے ہی السید الحصنی صاحب نے دریافت فرمایا کہ آیا میں ویزا لے کر آیا ہوں یا نہیں۔ میرے کہنے پر کہ مجھے تو یہی کہا گیا تھا کہ ویزا یہاں سے لے کر جانے کی ضرورت نہیں، السید الحصنی صاحب خود ہی وہاں انتظام کر لیں گے، وہ بہت خفا ہوئے اور کہنے لگے کہ یہاں سے رہائشی ویزا ملنے میں مشکلات پیش آسکتی ہیں اور ممکن ہے حکومت انکار کر دے۔ بات یہ تھی کہ ایران، عراق، شام، لبنان وغیرہ کے اُس وقت کے قوانین کے مطابق ایک پاکستانی کے لئے ملک میں داخل ہونے پر کوئی پابندی نہ تھی۔ بارڈر پر داخل ہونے کا سفری ویزا (tourist visa) لگا دیا جاتا تھا، جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ ۲۴ یا ۴۸ گھنٹوں کے اندر اندر اگلی سرحد پار کر لی جائے۔ ملک میں ٹھہرنے کے لئے البتہ باقاعدہ ویزے کی ضرورت تھی، جو حسب قواعد ملک کا سفارت خانہ جاری کرتا تھا۔ اب سفری ویزے کو قیام کے ویزے میں تبدیل کرانا اگر ناممکن نہ تھا، تو مشکل ضرور تھا۔ اور واقعی یہ مشکل اب مجسم صورت میں میرے سامنے آ گئی۔ چنانچہ جب دو دن بعد مَیں اپنے ویزے کی توسیع کیلئے وہاں کے امیگریشن کے دفتر میں پہنچا، تو انہوں نے مجھے صرف دو ہفتے کا ویزا دیا۔ اب یہ دو ہفتے تو دیکھتے ہی دیکھتے گذر گئے اور پھر وہی مشکل سامنے آ گئی۔ اب کی بار مجھے دو ہفتے کا مزید ویزا مل گیا۔ لیکن ساتھ کہہ دیا گیا کہ اب اس میں مزید توسیع نہ ہوگی۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ ربوہ سے روانگی سے قبل خاکسار کی جو حضور مصلح موعودؓ سے دفتری ملاقات ہوئی، اور دفتر کے آدمی نے حضورؓ کو بتایا کہ مجھے عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کی غرض سے پہلے چند ماہ کیلئے دمشق بھجوایا جا رہا ہے، تو حضورؓ نے زبان سیکھنے کے بارے میں جو مختلف نصائح فرمائیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ مَیں وہاں جا کر کثرت سے قصوں اور کہانیوں کی کتابیں پڑھوں۔ چنانچہ ویزا کی ان مشکلات کے باوجود میری عربی زبان پر علمی عبور حاصل کرنے کی کوشش جاری رہی۔ مجھے زاویۃ الحصنی میں موجود ذخیرہ کتب میں سے ایسی چھوٹی چھوٹی بہت سی کتب مل گئیں، جو قصہ اور کہانی کے رنگ میں تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے میں نے پڑھنی شروع کر دیں۔ اس کے علاوہ میں نے شہر کی لائبریری میں جا کر وہاں سے بھی چھوٹی موٹی قصوں اور کہانیوں کی کتب لا کر پڑھنی شروع کر دیں۔ اسی طرح دمشق کی امریکن لائبریری

کی ممبر شپ اختیار کر لی۔ اس طرح پر ناول اور اقاصیص کی طرز کی بہت سی کتب تک میری رسائی ہو گئی۔ کتب کے ساتھ ساتھ میں عربی اخبارات کا بھی مطالعہ کرنے لگا۔ کتب اور اخبارات کے مطالعہ کے سلسلے میں مَیں نے حضرت المصلح موعودؓ کے بتائے ہوئے طریق کو ہمیشہ مدنظر رکھا اور اس سے بہت فائدہ اٹھایا۔

انہی دنوں جب کہ میں ایک رات زاویۃ الحصنی کے لائبریری ہال میں سویا ہوا تھا، تو میری زبان پر بڑی قوت اور صفائی کے ساتھ مندرجہ ذیل فقرہ جاری ہوا:

''آپ کتابیں پڑھیئے اور باقی معاملے مجھ پر چھوڑ دیجئے''

اس کے ساتھ ہی میری آنکھ کھل گئی۔ میں ابھی تک ان الفاظ کی شیرینی اور لذت اپنے اندر محسوس کر رہا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ وہ الفاظ پھر زبان پر جاری ہو جائیں۔ ان الفاظ کا اس طرح زبان پر جاری ہونا میرا پہلا روحانی تجربہ تھا، جس سے الہام کی وہ کیفیت جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں بیان فرمائی ہے، واضح طور پر سامنے آ گئی کہ یہ ایک نہایت لذیذ اور شیریں کلام ہوتا ہے جو سوتے سوتے انسان کی زبان پر جاری ہو جاتا ہے۔ **فالحمدللہ علیٰ ذٰلک**۔ اب جب مَیں تھوڑا سا سنبھلا اور غور کرنے لگا کہ یہ کیا الفاظ میری زبان پر جاری ہوئے ہیں، تو مَیں نے محسوس کیا کہ یہ تو مجھ حقیر پر تقصیر کو اپنے خدا کی طرف سے تسلی دی گئی ہے کہ میں اپنا کام، جس کے لئے میں آیا ہوں، یعنی کتابیں پڑھنا، جاری رکھوں، اور ویزے کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں۔ اب مَیں انتظار کرنے لگا کہ یہ خدائی بشارت کیسے اور کس رنگ میں پوری ہوتی ہے۔

اِدھر دو ہفتوں کا ویزا پھر ختم ہونے کو آ رہا تھا۔ اچانک مکرم السید الحصنی صاحب کے ذہن میں ایک تجویز آئی کہ دمشق میں پاکستانی سفارت خانے کی معرفت میرے ویزا کے حصول کی کوشش کی جائے۔ چنانچہ وہ فون پر وقت لے کر مجھے سفیر پاکستان، جناب لال شاہ بخاری صاحب، کے پاس لے گئے۔ السید لال شاہ بخاری مکرم چوہدری محمد ظفر اللہ صاحبؓ کے مداحوں میں سے تھے اور ایک لمبے عرصہ سے شام میں پاکستان کے سفیر چلے آ رہے تھے۔ السید الحصنی صاحب اِس سے قبل کئی بار مکرم چوہدری صاحب موصوف کی معیت میں ان سے مل بھی چکے تھے۔ سفیر موصوف سے ملاقات کی تفصیل تو میرے ذہن سے محو ہو چکی ہے، البتہ اس ملاقات کے نتیجے میں مجھے ایک ماہ کا مزید ویزا مل گیا۔ ہوسکتا ہے سفارت خانے نے کوئی سفارشی رقعہ یا چٹھی لکھ کر دی ہو یا فون پر کہہ دیا ہو۔ اس بارے میں کچھ یاد نہیں۔ آئندہ کے لئے انہوں نے مشورہ دیا کہ اگر میں سفارت خانے کی ملازمت اختیار کر لوں، تو میرے ویزے کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ اس صورت میں بہر

حال مجھے سفارت خانے میں آنا پڑے گا، خواہ آدھے دن کے لئے ہی سہی۔ یعنی ملازمت پورے وقت کے لئے بھی ہوسکتی ہے اور آدھے وقت کے لئے بھی۔ اور اس کے ساتھ مجھے تنخواہ بھی ملے گی۔

یہ تجویز السید الحصنی صاحب کو تو بہت پسند آ گئی۔ مگر مجھے اس میں کچھ انقباض محسوس ہوا۔ یعنی ایک واقف زندگی اور سفارت خانے کی ملازمت؟۔ دوسری طرف یہ بھی ظاہر تھا کہ سفارت خانہ اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ میں نے یہ سب کچھ ربوہ وکالت تبشیر کو لکھ دیا۔ اور ساتھ ہی ایک چٹھی حضرت اقدس خلیفۃ المسیح والمصلح موعودؓ کی خدمت اقدس میں ارسال کر دی۔

اب تبشیر کی طرف سے تو مجھے یاد نہیں کہ جواب آیا تھا یا نہیں، مگر ایک ماہ کے اندر اندر حضرت المصلح الموعودؓ کی طرف سے جواب موصول ہوا۔ حضورؓ نے فرمایا تھا کہ اگر اس طرح رہنے کی اجازت مل سکتی ہے، تو کر لیں۔ گویا حضور اقدس کی طرف سے سفارت خانے میں ملازمت کی اجازت مل گئی۔ چنانچہ ملازمت کی کارروائی مکمل ہونے کے ساتھ ویزے کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اب مَیں نصف دن سفارت خانے میں جا کر کام کرتا اور باقی کا وقت کتب اور اخبارات کے مطالعہ میں گزارتا۔ ویزا غالباً ایک سال کا ملا۔

مَیں جرمنی میں ۲۰ یا ۲۱ جون ۱۹۶۴ء کو پہنچا۔ فرانکفورٹ میں مسجد نور کے امام، چوہدری محمود احمد صاحب چیمہ، کے پاس ایک دو راتیں گزارنے کے بعد مَیں ہمبرگ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ہمبرگ میں تعمیر ہونے والی مسجد فضل عمر وہ پہلی مسجد ہے جو جرمنی میں ۱۹۵۷ء میں تعمیر ہوئی تھی۔ وہاں کے مبلغ انچارج، مولوی عبداللطیف صاحب، کے پاس سات ماہ رہنے اور جرمن زبان سیکھنے کے بعد خاکسار کی تبدیلی فرانکفورٹ میں ہو گئی۔ مکرم چیمہ صاحب میرے ساتھ قریباً ایک سال رہ کر پاکستان واپس چلے گئے۔ یہاں خاکسار اِس دور کا ایک اہم واقعہ یعنی ایک اطالوی دوست ڈاکٹر اطالو کیوسی صاحب کے قبول اسلام کے بارے میں تفصیلاً کچھ عرض کرنا چاہتا ہے۔

ڈاکٹر محمد عبدالہادی کیوسی صاحب کا قبول اسلام

جس دن خاکسار جرمنی میں اپنی آمد پر فرانکفورٹ پہنچنے کے بعد ہمبرگ کے لئے روانہ ہوا، اس دن (گیسٹ بک میں موجود ریکارڈ کے مطابق) شام کے وقت ایک اطالوی دوست، ڈاکٹر اطالو کیوسی، مسجد میں تشریف لائے۔ مکرم محمود احمد صاحب چیمہ نے ان کا استقبال کیا۔ اور ان کے اندر تشریف لانے پر انہیں جماعت کا مختصر تعارف کرایا۔ وہ غالباً چند منٹ ہی مسجد میں ٹھہرے ہوں گے۔ جاتے ہوئے وہ

ہمارے دارالتبلیغ کی گیسٹ بک پر اپنا نام و پتہ اور مندرجہ ذیل جملہ اطالوی زبان میں لکھ کر چلے گئے:

'آج میں نے اس مسجد کو دیکھا ہے'

ان کا یہ تھوڑی دیر کے لئے مسجد میں آنا کس طور پر ان کی زندگی کی کایا پلٹنے کا موجب ہوا، یہ ایک دلچسپ قصہ ہے۔ میرے فروری ۱۹۶۵ء میں فرانکفورٹ کی مسجد کے امام کے طور پر چارج لینے کے تھوڑے عرصہ بعد مکرم چیمہ صاحب تو پاکستان چلے گئے اور چلنے سے پہلے مجھے انہی اطالوی دوست سے متعارف کرا گئے کہ یہ دوست ہفتہ میں ایک بار مسجد میں آ کر یسرنا القرآن پڑھتے ہیں، انہیں عربی پڑھنے اور سیکھنے کا شوق ہے۔ میں نے کہا، کیا مسلمان ہو چکے ہیں؟ انہوں نے کہا، نہیں۔ ویسے ہی وہ چاہتے ہیں کہ عربی زبان سیکھ لیں۔ یہ بھی بتایا کہ چونکہ میرے پاس عربی کی کوئی کتاب نہیں تھی، میں نے انہیں یسرنا القرآن پڑھانا شروع کر دیا ہے۔

مکرم چیمہ صاحب کے پاکستان تشریف لے جانے کے بعد مکرم ڈاکٹر اطالو کیوسی صاحب (یہ ان کا نام تھا) باقاعدہ ہفتہ اور اتوار کے روز تشریف لاتے، مجھ سے یسرنا القرآن پڑھتے، کچھ غیر رسمی گفتگو بھی ہو جاتی اور بس۔ ہاں یہ ضرور تھا کہ مسجد کے اُس وقت کے معروف دستور کے مطابق انہیں چائے کی ایک پیالی ضرور پیش کی جاتی، جسے وہ بخوشی قبول کرتے اور ہمیشہ ہی کہتے کہ آپ کی چائے بہت لذیذ ہوتی ہے۔ اس کا بدلہ اتارنے کے لئے انہوں نے بھی اپنا ایک دستور بنا لیا کہ مشروبات کا ایک کریٹ لاتے اور کہتے کہ یہ آپ کی جماعت کے دوستوں کے لئے میری طرف سے ایک ادنیٰ سا نذرانہ ہے۔ بوتلیں خالی ہو جانے پر ایک اَور کریٹ آ جاتا۔ اور اس دستور میں انہوں نے کبھی ناغہ نہ کیا۔

چند مہینوں کے اندر اندر انہوں نے یسرنا القرآن ختم کر لیا۔ اب سوال پیدا ہوا کہ عربی کی کونسی کتاب شروع کی جائے۔ وہ خود ہی کہنے لگے، قرآن کریم سے بہتر اور کون سی کتاب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اب انہوں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کر دیا۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ قاعدہ یسرنا القرآن پڑھانے کے دوران مَیں نے ان کی خواہش پر انہیں عربی گرائمر کے اسباق بھی دینے شروع کر دئے کیونکہ جیسا کہ انہوں نے ظاہر کیا تھا ان کا اصل مدعا عربی پڑھنے کا تھا۔ قاعدہ یسرنا القرآن ختم کرنے اور قرآن پڑھنا شروع کرنے کے وقت تک وہ عربی گرائمر پر اچھی خاصی دسترس حاصل کر چکے تھے۔ چنانچہ جونہی انہوں نے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا تو کہنے لگے مجھے ساتھ ساتھ معنی بھی بتاتے جائیں۔ اس طرح پر انہیں

ناظرہ پڑھنے کی مشق کے علاوہ معانی پر بھی عبور حاصل ہوتا گیا۔ مشکل الفاظ کو وہ اپنی کاپی میں لکھ لیتے۔ مَیں لفظ کا مادہ بھی بتا دیتا اور یہ بھی کہ وہ لفظ اس مادے سے کیسے اور کس اصول پر بنا ہے۔ گویا میں عربی گرائمر کے قواعد سے بھی انہیں روشناس کراتا جارہا تھا جس سے ان کی دلچسپی اور قرآن سے ان کی لگن میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا گیا۔

کچھ سورتیں ترجمہ کے ساتھ پڑھ لینے کے بعد ڈاکٹر کیوسی صاحب ایک دن کہنے لگے کہ میں اب ترجمہ تو کسی حد تک خود ہی پڑھ سکتا ہوں، کیونکہ کئی زبانوں میں تراجم قرآن میرے پاس موجود ہیں، تاہم قرآن کریم کے معانی پر اچھی طرح عبور حاصل کرنے کے لئے مَیں اس کا کسی ایسی زبان میں ترجمہ کرنا چاہتا ہوں، جس میں پہلے ترجمہ نہ ہوا ہو۔ انہیں چھ زبانیں آتی تھیں۔ ان میں سے پانچ میں یا تو ہماری جماعت کی طرف سے تراجم چھپ چکے تھے یا ترجمہ تیار تھا۔ البتہ ایک زبان اسپرانٹو Esperanto ایسی تھی جو انہیں آتی تھی، مگر اس میں ترجمہ اب تک نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اسپرانٹو زبان میں قرآن کا ترجمہ کرنا شروع کر دیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ قرآن کریم پڑھنے کی مشق بھی ہفتہ واری اسباق کی صورت میں جاری رکھی۔ اب معانی کے ساتھ مَیں نے انہیں کسی قدر تفسیر بھی بتانی شروع کر دی، تا کہ آیات کا مفہوم اچھی طرح ان پر واضح ہو جائے۔

قرآن کریم کا اسپرانٹو زبان میں ترجمہ کرتے وقت وہ ہمارے جرمن، انگریزی اور فرانسیسی زبان میں تراجم اور پانچ جلدوں والی انگریزی تفسیر کو سامنے رکھتے۔ مجھے ہر ہفتہ آ کر بتاتے کہ اب میں نے اس قدر ترجمہ مکمل کر لیا ہے۔ ترجمہ بھی کرتے جاتے اور ساتھ اسے اسپرانٹو زبان میں ٹائپ بھی کرتے جارہے تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے پہلے دورۂ یورپ کے وقت جو غالباً جولائی ۱۹۶۷ء میں ہوا، وہ بیس پاروں تک ترجمہ مکمل کر چکے تھے۔ ترجمہ کے دوران ان پر اسلام کی حقیقت کس طور پر کھلی اور کس طرح انہوں نے دل ہی دل میں اسلام قبول کر کے نماز کی مشق بھی شروع کر دی، اسکی دلچسپ تفصیل انکی جرمن زبان میں تصنیف Das Haus in Mekka میں چھپ چکی ہے اور طوالت کے خوف سے اسے یہاں درج نہیں کیا جارہا۔

پھر جس طریق پر انہوں نے شراب پینے سے کلیۃً کنارہ کشی اختیار کی، اس کا دلچسپ اور ایمان افروز

تذکرہ بھی خاکسار نے اس کتاب کے اردو ترجمہ ''میرا حج بیت اللہ'' میں درج کر دیا ہے۔ یہاں اس ضمن میں ان کے اسلام قبول کرنے سے پہلے کے خیالات کا ذکر قارئین کے لئے خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

جب ابھی مکرم ڈاکٹر صاحب یسرنا القرآن پڑھ رہے تھے، تو ۱۹۶۶ء کا ماہ صیام آ گیا۔ مجھے ایک پاکستانی دوست، مسٹر خورشید اکبر صاحب، نے کہہ رکھا تھا کہ میں سارے روزے ان کے ہاں افطار کروں۔ ان کا مکان بھی مسجد سے قریب، یعنی وینڈل چوک (Wendels Platz) پر واقع ایک عمارت میں تھا۔ ایک دن میں ان کی اجازت سے مکرم ڈاکٹر کیوسی صاحب کو بھی اپنے ساتھ لے گیا۔ مکان میں داخل ہونے سے قبل مکرم ڈاکٹر صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ آپ میرا تعارف ان سے (یعنی اکبر صاحب سے) کیسے کروائیں گے۔ میرے منہ سے جلدی میں ایک ایسا جملہ نکل گیا، جس کی سنجیدگی کا میں اس وقت تو اندازہ نہ لگا سکا، البتہ بعد میں مکرم ڈاکٹر صاحب کے خط سے اس کا احساس ہوا۔ میں نے کہا، میں کہوں گا، 'یہ ہمارے ایک بھائی ہیں'۔ وہ یہ سن کر خاموش رہے۔

خورشید اکبر صاحب کی ڈاکٹر صاحب موصوف سے یہ پہلی ملاقات تھی۔ دونوں نے باہم مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ پہلے افطاری ہوئی۔ پھر میں اور اکبر صاحب نے باجماعت نماز پڑھی (اکبر صاحب باوجود احمدی نہ ہونے کے میری اقتداء میں نماز پڑھ لیتے تھے)۔ اس کے بعد کھانا کھایا اور یوں یہ مختصر سی تقریب ختم ہوئی۔

اگلے روز مجھے ایک طویل خط مکرم ڈاکٹر صاحب کی طرف سے موصول ہوا، جس میں انہوں نے پہلے کل کی دعوت کے لئے شکریہ ادا کیا، پھر لکھا کہ انوری صاحب! مجھے اپنا دوست سمجھیں یا بھائی۔ جو آپ مناسب جانتے ہوں سمجھتے رہیں۔ لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہو کہ میں کسی وقت اپنا مذہب تبدیل کر کے آپ کے مذہب میں داخل ہو جاؤں گا، تو یہ ناممکن ہے۔ اور پھر کسی قدر اختصار کے ساتھ اس میں وہ خاندانی، معاشرتی اور محکمانہ وجوہات لکھیں، جن کے ہوتے ہوئے ان کا اپنا عیسائی رومن کیتھولک دین چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کا تصور کرنا بھی مشکل تھا۔ میں نے خط پڑھا اور فائل میں لگا دیا۔ اس کے بعد اس موضوع پر ہماری آپس میں اشارۃً بھی گفتگو نہ ہوئی اور روزمرہ کی آمدورفت، درس وتدریس اور ہنسی ومزاح کا سلسلہ حسب معمول جاری رہا۔ لیکن کس طرح کچھ عرصہ بعد انہوں نے میرے یہاں ہوتے ہوئے پوشیدہ طور پر (صرف جماعت کے دوسرے دوستوں سے پوشیدہ)، میرے سامنے انہوں نے با آواز بلند کلمہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اقرار کیا، اور پھر اس کے کچھ عرصہ بعد میرے واپس مرکز سلسلہ میں چلے جانے کے

بعد میرے خلف رو، برادرم مسعود احمد صاحب جہلمی مرحوم، کے سامنے علی الا علان احمدیت قبول کی ، اسی طرح کا ایک خارق عادت معجزہ ہے، جیسے خدا دوسرے مما لک میں بھی دکھلا رہا ہے۔اس قسم کے معجزات کا ظہور الٰہی جماعتوں میں ہوتا ہی رہتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا پہلا دورہ جرمنی اور ڈاکٹر کیوسی صاحب کی آپ سے ملاقات

مسند خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا یورپی مشنوں کا پہلا دَورہ ۱۹۶۷ء میں ہوا۔حضورؒ کا پہلا قیام فرانکفورٹ میں ہی تھا۔حضور کے یہاں دو دن کے عرصۂ قیام کے دوران میں حضور نے پاکستانی احمدی دوستوں کے علاوہ جن غیر پاکستانی احباب کو شرف ملاقات بخشا،ان میں سب سے نمایاں ڈاکٹر اطالو کیوسی صاحب تھے ۔اوپر بتایا جا چکا ہے کہ مکرم ڈاکٹر صاحب اُس وقت تک دل سے (مگر پوشیدہ طور پر) مسلمان ہو چکے تھے، نیز وہ اُس وقت تک قرآن کریم کے بیس پاروں کا اسپرانٹو زبان میں ترجمہ کر چکے تھے۔ خاکسار حضورؒ کی خدمت میں یہ جملہ امور پہلے ہی لکھ چکا تھا۔ چنانچہ عندالملاقات حضورؒ نے ان سب باتوں کی بالمشافہ بھی تصدیق فرمائی۔حضورؒ پوچھتے جارہے تھے اور ڈاکٹر صاحب ،'ہاں حضور' کہہ کر اثبات میں جواب دیتے چلے گئے۔کچھ اَور باتیں بھی ہوئیں۔اِس ملاقات میں خاکسار اور مکرم چودھری محمد علی صاحب (جو بطور پرائیویٹ سیکرٹری حضور کے ہمراہ تھے) کے علاوہ اور کوئی شخص موجود نہیں تھا۔ میں نے دیکھا کہ جوں جوں حضورؒ دریافت فرماتے جارہے ہیں، ڈاکٹر صاحب مرحوم پر رقت طاری ہوتی جارہی ہے۔ جو اُس وقت اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گئی جب حضورؒ نے انہیں معانقہ کا شرف بخشا۔اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر صاحب باہر آ گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ باہر نکلا ،تا انہیں رخصت کروں۔ میں نے دیکھا کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں۔ مجھے دیکھ کر اسی رقت آمیز لہجے میں کہنے لگے: 'انوری صاحب! میں کبھی نہیں رویا،لیکن آج میرے آنسو چھلک چھلک کر میری آنکھوں سے باہر نکل رہے ہیں' اور یہ کہہ کر باہر تشریف لے گئے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے قبولِ اسلام کا ذکر جس دلکش انداز میں اپنی عمرہ اور حج کے سفر نامہ پر لکھی ہوئی کتاب ''میراج بیت اللہ''(Das Haus in Mekka) میں کیا ہے،مناسب ہے کہ یہاں بھی اسے بیان کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ بتاتے ہوئے کہ آپ کا اسلام سے پہلا تعلق فرانکفورٹ کی احمدیہ مسجد نور میں منعقد ہونے والی ایک تقریب کے ذریعے ہوا، آپ تحریر فرماتے ہیں:

''مسجد میں منعقد ہونے والی تقریب میں اسلامی نظریات کی دُنیا کے ساتھ میرا ایک قریبی تعلق پیدا کر دیا۔ اِسلام کے چہرے سے اس معمولی سی نقاب کشائی کے ساتھ (معمولی اس اعتبار سے کہ ابھی تک میں صرف ترجمہ شدہ کتب کے ذریعہ ہی اسلام کی خوبیوں سے تھوڑا بہت متعارف ہونے پایا تھا) میری رگِ اشتیاق غیر معمولی طور پر پھڑک اُٹھی اور میں نے مصمم ارادہ کرلیا کہ ایک بار مسٹر چیمہ اور مسٹر انوری (جو اُس وقت تک فرانکفرٹ میں آچکے تھے) کی اس پیشکش سے جو انہوں نے بر سبیل تذکرہ کی تھی، فائدہ اٹھاؤں اور اسلام کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن اور حدیث کو پڑھ کر انکی اصل حقیقت معلوم کرنے کی کوشش کروں۔ اس کیلئے مجھے عربی زبان پڑھنے کی ضرورت محسوس ہوئی تا کہ میں ان ہر دوم آخذِ اسلامی کا ان کی اصل زبان میں مطالعہ کرسکوں۔ مجھے بتایا گیا کہ میں ان سے عربی زبان کے ابتدائی قواعد پڑھ سکتا ہوں۔ عربی اسباق کا یہ سلسلہ 1964-65ء کے موسم سرما میں شروع ہوا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد چیمہ صاحب تو پاکستان چلے گئے اور پھر انوری صاحب اکیلے ہی میرے ذوقِ جستجو کی تکمیل کیلئے پورے انہماک کیساتھ مصروف ہو گئے۔ کافی غور وخوض کے بعد میں نے محسوس کیا کہ قرآن کریم کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے بہتر ہوگا کہ میں اس کا باقاعدہ ترجمہ کرنا شروع کر دوں، تاکہ ایک ایک جملے اور اس کے ایک ایک لفظ پر غور ہو سکے''

آگے اسی موضوع کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''مجھے یاد ہے کہ ۲۳ دسمبر ۱۹۶۷ء کو جب دیگر دوستوں کے ہمراہ میں انوری صاحب کو پاکستان کیلئے واپسی کے وقت رخصت کرنے کیلئے فرانکفرٹ کے ہوائی اڈہ پر ان کے ساتھ گیا، تو ہم دونوں انتظار گاہ کے وسیع وعریض ہال میں بڑی سنجیدگی سے اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے، جس کے دوران انہوں نے بڑے محبت بھرے انداز میں مجھے یہ پرزور مشورہ دیا کہ میں اس مسئلہ پر اچھی طرح اور قبل از وقت کوئی رائے قائم کئے بغیر غور کروں تا کہ انجام کار کسی واضح نتیجہ پر پہنچ سکوں''

اِسلام پر ایمان لانے اور احمدیت کو ایک صداقت کے طور پر قبول کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے جذبۂ ایمان کو ایک اور طریق سے بھی ایسی جِلا بخشی کہ ان کے جسم وجان کا گوشہ گوشہ

نُورِ ایمان سے جگمگا اٹھا اور ان کا دل و دماغ اِس کامل یقین سے پُر ہو گیا کہ جس صداقت کو انہوں نے اپنے علم اور عقل کے زور پر تسلیم کیا ہے، اسے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے خدا کی مکمل تائید حاصل ہے۔ اس کی تقریب یوں پیدا ہوئی کہ 1971ء میں عمرہ پر جاتے ہوئے وہ پہلے قادیان گئے، تا کہ حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی جائے پیدائش اور احمدیت کے اوّلین مرکز کی بھی زیارت کر لیں۔ وہاں ایک صحابیہ (والدہ حضرت چودھری محمد ظفر اللہ خانؓ) کی قبر پر دُعا کرتے ہوئے انہوں نے جو کشفی نظارہ دیکھا، اسے بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:

''حضرت بانی سلسلہؑ کے مزار مبارک اور اوّلین صحابہ کی قبور پر دُعا سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خان صاحب کے والد بزرگوار اور والدہ ماجدہ، جو وہاں ابدی نیند سوئے ہوئے ہیں، کی قبروں پر جا کر انکے لختِ جگر کی طرف سے انہیں ایک بار پھر سلام پہنچاؤں اور ان سے رُخصت حاصل کروں۔ ابھی مجھے چودھری صاحب کی والدہ مکرمہ کی قبر کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے دونوں ہاتھ دُعا کی غرض سے اپنی آنکھوں پر رکھے ہوئے چند منٹ ہی گذرنے پائے تھے کہ یکدم میں نے اپنے اندر ایک قوی الاثر اور پُرزور روحانی ارتعاش محسوس کیا، ایسا کہ اس سے قبل کبھی میرے تجربے میں نہ آیا تھا۔ مجھے میری آنکھوں کے بند پپوٹوں اور اپنے ہاتھوں کی انگلیوں میں سے قبر والی مٹی کے اُوپر تھالی کی مانند ایک گول سا نشان دکھائی دیا، جیسے وہ جگہ گیلی ہو گئی ہو۔ آپ اُسے خواب کہہ لیں یا کشف، مگر میرے لئے وہ بالکل اسی طرح ایک حقیقت تھی جیسے یہ کاغذ جس کے اوپر میرا قلم حرکت کر رہا ہے۔ پھر یوں نظر آیا، جیسے تھالی کے برابر وہ گیلی جگہ اندر دھنس رہی ہو۔ اسکے ساتھ ہی اندر سے پانی نکلتا دکھائی دیا، جو پہلے کچھ گدلا سا معلوم تھا، پھر چند لمحوں بعد وہ صاف اور شفاف، شیریں اور ٹھنڈا پانی یوں نکلتا ہوا دکھائی دیا، جیسے وہ کسی غیبی چشمہ سے انسانی دل کی دھڑکن کے ساتھ پھدک کر باہر آ رہا ہو''

جرمنی میں پاکستانی احباب جماعت کی آمد اور اسائلم کا سلسلہ

جرمنی میں خاکسار کے دوسرے دورِ تبلیغ (۱۹۷۲ء تا ۱۹۷۷ء) کا اہم واقعہ جرمنی میں پاکستانی احمدیوں کی آمد اور اسائیلم کے بین الاقوامی قانون کے ماتحت ان کے اِس ملک میں مستقل قیام کی صورت کا پیدا ہونا ہے۔ عالمی ادارہ برائے تحفظ حقوق انسانی کے ماتحت دنیا کے تمام ممالک جو مجلس اقوام متحدہ کے رکن

ہیں، اس بات کے پابند ہیں کہ مذہب، سیاست، رنگ یا نسل کی بنا پر اگر کسی شخص یا گروہ پر اس کی اپنی حکومت سختی کرے، تو دوسرے ممالک کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اسے پناہ دیں۔ ۱۹۷۴ء کے احمدیوں کے خلاف اٹھنے والے خونریز ہنگاموں کے نتیجہ میں آیا احمدیوں کو بھی جرمنی میں یا کسی اور ملک میں پناہ مل سکتی تھی یا نہیں، ابھی تک اس کی کوئی مثال ہمارے سامنے نہیں تھی۔ البتہ ان فسادات سے بہت پہلے ایک اردنی عرب کے معاملے میں مجھے علم ہوا کہ جرمنی میں رہائش کے حقوق حاصل کرنے کی ایک یہ صورت بھی ہے کہ کوئی یہ درخواست دے کہ اسے اپنے ملک میں جان یا عزت کا خطرہ ہے اور اس کی حکومت اسے واجبی تحفظ نہیں دے رہی، تو جرمن حکومت اسے فوراً ویزا دے دیتی ہے۔ یہ نسخہ خاکسار نے ایک بنگالی غیر احمدی نوجوان کے لئے آزمایا، جو غالباً ۱۹۷۴ء کے اوائل میں میرے پاس مسجد نور میں پہنچا تھا، اور وہ کامیاب ہوا۔ یعنی اس بنیاد پر کہ بنگلہ دیش کی حکومت، پاکستان کے ساتھ تعلق کے شبہ پر اپنے لوگوں کے جان واموال کا واجبی تحفظ نہیں کر رہی، اس بنگالی دوست کو یہاں رہنے اور کام کرنے کا ویزا مل گیا، اور اس طرح پر خاکسار کو اس وکیل کا بھی پتہ چل گیا، جو بعد میں احمدیوں کے معاملہ میں فرشتہ رحمت ثابت ہوا، یعنی مسٹر ہوف مین (Herr Hoffmann)۔ اس کا پتہ میں نے اسی اردنی عرب سے پہلے ہی لے کر اپنے پاس رکھ لیا ہوا تھا۔

اس واقعہ کے تھوڑا عرصہ بعد ربوہ ریلوے سٹیشن پر ۲۹ مئی ۱۹۷۴ء کا وہ تاریخ ساز سانحہ ہوا، جس کے ساتھ ہی احمدیوں کے خلاف خونریز فسادات برپا ہو جانے کی دلدوز خبریں آنے لگیں۔ میں نے دل میں کہا کہ اگر کوئی احمدی نوجوان اِس وقت یہاں پہنچ جائے، تو وہی نسخہ میں اس پر بھی آزماؤں۔ انہی دنوں ہیمبرگ سے شائع ہونے والی ایک اخبار Die Welt میں پاکستان میں ہونے والے فسادات کے بارے میں ایک رپورٹ مندرجہ ذیل عنوان سے چھپی:

"Ahmadis - Opfer der Gewalt in Pakistan"

کہ احمدی پاکستان میں ظلم وستم کا نشان بن رہے ہیں۔ میں نے وہ اخباری تراشہ اپنے پاس رکھ لیا۔ چنانچہ ان فسادات کے بعد جو پہلا احمدی شخص جرمنی میں پہنچا، اسے لے کر خاکسار اسی وکیل، ہوف مین'' (Hoffmann)، کے پاس گیا۔ یہ نسخہ کامیاب ہونے پر اب میں نے ہوف مین سے ویزا کے سلسلہ میں تفصیلی گفتگو کی۔ اس نے بتایا کہ جو تجربہ ہمارے سامنے ہے، اس کے پیشِ نظر میں کہہ سکتا ہوں کہ

ایک سال تو اس کیس کی سماعت کے انتظار میں گذر جائے گا۔اس کے بعد اگر کیس منظور ہو گیا تو پانچ سال کا اکٹھا ویزا مل جائے گا۔اگر منظور نہ ہوا، تو اپیل کی گنجائش ہوتی ہے۔ہم زیادہ نہیں تو ایک سال اور اِسے کھینچ تان کر لے جائیں گے۔اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ لمبا بھی ہو جائے۔میں نے سوچا، اگر ہمارے آدمیوں کو یہاں دو سال ٹھہرنے کی اجازت مل جائے، تو پہلے چھ ماہ کے اندر اندر وہ دو طرفہ کرایہ کا خرچ نکال لیں گے۔اس کے بعد وہ کچھ بچا بھی سکتے ہیں، اور اگر دو سال کے بعد انہیں واپس بھی جانا پڑا، تو یہ سودا ان کے لئے مہنگا نہیں ہوگا۔

جرمنی میں احباب جماعت کی آمد کے ساتھ جہاں انفرادی طور پر مالی فراخی کی سبیل پیدا ہو گئی، وہاں جماعت کی مالی آمدات میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہونے لگا اور جماعت کا مالی بجٹ صفر سے بڑھ کر ہزاروں تک جا پہنچا۔اور اس طرح پر جرمن مشن کسی بیرونی مالی امداد کا محتاج نہ رہا۔یہ اسی فیض کا نتیجہ ہے کہ اِس وقت جرمن مشن کا بجٹ لاکھوں تک جا پہنچا ہے، بلکہ وہ یورپی مشنوں میں مالی اور عددی لحاظ سے سبقت لے چکا ہے۔فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

اس سلسلے میں خاکسار آسمان سے ملنے والی ایک ایسی خبر کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہے، جو دراصل ایک نہیں بلکہ دو خبروں پر مشتمل تھی اور جس کی تعبیر اس عاجز کے نزدیک خاکسار کے تبلیغی میدان میں آنے والے ایک اہم موڑ پر اطلاق پانے کے علاوہ جرمنی میں ایک بہت بڑی جماعت کے معرض وجود میں آنے کی عکاسی کر رہی تھی۔تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب خاکسار ۱۹۶۸ء کے اوائل میں جرمنی میں اپنا پہلا دَورِ تبلیغ مکمل کر کے قریباً چار سال کے بعد مرکز سلسلہ ربوہ، پہنچا، تو پہنچنے کے چند دن بعد خاکسار نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ:

''مَیں ایک ایسے مقام پر کھڑا ہوں، جیسے کسی مکان کا صحن ہوتا ہے، مگر مکان نہیں بلکہ احاطہ کی شکل کا ایک صحن ہے، جس کے ارد گرد ایک کٹی پھٹی چار دیواری سی بنی ہوئی نظر آ رہی ہے اور مَیں دل میں سمجھتا ہوں کہ یہ جرمنی کا ملک ہے۔مَیں اس کے وسط میں کھڑا اس کے عین درمیان میں اُگے ہوئے ایک بیری کے درخت کو دیکھ رہا ہوں۔وہ بیری کا درخت سارے کا سارا گنجا ہے یعنی اس کی شاخوں اور ٹہنیوں پر کہیں کوئی پتہ نظر نہیں آتا۔البتہ مختلف جگہوں پر سبز پتوں کے جھنڈ سے نظر آ رہے ہیں اور میں حیران ہوتا ہوں کہ یہ کیسی بیری ہے کہ اس پر صرف چند مخصوص مقامات پر (میرے اندازے میں پندرہ، بیس جگہوں پر) پتوں کے جھرمٹ ہیں اور باقی ساری بیری پتوں سے خالی ہے''

جب صبح بیدار ہوا تو یہ سارا نقشہ خاکسار کے ذہن میں موجود تھا۔ چنانچہ ایک تعبیر تو اسی وقت اس کی یہ ذہن میں آئی کہ مجھے جرمنی میں دوبارہ آنا نصیب ہوگا اور یہ کہ مَیں اس بار بطور مبلغ انچارج کے آؤنگا۔ البتہ بیری اور بیری کے پتوں کے جھرمٹوں کی کچھ تعبیر سمجھ میں نہ آئی۔

فرانکفورٹ سے روانگی سے قبل خاکسار کو نائیجیریا جانے اور وہاں بطور امیر ومشنری انچارج کام کرنے کا حکم مل چکا تھا۔ چنانچہ خاکسار چند ماہ ربوہ میں قیام کرنے کے بعد جون یا جولائی میں مع اہل و عیال نائیجیریا کے لئے روانہ ہوگیا۔ نائیجیریا میں خاکسار اپریل ۱۹۷۲ء تک رہا۔ اسی دوران یعنی ۱۹۷۰ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کا پہلا دورۂ مغربی افریقہ عمل میں آیا اور جن پانچ ممالک کا حضور نے دورہ فرمایا، ان میں پہلا ملک نائیجیریا ہی تھا۔ ابھی خاکسار نائیجیریا میں ہی تھا کہ مرکز سے حکم موصول ہوا کہ خاکسار کی تعیناتی بطور امیر ومشنری انچارج جرمنی ہوگئی ہے اور یہ کہ مَیں جرمنی کا ویزا یہاں سے ہی حاصل کر کے واپس لوٹوں۔ اس طرح گو یا رؤیا ء کا وہ حصہ پورا ہوگیا، جس کی تعبیر خاکسار نے یہ کی تھی کہ خاکسار کو جرمنی میں دوبارہ آنے اور بطور امیر ومبلغ انچارج کام کرنے کی توفیق ملے گی۔

خاکسار اپریل ۱۹۷۲ء میں واپس ربوہ پہنچا اور حسب پروگرام اہل وعیال کو ربوہ میں چھوڑ کر ۲۱ یا ۲۲ ستمبر ۱۹۷۲ء کو جرمنی پہنچ گیا۔ جرمنی میں اُس وقت مکرم برادرم مسعود احمد صاحب جہلمی (مرحوم) بطور مبلغ انچارج کام کر رہے تھے۔ انہوں نے چارج دیتے وقت خاکسار کو بتایا کہ ایک درجن کے قریب پاکستانی دوست سٹوڈنٹ ویزا پر اور چار پانچ apprenticeship ویزا پر یہاں آچکے ہیں، جن سے چندوں کی کچھ آمد ہو رہی ہے۔ تاہم ان میں سے کوئی بھی مستقل ویزا پر یہاں نہیں ہے اور جس کا جب کہیں داؤ چلتا ہے ، برطانیہ یا امریکہ چلا جاتا ہے۔ البتہ مرکز پر یہ تاثر پیدا ہو چکا ہے کہ یہاں جماعت بن رہی ہے اور اس بنا پر ان کی ہدایت ہے کہ ہم اخراجات کے لحاظ سے اب خود کفیل ہونے کی کوشش کریں۔ نیز انہوں نے بتایا کہ اس سال مرکز نے گرانٹ کا ایک چوتھائی حصہ وضع کرلیا ہے۔ اگلے سال گرانٹ نصف ہوجائے گی، اس سے اگلے سال ایک چوتھائی اور اس کے بعد مرکزی گرانٹ بالکل بند کردی جائے گی۔

جیسا کہ اوپر بتایا جا چکا ہے، ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں جماعت کے خلاف بھڑکائے جانے والے فسادات کے نتیجے میں پاکستانی احمدی دوست جرمنی میں آنا شروع ہو گئے اور انہیں اسائیلم کی بنیاد پر ویزا اور کام کی سہولتیں میسر آ گئیں، جس کے ساتھ مشن کی افرادی قوت اور مالی استعداد میں اضافہ ہونے

لگا۔ چونکہ اسائیلم لینے والے دوست آ کر زیادہ تر فرانکفرٹ میں ہی رہ رہے تھے، لہٰذا خاکسار نے مناسب سمجھا کہ جماعت کی حلقہ بندی کر کے اسے مختلف حلقہ جات میں تقسیم کر دیا جائے۔ چنانچہ جماعت کو آٹھ حلقوں میں تقسیم کر کے ہر حلقہ میں انتخاب کروا کر اسکی باقاعدہ تنظیم کر دی گئی۔ اب خاکسار کی رؤیاء کی مکمل تعبیر کیونکر ظاہر ہوئی، اس کیلئے خاکسار کا ذیل کا بیان قابل توجہ ہے، جو یہ ہے کہ

''شروع شروع میں تو خاکسار آنے والے دوستوں کو فرانکفرٹ میں ہی accommodate کرتا رہا، مگر جوں جوں دوستوں کی تعداد بڑھنے لگی، خاکسار کو محسوس ہوا کہ فرانکفورٹ کا بلدیاتی محکمہ جو غیر ملکیوں کی بحالی پر متعین ہے یعنی Ausländersamt، وہ ہمارے مشن کو مشکوک نگاہوں سے دیکھنے لگ گیا ہے۔ بلکہ ایک بار تو اس محکمہ کے افسر اعلیٰ ،مسٹر Beib نے خاکسار کو فون پر کہہ بھی دیا کہ آپکے لوگ ہماری اقتصادیات پر بوجھ بن رہے ہیں۔ اسے تو خیر خاکسار نے مطمئن کر دیا اور پھر وہ ایسا اچھا دوست بن گیا کہ آئندہ وہی اسائیلم کے معاملات میں ہماری مدد کرنے لگ گیا۔ تاہم حفظ ماتقدم کے طور پر خاکسار نے مناسب سمجھا بلکہ ضروری خیال کیا کہ نئے آنیوالے دوستوں کی اسائیلم کی درخواستیں بجائے فرانکفرٹ میں جمع کرانے کے قریب قریب کے دوسرے شہروں اور قصبات میں بھی داخل کرانی شروع کر دی جائیں۔ یہ سکیم کامیاب ثابت ہوئی اور گو ان دوستوں کیلئے مسجد کے قرب کی سہولت نہ رہی، تاہم انہوں نے پورا تعاون کِیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اوفن باخ، ویزباڈن، ہائیڈل برگ اور کولون وغیرہ میں چھوٹی چھوٹی جماعتیں قائم ہوگئیں۔ عین ان دنوں خاکسار کو اپنی رؤیاء یاد آئی اور سوچنے لگا کہ کیا بیری کے پتوں کے جھنڈ دیکھنے میں یہ اشارہ تو مخفی نہیں تھا کہ خاکسار کے ہاتھوں جرمنی کے مختلف مقامات پر احمدیہ جماعتیں معرض وجود میں آئیں گی؟ اس کیلئے جب علم تعبیر الرؤیاء کی کتاب '' تعطیر الانام'' کو دیکھا گیا تو وہاں بیر دیکھنے کی تعبیر ''کثرتِ مال'' سے کی گئی تھی۔

اس اعتبار سے گویا بیری کے پتوں کے جھنڈ دیکھنے میں خاکسار کے نزدیک یہ اشارہ مخفی تھا کہ جرمنی میں میری دوبارہ بطور امیر اور مشنری انچارج تقرری کے ساتھ ہی کچھ ایسے اسباب پیدا ہو جائیں گے، جو جماعت اور جرمن مشن کی مالی وسعت کا ذریعہ بنیں گے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ جہاں جرمنی میں اسائیلم لینے والے احمدی دوستوں کیلئے مالی فارغ البالی کے وافر سامان پیدا ہو گئے، وہاں جماعت کی مالی آمدات میں بھی اس قدر اضافہ ہوا کہ ۱۹۷۷ء تک جبکہ صرف چھ صد کے قریب دوست جرمنی میں پہنچے

تھے، جرمن مشن کا بجٹ انگلستان کی جماعت، جو کئی ہزار افراد پر مشتمل گزشتہ تیس پینتیس سالوں سے قائم ہے، کے مجموعی بجٹ کے مقابلے میں نصف ہو گیا تھا۔ اور اِس وقت جبکہ اس پر تیس سال کا مزید عرصہ گذر چکا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے جرمنی کی جماعت مالی اور عددی لحاظ سے یورپ کی سب جماعتوں سے آگے نکل چکی ہے۔ **اللھم زدفزد!**

محترم داؤد احمد حنیف صاحب
سابق مبلغ انچارج گیمبیا وامریکہ

خاکسار کی تاریخ پیدائش ۳ رفروری ۱۹۴۳ء ہے۔ میرے والد صاحب مکرم چوہدری سید محمد صاحب (مرحوم) سابق باڈی گارڈ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ تھے اور والدہ محترمہ ناصرہ بیگم صاحبہ سابق صدر لجنہ اماءاللہ چک نمبر ۲۳۲ ج۔ب تھیں۔ والدین نے اپنے طور پر خاکسار کو بچپن سے ہی وقف کیا ہوا تھا۔ چنانچہ جب خاکسار نے مڈل سکول کا امتحان پاس کیا تو میرے والد صاحب خاکسار کو جامعہ احمدیہ میں داخل کروانے کے لئے ربوہ لے گئے۔ ان ایام میں جامعہ احمدیہ میں داخلہ پرائمری پاس کو بھی دیا جاتا تھا اور پہلی پانچ کلاسوں میں پرائمری پاس سے لے کر بی اے پاس کرنے والے طلباء کو ٹیسٹ لینے کے بعد اس کے دینی علم کو مدنظر رکھتے ہوئے مناسب کلاس میں داخلہ دیا جاتا تھا۔ خاکسار کو چوتھی کلاس میں داخلہ ملا۔ اس کلاس میں دیگر میٹرک پاس سے لے کر بی اے تک کی تعلیم والے طلباء داخل تھے۔

جامعہ کی تعلیم کے دوران ہی خاکسار نے مکرم میر داؤد احمد صاحب پرنسپل جامعہ احمدیہ سے اجازت لے کر پرائیویٹ طور پر میٹرک کا امتحان بھی پاس کرلیا اور بعد ازاں سروس کے دوران مولوی فاضل اور ایم اے اسلامک سٹڈیز بھی پاس کیا۔

جامعہ احمدیہ سے کامیابی کا سہرا ہمارے بہت ہی مشفق ومہربان اساتذہ کرام اور محترم پرنسپل صاحب کے سر ہے۔ ہمیں جن بزرگ اساتذہ نے پڑھایا اور اخلاق سکھلائے ان کے لئے دعا کی درخواست ہے۔

جامعہ سے خاکسار ۱۲ رجون ۱۹۶۵ء میں فارغ التحصیل ہوا اور ۳ رنومبر ۱۹۶۵ء کو خاکسار کی شادی اپنی خالہ زاد مکرمہ بشریٰ حنیف صاحبہ بنت چوہدری علم دین صاحب آف چک ۲۰۹ ر۔ب کے ساتھ ہوئی اور پانچ ماہ بعد جب خاکسار کا پاسپورٹ بن گیا تو مرکز نے خاکسار کو اکیلے ۲۱ رمارچ ۱۹۶۶ء کو سیرالیون کے لئے روانہ کردیا گیا اور میری بیوی اکیلی پاکستان میں صبر وتحمل سے واقف زندگی کے وقف کو کامیاب کرنے میں مسلسل قربانی کرتی رہی۔ جزاھم اللہ احسن الجزا

مرکزی ہدایت پر Work Visa کے کے حصول کے لئے جماعت کا تین رکنی وفد مکرم عاش مالک انڈوئی۔ مکرم گیمبا جاتے اور مکرم محمد سخنا صاحب پر مشتمل پرائم منسٹر SIR DAWOODA KERABA JAWARA صاحب سے ملا اور جماعت کے دوسرے مبلغ (خاکسار) کے لئے ویزا دینے کی درخواست کی اور دونوں اطراف سے کافی دلیل بازی بھی ہوئی۔ ہمارے وفد نے انہیں یہ باور کروانے کی بڑی کوشش کی کہ ہم تو امن پسند لوگ ہیں اور ہمارے مبلغ کبھی فساد کا ذریعہ نہیں بنتے اور گیمبیا میں عیسائی مشنوں کو بہت سارے مبلغین بلانے کی اجازت ہے ہمیں کیوں دوسرے مبلغ کے لئے گورنمنٹ ویزا نہیں دیتی۔

اس پر Prime Minister نے فرمایا کہ ہمیں جو رپورٹس ملی ہیں وہ یہ ہیں کہ جماعت کا لوکل مبلغ سالکینی میں گیا تو وہاں لڑائی جھگڑا ہوا۔ اسی طرح جہاں بھی وہ جاتا ہے وہاں جھگڑا ہوتا ہے۔

ہمارے وفد نے انہیں جواب دیا کہ آپ تحقیق کروا کر دیکھ لیں جو بھی اور جہاں بھی کوئی جھگڑا ہوا اس میں ہمارے مبلغ کا قطعاً کوئی قصور نہیں تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ آپ کے مبلغ کا اس میں کوئی قصور نہیں تھا لیکن حکومت کے لئے جہاں وہ گیا وہاں مشکل ہوئی۔ اگر آپ کا کوئی مبلغ وہاں نہ جاتا تو جھگڑا پیدا نہ ہوتا۔ ان کے وہاں جانے کے نتیجہ میں لوکل لوگ جھگڑا کرنے لگے۔ ہم نے تو یہ دیکھنا ہے کہ امن کیسے قائم رہتا ہے۔

ہمارے وفد نے یہی تکرار کیا کہ ہم اس ملک کے باشندے ہیں ہماری ضرورت ہے کہ ایک اور مبلغ آئے تو آپ ہماری مدد کریں اور لوگوں کو سمجھائیں کہ ہم امن پسند ہیں۔ اور ان کے مبلغ سے لوکل لوگ جھگڑا نہ کریں تو صورت حال بہتر ہوگی اور ہماری ضرورت بھی پوری ہو جائے گی اور ہمارے مبلغ تو حقیقت میں لوگوں کی بھلائی کے لئے مفت تعلیم دیتے ہیں۔

نیز وفد نے پرائم منسٹر صاحب سے کہا کہ ہمارا مبلغ اتنی بڑی رقم خرچ کر کے ملک میں آ چکا ہے اور اب اگر انہیں واپس بھجوایا گیا تو ہمیں بہت زیادہ نقصان ہوگا گو خاکسار نے وفد کو ملاقات سے پہلے زور دے کر یہ بات سمجھائی تھی کہ حکومت چونکہ تحریری طور پر خاکسار کے اس ملک میں بطور مبلغ داخل ہونے کا انکار کر چکی ہے اس لئے یہ بات انہیں ہرگز نہ پتہ چلے کہ مبلغ ملک میں داخل ہو چکا ہے ورنہ صورت حال مشکل ہو جائے گی مگر معلوم ہوتا ہے وفد کے ممبر نے اپنی سادگی اور اس یقین سے بات بیان کر دی کہ ہمارے

پرائم منسٹر صاحب بہت ہمدرد انسان ہیں۔صحیح بات کا علم ہونے پر صحیح اقدام ہی کریں گے ان سے سارا حال بیان کر دیا۔

ان کی بات سن کر سر داؤدہ خیر باجوارا صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں فرمایا اچھا ٹھیک ہے ہم آپ کے مبلغ کو واپس نہیں بھجوائیں گے اور جب تک انہیں Work Visa جاری نہیں کیا جاتا اس وقت تک انہیں ہر تین ماہ بعد نیا ویزا زائد دیتے رہیں گے۔ چنانچہ چند ماہ بعد خاکسار کو Work Visa مل گیا اور خاکسار بطور مبلغ کام کرنے لگا۔

اس واقعہ سے اہل گیمبیا وہاں کی حکومت اور خاص طور پر سر داؤدہ خیرا باجوارا صاحب پرائم منسٹر گیمبیا کے صاحب اخلاق حمیدہ ہونے پر روشنی پڑتی ہے اور یہ بات اظہر من الشّمس ہوتی ہے کہ اہل افریقہ دل کے صاف اور سچائی کے دوست ہیں۔جب سچائی ظاہر ہو جائے تو انہیں اس کے قبول کرنے میں کوئی عار نہیں ہوتی۔

قادری شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کو ترجیح دیتے اور تیجانی، شیخ احمد تیجان کے بتائے ہوئے اوراد پر توکل کرتے مگر ساتھ ہی اِن ہر دو فرقوں کے لیڈرز نے تقریباً ہر کام کے لئے ایک تعویز بنا رکھا تھا اور پانچ پونڈ سے لے کر سو دو سو پونڈ تک میں فروخت کرتے تھے۔جبکہ یہ ساری باتیں بدعات میں شمار ہوتی ہیں۔حقیقت میں دین اسلام سے ان چیزوں کا کوئی تعلق نہیں مگر علماء نے توہم پرستوں کو ان چیزوں کے ذریعہ اپنے طوقوں سے جکڑا ہوا تھا اور ساتھ یہ تعلیم بھی دیتے تھے کہ اگر تم نے ہمارے بتائے ہوئے طریق پر یہ تعویذ استعمال نہ کیا تو تم پر اور تمہارے خاندان پر تباہی آجائے گی اور اس بات پر انہیں پختگی سے عمل پیرا کراتے تھے تاکہ ان کے اس کاروبار کو ترقی ملے اور لوگوں سے مسلسل آمد ہوتی رہے۔ تعویز کو لوکل زبان میں ''جُوجُو'' کہتے ہیں۔لوگ اپنے جُوجُو کی حفاظت دوسری چیز سے بہت زیادہ کرتے ہیں۔ جُوجُو کی تفصیل اس کا طریق استعمال وغیرہ کے لئے تو بہت صفحات چاہئیں جنہیں یہاں بیان کرنا مقصود نہیں۔صرف مکرم ماجہ سونکو صاحب کے نام کے ساتھ اس کا ذکر از بس ضروری تھا اس لئے چند باتیں لکھ دیں۔ان صاحب کے پاس ایک بڑا صندوق جُوجُوؤں سے بھرا ہوا تھا اور ان کے جسم پر بھی کئی جُوجُو بندھے ہوئے تھے۔جن میں ایک جُوجُو یہ اپنی کمر پر باندھے رکھتے تھے۔ جو زیادہ اہمیت کا حامل تھا اور اس کے بغیر انہیں کوئی چارہ نہیں ہوتا تھا۔

جب خاکسار کا ان سے رابطہ شروع ہوا تو انہیں عقائد احمدیت کے بارے بتدریج بتانا شروع کیا اور تبلیغ

کا سلسلہ اور دوستی بنتی چلی گئی اور تقریباً سال کے بعد وہ صداقت احمدیت کے قائل ہو گئے یہ گریجوایٹ ٹیچر تھے اور سکول میں بورڈنگ کے انچارج بھی تھے۔

خاکسار نے انہیں بیعت کرنے پر آمادہ کیا تو کہنے لگے آپ تو جُوجُو کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔ میں جماعت کی صداقت کا تو قائل ہوں مگر میں جُوجُو کسی صورت میں بھی چھوڑ نہیں سکتا۔ اگر بیعت کرنے کے باوجود میں جُوجُو بھی رکھ سکتا ہوں تو پھر اس پر غور کر سکتا ہوں خاکسار نے انہیں کہا کہ آپ پہلا قدم تو اٹھائیں۔ جُوجُو فی الحال بے شک ساتھ رکھیں۔ ایک دن آپ خود ہی انہیں پھینک دیں گے۔ چند دنوں کے بعد انہوں نے بیعت کر لی۔ **الحمدللہ**

بیعت کرتے وقت انہوں نے کہا تھا کہ میں یہ معاملہ اپنی فیملی اور بھائیوں سے پوشیدہ رکھنا چاہتا ہوں کیونکہ وہ احمدیت کے سخت مخالف ہیں۔ خاکسار نے کہا ٹھیک ہے ایسا ہی کر لیں۔ بیعت کے بعد ان کی آمد خاکسار کے پاس پہلے سے کافی زیادہ ہوگئی اور ہفتہ میں دو تین دن مغرب کے لئے آجاتے۔ اسی طرح وقت گذرتا گیا اور غالباً دو ماہ بعد جب وہ مغرب کے لئے آئے تو انہوں نے کمر کے گرد باندھا ہوا جُوجُو بیت الخلا جانے سے پہلے اتار کر ایک کھونٹی سے لٹکا دیا۔ پھر وضو کیا اور نماز میں شامل ہو گئے نماز کے بعد جُوجُو وہیں بھول کر سکول میں اپنی رہائش گاہ چلے گئے۔ اس ہفتہ کے دوران وہ مشن ہاؤس میرے پاس نہ آسکے۔ ہفتہ کے بعد جب آئے نماز ادا کی اور واپس جانے لگے تو وہ جُوجُو جو میرے ہاں یہ بھول گئے تھے اور خاکسار نے سنبھال کر رکھا ہوا تھا وہ لا کر انہیں دیا کہ گذشتہ دفعہ یہ آپ کا یہاں رہ گیا تھا۔ اسے دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی اور ہاتھ میں پکڑ کر کچھ دیر بغیر بولے مجھے دیکھتے رہے پھر بولے کہ یہ آپ نے مجھے کیوں دیا ہے جبکہ آپ جُوجُو کے خلاف وعظ کرتے رہتے ہیں۔ خاکسار نے انہیں جواب دیا کہ میرے لئے تو یہ بالکل بیکار چیز ہے اور غلط چیز ہے مگر آپ کے لئے یہ بڑی قیمتی چیز ہے اور آپ نے بہت بڑی رقم صرف کر کے یہ خریدا ہوگا اور یہ آپ کی ملکیت تھی جسے آپ بھول گئے تھے۔ جب خاکسار نے یہ دیکھا تو اسے سنبھال کر رکھا تا کہ آپ کے آنے پر آپ کے سپرد کر دوں سو ایسا ہی کیا ہے۔ وہ اسے لے کر فکر کرتے ہوئے اپنے گھر چلے گئے۔ اس پر کچھ عرصہ گزر گیا اور رخصتوں میں وہ اپنے گاؤں گئے تو وہاں جُوجُوؤں والا صندوق نکالا اور صحن میں رکھ کر سب کو آگ لگا دی اور جلا کر راکھ کر دیئے۔ واپس پہنچنے پر جب میرے پاس آئے تو یہ ماجرہ سنایا۔ خاکسار نے پوچھا یہ آپ نے کیوں کیا۔ کہنے لگے میں نے احمدیت کا مطالعہ

کیا اور آپ کو احمدیت پر جس طرح عمل پیرا پایا اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہمارے یہ جُوجُو تو ہم پرستی اور بت پرستی کے مترادف ہیں اور حقیقی توحید وہی ہے جو احمدیت سکھاتی ہے۔ اس لئے میں نے اپنے جسم پر بندھے ہوئے جُوجُو بھی اور گھر میں مختلف مواقع اور ضرورتوں کے لئے رکھے ہوئے تمام جُوجُو اپنے گھر والوں کے سامنے جلا دیئے ہیں اب کسی چیز کو چھپانے کی ضرورت نہیں۔ انہوں نے اپنے احمدیت قبول کرنے کا واقعہ یوں بیان کیا کہ دراصل انہوں نے ایک رات خواب میں دیکھا تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے گھر آئے ہیں جب وہ ملاقات کے لئے آگے بڑھے اور ہاتھ ملایا تو جو شکل سامنے نظر آئی وہ خاکسار (داؤد احمد حنیف) تھا۔ اس خواب کی انہوں نے خود یہ تعبیر نکالی کہ جو اسلام خاکسار انہیں پیش کرتا ہے یا جس کی تبلیغ کرتا ہے وہی دین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہے۔ چنانچہ اس خواب کے بعد انہوں نے بیعت فارم پر کیا تھا اور جماعت میں داخل ہوئے تھے۔ **الحمدللہ**۔

تیجانی فرقہ کے لوگوں کی تعداد جارج ٹاؤن میں تھوڑی سی تھے اور انہوں نے اپنے اوراد وغیرہ کرنے کے لئے ایک چھوٹی سی مسجد ٹاؤن کے ایک حصہ میں بنائی تھی۔ سیاسی لحاظ سے بھی تیجانی لوگوں کی پارٹی جارج ٹاؤن کی آبادی کی پارٹی سے مختلف اور مخالف تھی اور یہ لوگ وہاں پر اپنی ملازمتوں وغیرہ کے سلسلہ میں آنے والے تھے وہاں کے رہائشی نہیں تھے۔ جارج ٹاؤن والے اکثر میڈنگا قبیلہ کے قادری مسلک کے لوگ تھے اور یہ پرائم منسٹر صاحب کی پارٹی کے حامی تھے اور طاقت کا نشہ انہیں حاصل تھا۔ شروع میں تو انہوں نے تیجانی مسجد بننے دی بلکہ بنانے میں مدد بھی دی جو لوگ بعد میں احمدی ہوئے یہ بھی ان میں شامل تھے۔ چنانچہ وہ شام کی نماز وہاں پڑھنے لگے اور اپنے ورد بھی کرتے کچھ دنوں میں ہی سیاست میں جوش آیا اور آپس کی سیاسی مخالفت کے نتیجہ میں اور سیاسی طاقت کے باعث تیجانیوں کی یہ مسجد مسمار کر دی گئی۔ اس واقعہ کے چند ماہ بعد خاکسار وہاں پہنچا تھا اور ہم تو اپنے دینی مسلک کے باعث دوسروں کے پیچھے نمازیں ادا نہیں کرتے۔ چنانچہ خاکسار شروع سے ہی اپنے گھر پر نمازیں ادا کرتا تھا۔ اس شخص نے اپنے سینما میں بلائی ہوئی میٹنگ کو خطاب کرتے ہوئے یہی باتیں دوہرائیں کہ ہم نے تیجانیوں کی بنی مسجد گرا دی تھی جبکہ یہ نمازیں بالکل ہی علیحدہ پڑھتا ہے اور یہ فتنہ کا موجب ہے۔ دوسرے ملک سے آکر یہاں فساد برپا کرتا ہے۔ ہم کمشنر کو کہہ کر اس کو یہاں سے نکال باہر کریں گے وغیرہ۔

خاکسار اور نئی احمدیہ جماعت کے لئے یہ صورت حال پریشان کن تھی۔ بڑی دعائیں کیں ان کا

جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے کا خط حضور ایدہ اللہ کی خدمت میں بھجوایا اور دعا کی درخواست کی۔ اپنے امیر صاحب کو صورت حال سے آگاہ کیا۔ ان دنوں ہمارے امیر صاحب ایک ریجنل میٹنگ کے لئے سیرالیون جا رہے تھے۔ انہوں نے خاکسار کے خط کے جواب میں لکھا کہ اگر خدانخواستہ کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے تو آپ خاموشی سے اپنا ذاتی سامان لے کر ملکی مرکز میں آ جائیں تا کہ بعد میں دوبارہ مبلغ یہاں بھجوانے میں دقّت نہ ہو۔

یہ خط پڑھ کر پریشانی مزید ہوئی۔ مگر جوش جوانی میں (اس وقت خاکسار کی عمر چوبیس سال تھی) مَیں نے اپنے آپ سے یہ عہد کیا کہ خود تو میں یہاں سے نہیں نکلوں گا خواہ مرنا پڑے قربانی دوں گا مگر جس کام کے لئے مجھے مرکز نے بھجوایا ہے اسے ضرور پورا کروں گا۔ مخالفت نے ہماری توجہ دعا کی طرف پھیر دی اور ساتھ کے ساتھ ہم غلط فہمیوں کا ازالہ بھی مقدور بھر کرنے لگے۔ اس شخص کی میٹنگ کا خدا کے فضل سے جماعت کے خلاف کوئی اثر قائم نہ ہوا اس کے بعد اس نے خاکسار کی عدم موجودگی میں ذاتی دُشمنی کا یکطرفہ کا آغاز کر دیا اور ہمارے احمدیوں کو یہ کہہ کر ڈرانے لگا کہ اگر اس احمدی مبلغ کا بازار میں بھی میرے ساتھ ٹکراؤ ہو گیا تو میں اسے مار دوں گا اور روزانہ ہی ایسی اشتعال انگیز باتیں کرنے لگا۔ وہ بیچارے مجھے آ کر بتاتے اور نصیحت کرتے کہ اس کے پاس سے بھی نہ گذرنا ورنہ مشکل پیدا ہو جائے گی جب انہوں نے زیادہ گھبراہٹ کا اظہار کیا تو خاکسار نے انہیں کہا کہ آپ گھبرائیں نہیں کچھ نہیں ہوگا۔ ہم تو لڑنے کے لئے یہاں نہیں آئے اگر وہ ہمیں مارنا بھی شروع کر دے تو پھر بھی ہم جواب نہ دیں گے تو خود بخود شرم محسوس کر کے رک جائے گا۔ ویسے میں ایسی باتوں کو گیدڑ دھمکیاں سمجھتا ہوں اور اگر ہم ایک دوسرے کا مقابلہ شروع کر دیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں اسے بازو سے پکڑ کر ملنے نہ دوں گا آپ کو کسی صورت میں بھی گھبراہٹ نہیں کرنی چاہئے۔

انہی دنوں کی بات ہے کہ یہ موسم برسات تھا اور لوگ اپنی کاشتکاری بارش کے پانی سے کرتے تھے۔ فصلیں اگی ہوئی تھیں اور بارشوں کی شدید ضرورت تھی مگر بارش ہو نہیں رہی تھی۔ حالت ایسی خراب ہو رہی تھی کہ ان لوگوں ے اپنے طریق پر بارش کے لئے دعائیں وغیرہ مانگیں مگر بارش ہو ہی نہیں رہی تھی۔ ایک دن خاکسار کے ساتھ احمدی احباب نے اس صورت حال پر بحث کی تو خاکسار نے انہیں بتایا کہ اسلامی طریق میں تو صلوٰۃ الاستسقاء ہے یعنی بارش مانگنے کے لئے باہر میدان میں نکل کر دعا با جماعت کی جائے۔ تو

ہم کل یہ طریق اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ اعلان کر دیا گیا کہ ہم احمدی کل دس بجے نماز میدان میں پڑھنے جائیں گے۔ اس اعلان کو سن کر ایک غیر احمدی عالم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے کہ وہ بھی ہماری اقتداء میں نماز ادا کریں گے۔ گاؤں میں اس بات کا چرچا ہو گیا۔

جب ہم چند لوگ باہر میدان میں نماز پڑھنے سڑک پر سے گذر رہے تھے تو اسی مخالف رامض دیاب نے یہ تبصرہ شروع کر دیا کہ اگر احمدیوں کی دعاؤں سے بارشیں ہوتیں تو ہندوستان کیوں بھوکا مرتا۔ اس طرح کلمات کہہ کر مذاق اڑانے لگا۔

ہم نے میدان میں نماز استسقاء ادا کی اور لگے بارش کا انتظار کرنے ،مغرب ہوگئی کوئی بارش نہ ہوئی۔ عشاء ہوگئی بارش پھر بھی نہیں ہوئی۔ خاکسار کے دل میں یہ جوش اٹھا کہ اللہ میاں جب تک تو بارش نہیں بھیجے گا میں زمین پر ہی رہوں گا بستر پر نہیں لیٹوں گا اور عشاء کے بعد مصلّٰی پر ہی بیٹھا دعائیں مانگنے لگا۔ قربان جائیں اس مہربان آقا پر کہ ابھی نصف رات نہیں ہوئی تھی کہ بارش کا نزول شروع ہوا اور اس قدر بارش ہوئی کہ ہر چیز کی پیاس بجھ گئی۔ خدا کا یہ احسان جماعت کی صداقت کے لئے دعاؤں کی قبولیت کے ثبوت میں ظاہر ہوا جس کا اثر اہل جارج ٹاؤن پر بہت مثبت پڑا اور مخالفین نے ظاہر میں مخالفت کرنی چھوڑ دی۔ سوائے چند ایک کے جن میں یہ لبنانی دوست شامل تھے اور مخالفت کرتے رہے مگر ان کو سمجھانے کے لئے خداتعالیٰ نے دوسرا رخ اختیار فرمایا۔

مصرا گاؤں کا قبولیت احمدیت

ہماری جماعت کے دوست مکرم اسحاق سایئنگ صاحب ڈرائیور پیشہ تھے اور ایک ادارہ LEPROSY کے انسپکٹر صاحب کے ڈرائیور تھے اور ایم۔ آئی۔ ڈی کے ایک حصہ کے گاؤں کا دورہ کر کے ہر جگہ پر ایسے مریضوں کو ادویہ مہیا کرتے اور علاج کے لئے ادویات فراہم کرتے تھے۔ خاکسار نے ان سے درخواست کر رکھی تھی کہ جب وہ اکیلے جائیں تو خاکسار کو بھی ساتھ لے جایا کریں تا کہ جہاں وہ جائیں وہاں پر احمدیت کا پیغام پہنچا سکوں۔ خاکسار کے پاس اپنی ٹرانسپورٹ نہیں تھی اور نہ ہی پبلک ٹرانسپورٹ گاؤں میں جایا کرتی تھی اور مختلف گاؤں میں جانا بہت مشکل تھا اور پیغام ہم نے پہنچانا تھا۔ ان سے درخواست کی تھی کہ تین چار میل تو پیدل جا کر تبلیغ کرتے بھی رہتے تھے مگر دور کی جگہ نہیں جا سکتے تھے۔ ایک دن جب وہ نماز مغرب پر تشریف لائے تو انہوں نے بتایا کہ مصرا گاؤں میں ایک استاذ سعودی عرب

سے پڑھ کر آیا ہے اور اس نے وہاں ایک مدرسہ کھولا ہے وہ لوگوں کو احمدیوں کی طرح تعلیم دیتا ہے جُوجُو کے خلاف وعظ کرتا ہے۔ خاکسار نے انہیں کچھ لٹریچر عربی زبان میں دیا اور ساتھ غالباً عربی میں ایک مختصر سا خط دعوت نامہ اس استاذ صاحب کو بھجوایا کہ جب آپ دوسری دفعہ اس گاؤں جائیں تو یہ خط اور کتب انہیں دے دیں۔ چنانچہ جب وہ دوبارہ دورے پر اس گاؤں گئے تو انہوں نے میرا خط اور کتب کا تحفہ مکرم الحاج حمزہ صاحب کو دے دیا۔ انہوں نے خط پڑھ کر خوشی کا اظہار کیا اور اپنے طالب علموں کو بھی بتایا کہ انہیں جارج ٹاؤن سے کسی نے دعوت نامہ بھجوایا ہے۔ جواباً انہوں نے لکھا کہ وہ خاکسار کے پاس آئیں گے۔ خاکسار کو بڑی خوشی ہوئی کہ ایک دینی عالم ملنے آنے کے لئے تیار ہے۔ اپنی جماعت کے افراد کو اطلاع دی اور ان کی آمد کے دن کا انتظار کرنے لگے۔ چنانچہ مقررہ دن مکرم الحاج حمزہ صاحب بمعہ مکرم لامین نیابِل نمونیابِل اور ایک اور دوست کے ہمراہ سر پر عربی ٹوپی ایقال پہنے تشریف لائے۔ انہیں خوش آمدید کہا اور لوکل احباب سے ملایا۔ ان کی خوب آؤ بھگت کی۔ گفتگو باہمی دلچسپی کے امور پر ہوئی اور احمدیت کو موٹا موٹا تعارف انہیں کروایا جسے سن کو انہوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ مزید کچھ کتب کا تحفہ انہیں پیش کیا گیا۔ ان میں مکتوبات احمدیہ القول الصریح فی ظہور المھدی والمسیح تالیف لطیف حضرت مولانا نذیر احمد صاحب مبشر سابق امیر غانا پیش کی گئیں اور شام کے قریب وہ واپس مصرا کے لئے روانہ ہو گئے۔ مصرا جارج ٹاؤن سے قریباً بارہ میل کے فاصلہ پر ایک گاؤں ہے چھوٹا سا۔ انہوں نے جماعت کے بارے کچھ معلومات اپنے معتمد علیہ طلباء اور elders کو بھی بتائیں۔

چند ہفتوں کے بعد انہوں اپنے سکول میں ایک تقریب تقسیم انعامات منعقد کی۔ خاکسار کو اس میں مدعو کیا یہ پہلی دفعہ تھا۔ چنانچہ خاکسار نے تقریب میں آنحضرت صلعم کی سیرت اور سنت پر عمل پیرا ہونے کی اہمیت بیان کی جسے سامعین نے بڑی دلچسپی سے سنا اور اس کا بڑا نیک اثر ہوا۔ اس کے بعد خاکسار نے ان پر دینی توجہ مرتکز کر دی اور بار بار وہاں گیا اور عقائد احمدیت انہیں سمجھائے اور ظہور المسیح والمھدی کے بارے پیشگوئیاں بیان کیں اور انہیں قبولیت کی دعوت دی۔ مکرم الحاج صاحب کو پیشگوئیوں کا علم تھا انہوں نے خاکسار کے بیانات وتقاریر کی سامعین کے سامنے تائید کی چنانچہ لوگوں کی اکثریت نے جو ایک بڑے خاندان سے ہی تعلق رکھتے تھے بھی تصدیق کی چنانچہ شرائط بیعت پڑھ کر بھی سارے مجمع میں سنائیں اور بیعت کرنے کی دعوت دی تو اکثریت نے بیعتیں کر لیں۔ الحمدللہ

منصوبہ قتل مبلغ احمدیت

نیابلی کُٹا میں مکرم ابراہیم نیابلی صاحب کے سسرال تھے۔ انہیں ان کے احمدی ہونے پر بڑی تکلیف ہوئی اور سارے گاؤں والوں نے مشورہ کیا کہ احمدی مبلغ کو بلایا جائے کہ آؤ ہم آپ سے تبلیغ سننا چاہتے ہیں اور جب وہ آجائیں تو سب مل کر انہیں یکدم قتل کر دیں تا کہ اس طرح پر احمدیت کو پھیلنے سے مستقل طور پر روک دیا جائے۔ اس پلان کو انہوں نے بڑا خفیہ رکھا اور ہمارے لوکل مبلغ الحاج ابراہیم جکنی صاحب جو ملک کے بڑے علماء میں سے تھے اور اپنی تحقیق کے بعد احمدی ہوئے تھے۔ ان دنوں انہیں مصرا میں بھجوایا گیا تھا کہ الحاج حمزہ صاحب کے چلے جانے کے باعث تعلیم وتربیت احباب کی کریں۔ جب نیابلی کٹا کی طرف سے تبلیغ کی دعوت انہیں ملی تو انہوں نے اسے قبول کیا اور احباب مصرا کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ انہیں اھل نیابلی کٹا کی بدنیتی اور سازش کا علم نہیں تھا۔ گاؤں کے الکالی اور دیگر elders نے الحاج صاحب کو بتایا کہ تبلیغ کے لئے میٹنگ کا انعقاد گاؤں سے باہر کچھ فاصلے پر کیا ہوا ہے وہاں چلتے ہیں چنانچہ وہاں پہنچ کر سارے لوگ ایک دائرہ بنا کر بیٹھ گئے اور درمیان میں الحاج ابراہیم صاحب اور دیگر احمدیوں کے لئے جگہ بنائی گئی کہ یہاں سے خطاب کریں۔ اور گیمبیا میں یہ عمومی طریق تھا وعظ کے لئے۔ جب خطاب شروع ہوا تو لوگوں نے لاٹھیاں اور اوزار، جو قریب ہی چھپائے ہوئے تھے، پکڑنے شروع کر دیئے اور آپس میں کہنے لگے کہ ان کو ان کی تبلیغ کا مزہ چکھا دیں گے اور یہیں انہیں ختم کر دیں گے۔ ہمارے احمدی دوست وہاں سے دائرہ کو توڑ کر باہر آنے لگے۔ یہ دو تین ہی تھے تا کہ کوئی کنٹرول کی صورت بنائی جائے۔ اس طرح چند لمحوں میں صرف الحاج ابراہیم جکنی ہی دائرہ میں رہ گئے۔ انہوں نے بلند آواز میں کہا کہ تم میں سے جس کی جرأت ہے آئے اور مجھ پر جو وار کرنا چاہتا ہے کرے اور اگر نہیں کرتے تو میں یہ جا رہا ہوں۔ یہ کہہ کر آپ وہاں سے چل کر ان لوگوں کی طرف بڑھے۔ جنہوں نے دائرہ بنایا ہوا تھا کہ آپ کو قتل کر دیں مگر جوں جوں وہ آگے بڑھتے گئے۔ آگے سے لوگ ہٹ کر دوسری طرف کا رخ کرتے رہے تا آنکہ آپ وہاں سے نکل کر باہر آ گئے اور کسی کو ان پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ان کی لاٹھیاں اور تلواریں جنہیں وہاں کٹلس کہتے ہیں ان کے ہاتھوں میں ہی رہ گئے اور الحاج صاحب بمعہ تینوں احمدیوں کے محفوظ طور پر رات ایک بجے کے قریب واپس مصرا گاؤں پہنچ گئے اور خدا کا شکر بجالائے۔ جس نے انہیں موت کے پنجہ سے نجات دی۔ الحمد للہ۔

جارج ٹاؤن احمدیہ مسجد کی تعمیر

جارج ٹاؤن میں ہماری شروع میں بے انتہا مخالفت ہوتی تھی مگر آہستہ آہستہ کم ہوتی گئی اور تعمیر مشن ہاؤس تک کافی کم ہو چکی تھی۔ چنانچہ خاکسار نے اپنی امارت کے شروع میں ہی یہاں پر مسجد تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا۔ چنانچہ کرنٹنگ کے چاروں کمرے جو بہت بوسیدہ ہو چکے تھے گرا دیئے گئے اور جس کمرے میں سب سے پہلے خاکسار کی رہائش ہوتی تھی اور مسجد کا بھی کام دیتا تھا۔ اسے کچھ وسعت دے کر اس پر ایک چھوٹی مسجد کی تعمیر شروع کروائی گئی۔ اس کی بنیاد رکھتے وقت خاکسار نے یہاں کے مخالفین احمدیت کو گھر گھر پہنچ کر دعوت دی۔ چنانچہ اکثریت تقریبِ سنگ بنیاد کے وقت حاضر تھی اور ان سے بھی بنیادی اینٹیں رکھوائیں مگر ہمارے سب سے بڑے مخالف الحاج جنگنگ گر جباٹے جناٹے صاحب نہیں آئے پتہ کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس وقت ٹاؤن سے باہر تھے وہ دوپہر کے بعد خاکسار سے ملنے آئے اور معذرت کرنے لگے کہ بنیاد کے وقت وہ ٹاؤن سے باہر گئے ہوئے تھے اس لئے نہ آسکے۔ خاکسار نے موقع کی نزاکت کے پیش نظر انہیں کہا کہ کوئی بات نہیں۔ آج ہی بنیاد رکھی ہے آپ بھی ایک اینٹ لگا دیں تا کہ آپ کی بھی شرکت ہو جائے چنانچہ انہوں نے بھی ایک اینٹ دیوار میں رکھ دی اور عملی مخالفت احمدیت ختم کر دی اور یہی خاکسار کا مقصد بھی تھا ان سے اینٹ بنیاد میں رکھوانے کا۔ جب بعد میں لوگوں میں یہ خبر پھیلی تو ظاہری مخالفت بند ہو گئی اور فضا ہمدردانہ ہونے لگی۔

یہی پہلی مسجد تھی جس پر مینار تعمیر کروایا گیا تھا اور اس پر روشنی کا انتظام بھی کیا گیا۔ اس مسجد کا افتتاح خاکسار نے نماز جمعہ پڑھا کر کیا۔ ٹاؤن کے بڑے بڑے تمام غیر احمدی مخالفین بھی شامل ہوئے۔ **الحمدللہ** یہ احمدیت کی وہاں بہت بڑی فتح کا ثبوت تھا دلوں کو محبت سے جیتنے کا۔

محترم طاہر سلبی صاحب

مبلغ سلسلہ احمدیہ یو کے

انسانی زندگی

انسان کی زندگی میں عموماً ایسے چوراہے آتے ہیں۔ جہاں پہنچ کر ہمیں فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ کس سمت آگے بڑھنا ہے اور کون سے راستے پر چلنا ہے۔ بعض دفعہ ایسے احساس ہوتا کہ ہم بے مقصد زندگی کی راہوں پر بھٹک رہے ہیں اور غلط فیصلے کر کے ان کا خمیازہ بھگتتے ہیں۔ اکثر جب ہم اپنے ماضی پر نظر ڈالتے ہیں تو زندگی میں بہت سارے لمحات چمکتے نظر آتے ہیں۔ جو ہم پر اللہ تعالیٰ کے خاص فضلوں کے نشان ہیں۔ ماضی میں کچھ ایسے فیصلے بھی کئے ہوتے ہیں۔ جو موقع پر تو بے معنی لگتے ہیں لیکن بعد میں پتہ چلتا ہے کہ ان کے پیچھے اللہ کا ہاتھ تھا اور ان میں اللہ کی راہنمائی شامل تھی۔ وہ اللہ کا ہی ہاتھ ہوتا ہے جو انسان کی بہتری کے لئے ایسے دروازے اور راستے کھول دیتا ہے جن کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا۔ جب اللہ کا ہاتھ ہوتو انسان کو خود کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ وہ کس منزل کی طرف گامزن ہے بلکہ بعض دفعہ یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ شاید انتخاب صحیح نہیں تھا۔ میں انہی زندگی کے موڑوں کو جب قصور میں لاتا ہوں تو اب سمجھ آتی ہے کہ واقعی ہر موڑ پر اللہ نے اپنے خاص فضل سے میری راہنمائی کی اور اس کے اس قدر فضل ہوئے کہ میں اس کا کبھی بھی شکرادا نہیں کرسکتا۔

غیر مسلم خاندان میں پیدائش

میں ایک غیر مسلم خاندان میں پیدا ہوا تھا۔ اس ملک کے آزاد ماحول اور کلچر میں پرورش پائی اور ناممکن لگتا ہے کہ میرے جیسا انسان کبھی اسلام کی آغوش میں اپنی جوانی کے عالم میں آجائے گا۔ لیکن بالکل ایسے ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ناممکن کو ممکن بلکہ حقیقت میں بدل دیا۔ کیا یہ میرا اپنا بنایا ہوا پلان تھا۔ یقینا نہیں۔ یقیناً یہ اللہ کا بنایا ہوا پلان تھا اور اس پلان کے تحت وہ ہر موڑ پر میری راہنمائی کرتا رہا اور میں اس پلان کے مطابق آگے بڑھتا گیا تا کہ ایک دن میں اللہ کے خادموں میں شامل ہوسکوں۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آج میں جو کچھ ہوں یہ

محض اللہ کے خاص فضل سے ہوں اور اس نے ہر قدم پر میری راہنمائی کی۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہوں گا کہ میں مسلمان کیسے ہوا اور پھر واقف زندگی اور اللہ کا پلان میری زندگی میں کیسے پورا ہوا۔ میں اللہ کے ہاتھ میں ایک بے حقیقت کٹھ پتلی کی طرح تھا اور اس سے بے خبر کہ اللہ کا میرے بارے میں کیا منشاء ہے۔

قبول احمدیت

میں نے ۱۹۸۳ء میں بیعت کی تھی۔ اس سے قبل تین سال تک اسلام کے بارے میں مطالعہ کیا اور اس کی تعلیم پر عمل کی کوشش بھی کی۔ لیکن جب یہ سوچتا ہوں کہ میں مسلمان کیسے ہوا تو میری حیرت کی انتہا نہیں رہتی۔ مجھے مطالعہ کا بالکل شوق نہیں تھا اور مذہب سے میرا دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ اگر کبھی کوئی مجھ سے مذہب کی بات کرتا تو میں وہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کرتا۔ تاہم اسلام کے بارے میں جو عام خیالات تھے اور مغرب میں جہالت کی وجہ سے جو غلط فہمیاں تھیں ان سے میں واقف تھا۔ مثلاً زبردستی کی شادیاں، سؤر کا گوشت نہ کھانے کا حکم، مرد وخواتین اختلاط پر پابندی اور منفی اشیاء کی تعلیم۔ ایک دن ایک مسلمان کے ساتھ سرسری گفتگو کے دوران میں نے ان سے ان امور پر استفسار کیا لیکن انہوں نے بجائے از خود جوابات دینے کے مجھے ایک کتاب مطالعہ کے لئے دے دی جس میں میرے سوالات کے جوابات موجود تھے۔ یہ کتاب ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' تھی۔ احتراماً میں نے ان سے یہ کتاب لے لی اس خیال سے کہ کسی وقت چند صفحات پڑھ لوں گا اور کتاب واپس کر دوں گا اور ان سے یہ کہہ دوں گا کہ میں نے ساری کتاب پڑھ لی ہے لیکن جب میں نے وہ کتاب پڑھنی شروع کی تو بے دلی کی کیفیت تھی لیکن جب میں اس باب پر پہنچا جس میں انسان کی تین حالتوں کا ذکر ہے۔ تو مجھے احساس ہوا کہ میں ان میں سے کم ترین حالت کا شکار ہوں۔ یعنی نفسِ امارہ کی حالت۔ مجھے کتاب میں اپنی ہی حالت کو پڑھ کر دکھ ہوا کہ میں انسانیت کے کم ترین درجے پر ہوں۔ مجھے چونکہ مطالعہ کی عادت نہیں تھی اس لئے کتاب اٹھا کر رکھ دی کہ پھر کسی وقت مزید پڑھ لوں گا۔ اس طرح کچھ عرصہ گزر گیا اور پھر ایک دن میں نے وہ کتاب پڑھنے کے لئے اٹھا لی۔ اپنی حالت کے بارے میں جو پہلے پڑھا تھا۔ اس سے اس کتاب میں کچھ دلچسپی تو پیدا ہو چکی تھی اور اب جب دوبارہ مطالعہ شروع کیا تو شوق بڑھ گیا اور تھوڑا تھوڑا کر کے میں نے ساری کتاب پڑھ لی۔ اور میں نے اپنے دوست سے اسلام پر مزید کتب مانگیں۔ جوں جوں اسلام کے بارے میں معلومات میں اضافہ ہوا مجھے اسلامی طریقہ عبادت سیکھنے کا شوق پیدا ہوا اور میں نے اپنے دوست سے کہا

کہ وہ مجھے عبادت کا طریق بتائے۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ خدا سے تو تعلق بنانے کا بہتر نیا طریقہ کیا ہے۔ اس نے مجھے پھر ایک اور کتاب لا کر دے دی جو صلوٰۃ کے بارے میں تھی اور اس میں تصویروں سے نماز کا طریق سمجھایا ہوا تھا۔ نماز کی کتاب ہاتھ میں لے کر اس میں سے انگریزی والا حصہ پڑھتا جاتا تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ میں نے عربی کے الفاظ بھی سیکھ لئے اور نماز عربی میں ادا کرنا شروع کر دی۔ میں اپنی زندگی کے اہم مقصد کو جاننا چاہتا تھا اور اللہ کو راضی کرنا چاہتا تھا۔ جب رمضان آیا میں نے روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ پہلے عشرہ کے بعد میری والدہ فکرمند ہو گئی اور مجھے روزے چھوڑ دینے کے لئے کہا۔ والدہ کی خوشی کے لئے میں نے دوسرے عشرہ میں روزے نہ رکھے۔ لیکن پھر شروع کر دیئے اور پھر والدہ کے اصرار پر چھوڑ دیئے۔ اس طرح قریباً آدھا رمضان میں روزے رکھ سکا۔ اگلے سال پھر اسی طرح ہوا۔ میرا دوست مجھے توجہ دلاتا رہتا تھا کہ میری سمجھ سے یہ چیز بالا تھی کہ غائب کو حاضر پر کیسے ترجیح دی جا سکتی ہے۔ یہ بات سمجھانے کے لئے اللہ نے مجھے ایک آزمائش میں ڈالا اور ہر وہ چیز جس کو میں اللہ پر ترجیح دیتا تھا وہ میرے ہاتھ سے نکل جاتی تھی اور پھر اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ ردعمل کیا ہوتا ہے۔ میرے عزیز اور میرے پیارے، میرے والد اور میری دادی وفات پا گئے اور میری کار ناکارہ ہو گئی لیکن اس پر بجائے خدا سے شکوہ کرنے کے میں نے خدا کی طرف رجوع کیا اور اللہ سے ہمت اور طاقت چاہی۔ لیکن پھر بھی ایک وجود تھا جس کو میں اللہ پر ترجیح دیتا تھا اور وہ میری دوست تھی۔ لیکن پھر ہم ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور دوستی ختم ہو گئی۔ اس پر بھی میں نے اللہ کی طرف رجوع کیا اور اللہ سے مدد اور ہمت چاہی۔ اس طرح مجھے یہ احساس ہوا کہ اب میں ہر رنگ میں اللہ کو ترجیح دے رہا ہوں اور میرے اور اللہ کے درمیان اور کچھ حائل نہیں ہے اور مجھے یہ بھی احساس ہوا کہ میں واقعی مسلمان ہو گیا ہوں لیکن ابھی بھی ایک مسئلہ باقی تھا اور وہ یہ کہ میرا دوسرے مسلمانوں یا کسی مسجد سے کوئی تعلق نہ تھا اور یہ فکر بھی تھا کہ نامعلوم ان کا ردعمل کیا ہوگا۔ میں ایک سفید فام شخص تھا اور میں پیدائشی مسلمان نہیں تھا۔ یہ میرے ذہن پر بوجھ تھا اور میں نے فیصلہ کیا کہ میں کسی مسجد میں جاؤں اور دیکھوں کہ لوگ کس رویہ سے پیش آتے ہیں اور قبول بھی کرتے ہیں یا نہیں۔

فرقہ بازی سے نفرت

شروع میں دوسروں کی طرح میرا بھی یہی عقیدہ تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد ہے اور مساوات ہے اور اسلام میں کوئی فرقہ بازی نہیں ہے۔ لیکن جیسے جیسے میرے علم میں اضافہ ہوا۔ مجھے پتہ چلا کہ بہت سارے

اختلافات ہیں خاص طور پر مسیح موعود علیہ السلام کے بارے میں نفرت کے جذبات۔ میں صرف ایک اچھا مسلمان بننا چاہتا تھا۔ مجھے کسی فرقے کے ساتھ تعلق کی حاجت نہ تھی۔لیکن اگر کسی فرقے کے ساتھ شامل ہونا ضروری ہوا تو میں فرقہ احمدیہ کے ساتھ شامل ہوں گا۔ مجھے تسلی تھی کہ مسیح موعود علیہ السلام سچے ہیں اور آپ کے اقوال اور تعلیم میں مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آئی جو اسلام کی تعلیم کے مطابق نہ ہو۔اس وجہ سے میں نے اپنے آپ کو احمدی مسلمان سمجھنا شروع کر دیا لیکن میرا کسی احمدی جماعت کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں تھا۔ مجھے یاد ہے کہ یونیورسٹی کی تعلیم مکمل کرنے پر میرے بھائی نے جب تک اسے کوئی مناسب ملازمت نہ مل سکی۔ بطور سکیورٹی گارڈ کام شروع کر دیا۔ ایک وقت میں وہ ایرانی یونیورسٹی میں سکیورٹی گارڈ تھا یہ یونیورسٹی کا گھیراؤ ہونے سے پہلے کی بات ہے۔ جب ایرانیوں کو پتہ چلا کہ اس کا بھائی مسلمان ہے تو انہوں نے اس سے مؤدبانہ سلوک کیا۔انہوں نے اس کو چند کتابیں میرے مطالعہ کے لئے دیں تا وہ مجھے احمدیت سے دور کر سکیں اور اپنے راستے پر ڈال سکیں۔

مسجد فضل لنڈن میں جمعہ کی ادائیگی

بالآخر ۱۹۸۳ء میں میں نے فیصلہ کیا کہ میں کسی مسجد میں جانا شروع کروں۔ اس بارہ میں میں نے اپنے چند دوستوں سے مشورہ کیا اور انہوں نے میرے ساتھ جانے کے لئے رضامندی کا اظہار کیا لیکن میں نے سوچا کہ یہ کام میں خود ہی کروں۔ رمضان آیا اور اس مرتبہ میں نے فیصلہ کیا کہ میں سارے روزے رکھوں اور کسی مسجد میں جانا شروع کروں۔لیکن سارا رمضان گزر گیا اور بدقسمتی سے میں سُستی کی وجہ سے نہ جاسکا۔فیصلہ کیا۔ان دنوں میں میں مادہ پرست انسان تھا اور ایک دن بغیر معاوضہ کے چھٹی لینا آسان کام نہیں تھا۔ چونکہ چھٹی بغیر پیسوں کے تھی اس لئے یہ بات مسجد جانے کے لئے محرک ثابت ہوئی۔عید والے دن میں کار میں مسجد فضل لندن گیا۔وہاں کار باہر پارک کی اور ٹھہر گیا کہ کوئی مجھے اندر ساتھ لے جائے لیکن بہت لوگ اندر جا رہے تھے۔ میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا اور مسجد کے اندر داخل ہو کر بیٹھ گیا۔ مسجد بھری ہوئی تھی اور میں قریباً آخری فرد تھا۔ شیخ مبارک احمد صاحب مسجد فضل لندن کے امام تھے اور انہوں نے خطبہ انگریزی میں دیا جس کے لئے میں بہت شکر گزار رہا۔نماز کے بعد میرے کندھے پر کسی نے ہاتھ رکھا غالباً وہ ندیم ونڈرمن صاحب تھے۔ وہ مجھ سے مخاطب ہوئے اور پھر انہوں نے میرا تعارف امام صاحب اور چند اور لوگوں سے کرایا۔ جیسے ہی میں مسجد کے باہر آیا میں نے سینکڑوں لوگوں کا ہجوم دیکھا اور حیران

ہو گیا کہ یہ سب کہاں سے آ گئے۔ مجھے پتہ نہیں تھا کہ مسجد کے علاوہ ایک ہال بھی ہے اور ایک شامیانہ بھی لگا ہوا ہے ان سب کے لئے جو مسجد میں نہیں سما سکتے تھے۔ ندیم ملک صاحب، مبشر گلزار صاحب اور ندیم ونڈ رمن صاحب نے مجھے ہال اور دفاتر وغیرہ دکھائے۔ بہت سارے لوگوں سے ملایا اور ساتھ ہی بہت ساری کتابیں دے دیں۔ میرے لئے یہ ایک عظیم الشان دن تھا اور مجھے پہلی بار احساس ہوا کہ میں اب واقعی مسلمان بن گیا ہوں۔

میں پہلے سے ہی اس کشمکش میں سے گزر چکا تھا کہ خدا کا رتبہ اور مقام ہر چیز سے بالاتر ہے اور یہ یقین میری روحانی ترقی کے لئے بے حد مفید ثابت ہوا اور اس طرح تیزی سے میرا قدم روحانیت کی طرف بڑھتا گیا۔

ساؤتھ ہال مسجد سے رابطہ

میں نے باقاعدہ ساؤتھ ہال مسجد جانا شروع کر دیا اور وہاں اکثر میری ملاقات مرحوم حامد صاحب آف سلاؤ جماعت سے ہو جاتی تھی۔ اس زمانے کی دلکش یادیں میرے ذہن میں ابھی تک تازہ ہیں۔ نماز کے بعد ہم لوگ مل کر بیٹھا کرتے تھے ایک ہوٹل میں کافی پینے کے لئے اور دوست مجھے جلسہ سالانہ جو پاکستان میں ہوتا تھا اس کے بارے میں بتاتے تھے اور میں بہت دلچسپی سے ان کی باتیں سنتا تھا اور ان سے محظوظ ہوتا تھا۔ یہ دوست مجھے جلسہ پر جانے کی تحریک کرتے رہتے تھے۔ لیکن اس سال میں تفریح کے لئے ٹیونیسیاء کا چکر لگا چکا تھا اور ایک سال قبل میں کینیڈا گیا تھا اس لئے مزید اخراجات سفر کا حامل نہ ہو سکتا تھا۔ لیکن اس سال دسمبر میں غیر از قیاس مجھے میرے والد کے ترکہ میں سے وہ حصہ وراثت ملا۔ ہماری فیملی کو اس کی بالکل توقع نہ تھی لیکن وکیل نے بتایا کہ میرے والد کی پنشن کی کچھ رقم باقی تھی۔ جب یہ رقم مجھے ملی تو میں نے اپنے محترم دوست سلیمان طارق آف ساؤتھ ہال جماعت کو اس کا بتایا اور کہا کہ افسوس کہ یہ رقم لیٹ ملی ہے ورنہ میں جلسہ میں شامل ہونے کے لئے چلا جاتا۔ اس نے کہا کہ یہ کوئی مسئلہ نہیں ہے اور اگر میں واقعی جانے کی خواہش رکھتا ہوں تو وہ میرے لئے سفر کا انتظام کر دے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور جلدی جلدی سارے انتظام ہو گئے اور میں ۱۹۸۳ء کے جلسہ میں شامل ہو سکا۔ طارق صاحب بھی میرے ساتھ گئے۔ قادیان کے جلسے کے لئے ہم لیٹ تھے لیکن ربوہ میں انگلستان کے احمدی دوست جو مجھے جانتے تھے مجھے دیکھ کر بہت حیران بھی ہوئے اور خوش بھی کیونکہ کسی کو بھی میرے اس پروگرام کا علم نہ تھا۔ سب کو یہی پتہ تھا کہ میرے پاس سفر کے لئے اخراجات کی گنجائش نہیں ہے۔

جلسہ سالانہ ربوہ میں شمولیت

الحمدللہ وہ ایک حیرت انگریز تجربہ تھا اور ربوہ میں قیام کے دوران سلیمان طارق صاحب نے مرحوم فعاد کانو صاحب سے میرا تعارف کرایا۔ وہ ان دنوں سیرالیون سے جامعہ احمدیہ میں تعلیم اور مبلغ بننے کے لئے ربوہ آئے ہوئے تھے۔

میں نے جامعہ کے بارہ میں سنا ہوا تھا لیکن اس کی طرف میں نے خاص توجہ نہیں دی تھی۔ فواد صاحب نے بہت سارے جامعہ میں تعلیم وتربیت پانے والے مبلغین سے میرا تعارف کرایا۔ یہ لوگ دنیا کے مختلف اطراف سے آئے ہوئے تھے۔ اس جلسہ کے بعد زندگی وقف کرنے کا خیال میرے ذہن میں آنے لگا اور بالآخر یہ خیال میرے دل و دماغ پر چھا گیا۔ لہٰذا میں نے اس بارہ میں معلومات حاصل کرنا شروع کردیں کہ میں اس مبارک پیشہ میں کیسے داخل ہوسکتا ہوں۔

خدمت دین کی خواہش

میں زندگی کے ایک اہم موڑ پر تھا۔ اب اپنی ملازمت میں میرا دل نہیں لگتا تھا۔ صرف اس لئے کام کرتا تھا کہ اس کے بغیر گزارہ ممکن نہیں تھا۔ میں اپنا پیشہ بدلنا چاہتا تھا۔ میں نے انسانیت کی خدمت کے لئے پیار پالیا تھا۔ ایک مسلمان ہوکر میری ساری خوشیاں میرے مذہب کے ساتھ وابستہ ہوگئیں۔ جماعت کے ساتھ وابستہ ہوگئیں اور میں اللہ کو خوش کرنے کے ذرائع کی تلاش میں رہتا۔ پھر میں نے اپنی اس تمنا کو پورا کرنے کے لئے دین اور دنیا کو ملانے کی کوشش لیکن سوچ وبچار کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ دنیا میں سب سے زیادہ چاہت مجھے دین کی خدمت کی ہے۔ یہی میری زندگی کا مقصد ہے۔ لہٰذا میں نے اپنی زندگی وقف کردی اور ربوہ مبلغ بننے کے لئے تعلیم وتربیت کے لئے چلا گیا۔

جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخلہ

میں جب اپنی زندگی کا جائزہ لیتا ہوں تو یہی نظر آتا ہے کہ واقعات جو پیش آئے۔ لوگ جن سے واسطہ پڑا۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ایک ڈیزائن کے تحت ہوا۔ پھر جلسہ سالانہ ربوہ میں شرکت کے لئے جانا اور وہاں جامعہ میں زیر تعلیم وتربیت مبلغین سے ملنا سب اللہ کے کام تھے اور پھر اس کے نتیجہ میں میرے دل میں اسلام کی خدمت کا ایک ولولہ پیدا ہونا اور مبلغ بننے کی شدید خواہش بھی مقدر میں تھا۔ ۱۹۸۳ء کا جلسہ

سالانہ پاکستان میں ہونے والا آخری جلسہ تھا۔ وہاں اس کے بعد جلسہ نہیں ہوا۔ اگر اس سال مجھے جلسہ پر جانے کا موقع نہ ملتا اور میری جامعہ کے طلباء سے وہاں ملاقات نہ ہوتی تو آج تک میں اس ایمان افروز اور ولولہ انگیز تجربہ سے محروم رہتا۔

اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کا شامل ہونا

آخر میں یہ کہوں گا کہ قارئین کو شاید لگے کہ میں نے آسانی اور سہولت سے زندگی کا یہ راستہ منتخب کر لیا تھا۔ اس میں کوئی مشکل یا دشواری پیش نہیں آئی۔ بعض لوگوں کی نظر میں ایسے اتفاقی واقعات بھی ہو جاتے ہیں جن سے انسان کی زندگی کا رخ پلٹ جاتا ہے۔ اگر کوئی ایک واقعہ ہوتا تو شاید میں انہیں زندگی کے بارے میں بھی یہی کہہ سکتا۔ لیکن میری زندگی میں واقعات کی جو زنجیر ظاہر ہوئی۔ اس میں یقیناً اللہ کا ہاتھ تھا۔ اس کی حفاظت وراہنمائی، تائید اور نصرت شامل حال رہی اور مجھے آج بحیثیت مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ کا کام کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔ میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ کس طرح اِس نے اعجازی رنگ میں میری راہنمائی کی اور مجھے اندھیرے سے اُجالے میں لے آیا اور زندگی وقف کر کے خدمت اسلام کا یہ سنہری موقعہ عطا کیا۔ **الحمدللہ رب العٰلمین۔**

محترم نصیر احمد قمر صاحب

ایڈیٹر ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل و ایڈیشنل وکیل الاشاعت۔لندن

خاکسار کے والد محترم بشیر احمد صاحب قمر خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ واقف زندگی تھے۔آپ کو ایک لمبا عرصہ پاکستان کی مختلف شہری و دیہاتی جماعتوں میں بطور مربی سلسلہ خدمت کی توفیق ملی۔ اسی طرح غانا (مغربی افریقہ) میں کم وبیش نو سال تک اور فجی میں تین سال تک بطور مبلغ کام کرنے کی سعادت نصیب ہوئی۔فجی میں آپ امیر ومشنری انچارج بھی رہے۔ بعد میں آپ بطور ایڈیشنل ناظر اصلاح وارشاد تعلیم القرآن ووقف عارضی صدر انجمن احمدیہ ربوہ فرائض انجام دیتے رہے۔آپ کے سات بچوں (تین بیٹوں اور چار بیٹیوں) میں خاکسار سب سے بڑا ہے۔اللہ کے فضل سے سب شادی شدہ اوراپنے گھروں میں آباد ہیں۔

والدین کی دعائیں اور تربیت

یہ اللہ تعالیٰ کا مجھ پر فضل اور احسان ہے کہ میری پیدائش ایک ایسے گھرانے میں ہوئی جو وقف کی دولت سے مالا مال تھا اور پھر اس نے مجھے بھی زندگی وقف کرنے کی سعادت اور توفیق عطا فرمائی۔ میرے وقف زندگی میں یقیناً میرے محترم والدین کی دعاؤں اور تربیت کا بڑا دخل ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ میں نے دین کے لئے زندگی وقف کرنے کا عہد خود اس وقت کیا جب میری عمر چار یا پانچ سال تھی۔ میرے والد صاحب ان دنوں بدوملہی (ضلع سیالکوٹ) میں مربی تھے اور تین سال بعد جب آپ کی ٹرانسفر مرکز کے حکم سے کسی دوسری جگہ ہوئی تو جماعت کے بہت سے احباب والد صاحب کو الوداع کہنے کے لئے ریلوے اسٹیشن پر موجود تھے۔جیسا کہ بچے سفر سے خوش ہوتے ہیں میں بھی بہت خوش تھا کہ آج ٹرین پر بیٹھ کر جھولے لیں گے اور ربوہ کے قریب احمد نگر میں اپنے ننھیال میں جائیں گے۔جب ریل گاڑی کے پہنچنے کا وقت قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ احباب جماعت میرے والد صاحب سے گلے مل کر بڑی محبت کے ساتھ الوداع کہہ رہے ہیں۔ان میں سے بعض کی آنکھوں میں آنسو تھے۔الوداعی کلمات کہتے ہوئے ان کی آوازیں گلوگیر تھیں اور وہ شدت جذبات سے رو رہے تھے۔میرے لئے یہ منظر بڑا حیران کن

تھا۔ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ بھلا رونے کا یہ کون سا موقع ہے؟ مجھے آج بھی خوب اچھی طرح وہ نظارہ یاد ہے اور وہ مکالمہ بھی جو میرے اور والد صاحب کے درمیان ہوا۔ میں نے اپنے والد محترم سے مخاطب ہوتے ہوئے پوچھا کہ ابّی جان! یہ کیوں رو رہے ہیں؟ اس پر والد صاحب نے جو جواب دیا وہ بہت ہی جامع اور اثر انگیز تھا۔ آپ نے کہا: بیٹا میں مربی ہوں ناں! میں نے اپنی زندگی دین کے لئے وقف کی ہے۔ خلیفۂ وقت کے حکم سے میں یہاں قریباً تین سال رہا ہوں۔ اس دوران لوگوں سے محبت اور پیار کا ایک تعلق قائم ہوا ہے۔ اب میری یہاں سے ٹرانسفر ہوئی ہے۔ یہ لوگ مجھے الوداع کرنے کے لئے آئے ہیں اور اپنی محبت کے اظہار میں ایسا کر رہے ہیں کہ میں انہیں کیوں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ لیکن مجھے تو جو حضرت خلیفۃ المسیح کا حکم ہے میں نے اس کی تعمیل کرنی ہے‘‘۔ والد محترم کا یہ جواب اور ان کا پیار بھرا نصیحت آمیز انداز میرے دل میں اتر گیا۔ میرے دماغ میں بجلی کے کوندے کی طرح یہ خیال گزرا کہ ایک مربی کی اتنی عزت کہ اگر کسی جگہ سے اس کی تبدیلی ہو تو لوگ اس کی جدائی کو محسوس کریں اور اسے اس قدر محبت اور آنسوؤں سے رخصت کریں۔ اور اس کے ساتھ ہی میں نے والد محترم سے کہا کہ ’’ابی جان! بڑا ہو کر میں بھی مربی بنوں گا‘‘۔ آج جو میں ماضی کے جھروکوں سے اس سارے نظارہ کو اپنے سامنے لاتا ہوں تو میرا دل مسّرت سے جھوم اٹھتا ہے کہ وہ گھڑی میرے لئے کیسی مبارک تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل وکرم سے دین کے لئے زندگی وقف کرنے کا مقدس خیال میرے دل و دماغ میں ڈالا اور اس کے ساتھ ہی میرے دل سے اپنے پیارے والدین کے لئے بھی بے انتہا دعائیں پھوٹتی ہیں۔ **رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا**۔ مجھے یقین ہے کہ والد محترم اس وقت میرے اس جواب سے بہت خوش ہوئے ہوں گے اور انہوں نے بطور خاص میرے لئے دعائیں کی ہوں گی۔ اس کے بعد بھی انہوں نے اپنی محبت بھری دعاؤں اور پُرحکمت نصائح اور حسن تدبیر سے ہر طرح کوشش کی کہ میرے دل میں دین سے اور خلافت سے محبت اور اطاعت کا جذبہ پروان چڑھے۔ آپ گاہے گاہے مجھے یاد بھی دلاتے رہے کہ تم نے چار پانچ سال کی عمر میں زندگی وقف کرنے کا عہد باندھا تھا۔ یہ میرے محترم والدین کی دعاؤں کا ہی ثمرہ ہے کہ اس عاجز کو زندگی وقف کرنے کی توفیق نصیب ہوئی۔ خدا کرے کہ وقف زندگی کا یہ فیض ہمیشہ ہماری نسلوں میں جاری رہے اور ہم اور ہماری نسلیں خلافت احمدیہ سے کامل وابستگی اور صدق اور اخلاص اور وفا کے تعلق میں مستحکم تر ہوتے ہوئے وقف کی برکات سے حصہ پاتے رہیں۔

جامعہ احمدیہ میں داخلہ

جب میں نے اللہ کے فضل سے ۱۹۷۱ء میں میٹرک کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں اچھے نمبروں سے پاس کیا تو میرے ایک ماموں جان نے جو ہمیشہ ہی مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں یہ تجویز دی کہ تم بجائے جامعہ میں جانے کے میڈیکل کی تعلیم حاصل کر کے ڈاکٹر بن کر پھر وقف کرو اور یہ کہ ڈاکٹری کی تعلیم کے اخراجات کے سلسلہ میں وہ ہر ممکن مدد کریں گے۔لیکن مربیّ بننے کے میرے مضبوط ارادہ کو دیکھ کر انہوں نے یہ تجویز بھی دی کہ اگر ضرور جامعہ میں ہی جانا ہے تو پھر کم از کم پہلے بی اے کر لو۔شاید ان کی یہ تجویز اس خیال سے تھی کہ اس طرح بطور مبلغ بیرون پاکستان بھی خدمت کے مواقع مل سکتے ہیں۔خاکسار کے والد محترم نے ان تجاویز پر مجھے کہا کہ جہاں تک میڈیکل کی تعلیم حاصل کرنے کا تعلق ہے تو میرے موجودہ وسائل اس کے اخراجات کے متحمل نہیں اور کسی سے مالی مدد مانگنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔تاہم اگر تمہارا ارادہ ضرور ڈاکٹر بننے کا ہی ہو تو جو کچھ میرے بس میں ہے وہ کروں گا۔اور جہاں تک اس خیال کا تعلق ہے کہ شاید بی اے کر کے انسان زیادہ خدمت دین کر سکتا ہے تو یہ بھی کوئی ضروری نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک میٹرک کی تعلیم والے سے بی اے کی ڈگری رکھنے والے سے بھی زیادہ کام لے سکتا ہے۔پھر بعض دفعہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ڈگریاں ایک بُت بن جایا کرتی ہیں اور یہ چیز دوبارہ جامعہ میں داخل ہونے سے محروم بھی کر سکتی ہے۔باقی اگر خدا چاہے تو جامعہ میں جانے کے بعد جماعت کی اجازت سے بی اے بھی کیا جا سکتا ہے۔لیکن بہر حال فیصلہ تم نے کرنا ہے۔دعا کر کے فیصلہ کرو۔پھر خود ہی اس مسئلہ کا حل یہ نکالا کہ تم سارا معاملہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی خدمت میں لکھ کر حضورؒ سے راہنمائی چاہو کہ میٹرک میں میرے اتنے نمبر آئے ہیں۔میرا ارادہ وقف زندگی کا ہے۔بعض اعزّہ کا مشورہ ہے کہ پہلے ڈاکٹری تعلیم حاصل کی جائے یا بی اے کرنے کے بعد جامعہ میں داخل ہوا جائے۔حضور کا جو بھی ارشاد ہوگا اس کے مطابق عمل کروں گا۔میری درخواست پر والد محترم نے ایک بالکل سادہ سے رف کاغذ پر مجھے اس مضمون کا خط ڈرافٹ کر دیا اور کہا کہ خود ڈرافٹ کر دیا اور کہا کہ خود اپنے ہاتھ سے صاف کاغذ پر خط لکھو۔چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔اس پر حضور رحمہ اللہ کے دفتر سے جواب آیا کہ حضور نے فرمایا ہے کہ اگر وقف ہیں تو جامعہ میں آئیں میری اس نصیحت کو سنبھال کر رکھیں۔چنانچہ میں نے وکالت دیوان تحریک جدید میں جامعہ احمدیہ ربوہ میں داخلہ کے لئے درخواست دے دی۔

ان دنوں جب میں وکالت دیوان میں انٹرویو کے لئے اپنے والد محترم کے ساتھ ربوہ میں تھا۔ ایک شام مغرب کے بعد ہم دونوں گولبازار ربوہ میں دواخانہ خدمت خلق کے سامنے سے گزر رہے تھے کہ ہمارے ایک عزیز سامنے سے آتے ہوئے ہمیں ملے۔ علیک سلیک کے بعد انہوں نے والد صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے پوچھا کہ ''نصیر کا کیا سوچا ہے''؟ والد صاحب نے کہا کہ جامعہ میں جا رہا ہے۔ اس پر وہ کہنے لگے ''خود تو ڈوبے ہیں صنم اولاد کو بھی لے ڈوبیں گے''۔ والد صاحب کو ان کی یہ بات سخت ناگوار گزری اور جلدی سے اپنا ہاتھ ان سے چھڑاتے ہوئے کہا کہ ''ہم کیا ڈوبے ہیں''؟ اور ساتھ ہی تیزی سے آگے بڑھ گئے۔ چند قدم آگے جا کر مجھے فرمانے لگے: ''بیٹا! یہ بھی شیطانی حملے ہوتے ہیں۔ ہم کیا ڈوبے ہیں؟ اللہ کے ہم پر بڑے فضل ہیں''۔ میں نے پورے اعتماد سے کہا۔ ''آپ فکر نہ کریں میں اس بات کو سمجھتا ہوں۔ انہوں نے بہت غلط بات کی ہے۔ اللہ کے فضل سے میں ایسی باتوں میں آنے والا نہیں''۔ (اس جگہ ضمناً یہ ذکر کرنا شاید مناسب ہو کہ ہمارے یہ عزیز ایک لمبے عرصہ تک جو کئی سال تک پھیلا ہوا ہے اپنی ملازمت کے سلسلہ میں مختلف مقدمات اور دنیاداری کے معاملات میں شدید پریشانیوں میں مبتلا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے)۔ الغرض اگلے روز وکالت دیوان میں انٹرویو دیا۔ پھر جامعہ میں انٹرویو ہوا اور داخلہ ملنے پر تعلیم کا آغاز ہوا۔

جامعہ احمدیہ میں بطور اُستاد تقرری

جامعہ میں تعلیم کے دوران بزرگ اُساتذہ کی پُرشفقت راہنمائی، حوصلہ افزائی اور محنتوں اور دعاؤں کے طفیل اچھے نمبروں سے کلاس میں پوزیشن حاصل ہوتی رہی اور مختلف علمی وورزشی مقابلہ جات میں بھی نمایاں پوزیشن حاصل کرنے کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ جامعہ میں تعلیم کے دوران ہی مجلس عاملہ اطفال الاحمدیہ مرکزیہ ربوہ (پاکستان) میں بطور سیکرٹری اور نائب مہتمم اطفال اور بعد میں مجلس عاملہ خدام الاحمدیہ مرکزیہ میں بطور مہتمم کام کرنے کے علاوہ رسالہ تشحیذ الاذہان میں پہلے معاون مدیر، پھر نائب مدیر اور بعد میں مدیر کی حیثیت سے ایک لمبا عرصہ (کم وبیش چودہ سال) تک خدمت کی توفیق نصیب ہوئی۔ جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے ساتھ ہی میری تقرری جامعہ میں ہی بطور استاد ہوگئی۔ چنانچہ ۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۵ء تک قرآن مجید اور تفسیر کا مضمون پڑھانے کی سعادت ملی۔ ۱۹۷۴ء میں جب پاکستان کی قومی اسمبلی میں احمدیہ مسئلہ پر بحث ہو رہی تھی تو خلافت لائبریری ربوہ میں حوالہ جات کی تلاش اور ضروری مواد

کی فراہمی کے لئے جو ٹیم کام کر رہی تھی اس میں یہ عاجز بھی شامل تھا۔ پھر ۱۹۸۴ء میں پاکستان کے فوجی آمر جنرل ضیاء الحق کے جماعت کے خلاف نہایت ظالمانہ آرڈی نینس کے خلاف جب جماعت کے بعض افراد کی طرف سے لاہور میں قائم حکومت پاکستان کی مبینہ شرعی کورٹ میں مقدمہ دائر کیا گیا کہ یہ حکومتی آرڈی نینس شریعت اسلامیہ کے منافی اور اس سے تصادم ہے۔ اس وقت وکلاء کی مدد کے لئے جس پینل کو لاہور میں رہ کر حوالہ جات کی تخریج اور ضروری مواد کی فراہمی کے سلسلہ میں کام کرنے کی سعادت ملی اس کا ایک ادنیٰ رکن یہ خاکسار بھی تھا۔

فاضل عربی کے امتحان میں گولڈ میڈل حاصل کرنا

خلفائے مسیح موعودؑ کی دعاؤں اور روحانی توجہات کے طفیل اللہ تعالیٰ نے اس عاجز، نالائق، کمزور اور گنہگار پر بڑے فضل فرمائے ہیں اور بڑی سعادتوں اور برکتوں سے نوازا ہے۔ جب میں نے سرگودہا بورڈ سے فاضل عربی کا امتحان دیا تو ان دنوں روزانہ سرگودھا سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (رحمہ اللہ) کی خدمت اقدس میں ایک خط پوسٹ کرتا تھا جس میں دیئے گئے پرچہ کی کیفیت بیان کرنے کے بعد اگلے پرچہ کے لئے دعا کی خاص طور پر درخواست ہوتی تھی۔ ایک روز بڑے زور سے دل میں یہ خیال آیا اور میں نے حضور کی خدمت میں لکھ دیا کہ حضور دعا کریں میں بورڈ میں فاضل عربی کے امتحان میں اول آؤں۔ گو میری تیاری کوئی خاص نہ تھی لیکن خلیفۂ وقت کی دعاؤں کے فیض سے ایسا ہی ہوا اور میں پورے بورڈ میں فاضل عربی کے امتحان میں اوّل رہا۔ بورڈ والوں نے اس وجہ سے کہ میں احمدی تھا اور ربوہ سے تھا میرا گولڈ میڈل بورڈ کے زیر اہتمام ہونے والی ایوارڈز کی تقسیم کی تقریب میں دینے کی بجائے بذریعہ پوسٹ مجھے بھجوا دیا۔ میں نے اپنے پرنسپل محترم ملک سیف الرحمان صاحب کے توسط سے حضرت خلیفۃ المسیح الثالث (رحمہ اللہ) کی خدمت میں درخواست کی کہ اگر حضور انور از راہ شفقت یہ میڈل اپنے دست مبارک سے مجھے پہنا دیں تو میرے لئے یہ امر بے حد باعث مسرت وسعادت ہوگا۔ حضور (رحمہ اللہ) نے اس عاجز کی درخواست کو شرف قبولیت بخشا اور خاکسار اپنے والد محترم اور مکرم پرنسپل صاحب کے ہمراہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور نے کمال شفقت ومحبت سے یہ گولڈ میڈل میرے گلے میں ڈالا۔ اس موقع کی یادگار تصاویر بھی میرے پاس محفوظ ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ سے ملاقات کا شرف

۱۹۷۸ء میں جب میں نے شاہد کا امتحان پاس کیا تو ہمارے پرنسپل محترم ملک سیف الرحمان صاحب نے ساری کلاس کی حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے ساتھ ملاقات کا انتظام کیا۔ ہم سب طلباء فرش پر بچھی دری پر ترتیب کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور (رحمہ اللہ) کے بائیں جانب کرسی پر محترم ملک سیف الرحمان صاحب تشریف فرما تھے جو باری باری ہر طالبعلم کا نام لے کر حضور سے اس کا تعارف کرواتے تھے۔ جب میری باری آئی تو محترم پرنسپل صاحب نے میرا نام لیتے ہوئے کہا کہ ''یہ نصیر احمد قمر ہیں''۔ اس پر حضور (رحمہ اللہ) نے اپنے مخصوص پیار بھرے مسکراتے چہرے اور حسین اور پرنور آنکھوں سے ایک بھرپور نگاہ مجھ پر ڈالتے ہوئے فرمایا: ''تم بشیر قمر کے بیٹے ہو''؟ میں نے عرض کی: ''جی''۔ فرمایا: ''تم کشمیری ہو''؟ میں نے پھر جی کہہ کر اثبات میں جواب دیا۔ خاکسار کے والد صاحب راجوری کشمیر سے ہجرت کر کے آئے تھے اس نسبت سے حضور نے کشمیری فرمایا۔ پھر حضور نے فرمایا: ''تم افریقی بھی ہو''؟ میں نے عرض کی: ''جی'' دراصل ان دنوں میرے والد محترم غانا میں بطور مبلغ خدمات بجالا رہے تھے۔ میں سمجھ گیا کہ حضور نے اس نسبت سے یہ بات فرمائی ہے۔ یہ بھی آپ کی محبت اور شفقت کا ایک دلربا انداز تھا۔ اس پر حضور (رحمہ اللہ) نے اسی طرح اپنی محبت بھری، نورانی اور مسحور کن نگاہوں سے اس عاجز کو دیکھتے ہوئے فرمایا: ''اچھا! تم کشمیری بھی ہو، تم افریقی بھی ہو۔ اور؟ اور مستقبل کا حال خدا جانے''۔ اب بظاہر یہ عام سا محبت بھرا جملہ تھا لیکن کے مصداق، خدا کے برگزیدہ مسیح کے مقدس خلیفۂ ثالث اور موعود نافلہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ میرے لئے ایک قیمتی سرمایہ اور عظیم پیشگوئی کا رنگ اختیار کر گئے۔

انگلستان تقرری اور بطور پرائیویٹ سیکرٹری خدمت کی توفیق

اس کی کسی قدر تفصیل یہ ہے کہ اس کے بعد جب والد محترم غانا سے واپس آئے تو پھر مزید دو مرتبہ تین تین سال کے لئے آپ کی غانا کے لئے ہی بطور مبلغ تقرری ہوتی رہی۔ گویا میں ''افریقی'' رہا۔ پھر ایسا ہوا کہ ۱۹۸۴ء میں (جبکہ میرے والد صاحب ابھی غانا میں ہی تھے) حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی پاکستان سے لندن ہجرت کے بعد حضور نے اس عاجز کی تقرری UK کے لئے فرمائی اور میں مئی ۱۹۸۵ء میں برطانیہ آ گیا۔ اس طرح میں ''برٹش'' بھی ہو گیا۔ اس کے بعد جب خاکسار کے والد صاحب کی تقرری بطور مبلغ

فجی کے لئے ہوئی تو میں ''فجین'' بھی بن گیا۔ اگست ۱۹۸۷ء میں جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اس نالائق خادم کو اپنا پرائیویٹ سیکرٹری ہونے کا شرف عطا فرمایا اور ۱۹۸۷ء سے ۱۹۹۴ء تک حضور رحمہ اللہ کے پرائیویٹ سیکرٹری کی حیثیت سے حضور کی بابرکت معیت میں ناروے، سویڈن، ڈنمارک، سوئٹزرلینڈ، جرمنی، بلجیم، فرانس، ہالینڈ، آئرلینڈ، پرتگال، سپین، امریکہ، کینیڈا، ماریشش، تنزانیہ، یوگنڈا، کینیا، گوائٹے مالا، جاپان، فجی، آسٹریلیا، سنگاپور اور انڈیا وغیرہ مختلف ممالک میں جانے کی سعادت نصیب ہوئی تو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ ''مستقبل کا حال خدا جانے'' میں پنہاں وسعت کی مزید تعبیریں کھل کر سامنے آئیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ اَللّٰھُمَّ زِدْ وَبَارِكْ۔

وقفِ زندگی کی برکات

میری تو آنکھ ہی ایک واقف زندگی باپ اور وقف کی روح سے آراستہ، سادہ وغریب مزاج، صابر و شاکر، قانع، بہت محبت کرنے والی اور دعائیں کرنے والی ماں کی گود میں کھلی تھی۔ میں تو گویا اپنی پیدائش سے بھی پہلے وقف زندگی کی برکات سے حصہ پا رہا تھا اور وقف کی برکات کو روز اپنے گھر میں دیکھتا اور ان سے فیضیاب ہوتا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے میرے وقف زندگی کے بعد مجھ ناچیز، گنہگار پر بھی باوجود میری لاانتہا سستیوں، نالائقیوں، لغزشوں اور کوتاہیوں کے میرے والدین اور بزرگوں اور بالخصوص خلفائے مسیح موعودؑ کی دعاؤں اور روحانی توجہات کے صدقے میری ستاری اور مغفرت فرماتے ہوئے اس قدر فضل اور عنایات فرمائی ہیں کہ

اگر ہر بال ہو جائے سخنور
تو پھر بھی شکر ہے امکاں سے باہر

اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزانہ دعا ہے کہ وہ تادم آخر وقف زندگی کے اس عہد کو کامل صدق، اخلاص، وفا اور عجز وانکسار کے ساتھ نباہنے کی توفیق بخشے اور وقف کا یہ مبارک سلسلہ قیامت تک میری نسلوں میں جاری رہے اور اللہ کے فضلوں کا دائرہ ہم پر وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے۔ (آمین)

محترم عبدالوہاب احمد شاہد صاحب

سابق امیر و مشنری انچارج تنزانیہ

آپ کے بعض ایمان افروز واقعات درج ذیل ہیں:

معاند کا مقابلہ سے فرار

کھاریاں میں ایک شب میں نے خواب میں دیکھا کہ! ''میں سماعلیہ نامی گاؤں میں مولوی منظور چنیوٹی سے مقابلہ کے لئے جا رہا ہوں راستہ میں چک سکندر کے محمد رمضان صاحب نامی دوست ملے اور کہا کہ آپ کس لئے جا رہے ہیں مولوی منظور چنیوٹی تو آپ کے مقابلہ پر نہیں آئے گا وہ تو آپ کی آمد کا سن کر ہی بھاگ گیا ہے۔ میرا وہاں جانا تھا کہ وہ واقعی بھاگ کھڑا ہوا۔''

ایک دفعہ میں اپنے پروگرام کے مطابق سماعلیہ میں دورہ پر گیا ہوا تھا کہ مولوی منظور چنیوٹی وہاں آ پہنچے اور جلسہ منعقد کیا گیا جس میں مولوی چنیوٹی صاحب نے تقریر شروع کر دی چند منٹ کے بعد ہی مولوی صاحب نے چیلنج کر دیا کہ کوئی ہے قادیانی جو میری باتوں اور اعتراضوں کا جواب دے سکے۔

میں نے کہا ہاں میں ہوں آپ اعتراض کرتے جائیں اور مجھ سے جواب لیتے جائیں۔ اس پر مولوی منظور صاحب نے شور مچا دیا کہ پولیس پولیس ہمارے جلسہ میں مداخلت ہوگئی۔ پولیس والوں نے کہا مداخلت تو کوئی نہیں ہوئی آپ نے انہیں چیلنج دے کر بلایا ہے آپ کے بلانے پر یہ آئے ہیں اب سوال و جواب کریں۔ بڑے لَے دَے کے بعد یہ طے پایا کہ اس وقت مولوی صاحب کی تقریر ہو اور صبح مناظرہ و مباحثہ ہو۔

صبح کو جب رابطہ کیا گیا تو مولوی منظور چنیوٹی صاحب ایفائے عہد سے مُکر گئے اور ایک چھوٹی گلی سے بھاگ کر روپوش ہو گئے۔ خواب پوری ہوئی اور اس طرح اس معاند کا مقابلہ سے فرار کا علاقہ پر بہت اچھا اثر ہوا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک تابندہ نشان منظر عام پر آیا۔ اور دو دوست جماعت میں شامل ہو گئے۔ سچ ہے کہ

؎ ''اک نشان کافی ہے گر دل میں ہو خوف کردگار''

اس مذکورہ بالا واقعہ سے قبل سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کی طرف سے مورخہ 13/06/68 کا تحریر فرمودہ ایک خط موصول ہوا کہ ”اللہ تعالیٰ دشمن کے مقابلہ میں آپ کو کامیاب فرمائے اور آپ کی زبان میں برکت ڈالے۔آمین۔“

حضور انور کی اس دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پہلے خواب میں فتح کی بشارت دی اور پھر عملاً مقابلہ میں معاند کو فرار کی صورت میں شکست دے کر فتح و کامیابی سے نوازا۔**الحمدللہ علیٰ ذالک۔**

مقام محمدؐ

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ دعوت الی اللہ میں کامیابی کے لئے سیرتِ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ضروری ہے۔حضور انور کے اس فرمان کی تعمیل میں احباب جماعت کو سیرت محمدی میں داخل ہونے اور اخلاق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اندر پیدا کرنے کی تلقین کی اور پھر ساتھ ہی کثرت سے سیرت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جگہ جگہ جلسے کئے جس کا اغیار پر بہت اچھا اثر ہوا اور بڑے اچھے ریمارکس دیئے مثلاً ایک جلسہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صدر نے اپنے صدارتی ریمارکس میں کہا کہ؟

”میں یہ کہنے سے رک نہیں سکتا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام صحیح معنوں میں جماعت احمدیہ نے ہی پہچانا ہے اور اسے ہی رسول خدا کی سچی اور حقیقی معرفت حاصل ہے یہ واقعی عاشق رسول جماعت ہے اور ساری دنیا کو ہر قسم کے حالات کو FACE کرتے ہوئے رسول اللہ کے ٹھنڈے سائے تلے کھینچے لا رہی ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کی توفیق دے۔“

جدھر قرآن ادھر حق

تنزانیہ میں ایک مرتبہ تین سرکردہ دوست جن میں ایک وزیر بھی تھے تشریف لائے اور کہا کہ:

”ہمارے شیخ (مولوی) آپ کو کافر کہتے ہیں اس بارہ میں ہم حقیقت جاننا چاہتے ہیں اور پیمانہ یہ ہے کہ ”آپ اور ہمارے شیخ باہم گفتگو کریں اور ہر دو فریق ثبوت قرآن سے دیں فیصلہ ہم خود کریں گے میں نے کہا کہ ”اندھے کو کیا چاہیئے دو آنکھیں۔“

چنانچہ وہ جامع مسجد کے خطیب اعظم اور دیگر کئی بڑے بڑے مولویوں کو ملے۔کئی ہفتے تک مولوی

حضرات کے عذرات چلتے رہے اور بالآخر آمادۂ گفتگو ہونے کی بجائے گفتگو سے بالکل ہی انکار کر دیا اور کہا کہ:

''ہم قادیانی شیخ وہاب سے بالکل بات نہیں کریں گے وہ جھوٹا اور کافر ہے قرآن سے باہر نہیں جاتا۔''

اس پر وزیر صاحب اور ان کے ساتھیوں نے کہا کہ:

''قرآن ہی تو شریعت کی کتاب اور مکمل کتاب ہے اس سے باہر کدھر جانا ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آپ لوگ غلط بیانی سے کام لیتے ہیں قرآن سے انہیں جھوٹا اور کافر ثابت نہیں کر سکتے۔ تمہارے پاس قرآن کا علم ہے ہی نہیں قرآن احمدی شیخ وہاب کے پاس ہے تو پھر اس میں کیا شک باقی رہ جاتا ہے کہ جدھر قرآن ہے ادھر ہی حق ہے۔''

اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے عطا کردہ مدفون خزائن اور قرآنی حقائق کے آگے لوگوں کی زبانیں گنگ ہیں۔

''وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے
اب میں دیتا ہوں اگر کوئی ملے اُمیدوار''

تحریر بدل دی

تنزانیہ میں ہسپتال کھولنے کے بارہ میں ہیلتھ منسٹر صاحب سے اجازت کے لئے ملاقات کی انہوں نے کہا کہ ویسٹ افریقہ میں آپ کی جماعت کے ہسپتال انسانیت کی بڑی خدمت کر رہے ہیں۔ آپ کے ہمارے ملک میں ہسپتال کھولنے کے پروگرام سے ہمیں بڑی خوشی ہے اور ہم WELCOME کہتے ہیں۔ میری طرف سے اجازت ہے لیکن کارروائی کی تکمیل کے لئے R.M.O (ریجنل میڈیکل آفیسر) اور T.H.O (ٹاؤن ہیلتھ آفیسر) کی رپورٹ کا حق ہونا ضروری ہے خاکسار R.M.O سے ملا۔ تو ان کی طرف سے منظوری ہو گئی اور T.H.O نے بورڈ آف ہیلتھ کا اجلاس بلایا۔ اگلے دن جب میں گیا تو T.H.O نے دیکھتے ہی کہا کہ ایک اور کمیونٹی کی بھی درخواست تھی کہ اجازت نہیں دینی ہے اس لئے ان کے OBJECTION سے بچنے کے لئے ہم نے آپ کی درخواست منظور نہیں کی اس سے تو مجھ پر جیسے ایک پہاڑ آ گرا کیونکہ حسبِ ہدایت مرکز میں تو ڈاکٹر کا ویزا بھی بھیج چکا تھا۔ ہیلتھ آفیسر صاحب یہ کہہ کر کہ آئندہ سال آپ کو اجازت ہو گی اس سال ہماری مجبوری تھی۔ سٹینو سے چٹھی ٹائپ کرانے چلے گئے۔ میری اس وقت عجیب حالت ہو گئی۔ دل اللہ کے حضور گریاں ہوا تو آنکھیں آنسوؤں سے لبریز مجسم التجاء بن گئیں۔

اور دعاؤں کے ساتھ درود شریف کا ورد خاص طور پر شروع کر دیا کیونکہ یہ مقبول دعا ہے اور قادر خدا کے سامنے منت وسماجت کرتے ہوئے حضرت نواب مبارکہ بیگمؓ کا یہ شعر!

''تقدیر یہی ہے تو یہ تقدیر بدل دے　　　تو مالک تحریر ہے تحریر بدل دے''

بار بار پیش کیا تقریباً نصف گھنٹہ بعد ہیلتھ آفیسر صاحب آئے اور ہنستے ہوئے کہا کہ:

''ہم نے اس سال ہی آپ کو ہسپتال کھولنے کی منظوری دے دی ہے۔ ہوا یوں کہ سٹینو نے چٹھی میں لفظ LISIKUBALIWA کہ درخواست منظور نہیں کی جاتی ہے کی بجائے LIMEKUBALIWA کہ درخواست منظور کی جاتی ہے لکھ دیا اور مجھے کاٹ کر درست کرنے کی جرأت نہیں ہوئی یوں لگتا تھا کہ کوئی غیر مرئی طاقت مجھے اس سے باز رکھے ہوئے ہے تو گویا اوپر سے ہی کوئی تقدیر چلی ہے اور خدا آپ کے ساتھ ہے۔''

اس پر اس عاجز کے جسم کا ذرّہ ذرّہ حمد سے بھر گیا اور سجدات شکر بجالایا کہ خدائے قادر نے اپنی قدرت نمائی سے ''تحریر'' کو بدل دیا ہے سچ ہے کہ اس کے آگے کوئی بات بھی انہونی نہیں ہے۔

''جس بات کو کہے کروں گا یہ میں ضرور　　　ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے''

دعائیں اُٹھالائیں

حضور انور نے جب خاکسار کو تنزانیہ کا امیر ومشنری انچارج مقرر فرمایا تو دارالسلام ہیڈ کوارٹر میں منتقل ہو کر چارج لیا۔ تعلیمی سال قریباً نصف گزر چکا تھا اس لئے بچوں کے لئے سکول میں داخلہ ایک مشکل امر تھا۔ بیٹے طارق فؤاد کو تو ایک Olimpio نامی سکول میں داخلہ مل گیا مگر بیٹی شاہدہ سلطانہ کے لئے داخلہ کی کوئی صورت نہ بن رہی تھی۔ باوجود انتہائی کوشش کے بالآخر یہی کہنا پڑا:

''حیلے سب جاتے رہے اِک حضرتِ توّاب ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے حضور گریاں ہوا تو مُسبب الاسباب ہے غیب سے اس مشکل کے حل کے سامان فرمادے حضور پُرنور کی خدمتِ اقدس میں دعا کے لئے عریضہ بھجوایا۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ Shaban Robert سیکنڈری سکول کے مینیجر Mr N.S Patel جنہیں میں ان کے آفس میں پہلے بھی مل چکا تھا مگر انہوں نے کوئی Response نہیں دیا تھا۔ مشن ہاؤس تشریف لائے اور ایک رقعہ مجھے دیتے ہوئے کہا کہ ''آپ اپنی بچی کا فارم پُر کر کے اس رقعہ کے ساتھ ہیڈ مسٹریس صاحبہ کو پہنچا دیں بچی کا سکول میں داخلہ

ہو جائے گا۔ پھر ساتھ ہی کہا کہ میں حیرانہوں اور مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہی کہ کیا چیز مجھے یہاں اٹھا لائی ہے میں توسکول سے متعلقہ کوئی بات بھی آفس سے باہر نہیں کرتا۔ پتہ نہیں آپ جادوگر ہیں۔''

میں نے انہیں بتایا کہ ''جادو والی کوئی بات نہیں ہمارے امام کی دعائیں آپ کو یہاں اُٹھا لائیں ہیں۔'' انہوں نے کہا کہ ''آپ کے امام کی دعا میں اتنی طاقت ہے۔''

میں نے انہیں بتایا اور تفصیل سے سمجھایا کہ دعا سب سے بڑا اور طاقتور ہتھیار ہے اس کے آگے دنیا کے سب ہتھیار حتیٰ کہ ایٹم بم بھی ہیچ ہے۔ مشکلات کے پہاڑ بھی ہباءً مّنثوراً ہو جاتے ہیں اور پھر جسے اللہ تعالیٰ اپنا خلیفہ بناتا ہے اس کی دعاؤں میں خاص قبولیت اور تاثیر رکھ دیتا ہے اور اس کی دعا سے ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے دعا کے ایک عظیم طاقتور ہتھیار ہونے کا اظہار یوں فرمایا ہے: ؎

''غیر ممکن کو یہ ممکن میں بدل دیتی ہے
اے میرے فلسفیو زور دعا دیکھو تو''

ان سے پھر مختلف مسائل پر گفتگو ہوئی آخر میں مَیں نے انہیں قرآن کریم انگریزی ترجمہ اور دیگر کتب تحفتہً پیش کیں۔ پھر وہ کئی دنوں کے بعد ملے اور کہا ''آپ نے بہت مقدس اور بے نظیر تحفہ مجھے دیا ہے۔ جس نے مجھے بہت متأثر کیا ہے۔''

آنحضوؐر کی دعا کے نشان

(۱) مورخہ 23/03/83 کو خاکسار تحصیل مکیونی کے ایک کارونڈا KARUNDA نامی گاؤں میں مسجد کا سنگِ بنیاد رکھنے اور جلسہ بیادگار یوم مسیح موعودؑ کرنے کے لئے پہنچا۔ اس مبارک سفر کے لئے مکرم ابوبکر صاحب نے (MZEE ABUBAKAR) اپنی گاڑی پیش کی تھی فجزاہ اللہ تعالیٰ۔ میرے گاؤں میں پہنچتے ہی بارش شروع ہوگئی دل بڑا دکھا کہ سارا پروگرام ہی خراب ہو جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا **اللّٰھم حوالینا ولا علینا**۔ بڑے دکھی دل اور آنسوؤں کے ساتھ خدا کے حضور پیش کی۔ اللہ نے فرشتوں کو بارش کو آگے پیچھے لے جانے کا حکم صادر فرما دیا اور وہاں جیسے چھتری تن گئی ہو۔

خاکسار نے پہلے مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا جس میں احمدیوں کے علاوہ علاقہ کے معززین بھی شامل ہوئے جن کی چائے اور شرینی سے تواضع کی گئی۔ بعدہٗ جلسہ یوم مسیح موعودؑ خاکسار کی صدارت میں شروع ہوا۔ تلاوت ونظم کے بعد خاکسار نے اس دن کی اہمیت کو اجاگر کیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت طیبہ پر

روشنی ڈالی۔اس سارے عرصہ میں بارش اردگرد ہی برستی رہی اور جونہی خاکسار نے جلسہ کی اختتامی دعا کروائی بارش پھر لوٹ آئی اور ہر طرف جَل تھل ہو گیا۔

(۲) دوسرا نشان یوں ظاہر ہوا کہ مٹوارہ ریجن کا صوبائی جلسہ سالانہ دسمبر 1983ء میں MDIMA نامی گاؤں میں جہاں ایک ہی نو احمدی تھا منعقد ہوا۔

میری افتتاحی تقریر کے بعد بقیہ کارروائی شروع ہوئی ہی تھی کہ بارش شروع ہوگئی اس موقعہ پر حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہی دعا اللّٰھم حوالینا ولا علینا ۔ ذہن میں آئی اور بڑے ہی درد کے ساتھ اللہ کے حضور گریاں ہوئے کہ ہم تو ادنیٰ مزدور کی حیثیت میں جلسہ منعقد کر رہے ہیں جلسہ تو تیرے پیارے محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے سو آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی قبولیت کی برکت سے اس علاقہ پر عیاں فرما دے کہ تیرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں پیچھے نہیں رہ گئیں بلکہ قیامت تک جاری ہیں اور ہر زمانہ آپ ؐ کا ہی زمانہ ہے۔ چند منٹ ہی دعا کی تھی کہ بارش دعا کے عین مطابق سَرکل کی شکل اختیار کر گئی اور جلسہ گاہ پر فرشتوں نے جیسے چھتری تان دی۔ ہمارے ایمان تو بہت بڑھ گئے لیکن بعض غیر از جماعت دوستوں نے کہا کہ ''جماعت احمدیہ کا امیر شیخ وہاب جادوگر ہے۔''

میں نے اپنے اختتامی خطاب میں اسی مضمون کو بیان کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا نشان ہے جو آج ہم نے دیکھا ہے اگر یہ جادو ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایجاد کردہ ہے۔اس مؤخرالذکر واقعہ کا حضور رحمہ اللہ علیہ نے یوکے کے جلسہ سالانہ 1991ء میں ذکر فرماتے ہوئے دنیا کو بتایا کہ! ''یہ ثبوت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات اور فیضان قیامت تک جاری ہے۔''

ہجرت اور پہلا ملک روانڈا

حضرت امام جماعت احمدیہ خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ علیہ کا 28/اپریل 1984ء کو ربوہ پاکستان سے ہجرت کر کے 30/مئی 1984ء کو لندن یو کے میں ورد مسعود ہوا اللہ تعالیٰ نے لندن پہنچتے ہی تنزانیہ کے ہمسایہ ملک Republic of Rwanda میں جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں لا کر اپنے خلیفہ کو ایک نیا ملک ہجرت کا پہلا تحفہ عطا فرمایا اور اس انعام سے جماعت احمدیہ کی دنیا بھر میں آئندہ ترقیات کا آغاز فرما دیا۔

Rwanda (روانڈا) کے جماعت میں شامل ہونے کی صورت یہ بنی کہ ریجنل ہیڈ کوارٹر بوٹارے (Butare) کے قریبی قصبہ Rugugwe (روگوگوے) سے Sulemani Dukuze (سلیمانی

ڈوکوزے) نامی ایک دوست کا خط آیا جس میں تحریر تھا کہ ہمارے ملک میں قادیانیت کا چرچا ہے مگر نیگیٹو شکل میں یہ تصویر کا ایک رخ ہے جس سے ہم کسی نتیجہ یا فیصلہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ تصویر کا دوسرا رخ آپ دکھادیں کہ آپ یہی ہیں یا کچھ اور ہیں جب تصویر کے دونوں رخ ہمارے سامنے ہوں گے تو فیصلہ کرنا آسان ہوگا کہ حقیقت کیا ہے؟

میں نے انہیں جماعت کا لٹریچر بھجوا دیا۔ پھر ان ہی دنوں Saidi Mzee Muharram سعیدی مزے محرم صاحب نامی احمدی دوست آئے کہ میں روانڈا جا رہا ہوں کوئی کام ہے تو بتائیں۔ میں نے روگوگوے کے اس دوست کا خط دیا اور تاکید کی کہ اپنے کام سے فارغ ہوکر دو ہفتے ان کے ہاں دعوت الی اللہ میں گزاریں اور پورا جائزہ مجھے بھجوائیں کہ کیسے لوگ ہیں اور مذہبی دلچسپی کہاں تک ہے۔ چنانچہ انہوں نے مجھے فون پر اطلاع دی کہ مذہب سے بیگانے مگر مذہبی رجحان رکھنے والے لوگ ہیں اور خدا کے فضل سے بائیس افراد بیعت کر کے جماعت میں داخل ہو گئے ہیں اور اس علاقہ کے چیف نے مسجد کے لئے چار ایکٹر زمین بھی دے دی ہے حضورؒ نے 24راگست 1984ء کے خطبہ جمعہ میں اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ!

''بعض بڑے اچھے مبلغ ہیں......تنزانیہ کے مبلغ جو ہیں وہاب صاحب انہوں نے بڑی اچھی رپورٹ کی ہے...... کہ ہمارے سپرد جو نئے ممالک میں جماعتوں کے قیام کا منصوبہ تھا۔ روانڈا میں...... اللہ تعالیٰ کے فضل سے بائیس افراد پر مشتمل جماعت کی بنیاد رکھ دی گئی ہے۔ اور اب ایک نیا ملک بھی جماعت احمدیہ کی فہرست میں شامل ہو گیا ہے...... اور روانڈا کے علاقے کے چیف نے جس جگہ بیعتیں ہوئی ہیں چار ایکڑ زمین وقف کی ہے۔''

(ماہنامہ احمدیہ گزٹ کینیڈا نومبر 1984ء)

آقا نے اپنے شفقت نامہ میں تحریر فرمایا:

پیارے عزیزم عبدالوہاب صاحب!

آپ کی تسلی بخش رپورٹ سے طبیعت پر خوشگوار اثر ہوا ریپبلک روانڈا میں بائیس افراد پر مشتمل جماعت قائم کرنے پر مبارک ہو۔''

سچ کی برکت۔ افسر نے سزا اپنے ذمہ لے لی

روانڈا اور برونڈی ممالک کے دورہ اور للّٰہی سفر سے واپسی کے دوران ایک اور حیرت انگیز واقعہ پیش آیا

جو ایک معجزہ تھا۔اس کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ برونڈی سے روانہ ہوتے وقت برونڈین کرنسی تنزانین شلنگ میں تبدیل کروالی تا کہ KIGOMA سے دارالسلام تک کرائے کے لئے پریشان نہ ہونا پڑے کیونکہ وہاں تو تنزاین شلنگ میں کرایہ کی ادائیگی کرنا تھی۔کیگومہ بندرگاہ پر بیگ وغیرہ کی چیکنگ کے بعد جب ہم باہر نکل رہے تھے تو کسٹم کے ایک کارندے نے یوں ہی مزاحاً پوچھ لیا کہ آپ کے پاس کوئی نقدی تو نہیں ہے میں نے کہا ساڑھے آٹھ سو شلنگ ہیں وہ تھوڑا سا حیران ہوا اور کہا کہ ہمارے افسر کے پاس چلیں۔افسر صاحب نے پوچھا واقعی آپ کے پاس نقد رقم ہے میں نے جیب سے نکال کر میز پر ان کے سامنے ساڑھے آٹھ سو شلنگ رکھ دیئے۔تھوڑی دیر وہ افسر خاموش میری طرف دیکھتا رہا اور پھر بولا کہ:

”آپ نے ہمیں کیوں بتایا اب تو قانون نے آپ کو پکڑ لیا ہے کیونکہ قانوناً آپ ایک سو شلنگ سے زیادہ رقم اپنے پاس نہیں رکھ سکتے تھے۔“

میں نے کہا آپ نے پوچھا تو میں انکار نہیں کر سکتا تھا کیونکہ میرا مذہب اسلام مجھے جھوٹ کی اجازت نہیں دیتا بلکہ ہر حالت میں سچ ہی کو لازمی قرار دیتا ہے۔اس نے کہا کہ:

”یہاں تو سچ کند چھریوں سے ذبح ہوتا ہے آپ پہلے شخص سچ بولنے والے ملے ہیں یہ واحد مثال ہے۔“اب سچ بولنے کی سزا بھگتیں جو چھ ماہ قید اور پانچ سو شلنگ جرمانہ ہے۔“ہاں ایک صورت ہے کہ ”میں آپ کو چھوڑ دوں اور آپ کی جگہ خود سزا لے لوں۔میں دل ہی دل میں دعا بھی کر رہا تھا کہ مولیٰ کریم شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے سچ بولنے سے چوروں اور قزاقوں کو توبہ کی توفیق مل گئی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سچ نے آپ کو سنگین مقدمہ سے بریت عطا فرمادی تھی۔میں تو ان کے پاؤں کی خاک بھی نہیں مگر جرم میرا بھی سچ بولنا ہے لہٰذا معجزہ خاص سے نجات کے سامان فرما۔**ان ذلک علی اللہ یسیر**۔

ہماری گفتگو دیر تک جاری رہی اور ابلاغ حق کی توفیق پائی بھی پھر کسٹم کے وہ افسر یکدم بولے کہ میری ساری عمر اس محکمہ میں گزری ہے اب ریٹائر ہونے کو ہوں اس سارے عرصہ میں آپ واحد شخص سچ بولنے والے ملے ہیں مجھے آپ کے خلاف کارروائی کرنے میں شدید شرم محسوس ہو رہی ہے آپ کی یہ سزا میں اپنے ذمہ لیتا ہوں "You Can Go" میری زبان سے اس وقت بے اختیار نکلا۔اللہ آپ کی بھی بریت فرمائے گا وہ قادر ہے۔

مجسٹریٹ نے اس خیال سے کہ افسر کا دماغ چل گیا ہے تین ڈاکٹروں سے جو دماغ کے سپیشلسٹ تھے علیحدہ علیحدہ معائنہ کروایا تینوں کی رپورٹیں یہ تھیں کہ ان کے دماغ میں کوئی Defect نہیں ہے یہ بالکل صحیح الدماغ ہیں تب مجسٹریٹ نے اس افسر سے کہا کہ ''کون کسی کی جگہ سزا لیتا ہے آپ نے یہ کھیل کیوں کھیلا ہے اس کا کیا خاص سبب ہے'' اس پران افسر صاحب نے بتایا کہ میں اب ریٹائر ہورہا ہوں اس محکمہ کسٹم میں ساری عمر کی ملازمت میں مجھے عبدالوہاب نامی پہلا شخص سچ بولنے والا ملا ہے اور یہ واحد مثال ہے اس لئے مجھے اسے سزا دلانے میں شرم بلکہ اذیت محسوس ہوئی اور اسے چھوڑ کر اس کی جگہ خود سزا لے لی کہ اس طرح سے میرے بھی کئی پاپ جھڑ جائیں گے۔'' حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے پیشِ نظر کہ اللہ مسافر کی دعا قبول کرتا ہے میں نے کیگومہ سے دارالسلام تک اس افسر کے لئے دعا کی توفیق پائی۔ دارالسلام پہنچ کر حضور انور کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے عریضہ بھجوایا اور پھر بعد میں رپورٹ منگوائی تو مذکورہ بالا کارروائی سامنے آئی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل خاص سے معجزانہ طور پر حضور انورؒ کی دعاؤں کی برکت سے کسٹم کے افسر دوست کے بریت کے سامان کر دیئے الحمد للہ۔ ہوا یوں کہ مجسٹریٹ نے تینوں ڈاکٹروں کی رپورٹ اور اس افسر کے بیان کے بعد اسے تاریخ دے دی۔ مقررہ تاریخ پر جب وہ کسٹم آفیسر حاضر ہوئے تو مجسٹریٹ نے کہا کہ آپ نے سچ کی واحد مثال سامنے آنے پر اتنا بڑا قدم اٹھایا کہ سزا اپنے ذمہ لے لی ہے۔ میں بھی ایک پرانے قانون کا فائدہ پہنچاتے ہوئے آپ کو بری کرتا ہوں You Can Go ''شکر اللہ میری بھی آہیں نہیں خالی گئیں''

ذرہ نوازی- غیب سے سامان

1987ء کی بات ہے رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا تھا گھر میں خورونوش کا سامان بھی اور پیسے بھی نہ تھے۔ کسی طور سے انتظام کرنے کا سوچ رہا تھا کہ چٹھی از ناظر صاحب اصلاح وارشاد مرکزیہ موصول ہوئی کہ رمضان کے مہینہ میں آپ نے حسن پور خانیوال میں درس قرآن کریم دینا ہے اور آج ہی روانہ ہو جائیں۔ رات گیارہ بجے ملتان جانے والی بس میں سفر اختیار کریں۔

اس اچانک خبر سے سخت پریشان ہو گیا کہ گھر میں سودا سلف کوئی نہیں۔ پیسہ کوئی نہیں اور رمضان شروع ہونے کو ہے کیا بنے گا۔ اس مختصر سے وقت میں کچھ بھی کر نہیں سکتا۔ خدا کے حضور آہ وزاری کی اور آنسو بہائے۔ مولیٰ کریم تو ہی ذرہ نوازی فرما اور غیب سے کوئی سامان کر میں تو بالکل ہی بے بس ہوں، اس

پریشانی کے عالم میں کہاں جاؤں

''تیرے آگے ہاتھ پھیلاؤں نہ گر
کس کے آگے اور پھیلاؤں کہاں''

اللہ کریم کی ذرہ نوازی کا دروازہ یوں کھلا میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر پہنچا ہی تھا کہ دروازہ کھٹکا میں نے دروازہ کھولا تو ایک شخص نے ایک لفافہ ہاتھ میں پکڑایا اور چلتا بنا۔ لفافہ کھولا تو اس میں استاذی المحترم پیر معین الدین صاحب کی طرف سے ایک رقعہ اور سو -/100 روپے کا نوٹ تھا اور رقعہ میں لکھا تھا کہ:

''عشاء کے فرض پڑھ رہا تھا کہ خیال آیا کہ بچوں کے لئے کچھ بھیجنا چاہئیں -/100 ارسال ہیں۔''

اللہ المنان کے غیب سے اس اچانک اور فوری سامان کے کئے جانے پر جسم کا ذرّہ ذرّہ حمد سے بھر گیا۔ سجدہ میں گر گیا اور مجسم شکر بن گیا اور پھر سکون کے ساتھ حسن پور خانیوال کے للّٰہی سفر پر روانہ ہو گیا اور اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان سے حسن پور میں پورا مہینہ روزانہ ایک پارے کے حساب سے پورے قرآن پاک کا درس دینے کی توفیق وسعادت پائی۔

''ہے عجب میرے خدا میرے پہ احساں تیرا
کس طرح شکر کروں اے میرے سلطاں تیرا''

خلیفہ وقت سے محبت

ہر احمدی کو خلیفہ وقت سے محبت ہے مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبد السلام صاحب جب تنزانیہ ایسٹ افریقہ تشریف لائے تو ان سے چشم فلک نے امام وقت سے محبت وعشق کا حیران کن نظارہ کیا۔

محترم پروفیسر عبد السلام نوبل انعام یافتہ عالمی شہرت کے حامل مارچ 1984ء میں تنزانیہ دورہ پر تشریف لائے۔ انٹرنیشنل ایئر پورٹ دارالسلام پر جہاز نے لینڈ کیا۔ خاکسار، سفیر پاکستان میجر جنرل چوہدری رب نواز صاحب مقیم تنزانیہ، صدر جمہوریہ تنزانیہ کے خصوصی نمائندہ اور وائس چانسلر نے جہاز کا دروازہ کھلتے ہی آگے بڑھ کر محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کو WELCOME کہا۔ ہم سے مصافحہ ومعانقہ کے بعد آپ وی۔ آئی۔ پی لاؤنج میں تشریف لائے جہاں دیگر اعلیٰ حکام اور اہم شخصیات نے آپ کا استقبال کیا آپ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے اور فرمایا کہ میری خوش قسمتی ہے کہ محسن انسانیت حضرت

اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشق صحابی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی قوم میں اپنے آپ کو پاتا ہوں مجھے سیدنا بلالؓ کی قوم سے محبت ہے کیونکہ امام مہدی نے اس زمانہ میں تمام انسانیت سے محبت محمدی کے ہی نمونے دکھانے کا درس دیا ہے اور آج آپ کے ملک میں امام المہدی والمسیح کے چوتھے خلیفہ حضرت مرزا طاہر احمد ایدہ اللہ کے نمائندہ مولانا عبدالوہاب صاحب محمدی محبت کے جام پلانے پر مامور ہیں۔

آپ کے آنسوؤں اور اس بیان پر عجیب سماں بندھ گیا اور سب پکار اٹھے

O,OUR BROTHER MOST WELCOME

جب ائیر پورٹ سے باہر نکلے تو محترم ڈاکٹر صاحب کار سے نیچے اتر آئے اور استقبال کے لئے آنے والوں کے پہلے آدمی سے لے کر آخری تک سے ملے اور مصافحہ کیا سب حیران تھے کہ یہاں تو آنے والی شخصیات کار میں بیٹھے بھی ہاتھ ہلا کر استقبال کرنے والوں کو کم ہی جواب دیتے ہیں اور یہ ہیں کہ اتر کر سب سے مل رہے ہیں۔ محترم سفیر پاکستان کا اصرار تھا کہ خاکسار محترم ڈاکٹر صاحب سے متعلقہ ہر تقریب میں شامل ہوا کرے کیونکہ آپ کو امیر جماعت ہونے کے لحاظ سے جو پرٹوکول ملتا ہے اس سے ہمیں ڈاکٹر صاحب کے شایان شان امور سرانجام دینے میں آسانی ہو جاتی ہے۔ خاکسار جب بھی پہنچتا تو ڈاکٹر صاحب خواہ کتنی اعلیٰ شخصیات سے محو گفتگو ہوتے انہیں چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوتے اور لپک کر عاجز کو خوش آمدید کہتے اور پھر شرکاء محفل سے مخاطب ہو کر فرماتے کہ ''یہ اس ملک کے لئے میرے پیارے امام کے نمائندہ ہیں اس لئے مجھے سب سے زیادہ پیارے اور قابل احترام شخصیت ہیں۔'' اللہ اللہ کتنا پیار اور عشق ہے امام وقت سے کہ ان کے ایک ادنیٰ خادم سے اپنے ارفع مقام کو خیال میں نہ لاتے ہوئے اور بڑی بڑی اعلیٰ شخصیات کی پرواہ کئے بغیر نہایت ہی عزّت اور احترام سے پیش آتے ہیں۔

(خالد دسمبر 1997ء)

ایک عرب معاند کی ہدایت

جماعت احمدیہ امانت و دیانت میں ایک بلند مقام رکھتی ہے یہاں تک کہ معاندین بھی مداح ہیں۔ ایک دن ایک یوسف ایمانی صاحب نامی عرب جو جماعت سے شدید نفرت رکھتا اور دشمنی میں سب سے آگے تھا۔ دارالسلام میرے پاس دفتر میں آیا اور ایک تھیلی میز پر رکھتے ہوئے کہا اس میں چالیس ہزار شلنگ ہیں جو آپ کے پاس امانت رکھنے آیا ہوں۔ ہمارا اپنا اسلامک کونسل کا دفتر یہاں قریب ہی ہے مگر

جو اعتماد آپ پر ہے جن کو ہم گالیاں دیتے ہیں وہ ان پر نہیں ہے۔ مجھے پتہ ہے کہ یہاں چوریاں، ڈاکے عام ہیں اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہو گیا تو اس کے آپ ذمہ دار نہ ہوں گے اور تحریر بھی لکھ دی۔

اس کے بعد مجھے اس نے پوچھا کہ آپ کی مسجد میں مَیں نماز پڑھ سکتا ہوں۔ میں نے کہا میری تو کوئی مسجد نہیں۔ ان المساجد للہ...... مسجدیں سب اللہ کی ہیں جسے آپ میری کہتے ہیں یہ بھی اللہ ہی کی مسجد ہے۔ میرے سپرد تو ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت میں اس کا انتظام ہے اس کے دروازے ہر اللہ کی عبادت کرنے والے کے لئے ہر وقت کھلے ہیں۔ چنانچہ پہلے تو نماز اکیلے شروع کی اور درس میں شامل ہوتے رہے اور پھر دو تین دن بعد نماز بھی باجماعت شروع کر دی۔

ایک دن وہ آئے کچھ پیسے لئے اور ساتھ ہی بتایا کہ وزیر داخلہ سے ملنے آیا ہوں کیونکہ ان کے دو بھائی جیل میں ہیں کوئی رہائی کی صورت ہو جائے یا سزا کم ہو جائے میں نے کہا اللہ تعالیٰ فضل کرے دعا کریں اس نے کہا کہ ہم تو دعا کرتے ہیں ہماری تو وہ سنتا نہیں آپ دعا کریں۔ جواباً میں نے انہیں بتایا کہ اللہ سب کا خالق و مالک ہے سب کی دعائیں سنتا ہے میں بھی دعا کروں گا مگر آپ ہمارے امام ہمام کو بھی دعا کے لئے لکھیں کہنے لگے انہیں تو ہم گالیاں دیتے ہیں وہ ہمارے لئے کب دعا کریں گے۔ میں نے کہا آپ اس چھٹی میں بھی بے شک گالیاں بھی لکھ دیں پھر بھی دعا ہی ہو گی کیونکہ تعلیم ہی یہی ہے۔

ع ''گالیاں سن کے دعا دو پا کے دکھ آرام دو''

چنانچہ انہوں نے چھٹی لکھی اور پھر چند دن بعد ہی گیٹ سے داخل ہوتے ہی بہ آواز بلند کہا کہ شیخ آپ کو مبارک ہو معجزہ ہو گیا ہے۔ ابھی فون آیا ہے کہ دونوں بھائی رہا ہو کے گھر آ گئے ہیں آپ کے امام کی دعائیں اللہ تعالیٰ اس طرح سنتا ہے۔ میں نے کہا ہاں جب اس نے آپ کو اپنا خلیفہ بنایا ہے تو آپ کی دعائیں بھی سنتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میری تو زمینِ دل بدل گئی ہے نفرت کی جگہ محبت بھر گئی ہے۔ تین چیزوں نے مجھے بدل کر رکھ دیا ہے ایک یہ کہ آپ نے میرے پیسے کو ہاتھ ہی نہیں لگایا اور امانت کی اعلیٰ مثال قائم کی دوسرے مجھے افریقن احمدیوں سے وہ محبت ملی جو بیوی بچوں سے بھی نہیں ملی اور تیسرے آپ کے امام کی دعا کا معجزہ چنانچہ جماعت میں شامل ہو گئے سچ ہے!

ع ''تم دیکھو گے کہ ان ہی میں سے قطرات محبت ٹپکیں گے۔''

❁❁

محترم عطاء الکریم صاحب شاہد

سابق مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ لائبیریا

جماعت احمدیہ کے عالمی مرکز ربوہ میں مئی ۱۹۷۴ء کے آخر پر ریلوے سٹیشن پر ایک طرفہ فساد سوچی سمجھی سازش کے مطابق کرایا گیا جس کا مقصد پاکستان اور دنیا بھر میں اس پرامن جماعت کو بدنام کرنا اور ملک بھر میں احمدیوں کو جانی و مالی نقصان پہنچانا تھا۔ جس کے قرائن بعد ازاں ظاہر ہوتے رہے مثلاً جب دو گھنٹے بعد چناب ایکسپریس ربوہ سے لائلپور (حال فیصل آباد) پہنچی تو فتنہ پرور مولویوں کا ایک گروہ وہاں ریلوے سٹیشن پر لاؤڈ سپیکرز اور نعرہ باز جوانوں اور ملاؤں کا اہتمام کئے بیٹھا تھا۔ ستم ظریفی یہ کہ انہوں نے بالٹیوں سے نکال کر مسلمان طلباء کے ناک آنکھیں، کان، اور نہ جانے کیا کچھ دکھایا جو مبینہ طور پر احمدی طلباء نے ربوہ سٹیشن پر کاٹے تھے۔ واحد مقصد اشتعال انگیزی اور سادہ دل عوام کو گمراہ کر کے احمدیوں کے خلاف فسادات پر اکسانا تھا۔ پھر کیا تھا ملک بھر میں فسادات بھڑکے، احمدیوں کو جگہ بجگہ شہید کیا گیا، پولیس کی نگرانی میں احمدیوں کے گھروں اور کاروبار کو لوٹا گیا کہ کہیں مظلوم احمدیؑ اپنے حقوق کے دفاع کے لئے اٹھ نہ کھڑے ہوں۔ بعد میں جج صمدانی صاحب نے فیصلہ دیا کہ ایسا کوئی واقعہ ربوہ سٹیشن پر ہوا ہی نہیں۔ سچ فرمایا مخبر صادق حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ امام مہدی علیہ السلام کے دور کے علماء سوء سے فتنے ظاہر ہوں گے اور پھر انہی میں لوٹ جائیں گے۔ فیصل آباد اور ملک بھر میں یک طرفہ فسادات کا کریڈٹ لینے کے لئے نہ صرف ملاؤں اور سیاسی طالع آزماؤں میں رسہ کشی شروع ہوگئی بلکہ خود سیاسی رہنماؤں کے مابین بھی یہ سلسلہ جاری ہوگیا۔ جب اس وقت کے وزیر اعظم بھٹو صاحب کا ان کی پارٹی کے ایک بڑے لیڈر ملک غلام مصطفی کھر سے اختلاف ہوا تو بھٹو صاحب نے عوام سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ کیا ربوہ میں تمہارے باپ نے کالج کے لڑکے بھجوائے تھے؟ گویا میرے علاوہ اور کون اس ''کریڈٹ'' کا حقدار ہوسکتا ہے۔

یہ مختصر بیان اس امر کی وضاحت کے لئے کافی ہے کہ ۱۹۷۴ء میں ملک بھر میں فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے میں چودھویں صدی ہجری کے علماء سوء اور اہل سیاست ایک دوسرے سے آگے بڑھنے میں کوشاں تھے۔ خاکسار اس زمانہ میں بطور مربی سلسلہ علیہ احمدیہ کیمبل پور (حال اٹک) میں مسجد احمدیہ سے متصل مربی ہاؤس میں اہل وعیال سمیت قیام پذیر تھا۔ اٹک ضلعی صدر مقام ہونے کے ناطے ایک متوسط درجہ کا شہر تھا جس میں غیر احمدی مسلمانوں کی کم از کم پچیس مساجد تھیں جو نام نہاد وقوعہ ربوہ سٹیشن کے بعد قال اللہ اور قال الرسول سے پورے طور پر ہٹ کر مظلوم و بے کسی و بے نواء احمدیوں پر الزامات کی بارش اور مغلظات کے لئے وقف ہو کر رہ گئیں۔ انا للّٰہ و انا الیہ راجعون۔

ہر شب بعد نماز عشاء کسی نہ کسی مسجد میں جلسہ ہوتا جس میں شہر بھر سے لوگ شرکت کرتے۔ متعدد لاؤڈ سپیکرز کے ذریعہ بآواز بلند، رات کے سناٹے میں، دور دراز گھروں تک یہ پیغام پہنچانے کی کوشش کی جاتی۔ جگہ جگہ سے بطور خاص منگوائے گئے علماء احمدیوں کے خلاف خوب دھاڑتے اور عوام کالانعام وقتاً فوقتاً خاصے اشتعال انگیز نعرے بلند کرتے۔ حتی الامکان مساجد کے سپیکرز کا رخ کسی قریبی احمدی گھرانے کی طرف پھیر دیا جاتا تا خرافات کی ایذاء رسانی میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔ کم وبیش دو گھنٹے تک شرفاء محلہ سمع خراشی کے بعد دو تین سو پر جوش جوانوں پر مشتمل ایک جلوس مسجد کے قریبی احمدی گھرانوں کے سامنے کچھ ٹھہر کر اشتعال انگیز نعرے بلند کرتا ہوا مسجد احمدیہ اور خاکسار کی رہائش گاہ کا محاصرہ کر کے نعرے بازی کے ساتھ پتھراؤ شروع کر دیتا جس سے بچاؤ کے لئے صحن میں سوئے ہوئے اپنے تینوں بچوں کے سروں پر اہلیہ تکیئے رکھ دیتی اور کبھی ہم انہیں اٹھا کر اندر کمرہ میں لے جاتے۔ نعرے باز سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سب وشتم کا نشانہ بناتے اور پھر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ کو اور آخر پر اس عاجز کی باری آتی تو مجمع ’’کریمو کتا۔ کریمو مولوی ہائے ہائے‘‘ کے پر جوش نعرے یک زبان ہو کر بلند کرتا۔ چونتیس پینتیس برس بعد بھی خیال آتا ہے کہ شاید یہی میرے سب اہل خانہ کی مغفرت کا وسیلہ بن جائے۔ اللہ کرے۔ آمین۔ جب میرے خلاف نعرے بلند کرتے تو سوچتا تھا شکر ہے کہ اس وقت مہدی دوران علیہ السلام اور خلیفہ وقت ؒ سے ان کی توجہ ہٹی ہوئی ہے۔

پولیس کی ایک معقول نفری مسجد احمدیہ کے اندر اور باہر ان نعرہ بازوں کے ساتھ ہوتی کہ کہیں آگے بڑھ کر

مسجد اور مربی ہاؤس پر حملہ نہ کر دیں۔ بہر حال خدا نے خاص حفاظت فرمائی۔ ہمیں ان مخالفین نے گھیرے میں لے رکھا تھا۔ اشیائے خورد ونوش کے حصول میں دقت تھی۔ کسی کو گھر پر یہ اشیاء لانے دیتے اور نہ کسی کو باہر جانے دیتے۔ ان حالات میں خدا نے عجب کرم فرمائی مختلف رنگوں میں کی، کئی ایک بار ہمارے ایک احمدی دوست چوہدری نذیر احمد صاحب ڈسٹرکٹ ایگری کلچر آفیسر (ضلعی سربراہ زراعت) رات کی تاریکی میں بعد عشاء بھیس بدل کر ضروری سودا سلف بڑی محبت سے ہمارے گھر دے جاتے۔ دن کے وقت سرکاری ڈیوٹی کے وقت تو انگریزی لباس زیب تن کرتے مگر جب رات کو آتے تو دھوتی پہنی ہوتی اور سر کو لمبے تولیے سے ڈھانپا ہوتا اور اس لباس میں عملاً انہیں پہچاننا دشوار تھا خصوصاً رات کو۔ آپ چوہدری فضل احمد صاحب مرحوم ناظر تعلیم ربوہ کے صاحبزادہ تھے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو کے درجات بہت بلند فرمائے۔ آمین۔

ان ہنگاموں کے دوران احمدیوں کو ہر ممکن طریق سے ایذا پہنچائی جاتی مثلاً ہماری رہائش کے قریب خاکسار ایک پرہیز گار اور نمازی مسلمان سے دودھ لینے فجر سے پہلے جایا کرتا جنہوں نے نہایت خالص دودھ کی فراہمی کے لئے بھینسیں پال رکھی تھیں۔ خطرہ کے پیش نظر عموماً رستہ بدلتا رہتا اور کبھی لباس بھی۔ ایک روز ان صاحب نے مجھے کہا کہ اب میرے لئے بہت مشکل ہو گیا ہے کہ آپ کو دودھ فراہم کر سکوں، مجھ پر مولویوں کی طرف سے بہت دباؤ ہے۔ چنانچہ یہ سلسلہ رُکا تو خدا نے دوسرے در کھول دیئے۔ کچھ عرصہ راولپنڈی سے خشک دودھ منگواتے رہے۔ ایک روز قبل دوپہر متشدد عناصر کا ایک ہجوم مسجد کے قریب اکٹھا ہو گیا۔ پولیس انہیں آگے بڑھنے سے روک رہی تھی۔ پھر انہوں نے مطالبہ کیا کہ انہیں کم از کم مسجد احمدیہ کی ایک صف تو دے دی جائے جسے وہ آگ لگا کر اپنے دلوں کی کچھ بھڑاس ٹھنڈی کر سکیں لیکن پولیس اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی کے لئے ڈٹی رہی گو پولیس پر عوام کا دباؤ اتنا شدید تھا کہ اس مسلّح پولیس دستہ کے سربراہ بے ہوش ہو گئے۔ یہ عاجز تو مسجد جا کر سجدہ میں گر گیا کہ اے خدا! اگر ان کا وقت آچکا ہے تو بھی اسے اس وقت ٹال دے ورنہ یہ دشمنوں کی خوشی کا باعث ہوگا۔ الحمد للہ کہ کچھ دیر بعد انہیں ہوش آ گیا۔ دباؤ اتنا شدید تھا کہ مظاہرین کو مسجد کی جنوبی دیوار کو پھلانگ کر اندر آنے سے روکنے کے لئے پولیس کے ایک مستعد اور دلیر نوجوان اقبال ناجی اپنے قد سے قریباً دگنی بلند دیوار پر خدا جانے کیسے چڑھ گئے جبکہ ان کی بھاری کم رائفل ان کے کندھوں پر تھی۔ وہ بڑی جرأت سے حملہ آوروں کو للکارتے رہے حتیٰ کہ یہ متشدد

عناصر پسپا ہو گئے۔ ایک آدھ روز بعد علماء سوء نے ان غیور پولیس اہلکاروں کا مورال گرانے کے لئے جماعت کے خلاف ایک پمفلٹ ان تک پہنچایا جس میں شیعہ مسلمانوں کو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حواریوں کو توڑ مروڑ کر جماعت کے خلاف اکسایا گیا تھا چنانچہ مذکورہ اقبال صاحب نے مجھ سے اس کا جواب مانگا۔ خاکسار نے خوب اچھی طرح وضاحت کی مگر وہ خود حد درجہ کٹر شیعہ تھے، یہی کہتے رہے کہ کوئی ایسا خواب کیونکہ دیکھ سکتا ہے؟ ہمارے ہمسایہ میں اترے ہوئے پولیس دستہ سے پہلے بھی خدا تعالیٰ کے مقابل پر کسی حفاظت کی توقع نہ تھی لیکن اب تو صورتحال ایسی بدل چکی تھی۔ دریں حالات خدا کے حضور جھکنا ہی ہمارا ردعمل تھا۔ عصر سے لے کر عشاء تک یہی صورتحال رہی۔ پھر مجھے کچھ پتہ نہیں چلا کہ کیا ہوا۔ صبح کی نماز کے لئے مسجد گیا تو میں اکیلا ہی نمازی تھا کیونکہ حالات کی وجہ سے دوسرے احباب گھروں سے نہ نکل سکتے تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ پہلا پولیس دستہ بدل چکا ہے اور نیا دستہ ڈیوٹی سنبھال چکا ہے اور یہ لوگ وردیوں اور اسلحہ سمیت مسجد کی صف پر دراز تھے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ راتوں رات یہ اچانک تبدیلی کیوں ہوئی۔ سب ہمارے مہربان خدا کا فضل و کرم تھا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ مرکز ربوہ اور آسمان پر رب کریم ہمارے حالات سے خوب باخبر تھا۔ مجھے محاصرہ کی وجہ سے بسا اوقات پتہ نہ چلتا کہ کون کب آیا اور کب گیا۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے لئے حضور انور ہم دونوں کے بزرگ والدین اور احباب جماعت دعائیں کر رہے ہیں جو انشاء اللہ ضرور رنگ لائیں گی۔ انہی دنوں مکرم شیخ عبدالحیٔ صاحب ایر کموڈور (ر) پاکستان ائیر فورس بھی ربوہ سے حالات کے جائزہ کے لئے تشریف لائے اور عاجز سے بھی ان کی ملاقات ہوئی۔ انہی دنوں ایک حد درجہ المناک واقعہ رونما ہوا۔ ہوا یوں کہ شہر کی مجلس ختم نبوت والے احمدی احباب کے گھروں پر پھینکنے کے لئے کچھ گرنیڈ لائے جو سیکرٹری مجلس کے گھر میں چھپا کر رکھے گئے تھے۔ انہی دنوں پتہ چلا کہ متشدد و مفتن افراد اپنے قریبی بلند و بالا گھروں میں ممکنہ کاروائی کے لئے جائزہ کی غرض سے تانک جھانک کرتے پائے گئے۔ جب سیکرٹری مجلس کے بھائی اپنے بھائی کے کمرہ میں رہائش پذیر ہوا تو اس نے ازراہ تجسس گرنیڈ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر اس کا جائزہ لینا چاہا اور لاعلمی کی وجہ سے اس کا پن نکال دیا جس کے چند سیکنڈ کے بعد یہ مہلک ہتھیار پھٹ گیا۔ غالباً یہ نوجوان اس کی میکنزم سے واقف نہ تھا چنانچہ پیٹ پر شدید زخم آنے سے وہ فوری طوری پر

مر گیا۔ یہ واقعہ بعد عشاء ہوا جب کہ شہر کی بڑی مسجد میں نام نہاد مجلس تحفظ ختم نبوت کا اہم اجلاس احمدیوں کے خلاف کارروائی کے پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کی غرض سے ہو رہا۔ ظاہر ہے وہاں پہنچنے والی اس اطلاع سے سب بڑے سراسیمہ ہوئے کیونکہ اس ہلاکت کو پولیس سے چھپانا ممکن نہ تھا نیز انہیں خدشہ تھا کہ شاید اس طرح پولیس گرنیڈز کے ذخیرہ تک نہ جا پہنچے۔ اس وقت جماعت اسلامی سے متعلق ایک بدطینت وکیل نے انہیں ایک مفید مطلب ایف۔ آئی۔ آر تجویز کی کہ اس وقعہ کو مظلوم اور پرامن احمدیوں کی کارروائی قرار دے کر انہیں پولیس کی گرفت میں لایا جائے اور مجلس کی اسلحہ بندی کی طرف نظر نہ جائے۔ ان صاحب کو ہماری جماعت کے مخلص اور احمدیت کے لئے غیرت مند دوست محترم ملک منیر احمد صاحب ایڈووکیٹ مرحوم سے بار کا ممبر ہونے کے ناطے کسی قدر چشمک تھی چنانچہ انہیں، ان کے بھائی مکرم ملک رشید احمد صاحب مرحوم (بعد ازاں امیر جماعت احمدیہ اٹک) اور عزیزم مرزا ظفر احمد صاحب ابن حضرت ڈاکٹر مرزا عبدالرؤف صاحب امیر جماعت احمدیہ ضلع اٹک جو اس وقت ہائی سکول میں پڑھتے تھے، کو اگلے روز صبح ان کے گھروں سے بدطینت ملاؤں اور احمدیت کے شدید مخالف وکیلوں کے اشارہ، انگیخت اور دباؤ پر پولیس نے گرفتار کر لیا۔ بعد ازاں پتہ چلا کہ سازشی عناصر نے بزرگوار مرزا عبدالرؤف کا اسم گرامی ان کی شہر اٹک اور ضلع بھر میں خدمت خلق اور نیک نامی کی بناء فرسٹ انفرمیشن رپورٹ میں درج نہ کروایا۔ انہیں خطرہ تھا کہ اس پر کوئی ان کا اعتبار نہیں کرے گا اور کیس کمزور ہو جائے گا۔

محترم محمد اعظم صاحب اکسیر
نگران متخصصین تحریک جدید ربوہ

تعارف

جس کی باتیں دردِ دل کے واسطے اکسیر ہیں
آؤ مل لیں اس محمد اعظمِ اکسیر سے

یہ شعر معروف احمدی شاعر جناب احسن اسمٰعیل صدیقی صاحب آف گوجرہ کے منظوم تحفہ کا حصہ ہے۔ جہاں تک سوانحی تذکرہ کا معاملہ ہے۔ میرے دادا کے دادا فضل ڈار مرحوم کلگام (کشمیر) سے ترکِ وطن کر کے دولت نگر ضلع گجرات آئے۔ ان کے بیٹے عبدالغفار ڈار کو دولت نگر میں مرکزی حیثیت مل گئی۔ انہوں نے ایک مسجد کے علاوہ اس جگہ ایک عیدگاہ بھی تیار کرائی۔ میرے دادا محترم محمد رمضان صادق صاحب بسلسلہ ملازمت گجرات شہر میں منتقل ہو گئے۔ 1909ء میں احمدی ہوئے۔ والد محترم مولوی محمد اشرف صاحب گجراتی زندگی وقف کر کے قادیان گئے اور وہیں ان کی شادی ہوگئی۔ میرے نانا حضرت مولوی محمد اسماعیلؓ صاحب حلالپوری جامعہ احمدیہ کے پروفیسر اور سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رفقاء میں سے تھے۔

عاجز کی ولادت 14 اکتوبر 1940ء رمضان المبارک میں ہوئی۔ ملکی تقسیم پر بھیرہ ضلع سرگودھا مستقر ٹھہرا۔ 1958ء میں میٹرک کیا اور مختلف مشاغل کے بعد جامعہ احمدیہ میں داخلہ لے کر 1969ء میں شاہد کی ڈگری حاصل کی۔ 1971ء میں مولوی فاضل کیا۔ عاجز کے ذریعہ پہلی بیعت 1959ء میں ہوئی۔ دینی مزاج اور مناظرانہ طبیعت کے سبب چھوٹے بڑے بیس پچیس مناظرے ہوئے۔ پشاور سے کراچی تک پاکستان میں اور یوکے، جرمنی، بیلجیئم اور کینیڈا میں بے شمار دورہ جات کے دوران عیسائیوں، ہندوؤں، بہائیوں، آزاد خیالوں اور مختلف مسلم فرقوں کے احباب سے ہزاروں مجالس سوال و جواب ہوئیں۔ بیسیوں سالانہ اجتماعاتِ اضلاع و علاقہ اسی طرح اضلاع کے جلسہ ہائے سالانہ میں مرکز کی نمائندگی کی۔ بطور مربی انچارج ضلع نارروال، سیالکوٹ، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور فیصل آباد میں مقیم رہا۔ پاکستان کے تقریباً تمام

شہروں اور قصبات میں دورے کئے۔ متعدد مرتبہ مکمل قرآن مجید کے درس کی خوش نصیبی حاصل ہوئی۔ انگریزی ترجمہ قرآن کریم کی طباعت اور پنجابی ترجمہ قرآن مجید کی تیاری میں نمایاں خدمت کی توفیق ملی۔ ماہنامہ مصباح اور ماہنامہ تحریک جدید کی ادارت کی۔ بفضلہٖ تعالیٰ الفضل ربوہ وانٹرنیشنل، الفرقان انصار اللہ، مصباح، خالد، تشحیذ الاذہان۔ مجلہ جامعہ اور ہفت روزہ لاہور کے علاوہ قادیان، جرمنی، انگلینڈ، کینیڈا اور امریکہ کے رسالوں میں مضامین شائع ہوئے۔

پہلی تصنیف ''روحانی جواہر'' 1962ء میں شائع ہوئی پھر مختلف موضوعات پر قریباً تیس چھوٹی بڑی چیزیں شائع ہوئیں۔ ''سن احمدی'' کے ساتھ چند سال ''احمدی جنتری'' بھی شائع کی۔ مجلس خدام الاحمدیہ میں مختلف حیثیتوں سے خدمت کا موقع ملا۔ قائد، زعیم، معتمد مقامی ربوہ کے علاوہ آل پاکستان طاہر کبڈی ٹورنامنٹ کا جنرل سیکرٹری رہا۔

مجلس عاملہ انصاراللہ پاکستان میں 1992ء سے 2008ء تک رکن رہا۔ اس دوران دو دفعہ مجلس انصار اللہ کی طرف سے جلسہ سالانہ یوکے اور جرمنی میں نمائندگی کی مسرت ملی۔ جلسہ سالانہ قادیان کے مواقع پر نماز تہجد پڑھانے اور درس کی توفیق ملتی رہی۔ جلسہ سالانہ ربوہ میں دو دفعہ شبینہ اجلاس میں تقاریر کیں۔ ڈیوٹی جلسہ سالانہ کے سلسلہ میں متفرق ڈیوٹیوں کے بعد کئی سال ناظم معلومات وفوری امداد رہا۔ مرکزی مجلس مشاورت میں کئی دفعہ نمائندگی ملی۔ قریباً 40 رفقاء مہدی علیہ السلام سے فیض یاب ہوا۔ MTA پر تیس پینتیس رفقاء کے اردو و پنجابی میں پروگرام دیئے۔ مختلف بزرگوں کے ایم ٹی اے کے لئے انٹرویو کئے۔ بہت یادگار خدمت گوجرانوالہ میں بسلسلہ ''کلمہ مہم'' حصہ میں آئی۔ ہر طرح کے بے شمار سفر اختیار کئے۔ پیدل، سائیکل پر، ٹریکٹر پر، ٹرالی میں، گھوڑی پر، بسوں، ویگنوں، ٹرک، ریل گاڑی اور بحری و ہوائی جہازوں پر کل مقدار پانچ لاکھ میل سے بھی زیادہ بنتی ہے۔ آج کل پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی شفقت و منظوری سے بطور ''نگران متخصّصین'' خدمت کی توفیق مل رہی ہے۔ مولیٰ کریم اپنی رحمت سے ہمیشہ مؤثر ومقبول خدمت کی توفیق بخشتا رہے۔ اللھم آمین۔

مناظرہ دوالمیال ضلع چکوال

اگست 1966ء کی بات ہے گرمیوں کی تعطیلات میں جامعہ احمدیہ کے تین طلباء نے سیر کا پروگرام بنایا۔ ارادہ تھا کہ سائیکلوں پر لمبا سفر کیا جائے۔ خاکسار کے علاوہ ایک دوست تھے محترمی میر عبدالرشید تبسم

صاحب (مجھ سے سینئر) دوسرے محترمی رفیق احمد جاوید صاحب (مجھ سے جونیئر)۔پہلی منزل ربوہ سے روانہ ہو کر بھیرہ ٹھہری ،دوسری منزل بھیرہ سے میانی، پنڈ دادنخان،کھیوڑہ، چوآسیدن شاہ سے نکل کر دوالمیال تھی۔مگر راستے میں سیلاب اور خراب موسم نے ہمیں تھکا کر بے بس کر دیا۔بمشکل پنڈ دادنخان پہنچے تو ایک کھلے ہوٹل پر چار پائیاں کرائے پر لے کر سو گئے صبح اٹھے تو ہماری بالکل نئی سائیکلیں زنگ آلود ہو چکی تھیں۔ناشتہ کر کے بوجھل کیفیت میں روانہ ہوئے اور خانۂ خدا میں بعد دوپہر دوالمیال پہنچے۔ ہمارے استاد محترم ملک مبارک احمد صاحب کے والد گرامی قاضی ملک عبدالرحمن صاحب جواُن دنوں امیر جماعت دوالمیال تھے وہ تشریف لائے اور تواضع اور دعاؤں کے ساتھ بہت پیار کا سلوک کیا!

نماز عصر کے بعد فرمانے لگے کہ ایک سخت مسئلہ ہے۔ یہ نیچے والی مسجد ہمارے شدید مخالفوں کی ہے اور وہاں سے دو ہفتے ہو گئے ہیں روزانہ اعتراضات کی بوچھاڑ ہو رہی ہے۔ ہمارے مطالبے کے باوجود ابھی تک مرکز سے کوئی عالم تشریف نہیں لائے اگر آپ جواب دے سکیں تو لاؤڈ سپیکر پر جواب دے دیں اس طرح ہمارے دوستوں کو اطمینان ملے گا۔

میرا تو یہ دل پسند مشغلہ تھا۔فوراً اہاں کر دی اور ارادہ کیا کہ چلو رات یہ کام ہو جائے اور صبح اپنا سفر جاری رکھیں گے!ان دنوں دوالمیال میں بہت رونق تھی خوب نمازی ہوتے اور بزرگ بھی کافی بااثر تھے۔محترم میجر حبیب اللہ صاحب محترم میجر سرتاج صاحب محترم کپتان شیر زمان صاحب اور بہت سارے احباب جن کے نام یاد نہیں قائد خدام الاحمدیہ ہوتے تھے ملک اعجاز احمد صاحب جو بعد میں ایک حادثہ میں شہید ہو گئے۔

اعتراضات کی فہرست بن گئی اور بعد نماز مغرب وعشاء تلاوت ونظم کے ساتھ باقاعدہ جلسہ کا آغاز ہوا۔ محترم قاضی صاحب کی صدارت تھی تعارف بھی انہوں نے کروادیا۔خانۂ خدا کے طور پر ہماری جگہ قصبے کی بلند ترین اور خوبصورت مینار کے زیر سایہ عمدہ جگہ تھی۔ مجھے صحیح یاد نہیں کہ سوال کتنے تھے مگر جتنے بھی سوال تھے ایک ایک کر کے سب کا تفصیلی جواب دے دیا گیا۔دو گھنٹے کا یہ جلسہ بہت دلچسپ اور ولولہ انگیز تھا!

دوسری طرف بھی خاموش رہنے والے نہیں تھے۔ ہمارے جلسہ کے بعد انہوں نے سپیکر آن کر کے اعلان کر دیا کہ صبح قادیانیوں کو جواب دیا جائے گا!ہمارا مشورہ ہوا کہ اب ان کا جواب سن کر ہی جانا چاہئے اور صبح کی بجائے دوپہر کو اپنے سفر پر چل پڑیں گے اور راولپنڈی پہنچنے کی بجائے راستے میں کہیں رک جائیں گے!

صبح ہوئی تو مخالفانہ تقریر قریباً ایک گھنٹہ کی ہوئی۔ان کا خیال تھا کہ یہیں کہانی ختم ہو جائے گی۔مگر ہم

نے فوراً مائیک لگایا اور جواب الجواب شروع کر دیا۔ ہمارے بعد پھر وہ پھر ہم۔ دوپہر ہوگئی اور مشورہ یہ ہوا کہ رات رکنا مناسب ہے۔ پروگرام ایک دن آگے چلا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ دوسری طرف غالباً چکوال سے کسی بڑے مولوی صاحب کو بلایا گیا جس نے ایک اور انداز میں ہرزہ سرائی کی۔ رات تک باری باری تقریریں ہوئیں۔ تیسرے دن ایک نیا مولوی خاصے جوش وخروش کے ساتھ نمودار ہوا اور ظہر تک دونوں طرف سے خوب تقاریر ہوئیں۔ رات کو اتمامِ حجت کی خاطر ایک ترکیب سوجھی اور میں نے ایک چیلنج کر دیا۔ مخالفین کے اعتراضات کے جواب میں ہماری میز پر تین کتابیں رکھی تھیں۔

۱۔ احمدیہ پاکٹ بک از محترم ملک عبدالرحمن صاحب خادم ایڈووکیٹ

۲۔ تفہیمات ربانیہ از محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری اور

۳۔ دس سوالوں کے جواب از محترم مولانا جلال الدین شمس صاحب

چیلنج کرتے ہوئے میں نے بتکرار کہا کہ احمدیت کے مخالفین پرانے لوگوں کا اُگلا ہوا کھاتے جا رہے ہیں کوئی نیا سوال یا اعتراض نہیں کر پاتے۔ یہ ہماری پرانی تین کتابیں سوالوں کے جواب میں چھپی ہوئی پڑیں ہیں۔ میں چیلنج کرتا ہوں کہ آپ لوگ کوئی سوال کر کے بتائیں، میں اس کا جواب ان کتابوں سے نکال کر دکھا دوں گا۔

مجھے یاد ہے مخالفین کی طرف سے چند سوالات ہوئے جن کے جواب ان کتابوں کے حوالے سے بتا دیئے گئے۔ رات ہماری تقریر کے بعد خاموشی ہوگئی اور گزشتہ رات کے مقابلے میں قدرے جلد کارروائی ختم ہوگئی۔

چوتھے دن ہمارے ہاتھ میں تین بیعتیں بھی تھیں اور بظاہر ایک فتح نمایاں کے ساتھ ہم خوش تھے۔ فجر کے بعد درس کے طور پر میں نے ایک گھنٹہ کی تقریر میں مثبت رنگ اختیار کرتے ہوئے دعوت حق دی اور بتایا کہ آج روئے زمین پر غلبۂ حق کے لئے احمدیت کی کیا اہمیت ہے۔ اس کے بعد اہل دوالمیال کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بتایا کہ ہم کوئی ''بڑے مولوی'' نہیں ہیں۔ طالب علم ہیں اور گرمیوں کی تعطیلات منانے سیر کے لئے نکلے تھے اور انشاء اللہ آج اپنا سفر پھر شروع کر دیں گے۔ اگر کوئی سوال باقی ہو تو کر لیں ورنہ ہم دوپہر کو آگے روانہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اجتماعی دعا کے بعد ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوئے تو احباب جماعت بڑی محبت سے دور تک ہمیں الوداع کہنے ہمارے ساتھ آئے اور پھر وہاں دعا کے ساتھ ہم تینوں دوست اگلی منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ زیادہ محنت اور شب بیداری کے سبب تھکان سے مجھے

حرارت ہوگئی اور فیصلہ ہوا کہ رات چکوال ٹھہر جاتے ہیں اور آرام کے ساتھ اگلے روز چلیں گے۔ چکوال میں محترم ملک مبارک احمد صاحب صدر جماعت نے بہت خدمت کی اور بڑی تواضع سے پیش آئے۔ فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

صبح اٹھے تو الحمد للہ سکون آچکا تھا مگر سویرے سویرے دوالمیال سے ملک اعجاز احمد صاحب پہنچ گئے اور بتایا کہ بڑا کام خراب ہوا ہے۔ آپ کے آجانے کے بعد وہ لوگ کسی بہت بڑے مولوی اور پیر کو لے آئے ہیں اور رات سے اعلان کر رہے ہیں کہ ایک نامی گرامی بزرگ آئے ہیں جو کل خطاب کریں گے جس سے خوب کھل جائے گا کہ (نعوذ باللہ) مرزائیت جھوٹی ہے اور حق واضح ہو جائے گا۔ اس پر مشورہ ہوا اور ہم سائیکلوں سمیت بس پر سوار ہو کر دوالمیال پہنچے تو منتظر احباب نے استقبال کیا اور خوش ہوئے کہ شکر ہے آپ مل گئے ورنہ آپ آگے نکل گئے ہوتے تو بڑی خجالت ہوتی۔

دوسری طرف اعلان ہو رہا تھا بڑے بڑے القابات کے ساتھ کہ فلاں حضرت فیصلہ کن خطاب کریں گے جس سے نتارا ہو جائے گا۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ وغیرہ۔ ہم سیدھے خانۂ خدا میں پہنچے اور دعا کے ساتھ انتظار کرنے لگے۔ اچانک ایک خوب لحیم شحیم عظیم الجثہ بہت بڑا پیٹ دراز ریش منکوں کے بڑے بڑے ہار پہنے کوئی پیر فقیر شاہ صاحب نامی ظہور فرما ہوئے۔ انہوں نے مائیک پر بلند آواز کے ساتھ ''حق۔حق۔'' کا ورد کیا۔ ماحول پر سناٹا طاری ہو گیا۔ وہ گرج کر کہنے لگا: ''جھوٹ ہے، جھوٹ ہے سب جھوٹ ہے'' ''دلیلیں غلط'' ۔''دلیلیں غلط'' بحث ومباحثے فضول ہیں۔ ''فیصلہ نشان سے ہوتا ہے''۔ ''حق۔حق۔حق۔''

پھر چیلنج کے رنگ میں للکارنے لگا کہ ''رہوڑ'' پر نکلو۔ (''رہوڑ'' ڈھلوان والے قریب ہی ایک وسیع میدان کو مقامی لوگ کہتے تھے)۔ وہاں ایک بڑا سا گڑھا تیار کرو۔ اس میں آگ جلاؤ اس کے اوپر لوہے کے بڑے بڑے گارڈر رکھ کر انگارا کر دو پھر ایک پر مرزائی لیٹے اور دوسرے پر اپنی نسبت کہا کہ ''سیّد کا بچہ'' لیٹے ''جو سچا ہے وہ صحیح سلامت رہے گا جو جھوٹا ہے وہ جل کے مر جائے گا۔ حق۔حق۔حق۔''

پھر دھاڑتے ہوئے کہنے لگا کہ ایک بڑا ''کڑاہ'' تیل کا بھر کے آگ پر رکھو جب اُبل جائے تو مرزائی اور سید کا بچہ اس میں چھلانگ ماریں۔ جو سچا ہے اسے کچھ نہیں ہوگا اور جو جھوٹا ہے اس کا کچھ نہیں بچے گا۔ حق۔حق۔حق۔ مرزائی قیامت تک اس طریقِ فیصلہ کو قبول نہیں کریں گے!

نعروں کی گونج سے ایک شور برپا ہوگیا۔اس للکار نے پورے ماحول میں ایک عجیب کیفیت پیدا کردی۔سوچ کر یا مشورہ کر کے جواب میں دیر بھی ہو جاتی اور وہ نشان بھی ظاہر نہ ہوتا جو اچانک ظاہر ہوگیا۔معلوم نہیں مجھے کیا ہوا۔قطعی بے بس، بے اختیار اور بے قابو ہو کر پورے جوش سے اٹھا اور لپکتے ہوئے مائیک پکڑا۔بغیر کوئی سیکنڈ ضائع کئے میں نے پُورے زور سے کہا:''حق۔حق۔حق''۔ ''چیلنج منظور ہے''! ''چیلنج منظور ہے''! اگر سچے ہو تو چلو اور ''رہوڑ'' پر آگ تیار کرو۔گرڈر انگارا بناؤ۔کڑاہ میں تیل اُبالو اور اس میں چھلانگ لگاؤ۔حق۔حق۔حق۔

اس کے بعد میں نے تقریر شروع کردی کہ اے دوالمیال والو! گواہ رہنا کہ اس نام نہاد پیر فقیر سید کے بچے اور پلے ہوئے مولوی کا چیلنج منظور ہے اور یاد رکھنا کہ یہ مقابلے پر نہیں آئے گا اور بھاگ جائے گا۔ان الباطل کان زھوقاً۔میرے مرشد خدا کے مسیح شیرِ خدا نے پہلے سے فرما رکھا ہے ؎

تیرے مکروں سے اے جاہل میرا نقصاں نہیں ہرگز
کہ یہ جاں آگ میں پڑ کر سلامت آنے والی ہے

یہ شعر تین چار دفعہ پڑھنے سے فضا پر کوئی غیبی تصرف تھا۔ہر طرف مکمل سکوت طاری ہوگیا اور میں بڑی اونچی آواز میں کہہ رہا تھا۔دوالمیال والو! مولوی جھوٹا ہے کیونکہ قادرِ مطلق خدا نے حضرت مرزا صاحب کو حکم دے کر اعلان کروایا تھا کہ:

آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے!!

اچھی طرح سن لو یہ آگ ایک احمدی کو کچھ نہیں کہے گی مگر مولوی کا کچھ نہیں چھوڑے گی دیکھتے ہی دیکھتے اس کا پکوڑا تلا جائے گا۔حق۔حق۔حق۔

یہ منظر عجیب تھا جو میں نے زندگی میں پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔امیر جماعت محترم قاضی ملک عبد الرحمن صاحب مجھے پکڑ رہے تھے کہ کہیں اشتعال بے قابو نہ ہو جائے مگر ہمارے سب احباب ایک للٰہی جوشِ ایمانی سے سرشار ہو رہے تھے آسمانی رعب اور ہیبت کچھ اس طرح پھیلی کہ ہم نے ''نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ' کا نظارہ دیکھا۔مولوی کا بعد میں علم ہوا کہ جوتیاں چھوڑ کر وہاں سے نکلا اور چلا گیا مگر کوئی اس کے پیچھے نہ گیا۔مقامی لوگ کہتے تھے کہ وہ شخص ایک اجنبی تھا آیا اور کہنے لگا کہ میں جواب دیتا ہوں۔اس طرح وہ گرجا چمکا اور ٹھنڈا ہوگیا! مجھے وہ کیفیت کبھی نہیں بھول سکتی کہ چار دن مسلسل ہر تقریر بسم اللہ الرحمن الرحیم اور

ایک تمہید کے ساتھ شروع کی مگر یہ آخری تقریر بغیر تمہید کے قطعی بے ساختہ، بے اختیار اور میری سوچ وفکر اور منصوبہ سے بالاتر تھی!

فالحمد للہ علیٰ ذالک حمدًا کثیرًا

اس واقعہ کے بعد ہم نے بھی سپیکر بند کرتے ہوئے اعلان کیا کہ ہم انتظار کر رہے ہیں کہ مولوی کب ''رہوڑ'' میں نکلتا ہے! قریباً ایک گھنٹہ خاموشی کے بعد میں نے پھر تقریر کی اور احباب کو بتایا کہ الحمد للہ خدا نے ہماری بے بسی کی لاج رکھ لی۔ ہمارا طریق ہرگز ایسے تماشوں میں پڑنے کا نہیں ہے نہ ہی انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی جماعتوں نے کبھی اسے اختیار کیا ہے۔ اصل طریق فیصلہ دلائل پر غور وفکر ہے اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ جو دلیل کی رُو سے مرگیا وہی ہلاک شدہ ہے اور دلیل کے لحاظ سے غالب آنے والا ہی زندۂ جاوید ہے۔ مولوی نے جو طریقِ فیصلہ چنا وہ اسی کا مقدّر ہے جو آخرت میں اسے ملے گا جہاں گرم لوہے سے پیشانیاں داغی جائیں گی، ابلتے پانی، دھکتے انگارے اور آگ بنے پتھر اس کی خوراک ہو گی۔ یہ ایسے ہی ہے کہ لڑائی کی تمنا ہرگز نہ کرو مگر آن پڑے تو سمجھو کہ جنت تلواروں کے سایہ تلے ہے ؎

دستِ عزرائیل میں مخفی ہے سب رازِ حیات
موت کے پیالوں میں بٹتی ہے شرابِ زندگی

اس چار روزہ مناظرے کے واقعات بہت تفصیل رکھتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بڑے نشان دکھائے لیکن جسم تھک کر چور ہو چکا تھا۔ دونوں ساتھیوں نے بہت عمدہ ساتھ نبھایا۔ مقامی احباب نے بہت خدمت کی اور ہم اصل سفر ترک کر کے ایک نئی قسم کی کامیابی لئے براستہ کلر کہار، خوشاب، سرگودھا واپس ربوہ آ گئے۔ **فالحمد للہ علیٰ ذالک**

مناظرہ بھلوال ضلع سرگودھا

مباحثہ بھیرہ کے چند ماہ بعد عیسائیوں نے ایک بہت بڑے بشارتی جلسے کا اہتمام کرنا چاہا جو بھیرہ میں ممکن نہیں تھا اس لئے قریبی شہر بھلوال میں اس کا انتظام کیا گیا اشتہارات چھپے پراپیگنڈہ کیا گیا اور بطور خاص مجھے بھی شرکت کی دعوت دی گئی۔ مقررہ دن سے ایک روز پہلے میرے ایک دوست جو بعد میں علامہ کے نام سے مشہور ہوئے اور سکول و کالج کے سنیئر استاد بنے، میرے پاس آئے کہ میں بھلوال سے آ رہا ہوں اور وہاں سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کل جا رہے ہیں۔ میرا مشورہ ہے کہ ہرگز نہ جائیں وہاں چوٹی کے

پادری عنایت اللہ مجاہد اور پادری عبدالقیوم آرہے ہیں ان کا بڑا مقصد آپ کو رگیدنا اور ذلیل کرنا ہے!

وہ لوگ سمجھتے تھے کہ بھیرہ میں مسیحیت پھیلنے میں رکاوٹ میرا وجود بنا ہے۔خصوصاً ''مباحثہ بھیرہ'' کے بعد ان کا تأثر مستحکم ہو چکا تھا۔ بہر حال اپنے دوست کی بات سن کر میں امیر جماعت محترم چوہدری محمد یوسف صاحب کے پاس گیا اور مشورہ چاہا۔آپ نے فرمایا کہ اگر حوصلہ ہے تو جانا چاہئے جب کہ وعدہ بھی کر چکے ہو۔تب ارادہ پختہ کر لیا مگر سوال یہ تھا کہ تیاری کیا کروں؟ بھلا میں ایک کم علم ناتجربہ کار نوجوان اور دوسری طرف پرانے گھاگ قسم کے پادری! ارادہ کیا کہ سوائے دعا کے کوئی تیاری نہیں ہوسکتی اس لئے بعد نماز عشاء حجرۂ نور میں رات گزار کر اللہ سے مدد مانگی جائے۔ یہ حجرۂ نور وہ کمرہ ہے جس میں حضرت مولانا الحاج الحکیم الحافظ نور الدینؓ صاحب کی ولادت ہوئی تھی بعد میں حضور نے اپنا سارا مکان خانۂ خدا کے لئے وقف کر دیا جس میں یہ کمرہ آج بھی اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔

بہر حال بعد نماز عشاء خانہ خدا سے جانے والے نمازیوں سے کہا کہ باہر تالا لگا جائیں اور صبح آئیں تو کھول لیں۔خود نمازیوں کے چلے جانے کے بعد نوافل پڑھنے اور دعا کرنے لگا کہ مولیٰ! کچھ پتہ نہیں کیا باتیں ہوں اور میں کہاں سے کیا تیاری کروں تو قادر ہے اور تو نے اپنے پیارے نور الدین کی ساری دعائیں قبول کیں انہی کے حجرہ میں تنہا کھڑا ملتجی ہوں کہ معجزانہ رنگ میں غلبہ دے اور پادریوں کو مغلوب کر دے!!

رات آنکھ لگ گئی اور وقت تہجد کے قریب ایک منظر تھا۔خواب دیکھا کہ گویا میں بھلوال پہنچا ہوں اور وہاں انچارج مشن پادری عبداللہ سیمو ایل صاحب نے دروازے پر خوش آمدید کہا پھر اپنے ساتھ اندر لے جا کر برآمدے میں پڑی چار پائیوں پر لے گئے۔ وہاں دونوں بڑے پادری بیٹھے ہیں۔عبداللہ سیمو ایل صاحب میرا تعارف کرا کے ساتھ بیٹھے رہتے ہیں۔ان کے سامنے تربوز ہے بہت اچھا سرخ دو برابر نصف حصوں میں کٹا ہوا اور پادری صاحب مجھے کہتے ہیں کہ آؤ کھائیں۔ میں دایاں ہاتھ بڑھا کر ایک حصے کے وسط سے ایک بڑا ٹکڑا نکال کر کہتا ہوں کہ بس مجھے یہ کافی ہے اور کھانے لگتا ہوں!

دوسری طرف پادریوں نے آہستہ آہستہ باتیں شروع کیں جو اعتراضات میں بدل گئیں اور میں جواب دیتا چلا جارہا ہوں ایک عجیب تجربہ سے گزرتا ہوں جس پر کم وبیش تین گھنٹے وقت لگتا ہے آخر پہ گویا ایک بڑی غیر معمولی کامیابی ملتی ہے اور جمع ہو جانے والے عام مسلمانوں سامعین بڑے پُر جوش ہو کر اسلام کی فتح دیکھتے ہوئے نعرے لگاتے ہیں اور مجھے کاندھوں پر اٹھائے جلوس کی صورت بازار کی طرف نکل کھڑے ہوئے!

خواب کا یہ منظر نہایت خوشگوار تھا اور اس کی تکمیل پر جب آنکھ کھلی تو میں بیٹھ گیا پھر باہر جا کر وضو کیا اور اَز سرِ نَو دعا شروع کر دی کہ: یا اللہ ایسا ہی کر دے یا اللہ ایسا ہی کر دے!!

فجر کی اذان ہوئی اور نمازی آ گئے نماز کے بعد میں گھر سے ہو کر اڈا بس کی طرف گیا اور جب بھلوال پہنچا تو بعینہٖ خواب کا منظر تھا یوں لگا کہ ریکارڈ ڈ وڈیو چل پڑی ہے۔ عبداللہ سیموایل صاحب اندر لے گئے۔ پادری عنایت اللہ مجاہد صاحب اور پادری عبدالقیوم صاحب کے سامنے رکھے تربوز کے وسط سے ایک حصہ لیا اور اسی طرح سوالات کا سلسلہ شروع ہو گیا جو خواب میں دیکھا تھا۔ سارے سوالات اور ان کے جوابات جس کے دوران تمام مسلمان بھائی بکثرت جمع ہوتے چلے گئے اور آخر پہ انہوں نے نعرے لگائے مجھے کاندھوں پر اٹھایا اور جلوس کی شکل میں بازار میں لے گئے۔!

یہ ایک عجیب تجربہ تھا کہ جو خدا کی خاطر تیار ہوتا ہے فرشتے اس کی راہیں ہموار کرتے ہیں اور قادر خدا اپنی تجلیات کی بھرپور تائید ونصرت سے نوازتا ہے۔ ایک طرف یہ واقعہ قبولیت دعا کا واقعہ ہے اور دوسری طرف قدرتِ خداوندی کا عجیب اظہار ہے کہ خواب میں اصل واقعہ کو قبل از وقت منظر کی صورت دکھا دیتا ہے جس سے اعتماد و یقین کی دولت وافر ملتی ہے ؎

قدرت سے اپنی ذات کا دیتا ہے حق ثبوت
اس بے نشاں کی چہرہ نمائی یہی تو ہے
جس بات کو کہے کہ کروں گا یہ میں ضرور
ٹلتی نہیں وہ بات خدائی یہی تو ہے

ایک شیعہ سے مکالمہ

اب مجھے نام یاد نہیں مگر ایک بزرگ شیعہ زوّار اپنی ''امام بارگاہ'' میں روزانہ صبح لاؤڈ سپیکر پر درس دیا کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ ''یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا'' کا ترجمہ کرتے کہ: ''اے رسولؐ تے آلِ رسولؐ علی دی اولاد نوں ستان والیو''

یہ درس سن کر دو تین دفعہ مرکزی امام بارگاہ میں حاضر ہوا پھر بے تکلفی ہو گئی اور بار ہا ملتا رہا۔ ایک دفعہ عرض کیا کہ کیا ایسا ترجمہ کرنا چاہئے جو خواہ مخواہ دوسروں کی دل آزاری کا موجب ہو! وہ اپنی بات پر مُصِر رہے اس پر میں نے کہا کہ دیکھیں ''مومن'' کا لفظ اگر شیعہ اور سنی میں سے کسی ایک کے لئے مخصوص ہو

تو وہ کون ہوگا کہنے لگے کہ مومن تو شیعہ ہیں۔ اس پر ان کو دعوتِ فکر دی کہ اب اپنے ترجمہ پر غور کریں اور سوچیں: ''اے رسول تے آلِ رسول علی دی اولا دنوں ستان والیو'' کیا یہ ترجمہ درست ہے!

اس کے بعد انہوں نے یہ ترجمہ نہیں کیا۔ البتہ میل جول بڑھ گیا تو ایک دن پوچھنے لگے کہ احمدیوں میں اور دوسروں میں فرق کیا ہے؟

میں نے پوچھا کہ آپ اپنا عقیدہ بتائیں عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہنے لگے وہ زندہ آسمان پر ہیں میں نے کہا کہ ہمارے نزدیک وہ فوت ہو چکے ہیں انہوں نے دلیل پوچھی میں نے دو باتیں پیش کیں:

1- سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے کہا گیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں خدا نے مجھے والدہ کی فرماں برداری اور نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ اب سوچ کر بتائیں کہ اگر وہ زندہ ہیں تو ماں کی فرماں برداری کیسے کر رہے ہیں؟ اور نماز کس طرح اور کدھر منہ کر کے پڑھتے ہیں!

2- دوسری دلیل کے طور پر کہا کہ سورۃ الصّف میں عیسیٰ علیہ السلام نے بشارت دیتے ہوئے کہا ہے کہ احمد رسول میرے بعد آئیں گے۔ اگر احمد آنحضرت ﷺ ہیں اور آپ آ چکے ہیں تو کیا عیسیٰ علیہ السلام کا بعد نہیں ہو چکا؟

انہوں نے اپنے والے ترجمہ سے دونوں حصے نکال کر دیکھے اور اقرار کیا کہ واقعی یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ ان دونوں مقامات کے مطابق تو عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں لیکن آپ لوگ تو آنحضرت ﷺ کے بعد نبی مانتے ہیں جو ختم نبوت کے خلاف ہے۔ اس پر عرض کیا کہ اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں جیسے ہوں تو امام جو ہزاروں علماء سے بھی برتر ہے اس کا مقام کیا ہے؟ حیران رہ گئے اور سادگی سے کہنے لگے کہ میں دراصل کبھی جھگڑوں میں نہیں پڑا۔ واقعی امامت تو بہت بڑی چیز ہے!

پھر کہنے لگے آپ مرزا صاحب کو کیوں مانتے ہیں؟ عرض کیا کہ انہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ مجھے خدا نے امام بنایا ہے مگر آپ کے کسی مخالف عالم مجدد نے نہیں کہا کہ مجھے خدا نے بتایا ہے کہ مرزا صاحب کا دعویٰ غلط ہے۔

یہ شریف آدمی بوڑھے تھے ان کو تحریک کی کہ آپ دعا کریں کہ خود آپ پر خدا تعالیٰ حقیقت کھول دے۔ انہوں نے دعا کا وعدہ کیا مگر بہت دفعہ ملے تاہم دعا کرنے کا نہیں بتایا۔ یہ بات محض خدا تعالیٰ کے فضل کی علامت ہے کہ ایک طالب علم کے تبادلہ خیال سے ایک پرانا درس دینے والا مخالفانہ درس اور مخالفت سے باز آ گیا!

سرگودھا میں پادریوں سے گفتگو

غالباً مارچ 1961ء کا واقعہ ہے کہ سرگودھا شہر میں میلہ منڈی مویشیاں کا وسیع انتظام تھا۔ رونق دیکھنے نکلا ہوا تھا۔ میلے میں عیسائیوں نے اپنا تبلیغی سٹال لگا رکھا تھا۔ میں دیکھنے لگا تو ایک نوجوان نے مجھے خیمہ کے اندر آنے کی دعوت دی اندر دیکھا تو میرے واقف محترم پادری نذیر یوسف صاحب مع دیگر رفقاء تشریف رکھتے تھے۔ ان کے ساتھ محوِ گفتگو تھا چائے بھی آ گئی اور اسی دوران محترم ومکرم سیّد احمد علی شاہ صاحب مربی سلسلہ چند خدام سمیت سٹال پر آئے اور باہر پڑے لٹریچر کو دیکھ کر بہت میٹھے انداز میں سوالات شروع کر دیئے کہ یہاں یوں لکھا ہے جب کہ بائبل میں فلاں جگہ اس کے خلاف بیان ہے۔ اسی طرح سٹال پر لگے بینرز ور چارٹوں پر بھی مختلف اعتراضات کئے۔ اس طرح ان کے ساتھ آئے ہوئے خدام اپنے علم میں اضافہ کر رہے تھے۔ ماشاء اللہ سوالات ایسے جامع تھے کہ مسئول عاجز ومغلوب ہو رہا تھا اور یوں دیکھنے والوں پر گہرا اثر نمایاں تھا۔ پہلے تو میں اندر ہی بیٹھا رہا پھر باہر آ کر محترم شاہ صاحب سے ملا وہ آگے تشریف لے گئے اور خاکسار پھر خیمہ میں پادریوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہو گیا۔ اسی دوران ایک نوجوان نے آ کر سوال کیا کہ ہمارے علماء بتاتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق بشارت دی تھی کیا واقعی آپ کی کتابوں میں ایسا لکھا ہوا ہے؟

اس سوال کا جواب پادریوں کی طرف سے نفی میں دیا گیا جس پر میں نے مداخلت کی اور بہت دھیمے انداز میں کہا کہ جواب قطعی انکار میں درست نہیں ہے بلکہ بشارت تو دی ہے البتہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر لگانا اور تسلیم کرنا الگ بات ہے۔ چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ جب مسیح خداوند آئے تو اس وقت لوگ تین شخصیتوں کا انتظار کر رہے تھے جن میں مسیح اور ایلیاہ کے علاوہ ''وہ نبی'' کا ذکر ہے جسے ریفرنس بائبل میں استثنا کی کتاب میں موجود پیشگوئی کی طرف موڑ دیا گیا ہے اور وہ نبی موسیٰ علیہ السلام کا مثیل صاحبِ شریعت نبی ہے۔ نوجوان کے دریافت کرنے پر میں نے حوالے نکال کر بتا دیئے کہ یہ دیکھیں یوحنا کی انجیل کا پہلا باب اور توریت کی استثناء کا اٹھارواں باب۔

اس کے بعد وہ نوجوان خود ہی گفتگو کرتا رہا اور میں پھر پادری صاحبان کے پاس جا بیٹھا اور محترم پادری نذیر یوسف صاحب سے علمی رنگ میں دریافت کرنے لگا کہ اصل مسئلہ کیا ہے۔ استثناء کی کتاب میں جس نبی کی بشارت ہے تینتیسویں باب کے مطابق اس کا ذکر انگریزی بائبل میں اس طرح ہے کہ وہ ''دس ہزار

قدوسیوں کے ساتھ'' آئے گا۔ پرانی اردو بائیبل میں بھی دس ہزار کا ذکر ہے لیکن اب نئے اردو ترجمہ میں اس کی بجائے ''لاکھوں قدسیوں میں سے'' درج ہے۔ وہ بتانے لگے کہ دراصل یہ ایک پرانی زبان کا لفظ ہے جس کا معنی ہزار بھی ہے دس ہزار بھی لاکھ بھی اور دس لاکھ بھی۔ اس لئے دونوں تراجم ٹھیک ہیں۔ اس پر گفتگو ہوتی رہی کہ یہ کیفیت تو شبہ میں ڈالنے والی ہے اور تراجم بائبل کی بہرحال نا اعتباری کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

مولوی منظور احمد صاحب چنیوٹی سے مکالمہ

مولوی منظور احمد چنیوٹی صاحب سے متعدد دفعہ ملاقات ہوئی۔ وہ اپنے ادارہ میں بطور استاد کے بہت عزت سے دیکھے جاتے تھے اور دور دراز سے بڑے بڑے مدارس کے طلباء ان کے پاس فاضل کرنے کے لئے آیا کرتے تھے۔ تاہم انہوں نے اپنی شہرت کا ذریعہ احمدیت کی مخالفت کو بتایا اور اس سلسلہ میں بڑے حربہ کے طور پر ''مباہلہ'' کو استعمال کیا کرتے اور لوگوں کو باور کراتے کہ امام جماعت احمدیہ ان کی طرف سے مباہلہ کے چیلنج کو قبول نہیں کرتے!

مباہلہ کے موضوع پر مولوی صاحب سے کئی دفعہ بات ہوئی۔ خاکسار جامعہ احمدیہ میں جب طلباء یونین کا سیکرٹری تھا تو شروع 1965ء میں ان کے جامعہ عربیہ میں جا کر ملا اور باقاعدہ دعوت دی کہ ربوہ تشریف لا کر مباہلہ کے موضوع پر علمی مقالہ پیش فرمائیں اور تفصیل سے بتائیں کہ شرعی لحاظ سے مباہلہ کیا ہوتا ہے کس کو دعوت مباہلہ دینے کا حق حاصل ہے اور کن کو ایسی دعوت دی جاتی ہے۔ اس کی شرائط وغیرہ کیا ہیں اور یہ مکمل اور فیصلہ کن کس طرح ہوتا ہے۔ اس کے نتائج واثرات کیا متوقع ہوتے ہیں۔ آپ کے مقالہ پیش کرنے کے بعد طلباء سوالات کریں گے اور آپ ان کا جواب دیں گے۔ مولوی صاحب نے جواباً کہا کہ ایسا مناسب نہیں ہے کیونکہ آپ سب لوگ میرے شدید مخالف ہیں اور میں ایسی حالات میں کیسے جا سکتا ہوں وہاں میری حفاظت کا کون ذمہ دار ہوگا؟ وغیرہ۔

خاکسار نے عرض کیا کہ مولوی صاحب! آپ تو ''فاتح ربوہ'' ہیں۔ پھر ربوہ میں آپ کے لئے ڈرنے کی کوئی وجہ کس طرح ہوسکتی ہے۔ تاہم آپ کی تسلی کے لئے جس طرح کا تحفظ چاہیں انتظام کیا جاسکتا ہے۔ آپ کے ساتھ آپ کے چند آدمی بھی جا سکتے ہیں لیکن آپ جانتے ہیں کہ ہم لوگ اس طرح کی حرکت نہیں کر سکتے! بہرحال مولوی صاحب ایسی سنجیدہ مجلس کے لئے تیار نہ ہوئے۔ پھر میں نے کہا کہ آپ بطور استاد کے شاگردوں کو مسائل ضرور سمجھاتے ہیں۔ میں بھی تو طالب علم ہوں مجھے سمجھائیں اور میری چند مشکلات دور فرمائیں۔

میرا پہلا سوال تھا کہ آپ کی طرف سے جو چیلنج دیا گیا ہے اور مسلسل دیا جاتا ہے کیا یہ باذن الٰہی ہے؟ کہنے لگے اس کے لئے کسی نئے حکم کی ضرورت نہیں یہ ایک شرعی طریق فیصلہ ہے جس کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔

میں نے پوچھا کہ خدا تو بے نیاز ہے اسے اس بات کی کیا پرواہ کہ آپ یا کوئی دوسرا اس کے نام سے چیلنج دے تو وہ ضرور اس کی لاج رکھے۔

خدا کی طرف سے چیلنج دینے والے کو خدا کی طرف سے تسلی ملنی چاہئے کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور چونکہ موت وحیات کا مالک ہوں اس لئے مطلوبہ نتیجے کو ظاہر کروں گا۔ مولوی صاحب کہنے لگے کہ یہ سنت الٰہی ہے کہ وہ مباہلہ کا نتیجہ ظاہر کیا کرتا ہے اس لئے اب بھی کرے گا۔ عرض کیا کہ جس طرح آپ کو حق ہے کہ مباہلہ کا کسی کو چیلنج دیں کیا مجھے بھی حق ہے؟ اگر ہے تو میں آپ کو چیلنج کرتا ہوں کہ آئیں اور مباہلہ کی وضاحت وتشریح کے بعد میرے ساتھ مباہلہ کر لیں!

کہنے لگے یہ کوئی مقابلہ ہے کہ ایک شاگرد وہ بھی کسی اور کا ایک بڑے استاد بلکہ پرنسپل کو مباہلہ کا چیلنج دے۔ اس پر میں نے بے ساختہ کہا کہ مولوی صاحب آپ کیوں نہیں سوچتے کہ ایک مدرسہ کا پرنسپل اور ساری دنیا میں خدا کی طرف سے مقرر کردہ ایک خلیفہ کے درمیان فرق تو اس سے بھی بہت زیادہ ہے جو مجھ میں اور آپ میں ہے!

اس پر مولوی صاحب اٹھ کھڑے ہوئے کہ جمعہ کی تیاری وغیرہ کرنی ہے پھر کبھی بات کر لیں گے۔ اس مختصر مجلس کے دوران سینئر طالب علم آ کر خواہ مخواہ دخل اندازی کرتے اور کوئی نہ کوئی معترضانہ بات کرتے جنہیں میں یہ کہہ کر روکتا رہا کہ دیکھیں استاد جی تشریف رکھتے ہیں اور انہی سے بات ہو رہی ہے آپ ان کو اپنی مدد کا محتاج کیوں سمجھتے ہیں ویسے بھی یہ آداب مجلس اور مقام ادب کے منافی حرکت ہے!!

شکر گڑھ کا روح پرور نظارہ

1973ء میں ایک چٹھی دفتر کی طرف سے ملی کہ تحصیل شکر گڑھ میں کسی سکول کے دو ٹیچرز ایک خواب دیکھنے کے بعد بیعت کرنا چاہتے ہیں، ان سے مل کر رپورٹ کریں۔ عاجز نارووال سے بستان افغاناں کے دوست محترم مقبول احمد خان صاحب سے جا کر ملا۔ انہیں ساتھ لیا اور دیئے ہوئے پتہ پر ایک پرائمری سکول میں پہنچ گیا۔ وہاں دو ہی ٹیچر تھے مکرم ماسٹر رفیق احمد صاحب اور مکرم ماسٹر مقصود احمد صاحب۔ چٹھی کا ذکر سن کر وہ بہت خوش ہوئے اور پھر جو روح پرور واقعہ سامنے آیا وہ بہت عجیب تھا۔ بات خواب کی ہوئی جو اس طرح تھی:

ایک دن ماسٹر رفیق احمد صاحب نے خواب میں دیکھا کہ جیسے کوئی دریا پار کر کے ایک بستی میں داخل ہو رہے ہیں۔ان کے دائیں ہاتھ پہاڑی سلسلہ ہے اور بائیں طرف آبادی ہے۔خواب میں محسوس کرتے ہیں کہ جگہ نئی نہیں بلکہ وہ جانتے ہیں کہ اس کا نام ربوہ ہے۔اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے جیسے دماغ میں آواز آرہی ہے کہ ''یہ مرکز اسلام ہے۔یہ مرکز اسلام ہے۔''

ان کے والد گاؤں ہرسہ کوٹ میں امام الصلوٰۃ تھے۔اپنے والد صاحب سے خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے خواب کو ''شیطانی حملہ'' قرار دے کر صدقے کی تحریک کی چنانچہ ایک سیاہ رنگ کا مرغ لے کر بطور صدقہ ذبح کر کے بانٹ دیا گیا!

چند دن بعد ماسٹر رفیق صاحب نے پھر یہی خواب دیکھا مگر اب والد صاحب کو نہیں سنایا کہ وہ پریشان ہوں گے البتہ خود دعا واستغفار میں لگ گئے اور کچھ کچھ پریشان رہنے لگے کہ آخر ''شیطان'' کا حملہ مجھ پر کیوں ہوا ہے؟

قریباً ایک ماہ گزرنے پر ساتھی ٹیچر ماسٹر مقصود احمد صاحب نے چہرے سے پریشانی بھانپ کر معاملہ جاننا چاہا مگر ماسٹر رفیق صاحب بتانا نہیں چاہتے تھے کہ خواہ مخواہ بدنامی ہوگی۔تاہم ماسٹر مقصود احمد صاحب کے زور دینے پر اور راز رکھنے کا عہد کرنے پر رفیق صاحب نے خواب اور سارا واقعہ سنایا! سننے کے دوران ماسٹر مقصود صاحب ہنستے رہے۔اور انہیں ہنستا دیکھ کر رفیق صاحب ملول خاطر تھے کہ ایک دکھ کا قصہ سنا رہا ہوں اور تم ہنستے جارہے ہو!

خواب سن کر مقصود صاحب نے کہا کہ مجھے سچ سچ بتاؤ کہ تمہیں میرا یہ خواب کس نے بتایا؟ اور پھر بیان کیا کہ میں حلفاً کہتا ہوں کہ خواب میرا ہے جو قریباً ایک ماہ پہلے میں نے اپنے گاؤں کلّہ میں دیکھا تھا! اب بتاؤ کہ تمہیں کیسے پتا چلا؟

خیر یہ حقیقت کھلنے پر کہ دراصل دونوں نے ایک ہی خواب اپنے اپنے گاؤں میں دیکھا ہے توان کی توجہ اس طرف گئی کہ یہ شیطانی حملہ نہیں بلکہ خدا کی طرف سے کوئی اشارہ ہے۔دونوں پیشتر ازیں کبھی ربوہ نہیں گئے تھے نہ ہی کبھی کسی احمدی سے راہ ورسم رکھی تھی۔مشورہ کیا اور ایک پوسٹ کارڈ لے کر اس پر ایڈریس لکھا: ''جناب صدر صاحب احمدی جماعت ربوہ'' خط حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ کے دفتر میں ربوہ پہنچ گیا اور وہاں سے نظارت اصلاح وارشاد کو بھیجا گیا۔انہوں نے کچھ لٹریچر بھیج دیا وہ لٹریچر دونوں نے پڑھا اور

بہت اچھا لگا۔لٹریچر میں بعض کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حوالہ تھا۔انہوں نے اصلاح وارشاد کے پتہ پر خط لکھا کہ اصل کتابیں بھیج دی جائیں تو انہوں نے جواب میں ''الشرکتہ الاسلامیہ'' کی فہرست کتب بھیج دی کہ یہ کتب قیمتاً مل سکتی ہیں۔ ماسٹر صاحبان نے کتب منگوانی شروع کر دیں اور ہر دفعہ وی پی چھڑا لیتے۔اس طرح کافی کتب جمع ہو گئیں!

یہاں تک بات پہنچی تو میں نے کتب دیکھنے کا شوق ظاہر کیا۔وہ ہمیں سکول کے کمرہ میں لے گئے۔ایک آہنی صندوق کھولا تو روحانی خزائن کی کچھ جلدیں اور دوسری کتب بڑے پیار اور سلیقے سے رکھی تھیں! یہ صورت حال دیکھی تو فوراً دونوں کا بیعت فارم پر کیا اور تصدیق کے ساتھ بھیج دیا۔فالحمدللہ علی ذالک۔

عجیب تر واقعہ

بیعت کے اگلے سال ملک بھر میں بہت بڑا طوفان اٹھا۔ 1974ء کے فسادات برپا ہو گئے۔طرح طرح کی افواہیں پھیلیں۔اسی دوران ایک دن بڑی اندوھناک خبر لاؤڈ سپیکروں پر یہ سنی کہ دو جگہوں سے مرزائیت کا بُوٹا یعنی پودا اکھیڑ دیا گیا ہے! دونوں جگہوں کا نام لیا جارہا تھا یعنی ہرسہ کوٹ اور کلّہ۔

میں نے رات نارووال میں بے چینی، اضطراب اور دعا میں گزاری۔صبح کسی سے ذکر کئے بغیر ارادہ کیا کہ تنہا ان ٹیچرز کے پاس جاتا ہوں تا کہ بات زیادہ نہ پھیلے اور اگر خدانخواستہ ان کے ارادے خراب ہو چکے ہوں تو یہ بری خبر مجھ تک محدود رہے!!

دعائیں کرتا ہوا قریباً دس بجے سکول پہنچا تو دونوں نے کلاسیں لے رکھی تھیں۔اس سے پہلے دونوں بڑے تپاک سے اٹھ کر بڑی گرمجوشی سے ملا کرتے تھے اور فوراً لسّی چائے کا انتظام اور دلی مسرت کا اظہار ہوا کرتا تھا!

آج میں پہلے ایک کے پھر دوسرے کے پاس گیا سلام کہا مگر جواب ندارد اور عجیب طرح کی لاپرواہی کا مظاہرہ! میں نے ماسٹر رفیق صاحب سے بات کرنا چاہی اور سلام کا جواب دینے کو کہا تو مقصود صاحب بھی کرسی سے اٹھے پھر ہم تینوں ایک طرف ہو کر بیٹھ گئے۔وہ دونوں بات نہیں کر رہے تھے اور غمزدہ چہروں کے ساتھ میری طرف دیکھے جارہے تھے۔آخر مقصود صاحب نے کہا کہ آپ کو نہیں پتہ کہ کیا ہوا ہے؟ میں نے کہا آپ بتائیں گے تو پتہ لگے گا ویسے کیا پتہ! خیر انہوں نے سنایا کہ ان کے گاؤں کلّہ میں نارووال اور سنکھترہ کے مولوی صاحبان نے ایک بہت بڑا جلسہ کیا جس کا اہتمام مقصود صاحب کے بھائیوں نے کیا۔شدید تندو

تیز اور اشتعال انگیز تقریروں کے بعد مقصود صاحب کو سٹیج پر بلایا گیا وہ اعتماد کے ساتھ آئے اور صداقتِ احمدیت بیان کرنا چاہی مگر مولویوں کے ارادے کچھ اور تھے۔ انہوں نے کہا ہم تمہاری تبلیغ سننے نہیں آئے بلکہ جواب لینے آئے ہیں۔ پھر ہاں یا نہ میں جواب پر اصرار کیا مثلاً انہوں نے ایک پمفلٹ دکھاتے ہوئے کہا کہ مرزا صاحب کہتے ہیں جو مجھے نہیں مانتا وہ (نعوذ باللہ) کنجریوں کی اولاد ہے۔ بتاؤ یہ تمہارے بھائی کس کی اولاد ہیں؟

اسی طرح کے اور اعتراضات کئے جنہوں نے مقصود صاحب کو مشکل میں ڈال دیا۔ ماسٹر رفیق صاحب بھی مدد کے لئے ان کے پاس پہلے سے آ چکے تھے مگر دونوں نے کبھی اس طرح کی صورت حال نہیں دیکھی تھی اس لئے ''لاجواب'' ہو گئے اور مقصود صاحب مجھے بتا رہے تھے کہ ہمیں تو ان باتوں کا علم ہی نہیں تھا اگر پتہ ہوتا تو ہم ہرگز احمدی نہ ہوتے !!

یہ ایک عجیب صورتِ حال تھی۔ انہوں نے ایک لائنوں والے فل سکیپ کاغذ پر ایسے سترہ (17) اعتراضات لکھ رکھے تھے جو سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات پر کئے گئے تھے۔ اس پر میں نے پنجابی محاورہ استعمال کرتے ہوئے کہا کہ آپ تو ماشاء اللہ سمجھ دار علم والے استاد دوست ہیں کیا یہ نہیں سنا کہ اگر کوئی کہہ دے کہ کوّا تمہارا کان لے گیا ہے تو کوّے کے پیچھے بھاگ نہ کھڑے ہو بلکہ پہلے ہاتھ لگا کر دیکھ لو شاید کان اصل جگہ پر موجود ہو!

اس پر وہ کہنے لگے کہ کیا یہ تحریریں نہیں ہیں؟ میں نے سمجھایا کہ نہیں اس طرح ہرگز نہیں مگر ان کی تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ اس پر میں نے وہ اعتراضات والا کاغذ لیا اور اس پر اپنے قلم سے نمایاں لکھ دیا کہ:

''خدا کی قسم اگر یہ عبارتیں اسی مفہوم میں اور اسی طرح ہوں تو میں بھی احمدی نہیں ہوں''

اور نیچے دستخط کرتے ہوئے لکھ دیا کہ ''مربی سلسلہ احمدیہ'' جب یہ تحریر ان کو دی تو جیسے دونوں کی آنکھوں میں ایک نئی چمک آ گئی کہنے لگے واقعی مربی صاحب! میں نے تسلی دی اور کہا کہ آؤ وہ صندوق جو کتابوں سے بھرا پڑا ہے نکال کے ابھی دیکھ لیتے ہیں چنانچہ دیکھنے لگے تو 9 مقامات مل گئے اور واضح ہو گئے لیکن باقی 8 والی کتب نہ ملیں۔ اس کے لئے طے پایا کہ دونوں نارووال آ جائیں اور وہ آ گئے تب سارے اعتراضات حل ہو گئے۔ علاوہ ازیں ان کو جو افواہیں بتائی گئی تھیں کہ سارے احمدی احمدیت چھوڑ رہے ہیں ان کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ ہفت روزہ لاہور کے بہت سارے شمارے دیئے اور خدا کے فضل سے دونوں کے دل صاف ہو گئے ایسے کہ دونوں جگہ

مزید احمدی ہوئے اور خدا کے فضل سے احمدیت سب میں قائم دائم ہے۔ **فالحمدللّٰہ علیٰ ذالک۔**

جڑانوالہ کے گریجوایٹس

صد سالہ احمدیہ جوبلی کا سال تھا۔ 1989ء ضلع فیصل آباد کی طرف سے ایک بہت بڑا جلسہ چک 146 ٹھٹہ کالو میں مقرر تھا مرکز سے پانچ علماء کرام تشریف لائے اور خاکسار مربی ضلع فیصل آباد تھا۔ جلسہ بہت کامیاب رہا اور بالکل جلسہ سالانہ مرکزیہ کی طرح پرالی بچھائی گئی اونچا وسیع سٹیج بنایا گیا ایمان افروز تقاریر ہوئیں۔ پروگرام کے مطابق وفد کی مرکز واپسی تھی مگر مجھے اپنے چند دوستوں کے ساتھ جڑانوالہ رکنا تھا۔ وہاں ہمارے مربی حبیب احمد صاحب اور قائد صاحب خدام الاحمدیہ مکرم ڈاکٹر اعجاز صاحب نے بہت خوبصورت پروگرام ترتیب دے رکھا تھا۔ 30 گریجوایٹس مدعو تھے۔ چند وکلاء، کالج کے پروفیسرز، سکول کے ٹیچرز اور کچھ ریٹائرڈ احباب۔ ایک پرائیویٹ جگہ خوب رکھ رکھاؤ اور بناؤ سنگھار سے اہتمام کیا گیا تھا۔ جلسہ سے واپسی پر اس تقریب کا راستے میں ذکر ہو گیا تو اہل قافلہ جو چوٹی کے علماء کرام تھے، خواہش مند ہوئے کہ ایسی مجلس تو دیکھنی چاہئے۔ میرے انقباض کے باوجود سارے دوست مقررہ جگہ پر پہنچے تو وہاں مہمان آ چکے تھے۔ ان میں اسلامیات اور عربی کے اساتذہ کے علاوہ کچھ عمومی مذہبی دلچسپی والے احباب بھی جمع تھے ان کے ہاتھ میں مخالفانہ لٹریچر نظر آ رہا تھا۔ یوسف لدھیانوی اور منظور چنیوٹی کے پمفلٹ نمایاں تھے۔ بڑے بڑے علماء کو دیکھ کر مہمانوں کو شوق ہوا کہ ان سے ہی سوالات کریں اور وہی جواب دیں مگر ایسا ممکن نہیں تھا وہ لوگ بہت مصروف تھے اور انہوں نے جلد واپس جانا تھا خصوصاً محترم مولانا دوست محمد شاہد صاحب مؤرخ احمدیت اور محترم حافظ مظفر احمد صاحب۔ مائیک سنبھال کر خاکسار نے عرض کیا کہ آپ سب کو دعوت دینے والے ہم موجود ہیں اور انشاء اللہ موجود رہیں گے۔ ہمارے مرکز کے علماء کے دیگر پروگرام ہیں اس لئے آپ ان کے رکنے پر اصرار نہ کریں چنانچہ اصل تقریب تلاوت قرآن پاک کے ساتھ مکمل خاموشی کے ساتھ شروع ہوئی پھر نعتیہ کلام بھی سنا گیا اور خاکسار نے ابھی چند جملے کہے تھے کہ مہمانوں نے سوال کرنے چاہے اور ایک شور برپا ہو گیا۔ اس پر اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونے کے حوالے سے اپیل کی گئی کہ کسی بھی مجلس کا کوئی طریق کار ہوتا ہے جسے ملحوظ رکھنا چاہئے۔ آپ مجھے صرف پانچ سات منٹ دیں پھر سوال جواب شروع کر دیں گے! موقع ملنے پر خاکسار نے نظر آنے والے مخالفانہ لٹریچر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نام لے لے کر بتایا کہ فلاں میں قریباً اتنے فلاں میں اتنے اور اس طرح کم وبیش سوسوا

سوسوالات ہیں مگر آپ سب کا وقت بہت قیمتی ہے۔ہم تیار ہیں کہ بے شک ساری رات بیٹھیں مگر ایک تجویز ہے اگر آپ پسند کریں تو سب کا وقت بچ جائے گا اور اصل مقصد بھی حاصل ہو جائے گا۔!

تجویز یہ ہے کہ سو سے زائد سوالات ہیں اور ظاہر ہے کہ کوئی سوال زیادہ سخت ترین اور وزنی ہوگا اور کوئی کم سخت اور کم وزن۔اس لئے مناسب ہوگا کہ ایک وکیل صاحب ایک پروفیسر کالج اور ایک ٹیچر ہائی سکول تین دوست الگ کمرے میں ان سب سوالات پر غور کر کے اپنی دانست میں سخت ترین سوال اور سب سے بھاری پتھر کا انتخاب کرلیں اور وہ مجلس میں پیش کر دیں جس کا جواب دیا جائے۔اگر آپ سب کی رائے میں اس سوال کا جواب آجائے تو سمجھ لیا جائے کہ باقی سوالات اس سے ہلکے ہیں اس لئے ان کا جواب بھی ضرور موجود ہے۔

دوسری طرف اگر احمدیوں کے پاس جواب نہیں تو سب سے وزنی اعتراض کے سامنے بآسانی بے بس ہو جائیں گے اور سمجھا جائے گا کہ سارے اعتراضات میں وزن ہے!

اس تجویز کو پسند کیا گیا البتہ تین کی بجائے کمیٹی چار کی بنی غور وفکر کر کے انہوں نے ایک سوال کا انتخاب کرنے میں قریباً 20 منٹ لگائے اور یہ 20 منٹ مجھے موقع مل گیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تعارف بحیثیت ”سچا ہمدردِ اسلام اور عاشقِ رسولؐ “ کے پیش کرسکوں۔

سوال تھا کہ مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام میں لکھا ہے کہ جو مجھے نہیں مانتا وہ کنجریوں کی اولاد ہے اور ایسا کہنے کا انہیں کسی طرح بھی کوئی حق نہیں ہے پھر انہوں نے ایسا کیوں کہا؟

میں نے بہت حوصلہ افزائی کی کہ واقعی کمیٹی نے وہ سوال منتخب کیا ہے جو قریباً تمام اعتراض کرنے والوں نے ہمیشہ کیا ہے اور ایسا سوال ہے جس کا تعلق ہر احمدی اور غیر احمدی سے ہے۔پھر جو جواب دیا اس کے اہم نکات حسب ذیل تھے:

1- سائل سے بہ تکرار پوچھا کہ واوین کے درمیان جو فقرہ لکھا ہے کیا یہی اصل فقرہ ہے۔اثبات میں جواب پر ان کو بتایا گیا کہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہے بلکہ اصل عبارت اردو میں نہیں عربی میں ہے۔

2- سوال اصل کتاب سامنے رکھ کر نہیں کیا جا رہا اس لئے ساری الجھن ہے۔پھر ڈاکٹر اعجاز صاحب کے گھر سے کتاب منگوا کر حاضرین کو دکھا دی گئی اور بتایا کہ جب کوئی مخالف دشمن بات کرتا یا لکھتا ہے تو وہ بات کبھی صحیح نہیں ہوتی اور یہ سوال ایک سخت مخالف کی تحریر سے پڑھ کر کیا جا رہا ہے!

3- تیسرا پوائنٹ یہ تھا کہ عربی کے پروفیسر صاحب کو دکھا کر میں نے پوچھا کہ جس لفظ ''ذریۃ البغایا'' کا یہ ترجمہ کیا گیا ہے۔کیا مرزا صاحب نے خود کوئی معنی بیان کئے ہیں؟ تب پروفیسر صاحب نے بتایا کہ ہاں کئے ہیں اور وہ یہ ہیں: اَلَّذِیْنَ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِہِمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ یعنی وہ لوگ جن کے دلوں پر مہریں ہیں اور وہ بات مانتے ہی نہیں!

4- ایسی عبارت پڑھ کر کوئی احمدی جس کے قریبی رشتہ دار غیر احمدی ہوں وہ کس طرح احمدی رہ سکتا ہے مگر علماء کرام مل کر اور تلاش کر کے نہیں بتا سکتے کہ آج تک کسی احمدی نے اس عبارت کی وجہ سے احمدیت چھوڑی ہو۔

5- اس عبارت کو ہم نے منسوخ نہیں کیا اور آج بھی لوگ اس عبارت سمیت یہ اور دوسری کتابیں پڑھ پڑھ کر احمدی ہو رہے ہیں اس لئے مسئلہ عبارت کا نہیں فہم کا ہے!

6- مرزا صاحب نے دوسری جگہ اس لفظ کا اردو میں ترجمہ کیا اور وہ وہی ہے جو بہت سارے پرانے بزرگوں نے کیا ہے یعنی سرکش باغی لوگ!

7- پوری عبارت سیاق وسباق کے ساتھ پڑھیں تو آپ مان لیں گے کہ یہ بات ٹھیک ہے۔اصل بات یہ بیان کی گئی ہے کہ براہین احمدیہ اور سُرمہ چشمہ آریہ اسلام کے دفاع میں دو کتابیں عیسائیوں اور آریوں کے لئے منہ توڑ ہتھیار ہیں اور جو اس بات کو نہیں مانتا وہ سرکش اور باغی ہے جو حقیقت ہے۔

8- خلاصہ یہ کہ اس جگہ دعوٰئ مسیح موعود وغیرہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ دعوٰی یہ ہے کہ عیسائی اور آریوں کا ردّ مذکورہ بالا دونوں کتابوں میں ہے اور کہا گیا ہے کہ جو حسن ظن اور نظر محبت سے دیکھے گا وہ اقرار کرے گا کہ میرا یہ دعوٰی صحیح ہے سوائے ذریۃ البغایا کے!

یہ مجلس بہت اچھی تھی اور کوئی دوست سوال کرنے پر آمادہ نہیں تھے تاہم عرض کیا کہ پابندی کمیٹی بنانے والوں پر تھی۔اگر کسی دوست نے کوئی سوال کرنا ہو تو کر سکتا ہے چنانچہ دلچسپ مجلس شام تک جاری رہی جس کا خدا کے فضل سے بہت گہرا اور نتیجہ خیز اثر ہوا۔**فالحمد للہ علیٰ ذالک۔**

میاں عبدالمنان عمر صاحب سے گفتگو

1968ء شاہد کلاس کے آخر میں جو مقالہ تیار کرنا تھا اس کے سلسلہ میں لاہور گیا۔انارکلی کے باہر اتفاقاً ایک شناسا دوست ملے علیک سلیک کے بعد اس نے بتایا کہ دائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا) میں

کام کرتے ہیں۔اور وہاں بہت بڑے بڑے سکالرز ہیں۔ چنانچہ ان سے ملاقات کا پروگرام بنا اور ایک سے مل کر دوسرے کے پاس جاتے ہوئے ایک دروازہ پر نظر پڑی تو ''معتمد ادارہ'' کا بورڈ آویزاں تھا اور نام لکھا تھا ''عبد المنان عمر''۔ میں دیکھتے ہی واپس ہونے لگا۔مگر دوست نے کہا کہ کیوں ڈرتے ہو یہ تو تمہارے ہی بزرگوں کی اولاد ہیں۔ بہر حال ملے اور بھیرہ کا حوالہ آنے سے بے تکلفی ہوگئی۔

میاں صاحب نے واعظانہ رنگ میں گفتگو کا آغاز کیا۔ کہنے لگے: حضرت مسیح موعودؑ کی 80 کتابیں، ملفوظات کی جلدیں، تمام اشتہارات اور جملہ روایات پڑھ جاؤ سب کا خلاصہ تین لفظ ہیں: علم، عمل اور تقویٰ کہیں بھی تنظیم کا لفظ نہیں ملے گا۔ نہ اس کی پرستش و پوجا جیسی قدر و منزلت کا کوئی تصور ہے!

خاموش ہوئے تو میری طرف دیکھ رہے تھے۔اجازت چاہی تو کشادہ روئی سے کہنے لگے ضرور ضرور جو چاہیں پوچھیں! عرض کیا کہ مجھے لگتا ہے کہ یہ تین لفظوں کا خلاصہ فقط مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کا نہیں یہ جملہ مذاہب، ان کی تعلیمات اور محفوظ علمی باتوں کا حاصل ہے مگر تنظیم کے بغیر تو کچھ بھی نہیں۔

- علم کے عروج تک رسائی تنظیم کے بغیر ناممکن ہے۔
- قومی واجتماعی عمل کا بغیر تنظیم کے کوئی تصور نہیں۔
- تقویٰ کا حسن و نکھار بجز تنظیم و اجتماعیت کے کیسے ہوسکتا ہے۔

تنظیم کی اہمیت میں مَنْ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ سے کافی رہنمائی ملتی ہے! اس پر میاں صاحب جوش میں آ گئے اور کہنے لگے:

اگر تنظیم کے سامنے نہ جھکنا، اس کی پرستش و پوجا نہ کرنا جرم ہے تو حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا اور حضرت عائشہ صدیقہؓ پر کیا رائے دیں گے؟ عرض کیا کہ میاں صاحب! میں نے بچپن سے آپ کا نام سن رکھا ہے اور میرے ذہن میں آپ کا بہت بڑا تصور ہے مگر آج اس تصور کو بڑی ٹھیس پہنچی ہے۔ میرا وہ تصور ٹوٹ گیا ہے۔اگر آپ کا اشارہ دونوں انتہائی معزز خواتین کی طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہ کے ساتھ آویزش کے حوالہ سے ہے تو میرا پوری سچائی کے ساتھ ایمان ہے کہ جو بھی روحانی تنظیم کے سربراہ سے ٹکراتا ہے وہ اپنے ٹکراؤ کی کمیت و کیفیت کے مطابق غلط ہے۔ اگر خدا نخواستہ دونوں معزز ترین خواتین مبارکہ اپنے اپنے وقت کے خلیفہ کے ساتھ تصادم رکھتے ہوئے دنیا سے کوچ کرتیں تو ان کی تمام قدر و قیمت ختم ہو جاتی لیکن وہ بہت خوش نصیب ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ یہی راز

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمان میں پوشیدہ ہے کہ اِنَّ الْحَقَّ مَعَ الْمُرْتَضیٰ۔

میاں صاحب فرمانے لگے کہ دیکھو الوصیت، شہادۃ القرآن، سبز اشتہار یا کسی اور کتاب میں خلافت کا ذکر نہیں ہے اس لئے خلافت کو اتنی اہمیت دینا کہ اسے تمام تحریکوں اور قربانیوں کا محور سمجھ لینا ہرگز درست نہیں ہے؟

بڑے ادب سے عرض کیا کہ میاں صاحب! میں تو کسی شمار میں نہیں کہ بڑی بات کرسکوں مگر کیا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ بھی نہیں سمجھے اور پوری جماعت نے خلیفہ بمطابق رسالہ الوصیت نہیں مانا؟ سب غیر مبائعین نے بھی خلیفہ اوّل کی بیعت کی تو کیا سب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات کے خلاف کیا؟ وہ سیکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے اعلامیہ کیا تھا؟ خود آپ لمبے عرصہ تک رسالہ فرقان میں لکھتے رہے۔ یہ سب کیا تھا؟

محترم میاں صاحب کے ساتھ یہ ملاقات ایک بجے شروع ہوئی اور ساڑھے چار بجے تک جاری رہی جبکہ دفتر دو اڑھائی بجے بند ہو گئے اور سب عملہ بھی چلا گیا۔ مختلف موضوعات چھڑتے رہے اور باتیں ہوتی رہیں۔ آخری حصہ میں میاں صاحب نے اپنے اخراج از ربوہ کو ظالمانہ فعل قرار دیتے ہوئے کچھ تفصیل بتائی۔ میں نے عرض کیا کہ میاں صاحب! ریکارڈ کے طور پر پورا کیس جانتا ہوں۔ ’’نظام آسمانی کی مخالفت اور اس کا پس منظر‘‘ والا خطاب خود سنا بھی اور بعد میں پڑھا بھی۔ ربوہ میں رہائش کے سبب متعدد بزرگوں سے براہِ راست روایات بھی سنی ہیں مگر بالکل سچ عرض کرتا ہوں کہ میری ذات کو جتنا عرفان آج ملا ہے پہلے کبھی حاصل نہیں تھا۔ آج کی مجلس میں براہِ راست آپ سے ملنے اور آپ کے خیالات آپ کی زبان سے سننے کے بعد مجھے کامل انشراح صدر ہے کہ فیصلہ بالکل درست تھا! کیونکہ کسی بھی دیسی مشینری میں اکیلا ولائتی پُرزہ نہیں چل سکتا نہ ہی کسی ولائتی مشینری میں کوئی اکیلا دیسی پُرزہ کارآمد ہے۔

مجھے بہت عجیب لگا جب دوران گفتگو ایک موقع پر بے قابو جوش سے آپ نے دونوں پاؤں بھی اپنی کرسی پر رکھ لئے تاہم ان کی ہمت قابل داد رہی کہ بھوک پیاس کے باوجود اتنا لمبا وقت انہوں نے دیا شاید اس کی وجہ یہی تھی کہ میاں صاحب کے نزدیک میری گفتگو لایعنی اور فضول نہ تھی بلکہ ان کے نزدیک باتوں میں وزن اور اثر تھا۔ یقیناً میرے لئے یہ ملاقات حقیقی اطمینان اور روحانی لطف و سرور کا موجب بنی۔ **فالحمدللہ علی ذالک۔**

❁❁

مکرم لئیق احمد صاحب طاہر
مربی سلسلہ انگلستان

۞

مکرم ومحترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

السلام وعلیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جس قدر اصرار سے مجھے کچھ لکھنے کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔آپ کے خاص دلی محبت اور آپ کے احسانات کو مدّنظر رکھتے ہوئے دو ایک واقعات لکھ رہا ہوں مجھے معلوم ہے یہ آپ کے معیار پر پورے نہیں اترتے تاہم تعمیل ارشاد کررہا ہوں۔اگر انہیں نہ چھاپیں تو مجھے قطعاً ملال نہیں ہوگا کیونکہ من آنم کہ من دانم.

ساؤتھ ہال میں قیام

عرصہ دراز ہوا ساؤتھ ہال میں قیام کی بات ہے۔ بہت کوشش اور محنت کے باوجود اُس ماہ میں کوئی بیعت نہ ہوئی تھی۔خاکسار نے احباب جماعت کو بھی پیغام دیا کہ دعا اور تدبیر سے مدد کریں۔رات کو خدا تعالیٰ نے دعا کی ایسی توفیق سے نوازا کہ دل کو یقین ہو گیا کہ ضرور خدا تعالیٰ کوئی پھل عطا کرے گا اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد خاکسار ابھی نیچے ہی تھا کہ میں نے ایک میاں بیوی اور دو تین بچوں کو مشن ہاؤس کی طرف آتے ہوئے دیکھا۔انہوں نے گھنٹی بجائی۔خاکسار نے دروازہ کھولا اور اندر آنے کی دعوت دی۔ سرسری تعارف کے بعد انہوں نے بتایا کہ بڑی تگ ودو کے بعد کسی شخص نے انہں ہمارا پتہ دیا ہے اور وہ یہاں پہنچے ہیں۔ یہ صاحب بہت پڑھے لکھے تھے اور بڑے سلجھے ہوئے انداز میں گفتگو کرتے رہے۔ میں جب ان کے کسی سوال کا جواب دیتا تو مجھ سے اتفاق کرتے۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ آپ آئے نہیں بلکہ لائے گئے ہیں اور آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے رات بھر کی دعا رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔ کا ثمرہ ہوں گے یہ صاحب اپنی بیگم اور بچوں کو ہم سے متعارف کروا کے امریکہ چلے گئے اور

ان کی بیگم اور بچوں نے بیعت کی اس نوعیت کے واقعات ایک بار نہیں کئی دفعہ رونما ہوئے۔ یہ خدا تعالیٰ کی محض ستاری تھی تا اس سے اس کی ذات پر ہمارا ایمان مضبوط ہو **فالحمد للہ علیٰ ذلک**۔

غیب سے سفر کے لئے سواری کا ملنا

ایک عجیب واقعہ میں بھول نہیں سکتا۔ 1960 کی بات ہے میں اُن دنوں جامعہ میں پڑھتا تھا۔ بڑے بھائی کے ایک کام کے سلسلہ میں چنیوٹ گیا۔ سفر کے لئے میرے پاس گاڑی کا پاس تھا۔ نقد رقم کوئی نہ تھی۔ اتفاق یہ ہوا کہ انہیں دنوں ہمارے منجھلے بھائی کراچی سے میرے لئے نئے جوتوں کا جوڑا لے کر آئے اور چنیوٹ کے اس سفر میں غلطی سے وہ نئے جوتے پہن کر چل پڑا۔ پاکستان کے جوتوں کا جنہیں تجربہ ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ پہلے چند روز یہ جوتے پاؤں کی کھال ادھیڑ کے رکھ دیتے ہیں۔ گھر سے ربوہ ریلوے سٹیشن تک پہنچا۔ کچھ خیر رہی۔ گاڑی لی اور چنیوٹ پہنچا۔ چنیوٹ ریلوے سٹیشن سے اتر کر بازار تک آنے جانے کا سفر 2۔3 میل کا تھا۔ اس عرصہ میں پاؤں آبلہ پا ہو گئے پاؤں اس قدر زخمی ہوئے کہ ایک ایک قدم اٹھانا مشکل ہو گیا۔ بمشکل واپس چنیوٹ کے اسٹیشن تک پہنچا تو دیکھا گاڑی 300 گز کے فاصلہ پر چلنے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ عام حالات میں تو یہ شائد چند سیکنڈ میں اُسے پکڑ لیتا لیکن پاؤں کے زخم ایسے تھے کہ ایک ایک قدم کئی کئی من کا معلوم ہوتا تھا۔ مختصر یہ کہ گاڑی چل پڑی اور میں سٹیشن پر ہی کھڑا حسرت سے اُسے دیکھتا رہ گیا۔ اب سٹیشن پر اگلی گاڑی ماڑی انڈس رات کو 12-10 گھنٹے کے بعد آنی تھی۔ خاکسار وہاں سے بس کے اڈہ پر پہنچا۔ اب جوتوں کی اذیت لحظہ بہ لحظہ بڑھتی جا رہی تھی۔ جیب میں ایک پیسہ بھی نہ تھا۔ لیکن میں تصور ہی تصور میں خدا کے حضور یہ عرض کرنے لگا کہ اے مولیٰ کریم تیرا ایک بندہ اسی طرح خالی ہاتھ تھا اور تو نے اس لئے لئے سفر کے انتظامات اپنی جناب سے فرمائے تھے۔ اے میرے آقا تو آج بھی زندہ ہے اور میں تجھے تیرے اُسی محبوب اور پیارے کا واسطہ دیتا ہوں (یعنی حضرت مولانا حکیم نور الدین خلیفہ اوّلؓ کا) کہ تو میرے لئے بھی گھر تک پہنچانے کا انتظام فرما دے۔ میں اسی حالت میں نصف گھنٹہ کے قریب دعا کرتا رہا۔ شرم وحیا مانع تھے کہ کسی انسان سے سوال کروں۔

اچانک ایک ٹرک میرے سامنے آ کر کھڑا ہوا اور ایک صاحب نے پوچھا کہ آپ یہاں کیوں کھڑے ہیں۔ میں نے ربوہ پُل کے قریب محلہ دار الیمن شرقی جانا ہے وہاں تک لفٹ دے سکتا ہوں انہوں نے مجھے اپنی ساتھ والی سیٹ پر بٹھا لیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ لیکن پھر سوچنے لگا کہ یمن شرقی سے میرا گھر

دو سے اڑھائی میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں تک اِن جوتوں کے ساتھ چل کر کیسے جاؤں گا لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ وہ ٹرک والا دارالیمن میں رکنے کی بجائے اُسے سیدھا ہمارے گھر تک لے آیا اور میں خدا کی حمد وثنا کرتا ہوا گھر پہنچا۔

یہ عجیب بات ہے کہ اُس ٹرک والے نوجوان کو میں صرف اتنا جانتا تھا کہ وہ ربوہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ کیونکہ ربوہ کی محدودسی آبادمیں کم وبیش ہر شخص دوسرے کو جانتا تھا لیکن اُس نوجوان سے میری کوئی گہری واقفیت نہیں تھی۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان اور سیدنا حضرت خلیفہ اوّل ؓ کی ایک کرامت تھی جو مجھے خدا ہاتھ ہونے کے باوجود بسہولت گھر تک لے آئی۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک

خلیفہ وقت کی دعاؤں میں برکت

خاکسار کا عموماً یہ طریق رہا ہے کہ جب بھی کوئی اہم تبلیغی مہم ہوتی ہے حضور کی خدمت اقدس میں دعا کے لئے عریضہ لکھ کر اور صدقہ دے کر تیاری کرتا ہے۔ نارتھ لنڈن میں مکرم رشید حیدرآبادی صاحب صدر جماعت نے Quakers کیساتھ ایک مجلس میں خاکسار کی تقریر رکھوادی۔ وہاں خدا نے اس رنگ میں اسلام کا پیغام پہنچانے اور ایک گھنٹہ تک سوالوں کے جواب دینے کی توفیق دی کہ ایک انگریز نے اسی موقع پر اعلان کیا کہ:

Gentleman, You have almost converted me to Islam.

الحمدللہ۔ الحمدللہ گویا یہ امام وقت کی دعاؤں کی قبولیت کا ثبوت تھا۔ یہ واقعہ سیدنا حضرت خلیفہ رابعؒ کے زمانہ کا ہے۔

غیب سے تائید اور نصرت

مکرم ومحترم راجہ مسعود احمد صاحب جو اُس زمانہ میں (جس وقت کا یہ واقعہ ہے۔) صدر جماعت تھے۔ آپ نے S.E.London کے ایک بڑے Festival میں خاکسار کی تقریر رکھوائی Mayor NEWHAM نے صدارت کی۔ صرف دو تقریریں تھیں ایک تقریر مہاتما گاندھی (کرم چند موھن داس) کے پوتے کی تھی اور دوسری خاکسار کی تھی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ سلمان رُشدی کی کتاب Satanic Verses کی وجہ سے برطانیہ میں مسلمانوں کا ردّعمل اسلام کی شدید بدنامی کا موجب ہو رہا تھا۔ خاکسار

نے قرآن کریم اور سیرت نبویؐ کی روشنی میں مذہبی رواداری کے موضوع پر تقریر کی۔ تقریر سے قبل مکرم امام عطاء المجیب راشد صاحب نے بڑے زوردار انداز میں اس عاجز کا تعارف کروایا اور حاضرین میں اشتیاق پیدا کر دیا۔ خاکسار نے جب قرآن کریم کی حسین تعلیم سیدی مکی و مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی روشنی میں پیش کی تو سارا پنڈال کامل انہماک سے اس عاجز کی تقریر سنتا رہا۔ تقریر کے معاً بعد ایک شخص کھڑا ہوا اور اُس نے کہا کہ اگر کوئی کافر نبی پاک کی توہین کرے تو قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ اُس سے بھی مسلمان تعرض نہ کریں اور قانون کو اپنے ہاتھ میں نہ لیں۔ خاکسار نے فوراً جواب دیا کہ سورۃ المنافقون۔ سورۃ نمبر 63 آیت نمبر 9 میں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارہ میں یہی تعلیم درج ہے۔ اس پر یکدم فضا ہمارے حق میں تبدیل ہو گئی۔ مجھے یاد ہے برادرم مکرم راجہ مسعود احمد صاحب بار بار کہنے لگے الحمد للہ الحمد للہ آج کی تقریب جماعت احمدیہ نے لوٹ لی۔ اسی کے ساتھ 8۔10 افریقہ کے احمدی نوجوانوں نے **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه** کا ترانہ ترنم سے پڑھنا شروع کر دیا اور Mayor بھی ہمارا ساتھ دیتے ہوئے تعریف کرنے لگے۔

اس عاجز نے ہمیشہ محسوس کیا ہے کہ اگر ہم محض اللہ تعالیٰ کی عزّت وجلال اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت اور اسلام کی صداقت کی خاطر اپنے نفس کی عزت اور ذلت کے جذبہ سے خالی ہو کر میدان میں اتر جائیں تو ہماری بے علمی اور نفس کی بہت سی کمزوریوں کی خدا تعالیٰ پردہ پوشی فرما دیتا ہے اور غیب سے تائید ونصرت فرماتا ہے اور اپنے دین کی عزّت کی خود حفاظت کرتا ہے۔ اُسی موقع پر سوال و جواب کے دوران بعض انگریز خواتین اور مردوں نے گاندھی کے پوتے سے سوال کیا کہ جس طرح اسلام کے مقرر نے آیات قرآنیہ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے معین واقعات پیش کر کے اپنے مضمون کو نبھایا ہے تم نے کیوں اس طریق پر تقریر نہیں کی۔ لیکن وہ اس کا کوئی جواب نہ دے سکے۔ اُس روز اسلام کی تائید میں خدا تعالیٰ نے اپنے فرشتے لگائے ہوئے تھے۔ سینکڑوں افراد اسلام کی عظمت اور بڑائی کا اقرار کر رہے تھے اور ہم اپنے رحیم وکریم اور محسن اور ستار آقا و مولیٰ کی حمد کے ترانے گا رہے تھے۔

سبحن اللہ و الحمد للہ۔

محترم نسیم احمد باجوہ صاحب

مبلغ سلسلہ احمدیہ لندن۔ برطانیہ

❁

میرے نہایت واجب الاحترام بزرگ مکرم محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب سابق امیر جماعت یو کے نے اس عاجز کو ارشاد فرمایا ہے کہ میدانِ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی تائید ونصرت اور واقفین زندگی کے لئے اللہ تعالیٰ کے خاص پیار کے منظر کشی کرنے والے چند واقعات اپنے تجربات کی روشنی میں لکھ کر دوں اگر چہ خاکسار سلسلہ احمدیہ کا ایک نہایت ہی ادنیٰ خادم ہے تاہم محترم ڈاکٹر صاحب موصوف کے ارشاد کی تعمیل میں چند واقعات پیش خدمت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ ان تعدّوا نعمة الله لا تحصوها کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار کرنے کی کوشش کرو تو تم کبھی بھی ان کو شمار نہیں کر سکو گے۔ اس آیت میں ہر شخص سے خطاب ہے اس لئے اگر کوئی بھی شخص صدق دل سے اور گہری نظر سے مطالعہ کرے تو اپنی زندگی کو اس آیت قرآنیہ کو سچا ثابت کرتے ہوئے دیکھے گا اور ایک جگہ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی حکم ہے کہ فاما بنعمت ربك فحدث کہ اپنے رب کی نعمتوں کا ذکر کرتے رہا کرو تا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا ہو اور بنی نوع انسان کو فائدہ بھی پہنچتا رہے۔ اسی ایثار خداوندی کے تحت یہ چند سطور لکھنے کی سعی کی جارہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے احسانات کئی قسم کے ہیں ان میں سے ایک قبولی دعا ہے جس سے انسان کا اللہ تعالیٰ کی ہستی پر ایمان ویقین پختہ ہوتا ہے اور ہمیشہ کے لئے انسان اپنے رب کے حضور جھک جاتا ہے اس ضمن میں چند واقعات پیش خدمت ہیں:

یو کے میں تقرری

1975ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے خاکسار کی تقرری یوکے کے لئے فرمائی اور خاکسار حضور کی دعاؤں کے ساتھ 15/اکتوبر 1975ء کو پاکستان سے لندن پہنچا۔ چند روز بعد خاکسار کی تقرری بطور ریجنل مشنری مڈل سیکس ساؤتھ ہال میں ہوگئی۔ ساؤتھ ہال جانے سے پہلے محترم بشیر احمد خان رفیق صاحب امام مسجد لندن نے خاکسار کی حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحبؓ سے بھی ملاقات کرادی جزاہ اللہ تعالیٰ۔ اس طرح خاکسار کو حضرت چوہدری صاحبؓ کی نصائح کے ساتھ ساتھ دعائیں لینے کا بھی موقع مل گیا الحمدللہ۔ ساؤتھ ہال کے ابتدائی ایام میں کچھ عرصہ خاکسار نے منیر الدین عبیداللہ صاحب ابن حافظ بشیر الدین عبیداللہ صاحب مرحوم مبلغ سلسلہ ماریشس کے گھر میں ایک کمرہ کرایہ پر لے کر کام کیا۔ اسی مکان کے ایک حصہ میں ایک غیر احمدی فیملی بھی کرایہ پر رہتی تھی۔ ایک روز مکرم منیر الدین عبیداللہ صاحب کی اہلیہ نے خاکسار کو کہا کہ ہمارے گھر میں جو غیر احمدی فیملی رہتی ہے اس میں میاں بیوی اور ایک بچہ ہے۔ بچے کی ماں نے مجھے کہا ہے کہ میرا بچہ بیمار اور میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔ میں نے ہر قسم کے علاج کرائے ہیں لیکن کوئی آرام نہیں آتا۔ اب مجھے خیال آیا ہے کہ آپ مجھے بتاتی رہتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک زندہ خدا ہے اور وہ دعاؤں کو سنتا ہے آپ کے مربی صاحب بھی یہاں موجود ہیں تو کیا آپ میرے بچے کے لئے مربی صاحب سے دعا کرا سکتی ہیں انہوں نے بیماری کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا کہ بچے کی والدہ کہتی ہے کہ رات کے مختلف اوقات میں بچہ ڈر کر چیخیں مارنے لگ جاتا ہے اور ساتھ بستر پر پیشاب بھی کر دیتا ہے اس وجہ سے بچہ بھی ساری رات تکلیف میں رہتا ہے اور ہم دونوں میاں بیوی بھی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے ہر قسم کے ماہر ڈاکٹروں اور ہسپتالوں سے مشورہ کیا ہے وہ کہتے ہیں بچے کو کچھ نہیں اور ہمیں معلوم نہیں ہوسکا کہ بچہ ایسے کیوں کرتا ہے بہرحال بچے کی والدہ نے نہایت رقت کے ساتھ یہ واقعہ بتایا اور نہایت درد سے دعا کی درخواست کی اور ساتھ ہی احمدیت کے اس عقیدہ کا حوالہ دیا کہ آپ لوگ کہتے ہیں خدا تعالیٰ زندہ خدا ہے اور وہ دعاؤں کو سنتا ہے خاکسار نے منیر الدین صاحب کی اہلیہ کو کہا کہ آپ بچے کی والدہ کو کہیں کہ عصر کے بعد بچے کو لے کر آجائیں ہم مل کر دعا کریں گے۔ وہ بچے کو وقت مقررہ پر لے آئیں۔ اور ہم نے مل کر دعا کرنی شروع کردی۔ دعا میں خاکسار نے اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ طور پر عرض کی اے خدا میں تو ایک نہایت ہی گناہ گار انسان ہوں لیکن اس خاتون نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعت احمدیہ کے اس عقیدہ کا حوالہ دے کر درخواست دعا کی ہے کہ اسلام کا خدا ایک زندہ خدا ہے جو دعاؤں کو سنتا ہے پس اگر یہ دعا قبول نہ ہوئی تو اس خاتون کے دل میں یہ شک رہ جائے گا کہ حضرت مسیح

موعوداور جماعت احمدیہ صداقت سے خالی ہے بس اے ارحم الراحمین خدا تو محض اپنے فضل سے قبولت دعا کا نشان دکھا کر صداقت مسیح موعود و جماعت احمدیہ کو ثابت فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے رقت سے بھری ہوئی ایک لمبی دعا کی گئی۔ دعا سے پہلے خاکسار نے خاتون موصوف کو کہا تھا کہ جب تک بچے کو آرام نہ آئے آپ روزانہ دعا کے لئے آجایا کریں۔لیکن خدا کی شان کہ صرف دو یا تین دن اس طرح اجتماعی دعا کی گئی اور خدا تعالیٰ نے فضل فرمادیا اور بچے کی والدہ نے کہا اب بچہ بالکل ٹھیک ہو گیا ہے۔الحمد للہ ثم الحمد للہ۔اس واقعہ کے قریباً تین سال بعد خاکسار کی اہلیہ پاکستان سے آئی تو اس غیر احمدی خاتون نے یہ سارا واقعہ خاکسار کی اہلیہ کو بھی سنایا ایک رنگ میں صداقت احمدیت کی گواہی دی الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس عاجز کی پردہ پوشی فرمائی اور صداقت احمدیت کا ایک اور نشان دیکھنے کی توفیق دی۔

گلاسکو میں تقرری

1988-90 میں خاکسار گلاسکو میں بطور ریجنل مشنری سکاٹ لینڈ متعین تھا اس دوران وہاں بھی اس سے ملتا جلتا ایک واقعہ ہوا انہیں دنوں ایک دفعہ خاکسار گلاسگو سے تقریباً 30 میل اور CATINE نامی قصبے میں گیا جہاں ہمارے احمدی دوست مکرم چوہدری محمد حسین صاحب (حال مقیم مانچسٹر) رہتے تھے۔

مکرم چوہدری صاحب کے گھر والوں نے خاکسار کو بتایا کہ ہماری ایک زیر تبلیغ نائیجیرین مسلمان خاتون ہے جس کا میاں اس علاقے میں ڈاکٹر ہے اور وہ بھی نائیجیرین ہے۔ان کا ایک بیٹا ہے اسے بھی یہ تکلیف ہے کہ رات کو ڈر کر چیخیں مارتا ہے اور پیشاب کر دیتا ہے۔انہوں نے کہا کہ وہ خاتون بہت پریشان ہے کیونکہ باوجود اس کے کہ انہوں نے ہر قسم کے ٹسٹ کروائے ہیں بیماری کا کوئی پتہ نہیں لگتا حالانکہ اس کا میاں ڈاکٹر ہے وہ خود بھی اس کے علاج معالجہ کے لئے کوشش کر چکا ہے انہوں نے خاکسار کو کہا کہ وہ خاتون کہتی ہے کہ اگر کوئی مذہبی آدمی تعویز دے سکے تو وہ اس طریق کو بھی آزمانا چاہتی ہے۔خاکسار نے کہا کہ اسے کہیں کہ ہم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق دعا کریں گے چنانچہ ہم نے مل کر رقت آمیز اجتماعی دعا کی کہ اے خدا تو اپنے فضل سے اس نائیجیرین فیملی کو اسلام احمدیت کی سچائی کا کوئی نشان دکھا دے تا وہ جماعت کی طرف رجوع کریں۔الحمد للہ ثم الحمد اللہ ایک دفعہ ہی اجتماعی دعا کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے بچے کو شفا دے دی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی تشریف آوری

حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی لندن تشریف آوری کے بعد 88-1984 کا عرصہ خاکسار کرائیڈن میں ریجنل مشنری برائے Outer London متعین تھا۔ اس عرصہ کے دوران ایک دفعہ خاکسار کو کسی دوست نے بتایا کہ ہمارے ایک اور نوجوان متین صاحب ہسپتال میں داخل ہیں 14 دن سے انہیں ہچکی لگی ہوئی ہے۔ ڈاکٹروں نے پوری کوشش کر لی ہے۔ لیکن کوئی کامیابی نہیں ہوئی اس کے لئے خاص دعا کی ضرورت ہے خاکسار نے نماز عصر کے بعد چند دوستوں کو ساتھ لیا اور ہسپتال عیادت اور دعا کے بعد چلا گیا۔ متین صاحب موصوت کی حالت یہ تھی کہ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھے ہوئے تھے اور مسلسل ہچکی کرتے جارہے تھے اور ہچکی کر بڑی دردناک آواز بھی آرہی تھی یہ معلوم کر کے کہ مسلسل 14 روز سے یہی حالت ہے اور ڈاکٹروں کے علاج کا کوئی فائدہ نہیں ہورہا۔ دل میں دعا کے بعد ایک غیر معمولی جوش پیدا ہوا۔ خاکسار نے ساتھی دوستوں سے کہا کہ آئیں دعا کریں۔ دعا شروع کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے دل میں ڈالا کہ جب تک ہچکی بند نہ ہو دعا ختم نہیں کرنی اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ایک خاص رقت عطا فرمادی۔ مسلسل 20 منٹ دعا کرنے کے بعد متین صاحب کی ہچکی بند ہوگئی۔ اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ایک اور نشان دیکھا جو سراسر حضرت مسیح موعودؑ کی سچائی کا ثبوت تھا کیونکہ یہ سب دعا کرنے والے اسلام احمدیت کے غلام تھے۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اس نے محض اپنے فضل وکرم سے اس نوجوان کو اس قدر دردناک تکلیف سے معجزانہ طور پر نجات دی۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ متین صاحب موصوف مکرم ظہیر احمد بلوچ صاحب انچارج بیت الفتوح لندن کے چھوٹے بھائی ہیں اور مکرم ظہیر صاحب بھی اس واقعہ کا کئی دفعہ ذکر کر چکے ہیں۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ ایک اور امر بھی قابل ذکر ہے کہ دعا میں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ بھی عرض کیا گیا کہ اس وقت ہسپتال کے اس کمرہ میں بہت سے غیر مسلم انگریز مریض اور ہسپتال کا عملہ موجود ہے جو ہمارے اس عمل کو دیکھ رہے ہیں اے خدا تو محض اپنے فضل سے ان سب کو اسلام احمدیت کی صداقت کا نشان دکھا تا کہ یہ اسلام احمدیت کی سچائی کے گواہ بن جائیں اور اس سے فائدہ اُٹھا سکیں تو خدا تعالیٰ نے اس پہلو سے بہت سے غیر مسلموں کو بھی ایک ایمان افروز نظارہ دیکھا دیا۔ فللہ الحمد۔

برمنگھم میں قبولیت دعا کا واقعہ

مذکورہ بالا واقعہ سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ برمنگھم میں ہوا۔ 2001-1992ء کے عرصہ میں خاکسار برمنگھم میں بطور ریجنل مشنری مڈلینڈ متعین تھا۔ اس دوران ایک دفعہ معلوم ہوا کہ ہمارے احمدی بھائی ڈاکٹر

سرفراز علی ہسپتال میں داخل ہیں اور مختلف عوارض کے ساتھ ساتھ اس وقت انہیں ہچکی کی تکلیف ہے جو مسلسل کئی روز سے چل رہی تھی اور ڈاکٹروں کے ہر قسم کے علاج کے باوجود قطعاً کوئی فرق نہیں پڑ رہا تھا۔ ایک روز نماز عصر کے بعد خاکسار نے مکرم ملک نثار احمد صاحب سیکرٹری ضیافت برمنگھم جو نماز کے لئے آئے ہوئے تھے انہیں ساتھ لیا اور ہم عیادت کے لئے ہسپتال چلے گئے مکرم ڈاکٹر سرفراز علی صاحب بستر پر سر اوپر کر کے لیٹے ہوئے تھے اور ان کی اہلیہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ مکرم ڈاکٹر صاحب مسلسل ہچکی بھی لے رہے تھے اور ساتھ ہی ان کے پیٹ میں بھی شدید درد تھا۔ ان کی اہلیہ انہیں پیٹ پر مل کر یا دبا کر آرام دلانے کی کوشش کر رہی تھیں لیکن کوئی آرام نہیں آ رہا تھا جب ہم پہنچے تو مکرم ڈاکٹر صاحب نے اپنی بیوی کو کہا کہ آپ ذرا چھوڑ دیں اور مربی کو پیٹ پر ہاتھ رکھ کر دعا کرنے کے لئے کہا تو خاکسار نے سب کو کہا کہ آئیں ہم سب مل کر دعا کریں خاکسار کو چند سال پہلے والا متین صاحب کا واقعہ بھی یاد تھا۔ 15، 20 منٹ کے بعد دوران دعا ہم نے سنا کہ مکرم ڈاکٹر صاحب کی ہچکی اور کراہنے کی آواز بند ہوگئی ہے اور وہ خراٹے لے رہے ہیں مسلسل ہچکی کی وجہ سے کئی روز سے چونکہ وہ پوری طرح سو نہیں سکے تھے اس لئے جونہی انہیں ہچکی سے آرام ملا وہ بے اختیار ہو کر سو گئے اور اتنی گہری نیند میں چلے گئے کہ خراٹے لینے لگے ہم نے دعا ختم کی۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور خاموشی سے واپس آ گئے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جو جماعت احمدیہ کے افراد کو خلافت سے وابستہ ہونے کے نتیجہ میں ملتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ خلافت کے ذریعہ ہی مومنوں کے دین کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے۔ خوف کو امن میں بدلا جاتا ہے۔ پس ہمیں ہر وقت دعا کرتے رہنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں خلافت کے ساتھ ایسے رنگ میں وابستہ رہنے کی توفیق دے کہ جو اس کا حق ہے۔ آمین۔

2001ء سے 27 اگست 2007ء تک خاکسار بریڈ فورڈ میں بطور ریجنل مشنری نارتھ ایسٹ انگلینڈ متعین تھا۔ اس دوران بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے احسانات کے بہت سے جلوے دکھائے ہیں خاکسار نے کئی سال قبل ایک خواب میں دیکھا کہ حج بیت اللہ کر رہا ہوں۔ اس وقت سے دل میں خواہش تھی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے کوئی سامان فرما دے چنانچہ 2004ء میں غیبی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کا انتظام فرما دیا۔ خاکسار نے حضور انور کی خدمت میں اجازت اور دعا کے لئے درخواست کی حضور نے دعاؤں کے ساتھ اجازت عطا فرما دی۔ اس سفر کے دوران بہت سے معجزے ہوئے لیکن یہاں صرف دو واقعات عرض

کرتا ہوں۔ پہلا واقعہ تحریر ہے کہ ان دنوں خاکسار دائیں گھٹنے کے درد میں مبتلا تھا اور یہ درد تقریباً 6 ماہ سے چل رہی تھی اور یہ اس قدر شدید درد تھی کہ خاکسار مسلسل روزانہ کئی ماہ سے دوائی کھا رہا تھا اور اگر کسی روز غلطی سے دوائی رہ جاتی تو اگلے روز خاکسار کرسی پر بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا تھا اور کسی اور دوست کو نماز پڑھانے کے لئے درخواست کرتا۔ اسی حالت میں خاکسار حج کے لئے روانہ ہوگیا اور ساتھ یہ ڈر تھا کہ پتہ نہیں اس تکلیف کے ساتھ صحیح طور پر حج کر بھی سکوں گا یا نہیں۔ لیکن خدا کا بہت بڑا احسان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حج کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے مکہ مکرمہ پہنچنے کے تقریباً ایک ہفتہ بعد اس تکلیف سے نجات دے دی۔ دوائی بھی چھوڑ دی الحمدللہ تین سال سے زائد عرصہ ہوگیا ہے آج تک کبھی تکلیف نہیں ہوئی۔

ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ اس حج کے اخراجات ایک احمدی دوست نے برداشت کئے تھے۔ روانگی سے چند روز قبل انہوں نے ایک مسئلہ کے متعلق خاکسار کو دعا کے لئے کہا اور جب وہ کہہ رہے تھے وہ اتنی تکلیف میں تھے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ خاکسار کو ان کی تکلیف کا بشدت احساس تھا چنانچہ خاکسار اس سفر کے دوران مسلسل ان کے لئے دعا کرتا رہا کتابوں میں پڑھا ہوا تھا کہ خانہ کعبہ کو پہلی نظر دیکھنے کے وقت جو دعا کی جائے وہ قبول ہوجاتی ہے۔ چنانچہ جب پہلی دفعہ خانہ کعبہ کے سامنے دعا کے لئے کھڑا ہوا تو علاوہ اور دعاؤں کے اس دوست کے اس مسئلہ کے لئے بھی دعا شروع کی۔ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے خدا یوں تو تُو جس وقت چاہے ان کے اس مسئلہ کو حل کرسکتا لیکن اگر یہ مسئلہ حج کے دنوں میں حل ہوجائے تو مجھے بھی ایک نشان ملے گا اور اس دوست کو بھی ایک نیا ایمان حاصل ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی قربانی کو بھی قبول فرمایا ہے۔ چنانچہ حج کرنے کے بعد جب خاکسار لاہور پہنچا تو اس دوست کا ٹیلیفون آیا اور انہوں نے انتہائی مسرت اور جذبات تشکر کے ساتھ خاکسار کو اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے وہ نہایت اہم اور پیچیدہ مسئلہ عین منشا کے مطابق حل ہوگیا ہے اور ماشاء اللہ وہ بہت خوش اور مطمئن تھے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

تنزانیہ میں تقرری

1990-92 کے عرصہ میں خاکسار تنزانیہ میں بطور امیر ومشنری انچارج متعین تھا۔ اس تقرری کا آغاز بھی اللہ تعالیٰ کے نشان سے ہوا۔ وہاں قیام کے دوران بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تائید ونصرت فرمائی اور پھر واپسی بھی ایک عجیب نشان کے ساتھ ہوئی جس کو یاد کر کے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے حضور دل جھکا رہتا ہے اور

اپنی نا اہلی کا احساس رہتا ہے۔اس دوران ہونے والے چند واقعات پیش خدمت ہیں پہلا واقعہ تو یہ ہوا کہ جس روز خاکسار کو تنزانیہ کے لئے تقرری کا خط وکالت تبشیر کی طرف سے ملا اس روز خط ملنے سے تقریباً 5 گھنٹے قبل خاکسار بعد دوپہر سویا ہوا تھا۔خواب میں دیکھا کہ خاکسار ایک جماعتی دورے کی تیاری کر رہا ہے اور جہاں جانا ہے وہاں سے بعض لوگوں کے پیغام آ رہے ہیں کہ یہاں حالات بہت خراب ہیں یہاں نہ آنا خاکسار نے جواب میں یہی جواب دیا کہ ''میرا یہ دینی فریضہ ہے کہ میں جاؤں'' چنانچہ خاکسار سفر پر چلا جاتا ہے مقررہ مقام کے قریب پہنچتا ہوں تو دیکھتا ہوں کہ وہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں سب مکان کچی مٹی کے بنے ہوئے ہیں اور بعض مکانوں کی چھتیں بھی گری ہوئی ہیں۔گویا بہت غریب علاقہ ہے جب مزید قریب ہوا تو دیکھا کہ ایک مکان کی چھت پر ایک آدمی کھڑا ہے جس کا رنگ سیاہ ہے (یعنی افریقن ہے) اور اس نے سفید کپڑے پہنے ہوئے ہیں اور وہ میرا انتظار کر رہا ہے۔ جونہی اس شخص نے مجھے دیکھا تو نہایت محبت کے ساتھ میرے استقبال کے لئے میری طرف دوڑ کر آیا اور ساتھ ہی میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ شخص اس علاقہ کا چیف ہے۔آنکھ کھل گئی اور تقریباً 5 گھنٹے بعد وہ خط ملا جس میں لکھا تھا سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے آپ کی تقرری تنزانیہ کے لئے فرمائی ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس خواب کے ذریعہ مجھ پر رحم کرتے ہوئے اس اہم اور مشکل کام کے لئے پہلے سے تیار کر دیا اور جب خط ملا تو خاکسار نے بلا توقف مکرم ایڈیشنل وکیل التبشیر صاحب کو فون کیا اور عرض کیا کہ مجھے خط مل گیا ہے اور میں جانے کے لئے تیار ہوں۔آپ جس وقت فرمائیں گے خاکسار حاضر ہو جائے گا۔ چند ہفتوں میں ضروری دفتری کارروائی مکمل ہو گئی اور اپنی اہلیہ اور تین بیٹیوں جن کی عمر 9،10 اور 6 سال تھیں کہ ساتھ بفضلہٖ تعالیٰ تنزانیہ پہنچ گیا۔ دارالسلام ائیر پورٹ پر جب پہنچا تو جو احمدی افریقین دوست خاکسار کو سب سے پہلے ملے وہ مکرم مصطفیٰ کیولیلو صاحب تھے جو جماعت احمدیہ تنزانیہ کے جنرل سیکرٹری تھے اور بعد میں معلوم ہوا کہ وہ ٹبورا (تنزانیہ) کے سابق چیف کے بیٹے ہیں۔ بعد ازاں خاکسار جب ٹبورا گیا تو مصطفیٰ کیولیلو صاحب کے والد صاحب جو ٹبورا کے سابق چیف رہ چکے تھے ان سے ملاقات بھی ہوئی اور اسی طرح ایک رنگ میں وہ خواب پوری ہو گئی جو گلاسگو میں چند ہفتے پہلے دیکھی تھی۔الحمدللہ۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ تنزانیہ میں غربت کو دیکھ کر خاکسار ہمیشہ دعائیں کرتا رہا کہ اے خدا اس قوم پر اپنا فضل فرما اور انہیں دینی اور دینوی لحاظ سے ترقی عطا فرما۔ایک دفعہ خاکسار تنزانیہ کے جنوب میں واقعہ قصبے

ٹنڈورو جماعتی دورہ پر گیا۔ ایک روز مقامی مسجد میں نماز ظہر پڑھانے کے بعد سنتیں پڑھ رہا تھا اور تنزانیہ بھر کی غریب اور ہر جماعت کے افراد کی غربت دیکھ کر دل میں دعا کے لئے ایک خاص جوش پیدا ہوا۔ التحیات میں بیٹھا ہوا تھا کہ بیداری کی حالت میں چند لمحوں میں خاکسار نے یہ نظارہ دیکھا کہ میں احمدیہ مسجد دارالسلام سے ملحق ہال میں ہوں اور وہاں کچھ مقامی لوگ جمع ہیں۔ ایک غیبی ہاتھ سے خاکسار کو بڑی قیمتی مشینیں دی جا رہی ہیں اور خاکسار آگے لوگوں کو پکڑاتا جاتا ہے۔ اس نظارہ کی خاکسار کو یہ تفہیم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے تنزانیہ جماعت کے حالات کو ضرور بدلے گا۔ جب خاکسار ٹنڈورو سے واپس دارالسلام ہیڈ کوارٹر آیا تو چند روز کے بعد لندن سے اطلاع ملی کہ حضور انور نے دارالسلام میں جماعتی پریس لگانے کا فیصلہ فرمایا ہے۔ چند روز تک آپ کو بذریعہ بحری جہاز پریس کی مشینیں مل جائیں گی اس کے لئے ضروری انتظامات کر لیں۔ الحمدللہ چند روز کے بعد یہ مشینیں آ گئیں اور جماعت کا یہ پہلا پریس دارالسلام مسجد سے ملحق اسی ہال میں لگایا گیا جو خاکسار نے کچھ عرصہ پہلے خواب میں دیکھا تھا۔ یہ پریس خدا کے فضل سے آج تک کام کر رہا ہے اور اس کے نتیجہ میں ایک طرف جماعت کا دارالسلام بلکہ ملک بھر میں ایک خاص وقار قائم ہوا ہے کیونکہ علاوہ دیگر کتب کے ہمارا ماہانہ سواحیلی اخبار مپینزی یا مونگو Mpenzi ya Mungu بھی اسی پریس میں باقاعدگی سے شائع ہوتا ہے اور سارے ملک میں بہت دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے بفضلہٖ تعالیٰ تنزانیہ سے اس اخبار کا اجراء بھی خاکسار کو ہی کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جو آج تک جاری ہے۔ اس پریس کے ساتھ اور بھی بہت سی مشینری اور ملبوسات آئے جو احباب میں تقسیم کئے گئے۔ اس موقع پر چین سے نئے سائیکل منگوا کر 10 معلمین کو دیئے تاکہ وہ تبلیغ و تربیت کا کام آسانی سے کر سکیں۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔

تیسرا اہم واقعہ یہ ہوا کہ قیام تنزانیہ کے دوران اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے اس عاجز کو دارالسلام کی ایک پریس سے سواحیلی ترجمہ کے ساتھ قرآن کریم کے چوتھے ایڈیشن کو شائع کروانے کی بھی توفیق دی۔ اس ایڈیشن کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ تنزانیہ میں چھپنے والا یہ پہلا قرآن کریم تھا جو کسی بھی اسلامی ادارے کی طرف سے شائع کیا گیا۔ اس لحاظ سے سب سے پہلے جماعت احمدیہ کو ہی تنزانیہ میں قرآن کریم طبع کروانے کا مقدس اعزاز حاصل ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ اس کے کچھ بعد دارالسلام میں ایک انٹرنیشنل بک فیئر لگا۔ اس میں ہمیں بھی اسلامی کتب کا سٹال لگانے کی توفیق ملی صدر مملکت جناب علی حسن

موفیی صاحب نے اس بک فیئر کا خود افتتاح فرمایا اور اس موقع پر وہ تمام سٹالوں پر تشریف لے گئے جب ہمارے سٹال پر آئے تو خاکسار نے ان کی خدمت میں اسی قرآن کریم کی کاپی بطور تحفہ پیش کی اور ساتھ بتایا کہ یہ دارالسلام میں ہی جماعت احمدیہ نے طبع کروایا ہے اس پر صدر مملکت نے خوشی کا بھی اظہار کیا اور ساتھ ہی اس بات کی تصدیق کی کہ انہوں نے تنزانیہ میں طبع ہونے والا قرآن پہلی دفعہ دیکھا ہے اور جماعت کو مبارکبا د دی۔ثم الحمدللہ۔

ایک اور فضل اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی ہدایت کے مطابق خاکسار سے پہلے امیر ومشنری انچارج مکرم وسیم احمد چیمہ صاحب نے موروگورو کے اہم شہر کے قریب کیمونڈہ کے مقام پر ایک ہسپتال بنوانے کا کام شروع کر رکھا تھا۔لیکن یہ کام ابھی بالکل ابتدائی مراحل میں تھا اللہ تعالیٰ نے توفیق دی خاکسار کے دور امارت میں یہ کام مکمل ہوا اور چالیس بیڈ کا ہسپتال تیار ہو گیا اور وزیر اعظم تنزانیہ جناب جان مالے چیلا صاحب نے ہماری درخواست پر اس کا افتتاح فرمایا اور اس بات پر جماعت کی خدمات کو سراہا کہ کس طرح جماعت احمدیہ اہل تنزانیہ کی صحت کے میدان میں بے لوث خدمت کر رہی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ افتتاح سے پہلے جب ہم نے وزیر اعظم صاحب کے دفتر سے رابطہ کر کے افتتاح کے لئے تاریخ حاصل کرنے کے لئے درخواست کی تو وزیر اعظم کی طرف سے از خود جو تاریخ دی گئی وہ جمعہ 10رجون 1990ء تھی اور یہ تاریخ اس لحاظ سے ہمارے لئے ازدیاد ایمان کا موجب تھی کہ اس سے کچھ عرصہ قبل حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ایک کشف میں Friday The 10th کے الفاظ بار بار چمکتے دیکھے تھے اور اس سے آپ نے استنباط فرمایا کہ انشاء اللہ خدا تعالیٰ آئندہ سالوں میں مختلف اوقات پر Friday The 10th کو جماعت کی تائید ونصرت کے نشانات دکھاتا رہے گا چنانچہ افتتاح کے موقع پر خاکسار نے یہ ایمان افروز واقعہ بھی تمام حاضرین کو سنایا جس سے جماعت احمدیہ اور خلافت احمدیہ کی صداقت کا ایک اور نشان لوگوں نے دیکھا۔الحمدللہ.

ایک اور واقعہ یہ ہوا کہ خاکسار کثرت سے اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہتا کہ اللہ میں تو سواحیلی زبان نہیں جانتا اور اتنا وقت نہیں ہوتا کہ شروع سے ایک خاص معیار تک کی زبان سیکھی جائے اس لئے اے خدا تو میری پردہ پوشی فرما اور مجھے ایسے طریق سے کام کی توفیق دے کہ دعوت الی اللہ کا کام کسی طرح بھی پیچھے نہ رہے بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی خواہش کے مطابق پہلے سے بہت تیز ہو جائے چنانچہ اس کے لئے ایک

طریق تو یہ اختیار کیا گیا کہ حضور انور سے درخواست کر کے بیرون ملک سے ایک Wheel 4 Drive پک اَپ منگوائی گئی۔ اس کے اندر ایک پبلک ایڈریس سسٹم لگوایا گیا۔ داعین الی اللہ کی ایک ٹیم تیار کی جو سواحیلی زبان میں مؤثر طور پر پبلک جلسوں میں خطاب کر سکتی تھی۔ اس میں جماعت تنزانیہ کے سیکرٹری تبلیغ مکرم علی موسیٰ صاحب بھی شامل تھے اور بفضلہٖ تعالیٰ بہت مستعد تھے۔ اس کے بعد دارالسلام اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں مزید دلچسپی پیدا کرنے کے لئے ایک ویڈیو پلیئر اور ٹی وی حاصل کیا گیا جو کہ بیڑی پر چلنے والے تھے کیونکہ ان دنوں اکثر علاقوں میں بجلی مہیا نہیں تھی۔ الحمدللہ اس طریق سے دارالسلام اور دارالسلام کے اردگرد کے علاقوں میں وسیع پیمانے پر دعوت الی اللہ کی تحریک کے دوران اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک تنزانین دوست الیاس مروا صاحب ایک دفعہ مسجد دارالسلام آ کر خاکسار سے ملے۔ وہ انگریزی زبان جانتے تھے اس لئے اسلام احمدیت پر تفصیل سے باتیں ہوئیں۔ انہوں نے لٹریچر بھی خریدا اور مطالعہ کرتے رہے۔ دو تین ملاقاتوں کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ وہ احمدی ہو گئے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے بھرپور تبلیغ شروع کر دی چند دنوں کے بعد وہ ایک نوجوان کو لائے جو Pemba جزیرہ کے ممبر آف پارلیمنٹ کا بیٹا تھا وہ انگریزی بھی جانتا تھا۔ دو تین ملاقاتوں کے بعد وہ بھی احمدی ہو گیا 1992ء میں جب خاکسار کی تنزانیہ سے یوکے ٹرانسفر ہو گئی تو دارالسلام سے روانگی سے قبل خاکسار نے اپنے بعض اچھے اچھے کپڑے وہاں کے مقامی لوگوں کو بطور تحفہ دیئے۔ الیاس مروا صاحب کو بھی سفید شلوار قمیض کا تحفہ دیا اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ شلوار قمیض کس طرح استعمال کرنے کا طریق سمجھایا اس کا خاکسار کو پانچ چھ سال کے بعد علم ہوا جب الیاس مروا صاحب جلسہ سالانہ یوکے پر تشریف لائے اور انٹرنیشنل تبلیغ سیمینار میں تنزانیہ کی نمائندگی کرتے ہوئے انہوں نے بعض واقعات بیان کئے۔ انہیں علم نہیں تھا کہ میں بھی ان کی تقریر پیچھے بیٹھ کر سن رہا ہوں۔ بہرحال انہوں نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں اب تک 30 ہزار بیعتیں کروانے کی توفیق دی ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا کہ مجھے شیخ باجوہ (یعنی خاکسار) نے تنزانیہ سے رخصت ہوتے ہوئے سفید شلوار قمیض کا تحفہ دیا تھا میں اسے پہن کر مختلف علاقوں میں جا کر تبلیغ کرتا ہوں لوگ ایک تنزانین آدمی کو پاکستانی لباس پہنے ہوئے دیکھ کر زیادہ توجہ سے بات سنتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس طریق سے مجھے تنزانیہ اور کینیا ہر دو ممالک میں بہت سی بیعتیں کروانے کی توفیق ملی ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت تک میں تو بھول چکا تھا کہ میں نے کوئی شلوار قمیض انہیں

دی تھی تاہم ان کے ذکر کرنے سے یہ بات یاد آئی اور اس طرح خاکسار نے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ خاکسار کے ذریعہ ہونے والی ایک بیعت کو خدا تعالیٰ نے اس قدر ثمر آور کیا کہ اس کے ذریعہ تیس ہزار لوگ جماعت احمدیہ میں شامل ہو گئے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

اب خاکسار ایک اور واقعہ عرض کرتا ہے جس کا تعلق تنزانیہ میں قیام کے آخری ایام سے ہے ایک روز مسجد دارالسلام میں نماز ظہر پڑھانے کے بعد مکرم الحاج حسن کنگو صاحب نائب امیر تنزانیہ خاکسار کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے آپ کے متعلق ایک خواب دیکھا ہے معلوم نہیں اس کا کیا مطلب ہے خواب میں مَیں نے دیکھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح تنزانیہ میں تشریف لائے ہیں حضور کے استقبال کے لئے ساری جماعت جمع ہے ان میں وہ تمام مبلغین شامل ہیں جو کسی وقت بھی تنزانیہ میں رہے ہیں لیکن آپ ان میں موجود نہیں۔ خواب میں ہی میں نے کسی سے پوچھا کہ شیخ باجوہ کہاں ہیں تو کسی نے بتایا کہ انہیں حضرت خلیفۃ المسیح نے ایک بہت بڑی مسجد بنوانے کے لئے کہیں بھیجا ہے آخر خواب میں ہی خاکسار اس جگہ پہنچ گیا جہاں آپ کو مسجد بنوانے کے لئے بھیجا گیا تھا اور میں نے دیکھا کہ واقعی وہاں ایک بہت بڑی مسجد بن رہی ہے اور وہ جگہ اردگرد علاقے سے بہت اونچی تھی اور آپ وہاں کام کی نگرانی کر رہے تھے الحاج موصوف یہ خواب سنا رہے تھے تو مسجد کے ذکر پر بار بار کہتے کہ وہ بہت بڑی مسجد تھی اور بہت اونچی جگہ پر تھی اس خواب کے قریباً دو تین ماہ بعد خاکسار کو دفتر تبشیر لندن سے خط موصول ہوا کہ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی تقرری واپس برطانیہ فرما دی ہے آپ کی جگہ مکرم وسیم احمد صاحب چیمہ آ رہے ہیں آپ انہیں چارج دے کر برطانیہ آ جائیں۔ حسبِ ہدایت خاکسار برطانیہ پہنچ گیا اور خاکسار کی تقرری برمنگھم میں بطور ریجنل مشنری مڈلینڈ ہو گئی۔ اس وقت برمنگھم جماعت کے پاس پرانا مشن ہاؤس تھا اور جماعت کی ضرورت کے مقابلہ پر بہت چھوٹا تھا۔ اکثر لوگوں کو سردی وغیرہ میں باہر بیٹھنا پڑتا اور عیدوں پر تو باہر ہی جگہ لینی پڑتی جس میں بہت دقت ہوتی تھی۔ خاکسار کو الحاج کنگو لیلو صاحب کی خواب یاد تھی اور اللہ تعالیٰ نے دل میں یہی ڈالا کہ برمنگھم میں ہی بڑی مسجد کی ضرورت ہے اس لئے اس کے لئے خاص کوشش اور دعا کرنی چاہئے۔ الحاج کی خواب کی روشنی میں خاکسار کو پورا یقین ہو گیا کہ یہ مسجد انشاء اللہ ضرور بنے گی یہ خدائی تقدیر ہے لہٰذا ہمارا کام پوری ہمت سے دعا اور کوشش کرنا ہے۔ چنانچہ ایک طرف خاکسار نے حضور انور کی خدمت میں اس کام کے لئے دعائیہ خطوط لکھنے شروع کر دیئے اور دوسری طرف احباب جماعت کو ذہنی طور

پر اس کام کے لئے مالی قربانی کرنے کے لئے تیار کرنا شروع کر دیا تیسرے مسجد کے لئے مناسب جگہ تلاش کرنا شروع کر دی۔ مکرم امیر آفتاب احمد خان صاحب مرحوم سے اجازت لے کر خاکسار نے برمنگھم مسجد کے لئے اپنا ذاتی چندہ -/100 پونڈ ماہوار دینا شروع کر دیا اور دوسرے دوستوں کو بھی تحریک شروع کر دی۔ 10 ماہ کے بعد جب خاکسار کے چندہ کی رقم ایک ہزار پونڈ ہوگئی تو برمنگھم کونسل کی طرف سے ایک جگہ کی آفر ہوئی لیکن وہ ہم حاصل نہ کر سکے اس کے بعد اس جگہ کی آفر ہوئی جہاں اس وقت مسجد دارالبرکات تعمیر ہو چکی ہے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع خود بھی اس جگہ کا معائنہ فرمانے کے لئے تشریف لائے اور بعد میں 2004ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس نے اس کا افتتاح فرمایا۔ اس مسجد کی تکمیل میں بہت سے لوگوں نے کام کیا جن میں مکرم ڈاکٹر سید فاروق احمد صاحب ریجنل امیر مڈلینڈ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سید نصیر شاہ صاحب چیر مین ایم ٹی اے نے بھی مالی لحاظ سے بہت قربانی کی۔ جب جگہ لینے کا فیصلہ کیا گیا اس وقت امیر یو کے مکرم ڈاکٹر ولی شاہ صاحب اس کے بعد مکرم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب امیر مقرر ہوئے تو بہت سا کام آپ کی نگرانی میں ہوا اور افتتاح موجودہ امیر مکرم رفیق احمد حیات صاحب کے وقت میں ہوا۔ **جزاھم اللہ تعالیٰ**۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ جب مسجد کی جگہ مل گئی تو خاکسار نے مکرم الحاج کنگولیو صاحب کو تنزانیہ خط لکھا کہ الحمدللہ آپ کی خواب کو اللہ تعالیٰ نے پورا فرما دیا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے الحاج کنگولیلو صاحب کو توفیق دی کہ وہ جلسہ سالانہ یو کے پر تشریف لائے اور جگہ دیکھنے کے بعد کہنے لگے کہ یہ جگہ بالکل اسی طرح کی ہے جو میں نے سات سال قبل خواب میں دیکھی تھی اور ساری جماعت کے اجلاس میں اپنی پوری خواب بھی سنائی اس طرح خواب کا وہ حصہ بھی پورا ہو گیا جس میں آپ نے دیکھا کہ آپ خود اس جگہ گئے ہیں اور خاکسار سے بھی ملے ہیں۔ جہاں تک اس مسجد کے بڑا ہونے کا تعلق ہے یہ پونے دو ایکٹر کے رقبہ میں واقع ہے اور بیت الفتوح کے بعد اب تک واقعی جماعت احمدیہ برطانیہ میں یہ سب سے بڑی مسجد ہے جس پر تقریباً دو ملین پونڈ خرچ ہوئے ہیں۔ خواب کے مطابق بہت بلند مقام پر واقع ہے۔ الحمد للہ یہ مسجد حضرت مسیح موعودؑ کے اس الہام کو بھی پورا کر دیتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو وسّع مکانک کا ارشاد فرمایا کہ تو اپنے مکان کو وسیع کر۔ آج ساری دنیا میں جماعت احمدیہ کی وسیع وعریض عمارات اس الہام الٰہی اور حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ **الحمدللہ ثم الحمدللہ**۔

❁❁

واقفین زندگی بنگلہ دیش کے چند واقعات

احمد طارق مبشر صاحب واقف زندگی بنگلہ ڈیسک لندن تحریر کرتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کے خاص فضل وکرم سے خاکسار کو مارچ 1995ء سے 2003ء کے مارچ تک بنگلہ دیش کے شمالی علاقہ جماپور زون میں خدمت بجالانے کی توفیق ملی۔ پورے علاقہ میں 48 تبلیغی حلقے تھے۔ میدان عمل میں اللہ تعالیٰ نے کئی معجزے دکھائے۔ یہاں ایک واقعہ کا مختصر ذکر کرتا ہوں۔ مورخہ 25 مارچ 2000ء مرکز کی ہدایت پر جمال پور اور ٹانگا ئیل ضلع کے بارڈر پر واقع کبار یاباری گاؤں میں ہم یعنی میرے ساتھ حسنہ باد جماعت کے پروفیسر عبدالجبار صاحب اور شریشا باڑی جماعت کے مکرم سیف الاسلام صاحب گئے۔ مغرب کے بعد وہاں پروگرام رکھا گیا تھا۔ لیکن نماز عصر کے بعد ہم نے دیکھا کہ علاقہ کے بعض شرارت پسند ایک ملا کے ہمراہ وہاں آئے۔ جس گھر میں ہم بیٹھے وہاں آکر وہ ہمارے ساتھ طرح طرح کی الٹی سیدھی باتیں کرنے لگے۔ یہ بھی کہنے لگے کہ تم لوگ ہمارے علاقہ کے لوگوں کو مرتد بنانے کیلئے آئے ہو، ہم تمہیں یہ کام نہیں کرنے دیں گے۔ ہم نے انہیں سمجھانے کی کافی کوشش کی لیکن وہ کوئی بات سننے کیلئے تیار نہیں تھے۔ اُنہوں نے دھمکیاں دیں۔

اتنے میں مغرب کی نماز کا وقت ہوا۔ وہ لوگ نماز کیلئے قریب کی مسجد میں چلے گئے۔ ہم نے بھی وہیں پر نماز پڑھی اور فیصلہ کیا کہ یہاں ہم اُنکے ساتھ نہیں بیٹھیں گے، کیونکہ ہنگامہ ہونے کا اندیشہ ہے۔ نماز کے بعد خاکسار ٹائلٹ گیا اور اتنی دیر میں تین سو لوگوں نے اس گھر کو گھیر لیا۔ لوگ باہر اشتعال انگیز انداز میں دھمکیاں دے رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہو گیا کہ آج ضرور ہمیں مشکل پیش آئے گی۔ میں نے کمر کی بیلٹ کو کس کر باندھ لیا اور باہر آیا تو دیکھا کہ لوگ باہر میز کرسی لگا رہے ہیں کہ بحث کرنی ہے۔ ان دنوں میری بائیں آنکھ کا آپریشن ہوا تھا۔ جس احمدی بھائی کی دعوت پر ہم ان کے گھر گئے تھے میں اُن کو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ میرا سامان ہے، اگر کچھ ہو گیا تو یہ میرے گھر والوں کو پہنچا دیں۔

ہم نیچے زمین پر بیٹھ گئے۔ میرے اور پروفیسر صاحب کے درمیان علاقے کا ایک نوجوان جو جماعت

اسلامی کا لیڈر رہے خود ہی بطور صدر بیٹھ گیا۔ باتیں شروع ہونے سے پہلے میرے ہاتھ کو زور سے پکڑ لیا گیا تا کہ میں بھاگ نہ جاؤں۔ کئی سوالات ہوئے اور اللہ کے فضل سے خاکسار پچاس منٹ تک مسلسل جوابات دیتا رہا۔ ملاؤں نے کئی اعتراضات کئے۔ جب ہم نے کہا کہ اس کا کیا ثبوت ہے تو وہ قرآن مجید و حدیث کے بجائے بنگلہ رسالوں میں سے ہمارے خلاف حوالے نکال کر دکھانے لگے۔ ہم نے کہا کہ اصل حوالہ دکھائیں، پھر اس پر بات کریں گے۔ اس پر اس نے لوگوں کو بھڑکایا۔ بعدازاں میرے ساتھ بیٹھا ہوا اسلامی جماعت کا رکن کہنے لگا کہ یہ قادیانی جماعت کے افراد بہت اچھی اچھی باتیں کرتے ہیں۔ باتوں سے ہم انہیں قابو نہیں کر پائیں گے۔ یہ جو قادیانی ہیں یہ واجب القتل ہیں۔ چلیں بسم اللہ کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر میری پیٹھ پر زور سے لات ماری۔ پھر ہر طرف سے لوگ ہمیں مارنے لگے۔ جبار صاحب کو بھی مارا۔ تقریباً آدھے گھنٹے تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ میں خون سے لت پت ہو گیا تھا۔ آخر کار بے ہوش ہو گیا۔ بعد میں اکبر صاحب اور ان کے بعض دوستوں نے مجھے وہاں سے نکلوانے کا انتظام کیا۔

میرے سر پر شدید چوٹیں آئیں۔ کسی طرح وہاں سے نکلے اور کھیتوں میں سے ہوتے ہوئے دو تین گھروں میں پناہ لی۔ وہ لوگ ہمیں ڈھونڈنے لگے اور جلوس نکالے۔ اس وقت تک ہم کئی میل پیدل چل کر ایک محفوظ جگہ یعنی جگناتھ گنج گھاٹ کے بس سٹینڈ پر پہنچے پھر وہاں سے رات تقریباً ایک بجے رکشہ کے ذریعہ شریشار باڑی میں تصدق حسین صاحب کے گھر پہنچے۔

بعد میں معلوم ہوا کہ ملاؤں نے باقاعدہ پیسے اور شراب دے کر مشہور جسیم ڈاکو اور اُس کے ساتھیوں کو ہمیں مارنے کیلئے کرایہ پر حاصل کیا تھا۔ انہوں نے صرف ہمیں مار کر ہی بس نہیں کیا بلکہ علاقہ کے اور احمدیوں کو بھی مارا اور ان کے گھر کے سامان لوٹے اور نقصان پہنچایا۔

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے فوراً بعد معجزہ دکھایا اور وہ ملا جو وہاں کی مسجد کا امام بھی تھا، ایک خاتون کے ساتھ ناجائز تعلقات قائم کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑا گیا۔ علاقہ کے لوگوں نے اس کا سر منڈوا کر، مٹی کا تیل لگا کر اور گلے میں جوتے کا ہار پہنا کر گاؤں سے ذلت کے ساتھ نکال دیا۔ جبکہ جسیم ڈاکو اپنی بیوی کے بڑے بھائی کو مار پیٹ کرنے کے کیس میں گرفتار ہوا اور 8 مہینہ جیل میں رہا۔ جیل سے باہر آتے ہی بیمار ہو گیا اور اس کی کمر کے نچلے حصہ میں فالج ہو گیا۔ بعد میں اس کی حالت دردناک ہو گئی۔ اس نے میرے اور پروفیسر صاحب کے نام معافی کا خط بھی لکھا۔

اب اللہ کے فضل سے اس علاقہ میں ڈش کے ذریعہ ایم ٹی اے بنگلہ کے لائیو پروگرام دکھائے جارہے ہیں۔گاؤں کے لوگ ایم ٹی اے کی برکت سے ان لوگوں کو دیکھتے ہیں جنہیں ناحق مار مار کر گاؤں سے باہر نکال دیا تھا۔اللہ تعالیٰ نے مسیح محمدی کی جماعت کو اتنی برکت عطا کی ہے کہ اُن میں سے یہ خاکسار لندن میں بیٹھ کر ایم ٹی اے کے پروگرام پیش کررہا ہے۔یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی بڑی دلیل ہے۔

اس حادثہ کے بعد سے خاکسار مسلسل آنکھوں کی تکلیف میں مبتلا ہے۔آٹھ دفعہ آنکھ کا آپریشن ہو چکا ہے۔خاکسار اپنے لئے بھی دعا کی درخواست کرتا ہے۔اللہ تعالیٰ تا دم آخر سلسلہ کی خدمت بجالانے کی توفیق عطا فرمائے اور محض اپنے فضل سے قبول فرمائے۔آمین۔

مولوی محمد امیر حسین صاحب معلم وقف جدید بنگلہ دیش لکھتے ہیں کہ:

اپریل 1993ء میں احمدیہ مسلم جماعت ماہی گنج کا جلسہ سالانہ منعقد ہونے والا تھا۔مختلف جماعتوں سے مہمانوں کا آنا شروع ہو گیا تھا۔اچانک جلسہ سے پہلے دن مقامی لیڈر مختار حسین اور نور محمد کی قیادت میں چار پانچ صد مولوی اور مقامی لوگ جلوس لیکر ماہی گنج مسجد کے آنگن میں آئے۔ہم لوگ سب دُعاؤں میں مشغول تھے۔وہ لوگ آکر کہنے لگے کہ ہمارے ساتھ بحث کرنی ہوگی اور ماہی گنج کالج گراؤنڈ میں عام لوگوں کے سامنے یہ بحث کرنی ہوگی۔خاکسار کا تقرر اسی جماعت میں تھا۔میری عمر بہت کم تھی۔میں نے عام لوگوں کے سامنے بڑے زور سے کہا کہ ہم بحث نہیں کر سکتے، جب تک ہمارے نیشنل امیر صاحب اجازت نہیں دیتے۔ہم لوگ مرکز سے مشورہ کر کے اطلاع کریں گے۔یہ بات سنتے ہی اُن لوگوں کے ہاتھوں میں جو لاٹھیاں تھیں وہ مارنے کیلئے اُٹھائیں۔اچانک اسی وقت ساتھ والے گاؤں ہوائی ٹاویر کے ایک ماسٹر صاحب نے کہا کہ ٹھیک کہا۔ان کے لیڈروں کے ساتھ بات کر کے بحث کرنے کا انتظام کریں گے۔دوسرے سب لوگ کہنے لگے کہ آپ یہاں پر لیڈری کرنے آئے ہیں۔ماسٹر صاحب کو ان لوگوں پر غصہ آیا اور کہا کہ میں اس علاقہ کا ٹیچر ہوں۔موصوف کو احمدیت کے بارے میں پتہ تھا۔یہ بات کہنے کی وجہ سے ایک آدمی ان پر حملہ آور ہوا۔اس پر گاؤں والے ماسٹر صاحب کا ساتھ دیتے ہوئے مخالفین کے ساتھ جھگڑنے لگے۔اس وقت مخالفین مسجد کے ساتھ والے آم اور کھٹال کے باغ میں گئے۔جہاں پر

پودوں کے ساتھ بانس کے دوٹکڑے لگائے ہوئے تھے۔مخالفین نے مارنے کیلئے اس باغ سے بانس کے ٹکڑے اٹھانے کیلئے بہت کوشش کی۔لیکن اللہ کا فضل ہوا ایک بھی اٹھا نہیں پائے۔اس سے مخالفین کے ہاتھ کٹ گئے اور آخر میں وہ آپس میں جھگڑا کر کے علاقہ چھوڑ کر چلے گئے۔

مکرم محمود احمد سومن صاحب معلم وقف جدید بنگلہ دیش لکھتے ہیں:

مئی 2003ء کی بات ہے مجھے چٹاگرام سے رانگہ ماٹی ضلع کے ایک گاؤں ماحلاؔ میں بھجوایا گیا۔10 مئی کو نماز جمعہ پڑھائی۔نئے امام صاحب کو دیکھ کر لوگوں کے دلوں میں مختلف سوال اُٹھے۔اِدھر سابق امام صاحب نے مائنی بازار کے مدرسوں میں خبر دی کہ ماحلاؔ کے سب لوگ قادیانی ہو گئے ہیں۔ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے اور چٹاگرام سے امام لا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔یہ بات سن کر ملا لوگوں نے مائنی آرمی کیمپ میں شکایت کی کہ مسلمانوں کو زورزبردستی سے قادیانی بنا رہے ہیں۔عیسائی بنا رہے ہیں۔گاؤں میں جھگڑا فساد شروع ہو جائے گا۔گاؤں کے حالات خراب ہو جائیں گے۔اگر آپ لوگ ان تین قادیانیوں کا فیصلہ نہیں کریں گے تو ہم اس کا انتظام کریں گے۔ملاؤں کی شکایت سن کر شام تین بجے کے قریب دوفوجی آکر کہہ گئے کہ جو تین افراد چٹاگرام سے آئے ہیں۔کل صبح 9 بجے آرمی کیمپ کے نمائندے سے ملاقات کریں۔دوسرے دن صبح ہی چٹاگرام چلے جانا تھا۔اس لئے سوچا کہ آج ہی کیوں نہ ملاقات کر آئیں۔ہم تینوں کے علاوہ کچھ مقامی احمدی بھی مائنی کیمپ میں کمانڈر کے ساتھ ملاقات کرنے کیلئے گئے۔جب کیمپ میں پہنچے تو اُنہوں نے غصہ بھرے الفاظ میں کہا کہ آج کیوں آئے ہو۔کل جس وقت آنے کو کہا ہے اُسی وقت آنا ہوگا۔ہم لوگوں نے کہا کہ ہم میں سے ایک شخص نے صبح چلے جانا ہے۔اس لئے آئے ہیں۔یہ بات سن کر کمانڈر اور غصہ میں آگیا اور کہا کہ میری اجازت کے بغیر چٹاگرام نہیں جاسکتے۔ہم لوگ سلام کر کے چلے آئے۔

ہم لوگ مسجد میں سوتے ہوئے سوچ رہے تھے کہ کل کیا ہوگا۔نماز تہجد ادا کی۔خدا تعالیٰ کے حضور دعائیں کیں۔اے خدا اس کمانڈر کے دل میں کچھ رحم فرما۔ان کو حضرت امام مہدیؑ کی سچائی کو سمجھنے کی توفیق عطا کر۔دوسرے دن صبح 9 بجے سے پہلے ہی ہم تینوں افراد مقامی صدر صاحب اور کچھ احمدی ملکر مائنی بازار کیمپ میں حاضر ہوئے۔ہمارے سارے آدمیوں کو میں نے کہا کہ میں جب بات کروں گا آپ سب ملکر

دعا کریں گے۔ ہمارے جانے کے بعد ہی مختلف اطراف سے کئی سو لوگ آ کر جمع ہو گئے۔ ملاؤں کے گروپ بڑی بڑی کتب لیکر حاضر ہوئے کسی نے ہاتھوں میں لاٹھیاں بھی لی ہوئی تھیں۔ گاؤں کے لوگ قادیانی کیسے ہیں دیکھنے کیلئے آئے کہ وہ کس طرح کے ہیں اصل بات ہے کہ کمانڈر صاحب نے ملاؤں کو خبر دے رکھی تھی۔

ہم بیٹھ گئے۔ ایک طرف ملاؤں کا گروپ اور دوسری طرف کمانڈر صاحب بیٹھے اور چاروں طرف فوجی کھڑے تھے۔ ملا ایک کے بعد ایک سوال کرتے رہے اور خاکسار قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیتا رہا۔ ملاؤں نے شور مچانا شروع کیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ کمانڈر صاحب کو کہا کہ سبھی قادیانی کافر ہیں۔ ان کی کوئی بات نہ سنے۔ کافر کو قتل کرنے سے ہمیں ثواب ہوگا۔ آپ فیصلہ نہیں کر سکتے تو ہم پر چھوڑ دیں۔ حالات بہت خراب ہو رہے تھے۔

میں نے کمانڈر صاحب کو کہا کہ ہمیں 10 منٹ وقت دیں۔ ہمارا کیا ایمان ہے، ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں۔ اس کے بعد اگر آپ کو معلوم ہو کہ ہم کافر ہیں تو پھر ہمیں جو سزا دینا چاہتے ہیں، دیں۔ ہم خوشی سے قبول کریں گے۔ کمانڈر صاحب نے سب کو خاموش ہونے کیلئے کہا۔ اس کے بعد میں نے حضرت امام مہدیؑ کی کتاب آئینہ الصلح سے زور زور سے پڑھ کر اپنا عقیدہ سنایا اور کہا کہ اس کے بعد اگر ہم مسلمان نہیں تو یہ ملاں ہمیں بتائیں کہ مسلمان کا کلمہ کیا ہے جس کے ذریعہ مسلمان بنایا جاتا ہے۔ جب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر پڑھ رہا تھا اس وقت لگ رہا تھا کہ کمانڈر صاحب کا دل نرم ہو رہا تھا کمانڈر صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ آپ لوگ 99 فیصد مسلمان ہیں۔ آپ لوگ مسلمان نہیں ہوں گے تو کون مسلمان ہوگا۔ آپ جس کو امام مہدی کہہ رہے ہیں وہ اصل میں امام مہدیؑ ہے یا نہیں اس کی تحقیق کرنے کی ضرورت ہے۔ کمانڈر صاحب نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ یہ لوگ مسلمان ہیں۔ اگر ان کو کوئی کچھ کہے گا تو میں پورے گاؤں کو پکڑ کر لاؤں گا اور سب کو کہہ دیا کہ وہ کل چٹر گرام جائیں گے۔ ان کو کسی قسم کی کوئی مشکل نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے بعد موصوف کمانڈر صاحب نے ہمارے ساتھ مصافحہ کیا اور معانقہ کر کے ہمیں الوداع کیا۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے ہمیں فتح نصیب کی جو ہماری سوچ میں بھی نہ تھی۔

❁❁

تعارف

محترم ڈاکٹر افتخار احمد ایاز صاحب

از طرف عبدالماجد طاہر صاحب ایڈیشنل وکیل التبشیر ،لندن

آپ نے ابتدائی تعلیم قادیان میں حاصل کی۔چھوٹی عمر میں تنزانیہ تشریف لے گئے۔ثانوی تعلیم وہاں حاصل کی۔ بعدہٗ کامن ویلتھ فیلوشپ پر انگلستان اعلیٰ تعلیم کیلئے گئے۔وہاں نیوکیسل یونی ورسٹی سے بی ایڈ جنرل کی ڈگری حاصل کی اور پھر لندن سے پوسٹ گریجوایٹ ڈپلومہ اِن ٹیچنگ آف انگلش اور ڈپلومہ اِن کمپیریٹو ایجوکیشن حاصل کرنے کے بعد آپ نے یونی ورسٹی آف لندن سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی۔بعد ازاں امریکہ سے ہیومن ڈیویلپمنٹ میں پی ایچ ڈی کی۔تنزانیہ میں قیام کے دوران مختلف جماعتی عہدوں پر خدمت کی توفیق ملی۔خاص طور پر ویسٹرن ریجن میں جماعت کے قیام اور استحکام کیلئے۔ بحرالکاہل کے جزائر طوالو میں احمدیت کا پودا لگانے کی سعادت نصیب ہوئی۔بعدہٗ قرآن کریم کا طوالو زبان میں ترجمہ مکمل کرا کے شائع کروایا۔وہاں مسجد احمدیہ اور مشن ہاؤس کی تعمیر ہوئی۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے اعزازی مبلغ کے خطاب سے نوازا۔طوالو کے بعد بحرالکاہل کے دیگر جزائر ممالک میں احمدیت کے پودے لگانے کی توفیق ملی۔1996ء میں انگلستان آنے پر بطور آنریری کانسل جنرل آف طوالو تقرری ہوئی۔انگلستان میں جماعت کے شعبہ تبلیغ کے ساتھ منسلک ہوئے۔پھر بحیثیت قائد تبلیغ مجلس انصاراللہ خدمت کی اور پھر بطور صدر مجلس انصاراللہ یوکے خدمت کرنے کی توفیق ملی۔جماعت احمدیہ یوکے کے امیر بھی رہے۔قضاء بورڈ یوکے کے ممبر اور قائم مقام صدر رہے۔مرکزی مجلس افتاء کے اعزازی رکن بھی رہے اور جماعت یوکے کے سیکرٹری امور خارجہ کی خدمت بھی سپرد ہوئی۔اب یوروپ کی جماعتوں کے ہیومن رائٹس کے یونٹ کے ساتھ منسلک ہیں۔ احمدی ریفیوجیز اور اسائلم کے متلاشی احمدیوں کی خدمت کا خاص موقعہ مل رہا ہے۔آپ وکالت تصنیف کی انگریزی تراجم کی ٹیم میں شامل ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر کئی بزرگان سلسلہ کی کتابوں کے انگریزی تراجم ریویو کر چکے ہیں۔آپ طاہر فاؤنڈیشن کے ڈائریکٹر ہیں نیز ورلڈ میڈیا فورم انٹرنیشنل کے بھی

ڈائریکٹر ہیں۔ ہیومن رائٹس میں خصوصی دلچسپی ہے۔ کامن ویلتھ کے ہیومن رائٹس یونٹ اور یو این ہیومن رائٹس کونسل کے ساتھ منسلک ہیں۔ ایمنیسٹی انٹرنیشنل کے ممبر ہیں۔ اسی طرح اور کئی انٹرنیشنل اور ریجنل اداروں کے ساتھ انسانیت کی خدمت کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔

آپ ایک اچھے مقرر اور نثر نگار ہیں۔ آپ کی تقاریر، مضامین اور انٹرویوز انٹرنیٹ پر اور مختلف رسالہ جات اور اخبارات میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ کی تصنیف 'وقف زندگی کی اہمیت اور برکات' بہت پسند کی گئی ہے اور وقف زندگی کے انسائیکلو پیڈیا کا مقام دیا گیا ہے۔ اس کا انگریزی ترجمہ بھی شائع ہو چکا ہے اور اس کے بارے میں حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد ہے کہ اسے سارے جامعات میں بھجوایا جائے اور سب اس کے مطالعہ سے فائدہ اُٹھائیں۔ یہ آپ کی چوتھی کتاب ہے جو منظر عام پر آ رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کاوشوں کو قبول فرمائے اور ان کے بابرکت نتائج مرتب ہوں۔

آپ نے ملازمت کی ابتدا بطور ٹیچر تنزانیہ سے کی۔ بہت تیزی سے ترقیات کی منازل طے کیں۔ ٹیچر سے ایجوکیشن افسر، انسپکٹر آف سکولز، چیرمین ٹیچر ایجوکیشن بورڈ کے عہدوں پر بھی کام کیا۔ پھر انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن اور یونیورسٹی آف دارالسلام میں سینئر لیکچرار کے عہدے پر کام کیا۔ بعدۂ یو این او کے ادارہ FAO کے سینٹر برائے انٹیگریٹڈ رورل ڈیویلپمنٹ فار افریقہ (CIRDAFRICA) کے ساتھ کام کیا۔ پھر کئی سالوں تک کامن ویلتھ اور یو این ڈی پی اور یونیسکو کے ساتھ فیلڈ ایکسپرٹ اور مشیر کی حیثیت سے خدمت کا موقع ملا۔

آپ کی حسن کارکردگی، علمی قابلیت اور انسانیت کی خدمت کیلئے خاص شوق اور ولولہ کو مختلف ممالک، اداروں، یونیورسٹیز اور تنظیموں کی طرف سے متعدد اعزازات کی صورت میں تسلیم کیا گیا۔ ان میں سے چند ایک خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ملکہ برطانیہ کی طرف سے او بی ای کا خطاب، الفریڈ آئن سٹائن نوبل میڈل فار پیس، اعزازی ڈاکٹریٹ ان ایجوکیشن، ایمبیسڈر آف پیس، مین آف دی ائیر 2009ء ان ہیومن رائٹس۔ انڈیا کی طرف سے ہندرتن اور نورتن کے گولڈ میڈل، ورلڈ نیشنز کانگریس کے سینیٹر اور امریکن بائیو گرافیکل انسٹی ٹیوٹ کے ڈپٹی گورنر۔ حال ہی میں کیمبرج یونی ورسٹی کی طرف سے ایمبیسڈر آف نالج کا اعزاز۔ اسی طرح 21ویں صدی کے گریٹ مائنڈز اور دنیا کی فیض رسان شخصیات میں آپ کو شامل کیا گیا ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اللھم زد و بارک۔

❁❁